قومیں ناکام کیوں ہوتی ہیں

ڈیرون اسیم اوگلو۔ جیمز اے رابنسن

ترجمہ: پروفیسر مقبول الٰہی



مسعل

قومیں ناکام کیوں ہوتی ہیں

دیرون اسیم اوگلو۔جیمز اے رابنسن

ترجمہ: پروفیسر مقبول الٰہی



مشعل بکس

آر۔بی5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان

MashalBooks.org

قومیں ناکام کیوں ہوتی ہیں

دیرون اسیم اوگلو۔جیمز اے رابنسن

ترجمہ:

پروفیسر مقبول الٰہی

کاپی رائٹ اردو © 2016 مشعل بکس

کاپی رائٹ انگریزی © 2012 دیرون اسیم اوگلو۔جیمز اے رابنسن

ناشر: **مشعل بکس**

آر-بی-5، سیکنڈ فلور،

عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،

لاہور-54600، پاکستان

فون وفیکس: 042-35866859

Email: mashbks@brain.net.pk

http://www.mashalbooks.org

فہرست

MashalBooks.org

پیش لفظ

یہ کتاب، آمدنیوں اور معیارِ زندگی کے ان بڑے بڑے اختلافات کے بارے میں ہے، جو ریاستہائے متحدہ امریکہ، برطانیہ عظمیٰ اور جرمنی جیسے دنیا کے امیر ملکوں کو زیریں صحرائی افریقہ، وسطی امریکہ اور جنوبی ایشیا جیسے غریب ملکوں سے علیحدہ کرتے ہیں۔

اس وقت جب ہم یہ پیش لفظ لکھ رہے ہیں، شمالی افریقہ اور مشرق اوسط اس ''عرب بہار'' سے ہل کر رہ گئے ہیں، جو اس انقلاب سے شروع ہوئی جسے انقلاب یاسمین کا نام دیا جاتا ہے، جس کو بنیادی شعلہ 17 دسمبر 2010 کو پھیری والے، محمد بوعزیزی کی خودکشی پر عوامی غم و غصے سے ملا۔ 14 جنوری 2011 تک، صدر زین العابدین بن علی، جو 1987 سے تیونس پر حکومت کر رہا تھا، تخت سے اتر چکا تھا، لیکن، تیونس میں مراعات یافتہ طبقہ علیا کی حکمرانی کے خلاف انقلابی جذبہ شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا، اور باقی ماندہ مشرق اوسط تک پھیل چکا تھا۔ وہ حسنی مبارک جس نے تقریباً تیس سال تک مضبوط گرفت کے ساتھ مصر پر حکومت کی تھی 11 فروری 2011 کو نکالا جا چکا تھا۔ معلوم نہیں جب تک ہم اس پیش لفظ کو مکمل کریں گے، بحرین، لیبیا، شام اور یمن کی حکومتوں کا انجام کیا ہوگا۔

ان ممالک میں بے اطمینانی کی جڑیں ان کی غربت میں ہیں۔ ایک عام مصری کی آمدنی کی سطح ریاستہائے متحدہ کے ایک عام شہری کے تقریباً بارہ فیصد کے برابر ہے، اور وہ اس سے دس سال کم زندہ رہنے کی توقع کر سکتا ہے؛ آبادی کا بیس فیصد شدید غربت میں زندگی بسر کرتا ہے، اگرچہ یہ اختلافات بھی معنی خیز ہیں، لیکن درحقیقت یہ ان اختلافات کے مقابلے میں جو

ریاستہائے متحدہ اور دنیا کی غریب ترین اقوام مثلاً شمالی کوریا، سیرالیون، اور زمبابوے کی نسبت، جہاں نصف آبادی سے بھی اوپر غربت میں زندگی بسر کرتی ہے، بہت ہی کم ہیں،

مصر، ریاستہائے متحدہ کی نسبت اتنا زیادہ غریب کیوں ہے؟ وہ کیا روکاوٹیں ہیں جو مصریوں کو زیادہ خوشحال ہونے سے روکتی ہیں؟، کیا مصر کی غربت ناقابل تغیر ہے یا کیا اسے ختم کیا جا سکتا ہے؟ اس پر غور کرنے کا ایک فطری طریقہ، اس بات پر نگاہ ڈالنا ہے کہ خود مصری ان مسائل کے بارے میں جن کا ان کو سامنا ہے، کیا کہہ رہے ہیں اور وہ مبارک کی حکومت کے خلاف کیوں کھڑے ہوئے۔

نُہا حامد نے جو قاہرہ میں ایک اشتہاراتی ایجنسی میں ایک چوبیس سالہ کارکن ہے، اس بارے میں کہ اس نے تحریر چوک میں کیوں مظاہرہ کیا، اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا: ''ہم بدعنوانی، ظلم اور کم تر تعلیم کا شکار ہیں۔ ہم ایک بدعنوان نظام کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں، جسے لازماً تبدیل ہونا ہے''۔ چوک میں موجود ایک اور شخص، فارمیسی کے ایک بیس سالہ طالبعلم مصعب الشامی نے اس کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے کہا ''میں امید کرتا ہوں کہ اس سال کے اخیر تک ہمارے ہاں ایک منتخب حکومت ہوگی اور یہ کہ ہمہ گیر آزادیوں کا اطلاق ہوگا اور ہم اس بدعنوانی کا خاتمہ کر دیں گے، جس نے اس ملک پر قبضہ کیا ہوا ہے''، تحریر چوک میں احتجاج کرنے والوں نے حکومت کی بدعنوانی، عوامی خدمات مہیا کرنے میں اس کی نااہلیت اور ملک میں مواقع کی مساوات کی عدم موجودگی کے خلاف یک زبان ہو کر آواز اٹھائی۔ انہوں نے خاص طور پر حکومتی دباؤ اور سیاسی حقوق کی عدم موجودگی کی شکایت کی۔ جیسا کہ محمد البرادی، جو کہ بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی کے سابق ڈائریکٹر ہیں، نے 13 جنوری 2011 کو ٹویٹر پر لکھا ''تیونس: دباؤ+ سماجی انصاف کا عدم وجود+ پر امن تبدیلی کے لئے راستوں سے محرومی = ٹکٹکاتا ہوا بم''، مصریوں اور تیونیسیوں دونوں نے یہ ادراک کیا کہ ان کے معاشی مسائل کا سبب بنیادی طور پر ان کے سیاسی حقوق کا فقدان ہے۔ جب احتجاج کاروں نے اپنے مطالبات کو زیادہ منظم طریقے سے تشکیل دینا شروع کیا، تو پہلے بارہ مطالبات، جو سافٹ ویر کے انجینئر اور بلاگر وائل خلیل، جو مصریوں کی احتجاجی تحریک کے زُعما میں سے ایک کے طور پر ابھرے، کی طرف سے سامنے رکھے گئے، تمام کے تمام سیاسی تبدیلی پر مرکوز تھے۔ کم سے کم معاوضوں میں اضافے جیسے مسائل محض ان عبوری مطالبات

MashalBooks.org

کے اندر شامل تھے، جن پر بعد میں عمل درآمد ہونا تھا۔

مصریوں کے مطابق، ان چیزوں میں جنہوں نے انہیں پسماندہ رکھا ہوا ہے، ایک بے اثر اور بدعنوان ریاست، اور معاشرہ شامل ہے، جس میں وہ اپنی صلاحیتوں، آگے بڑھنے کے جذبے، ذہانت اور جو تعلیم وہ حاصل کرتے ہیں، کا استعمال نہیں کرسکتے۔ لیکن وہ یہ ادراک رکھتے ہیں کہ ان تمام مسائل کی جڑ سیاسی ہے۔ وہ تمام معاشی رکاوٹیں جن کا انہیں سامنا ہے، اس طریقے سے جنم لیتی ہیں جس طریقے سے مصر میں سیاسی طاقت کا استعمال ہوتا ہے اور اس پر ایک چھوٹے سے طبقہ علیا کی اجارہ داری قائم ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ پہلی چیز ہے جسے تبدیل ہونا چاہئے۔

لیکن ایسا یقین کرنے میں تحریر چوک کے احتجاج کاروں نے اس موضوع پر روایتی دانش سے واضح انحراف کیا ہے۔ زیادہ تر اساتذہ اور تبصرہ کار جب اس بات پر دلائل دیتے ہیں کہ مصر جیسا ایک ملک غریب کیوں ہے تو وہ اس سے بالکل مختلف عوامل پر زور دیتے ہیں۔ بعض اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مصر کی غربت کا تعین اس کے جغرافیے سے ہوتا ہے، اس حقیقت سے کہ ملک زیادہ تر صحرا ہے اور مناسب بارشوں سے محروم ہے، اور یہ اس کی سرزمین اور آب وہوا پیداواری زراعت کی اجازت نہیں دیتے۔ دوسرے اس کی بجائے مصریوں کی تمدنی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو کہ معاشی ترقی اور خوشحالی کے لئے مفروضہ طور پر ناسازگار ہیں۔ وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ مصریوں کے ہاں کام کی اسی طرح کی اخلاقیات اور تمدنی خصوصیات کی کمی ہے، جنہوں نے دوسرے لوگوں کی پھلنے پھولنے کا موقع دیا ہے، اور اس کی بجائے انہوں نے اسلامی عقائد کو اختیار کیا ہے جو معاشی کامیابی سے لگا نہیں کھاتے۔ یہ تیسرا نقطہء نظر، وہ نقطہء نظر کہ جو ماہرین معاشیات اور پالیسی شناسوں کے ہاں غلبہ کا حامل ہے، اس نظریئے پر مبنی ہے، کہ مصر کے حکمران بالکل نہیں جانتے کہ اپنے ملک کو خوشحال بنانے کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے، اور ماضی میں انہوں نے غلط پالیسیوں اور حکمت عملیوں کی پیروی کی ہے، سوچ یہ ہے کہ اگر ان حکمرانوں نے صحیح مشورہ کاروں سے صحیح مشورہ حاصل کیا ہوتا تو خوشحالی آجاتی۔ ان اساتذہ اور دانشوروں کے ہاں، یہ حقیقت کہ مصر پر وہ محدود طبقہ علیا حکومت کرتا رہا ہے جو معاشرے کی قیمت پر اپنا الو سیدھا کرتا رہا ہے، ملکی معاشی مسائل کی تفہیم میں بے معنی ہے۔

اس کتاب میں ہمارا استدلال یہ ہے کہ تحریر چوک میں جمع ہونے والے مصریوں کا، نا کہ

زیادہ تر اساتذہ اور تبصرہ کاروں کا، تصور صحیح ہے۔ درحقیقت مصر ٹھیک اس وجہ سے غریب ہے کہ اس پر ایک محدود طبقہ اشرافیہ نے حکومت کی ہے، جس نے معاشرے کی تنظیم وسیع تر عوام کی قیمت پر محض اپنے فائدے کے لئے کی ہے، سیاسی قوت تنگ دائرے میں مرکوز کردی گئی ہے، اور اسے ان لوگوں کے لئے مزید دولت پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو پہلے ہی اس پر قابض ہیں، جیسا کہ ظاہراً 70 بلین ڈالر کا خزانہ سابق صدر مبارک کی طرف سے جمع کیا گیا۔ خسارہ اٹھانے والے مصری عوام ہیں جیسا کہ وہ بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

ہم یہ دکھائیں گے کہ مصریوں کی غربت کی یہ توجیہہ، جو کہ عام لوگوں کی توجیہہ ہے، اس بات کی عام توجیہہ ثابت ہوگی کہ غریب ممالک غریب کیوں ہیں۔ خواہ یہ شمالی کوریا ہو، سیرا الیون، یا زمبابوے ہو، ہم یہ ثابت کریں گے کہ غریب ممالک انہی اسباب کی بنا پر غریب ہیں، جن اسباب کی بنا پر مصر غریب ہے۔ برطانیہ عظمیٰ اور ریاستہائے متحدہ اس وجہ سے امیر ہوگئے کہ ان کے شہریوں نے ان طبقات اشرافیہ کا تختہ الٹ دیا جن کا طاقت پر کنٹرول تھا، اور ایک ایسا معاشرہ تخلیق کیا جہاں سیاسی حقوق کی تقسیم بہت زیادہ وسیع پیمانے پر کی گئی، جہاں حکومت شہریوں کے آگے جواب دہ اور ذمہ دار تھی، اور جہاں لوگ وسیع پیمانے پر معاشی مواقع سے فائدہ اٹھاسکتے تھے۔ ہم یہ ثابت کریں گے کہ یہ سمجھنے کے لئے آج دنیا میں اس قدر عدم مساوات کیوں ہے، ہمیں ماضی کو کھوجنا، اور معاشروں کی تاریخی حرکیات کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ ہم دیکھیں گے کہ اس بات کی وجہ کہ برطانیہ مصر سے امیر تر ہے، یہ ہے کہ 1688 میں برطانیہ (یا زیادہ طور پر انگلستان) کے ہاں ایک انقلاب آیا جس نے قوم کی سیاست اور اس طرح معاشیات کی کایا پلٹ دی۔ لوگ زیادہ سیاسی حقوق کی خاطر لڑے اور انہیں حاصل کرلیا، اور ان حقوق کو انہوں نے اپنے معاشی مواقع کو توسیع دینے کے لئے استعمال کیا۔ اس کا نتیجہ بنیادی طور پر ایک مختلف سیاسی اور معاشی قوس تھی، جو صنعتی انقلاب پر منتج ہوئی۔

صنعتی انقلاب اور وہ مشینی صنعتیں جن کو اس نے فروغ دیا، مصر تک نہ پہنچیں، کیونکہ یہ ملک سلطنت عثمانیہ کے زیرنگیں تھا، جو مصر کے ساتھ وہی سلوک کرتی تھی جو بعد میں مبارک کے خاندان نے کیا۔ 1798 میں عثمانیہ حکومت کا تختہ نپولین بوناپارٹ نے الٹ دیا، لیکن پھر یہ ملک برطانوی

MashalBooks.org

استعمار کے تحت آ گیا، جسے مصر کی خوشحالی میں اتنی ہی کم دلچسپی تھی جتنی کہ عثمانیوں کو۔ اگرچہ مصریوں نے عثمانی اور برطانوی سلطنتوں کو ہلا دیا اور 1952 میں ان کی بادشاہت کا تختہ الٹ دیا، لیکن یہ انقلاب 1688 میں انگلینڈ میں آنے والے انقلاب کی مانند نہ تھے، اور وہ مصر میں بنیادی طور پر شناخت کو تبدیل کرنے کی بجائے ایک اور طبقہ علیا کو اقتدار میں لے آئے، جو عام مصریوں کے لئے خوشحالی لانے میں اتنے ہی لاپرواہ تھے جتنے کہ عثمانی اور برطانوی تھے۔ نتیجے کے طور پر معاشرے کا بنیادی ڈھانچہ تبدیل نہ ہوا، اور مصر غریب ہی رہا۔

اس کتاب میں ہم اس بات کا مطالعہ کریں گے کہ یہ نمونے وقت کے ساتھ ساتھ کس طرح اپنی تخلیق نو کرتے رہتے ہیں، اور کیوں وہ بعض اوقات تبدیل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ وہ انگلستان میں 1688 میں اور فرانس میں انقلاب کے ساتھ 1789 میں تبدیل ہو گئے یہ چیز ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دے گی کہ آیا، مصر میں آج صورت حال تبدیل ہو گئی ہے، اور آیا کہ وہ انقلاب جس نے مبارک کا تختہ الٹا ہے، اداروں کے ایک نئے سیٹ کی طرف لے جائے گا، جو عام مصریوں کے ہاں خوشحالی لانے کے قابل ہوں۔

مصر میں ماضی میں انقلاب آتے رہے ہیں، جنہوں نے حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، کیونکہ ان لوگوں نے جو انقلاب کی پشت پر تھے، ان لوگوں کے ہاتھوں سے جنہیں انہوں نے معزول کیا باگ ڈور سنبھال لی اور دوبارہ ویسا ہی نظام تخلیق کر لیا۔ یقیناً یہ بات عام شہریوں کے لئے بہت مشکل ہے کہ وہ سیاسی قوت حاصل کر لیں اور اس طریق کار کو تبدیل کر دیں جس پر ان کا معاشرہ کام کر رہا ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے، اور ہم دیکھیں گے کہ انگلستان، فرانس، ریاستہائے متحدہ اور جاپان اور برازیل میں بھی یہ کس طرح واقع ہوا۔ بنیادی طور پر، اسی طرح کی سیاسی تبدیلی ہی وہ چیز ہے جس کی ایک غریب معاشرے کو امیر بننے کے لئے ضرورت ہے۔ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ شاید یہ مصر میں واقع ہو ہی رہی ہو۔ ریدا متوالی، جو کہ تحریر چوک میں ایک اور احتجاج کار تھی نے استدلال کیا ”آب آپ مسلمانوں اور عیسائیوں کو اکٹھے دیکھ رہے ہیں، بوڑھوں اور نوجوانوں کو اکٹھے دیکھ رہے ہیں، یہ سب کے سب ایک ہی چیز کا تقاضا کر رہے ہیں“ ہم جائزہ لیں

گے کہ معاشرے میں ایسی وسیع تحریک ان تمام دوسری سیاسی تبدیلیوں میں واقع ہونے والے واقعات کا بنیادی حصہ تھی۔ اگر ہم اس بات کو سمجھ لیں کہ ایسی تبدیلیاں کب اور کیوں واقع ہوتی ہیں، تو ہم یہ جائزہ لینے کی بہتر پوزیشن میں ہوں گے کہ ہم ایسی تحریکوں سے کب ناکام ہونے کی توقع رکھتے، جیسا کہ وہ ماضی میں ہوتی رہی ہیں، اور کب ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ یہ کامیاب ہوں گی اور لاکھوں لوگوں کی زندگیوں میں بہتری لائیں گی۔

MashalBooks.org

1

اس قدر قریب اور اس قدر مختلف

ریوگراں کی معاشیات

نوگیلز کا شہر ایک باڑ کی مدد سے دو حصوں میں تقسیم شدہ ہے، اگر آپ اس کے پاس کھڑے ہو جائیں اور شمال کی طرف دیکھیں، تو آپ کو نوگیلز ایری زونا نظر آئے گا جو کہ سانتا کروز کی کاونٹی میں واقع ہے۔ وہاں ایک گھرانے کی اوسط آمدنی 30,000 ڈالر سالانہ ہے۔ زیادہ تر بچے اسکول میں ہیں اور بالغوں کی اکثریت ہائی اسکول کی سند یافتہ ہے۔ ان تمام دلائل کے علی الرغم جو لوگ اس بارے میں دیتے ہیں کہ یو ایس کا صحت کی دیکھ بھال کا نظام کس قدر ناقص ہے، آبادی نسبتاً صحت مند ہے، اور عالمی معیارات کے مطابق طویل زندگی کی توقع رکھتی ہے۔ مکینوں کی بہت بڑی تعداد عمر کے لحاظ سے پینسٹھ سال سے اوپر ہے اور صحت کی دیکھ بھال تک اس کی دسترس ہے۔ یہ ان بہت سی سہولیات مین سے ایک ہے جو حکومت مہیا کرتی ہے اور جسے زیادہ تر لوگ خاطر میں نہیں لاتے، جیسا کہ بجلی ٹیلیفون، نکاسی آب کا نظام، عوامی صحت، سڑکوں کا جال، جو انہیں علاقے کے دوسرے شہروں سے اور ریاستہائے متحدہ کے باقی ماندہ حصے سے منسلک کرتا ہے، اور آخری بات لیکن کم ترین نہیں، نظم وضبط۔ نوگیلز ایری زونا کے لوگ اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں کو، بغیر زندگی یا سلامتی کے خوف کے جاری رکھ سکتے ہیں، اور وہ مسلسل چوری، غصب یا دوسری ایسی چیزوں سے مسلسل خوف زدہ نہیں رہتے، جو ان کے گھروں اور کاروباروں میں سرمایہ کاری کے لئے خطرہ بن سکتے ہوں۔ اتنی ہی اہم یہ بات ہے کہ نوگیلز ایری زونا کے مکین اس بات کو سچ سمجھتے ہیں کہ اپنی تمام

تر نااہلی اور بدعنوانی کے باوجود حکومت ان کی گماشتہ ہے، وہ اپنے میئر کانگریس کے ممبران اور سینیٹروں کو تبدیل کرنے کے لئے ووٹ دے سکتے ہیں، وہ صدارتی انتخاب میں ووٹ ڈالتے ہیں۔ جو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان کے ملک کی قیادت کون کرے گا۔ جمہوریت ان کی فطرت ثانیہ ہے۔

چند فٹ کے فاصلے پر، اس باڑ کے جنوب کی طرف زندگی قدرے مختلف ہے۔ جبکہ نوگیلز، سونورا، کے مکین، میکسیکو کے نسبتاً خوشحال حصے میں رہتے ہیں۔ لیکن وہاں فی گھرانہ آمدنی، نوگیلز ایری زونا کے مقابلے میں ایک تہائی ہے۔ نوگیلز سونورا میں زیادہ تر بالغوں کے پاس ہائی سکول کی سند نہیں ہے اور بہت سے نوعمر بچے اسکول نہیں جاتے۔ ماؤں کو شیر خوارگی کی اموات کی بلند شرح کی پریشانی رہتی ہے۔ عوامی صحت کے ناقص حالات کا مطلب یہ ہے کہ نوگیلز سونورا کے باسی اتنا لمبا عرصہ زندہ نہیں رہتے جتنا کہ ان کے شمالی ہمسائے۔ ان کی رسائی بہت سی عوامی سہولیات تک بھی نہیں ہے۔ باڑ کے جنوب کی طرف سڑکیں اچھی حالت میں نہیں ہیں۔ امن وامان کی صورت حال خراب ہے۔ جرائم کی شرح بلند ہے اور کاروبار خاصا پر خطر کام ہے۔ نا صرف یہ کہ لوٹ مار کا خطرہ ہوتا ہے، بلکہ کاروبار کو شروع کرنے کے لئے ہر قسمی اجازت نامے حاصل کرنا اور رشوتیں دینا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ نوگیلز سونورا کے باسی، روزمرہ کی سیاستدانوں کی بدعنوانی اور نااہلی کے ساتھ گزارہ کرتے ہیں۔

اپنے شمالی ہمسایوں کے برعکس، ان کے لئے جمہوریت بہت ہی نیا تجربہ ہے۔ 2000 کی سیاسی اصلاحات تک، نوگیلز سونورا باقیماندہ میکسیکو کی طرح بدعنوان انسٹی ٹیوشنل ریوولیوشنری پارٹی یا پارٹیڈو ریوولیوشنیر یوانسٹی ٹیوشنال (پی آر آئی) کے کنٹرول میں تھا۔

ایک ایسے شہر کے، جو بنیادی طور پر ایک ہی ہیں، دو نصف اس قدر مختلف کیسے ہو سکتے ہیں؟ دونوں کے جغرافیے، آب وہوا یا علاقے میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اقسام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ جراثیم ریاستہائے متحدہ اور میکسیکو کے درمیان آنے جانے میں کوئی پابندیاں محسوس نہیں کرتے۔ بلاشبہ صحت کے حالات مختلف ہیں، لیکن ان کا بیماری کے ماحول کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ سرحد کے جنوب میں رہنے والے لوگ صفائی کے کم تر حالات میں رہتے ہیں، اور عمدہ صحت کی دیکھ بھال سے محروم ہیں۔

لیکن غالباً ان کے باسی بہت مختلف ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ نوگیلز ایری زونا کے باسی

MashalBooks.org

یورپ سے آنے والے تارکین وطن کی اولاد ہوں، جبکہ جنوب میں رہنے والے ایزٹیک لوگوں کی اولاد ہوں؟ ایسا نہیں ہے۔ سرحد کے دونوں اطراف رہنے والے لوگوں کے پس منظر بالکل ایک جیسے ہیں۔ 1821 میں میکسیکو کے سپین سے آزاد ہونے کے بعد ''لوس ڈوس نوگیلز'' کے ارد گرد کا علاقہ میکسیکو کی ریاست ویجا کیلیفورنیا کا حصہ تھا، اور 1846-48 کی میکسیکن۔ امریکن جنگ کے بعد بھی ایسا ہی رہا۔ یقیناً یہ 1853 میں گیڈسڈن کی خریداری کے بعد ہی تھا کہ یو ایس کی سرحد کی اس علاقہ کے اندر تک توسیع ہوئی۔ یہ لیفٹیننٹ این مچلر تھا، جس کی توجہ سرحد کا جائزہ لینے کے دوران ''لاس نوگیلز کی خوبصورت چھوٹی سی وادی کی موجودگی کی طرف گئی۔ یہاں سرحد کے دونوں جانب، دونوں شہر بلند ہوتے تھے۔ نوگیلز ایریزونا اور نوگیلز سونورا کے باشندے ایک ہی آباؤاجداد رکھتے ہیں، اور ہی خوراک اور ایک ہی موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور ہم یہ کہنے کا خطرہ مول لیں گے کہ وہ ایک ہی ''کلچر'' رکھتے ہیں۔

بلاشبہ، نوگیلز کے دولفظوں کے درمیان اختلاف کی بہت سادہ اور واضح توجیہہ موجود ہے، جس کا غالباً آپ نے بہت پہلے اندازہ لگا لیا ہوگا: وہی سرحد جو دونوں لفظوں کی تعریف کرتی ہے۔ نوگیلز ایری زونا، ریاستہائے متحدہ میں ہے۔ اس کے باسیوں کی رسائی ریاست ہائے متحدہ کے معاشی اداروں تک ہے، جو انہیں اپنے پیشوں کے آزادانہ انتخاب کے تعلیم اور مہارتوں کے حصول کے قابل بناتے ہیں اور ان کے آجروں کو بہترین مشینی صفت میں سرمایہ کاری کرنے پر ابھارتے ہیں، جو ان کے لئے بہتر معاوضوں پر منتج ہے۔ ان کی رسائی سیاسی اداروں تک بھی ہے، جو ان کے لئے جمہوری عمل میں حصہ لینے کی گنجائش پیدا کرتی ہے، اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے اور اگر وہ غلط طرز عمل اختیار کریں تو انہیں تبدیل کرنے کی بھی، نتیجتاً سیاستدان وہ خدمات مہیا کرتے ہیں، (عوامی صحت سے لے کر سڑکوں اور امن و امان تک) جن کا مطالبہ شہری کرتے ہیں۔ نوگیلز سونورا والے اس قدر خوش قسمت نہیں ہیں، وہ ایک مختلف دنیا میں رہتے ہیں، جس کی تشکیل مختلف ادارے کرتے ہیں، یہ مختلف ادارے ان دونوں نوگیلزوں، اور ان کاروباری لوگوں کے لئے جو وہاں سرمایہ کاری کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں بہت ناہموار قسم کے محرکات پیدا کرتے ہیں دونوں نوگیلزوں اور دونوں ممالک جن میں وہ واقع ہیں کے ان مختلف اداروں کی طرف سے پیدا کئے گئے محرکات، سرحد کے دونوں طرف کی معاشی خوشحالی میں اختلافات کی بڑی وجہ ہے۔

ریاستہائے متحدہ کے ادارے میکسیکو یا مزید برآں، باقیماندہ لاطینی امریکہ کے اداروں کی نسبت معاشی خوشحالی کے لئے اتنے زیادہ سازگار کیوں ہیں؟ اس سوال کا جواب اس طریقے میں مضمر ہے جس میں مختلف معاشروں نے اپنے ابتدائی سامراجی دور میں تشکیل پائی۔ اس وقت ایک ادارتی اختلاف واقع ہوا، جس کے مضمرات آج تک جاری ہیں۔ اس اختلاف کو سمجھنے کے لئے ہمیں شمالی اور لاطینی امریکہ میں، ٹھیک نوآبادیوں کی بنیادیں پڑنے کے وقت سے شروع کرنا ہوگا۔

بیونس آئرس کی بنیاد سازی

1516 کے آغاز میں ہسپانوی جہازران خوان ڈیاز ڈی سولیس جنوبی امریکہ کے مشرقی ساحل پر ایک وسیع دریا کے دہانے میں جہازرانی کرتا ہوا پہنچا۔ پانی میں چلتے ہوئے ساحل پر پہنچ کر ڈی سولیس نے سرزمین پر سپین کی ملکیت کا دعویٰ کر دیا اور دریا کو ریوڈی پلاٹا ''چاندی کا دریا'' کا نام دے دیا، کیونکہ مقامی لوگوں کے پاس چاندی تھی۔ اس دہانے کے دونوں اطرف کے لوگوں۔ آج کل کے یوراگوئے کے چاروَاس، اور ان میدانوں میں جنہیں موجودہ دور میں ارجنٹائنا میں پمپاس کا نام دیا جاتا ہے، کے کیورانڈی۔ نے ان نوواردوں کو مخالفت کی نظر سے دیکھا، یہ مقامی لوگ شکاریوں کو جمع کرنے والے تھے، جو کسی مضبوط مرکزی سیاسی ہئیت حاکمہ کے بغیر چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں رہتے تھے۔ یقیناً ایسا ہی ایک چاروواس کا گروہ تھا، جس نے ڈی سولیس کو ڈنڈے مار کر اس وقت ہلاک کر دیا، جب وہ ان نئی نئی عملداریوں کو دریافت کر رہا تھا جن پر اس نے سپین کی خاطر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

1534 میں ہسپانویوں نے، جو ابھی تک پرامید تھے، پیڈرو ڈی مینڈوزا (Pedro de Mendoza) کی سربراہی میں سپین سے آبادکاروں کا پہلا مشن روانہ کیا، انہوں نے اس سال بیونس آئرس والے مقام پر ایک قصبے کی بنیاد رکھی۔ یہ جگہ یوروپیوں کے لئے ایک مثالی جگہ ہونی چاہئے تھی۔ بیونس آئرس جس کے لفظی معنی ''اچھی ہوائیں'' کے ہیں، ایک مہمان نواز معتدل آب وہوا رکھتا تھا۔ لیکن وہاں ہسپانیوں کا پہلا قیام مختصر تھا۔ وہ اچھی ہواؤں کی تلاش میں نہیں بلکہ وسائل کو نکالنے اور مزدوروں سے زبردستی کام لینے کی تلاش میں تھے۔ تاہم چاروواس اور کیورانڈی معاون نہ تھے۔ وہ ہسپانویوں کو خوراک دینے سے انکار کر دیتے تھے اور جب پکڑے جاتے تو کام کرنے

MashalBooks.org

سے انکار کر دیتے تھے۔ انہوں نے نئی آبادی پر تیر کمانوں سے حملہ کر دیا۔ ہسپانوی بھوکے ہو گئے کیونکہ کیونکہ انہوں نے اپنے لئے خوراک خود مہیا کرنے کا اندازہ پہلے سے نہیں لگایا تھا۔ بیونس آئرس وہ کچھ نہیں تھا جس کا انہوں نے خواب دیکھا تھا۔ مقامی لوگوں کو محنت مزدوری مہیا کرنے پر مجبور نہ کیا جا سکا۔ اس علاقے میں لوٹنے کے لئے کوئی سونا یا چاندی نہیں تھے، اور وہ چاندی جو ڈی سولیس نے دیکھی تھی، درحقیقت بہت دور اِنکا ریاست سے آئی تھی جو اینڈیز میں دور مغرب میں واقع تھی۔

ہسپانویوں نے، اپنی بقا کی جدوجہد کے دوران ایک ایسی نئی جگہ تلاش کے لئے مہمات بھیجنا شروع کر دیں، جو انہیں زیادہ دولت اور ایسی آبادی پیش کر سکے جس سے جبری مشقت لینا آسان ہو۔ 1537 میں ان مہمات میں سے ایک، جو کہ جوان ڈی آیولاس کی زیر قیادت تھی، پارانا دریا کے اوپر کی طرف نفوذ کر گئی، جو کہ انکاز کی طرف راستہ تلاش کر رہی تھی۔ اپنے راستے میں انہوں نے گوارانی سے رابطہ کیا، جو کہ مقامی لوگ تھے جو ایک زرعی معیشت رکھتے تھے، جو مکئی اور کساوا پر مبنی تھی۔ ڈی آیولاس نے فوری طور پر یہ محسوس کر لیا کہ گوارانی، چاروواس اور کیورانڈی سے بالکل ہی مختلف معاملہ تھا۔ ایک مختصر سی جھڑپ کے بعد ہسپانویوں نے گوارانی مزاحمت پر قابو پا لیا اور ایک قصبے نویسٹرا سینورا ڈی سانتا ماریا ڈی لا آسنشن (Nuestra Senora de Santa Maria de la Asumcion) کی بنیاد رکھی، جو آج یوراگوئے کا دارالحکومت ہے۔ ہسپانوی فاتحین نے گوارانی شہزادیوں سے شادیاں رچا لیں اور جلد ہی اپنے آپ کو نئی اشرافیہ کے طور پر قائم کر لیا۔ انہوں نے جبری مشقت اور گوارانی کے خراج کے موجودہ نظام کو اپنا لیا، اس طرح کہ عنان اختیار اپنے ہاتھ میں رکھی۔ یہ اسی قسم کی نوآبادیاتی تھی جیسی وہ قائم کرنا چاہ رہے تھے، اور چار ہی سال میں بیونس آئرس کو ترک کر دیا گیا، کیونکہ تمام ہسپانوی جو وہاں رہائش پذیر ہو چکے تھے اس نئے شہر میں منتقل ہو گئے۔

''جنوبی امریکا کا پیرس''، یوروپی طرز کی چوڑی سڑکوں کا شہر، بیونس آئرس، جو کہ پمپاس کی زرعی دولت پر مبنی تھا، 1580 تک دوبارہ آباد نہ ہوا۔ بیونس آئرس کے ترک اور گوارانی کے فتح، یورپیوں کی امریکاؤں کو نوآبادیات بنانے کی منطق کو واضح کرتے ہیں، اوائل کے ہسپانوی، اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے، انگریز سامراجی، خود زمینوں کو کاشت کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے، وہ

چاہتے تھے کہ دوسرے ان کے لئے یہ کام کریں، اور وہ سونے چاندی اور دولت کو لوٹنا چاہتے تھے۔

کاہامارکا سے۔ ۔ ۔

ڈی سولیس، ڈی مینڈوزا اور ڈی آیولاس کی مہمات ان زیادہ مشہور مہمات کے جلو میں آئیں، جو 12 اکتوبر 1492 کو کرسٹوفر کولمبس کے بہاماز کے جزائر میں سے ایک جزیرے کو دیکھنے کے بعد ہوئیں۔ امریکاؤں کی ہسپانوی نوآبادکاری اور توسیع سنجیدگی سے 1519 میں ہرنان کورٹیز کی طرف سے میکسیکو کے حملے ڈیڑھ دہائی بعد فرانسسکو پزارو کی پیرو کی طرف مہم اور صرف اس کے دو سال بعد پیڈرو ڈی مینڈوزا کی ریو ڈی پلاٹا کی طرف مہم کے ساتھ شروع ہوئی۔ اگلی صدی کے دوران، سپین نے زیادہ تر وسطی مغربی اور جنوبی، جنوبی امریکا کو فتح کیا اور نوآبادیات بنائیں، جبکہ پرتگال نے مشرق کی طرف برازیل پر تسلط جمایا۔ سپین کی نوآبادکاری کی حکمت عملی انتہائی موثر ثابت ہوئی۔ پہلے پہل میکسیکو میں کورٹیز کی طرف سے مکمل ہونے کے بعد یہ اس رائے پر مبنی تھی کہ ہسپانویوں کے لئے مخالفوں کو زیر تسلط لانے کا بہترین طریقہ مقامی رہنما پر قبضہ کرنا تھا۔ اس حکمت عملی نے ہسپانویوں کو اس قابل بنایا کہ وہ اس رہنما کی جمع شدہ دولت پر قبضہ جما سکیں اور مقامی لوگوں کو مجبور کر سکیں کہ وہ خراج اور خوراک پیش کریں۔ دوسرا قدم اپنے آپ کو مقامی معاشرے کے نئے طبقہ علیا کے طور پر مستحکم کریں، اور ٹیکس لگانے خراج وصول کرنے، اور خاص طور پر جبری مشقت حاصل کرنے کے موجودہ طریقوں کا کنٹرول حاصل کریں۔

جب کورٹیز اور اس کے آدمی عظیم ایزٹک دارالحکومت، ٹینا کٹسٹلان (Tenochtitlan) 8 نومبر 1519 کو پہنچے، تو ایزٹک شہنشاہ موکٹے زوما (Moctezuma) نے، ان کا استقبال کیا، جس نے، اپنے مشیروں کے بہت زیادہ مشورے کے ہوتے ہوئے، ہسپانویوں پر امن طریقے سے استقبال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ اس بیان میں بہت اچھی طرح مذکور ہے، جو 1545 کے بعد، فرانسسکو کے پادری برناڈینو ڈی سہاگون Bernardino de Sahagun کی طرف سے اس کے فلورنس کے مخطوطات میں جمع کئے گئے ہیں۔

''فوراً انہوں نے (ہسپانویوں نے) موکٹی زوما کو قابو کر لیا۔۔۔۔۔۔ پھر ہر بندوق نے گولے برسائے۔۔۔۔ خوف طاری ہو گیا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے کہ ہر شخص نے اپنے دل کو

MashalBooks.org

نگل لیا ہو۔ اندھیرا ہونے سے پہلے ہی، ایک خوف تھا ایک حیرت تھی، ایک سراسیمگی تھی، لوگ سُن ہو چکے تھے۔''

اور جب فتح ہوئی، اس وقت تمام چیزوں کا اعلان کیا گیا جو [ہسپانویوں کو] مطلوب تھیں: سفید مکئی کے کیک، بُھنی ہوئی ٹرکی مرغیاں، انڈے، تازہ پانی، لکڑی، جلانے والی لکڑی، کوئلہ۔۔۔ بلاشبہ موکٹی زوما نے ان چیزوں کا حکم دیا تھا۔

اور جب ہسپانوی وہاں خوب جم گئے، تو اس وقت انہوں نے موکٹی زوما سے شہر کے تمام خزانوں کے بارے میں پوچھا۔۔۔ انہوں نے بہت جوش سے سونا حاصل کرنے کا تقاضا کیا، اور اس پر موکٹی زوما ہسپانویوں کے آگے آگے چلا۔ وہ اس کو گھیرے ہوئے چلے۔۔۔ ہر ایک اس کو گرفت میں لئے ہوئے۔

اور جب وہ گودام میں پہنچے، ایک ایسی جگہ جو ٹیوکیلکو کہلاتی تھی، وہاں وہ تمام چمکدار چیزیں سامنے لے آئے؛ کوٹیزل (ایک شوخ چمکیلے پروں والا پرندہ۔م) کے پروں کا سر کا چھتر، آلات، ڈھالیں، سنہری بازوبند، اور سنہری پیشانی بند۔

اس کے فوراً بعد سونے کو علیحدہ کر دیا گیا۔۔۔ فوراً ہی انہوں نے شعلہ پیدا کیا، اور۔۔۔ تمام قیمتی چیزوں کو آگ لگا دی۔ وہ سب چیزیں جل گئیں۔ اور ہسپانوی ہی ہر جگہ پر چلنے لگے۔۔۔ انہوں نے سب کچھ لے لیا، وہ سب کچھ جسے انہوں نے دیکھا اور اچھا سمجھا۔

اس کے فوراً بعد وہ موکٹی زوما کے اپنے گودام میں گئے۔۔۔ اس جگہ پر جسے ٹوٹوکیلکو کہا جاتا تھا۔۔۔ انہوں نے (موکٹی زوما کی) اپنی جائیداد نکالی۔۔۔ تمام قیمتی چیزیں؛ آویزوں کے ساتھ گلوبند، کوٹیزل کے پروں کے پھندنوں والے بازوبند، کلائی بند، گھونگوں والے سنہری کڑے۔۔۔ اور فیروزے کا گجرا، جو بادشاہ کا امتیازی نشان تھا۔ وہ سب کچھ لے گئے۔

ایزٹیکوں کی فوجی فتح 1521 تک مکمل ہوگئی۔ اس وقت کورٹیز نے بطور نیو سپین کے صوبے کے گورنر کے قیمتی ترین ذریعے یعنی مقامی آدمی کو (encomienda) اینکومینڈا کے ادارے کے ذریعے تقسیم کرنا شروع کیا۔ اینکومینڈا کا ظہور پہلے پہل، پندھویں صدی کے سپین میں، مورز، عربوں سے ملک کے جنوب کو دوبارہ فتح کرنے کے ایک حصے کے طور پر ہوا، عرب جو کہ آٹھویں صدی کے دوران اور بعد میں وہاں آباد ہو گئے تھے۔ نئی دنیا میں اس نے بہت زیادہ تباہ کن شکل

اختیار کر لی: یہ مقامی لوگوں کی طرف سے، اینکومینڈیرو (encomendaro) ایک ہسپانوی کو عطا تھی۔ مقامی لوگوں نے اینکومینڈیرو کو خراج اور مشقت کی خدمات دینا تھیں، جس کے بدلے میں اینکومینڈیرو کے ذمے انہیں عیسائیت میں داخل کرنے کی خدمات ذمے لگائی گئیں اینکومی اینڈا ابتدائی دور کا ایک واضح بیان ہمارے پاس ایک ڈومینکن پادری بارٹولومی ڈی لاس کساس (Bartolome, de las Casas) جس نے ہسپانوی سامراجی نظام کا اولین اور انتہائی تباہ کن تنقیدی بیان تشکیل دیا۔ ڈی لاس کساس، نئے گورنر، نکولس ڈی اووینڈو (Nicolas de Ovando) کی قیادت میں جہازوں کے ایک بیڑے کے ساتھ، 1502 میں ایک ہسپانوی جزیرے ہسپینیولا (Hispaniola) میں وارد ہوا۔ وہ مقامی لوگوں کے اس ظالمانہ اور استحصالی سلوک سے جس کا مشاہدہ وہ ہر روز کرتا تھا، بہت زیادہ مایوس اور پریشان ہوا۔ 1513 میں اس نے کیوبا کی ہسپانوی فتح میں بطور ایک پادری کے حصہ لیا، بلکہ اس کی خدمات کے عوض ایک اینکومینڈا بھی دیا گیا۔ تاہم اس نے اس عطا کو ٹھکرا دیا اور ہسپانوی سامراجی اداروں کی اصلاح کے لئے ایک مہم شروع کر دی۔ اس کی کوششوں کا نتیجہ اس کی کتاب (A Short Account of the Destruction of the Indies) ''انڈیز کی تباہی کا ایک مختصر احوال'' کی شکل میں ظاہر ہوا، جو 1542 میں لکھی گئی، جو ہسپانوی راج کی بربریت پر ایک پر حقارت حملہ تھا۔

اینکومینڈا پر نکاراگوا کے معاملے میں اس کا کہنا یہ ہے:

''ہر آباد کار اس شہر میں رہائش حاصل کر لیتا جو اسے سرکاری طور پر دیا جاتا تھا، (یا اسے بطور اینکومینڈا دیا جاتا تھا، جیسا کہ قانونی ترکیب اسے بیان کرتی ہے) مقامی باشندوں کو اپنے لئے کام پر لگاتا تھا۔ ان کی پہلے سے ہی قلیل خوراک کو اپنے لئے چرا لیتا تھا، اور ان زمینوں کو، جو معاشی باشندوں کی ملکیت تھیں اور جن پر وہ کام کرتے تھے، اور جن پر روایتی طور پر اپنی پیداوار اگاتے تھے، قبضے میں لے لیتا تھا۔ آباد کار پوری آبادی۔ معززین، بوڑھے لوگوں، عورتوں اور بچوں۔ کے ساتھ اپنے گھر کے افراد کی طرح سلوک کرتا تھا، اور اس طرح انہیں رات دن اپنے مفاد میں مشقت کرنے پر مجبور کرتا تھا، بغیر کسی قسم کے آرام کے۔

نیو گریناڈا، جدید کولمبیا کی فتح کے لئے، ڈی لاس کساس یہ رپورٹ کرتا ہے کہ پوری ہسپانوی حکمت عملی حرکت میں تھی:

MashalBooks.org

تمام دستیاب سونے کو قبضے میں لینے کے طویل المدت مقصد کو پورا کرنے کے لئے، ہسپانویوں نے شہروں اور ان کے باسیوں کو آپس میں بانٹنے (یا ''اینکومینڈا کے ذریعے دینے'' جیسا کہ وہ اسے بیان کرتے ہیں)۔۔۔۔۔اور ہمیشہ کی طرح ان کے ساتھ عام غلاموں جیسا سلوک کرنے کے لئے اپنی معمول کی حکمت عملی اختیار کی۔ مجموعی طور پر اس مہم کے سربراہ نے پورے علاقے کے بادشاہ کو اپنی خاطر قبضے میں لے لیا، اور اسے چھ یا سات ماہ کے لئے قیدی بنا لیا، بالکل ناجائز طور پر اس سے زیادہ سے زیادہ سونے اور زمرد کا مطالبہ کرتے ہوئے۔ یہ بوگوٹا(Bogota) نامی بادشاہ اس قدر خوفزدہ ہوا، کہ اپنے آپ کو اپنے اذیت کاروں کے چنگل سے آزاد کرانے کی پریشانی میں، اس نے ان کے اس مطالبے کو مان لیا کہ وہ پورے ایک مکان کو سونے سے بھر دے گا اور اسے ان کے حوالے کر دے گا: اس مقصد کے لئے اس نے اپنے لوگوں کو سونے کی تلاش میں دور دراز بھیج دیا، اور وہ یہ سونا مع دوسرے قیمتی پتھروں کے تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے رہے، لیکن ابھی تک مکان نہیں بھرا تھا اور ہسپانویوں نے اعلان کر دیا کہ وہ اسے اپنا وعدہ توڑنے کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ کمانڈر نے یہ تجویز دی کہ انہیں معاملے کو اس کے سامنے لانا چاہئے، کیونکہ وہ قانون کا نمائندہ تھا، اور جب بادشاہ کے خلاف رسمی الزامات لگاتے ہوئے، انہوں نے ایسا کیا، تو اس نے اس سودے کو قبول نہ کرنے کی شکل میں اسے اذیت دینے کا حکم سنا دیا۔ انہوں نے اسے رسے کے ساتھ باندھ کر لٹکانے کی سزا دی، اس کے پیٹ پر پگھلی ہوئی جلتی ہوئی موم ڈالی۔ اس کی دونوں ٹانگوں کو لوہے کے پھندوں کے ساتھ، کھمبوں کے ساتھ گاڑ دیا اور اس کی گردن کو ایک اور پھندے کے ساتھ، اور پھر اس طرح کہ دو آدمی اس کے ہاتھوں کو پکڑے ہوئے تھے، انہوں نے اس کے پاؤں کے تلووں کو جلانے کا آغاز کیا۔ وقتاً فوقتاً کمانڈر اندر جھانکتا اور اس بات کو دہراتا کہ وہ اسے آہستہ آہستہ اذیتیں دے کر موت تک لے جائیں جب تک کہ وہ مزید سونا مہیا نہ کرے، اور یہی کچھ انہوں نے کیا، یہاں تک کہ آخر کار بادشاہ ان اذیتوں کے سامنے جو انہوں نے اس کو دیں، ہار مان لی۔

میکسیکو میں میں اختیار کی جانے والی فتح کی حکمت عملی اور ان اداروں کو بہت جوش سے ہسپانوی سلطنت میں دوسری جگہوں پر بھی استعمال کیا گیا۔ یہ کسی بھی اور جگہ پزارو کی پیرو کی فتح سے زیادہ موثر طور پر نہیں اپنایا گیا۔ جیسا کہ ڈی لاس کساس اپنا بیان شروع کرتا ہے:

1531 میں ایک اور بڑے غنڈے نے متعدد آدمیوں کے ساتھ پیرو کی سلطنت کا سفر کیا۔ اس نے نئی دنیا کے دوسرے حصوں میں اس کے ساتھی مہم کاروں کی حکمت عملی اور تراکیت کی نقالی کرنے کے مکمل ارادے کے ساتھ سفر کا آغاز کیا۔

پزارو نے پیرو کے شہر ٹمبز (Tumbes) کے قریب کے ساحل سے آغاز کیا اور جنوب کی طرف سفر کیا۔ 15 نومبر 1532 کو وہ کاجا مارکا کے پہاڑی شہر پہنچ گیا، جہاں انکا کے شہنشاہ، آٹا ہوالپا(Atahualpa) نے اپنی فوج کے ساتھ خیمے لگائے ہوئے تھے۔ اگلے دن 'آٹا ہوالپا' جس نے اس معاملے پر کہ ان کے آنجہانی باپ ہوینا کیپک (Huaynacapac) کا جانشین کون بنے گا، مقابلے میں اپنے بھائی ہواسکار (Huascar) کو ابھی شکست دی تھی، اپنے خادمین کی فوج کے ساتھ اس جگہ پہنچ گیا جہاں ہسپانویوں نے خیمے لگائے ہوتے تھے۔ آٹا ہوالپا بپھرا ہوا تھا، کیونکہ ہسپانویوں کی زیادتیوں کی جو انہوں نے پہلے ہی کر رکھی تھیں، جیسا کہ سورج دیوتا انٹی کے مندر کی بے حرمتی، کی خبریں اس تک پہنچ چکی تھیں۔ جو بات اس کے بعد کھلی وہ اچھی طرح معلوم شدہ ہے، ہسپانویوں نے ایک پھندا بچھایا اور اسے اچھال دیا۔ انہوں نے آٹا ہوالپا کے محافظوں اور خادموں کو، تقریباً دو ہزار کی تعداد میں، مار ڈالا، اور بادشاہ کو گرفتار کر لیا، آزادی حاصل کرنے کے لئے آٹا ہوالپا نے ایک کمرہ سونے اور اسی حجم کے دوسرے دو کمرے چاندی سے بھرنے کا وعدہ کیا۔ اس نے ایسا ہی کیا، لیکن ہسپانویوں نے اپنے وعدوں سے مکرتے ہوئے جولائی 1533 میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس نومبر میں ہسپانویوں نے انکا کے دارالحکومت کسکو پر قبضہ کر لیا، جہاں اِنکا کی اشرافیہ کو بھی اسی سلوک کا سامنا کرنا پڑا، جیسا کہ آٹا ہوالپا کو۔ اس وقت قید میں رہتے ہوئے جب تک انہوں نے سونا اور چاندی مہیا نہ کئے۔ جب انہوں نے ہسپانوی مطالبات پورے نہ کئے تو انہیں زندہ جلا دیا گیا۔ کسکو کے عظیم فنی خزانوں جیسا کہ سورج مندر، کا سونا ان سے اتار لیا گیا اور انہیں پگھلا کر ڈلوں میں ڈھال لیا گیا۔

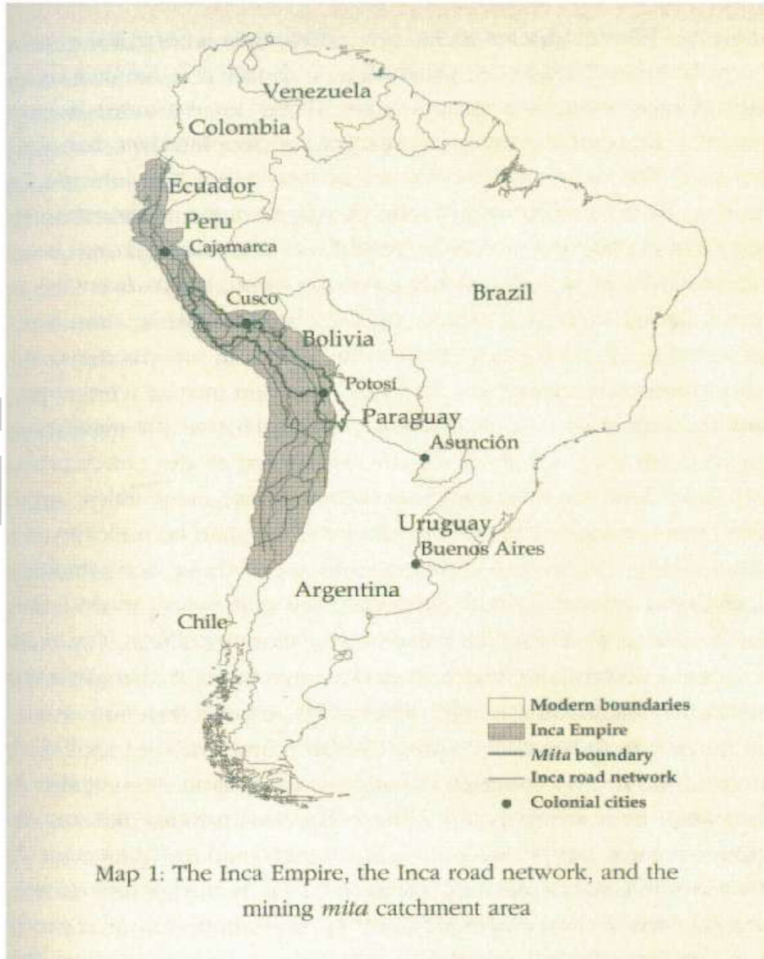
اس مرحلے پر ہسپانویوں نے سلطنت اِنکا پر توجہ مرکوز کر دی۔ جیسا کہ میکسیکو میں شہریوں کو اینکومینڈاؤں میں تقسیم کر دیا گیا، اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک، پزارو کے ساتھ آنے والے ہسپانوی فاتحین میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک اینکومینڈا چلا گیا۔ ابتدائی سامراجی دور میں، مزدوروں کو کنٹرول اور ان کی تنظیم کرنے کے لئے استعمال ہونے والا اینکومینڈا بنیادی ادارہ تھا،

MashalBooks.org

لیکن جلد ہی اسے ایک طاقتور مقابلہ کار کا سامنا کرنا پڑا۔ 1545 میں ڈیگو گوالپا (Diego Gualpa) نامی ایک مقامی شخص، اینڈیز کے بلند مقام پر جو آج کل بولیویا کہلانے والے ملک میں واقع ہے، ایک مقامی معبد کو تلاش کر رہا تھا۔ وہ ہوا کے ایک اچانک جھونکے سے نیچے زمین پر گر گیا اور اس کے سامنے چاندی کی خام دھات کا ایک چور خانہ ظاہر ہو گیا۔ یہ چاندی کے ایک بڑے پہاڑ کا ایک حصہ تھا جسے ہسپانویوں نے ایل کیرو ریکو کا نام دے دیا تھا، جس کا مطلب ہے ''دولت مند پہاڑی'' اس کے اردگرد پوٹوسی کا شہر آباد ہو گیا، جس میں 1650 میں اس کی بلندی پر 160,000 لوگ آباد تھے، جو کہ اس دور میں لزبن اور وینس سے زیادہ تھے۔

چاندی کو نکالنے کے لئے، ہسپانویوں کو کان کنوں کی ضرورت تھی۔ بہت زیادہ کان کنوں کی۔ انہوں نے ایک نئے وائسرائے کو بھیجا، جو کہ سب سے بڑا ہسپانوی نوآبادیاتی افسر تھا۔ جس کا نام فرانسسکو ڈی ٹولیڈو Francisco de Toledo تھا، جس کا بنیادی فرض منصبی مزدوروں کے مسئلے کو حل کرنا تھا۔ ڈی ٹولیڈو نے 1569 میں پیرو میں آنے کے بعد پہلے پانچ سال ادھر ادھر سفر کرنے اور اپنی نئی ذمہ واری کا کھوج لگانے میں صرف کئے۔ اس نے کل بالغ آبادی کا ایک بھرپور جائزہ لینے کا حکم بھی دیا، ان مزدوروں کی تلاش کے لئے جن کی دی ٹولیڈو کو ضرورت تھی، اس نے پہلے تقریباً تمام مقامی آبادی کو متحرک کیا، ان تمام کو ان نئے شہروں میں مرتکز کر دیا جن کو ''ریڈکشنز'' (Reducciones) لفظی معنی reductions (تخفیف) کہا جاتا تھا۔ یہ چیز ہسپانوی حکومت کی طرف سے مزدوروں کے استحصال کو آسان بنا دے گی۔ پھر اس نے انکا کے محنت کے ادارے جسے میٹا (Mita) کہا جاتا تھا، جس کا انکا کی زبان، کیچوا (Quechua) میں مطلب ''ایک باری'' تھا، دوبارہ زندہ کیا اور اسے اختیار کیا۔ اپنے میٹا سسٹم کے تحت انہوں نے، وہ درخت لگانے کے لئے جو گر جاؤں، اشرافیہ اور فوج کو خوراک مہیا کرتے، جبری مشقت کا استعمال کیا۔ اس کے بدلے میں انکا کے طبقہ علیا نے قحط سے نجات اور حفاظت مہیا کی۔ ڈی ٹولیڈو کے ہاتھ میں میٹا، خاص طور پر ٹوسی میٹا، ہسپانوی نوآبادیاتی عہد میں محنت کے حصول میں انتہائی زحمت طلب سکیم تھی، ڈی ٹولیڈو نے اس سکیم کی بہت وسیع حدود متعین کیں، جدید دور کے پیرو کے وسط سے لے کر جدید بولیویا کے زیادہ تر حصے تک۔ یہ تقریباً دو سو ہزار مربع میل کا احاطہ کرتی تھی۔ اس علاقے میں، اپنی ریڈکشنز میں نو واردوں کے مرد کا ساتواں حصہ، پوٹوسی کی کانوں میں کام کرنے کے لئے درکار تھا۔

پوٹوسی میٹا، پورے نوآبادیاتی دور کے دوران قائم رہی، اور صرف 1825 میں جا کر ختم کی گئی نقشہ نمبر 1 اس حدود کے علاقے کو ظاہر کرتا ہے جو کہ ہسپانوی فتح کے وقت انکا سلطنت کی حدود تک مسلط کیا گیا تھا۔ یہ اس حد کو واضح کرتا ہے جہاں تک میٹا۔۔۔ سلطنت کے وسطی حصے تک کے ساتھ متقاطع تھی، جو دارالحکومت کسکو کو احاطے میں لئے ہوئے تھی۔



Map 1: The Inca Empire, the Inca road network, and the mining *mita* catchment area

یہ بات قابل غور ہے کہ آپ آج بھی پیرو میں میٹا کی وراثت کو دیکھیں گے۔ ذرا کیلکا اور قریبی صوبے ایکومایو کے درمیان فرقوں کو لیجئے۔ ان صوبوں کے درمیان بہت کم فرق نظر آتے

ہیں۔ دونوں میں بلند پہاڑ ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کی آبادی انکاس کے کوئچوا بولنے والے سلسلہ نسب سے تعلق رکھتی ہے؛ لیکن ایکومایو بہت غریب تر ہے، اس طرح کہ اس کے باشندے کیلکا کے باشندوں کی نسبت ایک تہائی کم خرچ کرتے ہیں۔ لوگ اس بات کو جانتے ہیں۔ ایکومایو میں لوگ نڈر غیر ملکیوں سے پوچھتے ہیں، ''کیا آپ نہیں جانتے کہ یہاں کے لوگ کیلکا کے لوگوں کی نسبت غریب تر ہیں آخر آپ یہاں کیوں آنا چاہتے ہیں؟'' غیر ملکی نڈر اس وجہ سے ہیں کہ علاقائی دارالحکومت کسکو سے آکومایو آنا، کیلکا جانے کی نسبت بہت دشوار ہے۔ کیلکا کو جانے والی سڑک ہموار ہے، جبکہ آکومایو جانے والی سڑک خوفناک حد تک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ آکومایو سے آگے جانے کے لئے آپ کو گھوڑے یا خچر کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیلکا اور آکومایو میں لوگ ایک ہی فصلیں اگاتے ہیں، لیکن کیلکا میں وہ انہیں مارکیٹ میں رقم کے عوض بیچتے ہیں۔ آکومایو میں لوگ اپنے گزارے کے لئے خوراک اگاتے ہیں، ان ناہمواریوں کو، جو آنکھوں کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جو وہاں رہتے ہیں، واضح ہیں، ان محکموں کے درمیان اداراتی فرقوں کے حوالے سے سمجھا جاسکتا ہے، اداراتی فرق مع تاریخی جڑوں کے، جو ڈی ٹولیڈو اور مقامی محنت کشوں کے کامیاب استحصال کے اس کے منصوبے تک جاتی ہیں۔ سب سے بڑا تاریخی فرق جو آکومایو اور کیلکا کے درمیان ہے، یہ ہے آکومایو پوٹوسی میٹا کے حلقہ اثر میں تھا، کیلکا نہیں تھا۔

محنت کے ارتکاز اور میٹا سے مستزاد، ڈی ٹولیڈو نے اینکومینڈا encomienda کو شخصی ٹیکس میں مستحکم کر دیا، جو کہ ایک متعین رقم تھی جو ہر بالغ مرد کو ہر سال چاندی کی شکل میں ادا کرنی ہوتی تھی۔ یہ ایک اور سکیم تھی جس کا مقصد لوگوں کو محنت کشوں کی مارکیٹ میں زبردستی لے کر آنا اور ہسپانوی مالکان زمین کے لئے معاوضوں کا کم کرنا تھا۔ ایک اور ادارہ، پارٹی می اینٹوڈی مرکانساس (Repartimiento de mercancias) بھی ڈی ٹولیڈو کے دور میں وسیع پیمانے پر پھیل گیا، ہسپانوی فعل repartir (تقسیم کرنا) سے مشتق اس repartimiento لفظی معنی ''اشیا کی تقسیم'' میں مقامی لوگوں کو، ہسپانویوں کی مقرر کردہ قیمت پر جبری اشیا کی تقسیم کا مفہوم شامل تھا۔ آخری بات، ڈی ٹولیڈو نے ''ٹراجن'' (trajin) متعارف کروائی جس کے لفظی معنی ''the burden'' (بوجھ) کے ہین۔ جو مقامی لوگوں کو اشیا کے بھاری وزن اٹھانے کے لئے استعمال کرتی تھی، جیسا کہ شراب، کوکا کے پتے یا کپڑے وغیرہ، بوجھ اٹھانے والے جانوروں کے متبادل کے طور پر، ہسپانوی

طبقہ علیا کے کاروباری مقاصد کے لئے۔

امریکاؤں میں پوری ہسپانوی نوآبادیاتی دنیا میں، ایسے ہی ادارے اور سماجی ڈھانچے ابھر آئے۔ لوٹ مار اور سونے اور چاندی کے حرص کے ابتدائی مرحلے کے بعد، ہسپانویوں نے ایسے اداروں کا ایک جال تخلیق کیا، جن کا مقصد مقامی لوگوں کا استحصال کرنا تھا۔ اینکومینڈا میٹا، ریپارٹی میئٹو اور ٹراجن کا پورے دائرہ کا خاکہ اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ مقامی لوگوں کے معیار زیست کو گزارے کی سطح تک نیچے لایا جائے اور اس طرح ان کی تمام زائد آمدنی کو ہسپانویوں کے لئے نچوڑ لیا جائے۔ اسے ان کی زمینوں کو غضب کر کے، انہیں کام پر مجبور کر کے، ان کی محنت کا کم معاوضہ دے کر، بھاری ٹیکس عائد کر کے، اور ان اشیا کے لئے بھاری قیمت وصول کر کے جو رضا کارانہ طور پر بھی نہیں خریدی جاتی تھیں، حاصل کیا گیا، اگرچہ ان اداروں نے ہسپانوی بادشاہ کے لئے بیشمار دولت پیدا کی، اور ہسپانوی فاتحین اور ان کی دنیا میں سب سے زیادہ غیر ہموار براعظم بنا دیا اور اس کے زیادہ تر معاشی امکانی صلاحیت کو چوس لیا۔

جیمز ٹاؤن کو۔۔۔

جب ہسپانویوں نے 1490 کی دہائی میں امریکاؤں کی فتح کی مہم شروع کی، انگلستان ایک چھوٹی یورپی طاقت تھی جو خانہ جنگی، وارز آف روزز (Wars of the Roses) کے تباہ کن اثرات سے بحال ہو رہا تھا۔ وہ اس حالت میں نہیں تھا کہ وہ لوٹ مار اور سونے کی چھینا جھپٹی، اور امریکاؤں کے مقامی لوگوں کے استحصال کرنے کے موقع سے فائدہ اٹھا سکتا۔ تقریباً سو سال بعد 1588 میں، ہسپانوی آرمیڈا کی خوش قسمت تباہی، جو کہ سپین کے بادشاہ فلپ دوم کی انگلستان پر حملہ کرنے کی ایک کوشش تھی، نے پورے یورپ میں سیاسی خطرے کی لہریں دوڑا دیں۔ اگرچہ انگلستان کی فتح خوش قسمتی تو تھی، لیکن یہ سمندروں پر انگلستان کی بڑھتی ہوئی خودرائی پر مائل ہونے کی ایسی علامت تھی، جو آخر کار انہیں سامراجی سلطنت کی کوشش میں حصہ لینے کے قابل بنا دینے والی تھی۔

لہٰذا، یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ انگریزوں نے، عین اسی وقت پر شمالی امریکہ کی نوآبادکاری شروع کی۔ لیکن وہ پہلے ہی دیر کر چکے تھے۔ انہوں نے شمالی امریکا کا انتخاب اس لئے نہیں کیا کہ یہ

MashalBooks.org

زیادہ پرکشش تھا، بلکہ اس لئے کہ اب صرف وہ دستیاب تھا۔ امریکاؤں کے ''مطلوبہ'' حصے، جہاں استحصال کرنے کے لئے مقامی لوگ بکثرت تھے۔ اور جہاں سونے اور چاندی کی کانیں واقع تھیں، پہلے سے ہی قبضہ کر لئے گئے تھے۔ انگریزوں نے بچا کھچا حاصل کیا۔ جب اٹھارویں صدی کے انگریز لکھاری اور زراعت کار آرتھر ینگ نے اس بات پر بحث کی کہ ''خاص پیداوار''، جس سے اس کی مراد قابل برآمد زرعی اشیا تھیں، کہاں پیدا ہوتی تھیں، تو اس نے تحریر کیا:

''مجموعی طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری نوآبادیات کی اہم پیداوریں، سورج سے ان کے فاصلے کے تناسب سے قدر و قیمت میں کم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ویسٹ انڈیز میں جو سب سے گرم ترین ہیں 81.12 s 1d فی کس کے برابر ہوتی ہیں۔ جنوبی براعظم کے ملکوں میں 51.105 کے برابر۔ وسطی ملکوں میں 95.61/2d کے برابر۔ شمالی آبادیوں میں 2s.6d کے برابر۔ یہ پیمانہ یقیناً ایک بہت اہم سبق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ شمالی عرض بلدوں میں نوآبادکاری سے گریز کیا جائے۔

شمالی کیرولائنا میں، روانوک (Roanoke) کے مقام 1885 اور 1587 کے درمیان، انگریزوں کی طرف سے پہلی نوآبادی قائم کرنے کی کوشش، مکمل طور پر ناکام ہوگئی۔ 1607 میں انہوں نے دوبارہ کوشش کی۔ 1606 کے اختتام سے ذرا پہلے، تین جہاز سوزن کونسٹینٹ (Susan constant) گاڈسپیڈ (Godspeed) اور ڈسکوری (Discovery) کرسٹوفر نیوپورٹ (Christopher Newport) کی زیر کمان ورجینیا روانہ ہوئے۔ نوآبادیاتی باشندے، ورجینیا کمپنی کی سرپرستی میں، چیسا پیک بے (chesapeake Bay) اور اس دریا کے اوپر کی جانب، جسے انہوں نے برسراقتدار انگلیز بادشاہ جیمز اول کے نام پر جیمز کا نام دیا، بحری سفر پر روانہ ہوئے، 14 مئی 1607 کو انہوں نے جیمز ٹاؤن کی آبادی کی بنیاد رکھی۔

اگرچہ، ورجینیا کمپنی کے ملکیتی جہازوں میں سوار آبادکار انگریز تھے، لیکن ان کے ذہن میں نوآبادکاری کا جو نمونہ تھا وہ کورٹیز، پیزارو اور ڈی ٹولیڈو کے سانچے سے کافی متاثر تھا۔ ان کا پہلا منصوبہ مقامی سردار کو گرفتار کرنے اور اشیا حاصل کرنے کے لیے اسے استعمال کرنے اور آبادی کو ان کے لیے خوراک اور دولت پیدا کرنے پر مجبور کرنے کا تھا۔

جب وہ پہلے پہل جیمز ٹاؤن میں وارد ہوئے، تو انگریز نوآبادکاروں کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ پوہاٹن کانفیڈریسی (Powhaton Confedracy) کی دعویٰ شدہ حدود میں تھے، جو کہ تیس شہری

حکومتوں کا ایک ایسا اتحاد تھا، جو واہن سوناکاک (Wahun-sunacock) نامی بادشاہ کے ساتھ اپنی وفاداری رکھتے تھے۔ واہن سوناکاک کا دارالحکومت وروو کوموکو (Werwocomoco) کے شہر میں تھا، جو جو جیمز ٹاؤن سے محض بیس میل کے فاصلے پر تھا۔ نوآبادکاروں کا منصوبہ زمین کے خدوخال کی ترتیب کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا تھا۔ اگر مقامی لوگوں کو خوراک اور محنت مہیا کرنے کے لئے آمادہ نہ کیا جا سکے، تو نوآبادکاروں کو کم از کم ان سے تجارت کرنے کے قابل تو ہونا چاہئے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ خیال کہ آبادکار کام کریں گے اور خود اپنی خوراک پیدا کریں گے، ان کے ذہن سے ہی نہیں گزرا۔ یہ وہ چیز ہے جو نئی دنیا کے فاتحین نے نہیں کی۔

واہن سوناکاک جلد ہی نوآبادکاروں کی موجودگی سے واقف ہو گیا، اور اس نے ان کے ارادوں کو زبردست شک کی نگاہ سے دیکھا۔ وہ ایک ایسے علاقے کا حاکم تھا جو شمالی امریکہ کے لئے ایک بڑی سلطنت تھی۔ لیکن اس کے بہت سے دشمن تھے اور اس کے ہاں انکا قبیلے پر غالب مرکزی سیاسی کنٹرول کا فقدان تھا۔ واہن سوناکاک نے، ابتدائی طور پر قاصد بھیج کر یہ کہلوایا کہ وہ ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات چاہتا ہے، انگریزوں کے ارادوں کو بھانپنے کا فیصلہ کیا۔

جب 1607 کا موسم سرما قریب آیا، تو جیمز ٹاؤن کے آبادکار خوراک کی کمی کا شکار ہونے لگے، اور نوآبادی کی حکمران کونسل کا مقرر شدہ رہنما، ایڈورڈ میری ونگفیلڈ (Edward Marie Wingfield) غیر فیصلہ کن انداز سے ہچکچانے لگا۔ اس صورت حال کو کیپٹن جون سمتھ (Captain Joan Smith) نے بچالیا۔ سمتھ جس کی تحریریں ہمیں نوآبادی کی ابتدائی پیشرفت کے بارے میں معلومات کے ابتدائی ذرائع مہیا کرتی ہیں، ایک زندگی سے بڑا کردار تھا۔ وہ انگلستان میں دیہاتی لنکن شائر میں پیدا ہوا، اپنے آپ کی اس کو کاروبار میں پھنسنے کی خواہش کو نظرانداز کوتے ہوئے، اس کی بجائے مقدر کا سپاہی بن گیا، وہ پہلے نیدرلینڈز میں انگریز فوجوں کے ساتھ لڑا، جس کے بعد آسٹرین فوجوں میں شامل ہو گیا، ہنگری میں خدمات انجام دیتے ہوئے عثمانی فوجوں کے خلاف لڑا۔ رومانیہ میں پکڑے جانے کے بعد، اسے غلام کے طور پر گرفتار کر لیا گیا اور کھیتوں میں مدد کے لئے کام پر لگا دیا گیا۔ ایک دن وہ اپنے مالک پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے کپڑے اور اس کے گھوڑے کو چرا کر بچ کر دوبارہ پرانی سرزمین میں چلا گیا۔ سمتھ نے ورجنیا کے سمندری سفر پر جاتے ہوئے اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسا لیا اور سوزن کانسٹینٹ، میں ونگفیلڈ کے

MashalBooks.org

احکامات کی خلاف ورزی کرنے کے بعد بغاوت کے جرم میں قید کرلیا گیا۔ جب جہاز نئی دنیا میں پہنچے تو منصوبہ یہ تھا کہ اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ تاہم، جب نیوپورٹ اور دوسرے بلند مرتبہ نوآبادکاروں نے اپنے مہر بند احکامات کو کھولا تو ونگفیلڈ یہ دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا کہ ورجینیا کمپنی نے سمتھ کو اس حکمران کونسل کا رکن نامزد کر دیا تھا جسے جیمز ٹاؤن کی حکومت سنبھالنا تھی۔

نیوپورٹ کے (واپس انگلستان روانہ ہونے) سامان اور مزید نوآبادکاروں کے لئے انگلستان واپس روانہ ہونے اور ونگفیلڈ کے کچھ کرنے کے بارے میں تذبذب کا شکار ہونے پر، یہ سمتھ ہی تھا جس نے نوآبادی کو بچایا۔ اس نے کئی تجارتی سفروں کا ایک سلسلہ شروع کیا، جن سے خوراک کی اہم اشیا حاصل ہوئیں۔ ان سفروں میں ایک سفر کے دوران اسے اوپے چان کا نوہ (Opechancanough) جو کہ واہن سوناکاک کا ایک چھوٹا بھائی تھا، کی طرف سے گرفتار کرلیا گیا اور وروو کوموکو کے مقام پر واہن سوناکاک کے سامنے لایا گیا۔ وہ واہن سوناکاک سے ملاقات کرنے والا پہلا انگریز تھا، اور کچھ بیانات کے مطابق، اسی ابتدائی ملاقات میں ہی سمتھ کی زندگی، واہن سوناکاک کی نوجوان بیٹی پوکاہونٹاس (Pocahontas) کی مداخلت پر بچ گئی۔ 2 جنوری 1609 میں رہائی ملنے کے بعد سمتھ جیمز ٹاؤن واپس آ گیا، جہاں ابھی تک خطرناک حد تک خوراک کی کمی تھی یہاں تک کہ اسی دن بعد نیوپورٹ سے واپس آ گیا۔

جیمز ٹاؤن کے نوآبادکاروں نے اپنے ابتدائی تجربے سے کچھ نہ سیکھا۔ جب 1608 کا سال آگے بڑھا تو انہوں نے سونے اور قیمتی دھاتوں کے لئے اپنی تلاش جاری رکھی۔ لگتا ہے انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ زندہ رہنے کے لئے وہ مقامی لوگوں سے نہ جبراً اور نہ ہی تجارت کے ذریعے خوراک پہنچانے کے لئے اعتماد کر سکتے ہیں۔ یہ سمتھ ہی تھا جس نے سب سے پہلے اس بات کو محسوس کیا کہ نوآبادکاری کا وہ نمونہ جو کورٹیز اور پزارو کے لئے اتنا اچھی طرح کامیاب رہا، شمالی امریکہ میں بالکل کام نہیں کرے گا۔ اس کی تہ میں چھپے ہوئے حالات بہت ہی مختلف تھے۔ سمتھ نے دیکھا کہ ایزٹیکوں اور انکائیوں کے برعکس ورجینیا کے لوگوں کے پاس سونا نہیں تھا۔ بلاشبہ اس نے اپنی ڈائری میں تحریر کیا، ''آپ کو جاننا چاہئے کہ روٹی ہی اس کی ساری دولت ہے'' اینا اس ڈاڈ کل (Anas Tadkill) جو کہ ابتدائی آبادکاروں میں سے تھا، جس نے ایک مفصل ڈائری لکھی، نے سمتھ اور چند دوسرے لوگوں جنہوں نے سب سے پہلے اس حقیقت کو سمجھا، کی مایوسیوں کے

بارے میں یہ بیان کیا:

''ان کے ہاں نہ تو کوئی گفتگو تھی، نہ امید تھی، نہ ہی کام تھا، بلکہ صرف سونے کو کھودنا، اسے صاف کرنا اور اسے لادنا تھا''

جب نیوپورٹ 1608 میں انگلینڈ بحری سفر پر روانہ ہوا تو اس نے پائیرٹ (زردلوہا) یا احمقوں کے سونے کی ایک کھیپ ساتھ لے لی۔ وہ ستمبر کے اخیر میں ورجینیا کمپنی کی طرف سے ان احکامات کے ساتھ واپس آیا کہ مقامی لوگوں پر زیادہ سخت گرفت رکھی جائے۔ ان کا منصوبہ واہن سوناکاک کو تاج پہنانے کا تھا۔ اس امید پر کہ یہ اسے انگریز بادشاہ جیمز اول کا تابعدار بنا دے گا۔ انہوں نے اسے جیمز ٹاؤن آنے کی دعوت دی، لیکن واہن سوناکاک، جو کہ ابھی تک نوآبادکاروں کے بارے میں گہرے شکوک وشبہات کا شکار تھا کا قید کا خطرہ مول لینے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ جان سمتھ نے واہن سوناکاک کے جواب کو ریکارڈ کیا ہے: ''اگر آپ کے بادشاہ نے مجھے تحائف بھیجے ہیں، تو میں بھی بادشاہ ہوں اور یہ میرا ملک ہے۔۔۔۔ آپ کے باپ کو میرے پاس آنا ہوگا، نا کہ مجھے اس کے پاس، نا ہی آپ کے قلعہ میں نا ہی میں اس قسم کے پھندے میں پھنسوں گا''

اگر واہن سوناکاک ایسے ''پھندے میں نہیں پھنسے گا'' تو نیوپورٹ اور سمتھ کو تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے لئے ویروو کوموکو جانا پڑے گا۔ لگتا ہے کہ ساری کارروائی مکمل ناکامی ثابت ہوئی، اور اس میں سے صرف ایک چیز برآمد ہوئی، اور وہ یہ تھی کہ واہن سوناکاک نے یہ پختہ عزم کر لیا کہ یہی وقت تھا کہ نوآبادی سے چھٹکارا پا لیا جائے، اس نے تجارت پر بندش لگا دی۔ جیمز ٹاؤن اب سامان رسد کے لئے تجارت نہیں کر سکتا تھا۔ واہن سوناکاک انہیں فاقوں مار کر نکالے گا۔

نیوپورٹ، دسمبر 1608 میں ایک دفعہ پھر بحری جہاز پر انگلستان روانہ ہوا۔ وہ اپنے ساتھ سمتھ کی طرف سے لکھا ہوا خط ساتھ لے گیا، جس میں ورجینیا کمپنی والوں سے استدعا کی گئی تھی وہ نوآبادی کے بارے میں اپنے سوچ کے انداز کو بدلیں۔ میکسیکو اور پیرو کے خطوط پر ورجینیا کے استحصال سے جلدی امیر بننے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہاں کوئی سونا یا قیمتی دھاتیں نہیں تھیں یہ توقع نہیں تھی کہ مقامی لوگوں کو کام کرنے یا خوراک مہیا کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔ سمتھ نے یہ ادراک کر لیا تھا کہ اگر اسے رہنے کے قابل ایک نوآبادی بنانا ہے تو پھر آبادکاروں کو خود ہی کام کرنا پڑے گا۔ لہذا اس نے ڈائریکٹروں سے استدعا کی کہ وہ صحیح قسم کے لوگ بھیجیں:

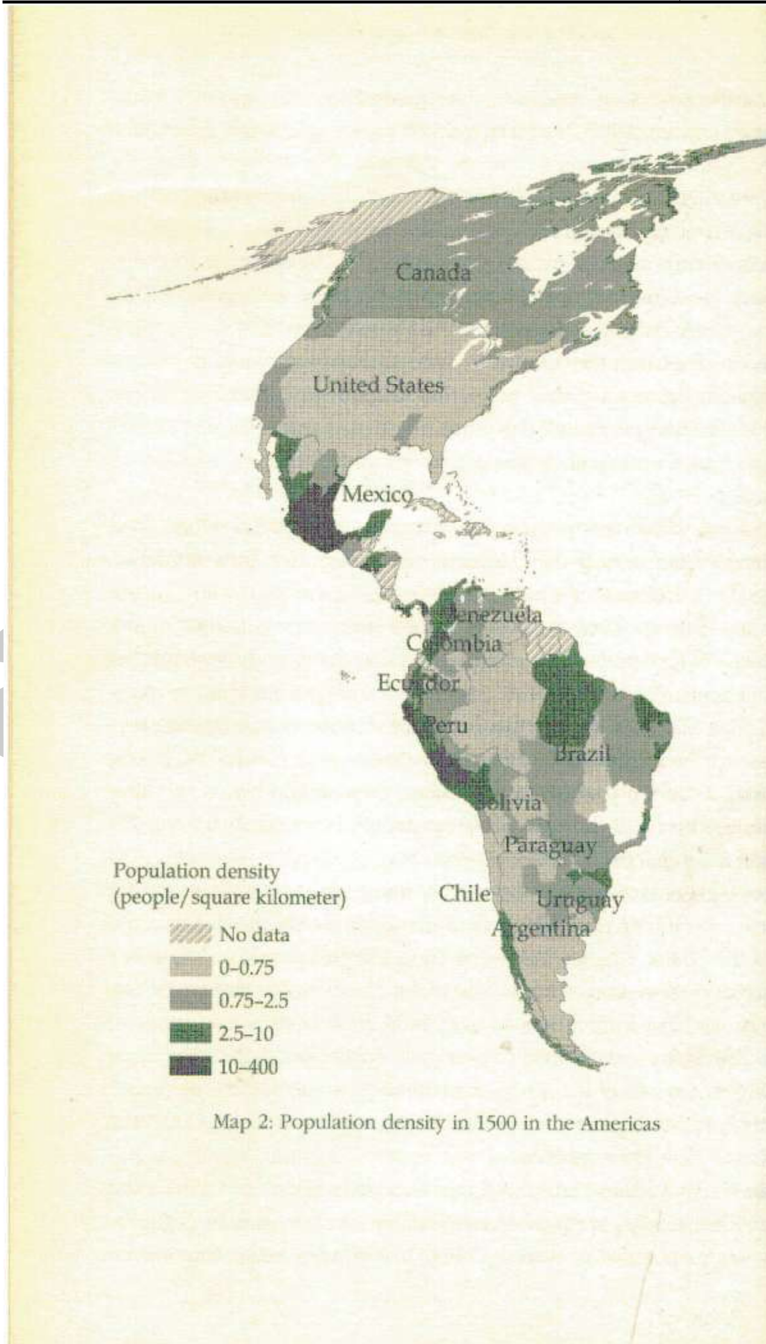
MashalBooks.org

''جب آپ دوبارہ لوگ بھیجیں تو میں آپ سے درخواست کرتا ہوں، کہ آپ تقریباً تیس مستری، کسان مالی، ماہی گیز، آئین ساز معمار، اور درختوں اور جڑوں کو کھود نکالنے والے بھیجیں جنہیں خوب سامان دیا گیا ہو، اور پھر ایک ہزار ایسے آدمی جیسے ہمارے پاس ہیں۔''

سمتھ کو مزید بیکار سناروں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ایک دفعہ پھر جیمز ٹاون محض طباعی کی وجہ سے بچ گیا تھا، اس نے مقامی لوگوں کو چاپلوسی اور دھمکی سے اس کے ساتھ تجارت کرنے پر آمادہ کرلیا، اور اگر وہ تجارت نہ کرتے تو وہ جو کچھ لے سکتا لے لیتا۔ اپنی آبادی میں واپس آ کر سمتھ مکمل حاکم تھا، اور اس نے یہ ضابطہ نافذ کر دیا کہ ''جو کام نہیں کرے گا وہ نہیں کھائے گا۔'' جیمز ٹاؤن سے ایک دوسرا موسم سرما بھی بچ نکلا۔

ورجینیا کمپنی کا ارادہ ایک پیسہ کمانے والا کاروباری بننے کا تھا، اور دو تباہ کن سالوں کے بعد منافع کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ کمپنی کے ڈائریکٹروں نے فیصلہ کیا کہ انہیں انتظام وانصرام کے ایک نئے نمونے کی ضرورت ہے، جس میں ورکنگ کونسل کی بجائے ایک گورنر ہو۔ اس منصب پر تعینات کیا جانے والا پہلا شخص تھامس گیٹس تھا۔ سمتھ کی تنبیہہ کے کچھ پہلوؤں کی طرف توجہ دیتے ہوئے، کمپنی نے یہ محسوس کیا انہیں کچھ نیا آزمانا چاہئے۔ یہ ادراک 1609-10 کے موسم سرما موسوم بہ ''فاقے کا دور'' میں ہونے والے واقعات سے پوری طرح سمجھ میں آ گیا۔ انتظا وانصرام کے اس نئے طریق کار نے سمتھ کے لئے کوئی جگہ باقی نہ چھوڑی، جو کبیدہ خاطر ہو کر 1609 کے موسم خزاں میں انگلستان واپس آ گیا۔ اس کی طباعی کے بغیر، اور واہن سونا کاک کے خوراک کی رسد بند کرنے سے جیمز ٹاون کے نوآبادکار تباہ ہو گئے۔ ان پانچ سو لوگوں میں سے جو موسم سرما میں داخل ہوئے، مارچ تک صرف ساٹھ زندہ باقی رہ گئے۔ صورت حال اس قدر مایوس کن تھی کہ انہیں آدم خوری کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

''یہ کچھ نیا'' جو گیٹس اور اس کے نائب، سر تھامس ڈیل (Sir Thomas Dale) کی طرف سے نوآبادی پر عائد کیا گیا، انگریز آبادکاروں کے لئے، کام کا سخت کڑا دستور تھا۔ گو بلاشبہ یہ اس طبقہ علیا کے لئے نہیں تھا جو نوآبادی کو چلا رہے تھے۔



Map 2: Population density in 1500 in the Americas

یہ معاہدہ تھا جس نے الوہی قوانین، اخلاقی اور فوجی'' کی نشرو اشاعت کی۔ اس میں یہ شقیں شامل تھیں:

کوئی مرد یا عورت، موت کے خوف سے، نوآبادی سے انڈینز کے پاس نہیں جائے گا۔

کوئی بھی شخص جو کسی باغ کو لوٹتا ہے، خواہ وہ سرکاری ہو یا نجی، یا انگوروں کی باڑی، یا غلے کا ایک خوشہ بھی چراتا ہے اسے موت کی سزا دی جائے گی۔

نوآبادی کا کوئی بھی رکن اس ملک کی کسی جنس کو نہ تو بیچے گا اور نہ ہی کسی کپتان، یا بحری فوجی، مالک یا جہاز ران کو، نوآبادی سے باہر اپنے ذاتی استعمال کے لئے منتقل کرنے کے لئے دے گا۔ اگر ایسا کرے گا تو سزائے موت کا مستحق ٹھہرے گا۔

ورجینیا کمپنی نے یہ دلیل دی کہ اگر مقامی لوگوں کا استحصال نہیں کیا جا سکتا تو غالباً نو آبادکاروں کا کیا جا سکتا ہے۔ اس نوآبادیاتی پیشرفت کا نیا نمونہ، ورجینیا کمپنی کے لئے تمام زمین کا مالک بننے کا باعث بنا۔ آدمیوں کو بیرکوں میں رہائش دی گئی، اور کمپنی سے مقرر شدہ راشن دیا گیا۔ کام کے گروہ منتخب کئے گئے، جن میں سے ہر گروہ کی نگرانی کمپنی کے ایک گماشتے کی طرف سے کی جاتی تھی۔ یہ مارشل کے قریب تھا، جس میں پھانسی کی سزا پہلی تدبیر کے طور پر تھی۔ نوآبادی کے لئے نئے اداروں کے ایک حصے کے طور پر ابھی دی گئی پہلی شق اہم ہے۔ کمپنی نے ان لوگوں کو جو بھاگ گئے موت کی دھمکی دی۔ کام کا نیا دستور دیئے جانے کے، دوڑ کر مقامی لوگوں کے ساتھ رہنا، ان نوآبادکاروں کے لئے جنہیں کام کرنا تھا، زیادہ سے زیادہ پر کشش انتخاب بن گیا۔ اس وقت ورجینیا میں مقامی لوگوں کی بھی کم آبادی کے پیش نظر سرحد پر ورجینیا کمپنی کے کنٹرول سے آگے اکیلے جانے کا امکان بھی مہیا تھا۔ ان انتخابات کی موجودگی میں کمپنی کا اختیار محدود تھا۔ یہ انگریز آبادکاروں کو گزارے پر سخت محنت پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔

نقشہ نمبر 2، ہسپانوی فتح کے وقت امریکاؤں کے مختلف گنجانی علاقوں کی آبادی کے تخمینے کو ظاہر کرتا ہے، ریاستہائے متحدہ کی آبادی کی کثافت چند بکھرے ہوئے علاقوں کو چھوڑ کر، زیادہ سے زیادہ ایک فرد کے 3/4 فی مربعہ میل تھی۔ وسطی میکسیکو یا اینڈین پیرو میں آبادی کی گنجانی 400 افراد فی مربع میل کے برابر بلند تھی۔ جو کہ پانچ سو گنا سے بھی زیادہ بلند تھی۔ جو کچھ میکسیکو یا پیرو میں ممکن تھا وہ ورجینیا میں قابل عمل نہیں تھا۔

ورجینیا کمپنی کو کچھ وقت لگا، یہ سمجھنے میں کہ ان کا نوآبادکاری کا ابتدائی نمونہ ورجینیا میں کام نہیں کر سکا، اور ''الوہی قوانین اخلاقی یا فوجی'' کی ناکامی کو واضح ہونے میں بھی وقت لگا۔ 1618 میں آغاز کرتے ہوئے، ڈرامائی انداز سے نئی حکمت عملی اختیار کی گئی۔ کیونکہ نہ تو مقامی لوگوں اور نہ ہی آبادکاروں کو مجبور کرنا ممکن تھا۔ لہذا اس کا صرف واحد متبادل آبادکاروں کو متحرک دینا تھا۔ 1618 میں کمپنی نے ہیڈرائٹ سسٹم (headright system) شروع کیا، جس نے ہر مرد آبادکار پچاس ایکڑ خاندان کے ہر فرد کو، اور ان تمام ملازمین کو جو کوئی خاندان ورجینیا میں لا سکے۔ آبادکاروں کو اپنے گھر دیئے گئے اور انہیں ان کے معاہدوں سے آزاد کر دیا، اور 1619 میں ایک جنرل اسمبلی بھی متعارف کروائی گئی، جس نے تمام بالغ مردوں کو قوانین میں اور نوآبادی پر حکومت کرنے والے اداروں میں اہمیت دی۔ یہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں جمہوریت کا آغاز تھا۔

ورجینیا کمپنی کو بارہ سال لگے اپنا پہلا سبق سمجھنے میں کہ وہ چیز جس نے میکسیکو اور وسطی اور جنوبی امریکہ میں ہسپانویوں کے لئے کام کیا شمال میں کام نہیں کرے گی۔ باقیماندہ سترھویں صدی نے دوسرا سبق سیکھنے پر جدوجہد کا ایک لمبا سلسلہ مشاہدہ کیا: یہ ایک حفاظتی طور پر زندہ رہنے کے قابل نوآبادی کے لئے واحد انتخاب ایسے ادارے تخلیق کرنا تھا، جو نوآبادکاروں کو سرمایہ لگانے اور محنت کرنے کے محرکات رہن سکیں۔

جب شمالی امریکہ نے ترقی کی، انگریز طبقہ علیا نے بار بار ایسے ادارے قائم کرنے کی کوشش کی جنہوں نے نوآبادی کے چند ایک مراعات یافتہ باشندوں کے سوا، معاشی اور سیاسی حقوق پر تمام لوگوں کے لئے روک لگا دی۔ جیسا کہ ہسپانویوں نے کیا تھا۔ لیکن ہر معاملے میں یہ نمونہ ناکام ہو گیا، جیسا کہ یہ ورجینیا میں ہو گیا تھا۔

یہ انتہائی جرأت مندانہ کوشش، ورجینیا کمپنی کی حکمت عملی میں تبدیلی کے جلد ہی بعد شروع ہو گئی۔ 1632 میں زمین کے ایک کروڑ ایکڑ، بالائی چیسا پیک میں، انگریز بادشاہ چالس اول کی طرف سے سیسیلیس کالورٹ (Cecilius Caluert) ار لارڈ بالٹی مور (Lord Baltmore) کو عطا کر دیئے گئے۔ چارٹر آف میری لینڈ نے لارڈ بالٹی مور کو کسی بھی خطوط پر جن پر وہ چاہئے حکومت بنانے کا مکمل اختیار دے دیا، جس میں شق نمبر 7 میں یہ تحریر تھا کہ بالٹی مور کو ''مذکورہ صوبے کی اچھی اور پُرمسرت حکومت کی خاطر آزادانہ مکمل اور مطلق اختیار ہے اس دستاویز کے مدعا کی رو سے کہ وہ

MashalBooks.org

جس قسم کے بھی چاہئے قوانین کا حکم دے، بنائے اور وضع کرے۔''

بالٹی مور نے، ایک جاگیردارانہ معاشرہ قائم کرنے کا تفصیلی نقشہ تیار کر لیا، جو کہ سترھویں صدی کے دیہی انگلستان کا شمالی امریکی متن ہوگا۔ اس کا نتیجہ زمین کو ہزاروں ایکڑوں کے پلاٹوں میں تقسیم کرنا تھا، جنہیں نواب چلائیں گے۔ یہ نواب مزارعوں کو بھرتی کریں گے، جو زمینوں پر کام کریں گے، اور زمین کو کنٹرول کرنے والے مراعات یافتہ طبقہ علیا کو کرایہ ادا کریں گے۔ ایک ایسی ہی کوشش بعد میں 1663 میں کی گئی۔ جب کیرولائنا کی بنیاد آٹھ مالکوں کی طرف سے رکھی گئی، جن میں سر انتھونی ایشلے کوپر (Sir Anthony, Ashley-Cooper) اپنے سیکرٹری، عظیم انگریز فلاسفر جان لاگ کے ساتھ شامل تھا، انہوں نے کیرولائنا کے بنیادی آئینوں کی تشکیل کی۔ اس دستاویز نے، اس سے پہلے والے میری لینڈ کے چارٹر کی مانند، ایک طبقہ علیا کی حامل مدارج افسر شاہی پر مبنی معاشرے کے لئے ایک خاکہ مہیا کیا، جو زمیندار طبقہ علیا کے کنٹرول میں ہونا تھا۔ اس کے افتتاحی حصے میں یہ ذکر کیا گیا کہ ''اس صوبے کی حکومت، اس بادشاہت کے لئے بہت سازگار بنائی جا سکتی ہے، جس کے تحت ہم رہ رہے ہیں، اور جس کا یہ صوبہ ایک حصہ۔ اور یہ کہ ہم ایک کثیر افراد پر مشتمل جمہوریت بنانے سے اجتناب کر سکتے ہیں۔''

بنیادی آئینوں کی شقوں نے ایک سخت سماجی ڈھانچے کا خاکہ پیش کیا۔ سب سے نیچے ''عدالتوں کے آدمی تھے'' اس طرح کہ شق نمبر 23 نے یہ تحریر کیا ''عدالتی آدمیوں کے تمام بچے بھی عدالتی آدمی ہوں، اور تمام نسلوں کے لئے ایسا ہی ہوگا'' عدالتی آدمیوں سے اوپر، جن کے ہاتھ میں کوئی سیاسی اختیار نہیں تھا۔ نوابوں میں سے ہر ایک کو اڑتالیس ہزار ایکڑ زمین دی جانی تھی، اور کیزیکوں میں سے ہر ایک کو چوبیس ہزار۔ ایک پارلیمنٹ بھی بنائی جانی تھی، جس میں نوابوں اور کیزیکوں کو نمائندگی دی جانی تھی، لیکن اسے صرف ایسے معاملات پر بحث کرنے کی اجازت تھی، جو اس سے آٹھ مالکوں کی طرف سے منظور کئے جا چکے تھے۔

عین اس طرح جس طرح، ورجینیا میں سخت قانون نافذ کرنے کی کوشش ناکام ہوگئی تھی، ایسے ہی میری لینڈ اور کیرولائنا میں بھی اسی طرح کے ادارے بنانے کا منصوبہ ناکام ہوگیا۔ دونوں کے اسباب ایک جیسے تھے۔ تمام صورتوں میں، آبادکاروں کو ایک جامدانہ شاہی معاشرے میں زبردستی داخل کرنا ناممکن ثابت ہوا کیونکہ نئی دنیا میں ان کے لئے ضرورت سے زیادہ انتخابات کھلے

تھے۔ اس کی بجائے اس بات کے لئے کہ وہ کام کرنا چاہیں، انہیں محرکات مہیا کرنا پڑتے تھے۔ اور جلد ہی وہ مزید معاشی آزادی اور مزید سیاسی حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے۔ میری لینڈ میں بھی آبادکاروں نے اپنی زمین حاصل کرنے پر اصرار کیا، اور انہوں نے لارڈ بالٹی مور کو ایک اسمبلی بنانے پر بھی مجبور کر دیا، 1691 میں، اسمبلی نے بادشاہ کو، میری لینڈ کو ایک شاہی نوآبادی قرار دینے کی ترغیب دی، اس طرح بالٹی مور اور اس کے عظیم لارڈوں کی سیاسی مراعات کو ختم کروا دیا۔ ایک ایسی ہی طویل جدوجہد کیرولیناؤں میں بھی شروع ہوگئی، دوبارہ مالکوں کی ہار کے ساتھ۔ جنوبی کیرولائنا 1729 میں شاہی نوآبادی بن گئی۔

1720 کی دہائی تک ان تمام تیرہ نوآبادیوں میں، جو ریاستہائے متحدہ بننے والی تھیں، حکومت کے یکساں ڈھانچے تھے۔ تمام صورتوں میں ایک گورنر اور ایک اسمبلی ہوتی تھی، جائیداد کے تمام مرد مالکوں کے حق رائے دہی پر مبنی تھی۔ یہ جمہوریائیں نہیں تھیں؛ عورتیں، غلام اور جائیدا سے محروم لوگ ووٹ نہیں ڈال سکتے تھے۔ لیکن اور کسی بھی جگہ کے ہم عصر معاشروں کے مقابلے میں کسی بھی جگہ سے زیادہ وسیع سیاسی حقوق موجود تھے۔ یہی اسمبلیاں اور ان کے رہنما ہی تھے، جنہوں نے 1774 میں پہلی مخلوط طور پر پہلی براعظمی کانگریس کی بنیاد رکھی، جو کہ ریاستہائے متحدہ کی آزادی کا پیش خیمہ تھی۔ اسمبلیاں اس بات پر تعین رکھتی تھیں انہیں اپنی رکنیت کا تعین کرنے اور ٹیکس عائد کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس چیز نے، جیسا کہ ہمیں معلوم ہے انگلستان کی سامراجی حکومت کے لئے مسائل پیدا کئے۔

دو دستوروں کی کہانی

اب یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے کہ یونائیٹڈ سٹیٹس نے، نہ کہ میکسیکو نے ایک ایسا دستور اپنایا اور اسے نافذ کیا، جس نے جمہوری اصولوں کو اپنایا، سیاسی اختیارات کے استعمال پر حدود عائد کیں، اور اس اختیار کو معاشرے میں وسیع پیمانے پر تقسیم کیا۔ وہ دستاویز جس کے لکھنے کے لئے نمائندے مئی 1787 میں فلاڈلفیا میں بیٹھے، اس طویل عمل کا حصہ تھی، جو 1619 میں جیمز ٹاؤن میں جنرل اسمبلی کی تشکیل سے شروع ہوا تھا۔

وہ فرق جو اس آئینی عمل جو یونائیٹڈ سٹیٹس کی آزادی کے وقت واقع ہوا، اور اس عمل کے

MashalBooks.org

درمیاں جو تھوڑا عرصہ بعد میکسیکو میں ہوا، بہت واضح ہے۔ فروری 1808 میں نپولین بونا پارٹ کی فرانسیسی فوجوں نے سپین پر حملہ کیا، مئی تک انہوں نے ہسپانوی دارالخلافے میڈرڈ پر قبضہ کر لیا ستمبر تک ہسپانوی بادشاہ فرڈینینڈ گرفتار تخت سے دستبردار ہو گیا۔ ایک قومی انتظامی کونسل، مرکزی انتظامی کونسل نے اس کی جگہ لے لی، فرانسیسیوں کے خلاف جنگ میں مشعل اٹھائے ہوئے۔ اس انتظامی کونسل کا پہلا اجلاس آرنجویز (Aranjuez) میں ہوا۔ لیکن فرانسیسی فوجوں کی آمد کے ساتھ جنوب کی طرف پیچھے ہٹ گئی۔ آخر کار یہ کاڈیز کی بندگاہ پہنچ گئی، جس کا کہ فرانسیسی فوجوں کی طرف سے محاصرہ کر لیا تھا، لیکن یہ ڈٹا رہا، یہاں انتظامی مجلس نے ایک پارلیمنٹ تشکیل دی جسے کورٹیز (Cortez) کہا جاتا تھا۔ 1812 میں کورٹیز نے وہ دستاویز پیدا کی جسے کاڈیز کے آئین کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس نے آئینی بادشاہت کے متعارف کروانے کا تقاضا کیا، جو عمومی اقتدار اعلیٰ کے تصورات پر مبنی تھی۔ اس نے خصوصی مراعات کے خاتمے اور قانون کے آگے برابری کا اعلان کیا۔ یہ تمام مطالبات جنوبی امریکہ کے طبقہ ہائے علیا کے لئے ایک لعنت تھے، جو ابھی ایک اداراتی ماحول میں کام کر رہے تھے، جو اینکومینڈا، جبری مشقت، اور کلی اختیار جو ان کے اور نوآبادیاتی ریاست کے اندر مرکوز تھا، سے تشکیل دیا گیا تھا۔

ہسپانوی ریاست کی نپولین کے حملے سے توڑ پھوڑ نے پورے نوآبادیاتی لاطینی امریکا میں ایک آئینی بحران پیدا کر دیا، اس بارے میں بہت نزاع تھا کہ آیا مرکزی انتظامی کونسل کی حاکمیت کو تسلیم کیا جائے، اور اس کے جواب میں بہت سے لاطینی امریکیوں نے اپنی اپنی خفیہ تنظیمیں بنا لیں۔ یہ محض وقت کی بات تھی کہ وہ سپین سے حقیقی طور پر آزاد ہونے کے امکان کو محسوس کرنا شروع کرتے۔ آزادی کا پہلا اعلان لاپاز (La Paz) بولیویا 1809 میں شروع ہوا، اگرچہ اسے جلدی سے پیرو سے ہسپانوی دستے بھیج کر کچل دیا گیا، میکسیکو سے طبقہ علیا کے سیاسی رویوں کی تشکیل 1810 کے ہڈالکو بغاوت سے ہوئی، جس کی قیادت ایک پادری میگوئیل ہڈالکو (Miguel Hidalgo نے کی۔ جب ہڈالکو کی فوج نے منتظم کو، جو کہ ایک بڑا نوآبادیاتی ملازم تھا، مار ڈالا، اور پھر بلا امتیاز گوروں کو مارنا شروع کر دیا۔ یہ ایک آزادی کی تحریک سے زیادہ ایک طبقاتی یا بلکہ نسلی جنگی تھی۔ اور اس نے تمام طبقہ ہائے علیا کو حزب اختلاف میں متحد کر دیا۔ اگر آزادی، سیاست میں عوامی شرکت کی اجازت دیتی ہے، تو تمام مقامی طبقہ علیا کے لوگ، نا کہ محض ہسپانوی اس کے خلاف تھے۔ نتیجتاً،

میکسیکو کے طبقہ ہائے علیا نے کیڈیز آئین کو، جس نے عوامی شرکت کا دروازہ کھولا، انتہائی شک کی نگاہ سے دیکھا؛ وہ اس کی جائزیت کو کبھی تسلیم کرنے والے نہیں تھے۔

1815 میں، جب نپولین کی یوروپی سلطنت ٹوٹ گئی تو بادشاہ فریڈرک ہفتم دوبارہ اقتدار میں آ گیا، اور کیڈیز آئین منسوخ ہو گیا۔ جب ہسپانوی راج نے اپنی امریکی نوآبادیات کی بازیابی کوشش شروع کی، تو اسے وفادار میکسیکو کے ساتھ کوئی مسئلہ پیش نہ آیا۔ لیکن 1820 میں ایک ہسپانوی فوج نے، جو امریکاؤں کے بحری سفر پر روانہ ہونے کے لئے کیدیز میں جمع ہو گئی تھی، تاکہ ہسپانوی حاکمیت کو بحال کروائے، فرڈینینڈ ہفتم کے خلاف بغاوت کر دی، جلد ہی پورے ملک کے فوجی یونٹوں نے ان کے ساتھ شامل ہونا شروع کر دیا، اور فرڈینینڈ کیڈیز آئین کو بحال کرنے اور کورٹیز کو واپس طلب کرنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ کورٹیز اس کورٹیز سے بھی زیادہ انقلابی تھا جس نے کیڈیز آئین لکھا تھا، اور اس نے ہر قسمی جبر کو ختم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس نے خصوصی مراعات پر بھی تنقید کی۔ مثال کے طور پر فوج کا یہ حق کہ ان کے جرائم کے لئے ان پر ان کی اپنی عدالتوں میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ آخر کار، میکسیکو میں اس دستاویز کے نفاذ کا سامنا کرتے ہوئے، وہاں کے طبقہ ہائے علیا نے یہ فیصلہ کیا وہ اکیلے ہی اپنی راہ اختیار کریں اور آزادی کا اعلان کر دیں۔

آزادی کی تحریک کی قیادت آگسٹن ایٹربائیڈ نے کی، جو ہسپانوی فوج میں ایک افسر رہا تھا۔ 24 فروری 1821 کو اس نے پلان دی ایگوالا (Plan de Iguala) (ایگوالا کا منصوبہ) کا اعلان کیا، جو کہ آزاد میکسیکو کا اس کا تصور تھا۔ اس منصوبے کے خدوخال میں ایک آئینی بادشاہت تھی، جس میں میکسیکن بادشاہ ہوتا، اور کیڈیز آئین کی ان شقوں کو ختم کر دیا، جنہیں میکسیکن طبقہ ہائے علیا اپنے مرتبے اور مراعات کے لئے اتنا خطرہ سمجھ رہے تھے۔ اسے فوری پذیرائی ملی، اور ہسپانیہ نے جلد ہی یہ محسوس کر لیا کہ یہ ناگزیر کو نہیں روک سکتا۔ لیکن ایٹربائیڈ نے محض میکسیکن علیحدگی کو ہی منظم نہیں کیا۔ طاقت کے خلا کا اندازہ لگاتے ہوئے، اس نے جلد ہی اپنی فوجی پشت پناہی کا فائدہ اٹھایا، اور اپنے شہنشاہ ہونے کے اعلان کر دیا، جو کہ ایک ایسا منصب تھا جسے جنوبی امریکا کے آزادی کے عظیم رہنما سائمن بولیوار نے "خدا اور سنگینوں کی مہربانی سے" کہہ کر بیان کیا تھا۔ ایٹربائیڈ انہیں سیاسی اداروں سے مجبور نہیں تھا، جنہوں نے ریاستہائے متحدہ کے صدور مجبور کیا تھا؛ اس نے جلد ہی اپنے آپ کو ایک آمر بنا لیا اور اکتوبر 1822 تک، اس نے آئینی طور پر منظور

MashalBooks.org

شدہ کانگریس کو برطرف کردیا اور اس کی جگہ اپنی پسند کی کونسل قائم کردی، اگرچہ ایٹر بائیڈ زیادہ عرصے تک نہ رہا، لیکن واقعات کا یہ نمونہ انیسویں صدی کے میکسیکو میں بار بار دہرایا جاتا رہا۔

ریاستہائے متحدہ کے آئین نے جدید معیارات کے مطابق جمہوریت تخلیق نہیں کی۔ اس امر کا انتخابات میں کون ووٹ دے سکتا ہے فیصلہ انفرادی طور پر ریاستوں پر چھوڑ دیا گیا۔ اگرچہ شمالی ریاستوں نے جلد ہی تمام گوروں کو، بلا لحاظ اس کے کہ ان کی آمدنی کیا ہے یا وہ کتنی جائیداد کے مالک ہیں، ووٹ کا حق دے دیا، لیکن جنوبی ریاستوں نے ایسا بتدریج کیا۔ کسی بھی ریاست نے عورتوں اور غلاموں کو ووٹ کا حق نہ دیا، اور کیونکہ سفید فاموں پر جائیداد اور دولت کی پابندیاں ہٹالی گئیں، لہٰذا نسلی حق رائے متعارف کروایا گیا۔ جب ریاست ہائے متحدہ کا آئین فلاڈلفیا میں لکھا گیا تو بلاشبہ غلامی کو آئینی گردانا گیا۔ اور ریاستوں کے درمیان ایوان نمائندگان میں نشستوں کی تقسیم سے متعلق انتہائی گھٹیا قسم کے مذاکرات چلتے رہے۔ یہ نشستیں ریاست کی آبادی کی بنیاد پر مخصوص کی جاتی تھیں، لیکن اس وقت جنوبی ریاستوں کے کانگریس کے نمائندوں نے یہ مطالبہ کیا کہ غلاموں کی گنتی کی جائے۔ شمالی ریاستوں کے لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ سمجھوتہ اس بات پر ہوا کہ، ایوان نمائندگان میں نشستوں کے حصہ مقرر کرنے کے وقت، ایک غلام کی گنتی ایک آزاد شخص کے 3/5 کے برابر ہوگی۔ آئینی عمل کے دوران ریاست ہائے متحدہ کے شمال اور جنوب میں اختلافات دب گئے، کیونکہ 3/5 والا اصول اور دوسرے سمجھوتوں کو تفصیل سے طے کرلیا گیا، وقت کے ساتھ ساتھ مسائل کے نئے حل شامل کئے گئے۔ مثال کے طور پر مسوری سمجھوتہ، ایک ایسا انتظام جس کے مطابق ہمیشہ ایک غلامی کی حامی اور ایک غلامی مخالف ریاست کو ایک اتحاد میں اکٹھا کر دیا جاتا تھا، تاکہ سینٹ میں غلامی کی حامی اور غلامی کی مخالف ریاستوں کے درمیان ایک توازن برقرار رہے اس طرح کی جعلی چیزوں نے ریاستہائے متحدہ کے سیاسی اداروں کو پرامن طریقے سے چالو رکھا، یہاں تک آخر کار خانہ جنگی نے ان کشاکشوں کو شمال کے حق میں حل کر دیا۔

خانہ جنگی خونی اور تباہ کن تھی۔ لیکن اس سے پہلے اور بعد میں آبادی کی ایک بہت بڑی تعداد کے لئے بہت اچھے معاشی مواقع تھے، خاص طور پر ریاستہائے متحدہ کے شمالی اور مغربی علاقوں میں۔ میکسیکو میں صورت حال بہت مختلف تھی۔ اگر ریاستہائے متحدہ نے 1860 سے 1865 تک پانچ سال سیاسی عدم استحکام دیکھا، تو میکسیکو نے آزادی کے پہلے

پچاس سالوں میں تقریباً مسلسل عدم استحکام کا تجربہ کیا۔ اس کی بہترین شہادت انٹونیو لوپیز ڈی سانتا اینا (Antonio Lopez de Santa Anna) کی داستان حیات ہے۔

سانتا اینا، جو کہ ویراکروز (Veracruz) میں ایک نوآبادیاتی ملازم کا بیٹا تھا، آزادی کی جنگوں میں ہسپانویوں کی طرف سے بطور سپاہی لڑکر شہرت حاصل کی۔ 1821 میں وہ اپنی پوزیشن تبدیل کرکے ایٹر بائیڈ کے ساتھ چلا گیا اور کبھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ وہ مئی 1833 میں پہلی مرتبہ میکسیکو کا صدر بن گیا، اگرچہ اس نے اختیارات کا استعمال ایک مہینے سے بھی کم عرصے کے لئے کیا، اور پھر ویلنٹن گومیز فاریاس (Valentin Gomez Farias) کے لئے صدارت چھوڑ دی۔ گومیز فاریاس کی صدارت صرف پندرہ دن رہی، جس کے بعد سانتا اینا نے دوبارہ اختیارات سنبھال لئے۔ تاہم یہ دور بھی اتنا ہی مختصر تھا جتنا کہ اس کا پہلا دور، اور ایک دفعہ پھر اوائل جولائی میں پھر تخت پر آگیا۔ سانتا اینا اور گومیز فاریاس نے یہ رقص جاری رکھا، یہاں تک 1835 کے وسط میں سانتا اینا کی جگہ میگوئی باراگان (Miguel Barragan) نے لے لی۔ لیکن سانتا اینا چھوڑنے والا نہ تھا۔ وہ بطور صدر کے 1839,1841,1844,1847 پھر واپس آیا اور آخری بار 1853 اور 1855 کے دوران۔ مجموعی طور پر وہ گیارہ مرتبہ صدر بنا، جس کے دوران اس نے آلامو اور ٹیکساس کی صدارت کی اور تباہ کن میکسیکن امریکن جنگ کی، جو نیومیکسیکو اور ایری زونا کے نقصان پر منتج ہوئی۔ 1824 اور 1867 کے دوران میکسیکو میں باون صدر آئے، جن میں سے بہت ہی کم ایسے تھے، جنہوں نے کسی آئینی طور پر منظور شدہ طریق کار کے مطابق اقتدار سنبھالا ہو۔

معاشی اداروں اور محرکات کے لئے اس بے مثال سیاسی عداستحکام کے نتائج واضح ہونے چاہئیں۔ اس طرح عدم استحکام انتہائی غیر محفوظ حقوق جائیداد پر منتج ہوا۔ جس کے پاس اب ٹیکس لگانے اور عوامی خدمات مہیا کرنے کی کوئی اہلیت نہیں تھی۔ بلاشبہ، اگرچہ سانتا اینا میکسیکو کا صدر تھا، لیکن ملک کے بڑے حصے اس کے کنٹرول میں نہیں تھے، جس نے ریاستہائے متحدہ کی طرف سے ٹیکساس کے انضمام کو ممکن بنایا۔ علاوہ ازیں، جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی دیکھا، میکسیکن اعلان آزادی کے پیچھے محرک، ان معاشی اداروں کے سیٹ کو محفوظ بنانا تھا، جو نوآبادیاتی دور کے دوران ارتقا پذیر ہوئے، جنہوں نے میکسیکو کو، عظیم جرمن اور لاطینی امریکہ کے ماہر جغرافیہ الیگزنڈر فان ہمبولٹ (Alexander von Humblt) کے الفاظ میں ''عدم مساوات کا ملک'' بنا دیا تھا۔ ان

MashalBooks.org

اداروں نے، معاشرے کو، مقامی لوگوں کے استحصال پر مبنی بنا کر اور اجارہ داریاں تخلیق کر کے، آبادی کے عظیم حصے کے معاشی محرکات اور تخلیقی جذبے کی راہ روک دی تھی۔ جب، انیسویں صدی کے پہلے نصف میں ریاستہائے متحدہ امریکہ نے صنعتی انقلاب کا تجربہ کرنا شروع کیا۔ تو میکسیکو غریب تر ہو گیا۔

MashalBooks.org

ایک خیال کا آنا، ایک فرم کا آغاز کرنا اور ایک قرض لینا

صنعتی انقلاب کی ابتدا انگلستان میں ہوئی، اس کی پہلی کامیابی، نئی مشینوں کو استعمال کرتے ہوئے جن کو پانی والی پہیوں اور بعد میں بھاپ کے انجنوں سے طاقت حاصل ہوتی تھی، سوتی کپڑے کی پیداوار میں انقلاب پیدا کرنا تھی۔ کپاس کی پیداوار کو مشینی بنانے سے کارکنوں کی پیداواری صلاحیت پہلے ٹیکسٹائل میں اور بعد میں دوسری صنعتوں میں کافی اضافہ ہو گیا۔ پوری معیشت میں اہم مشینی پیشرفتوں کا محرک جدت طرازی تھی۔ جس میں پیش روی ان نئے کاروباری لوگوں اور تاجروں نے کی جو نئے خیالات کا اطلاق کرنا چاہتے تھے۔ یہ ابتدائی اٹھان جلد ہی بحر اوقیانوس سے ہوتے ہوئے ریاستہائے متحدہ تک پہنچ گئی۔ لوگوں نے ان نئے عظیم معاشی مواقع کو انگلستان میں ترقی پانے والی نئے مشینی طریقے اختیار کرنے کے لئے دستیاب پایا۔ انہوں نے اپنی ایجادات کرنے کے لئے اس سے جذبہ حاصل کیا۔

ہم ان ایجادات کی نوعیت کو یہ دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ کس کس کو ان کو فروخت کرنے کے اجازت نامے ملے۔ اجازت ناموں کا سسٹم، جو جائیداد کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے، کو اجارہ داریوں کے قانون میں جو انگلستان کی پارلیمنٹ نے 1623 میں منظور کیا منظم کیا گیا۔ جزوی طور پر ایک ایسی کوشش کے طور پر کہ بادشاہ کو ایجادات کے اجازت نامے پر اس شخص کو اپنی مرضی سے دینے سے روکا جائے جسے وہ چاہئے۔ اور (پارلیمنٹ) بعض خاص سرگرمیوں یا کاروباروں کو اختیار کے کلی اختیارات موثر طور پر دے سکے۔ ریاستہائے متحدہ میں اجازت نامے دینے کی

شہادت کے بارے میں حیران کن چیز یہ ہے کہ وہ لوگ جنہیں یہ اجازت نامے دیئے گئے، وہ زندگی کے تمام پس منظروں اور تمام شعبوں سے تعلق رکھتے تھے، نہ کہ امیر اور اونچے طبقے کے لوگ تھے۔ بہت سے لوگوں نے اپنی نئی ایجادات کی فروخت کے اجازت ناموں سے اپنے مقدر بنائے۔ تھامس ایڈیسن (Thomas Edison) کو لیجئے، جو کہ گراموفون اور روشنی کے بلب کا موجد، اور جنرل الیکٹرک (کمپنی) کا بانی تھا، جو کہ اب بھی دنیا کی سب سے بڑی کمپنیوں میں سے ایک ہے۔ ایڈیسن (Samuel Edison) نے بہت سے پیشے اپنائے، چوبی تختوں کو چھتوں کے لئے چیرنے سے لے کر درزیوں کے کام اور اس سے لے کر ایک سرائے چلانے تک۔ تھامس کی رسمی تعلیم بہت کم تھی لیکن اسے گھر پر اس کی ماں پڑھاتی تھی۔

1820 اور 1845 کے درمیان ریاستہائے متحدہ میں صرف 19 فی صد اجازت نامے حاصل کرنے والے ایسے تھے جن کے والدین پیشہ ور تھے یا جو قابل شناخت بڑے زمین کے مالک خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی دور کے دوران ان لوگوں میں سے، جو اجازت نامے حاصل کرتے تھے 40 فیصد وہ تھے جن کی تعلیم صرف پرائمری تک یا اس سے بھی کم تھی۔ بالکل ایڈیسن کی طرح۔ علاوہ ازیں وہ اکثر اپنے فروخت کے اجازت ناموں کو کوئی فرم شروع کر کے استعمال کرتے تھے۔ مکرر ایڈیسن کی طرح۔ بالکل اس طرح جس طرح ریاستہائے متحدہ اس وقت دنیا کی تمام اقوام کی نسبت سیاسی طور پر زیادہ جمہوری تھا، اسی طرح جب جدت طرازی کا موقع آتا تو بھی یہ دوسروں سے زیادہ جمہوری ہوتا۔ یہ دنیا میں معاشی طور پر سب سے زیادہ جدت طراز قوم ہونے کے اس کے راستے کے لئے بہت بنیادی بات تھی۔

اگر آپ غریب تھے لیکن کوئی اچھا خیال رکھتے تھے، تو ایک چیز یہ تھی کہ آپ ایک فروخت کا اجازت نامہ حاصل کریں، جو بہرحال زیادہ مہنگا نہیں ہوتا تھا۔ اس اجازت نامے کو پیسہ بنانے کے لئے استعمال کرنا بالکل ایک دوسری بات تھی۔ یقیناً ایک طریقہ تو یہ تھا کہ آپ اس اجازت نامے کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دیں۔ ایڈیسن نے ابتدا میں یہی کچھ کیا کچھ سرمایہ حاصل کرنے کے لئے، جب اس نے اپنے چار چیزوں کے مجموعے ٹیلیگراف کو دس ہزار ڈالر کے عوض ویسٹرن یونین کو بیچا۔ لیکن اپنے اجازت ناموں کو بیچنا، ایڈیسن جیسے کسی شخص کے لئے ہی اچھا تصور تھا، جس کے ہاں خیالات اتنے تیزی سے آتے تھے کہ وہ انہیں عمل میں نہیں لا سکتا تھا (اس کا عالمی

ریکارڈ تھا، اسے 1093 اجازت نامے ریاستہائے متحدہ میں جاری کئے گئے اور 1500 عالمی سطح پر) کسی اجازت نامے سے پیسہ بنانے کا حقیقی طریقہ اپنا کاروبار شروع کرنا تھا۔ لیکن کاروبار کرنے کے لئے آپ کو سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور آپ کو بینکوں کی ضرورت ہوتی ہے جو آپ کو سرمایہ ادھار پر دیں۔

ریاستہائے متحدہ میں سرمایہ کار ایک مرتبہ پھر خوش قسمت نکلے۔ انیسویں صدی کے دوران مالی بچولیاپن اور بینکاری کا جو صنعتی عمل کے اس تیز رفتار بڑھوتری کا بہت بنیادی سہولت کار تھا جس کا تجربہ معیشت نے کیا، بہت تیز پھیلاؤ ہوا۔ جہاں 1818 میں ریاست ہائے متحدہ میں 338 بینک کام کر رہے تھے، جن کے کل اثاثوں کی مالیت 160 ملین ڈالر تھی، 1914 میں وہاں 27,864 بینک تھے جن کا کل سرمایہ 27.3 بلین ڈالر تھا۔ ریاستہائے متحدہ میں بینک میں باصلاحیت سرمایہ کاروں کی، کاروبار شروع کرنے کے لئے سرمائے تک فوری رسائی تھی، مزید برآں، ریاستہائے متحدہ میں بینکوں اور مالیاتی اداروں کے درمیان آپس میں شدید مقابلہ تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ خاصے کم شرح سود پر دستیاب تھا۔

میکسیکو میں یہی چیز ایسے نہ تھی۔ درحقیقت 1910 میں وہ سال جس میں میکسیکن انقلاب شروع ہوا، میکسیکو میں صرف بیالیس بینک تھے اور ان میں سے دو بینک بینکاری کے کل اثاثوں کے 60 فیصد کو کنٹرول کرتے تھے۔ ریاست ہائے متحدہ کے برعکس، جہاں مقابلہ سخت تھا، میکسیکن بینکوں میں سرے سے کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔ مقابلے کے فقدان کا مطلب تھا کہ بینک اپنے گاہکوں سے بہت زیادہ شرح سود وصول کرنے کے قابل تھے، اور مخصوص طریقے سے قرض دینے کو مراعات یافتہ اور پہلے سے امیر لوگوں تک محدود کر دیتے تھے، جو پھر قرضے تک اپنی پہنچ کو، معیشت کے مختلف محاذوں پر اپنی گرفت بڑھانے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

وہ شکل جو میکسیکن بینکاری کی صنعت نے انیسویں اور بیسویں صدی میں اختیار کی، ملک کے بعد از آزادی سیاسی اداروں کا نتیجہ تھی۔ سانتا اینا کے دور کے انتشار کے بعد، شہنشاہ نپولین دوم کی فرانسیسی حکومت کی طرف سے میکسیکو میں 1864 اور 1867 کے درمیان شہنشاہ میکن میلین کے تحت ایک نوآبادیاتی حکومت قائم کرنے کی ایک ناکام کوشش کی گئی۔ فرانسیسیوں کو نکال دیا گیا اور ایک نیا آئین لکھا گیا۔ لیکن پہلے بنی ٹو جواریز (Benito Juarez) کی طرف سے اور اس کی

MashalBooks.org

وفات کے بعد سیبشین لیرڈوڈی ٹجاڈا (Sebestion Lerdo de Tejada) کی طرف سے تشکیل دی گئی حکومت کو پورفائیر لوڈیاز (Porfirio Diaz) نامی ایک نوجوان فوجی آدمی نے جلد ہی چیلنج کر دیا۔ ڈیاز، فرانسیسیوں کے خلاف جنگ میں ایک فاتح جرنیل رہا تھا، اور اس نے اپنے اندر اقتدار کی خواہش پیدا کر لی تھی۔ اس نے نومبر 1876 میں ایک باغی فوج تشکیل دی، اور حکومتی فوج کو ٹیکواک (Tecoac) کی لڑائی میں شکست دی۔ اگلے سال مئی میں وہ خود صدر منتخب ہو گیا۔ وہ میکسیکو پر تقریباً بغیر کسی وقفے کے اور بہت زیادہ تحکمانہ انداز سے حکومت کرتا رہا یہاں تک کہ چونتیس سال بعد ایک انقلاب کے پھوٹنے سے اس کا تختہ الٹا گیا۔

اپنے سے پہلے ایٹربائیڈ اور سانتا اینا کی طرح، ڈیاز نے ایک فوجی کمانڈر کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا، کسی پیشے سے سفر کرتے ہوئے سیاست میں آنے کا یہ طریقہ بلاشبہ ریاست ہائے متحدہ میں پہلے سے معروف تھا۔ ریاستہائے متحدہ کا پہلا صدر جارج واشنگٹن بھی جنگ آزادی میں ایک کامیاب جرنیل تھا۔ خانہ جنگی کے یونین فاتح جرنیلوں میں ایک جرنیل یولیسس ایس گرانٹ (Ulysses S. Grant)، 1869 میں صدر بن گیا اور ڈووائٹ ڈی آئزن ہاور (Dwight D. Eisenhower) جو کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران اتحادی افواج کا سپریم کمانڈر تھا۔ 1953 اور 1961 کے درمیان ریاستہائے متحدہ کا صدر تھا۔ ایٹربائیڈ، سانتا اینا اور ڈیاز کے برعکس ان فوجی آدمیوں میں سے کسی نے بھی اس سے پہلے اقتدار میں آنے کے لئے طاقت کا استعمال نہیں کیا تھا۔ نا ہی انہوں نے اقتدار کو چھوڑنے سے بچنے کے لئے طاقت کا استعمال کی۔ انہوں نے آئین کی پاسداری کی۔ اگرچہ انیسویں صدی میں میکسیکو کے پاس آئین تھے، لیکن انہوں نے ایٹربائیڈ، سانتا اینا اور ڈیاز کے کیئے پر کوئی پابندیاں عائد نہ کیں۔ ان آدمیوں کو اقتدار سے اسی طریقے سے ہٹایا جاسکتا تھا، جس طریقے سے انہوں نے اسے حاصل کیا تھا: طاقت کے استعمال سے۔

ڈیاز نے لوگوں کے حقوق جائیداد کو پامال کیا۔ زمین کے وسیع ٹکڑوں کی ضبطی کو آسان بنایا اور اس نے کاروبار کے تمام شعبوں بشمول بینکاری اپنے حامیوں کو اجارہ داریاں اور مراعات دیں۔ اس طرح کے طرز عمل میں کوئی چیز نئی نہیں تھی، یہ ٹھیک وہی طرز عمل ہے جو ہسپانوی فاتحین نے اختیار کیا تھا، اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سانتا اینا نے اختیار کیا۔

اس دلیل کا کہ ریاستہائے متحدہ کی ایک بینکاری کی صنعت تھی۔ جو ملک کی معاشی خوشحالی

کے لئے بہت زیادہ بہتر تھی۔ ان لوگوں کی ترغیب سے کوئی تعلق نہیں تھا جو بینکوں کے مالک تھے۔ بلاشبہ منافع کا وہ محرک جس نے میکسیکو میں بینکاری کی صنعت کی اجارہ دارانہ نوعیت کو سہارا دیا، ریاستہائے متحدہ میں موجود تھا۔ لیکن منافع کے اس محرک کو ایک مختلف راستے پر چلایا گیا تھا کیونکہ ریاستہائے متحدہ کے ادارے بہت زیادہ مختلف تھے۔ بینکاروں کو مختلف معاشی اداروں کا سامنا تھا، ایسے اداروں کا جنہوں نے انہیں کہیں زیادہ مقابلے میں ڈال دیا تھا۔ اور یہ زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ ان سیاستدانوں کو جنہوں نے بینکاروں کے لئے اصول بنائے تھے، خود مختلف محرکات کا سامنا کرنا پڑا تھا جو مختلف سیاسی اداروں کی طرف سے بنائے گئے تھے۔ بلاشبہ اٹھارویں صدی کے اواخر میں ریاستہائے متحدہ کے آئین کے نافذ العمل ہونے کے تھوڑے عرصے بعد ایک بینکاری کا نظام، جو اس نظام سے مماثل نظر آتا تھا جو بعد میں میکسیکو میں رائج ہوا۔ ابھرنا شروع ہو گیا۔ سیاستدانوں نے ریاستی بینکاری کی اجارہ داریاں قائم کرنے کی کوشش کی، جو وہ اپنے دوستوں اور شراکت کاروں کو اجارہ داریوں کے منافع کے ایک حصے کے معاوضے کے طور پر دے سکتے تھے۔ بینک بھی جلد ہی رقم ان سیاستدانوں کو جو ان کا نظم نسق سنبھالتے تھے قرض دینے کے کاروبار میں پڑ گئے، جیسا کہ میکسیکو میں تھا۔ لیکن یہ صورت حال ریاستہائے متحدہ میں زیادہ عرصہ چلنے والی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ سیاستدان جنہوں نے یہ بینکاری کی اجارہ داریاں قائم کرنے کی کوشش کی، اپنے میکسیکن ہم پیشہ لوگوں کے برعکس انتخاب اور دوبارہ انتخاب کے تابع تھے بینکاری کی اجارہ داریاں قائم کرنا اور سیاستدانوں کو قرض دینا سیاستدانوں کے لئے اچھا کاروبار ہے بشرطیکہ وہ اس کے نتائج و عواقب سے بچ سکیں۔ تاہم یہ شہریوں کے لئے اچھا نہیں ہے۔ میکسیکو کے برعکس، ریاست ہائے متحدہ میں شہری سیاستدانوں کو کنٹرول میں رکھ سکتے تھے۔ اور ایسے سیاستدانوں سے نجات حاصل کر سکتے تھے، جو اپنی تجوریاں بھرنے یا اپنے دوستوں کے لئے اجارہ داریاں حاصل کرنے کے لئے اپنے اختیارات کو استعمال کرتے تھے۔ نتیجتاً بینکاری کی اجارہ داریاں بیٹھ گئیں۔ ریاستہائے متحدہ میں سیاسی حقوق کی وسیع پیمانے پر تقسیم خاص طور پر جب ان کا مقابلہ میکسیکو سے کیا جائے، مالیات اور قرضوں تک مساوی رسائی کی ضمانت دیتی تھی۔ جوابی طور پر یہ چیز اس بات کی ضمانت دیتی تھی، کہ وہ لوگ جن کے ہاں خیالات اور ایجادات ہوں ان سے استفادہ کر سکتے تھے۔

MashalBooks.org

راستے پر منحصر تبدیلی

1870 اور 1880 کی دہائیوں میں دنیا تبدیل ہورہی تھی۔ لاطینی امریکہ بھی کوئی استثنیٰ نہیں تھا۔ وہ ادارے جو پروفائریو ڈیاز نے قائم کئے، سانتا اینا اور ہسپانوی نوآبادی ریاست کے مشابہہ نہیں تھے۔ دنیا کی معیشت انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں بہت پھلی پھولی، اور ذرائع نقل وحمل جیسا کہ دخانی جہاز اور ریلوے میں جدت طرازیوں نے بین الاقوامی تجارت پر منتج ہوئی۔ عالمگیریت کی اس لہر کا مطلب یہ تھا کہ میکسیکو کی طرح وسائل سے مالا مال ممالک۔ یا زیادہ مناسب طور پر ان ممالک کے طبقہ ہائے علیا خام مال اور قدرتی وسائل صنعتی بنتے ہوئے شمالی امریکہ یا مغربی یورپ کو برآمد کر کے امیر بن سکتے ہیں۔ اس طرح ڈیاز اور اس کے دوستوں نے اپنے آپ کو ایک مختلف اور تیزی سے ارتقا پذیر دنیا میں پایا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ میکسیکو کو بھی تبدیل ہونا ہے۔ لیکن اس کا مطلب نوآبادیاتی اداروں کو ختم کرنا اور ان کی جگہ ایسے ادارے لانا، جیسا کہ ریاستہائے متحدہ میں تھے، نہیں تھا۔ اس کی بجائے ان کی تبدیلی راستے پر منحصر تھی، جنہوں نے لاطینی امریکہ کے زیادہ تر حصے کو غریب اور ناہموار بنادیا تھا۔

عالمگیریت نے امریکاؤں کی بڑی بڑی کھلی جگہوں، اس کی ''کھلی سرحدوں'' کو قیمتی بنادیا۔ اکثر اوقات یہ سرحدیں صرف افسانوی طور پر کھلی ہوتی تھیں، کیونکہ وہاں مقامی لوگ آباد تھے، جنہیں وحشیانہ طور پر محروم کر دیا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی، اس نئے قیمتی وسیلے کے لئے چھینا جھپٹی، انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں امریکاؤں کے بیان کنندہ اعمال میں سے ایک عمل تھا۔ اس قیمتی سرحد کے اچانک کھلنے کا نتیجہ ریاستہائے متحدہ اور لاطینی امریکا میں یکساں طریقہ ہائے عمل کی صورت میں نہیں، بلکہ مزید اختلاف سے ہوتی، خاص طور پر ان اختلافات سے کہ کس کی رسائی زمین تک ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں قوانین کے ایک طویل سلسلے، جو 1785 کے لینڈ آرڈی ننس سے لے کر 1862 کے ہوم سٹیڈ ایکٹ (Homestead Act) تک، مقامی لوگوں کو ایک طرف کر دیا گیا تھا، لیکن اس نے ایک مساویانہ اور معاشی طور پر حرکیاتی سرحد پیدا کر دی۔ تاہم بہت سے لاطینی امریکہ ممالک میں، وہاں کے سیاسی اداروں نے ایک بہت مختلف نتیجہ پیدا کیا۔ سرحدی زمینیں، سیاسی طور پر طاقتور لوگوں کو اور دولت اور تعلقات والے لوگوں کے لئے مختص کی گئیں، اور

انہوں نے ایسے لوگوں کو اور بھی طاقتور بنادیا۔

ڈیاز نے بہت سے ایسے مخصوص نوآبادیاتی اداروں کی ایسی وراثتوں جو بین الاقوامی تجارت میں رکاوٹ بن رہی تھی، جن کے بارے میں اس کی یہ پیش بینی تھی کہ وہ اس کو اور اس کے حامیوں کو بہت زیادہ امیر بنادیں گی، کو بھی ڈھانا شروع کر دیا۔ تاہم اس کے سامنے نمونہ، اس طرح کی معاشی ترقہ کا نہ بنا، جو اس نے ریوگران کے شمال میں دیکھا، بلکہ کورٹیز پزارو اور ڈی ٹولیڈو والا بنا، جس میں اونچے طبقے کے لوگ بہت دولت بنالیتے تھے اور باقی لوگوں کو خارج کر دیا جاتا تھا۔ جب اونچے طبقے کے لوگ سرمایہ کاری کرتے تھے، تو معیشت تھوڑی سی ترقی کرتی تھی، لیکن ایسی معاشی ترقی ہمیشہ مایوس کن ہوتی تھی۔ نیز یہ ترقی ان لوگوں کی قیمت پر آتی تھی جو اس نئے نظام میں حقوق سے محروم ہوتے تھے، جیسا کہ سونورا کے یا کوئی لوگ جو کہ نوگیلز کے مضافاتی علاقوں میں رہتے تھے۔ 1900 اور 1910 کے درمیان تقریباً غلام بنائے گئے، اور یوکاٹان کے ہینی کوئیں کے جنگلات میں کام کرنے کے لئے بھیج دیئے گئے۔ (ہینی کوئکن پودے یا ڈوریاں بنانے کے لئے استعمال کیا جاسکتا تھا)۔

ایک مخصوص اداراتی نمونے کا جو میکسیکو اور لاطینی امریکہ میں ترقی کا دشمن تھا، بیسویں صدی میں جاری رہنا، اس حقیقت سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ جیسا کہ انیسویں صدی میں ہوا۔ یہ نمونہ معاشی جمود اور سیاسی عدم استحکام، خانہ جنگیاں اور حکومتوں کی الٹ پلٹ پیدا کرتا ہے، جبکہ مختلف گروہ اقتدار کے فوائد کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، ڈیاز آخر کار 1910 میں انقلابی قوتوں کے آگے اپنا اقتدار کھو بیٹھا۔ میکسیکو کے اس انقلاب کی پیروی دوسروں نے کی۔ بولیویا نے 1952 میں کیوبا نے 1959 میں اور نکاراگوا نے 1979 میں۔ اسی دوران میں کولمبیا، ایل سیلوے ڈور، گوئٹے مالا اور پیرو میں طویل خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں۔ بولیویا، برازیل، چلی، کولمبیا، گوئٹے مالا، پیرو اور وینزویلا میں، اثاثوں کو غصب کرنا، یا غصب کرنے کے خطرات، مع بڑے پیمانے پر زرعی اصلاحات کے (یا اصلاحات کی کوششوں کے) تیزی سے جاری رہے۔ فوجی حکومتوں اور آمریت کی مختلف اقسام کے ساتھ ساتھ، انقلابات سلب ونہب اور سیاسی عدم استحکام آئے۔ اگرچہ عظیم تر سیاسی حقوق کی طرف پیشرفت ہوئی، لیکن یہ بات 1990 کی دہائی میں ہوئی کہ زیادہ تر لاطینی امریکہ ممالک جمہوریائیں بن گئے اور پھر بھی وہ عدم استحکام کی دلدل میں دھنسے رہے۔

MashalBooks.org

بڑے پیمانے پر جبر اور قتل بھی عدم استحکام کے ساتھ تھا۔ 1919 میں چلی میں نیشنل کمشن فار ٹروتھ اینڈ ری کانسیلیشن (National Commission for Truth and Reconcilation) کی رپورٹ، نے یہ متعین کیا کہ 1973 سے 1990 کے درمیان پنوشے کی آمریت کے دوران 2,279 افراد سیاسی وجوہات کی بنا پر قتل کئے گئے۔ غالباً 50,000 کو گرفتار کیا گیا اور اذیتیں دی گئیں اور لاکھوں لوگوں کو ملازمتوں سے نکالا گیا۔ 1999 مین گوئٹے مالا کے کمشن فار ہسٹاریکل کلریفیکیشن (Guatemalan commission for Historical Clarification) کی رپورٹ نے، 42,275 نامزد شکار افراد کی شناخت کی، اگرچہ دوسروں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ کہ 1962 سے لے کر 1996 تک گوئٹے مالا میں 200,000 (قتل کئے گئے) جنرل ایفرین ریو میں مونٹ (General Efrain Rios Mont کے عہد میں 70,000 افراد قتل کئے گئے۔ موخر الذکر اس قدر ہوشیار آدمی تھا کہ اس نے یہ جرائم اس صفائی سے انجام دئے کہ وہ سزا سے بھی بچ گیا اور 2003 میں صدارت کا امیدوار بھی بن گیا۔ خوش قسمتی سے وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ دانیشنل کمشن آن دا ڈس اپیرنس آف پرسنز ان ارجنٹینا (The National Commission on the Disappearance of Persons in Argentina) نے وہاں فوج کے ہاتھوں قتل ہونے والے افراد کی تعداد 1976 سے 1983 تک، 9,000 افراد بیان کی، اگرچہ اس نے تحریر کیا کہ اصل تعداد اس زیادہ ہو سکتی ہے۔ (حقوق انسانی کی تنظیمیں ان تخمینوں کو 30,000 تک بتاتی ہیں۔

ایک، دوارب بنانا

نوآبادیاتی معاشرے کی تنظیم کے دیرپا مضمرات، اور ان معاشروں کی اداراتی وراثتیں ریاستہائے متحدہ اور میکسیکو کے درمیان، فلہٰذا نوگیلز کے دو حصوں کے درمیان جدید اختلافات کی تشکیل کرتے ہیں۔ ان دو حقائق کے بل گیٹس اور کارلوس سلم۔ وارن بفٹ بھی ایک مقابلہ کار ہے۔ کے درمیان موازنہ ان قوتوں کی وضاحت کرتا ہے جو اس کے پیچھے کام کر رہی ہیں۔ بل گیٹس اور مائیکروسافٹ کا عروج خوب جانا پہچانا ہے۔ لیکن گیٹس کے دنیا کے امیر ترین آدمی، اور ٹیکنالوجی کے لحاظ سے انتہائی جدت طراز کمپنی کے بانی ہونے کے مرتبے نے بھی یو ایس کے انصاف کے محکمے کو، 8 مئی 1998 میں مائیکروسافٹ کارپوریشن کے خلاف دیوانی اقدامات سے نہ روکا، یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ مائیکروسافٹ نے اجارہ داری کی طاقت کا غلط استعمال کیا تھا۔ خصوصی طور پر مسئلہ اس طریق کار کا تھا جس میں مائیکروسافٹ نے اپنے ویب براوسر کو انٹرنیٹ ایکسپلورر کو اپنے ونڈوز چلانے والے نظام کے ساتھ منسلک کر دیا تھا۔ حکومت نے ایک خاص عرصے سے گیٹس پر نگاہ رکھی ہوئی تھی، اور خاصا پہلے 1991 میں فیڈرل ٹریڈ کمشن نے اس بارے میں ایک تفتیش شروع کی تھی آیا مائیکروسافٹ، پی سی (پرسنل کمپیوٹرز) کو چلانے والے نظاموں پر اپنی اجارہ داری کا غلط استعمال تو نہیں کر رہا تھا۔ نومبر 2001 میں مائیکروسافٹ محکمہ انصاف کے ساتھ ایک سمجھوتا طے پا گیا اس کے پر کاٹ دیئے گئے، اگرچہ اس کر پڑنے والے ہرجانے اس سے بہت کم سے جس کا بہت سے لوگ مطالبہ کر رہے تھے۔ میکسیکو میں کارلوس سلم نے اپنی دولت جدت طرازی سے نہیں بنائی تھی، شروع شروع میں وہ سٹاک مارکیٹ کے سودوں میں اور غیر منافع بخش فرموں کو خریدنے اور

MashalBooks.org

انہیں نیا بنانے میں اوروں سے سبقت لے گیا۔ اس کی کاری ضرب ٹیلمیکس کو حاصل کرنا تھی، جو میکسیکو کی ٹیلی کمیونیکیشن کی اجارہ داری تھی، جسے صدر کارلوس سیلیناس نے 1990 میں نجی ملکیت میں دے دیا تھا۔ حکومت نے ستمبر 1989 میں اکمپنی کے دارالمبادلہ (حصص کی وہ تعداد جن کا مالک ووٹ دینے کا حقدار بن جائے۔م) کے 51 فیصد حصص بیچنے کے ارادے کا اعلان کیا، اور 1990 میں اسے اس کی بولیاں وصول ہوئیں۔ اگرچہ سلم نے سب سے زیادہ بولی نہیں دی تھی، لیکن ایک کسورشیم نے جس کی سربراہی اس کی (فرم) گروپوکورسو کر رہی تھی، نے نیلامی جیت لی۔ بجائے حصص کی فوری طور پر ادائیگی کرنے کے سلم نے ادائیگی کو موخر کرنے کا بندوبست کرلیا، اور اس طرح ٹیلمیکس کے حصص کو ہی سٹاک کی ادائیگی کے لئے استعمال کیا۔ وہ چیز جو کبھی سرکاری اجارہ داری تھی اب سلم کی اجارہ داری بن گئی ار یہ بہت زیادہ منافع بخش تھی۔

وہ معاشی ادارے جنہوں نے کارلوس سیلم کو وہ کچھ بنایا جو کچھ کہ وہ ہے، ان اداروں سے بہت مختلف ہیں جو ریاست ہائے متحدہ میں ہیں۔ اگر آپ ایک میکسیکن کاروباری ہیں، تو داخلے کی رکاوٹیں آپ کے پیچے کی ہر سطح پر ایک بنیادی کردار کریں گی۔ ان رکاوٹوں میں وہ مہنگے اجازت نامے جو آپ کو حاصل کرنا ہوں گے، وہ دفتری پیچیدگیاں جن کو آپ کو ہٹانا ہوگا، وہ سیاستدان یا سرکاری عہدیدار جو آپ کے راستے میں کھڑے ہوں گے، اور کسی مالیاتی شعبے سے فنڈ حاصل کرنے کی مشکل، اکثر اوقات ان سرکاری ملازمین کے ساتھ ملی بھگت کر لیتے ہیں جن کے خلاف آپ مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، شامل ہوں گے۔ یہ روکاوٹیں یا تو ناقابل عبور ہوں گی، جو آپ کو منافع بخش گوشوں سے دور رکھیں گی، یا آپ کی سب سے دوست ہوں گی، جو آپ کے مقابلہ کاروں کو آپ سے دور رکھیں گی۔ ان دونوں منظرناموں میں فرق بلاشبہ اس حوالے سے ہوگا کہ آپ کس کو جانتے ہیں اور کسی کو متاثر کر سکتے ہیں۔ اور ہاں کس کو رشوت دے سکتے ہیں، سیلم کارلوس، جو کہ ایک ذہین اور پرعزم آدمی ہے، جو لبنانی تارکین وطن میں سے نسبتاً ایک درمیانہ پس منظر رکھنے والا آدمی ہے، بلاشرکت غیرے ٹھیکے حاصل کرنے کا ماہر ہے؛ اس نے میکسیکو میں منافع بخش ٹیلی کمیونیکیشنز کی مارکیٹ پر اجارہ داری قائم کرلی، اور پھر اپنی پہنچ کو باقیماندہ لاطینی امریکا تک پہنچانے میں بھی کامیاب ہوگیا۔

سیلم کی ٹیلمیکس کی اجارہ داری کے لئے چیلنج رہے ہیں۔ لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

1996 میں ایوینٹیل (Auentel) جو کہ زیادہ فاسلے والے فون مہیا کرنے والی کمپنی تھی نے میکسیکن کمپیٹیشن کمشن کو یہ پڑتال کرنے کے لئے درخواست دی کہ آیا ٹیلمکس کی تیلی کمیونیکیشن مارکیٹ میں سب سے اعلی پوزیشن تھی۔ 1977 میں کمشن نے یہ اعلان کیا کہ تیلمیکس کو، مقامی ٹیلیفون کے نظام کے مقابلے میں باقی چیزوں کے ساتھ ساتھ، قومی طویل فاصلاتی کالوں اور بین الاقوامی فاصلاتی کالوں میں، واضح اجارہ داری حاصل تھی۔ لیکن میکسیکو میں انضباطی حکام کی طرف سے ان اجارہ داریوں کو محدود کرنے کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیلم اور ٹیلمیکس اس چیز کو استعمال کر سکتے ہیں جسے "دی کرسوڈی ایمرو" (Recurso de amparo) کہا جاتا ہے، جس کے لفظی معنی ہیں، "حفاظت کی درخواست" ایکر ایمپرو درحقیقت ایک درخواست ہے، جو یہ استدلال کرتی ہے کہ کوئی مخصوص قانون آپ پر لاگو نہیں ہوتا۔ ایمپیر و کے تصور کی تاریخ پیچھے کو 1857 کے میکسیکن آئین تک جاتی ہے، اور بنیادی طور پر اس کا مقصد انفرادی حقوق اور آزادیوں کی ضمانت دیتا تھا تاہم ٹیلمیکس اور دوسری میکسیکن اجارہ داریوں کے ہاتھوں میں یہ اجارہ داری کی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے ایک بھیانک ہتھیار بن گیا ہے۔ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کی بجائے، ایمپیر و، قانون کے آگے مساوات میں ایک رخنہ مہیا کرتا ہے۔

سیلم نے میکسیکن معیشت میں بڑی حد تک اپنے سیاسی تعلقات کی وجہ سے جگہ بنائی ہے۔ جب اس نے ریاستہائے متحدہ میں کوشش کی، تو وہ کامیاب نہیں رہا۔ 1999 میں اس کے گروپوکرسو نے ایک پرچون کا کمپیوٹر کامپ یوایس اے (Comp USA) خریدا۔ اس وقت کامپ یوایس اے نے فروخت کا اجازت نامہ ایک فرم جس کا نام سی اوسی (COC) تھا کو دیدے دیا، کہ وہ میکسیکو میں اس کی تجارتی اشیا بیچے۔ سیلم نے اچانک اس معاہدے کی خلاف ورزی کی، دکانوں کا اپنا ایک سلسلہ قائم کرتے ہوئے۔ جس کا (سی اوسی) کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ لیکن سی اوسی نے کامپ یوایس اے کے خلاف دیلاس کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ ڈیلاس میں کوئی ایمپیر و نہیں ہے، لہذا سیلم ہار گیا، اور اسے 454 ملین ڈالر جرمانہ کر دیا گیا، سی اوسی کے وکیل مارک ورنر، نے بعد میں تحریر کیا کہ "اس فیصلے کا پیغام یہ ہے کہ اس عالمگیر معیشت میں، فرموں کو ریاستہائے متحدہ کے اصولوں کا احترام کرنا ہوگا۔ اگر وہ یہاں آنا چاہتے ہیں تو۔" جب سیلم ریاستہائے متحدہ کے اداروں کے تابع ہوا، تو دولت بنانے کے اس کے روایتی حربے کامیاب نہ ہوسکے۔

MashalBooks.org

عالمی عدم مساوات کے نظریے کی طرف

ہم ایک غیر مساوی دنیا میں رہ رہے ہیں۔ قوموں کے درمیان فرق ویسے ہی ہیں جیسے نوگیلز کے دونوں حصوں کے درمیان ہیں، محض ذرا بڑے پیمانے پر۔ امیر ملکوں میں لوگ زیادہ صحت مند ہیں، زیادہ لمبی عمر پاتے ہیں، اور بہت زیادہ بہتر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان کی رسائی شہری سہولیات کے ایک وسیع میدان تک ہوتی ہے اور زندگی میں زیادہ انتخابات تک ہوتی ہے، چھٹیوں سے لے کر پیشوں کے مختلف راستوں تک، وہ چیزیں کہ غریب ممالک کے لوگ جن کے صرف خواب دیکھ سکتے ہیں، امیر ممالک میں رہنے والے لوگ ایسی سڑکوں پر چلتے ہیں جن میں کوئی گڑھے نہیں ہوتے اور وہ اپنے گھروں میں بیت الخلاؤں، بجلی اور بہتے ہوئے پانی کی سہولیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے ہاں خاص طور پر ایسی حکومتیں ہوتی ہیں جو اپنی مرضی سے انہیں قید یا ہراساں نہیں کرتیں؛ اس کے برعکس یہ حکومتیں خدمات مہیا کرتی ہیں، جن میں تعلیم، صحت، سڑکیں اور امن وامان شامل ہیں۔ یہ بات بھی قابل زکر ہے کہ شہری انتخابات میں اپنی رائے کا استعمال کرتے ہیں، اور جو سیاسی سمت ان کے ممالک اختیار کرتے ہیں اس میں ان کی بھی کچھ نہ کچھ آواز ہوتی ہے۔

دنیا کی عدم مساوات میں بہت بڑے فرق ہر شخص پر واضح ہیں یہاں تک کہ غریب ممالک کے لوگوں پر بھی، اگرچہ بہت سے لوگوں کی رسائی ٹیلیویژن یا انٹرنیٹوں کی حقیقت اور اس کا ادراک ہی ہے، جو لوگوں کو اس بات پر اکساتا ہے کہ وہ ریوگرانڈ یا بحیرہ روم کو غیر قانونی طور پر عبور کریں اور امیر ممالک کے معیار ہائے زندگی اور مواقع حاصل کر سکیں۔ اس عدم مساوات کے نتائج محض غریب ملکوں میں رہنے والے لوگوں کی انفرادی زندگیوں پر ہی اثر انداز نہیں ہوتے؛ بلکہ یہ ریاستہائے متحدہ اور دوسرے ممالک میں بھی ایسی شکایات اور ناراضی کا سبب بنتے ہیں، جو بڑے بڑے سیاسی نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔ اس بات کو سمجھنا کہ یہ فرق کیوں موجود ہیں اور ان کے اسباب کیا ہیں، ہماری اس کتاب کا مرکز توجہ ہے۔ محض اس قسم کا فہم پیدا کرنا ہی بذات خود کوئی مقصد نہیں ہے، بلکہ یہ ایسے بہتر خیالات کی جانب ایک پہلا قدم بھی ہے کہ ایسے اربوں انسانوں کی زندگیوں کو کیسے بہتر بنایا جائے جو غربت کی زندگی بسر کرتے ہیں، نوگیلز میں باڑ کے دونوں

جانب ناہمواریاں محض نمونہ مشتے از خروارے کے مصداق ہیں۔ جیسا کہ شمالی میکسیکو کے باقیماندہ حصے میں ہے، جو کہ ریاست ہائے متحدہ کے ساتھ تجارت سے فائدہ اٹھاتا ہے، اگرچہ یہ ساری تجارت قانونی نہیں ہوتی، نوگیلز کے باسی دوسرے میکسیکنوں سے زیادہ خوشحال ہیں، جن کی اوسط سالانہ گھریلو آمدنی 5000 ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ نوگیلز سونورا کی یہ نسبتاً زیادہ خوشحالی میکویلاڈورا (maquiladora) صنعتی کارخانوں سے آتی ہے جو صنعتی پارکوں کے اندر لگائے گئے ہیں، جن میں سے پہلا پارک رچرڈ کیمبل جونیئر Richard Campbell, Jr. جو کہ کیلفونیا کا ایک ٹوکری ساز تھا، نے شروع کیا تھا۔ اس کا پہلا کرایہ دار کوئین آرٹ (Coin Art) تھا، جو کہ ایک موسیقی کے آلات کی ایک کمپنی تھی جس کی ملکیت رچرڈ بوس کے پاس تھی، جو نوگیلز ایریزونا میں آرٹلے فلیوٹ اینڈ سیکسوفون کمپنی کا مالک تھا۔ کوئن آٹ کے بعد میموریکس (کمپیوٹر وائرنگ)؛ ایونٹ Auent (ہسپتال کے کپڑوں سے متعلقہ)؛ گرانٹ (دھوپ کے چشمے) چیمبرلین Chamberlain (سیرز کے لئے دروازے کھولنے والے آلات کی تیارکنندہ) اور سمیسونائٹ (سوٹ کیس) آئیں۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ تمام ریاستہائے متحدہ سے تعلق والے کاروبار اور کاروباری لوگ ہیں، جو ریاست ہائے متحدہ کا سرمایہ اور عملی تجربہ استعمال کرتے ہیں، لہذا نوگیلز سونورا کی باقیماندہ میکسیکو کی نسبت زیادہ خوشحالی باہر سے آتی ہے۔ جوابی طور پر، ریاست ہائے متحدہ اور میکسیکو کے درمیان فرق، پورے کرہ ارض میں پائے جانے والے فرقوں کے مقابلے میں نسبتاً تھوڑے ہیں، ریاستہائے متحدہ کا اوسط شہری، ایک عام میکسیکن شہری کی نسبت سات گنا زیادہ خوشحال ہے، اور پیرو یا وسطی امریکہ کے شہری کی نسبت دس گنا زیادہ خوشحال ہے۔ وہ زیریں صحارائی افریقہ کے عام شہری کی نسبت بیس گنا زیادہ اور غریب ترین ممالک، جیسا کہ مالی، ایتھوپیا اور سیرالیون ہیں، کی نسبت چالیس گنا زیادہ خوشحال ہے اور یہ صرف ریاستہائے متحدہ ہی نہیں ہے۔ امیر ممالک کا ایک چھوٹا لیکن بڑھتا ہوا ایک گروہ ہے۔ زیادہ تر یورپ اور شمالی امریکہ میں، جن میں آسٹریلیا، جاپان، نیوزی لینڈ، سنگاپور، جنوبی کوریا اور تائیوان بھی شامل ہیں۔ جن کے شہری، دنیا کے باقی ملکوں کے باشندوں کی نسبت بہت مختلف زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اس بات کی وجہ کہ نوگیلز ایریزونا، نوگیلز سونورا کی نسبت بہت امیر ہے، بہت سادہ ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرحد کے دونوں جانب بہت مختلف ادارے ہیں، جو نوگیلز ایریزونا بمقابلہ نوگیلز

MashalBooks.org

سونورا کے باشندوں کے لئے بہت مختلف محرکات رکھتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ بھی میکسیکو یا پیرو کی نسبت کہیں زیادہ امیر ہے، اس طریق کار کی وجہ سے جس سے اس کے ادارے، معاشی اور سیاسی دونوں کاروباروں، افراد اور سیاستدانوں کے لئے محرکات تشکیل دیتے ہیں۔ ہر معاشرہ سیاسی اور معاشی اصولوں کے اس سیٹ کے ساتھ زندہ رہتا ہے، جو ریاست اور شہریوں، دونوں کی طرف سے مشترکہ طور پر تخلیق اور لاگو کئے جاتے ہیں۔ معاشی ادارے معاشی محرکات کی تشکیل کرتے ہیں: تعلیم یافتہ ہونے کے محرکات، بچت کرنے اور سرمایہ کاری کرنے، نئی ٹیکنالوجیاں ایجاد کرنے اور انہیں اختیار کرنے اور علی ہذاالقیاس دوسرے محرکات۔ یہ سیاسی عمل ہوتا ہے جو یہ متعین کرتا ہے کہ لوگ کن معاشی اداروں کے تحت زندگی بسر کریں، اور سیاسی ادارے ہی یہ تعین کرتے ہیں کہ یہ عمل کس طرح ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی قوم کے سیاسی ادارے ہی شہریوں کی سیاستدانوں کی استعداد کا تعین کرتے ہیں۔ جوابی طور پر یہ بات اس چیز کا تعین کرتی ہے کہ آیا سیاستدان شہریوں کے گماشتے ہیں، اگرچہ نامکمل سہی، یا اس قابل ہیں کہ اس اختیار کا غلط استعمال کریں جو ان کو سونپا گیا ہے، یا انہوں نے یہ اختیارات اپنی تجوریاں بھرنے اور اپنے ایسے مقاصد پورے کرنے کے لئے، جو شہریوں کے مقاصد کے لئے نقصان دہ ہوں، غصب کئے ہیں سیاسی ادارے تحریری آئینوں کا احاطہ کرتے ہیں، لیکن ان تک ہی محدود نہیں ہوتے اور نہ ہی معاشرے کے ایک جمہوریت ہونے تک محدود ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے کو منضبط اور منظم کرنے کی ریاستی صلاحیت اور طاقت کو اپنے اندر شامل کرتے ہیں، یہ بات بھی ضروری ہے کہ ان عوامل جو یہ تعین کرتے ہیں کہ معاشرے میں سیاسی طاقت کس طرح تقسیم ہو، خاص طور پر مختلف گروپوں کی اپنے مقاصد کی اجتماعی طور پر پیروی کرنے یا دوسرے لوگوں کو ان کے اپنے مقاصد کی پیروی سے روکنے کے لئے ان کی صلاحیت کیا ہے، پر زیادہ وسیع النظری سے غور کیا جائے۔

جیسا کہ ادارے حقیقی زندگی میں طرز عمل اور محرکات پر اثر انداز ہوتے ہیں، اسی طرح وہ قوموں کی کامیابی اور ناکامی کو بھی تشکیل دیتے ہیں۔ انفرادی قابلیت معاشرے کی ہر سطح پر اہمیت رکھتی ہے، لیکن اسے بھی ایک مثبت قوت میں تبدیل کرنے کے لئے ایک اداراتی ڈھانچے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بل گیٹس کے اندر انفرمیشن ٹیکنالوجی کی صفت کی دوسری غیر معمولی شخصیات (جیسا کہ پال ایلن، سٹیو بالمر، سٹیو جابز، لیری پیج، سرجی برن اور جیف بیزوس) کی طرح،

MashalBooks.org

زبردست صلاحیت اور جذبہ ترقی تھا۔ لیکن اس نے آخرکار محرکات پر عمل کیا۔ ریاستہائے متحدہ کے تعلیمی نظام نے گیٹس اور اس کی طرح کے دوسروں کو، اپنی صلاحیتوں کو روبہ عمل لانے کے لئے بے مثال مہارتوں کا ایک سیٹ حاصل کرنے کے قابل بنایا۔ ریاستہائے متحدہ کے معاشی اداروں نے ان کے اپنی کمپنیوں کو آسانی سے، بغیر ناقابل عبور رکاوٹوں کا سامنا کئے، شروع کرنے کے قابل بنایا۔ ان اداروں نے ان کے منصوبوں کے لئے مالی امداد مہیا کرنے کو ممکن العمل بنایا۔ ریاستہائے متحدہ کی محنت کی مارکیٹوں نے انہیں سند یافتہ عملے کی خدمات حاصل کرنے کے قابل بنایا اور نسبتاً مقابلے والی فضا نے انہیں اپنی کمپنیوں کو وسیع کرنے اور اپنی پیداوار کو مارکیٹ میں لانے کے قابل بنایا۔ ان کاروباری لوگوں کو شروع سے ہی یہ اعتماد تھا کہ ان کے خوابوں کے منصوبے روبہ عمل آ سکتے ہیں۔ انہیں ان اداروں اور ان کی پیدا کی ہوئی قانون کی حکمرانی پر بھروسہ تھا، اور انہیں اپنے جائیداد کے حقوق کی حفاظت کے بارے میں کوئی پریشانی نہ تھی۔ آخری بات یہ کہ سیاسی اداروں نے استحکام اور تسلسل کی ضمانت دی۔ ایک بات یہ تھی کہ انہیں یقین تھا کہ کسی آمر کے اقتدار پر قبضہ کرنے اور کھیل کے قوانین کو تبدیل کرنے کا، یا ان کی زندگیوں اور روزگار کو ختم کرنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ انہیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ معاشرے کا کوئی مفاد حکومت کو معاشی طور پر کسی تباہ کن سمت میں نہیں موڑ سکتا تھا، کیونکہ سیاسی طاقت محدود تھی اور اطمینان بخش طور پر اتنے وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی تھی کہ معاشی اداروں کا ایک ایسا سیٹ ابھر سکتا تھا، جو محرکات کو تخلیق کرے۔

یہ کتاب اسی طرف رہنمائی کرے گی کہ جہاں معاشی اداروں کا کردار، کسی ملک کی غربت یا خوشحالی کے تعین کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا ہے، وہیں پر سیاست اور سیاسی ادارے یہ تعین کرتے ہیں کہ کسی ملک کے پاس کون کون سے معاشی ادارے ہوں۔ آخرکار ریاستہائے متحدہ کے ان سیاسی اداروں کے نتیجہ میں 1619 کے بعد بتدریج ابھرے، اچھے معاشی ادارے وجود میں آئے۔ عالمی عدم مساوات کا ہمارا نظریہ یہ ثابت کرتا ہے کہ سیاسی اور معاشی ادارے غربت اور خوشحالی پیدا کرنے کے لئے کس طرح ایک دوسرے سے باہمی تعامل کرتے ہیں: اور کس طرح دنیا کے مختلف حصوں کا اختتام اداروں کے ایسے مختلف سیٹوں سے ہوا۔ امریکاؤں کی تاریخ کا ہمارے مختصر جائزہ نے، ان قوتوں کے بارے میں ایک فہم دینا شروع کر دیا ہے۔ جو سیاسی اور معاشی اداروں کو تشکیل دیتی ہیں۔ آج اداروں کے بہت سے نمونے ماضی میں گہری جڑیں رکھتے ہیں،

کیونکہ جب ایک دفعہ معاشرہ ایک خاص انداز میں منظّم ہو جاتا ہے تو یہ انداز قائم رہنے کا رجحان رکھتا ہے۔ ہم یہ دکھائیں گے کہ یہ حقیقت اس طریقے سے واضح ہوتی ہے جس سے سیاسی اور معاشی ادارے باہمی تعامل کرتے ہیں۔

یہ تسلسل اور وہ قوتیں جو اسے پیدا کرتی ہیں اس بات کی وضاحت بھی کرتی ہیں کہ دنیا کی عدم مساوات کو دور کرنا اور غریب مما لک کو خوشحال بنانا اتنا مشکل کیوں ہے۔ اگرچہ دونوں نوگیلزوں میکسیکو اور ریاستہائے متحدہ کے درمیان فرقوں کی کنجی ادارے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میکسیکو میں اداروں کو تبدیل کرنے کے لئے اتفاق رائے ہوگا۔ کسی معاشرے کے ترقی کرنے کے لئے ایسے ادارے پیدا کرنا یا اپنانا جو اس کے شہریوں کی فلاح و بہبود یا معاشی ترقی کے لئے بہترین ہوں، کوئی ضروری نہیں ہے، کیونکہ ان لوگوں کے لئے جو سیاست اور سیاسی اداروں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ دوسرے ادارے ان سے بھی بہتر ہو سکتے ہیں۔ طاقتور لوگ اور دوسرے اکثر اوقات اس بات پر اختلاف کریں گے کہ اداروں کا کونسا سیٹ اپنی جگہ پر برقرار رہے اور کونسے سیٹ کو تبدیل کیا جائے۔ کارلوس سلیم، کبھی اس بات پر خوش نہ ہوتا کہ یہ دیکھ کر اس کے سیاسی تعلقات معدوم ہو جائیں، اور داخلے کی ایسی رکاوٹیں جو اس کے کاروباروں کو تحفظ دیتی ہیں آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں۔ خواہ نئے کاروباروں میں داخلہ لاکھوں میکسیکنوں کو امیر بنا دے۔ کیونکہ ایسا کوئی اتفاق رائے سے نہیں ہوتا، لہذا یہ بات کہ معاشرہ کن اصولوں پر اختتام کرتا ہے، سیاست سے طے ہوتی ہے،؛ کس کے پاس طاقت ہے اور اس طاقت کا استعمال کس طرح ہو سکتا ہے۔ کارلوس سلیم کے پاس یہ طاقت ہے کہ وہ جو کچھ چاہئے حاصل کرلے۔ بل گیٹس کی طاقت سے سے کہیں زیادہ محدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا نظریہ صرف معاشیات کے بارے میں نہیں بلکہ سیاست کے بارے میں بھی ہے۔ یہ قوموں کی کامیابی اور ناکامی پر اداروں کے اثرات کے بارے میں ہے۔ لہذا غربت اور خوشحالی کی معاشیات کے ساتھ؛ یہ اس بارے میں بھی ہے کہ ادارے کس طرح متعین ہوتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو جاتے ہیں، اور وہ کس طرح تبدیل ہونے میں ناکام ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ لاکھوں لوگوں کے لئے غربت اور مصیبت پیدا کرتے ہیں۔ لہذا غربت کی اور خوشحالی کی سیاست کے ساتھ۔

2

وہ نظریات جو کام نہیں کرتے

زمین کے خدوخال کی تنظیم

ہماری کتاب کی توجہ کا مرکز دنیا کی عدم مساوات کی اور ساتھ ہی ساتھ کچھ آسانی سے نظر آنے والے نمونوں کی، جو اس کے اندر موجود ہیں، تشریح کرنا ہے۔ وہ پہلا ملک جس نے تادیر قائم رہنے والی معاشی ترقی کا تجربہ کیا وہ انگلستان یا برطانیہ عظمیٰ، عام طور پر محض برطانیہ، بطور انگلستان ویلز اور سکاٹ لینڈ کی یونین کے جیسا کہ 1707 کے بعد اسے کہا جاتا ہے، تھا۔ ترقی اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں شروع ہوئی، جب صنعتی انقلاب، جو کہ بڑی بڑی ٹیکنالوجی کی ترقیوں اور صنعت میں ان کے استعمال پر مبنی تھا، نے جڑ پکڑنا شروع کی۔ انگلستان میں صنعتکاری کی جلد ہی بہت سے مغربی یورپ کے ملکوں اور ریاستہائے متحدہ نے پیروی کی۔ انگلستان کی خوشحالی بہت تیزی سے برطانیہ کی کینڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ تک پھیل گئی۔ آج تیس امیر ترین ملکوں کی فہرست انہیں اپنے اندر شامل کرے گی، بجمع جاپان، سنگاپور اور جنوبی کوریا۔ موخرالذکر تین ملکوں کی خوشحالی، جوابی طور پر اس وسیع تر نمونے کا حصہ ہے، جس میں بہت سی مشرقی ایشیائی اقوام بشمول تائیوان اور بعد میں چین نے حال ہی میں تیز ترقی کا تجربہ کیا ہے۔ دنیا میں آمدنی کی تقسیم کی تصویر پیندے سے بھی اتنی ہی شوخ اور واضح ہے جتنی کہ چوٹی سے۔ اگر اس کی بجائے آپ آج دنیا کے تیس غریب ترین ملکوں کی فہرست بنائیں تو آپ دیکھیں گے کہ تقریباً سب کے سب زیریں صحارائی افریقہ میں ہیں۔

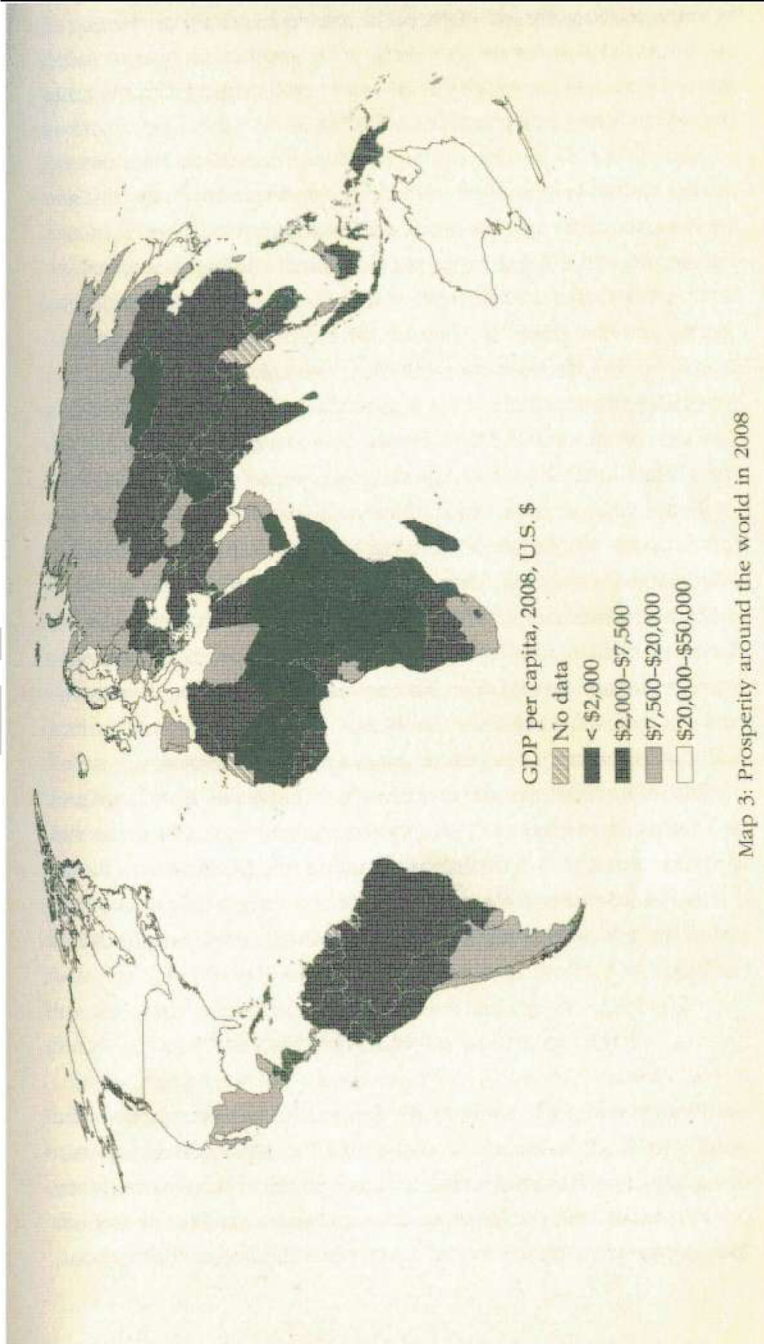
ان میں سے ایسے ملک جیسا کہ افغانستان، ہیتی نیپال بھی شامل ہیں جو کہ اگرچہ افریقہ میں

MashalBooks.org

نہیں ہیں، لیکن سب کے سب افریقی اقوام کے ساتھ کچھ اہم چیز میں حصہ دار ہیں، جیسا کہ ہم آگے وضاحت کریں گے۔ اگر آپ پچاس سال پیچھے چلے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ سب سے نیچے اور سب سے اوپر والے تیس ممالک کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوں گے۔ سنگاپور اور جنوبی کوریا، امیر ترین ممالک میں شامل نہیں ہوں گے، اور نیچے والے تیس ممالک میں بہت سے مختلف ممالک ہوں گے، لیکن مجموعی طور پر ابھرنے والی تصویر بہت نمایاں طور پر اس تصویر کے ساتھ ہم آہنگ ہو گی جو کچھ آج ہم دیکھتے ہیں۔ ایک سو سال یا ایک سو پچاس سال پیچھے چلے جائیں اور آپ تقریباً انہیں ممالک کو انہیں گروپوں میں پائیں گے۔

نقشہ نمبر 3 2008 میں زمین کے خدوخال کی تنظیم کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ ممالک جن کا رنگ شوخ کالا ہے، دنیا میں غریب ترین ہیں، یعنی وہ جہاں اوسط فی کس آمدنی (جسے ماہرین معاشیات جی ڈی پی (Gross Domestic Product) کل ملکی پیداوار کہتے ہیں) 2,000 ڈالر سالانہ سے کم ہے۔ زیادہ افریقہ اس رنگ میں ہے، جیسا کہ افغانستان، ہیٹی اور جنوب مشرقی ایشیا کے کچھ حصے بھی ہیں (مثال کے طور پر کمبوڈیا اور لاوس) شمالی کوریا بھی انہی ممالک کے گروپ میں ہے۔ وہ ممالک جو سفید رنگ میں ہیں، امیر ترین ہیں، وہ جہاں فی کس آمدنی 20,000 ڈالر یا اس سے زیادہ ہے۔ یہاں ہم معمول کے مشتبہ ممالک کو پاتے ہیں؛ شمالی امریکہ، مغربی یورپ، آسٹریلیا، اور جاپان۔

ایک اور دلچسپ نمونہ امریکاؤں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ امریکاؤں میں غریب ترین سے لے کر امیر ترین ممالک کی ایک فہرست بنائیے۔ آپ دیکھیں گے کہ چوٹی پر ریاستہائے متحدہ اور کینیڈا ہیں، جن کے بعد چلی، ارجنٹائن، برازیل میکسیکو اور یوراگوئے اور شاید وینز ویلا بھی ہیں، جو تیل کی قیمتوں پر منحصر ہیں۔ اس کے بعد آپ دیکھتے ہیں کولمبیا، جمہوریہ ڈومینکن، ایکواڈور اور پیرو کو۔ پیندے میں ایک اور نمایاں بہت زیادہ غریب گروپ ہے جو بولیویا، گوئٹے مالا اور پیرا گوئے پر مشتمل ہے۔ پچاس سال پیچھے چلے جائیے اور آپ یہی درجہ بندی پائیں گے۔ لہذا بات صرف یہ نہیں ہے کہ ریاستہائے متحدہ اور کینیڈا لاطینی امریکا سے زیادہ امیر ہیں؛ لاطینی امریکہ کے اندر بھی امیر اور غریب قوموں کے درمیاں ایک واضح اور مستقل تقسیم ہے۔



Map 3: Prosperity around the world in 2008

MaBooks.org

ایک آخری دلچسپ نمونہ مشرق اوسط میں ہے۔ وہاں ہم تیل سے مالا مال ملکوں دیکھتے ہیں، جیسا کہ سعودی عرب اور کویت، جن کی آمدنی کی سطح ہمارے چوٹی کے تیس ملکوں کے قریب ترین ہے۔ لیکن اگر تیل کی قیمت گر جائے تو یہ بھی ڈھڑام سے نیچے گر جائیں گے۔ مشرق اوسط کے وہ ممالک جن کے پاس تھوڑا تیل ہے یا بالکل نہیں ہے، جیسا کہ مصر، اردن اور شام تمام گوئٹے مالا یا پیرو کے مماثل آمدنیوں کی سطح کے تمام ممالک غریب ہیں، اگر چہ وہ وسطی امریکا اور اینڈیز کے ممالک کی طرح، اتنے غریب نہیں ہیں جتنا کہ زیریں صحارا افریقہ کے ممالک۔

اگر چہ خوشحالی کے ان نمونوں میں جو آج کل ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں، بہت زیادہ تسلسل ہے، لیکن یہ نمونے نہ تبدیل ہونے والے نہیں ہیں، اول، جیسا کہ ہم نے پہلے ہی زور دیا ہے، موجودہ، دنیا کی عدم مساوات زیادہ تر آٹھارویں صدی کے اواخر سے شروع ہوئی، صنعتی انقلاب کے پیچھے پیچھے۔ نہ صرف یہ کہ اٹھارویں صدی کے وسط تک خوشحالی میں یہ فرق بہت کم تھے۔ بلکہ وہ درجہ بندیاں جو اس وقت سے بہت مستحکم ہوگئی ہیں، ویسی نہیں ہیں جب ہم تاریخ میں مزید پیچھے جائیں۔ مثال کے طور پر امریکاؤں میں درجہ بندی، جو ہم پچھلے ایک سو پچاس سالوں سے دیکھتے ہیں، پانچ سو سال پہلے بالکل ہی مختلف تھی۔ دوسرے یہ کہ بہت سی قوموں نے تیز ترقی کی کئی دہائیاں دیکھی ہیں، جیسا کہ جنگ عظیم دوم کے بعد سے مشرقی ایشیا کے بہت سے ممالک نے اور حال ہی میں چین نے۔ ان میں سے زیادہ تر نے بعد میں اس ترقی کو پیچھے پلٹتے دیکھا ہے۔ مثال کے طور پر ارجنٹائن پانچ دہائیوں تک، 1920 تک بہت تیزی سے ترقی کرتا رہا اور دنیا کے امیر ترین ممالک میں سے ایک بن گیا، لیکن پھر ایک طویل تنزل شروع ہوا۔ سوویٹ یونین ایک اس سے بھی زیادہ قابل غور مثال ہے، جو 1930 سے اور 1970 کے درمیان بہت تیزی سے پھلا پھولا، لیکن بعد میں اسے ایک تیز انحطاط کا تجربہ ہوا۔

غربت اور خوشحالی کے ان بڑے بڑے فرقوں کی توجیہ کیا چیز کرتی ہے؟ مغربی یوروپی اقوام اور ان کے نوآبادیاتی ذیلی ممالک جو یوروپی آبادکاروں سے بھرے ہوئے ہیں، انیسویں صدی میں ابھرنا شروع ہوتے ہیں، پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر امریکاؤں کے اندر عدم مساوات کی مسلسل درجہ بندی کی توجیہہ کیا چیز کرتی ہے؟۔ زیریں صحارائی افریقی اور مشرق اوسط کی اقوام اس طرح کی معاشی ترقی حاصل کرنے میں کیوں ناکام رہی ہیں جیسی کہ مغربی یورپ میں دیکھی جاتی ہے، جب

کہ مشرقی ایشیا کے بہت بڑے حصے نے معاشی ترقی کے انتہائی بلند درجات کا تجربہ کیا ہے؟۔

آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ اس حقیقت کا مطلب، کہ دنیا کی عدم مساوات اس حد تک زیادہ اور نتیجہ خیز ہے، اور اس قدر واضح نمونے رکھتی ہے، یہ ہے کہ اس کی کوئی بہت تسلیم شدہ توجیہہ ہوگی۔ ایسا نہیں ہے، بہت سے مفروضات جو سماجی سائنسدانوں نے غربت اور خوشحالی کے اسباب کے بارے میں بنائے ہیں، بالکل کام نہیں کرتے اور زمین کے خدوخال کی تنظیم کی کوئی مسکت توجیہہ پیش نہیں کر سکتے۔

جغرافیے کا مفروضہ

عالمی عدم مساوات کا ایک وسیع پیمانے پر تسلیم کردہ نظریہ جغرافیے کا مفروضہ ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ امیر اور غریب ملکوں کے درمیان بڑی تقسیم جغرافیائی اختلافات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے غریب ممالک جیسا کہ افریقہ، وسطی امریکا اور جنوبی ایشیا کے ممالک سرطان اور جدی کے منطقوں کے درمیان واقع ہیں۔ اس کے مقابلے میں امیر ممالک معتدل عرض ہائے بلد میں واقع ہیں۔ غربت اور خوشحالی کی یہ جغرافیائی مرکزیت جغرافیے کے مفروضے کو ایک ظاہری اور بناوٹی معقولیت دیتی ہیں، جو کہ بہت سے سماجی سائنسدانوں اور بزرجمہروں کے نظریات اور خیالات کا نقطہ آغاز ہیں۔ لیکن یہ چیز اس کے غلط ہونے میں کوئی کمی پیدا نہیں کرتی۔

بہت پہلے اٹھارویں صدی میں عظیم فرانسیسی سیاسی فلسفی مانٹیسکیو نے غربت اور خوشحال کی مرکوزیت کو دیکھا اور اس کی ایک توجیہہ پیش کر دی۔ اس نے استدلال کیا کہ گرم آب و ہوا میں رہنے والے لوگ سست ہوتے ہیں اور ان میں تجسس کی کمی ہوتی ہے۔ لہذا وہ محنت نہیں کرتے تھے اور جدت طراز نہیں تھے۔ اور یہ وجہ تھی کہ وہ غریب تھے۔ مانٹیسکیو نے یہ بھی قیاس کیا کہ سست لوگ مستبد حکمرانوں کی محکومیت کا رجحان رکھتے تھے، اور اس طرف اشارہ کیا کہ گرم محل وقوع نہ صرف غربت کی توجیہہ پیش کر سکتا ہے بلکہ کچھ ایسے سیاسی مظہر کی بھی جو معاشی ناکامی کے ساتھ منسلک ہو، جیسا کہ آمریت۔

یہ نظریہ کہ گرم ممالک فطری طور پر غریب ہوتے ہیں، اگر چہ ایسے ملکوں جیسا کہ سنگاپور، ملائشیا اور بوٹسوانا ہیں، کی حالیہ تیز معاشی ترقی سے رد ہو چکا ہے، لیکن یہ ابھی تک بھی بعض لوگوں کی

MashalBooks.org

طرف سے شدومد سے پیش کیا جاتا ہے، جیسا کہ ماہر معاشیات جیفری سیکس کی طرف۔ اس نظریے کا جدید متن، آب وہوا کے کام کی کوشش اور خیال کے طریق عمل پر براہ راست اثر پزور نہیں دیتا، بلکہ دو اضافی دلائل پر دیتا ہے؛ اول یہ کہ گرم خطوں کی بیماریاں۔ خاص طور پر ملیریا، کے صحت اور لہذا محنت کی پیداواریت پر بڑے مضراثرات ہوتے ہیں؛ اور دوئم، یہ کہ گرم خطوں کی زمین پیداواری زراعت کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اگرچہ نتیجہ ایک ہی ہے؛ معتدل آب وہوا کو گرم یا نیم گرم علاقوں پر ایک اضافی برتری حاصل ہے۔

تاہم عالمی عدم مساوات کی توجیہہ آب وہوا، یا بیماری یا جغرافیہ مفروضہ کے کسی بھی متن سے نہیں کی جاسکتی۔ نوگیلز کے بارے میں ہی سوچیئے۔ جو کچھ ان دونو حصوں کو علیحدہ کرتا ہے، وہ نہ تو آب وہوا ہے، نہ جغرافیہ اور نہ ہی بیماری کا ماحول، بلکہ یو ایس میکسیکو سرحد ہے۔

اگر جغرافیہ کا مفروضہ شمالی اور جنوبی نوگیلز، یا شمالی اور جنوبی کوریا، یا مشرقی اور مغربی جرمنی کے درمیان برلن دیوار کے گرنے سے پہلے کے فرقوں کی توجیہہ نہیں کرسکتا، تو کیا یہ اب شمالی اور جنوبی امریکہ کے درمیان فرقوں کی توجیہہ کرنے کے لئے ایک مفید نظریہ ہوسکتا ہے؟ یورپ اور افریقہ کے درمیان؟ بالکل نہیں۔

تاریخ یہ واضح کرتی ہے کہ آب وہوا، یا جغرافیہ اور معاشی کامیابی کے درمیان کوئی سادہ یا ٹھوس تعلق نہیں ہے، مثال کے طور پر یہ صحیح نہیں ہے کہ منطقہء حارہ کے ممالک ہمیشہ سے منطقہء معتدلہ کے ممالک کی نسبت غریب رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پچھلے باب میں دیکھا کہ کولمبس کی طرف سے امریکاؤں کی دریافت کے وقت، خط سرطان کے جنوب اور خط جدّی کے شمال کے علاقے، جن میں آج کا میکسیکو، وسطی امریکہ، پیرو اور بولیویا شامل ہیں، عظیم انکا اور ایزٹیک تہذیبوں کے مالک تھے۔ یہ سلطنتیں سیاسی طور پر مرکز مائل اور مربوط تھیں، سڑکیں تعمیر کرتی تھیں اور قحط میں مدد بہم پہنچاتی تھیں۔ ایزٹیکوں کے پاس دولت اور تحریر دونوں چیزیں تھیں، اور انکاؤں کے ہاں اگرچہ ان دونوں بنیادی ٹیکنالوجیوں کا فقدان تھا، لیکن وہ بہت ساری معلومات گرہدار رسیوں پر جنھیں ''کوئپو'' کہا جاتا تھا محفوظ کر لیتے تھے۔ اس کے مقابل نمایاں طور پر ایزٹیکوں اور انکاؤں کو دور میں ان دوں کے شمال اور جنوب میں جس میں آج کل ریاستہائے متحدہ، کینڈا، ارجنٹائن اور چلی شامل ہیں، زیادہ تر پتھر کے دور کی تہذیبیں آباد تھیں جو ان دونو ٹیکنالوجیوں سے

MashalBooks.org

محروم تھیں۔ لہذا امریکاؤں میں منطقہ حارہ کے ممالک منطقہ معتدلہ کے ممالک کی نسبت بہت زیادہ امیر تھے، جو اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ منطققہ حارہ کی غربت کی ''واضح حقیقت'' نہ تو واضح ہے اور نہ ہی حقیقت۔ اس کے برعکس، ریاستہائے متحدہ اور کینڈا میں زیادہ دولت کی موجودگی، اس حوالے سے کہ جب یوروپی وہاں وارد ہوئے تو وہاں کیا تھا، ایک صریحاً مقدر کے پلٹا کھانے کی نمائندگی کرتی ہے۔

اس پلٹے کا واضح طور پر جغرافیے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھ لیا ہے، البتہ اس طریقے سے کچھ نہ کچھ تعلق ہے جس سے یہ علاقے نوآبادیات بنائے گئے۔ یہ پلٹا صرف امریکاؤں تک محدود نہیں تھا۔ جنوبی ایشیا کے لوگ، خاص طور پر برّصغیر ہندوستان کے لوگ، اور چین کے لوگ، ایشیا کے دوسرے بہت سے حصوں کے اور بلاشبہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے باشندوں کی نسبت زیادہ خوشحال تھے۔ یہ صورت حالت بھی الٹ گئی، اس طرح کہ جنوبی کوریا، سنگاپور، اور جاپان ایشیا میں امیر ترین ممالک کے طور پر ابھرے، اور آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ، خوشحالی کے معاملے میں تقریباً پورے ایشیا سے بازی لے گئے۔ یہاں تک کہ زیریں صحارائی افریقہ کے اندر بھی اس طرح کا پلٹا آیا۔ بالکل حال ہی میں، افریقہ کے ساتھ شدید یورپی تعلق کے آغاز سے پہلے، جنوبی افریقہ کا علاقہ، بہت زیادہ بکھری ہوئی آبادیوں والا علاقہ تھا، اور اس کی ریاستیں کسی قسم کی ترقی سے بہت دور تھیں۔ اور اس کا اپنے علاقوں پر کسی قسم کا کنٹرول نہ تھا۔ لیکن، اب جنوبی افریقہ زیریں صحارائی افریقہ کی سب سے زیادہ خوشحال قوموں میں سے ایک ہے۔ تاریخ میں مزید پیچھے جا کر ہم، پھر منطقہ حارہ میں بہت خوشحالی دیکھتے ہیں؛ قبل جدید کی کچھ عظیم تہذیبیں، جیسا کہ جدید کمبوڈیا میں اینگکور، جنوبی ہندوستان میں وجیانگر، اور ایتھوپیا میں ایکسم کی تہذیبیں منطقہ حارہ پھلیں پھولیں، جیسا کہ جدید پاکستان میں وادی سندھ کی، موہنجوڈارو اور ہڑپّہ کی تہذیبیں۔ لہذا تاریخ اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں چھوڑتی کہ منطقہ حارہ کے محل وقوع اور معاشی کامیابی کے درمیان کوئی سیدھا سادا تعلق نہیں ہے۔

منطقہ حارہ کی بیماریاں، بلاشبہ افریقہ میں بہت زیادہ تکلیف اور بچوں کی بلند شرح اموات کا سبب بنتی ہیں، لیکن وہ افریقہ کی غربت کی وجہ نہیں ہیں۔ بیماری بڑی حد تک غربت کا اور اس چیز کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ حکومتیں انہیں ختم کرنے کے لئے عوامی صحت کے اقدامات کر کے قابل یا اس

کے لئے آمادہ نہیں ہوتیں۔ انیسویں صدی میں انگلستان ایک بہت غیر صحتمند جگہ تھی، لیکن حکومت نے آہستہ آہستہ صاف پانی کے لئے گندے پانی اور صنعتی فضلے کے صحیح بندوبست کے لئے، اور نتیجتہً ایک موثر صحت کی خدمت کے لئے، رقم خرچ کی۔ بہتر صحت اور زندہ رہنے کی آس انگلستان کی معاشی کامیابی کا سبب نہیں تھی، بلکہ اس کی سابقہ سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کے ثمرات میں سے ایک ثمر تھی۔ یہی بات نوگیلز اریزونا کے بارے میں بھی صحیح ہے۔

جغرافیہ کے مفروضے کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ منطقہ حارہ غریب ہے کیونکہ منطقہ حارہ کی زراعت فی نفسہ غیر پیداواری ہے۔ یہ دلیل دی جاتی ہے، کہ منطقہ حارہ کی زمینیں پتلی اور غذائیت بخش اجزا کو سنبھالنے کے ناقابل ہیں، اور اس پر زور دیا جاتا ہے کہ، یہ زمینیں کتنی جلدی تیز بارشوں سے کھرچی جاتی ہیں۔ اس دلیل میں یقیناً کچھ وزن ہے، لیکن جیسا کہ ثابت کریں گے کہ اس بات کا بنیادی تعین کار، کہ زرعی پیداواریت۔ فی ایکڑ زرعی پیداوار۔ بہت سے غریب ممالک میں اتنی کم کیوں ہے۔ خاص طور پر زیریں صحارائی افریقہ میں، زمین کی نوعیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ، زمین کی ملکیت کی ساخت، اور ان محرکات پر، جو کاشتکاروں کے لئے حکومتوں اور ان اداروں کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں جن کے تحت وہ رہتے ہیں، منحصر ہے ہم یہ بھی ثابت کریں گے کہ عالمی عدم مساوات کی توجیہہ زرعی پیداواریت میں فرق سے نہیں کی جاسکتی۔ جدید دنیا کی بڑی ناہمواری، جو انیسویں صدی میں پیدا ہوئی، صنعتی ٹیکنالوجیوں اور مصنوعات کی پیداوار کی ناہموار تقسیم کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ یہ زرعی کارکردگی میں فرق سے پیدا نہیں ہوئی۔

جغرافیے کے مفروضے کا ایک اور متاثر کن متن ماہر ماحولیات اور ارتقاتی ماہر حیوانیات جیرڈ ڈائمنڈ کی طرف سے پیش کیا گیا۔ وہ یہ استدلال کرتا ہے کہ جدید دنیا کے آغاز میں بین البرّ اعظمی عدم مساوات، پانچ سو سال پہلے، پودوں اور حیوانات کی انواع کے تاریخی اثاثوں میں پائی جاتی ہے، جنہوں نے بعد میں زرعی پیداواریت کو متاثر کیا۔ بعض مقامات پر، جیسا کہ جدید شرق اوسط میں زرخیز ہلال میں، بہت بڑی تعداد میں انواع تھیں، جنہیں انسانوں کی طرف سے سدھایا جا سکتا تھا۔ دوسری جگہوں پر، جیسا کہ امریکاؤں میں ایسا نہیں تھا۔ بہت سی انواع کی موجودگی، جو سدھائے جانے کے قابل تھیں، نے معاشروں کے لئے اس بات کو بہت دلکش بنا دیا کہ وہ شکار اکٹھا کرنے والے زندگی کے انداز کی بجائے کاشتکاری کے انداز میں منتقل ہو جائیں۔ نتیجتہً

کاشتکاری ''زرخیز ہلال'' میں امریکاؤں سے پہلے شروع ہوگئی آبادی کی گنجائی بڑھ گئی، جس نے محنت کے تخصص، تجارت، شہر بسانے اور سیاسی ارتقا کی گنجائش پیدا کردی۔ لازمی طور پر، ان مقامات پر جہاں کاشتکاری غالب آگئی، وہاں ٹیکنالوجی کی جدت طرازی دنیا کے دوسرے حصوں کی نسبت بہت زیادہ تیزی سے واقع ہوئی۔ لہذا، ڈائمنڈ کے مطابق، حیوانی اور پودوں کی انواع کی فرق پر مبنی دستیابی نے، کاشتکاری کی فرق پر مبنی شدتیں پیدا کیں، جو مختلف براعظموں میں ٹیکنالوجی پر مبنی تبدیلی اور خوشحالی کے مختلف راستوں پر منتج ہوئی۔

اگرچہ ڈائمنڈ کا مقالہ/پیش کردہ قضیہ، اس امر کے بارے میں ایک زوردار نقطہ نظر ہے، جو اس کا مرکز توجہ ہے، لیکن اسے جدید عالمی عدم مساوات پر نہیں پھیلایا جاسکتا۔ مثال کے طور پر، ڈائمنڈ یہ استدلال کرتا ہے کہ ہسپانوی امریکاؤں کی تہذیبوں پر غالب آنے کے قابل، کاشتکاری اور اس پر منتج ٹیکنالوجی کی اپنی طویل تر تاریخ کی وجہ سے ہوئے۔ لیکن ہمیں اب یہ توجیہہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ایزٹیکوں اور انکاؤں کی سابقہ سرزمینوں کے باسی میکسیکن اور پروین غریب کیوں ہیں۔ اگرچہ، گندم، جو، اور گھوڑوں تک رسائی نے ہسپانویوں کو انکاؤں سے زیادہ امیر بنادیا ہوگا، لیکن دونوں کی آمدنیوں میں فرق کوئی بہت زیادہ نہیں تھا۔ ایک ہسپانوی کی اوسط آمدنی، انکا سلطنت کے شہری کی نسبت غالباً دوگنا سے کم تھی۔ ڈائمنڈ کے پیش کردہ قضیہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے ک جب ایک دفعہ انکاز ان تمام انواع اور اس سے منتج ٹیکنالوجیوں سے آشنا ہوگئے تھے، جنہیں وہ خود تیار نہیں کرسکے تھے، تو انہیں تیزی سے ہسپانویوں کے معیار زیست کو حاصل کر لینا چاہئے تھا۔ لیکن اس قسم کی کوئی چیز واقع نہ ہوئی۔ اس کے برعکس، انیسویں اور بیسویں صدیوں میں، ہسپانیہ اور پیرو کے درمیان آمدنیوں میں زیادہ فرق پیدا ہوگیا۔ آج ایک اوسط ہسپانوی ایک اوسط پیرووین کی نطبت چھ گنا زیادہ امیر ہے۔ آمدنیوں میں یہ فرق، جدید صنعتی علوم کے ناہموار پھیلاؤ کے ساتھ قریبی طور پر منسلک ہے۔ لیکن اس کا تعلق جانوروں اور پودوں کے پالنے کی صلاحیت کے یا سپین اور پیرو کے درمیان زرعی پیداواریت کے ساتھ نہ ہونے کے برابر ہے۔

جہاں سپین نے، اگرچہ تاخیر کے ساتھ، بھاپ کی طاقت، ریلوے، بجلی، مشینیت، اور کارخانوں کی پیداواروں، کے صنعتی علوم کو اختیار کرلیا، پیرو نے ایسا نہ کیا، یا زیادہ سے زیادہ بہت آہستہ سے اور نامکمل طریقے سے ایسا کیا، یہ صنعتی علوم کا فرق آج بھی قائم ہے اور بڑے پیمانے پر

MashalBooks.org

دو چند ہوتا جا رہا ہے، جوں جوں نئے صنعتی علوم، خاص طور پر وہ جو معلومات کے صنعتی علم (information technology) سے متعلق ہیں، بہت سی ترقی اور کچھ تیزی سے ترقی پذیر اقوام میں ترقی کو مزید آگے لے جا رہے ہیں، ڈائمنڈ کا قضیہ ہمیں یہ نہیں بتا تا کہ یہ اہم صنعتی علوم کیوں نہیں پھیل رہے اور دنیا بھر میں آمدنیوں کو برابر نہیں کر رہے، نہ ہی اس بات کی توجیہہ کرتا ہے کہ نوگیلز کا شمالی نصف باڑ کے جنوب اپنے جڑواں بھائی سے اتنا زیادہ امیر کیوں ہے، اگر چہ دونوں، پانچ سو سال پہلے ایک ہی تہذیب کا حصہ تھے۔

نوگیلز کی کہانی، ڈائمنڈ کے مقدمے کو تسلیم کرنے میں ایک اور بڑے مسئلے کو اجاگر کرتی ہے؛ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، 1532 میں ایزٹیک اور انکا سلطنتوں کی جو بھی خامیاں تھیں، پیرو اور میکسیکو امریکاؤں کے ان حصوں کی نسبت بلاشبہ زیادہ خوشحال تھے، جو بعد میں ریاستہائے متحدہ اور کینڈا بنے۔ شمالی امریکہ ٹھیک اس وجہ سے زیادہ خوشحال ہو گیا کیونکہ اس نے پر جوش طریقے سے صنعتی انقلاب کے صنعتی علوم او ترقیوں کو اپنا لیا۔ آبادی تعلیم یافتہ ہوگئی اور بڑے بڑے میدانوں کے آر پار ریلوے آ گئی، جو کہ اس کے مقابلے میں جو کچھ جنوبی امریکہ میں ہوا بین طور پر مختلف تھا۔ اس کی توجیہہ شمالی اور جنوبی امریکہ کی فرق پر مبنی جغرافیائی اثاثوں کی طرف اشارہ کر کے نہیں کی جا سکتی، جو اگر کچھ تھے بھی تو جنوبی امریکہ کے حق میں تھے۔

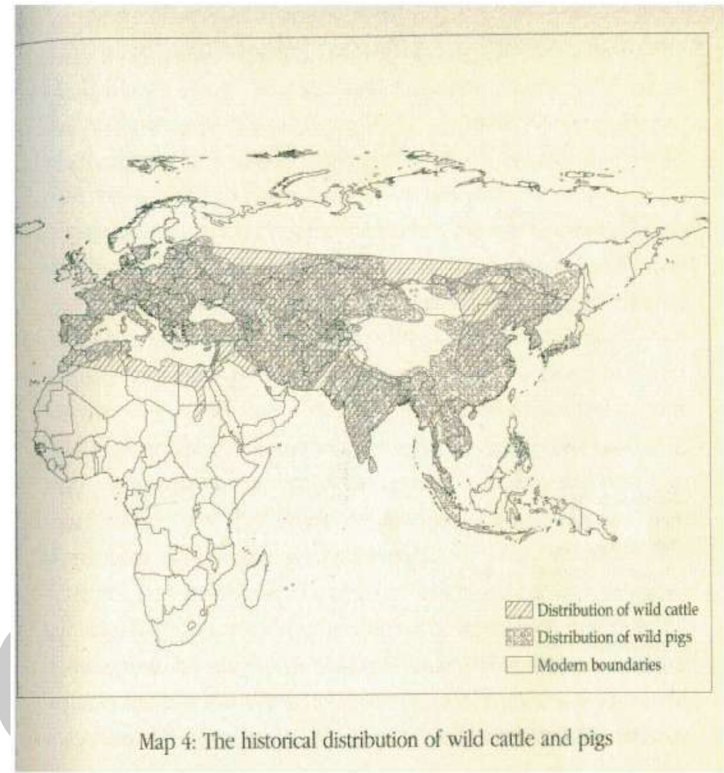
جدید دنیا میں عدم مساوات بڑی حد تک صنعتی علوم کے ناہموار پھیلاؤ اور قبولیت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اور ڈائمنڈ کا مقدمہ بھی اس کے بارے میں اہم دلائل کو اپنے اندر شامل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ استدلال کرتا ہے، مورخ ولیم مکنیل (William Mcneil) کی مطابقت میں، کہ یورپ اور ایشیا کے شرقاً غرباً رخ نے فصلوں، جانوروں، اور ایجادات کو ''زرخیز ہلال'' سے مغربی یورپ کی طرف پھیلنے کے قابل بنایا، جبکہ امریکاؤں کا شمالی۔ جنوبی رخ اس بات کی توجیہہ کرتا ہے کہ لکھائی کے نظام، جو میکسیکو میں پیدا ہوئے، اینڈیز اور شمالی امریکا میں نہ پھیلے۔ تاہم براعظموں کے رخ، آج کل کی عدم مساوات کی توجیہہ پیش نہیں کر سکتے۔ افریقہ پر غور کیجئے۔ اگر چہ صحرائے اعظم۔ اشیا اور خیالات کی شمال سے زیریں صحارائی افریقہ کی طرف نقل و حرکت میں بلاشبہ ایک اہم رکاوٹ پیش کرتا تھا، لیکن یہ ناقابل عبور نہیں تھا۔ پرتگیزوں اور بعد میں دوسرے یورپیوں نے ساحل کے اردگرد جہاز رانی کی اور علم کے فرق کو ایک ایسے وقت میں مٹایا جب آمدنیوں میں فرق

آج کل کے مقابلے میں بہت کم تھے۔ اس وقت سے لے کر اب تک افریقہ یورپ سے نہیں مل سکا؛ اس کے برعکس اب زیادہ تر افریقی اور یورپی ملکوں کے درمیان آمدنیوں کا بہت زیادہ فرق ہے۔

یہ بات بھی واضح ہونی چاہئے کہ ڈائمنڈ کا استدلال جو براعظمی عدم مساوات کے بارے میں ہے، وہ براعظموں کے اندر تنوع۔ جو کہ جدید عالمی عدم مساوات کا ایک لازمی جزو ہے۔ کی توجیہہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ مثال کے طور پر، اگر چہ یوریشیا کے زمین کے حجم کا رخ اس بات کی وضاحت کر سکتا ہے کہ انگلستان نے کس طرح شرق اوسط کی ایجادات سے فائدہ اٹھایا انہیں دوبارہ ایجاد کئے بغیر لیکن یہ اس بات کی توجیہہ نہیں کرتا کہ صنعتی انقلاب مالڈووا کی بجائے انگلستان میں کیوں واقع ہوا۔ مزید برآں جیسا کہ ڈائمنڈ خود یہ واضح کرتا ہے کہ چین اور ہندوستان نے ایک جیسے جانوروں اور پودوں اور یوریشیا کے رخ سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا۔ لیکن آج دنیا کے زیادہ تر غریب لوگ ان دونوں ممالک میں رہتے ہیں۔

درحقیقت، ڈائمنڈ کے مقدمے کے دائرے کو دیکھنے کا بہتریں طریقہ خود اس کی تغیر پذیر تشریحات ہیں۔ نقشہ نمبر 4 جنگلی سور جو کہ جدید سور کا جد ہے، اور آروکس (ایک نایاب جنگلی بیل ۔م) جو جدید گائے کا جد ہے کی تقسیم کے اعداد و شمار کو ظاہر کرتا ہے۔ دونوں انواع پورے یوریشیا میں اور یہاں تک کہ شمالی افریقہ میں بھی وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا۔ نقشہ نمبر 3 جدید سدھائی ہوئی فصلوں کے کچھ جنگلی اجداد جیسا کہ اورائزا سیٹائیوا (Oryza Sativa) جو کہ ایشیائی کاشت شدہ چاول اور جدید گندم اور جو کا جد تھا، کی تقسیم کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ چاول کا جنگلی جد جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا میں وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا، جبکہ جو اور گندم کے اجداد لیوانٹ سے لے کر ایک لمبی قوس کے ساتھ ساتھ، پھیلے ہوئے تھے۔ جو ایران سے افغانستان اور وہاں سے ہوتی ''ستانوں'' کے مجموعے میں چلی جاتی تھی (ترکمانستان، تاجکستان اور کرغیزستان) یہ اجدادی انواع یوریشیا کے بہت سے حصے میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کی وسیع پیمانے پر تقسیم کا مطلب ہے کہ یوریشیا کے اندر عدم مساوات کی توجیہہ انواع کی موجودگی پر مبنی نظریے کے ذریعے نہیں کی جا سکتی۔

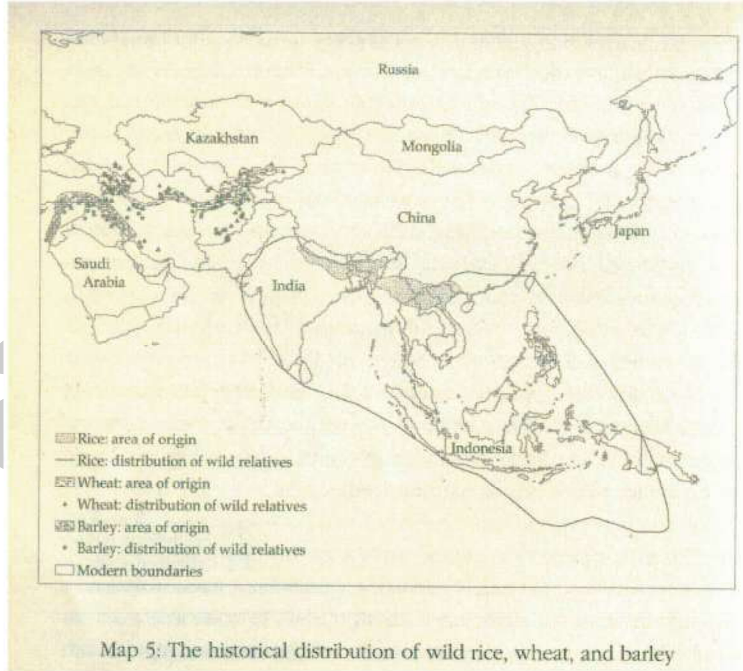
MashalBooks.org



Map 4: The historical distribution of wild cattle and pigs

جغرافیے کا مفروضہ نہ صرف پوری تاریخ میں خوشحالی کی اصل کی توجیہہ کرنے میں کوئی مدد نہیں کرتا، اور اکثر اپنے زور میں غلط ہے، بلکہ یہ زمین کے خدوخال کی تنظیم جس کے ساتھ ہم نے باب کا آغاز کیا تھا۔ کی توجیہہ کرنے کے بھی قابل نہیں ہے۔ آدمی یہ استدلال کرسکتا ہے کہ کوئی بھی مستقل نمونہ جیسا کہ امریکاؤں کے اندر آمدنیوں کے سلسلہ مراتب یا یورپ اور شرق اوسط کے درمیان واضح اور لمبے پیمانے والے فرقوں کی توجیہہ تبدیل نہ ہونے والے جغرافیے سے کی جاسکتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ امریکاؤں کے اندر نمونوں کا جغرافیائی عوامل سے چلایا جانا انتہائی ناممکنات میں سے ہے۔ 1492 سے پہلے، یہ میکسیکو وسطی امریکہ، اور اینڈیز کی مرکزی وادی کی تہذیبیں تھیں، جن کے ہاں شمالی امریکا، یا ارجنٹائن اور چلی جیسی جگھوں کی نسبت برتر صنعتی علم اور معیار زیست تھا۔ جبکہ جغرافیہ وہی رہا، ان اداروں نے جو یوروپی نوآبادکاروں کی طرف سے نافذ کیے گئے ''مقدر کے پلٹے'' کو تخلیق کیا۔ جغرافیہ انہی وجوہات کی بناپر شرق اوسط کی

غربت کی توجیہہ کرنے کے بھی ناقابل ہے۔ آخرکار شرق اوسط نے حجری انقلاب میں دنیا کی قیادت کی، اور پہلے شہر عراق میں ابھرے۔ لوہے کو سب سے پہلے ترکی میں پگھلایا گیا، اور ازمنہ وسطیٰ تک شرق اوسط صنعتی علوم کے لحاظ سے متحرک تھا۔ یہ شرق اوسط کا جغرافیہ نہیں تھا جس نے دنیا کے اس خطے میں حجری انقلاب کو ترقی دی، جیسا کہ ہم باب پنجم میں دیکھیں گے، اور مکرر یہ جغرافیہ نہیں تھا، جس نے شرق اوسط کو غریب بنایا۔



Map 5: The historical distribution of wild rice, wheat, and barley

اس کی بجائے، یہ سلطنت عثمانیہ کی توسیع اور استحکام تھا، اور یہ اس سلطنت کی اداراتی وراثت ہے، جو آج شرق اوسط کو غریب رکھے ہوئے ہے۔

آخری بات، جغرافیائی عوامل نہ صرف ان اختلافات کی، جو ہم آج دنیا کے مختلف حصوں میں دیکھتے ہیں، کی توجیہہ کرنے میں کوئی مدد نہیں کرتے، بلکہ اس بات کی بھی کہ جاپان اور چین جیسی بہت سی اقوام کیوں ایک طویل عرصے تک ساکن رہتی ہیں، اور پھر تیز ترقی کا عمل شروع کردیتی ہیں۔ ہمیں ایک اور بہتر نظریے کی ضرورت ہے۔

ثقافت کا مفروضہ

دوسرا وسیع پیمانے پر تسلیم شدہ نظریہ ثقافت کا مفروضہ خوشحالی کو ثقافت کے ساتھ جوڑتا ہے۔ ثقافت کو مفروضہ، عین جغرافیے کے نظریے کی طرح، نمایاں سلسلہ نسب رکھتا ہے، جو کم از کم ماضی میں عظیم جرمن ماہر عمرانیات میکس ویبر تک پہنچتا ہے۔ اس نے یہ استدلال کیا کہ پروٹسٹنٹ اصلاحی تحریک اور اس پروٹسٹنٹ اخلاقیات نے جس کو اس نے تحریک دی، مغربی یورپ میں جدید صنعتی معاشرے کے ابھار کو سہل بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا، ثقافت کا مفروضہ اگرچہ اب کلّی طور پر مذہب پر انحصار نہیں کرتا، لیکن دوسری قسم کے عقائد، اقدار اور اخلاقیات پر بھی زور دیتا ہے۔

اگرچہ سرعام اس کا اظہار کرنا سیاسی طور پر ٹھیک نہیں ہے، لیکن بہت سے لوگ اب بھی یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ افریقی اس وجہ سے غریب ہیں کیونکہ ان کے اندر اچھی کام کی اخلاقیات کی کمی ہے۔ وہ ابھی تک جادوٹونے پر یقین رکھتے ہیں، یا مغربی صنعتی علوم کی مزاحمت کرتے ہیں، بہت سے لوگ یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ لاطینی امریکہ کبھی امیر نہیں ہوگا کیونکہ اس کے لوگ جبلی طور پر عیاش اور مفلس ہیں اور کیونکہ وہ ایک قسم کی "آئبیرین" یا "منانا" (لیت و لعل اور ٹال مٹول کی۔م) ثقافت کا شکار ہیں۔ یقیناً کبھی بہت سے لوگ یہ یقین رکھتے تھے کہ چینی ثقافت اور کنفیوشن اقدار معاشی ترقی کے مخالف ہیں، اگرچہ اب چینی کام کی اخلاقیات کا، بطور ترقی کے محرک کے چین، ہانگ کانگ اور سنگاپور میں ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔

کیا ثقافت کا مفروضہ عالمی عدم مساوات کو سمجھنے میں فائدہ مند ہے؟ ہاں اور نہیں۔ ہاں اس مفہوم میں کہ وہ سماجی اقدار جو ثقافت سے منسلک ہیں اثر رکھتی ہیں اور انہیں تبدیل کرنا مشکل ہو سکتا ہے، اور بعض اوقات وہ اداراتی فرقوں کی پشت پناہی کرتی ہیں، جو کہ عالمی عدم مساوات کی اس کتاب میں پیش کی جانے والی توجیہہ ہے۔ لیکن زیادہ تر نہیں، کیونکہ ثقافت کے یہ پہلو، جن پر اکثر زور دیا جاتا ہے۔ مذہب، قومی اختلافات، افریقی یا لاطینی اقدار۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے بالکل اہم نہیں ہیں کہ ہم یہاں کیسے پہنچے، اور دنیا میں عدم مساوات کیوں قائم ہے۔ دوسرے پہلو، جیسا کہ یہ کہ لوگ کس حد تک ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں، یا ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے اہل ہیں، اہم ہیں، لیکن یہ زیادہ تر اداروں کا نتیجہ ہوتے ہیں نہ کہ کوئی مطلق وجہ۔

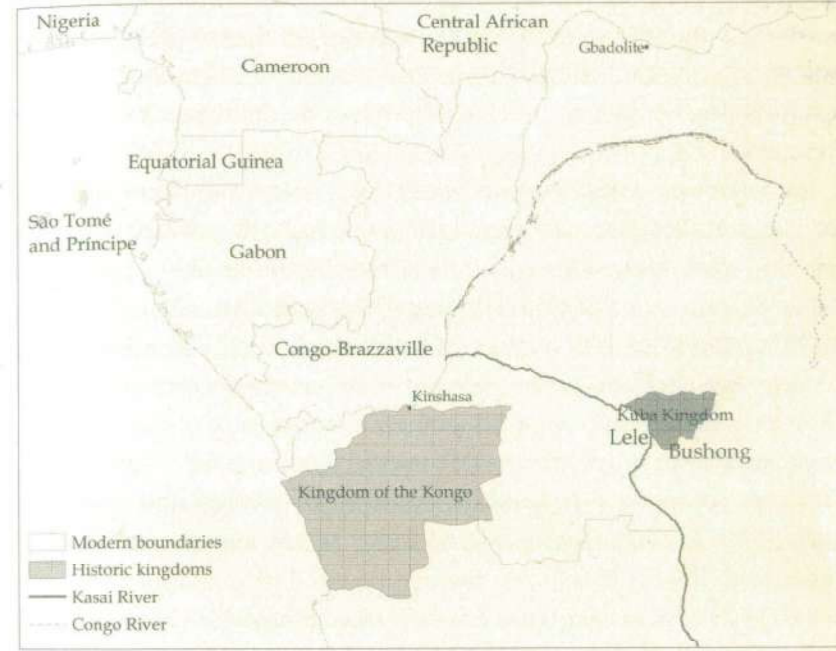
آیئے نوگیلز واپس چلیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا، کہ باڑ کے شمال اور جنوب میں ثقافت کے بہت سے پہلو ایک جیسے ہیں۔ اس کے باوجود، ہوسکتا ہے کہ بعض معمولات، معیارات اور اقدار میں بعض واضح اختلافات ہوں۔ لیکن یہ اختلافات دونوں مقامات کے ترقی کے مختلف راستوں کا نتیجہ ہیں نہ کہ سبب۔ مثال کے طور پر میکسیکن مخصوص انداز سے کہتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں پر کم بھروسہ کرتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ ریاستہائے متحدہ کے لوگ کہتے ہیں کہ وہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات حیران کن نہیں ہے، جب ان کی حکومت منشیات فروش کاروباری گروہوں کو ختم نہیں کرسکتی۔ یہی بات شمالی اور جنوبی کوریا کے بارے میں بھی صحیح ہے، جیسا کہ ہم آئندہ باب میں بحث کریں گے۔ جنوبی کوریا دنیا کی امیر ترین اقوام میں سے ایک ہے، جبکہ شمالی کوریا وقفے وقفے آنے والے قحطوں اور ذلت آمیز غربت کے ساتھ دست و گریبان ہیں۔ اگرچہ آج شمال اور جنوب میں ثقافت' بہت مختلف ہے، لیکن اس نے ان دونوں نصف اقوام کے مختلف معاشی مقدروں کا سبب بننے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ جزیرہ نمائے کوریا، 38ویں متوازی پر اس کی تقسیم سے پہلے، اس کے ہاں، زبان، نسل، اور ثقافت کے لحاظ سے بے مثال ہم جنسیت پائی جاتی تھی۔ بالکل نوگیلز کی طرح، جو چیز اہمیت رکھتی ہے وہ سرحد ہے۔ شمال میں ایک مختلف حکومت ہے، جو مختلف اداروں کو لاگو کرتی ہے، مختلف محرکات تخلیق دیتی ہے۔ لہذا سرحد کے شمال اور جنوب میں ثقافت کا کوئی بھی اختلاف، جو نوگیلز یا کوریا کے دونوں حصوں کو کاٹ کر علیحدہ کرتا ہے، خوشحالی کے اختلافات کی وجہ نہیں ہے، بلکہ اس کا نتیجہ ہے

افریقہ اور افریقی ثقافت کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ تاریخی طور پر زیریں صحارائی علاقہ دنیا کے زیادہ تر دوسرے حصوں کی نسبت غریب تر تھا۔ اس کی قدیم تہذیبوں نے پہیہ، تحریر (ایتھوپیا اور صومالیہ کو مستثنیٰ کرکے) اور ہل کو ترقی نہیں دی۔ اگرچہ یہ صنعتی علوم، انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں یورپ کی رسمی نو آبادکاری کے آغاز تک وسیع پیمانے پر استعمال نہیں ہوتے تھے، لیکن افریقی معاشرے ان کے بارے میں بہت پہلے سے جانتے تھے۔ یورپیوں نے مغربی ساحل کے گرد اواخر پندرھویں صدی میں جہاز رانی شروع کی، اور ایشیائی بہت قدیم زمانوں سے مشرقی افریقہ کی جانب جہاز رانی کرتے رہے تھے۔

ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کانگو، جو کہ دریائے کانگو کے دہانے پر واقع ہے، جس نے جدید

MashalBooks.org

جمہوریہ کانگو کو اس کا نام دیا ہے، کی سلطنت کی تاریخ سے، ان صنعتی علوم کو نہیں اپنایا گیا۔نقشہ نمبر 6 یہ ظاہر کرتا ہے کہ کانگو، ایک دوسری اہم وسط افریقی سلطنت، کوبا سلطنت، کے ساتھ تھا۔جس پر ہم اس کتاب میں، بعد میں بحث کریں گے۔



Map 6: Kingdom of the Kongo, Kuba Kingdom, the Bushong, and the Lel

کانگو، پرتگیزوں کے ساتھ 1483 میں جہاز ران ڈیاگو کاؤ (Diogo Cao) کے وہاں پہلی مرتبہ وردد کے بعد، قریبی رابطے میں آیا۔اس وقت کانگو ایک افریقی معیارات کے مطابق انتہائی مرکز مائل ریاست تھی جس کے دارالحکومت مبانز کی آبادی ساٹھ ہزار تھی، جس نے اسے پرتگال کے دارالخلافہ لزبن کے تقریباً برابر، اور لندن سے بڑا شہر بنا دیا تھا، جس کی آبادی 1500 میں پچاس ہزار کے قریب تھی، کانگو کے بادشاہ نزنگا رے نکووہ (Nzinga a Nkuwu) نے کیتھولیزم کو قبول کرلیا اور اپنا نام بھی تبدیل کر جواؤ 1 (Joao. 1) رکھ لیا۔ بعد میں مبانزا کا نام ساؤ سیلویڈور (Sao Salvador) رکھ دیا گیا، پرتگیزوں کی وجہ سے، کانگو کے باشندوں نے پہیے اور ہل کے بارے میں

جانا، اور پرتگیزوں نے ان کی اس پذیرائی کی حوصلہ افزائی 1419 اور 1512 میں زرعی منصوبوں کے ساتھ کی۔لیکن یہ تمام پہل کاریاں ناکام ہوگئیں، ابھی تک کانگو کے باشندوں کی جدید علوم کے ساتھ نفرت کم نہ ہوسکی۔انہوں نے ایک قابل احترام مغربی ایجاد کو بہت جلدی سے قبول کیا: بندوق کو۔انہوں نے اس نئے اور طاقتور ہتھیار کو مارکیٹ کے محرکات کا جواب دینے کے لئے استعمال کیا: غلاموں کو پکڑنے اور برآمد کرنے کے لئے۔یہاں ایسا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ افریقی اقدار یا ثقافت نے نئے علوم اور معمولات کی پذیرائی میں کوئی رکاوٹ پیدا کی۔جب یورپیوں کے ساتھ ان کے روابط گہرے ہوگئے، تو کانگو کے باشندوں نے دوسرے مغربی معمولات کو اپنا لیا؛ لکھت پڑھت، لباسوں کے طرز، اور گھروں کے طرق۔انیسویں صدی میں افریقی معاشروں نے بھی، صنعتی انقلاب سے پیدا شدہ ابھرتے ہوئے معاشی مواقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے پیداواری نمونے تبدیل کر لئے۔مغربی افریقہ میں پام کے تیل اور مونگ پھلی کی برآمد پر مبنی نیز معاشی ترقی ہوئی؛ پورے جنوبی افریقہ میں، افریقیوں نے، جنوبی افریقہ میں رینڈ (Rand) کے تیزی سے پھیلتے ہوئے صنعتی اور کان کنی کے علاقوں میں برآمدات کو ترقی دی۔لیکن ان ابھرتے ہوئے معاشی تجربات کو نہ تو افریقی ثقافت نے، نہ ہی عام افریقیوں کی اپنے ذاتی مفاد میں کام کرنے کے عدم صلاحیت نے مٹایا، بلکہ پہلے یورپی سامراجیت نے اور پھر بعد از آزادی کی افریقی حکومتوں نے ایسا کیا۔

اس بات کی حقیقی وجہ کہ کانگو کے لوگوں نے اعلی صنعتی علم کو اختیار نہ کیا، یہ تھی کہ ان کے ہاں ایسا کرنے کے لئے کسی محرک کی کمی تھی۔انہیں اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ ان کی تمام پیداوار کو کلی اختیار کے مالک بادشاہ کی طرف سے غصب کرلیا جائے گا اور اس پر ٹیکس لگا دیا جائے گا خواہ اس نے کیتھولیزم کو قبول کرلیا ہو۔درحقیقت صرف ان کی جائیداد ہی غیر محفوظ نہ تھی۔ان کی زندگی ہی ایک دھاگے کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی۔ان میں سے بہت سوں کو گرفتار کرلیا گیا اور پھر غلاموں کی حیثیت سے بیچ دیا گیا تھا۔یہ بمشکل ہی طویل مدتی پیداواریت کو بڑھانے کے لئے سرمایہ کاری کو بڑھاوا دینے کا ماحول تھا۔نہ ہی بادشاہ کے ہاں کوئی ایسے محرکات تھے کہ وہ بڑے پیمانے پر ہل کو اختیار کرتا، یا بڑھتی ہوئی زرعی پیداواریت کو اپنی اصل ترجیح بناتا؛ غلاموں کو برآمد کرنا اس سے کہیں زیادہ نفع بخش تھا۔

MashalBoo

ہوسکتا ہے آج یہ بات صحیح ہو کہ، افریقی دنیا کے دوسرے حصوں کی نسبت ایک دوسرے پر کم اعتماد کرتے ہیں۔لیکن یہ اداروں کی اس لمبی تاریخ کا نتیجہ ہے، جنہوں نے افریقہ میں انسانی اور املاک کے حقوق کو تباہ کر دیا ہے۔غلام کے طور پر پکڑے اور بیچے جانے کی کیفیت نے بلاشبہ اس حد کو متاثر کیا ہے جس تک افریقی تاریخی طور پر دوسروں پر اعتماد کرتے تھے۔

میکس ویبر کی پروٹسٹنٹ اخلاق کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ اگر چہ یہ بات صحیح ہوسکتی ہے کہ نیدرلینڈ اور انگلستان جیسے پروٹسٹنٹ ممالک جدید دور کے معاشی طور پر پہلے کامیاب ممالک تھے، لیکن معاشی کامیابی اور مذہب میں کوئی تعلق نہیں ہے۔فرانس جو کہ غالب طور پر کیتھولک ملک ہے، نے انیسویں صدی میں تیزی سے ڈچ اور انگریزوں کی معاشی کارکردگی کی نقالی کی، اور اٹلی بھی آج اتنا ہی خوشحال ہے جتنا کہ یہ ممالک۔اگر مزید دور مشرق میں دیکھا جائے، تو آپ دیکھیں گے کہ مشرقی ایشیا کی معاشی طور پر کامیاب ممالک میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کا عیسائی مذہب کی کسی بھی شکل سے کوئی سروکار ہو، لہذا، وہاں بھی پروٹسٹنزم اور معاشی کامیابی میں کوئی خصوصی تعلق نہیں ہے۔

آیئے ہم ثقافت کے مفروضے کے پرجوش لوگوں کے پسندیدہ علاقے کی طرف رخ کریں؛ شرق اوسط کے لوگ بنیادی طور پر اسلامی ہیں، اور ان میں تیل پیدا نہ کرنے والے ممالک بہت غریب ہیں، جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، تیل پیدا کرنے والے امیر ہیں۔لیکن اس بیٹھے بٹھائے مل جانے والی دولت نے سعودی عرب اور کویت میں متنوع جدید معیشتیں بنانے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔کیا یہ حقائق قائل کن طریقے سے ثابت نہیں کرتیں کہ مذہب اہمیت رکھتا ہے؟ اگر چہ یہ دلیل خوش نما ہے، لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ہاں، شام اور مصر جیسے ممالک غریب ہیں او ران کی آبادیاں زیادہ تر مسلمان ہیں لیکن یہ ممالک دوسرے طریقوں سے منظم طور پر مختلف ہیں، جو خوشحالی کے لئے زیادہ اہم ہیں۔ایک بات یہ ہے کہ، یہ سب سلطنت عثمانیہ کے صوبے تھے۔ جس نے اس طریقے کو جس سے انہون نے پیش روی کی بہت زبردست اور منفی انداز سے متاثر کیا۔سلطنت عثمانیہ کے سقوط کے بعد، انہوں نے زیادہ تر سابقہ سامراجی دنیا کی تقلید کی، اور افسر شاہی پر مبنی آمرانہ سیاسی حکومتیں اور بہت کم ایسے معاشی ادارے پیدا کئے جو، ہم استدلال کریں گے کہ، معاشی کامیابی پیدا کرنے کے لئے لازمی ہیں، ترقی کا یہ راستہ بڑی حد تک، عثمانی اور یورپی

راج کی تاریخ سے تشکیل دیا گیا تھا۔شرق اوسط میں مذہب اسلام اور غربت کے درمیان تعلق بڑی حد تک مصنوعی ہے۔

شرق اوسط کی معاشی قوس کی تشکیل کرنے میں، ثقافتی عوامل کی بجائے، ان تاریخی واقعات کا کردار، اس حقیقت میں بھی نظر آتا ہے کہ شرق اوسط کے وہ حصے جنہوں نے سلطنت عثمانیہ اور یورپی راج سے عارضی طور پر بھی تعلق منقطع کیا، جیسا کہ مصر نے 1805 سے لے کر 1848 تک محمد علی کی سربراہی میں، ایک تیز معاشی تبدیلی کے راستے پر روانہ ہونے کے قابل ہو گئے۔محمد علی نے فرانسیسی فوجوں، جنہوں نے نپولین بوناپارٹ کی زیر قیادت مصر پر قبضہ کر لیا تھا۔ کے پیچھے ہٹنے کے بعد اقتدار پر قبضہ کر لیا۔اس وقت مصری سرزمین پر عثمانیوں کی گرفت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، وہ اپنے حکمران خاندان کی بنیاد رکھنے کے قابل ہو گیا، جو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کرتا رہا۔یہاں تک کہ 1952 میں ناصر کی زیر قیادت مصری انقلاب برپا ہوا۔محمد علی کی اصلاحات اگر چہ جابرانہ تھیں، لیکن وہ مصر میں ترقی لائیں، جیسا کہ ریاستی نوکر شاہی، فوج اور ٹیکس کے نظام کو جدید بنایا گیا اور زراعت اور صنعت میں ترقی ہوئی۔تاہم، تجدید اور ترقی کا یہ عمل، علی کی وفات کے بعد ختم ہو گیا۔کیونکہ مصر یورپی اثر ورسوخ میں آ گیا۔

لیکن غالباً ثقافت کے بارے میں سوچنے کا یہ انداز غلط ہے۔ہوسکتا ہے کہ وہ ثقافتی عوامل جو اہمیت رکھتے ہیں، مذہب سے نہیں بلکہ مخصوص ''قومی ثقافتوں'' کے ساتھ منسلک ہوں۔غالباً یہ انگریزی ثقافت کا اثر ہے جو اہم ہے اور اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کینڈا اور آسٹریلیا اس قدر خوشحال کیوں ہیں۔اگر چہ یہ تصور ابتدائی طور پر معقول لگتا ہے، لیکن یہ بھی کام نہیں کرتا۔ہاں، کینڈا اور ریاستہائے متحدہ انگریزی نوآبادیات تھیں، لیکن ایسی ہی نوآبادیات سیرا لیون اور نائیجیریا بھی ہیں۔سابقہ انگریزی نوآبادیات کے اندر بھی خوشحالی کا فرق اتنا ہی زیادہ ہے، جو باقی ساری دنیا میں ہے، انگریزی وراثت شمالی امریکہ کی کامیابی کا سبب نہیں ہے۔

ثقافت کے مفروضے کا ایک متن ابھی اور ہے؛ غالباً یہ انگریزی بمقابلہ غیر انگریزی نہیں ہے جو اہمیت رکھتا ہے، بلکہ یورپی بمقابلہ غیر یورپی ہے۔کیا ایسا ہے کہ یورپی بہر حال اپنے کام کی اخلاقیات، زندگی کے نقطہ نظر، یہودی عیسائی اقدار، یا رومی وراثت کی وجہ سے افضل ہوں؟ یہ ٹھیک ہے کہ مغربی یورپ اور شمالی امریکا، جو بنیادی طور پر یوروپی الاصل لوگوں سے آباد ہیں، دنیا

MashalBooks.org

کے خوشحال ترین خطے ہیں۔ غالباً یہ برتر یورپی ثقافتی وراثت ہے، جو خوشحالی کی بنیاد میں اور ثقافت کے مفروضے کی آخری پناہ گاہ ہے۔ افسوس کہ ثقافت کے مفروضے کا یہ متن بھی اپنے اندر توجیہہ کی اتنی ہی صلاحیت رکھتا ہے جتنا کہ دوسرے۔ ارجنٹائن اور یوراگوئے کی آبادیوں کے زیادہ تر حصے بھی، کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ کے مقابلے میں، یورپی الاصل ہیں، لیکن یوراگوئے اور ارجنٹائن کی معاشی کارکردگی بہت ناگفتہ بہ ہے۔ جاپان اور سنگاپور میں یورپی الاصل باشندوں کی تعداد ایک چھینٹ سے زیادہ نہیں تھی، لیکن وہ مغربی یورپ کے بہت سے حصوں کی طرح خوشحال ہیں۔

چین، اپنے معاشی اور سیاسی نظام میں بہت سی خامیوں کے باوجود، پچھلی تین دہائیوں کی تیزی ترین ترقی کرنے والی قوم ہے۔ ماؤزے تنگ کی وفات تک چینی غربت کا چینی ثقافت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا؛ یہ اس تباہ کن طریقے کی وجہ سے تھی، جس سے ماؤ نے معیشت کو منظم کیا اور سیاست کو چلایا۔ 1950 کی دہائی میں اس نے عظیم پیش قدمی کو پروان چڑھایا، جو کہ ایک انقلابی صنعت کاری کی حکمت عملی تھی، جو بڑے پیمانے پر فاقہ زدگی اور قحط پر منتج ہوئی۔ 1960 کی دہائی میں، اس نے ثقافتی انقلاب کی تشہیر کی، جو دانشوروں اور تعلیم یافتہ لوگوں کی بڑے پیمانے پر اذیت رسانی پر منتج ہوئی۔ کسی بھی ایسے شخص کی جس کی پارٹی کی وفاداری مشکوک تھی۔ یہ چیز، پھر معاشرے کی صلاحیتوں اور وسائل کے بڑے پیمانے پر ضیاع اور تشدد پر منتج ہوئی۔ اسی طرح موجودہ چینی ترقی کا چینی اقتدار یا چینی ثقافت میں تبدیلی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ اس معاشی کایا کلپ کا نتیجہ ہے جو ان اصلاحات سے بارآور ہوئی جو ڈینگ ژیاؤ پنگ اور اس کے اتحادیوں نے نافذ العمل کیں، جس نے کہ ماؤزے تنگ کی وفات کے بعد اشتراکی معاشی پالیسیوں اور اداروں کو بتدریج ترک کر دیا، پہلے زراعت اور پھر صنعت میں۔

جغرافیے کے مفروضے کی طرح، ثقافت کا مفروضہ بھی، آج کل ہمارے اردگرد زمین کے خدوخال کی تنظیم کے دوسرے پہلوؤں کی توجیہہ کرنے میں غیر معاون ہے۔ بلاشبہ ریاستہائے امریکہ اور لاطینی امریکہ کے عقائد، ثقافتی رویوں اور اقدار کے درمیان اختلافات ہیں، لیکن ان اختلافات کی طرح جو نوگیلز ایری زونا اور نوگیلز سونورا، یا ان کی طرح جو شمالی اور جنوبی کوریا کے درمیان موجود ہیں، یہ اختلافات دونوں جگہوں کے مختلف اداروں اور اداراتی تاریخوں کا نتیجہ ہیں۔ وہ ثقافتی عوامل جو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہسپانوی یا لاطینی ثقافت نے ہسپانوی سلطنت

کو کیسے ڈھالا، لاطینی امریکہ کے اندر اختلافات کی توجیہہ نہیں کر سکتے۔ مثلاً ارجنٹائن اور چلی، پیرو اور بولیویا کی نسبت زیادہ خوشحال کیوں ہیں۔ ثقافتی دلائل کی دوسری اقسام مثال کے طور پر، وہ جو ہم عصر مقامی ثقافت پر زور دیتی ہیں بھی کوئی بہتر کارکردگی پیش نہیں کرتیں۔ کولمبیا، ایکوڈور اور پیرو میں ایک جیسی آمدنی کی سطوح ہیں، لیکن کولمبیا کے اندر آج بہت کم مقامی لوگ موجود ہیں، جبکہ ایکوڈور اور پیرو میں بہت زیادہ ہیں۔ آخری بات یہ کہ ثقافتی رویے عموماً بہت سست روی سے تبدیل ہوتے ہیں، ایشیا اور چین میں ترقی کے معجزات کی اپنے طور پر توجیہہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اگرچہ ادارے بھی مستقل ہوتے ہیں، لیکن بعض خاص حالات میں وہ تیزی سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔

جہالت کا مفروضہ

آخری مقبول عام نظریہ کہ کچھ اقوام غریب اور کچھ امیر کیوں ہیں، جہالت کا مفروضہ ہے، جو اس بات پر زور دیتا ہے کہ دنیا میں عدم مساوات اس لئے باقی ہے کہ ہم یا ہمارے حکمران یہ نہیں جانتے کہ غریب ملکوں کو امیر کیسے بنایا جائے۔ یہ تصور ایک ایسا تصور ہے جو زیادہ تر ماہرین معاشیات رکھتے ہیں، جو ہدایتی اشارہ انگریز ماہر معاشیات لائنل رابنز (Lionel Robins) کی طرف سے 1935 میں پیش کی گئی مشہور تعریف سے حاصل کرتے ہیں کہ ''معاشیات ایک ایسا علم ہے جو انسانی رویے کا مطالعہ، مقاصد اور ان محدود وسائل کے درمیان ایک تعلق کے طور پر کرتا ہے جن کے متبادل استعمالات ہوتے ہیں''۔

پھر یہ نتیجہ نکالنا ایک چھوٹا قدم رہ جاتا ہے کہ، معاشیات کے منظم علم کو، سماجی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے محدود وسائل کا بہترین استعمال کرنا چاہئے۔ بلاشبہ معاشیات میں مشہور ترین نظریاتی نتیجہ، نام نہاد ''فلاح و بہبود کا پہلا نظریہ'' (First Welfare Theorem) ان حالات کو اجاگر کرتا ہے، جن کے تحت، معاشی نقطہ نگاہ سے ''منڈی کی معیشت'' میں وسائل کی تقسیم سماجی طور پر مطلوب ہوتی ہے۔ منڈی کی معیشت ایک تجرید ہے، جس کا مقصد ایک ایسی صورت حال کو گرفت میں لانا ہوتا ہے، جس میں تمام افراد اور فرمیں آزادانہ طور پر، کسی قسم کی پیداوار یا خدمات کو جو بھی وہ چاہیں، پیدا، خرید یا فروخت کر سکتے ہیں۔ جب یہ حالات موجود نہ ہوں تو ''منڈی کی ناکامی'' ہوتی ہے۔ اس قسم کی ناکامیاں عالمی عدم مساوات کے نظریے کی بنیاد مہیا کرتی ہیں،

MashalBooks.org

کیونکہ جتنی زیادہ وہ منڈی کی ناکامیاں بغیر حل کئے رہ جاتی ہیں، اتنا ہی زیادہ کسی ملک کے غریب ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے، جہالت کا مفروضہ یہ کہتا ہے کہ غریب ممالک اس لئے غریب ہوتے ہیں کہ ان کے ہاں بہتر زیادہ منڈی کی ناکامیاں ہوتی ہیں، اور کیونکہ ماہرین معاشیات اور پالیسی ساز نہیں جانتے کہ ان سے کیسے نجات حاصل کریں اور ماضی میں غلط مشوروں کی طرف دھیان دیئے رہے ہوتے ہیں۔ امیر ممالک اس وجہ سے امیر ہوتے ہیں کہ انہوں نے بہتر پالیسیوں کا اندازہ لگالیا ہوتا ہے اور ان ناکامیوں کو کامیابی سے ختم کردیا ہوتا ہے۔

کیا جہالت کا مفروضہ عالمی عدم مساوات کی توجیہہ کرسکتا ہے؟ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ افریقی ممالک باقی دنیا سے اس وجہ سے غریب ہوں کہ ان کے رہنما ان کے ممالک کو چلانے کے حوالے سے وہی غلط نظریات رکھتے ہیں، جو غربت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، جبکہ مغربی یوروپی رہنما بہتر معلومات یا بہتر مشورے رکھتے ہیں، جو ان کی اضافی کامیابی کی توجیہہ کرتے ہیں۔ اگرچہ، رہنماؤں کی تباہ کن پالیسیاں اپنانے کی، کیونکہ وہ ان پالیسیوں کے نتائج سے غلط فہمی کا شکار تھے، مشہور مثالیں موجود ہیں، لیکن پھر بھی جہالت کا مفروضہ زیادہ سے زیادہ عالمی عدم مساوات کے ایک چھوٹے سے حصے کی توجیہہ پیش کرسکتا ہے۔

ظاہری طور پر، وہ طویل معاشی زوال جو برطانیہ سے آزادی کے فوری بعد گھانا میں وارد ہوا، جہالت کی وجہ سے ہوا۔ برطانوی معیشت دان ٹونی کیلک (Tony killick) نے، جو اس وقت کوامے نکرومہ (Kwame Nkrumah) کی حکومت کے مشیر کے طور پر کام کر رہا تھا، بہت سے مسائل کو بڑی تفصیل سے ریکارڈ کیا ہے۔ نکرومہ کی پالیسیوں کا محور ریاستی صنعت کو ترقی دینا تھا، جو بہت ہی ناکام ثابت ہوا، کیلک نے بیان کیا۔

''جوتوں کا کارخانہ۔۔۔جس نے شمال میں واقع گوشت کے کارخانے کو کھالوں کی نقل وحمل کے ذریعے جنوب میں (پانچ سو میل سے اوپر کے فاصلے پر) ایک چمڑا رنگنے والے کارخانے سے گیا ہے) سے ملانا تھا؛ چمڑے کو کماسی میں جوتوں کے کارخانے تک واپس پہنچایا جانا تھا، جو کہ ملک کے وسط میں اور چمڑا رنگنے کے کارخانے سے تقریباً دو سو میل شمال کی طرف تھا۔ کیونکہ جوتوں کی بڑی منڈی عکرہ کے دارالحکومتی علاقے میں تھی، لہٰذا جوتوں کو مزید 200 میل پیچھے جنوب کی طرف منتقل کیا جانا ہوتا تھا۔

کیلک نے قدرے دبے دبے الفاظ میں یہ رائے دی کہ ایک ایسا کاروبار تھا'' جس کی حیات پذیری کو غلط جگہوں کے انتخاب سے تباہ کردیا گیا'' جوتوں کا کارخانہ ایسے بہت سے منصوبوں میں سے ایک تھا، جس میں آموں کو ڈبوں میں بند کرنے کا کارخانہ بھی تھا، اور جس کی پیداوار، پوری دنیا میں اس کی مانگ سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ معاشی طور پر ان بے تکی پیشرفتوں کے اس غیر مختتم سلسلے کا سبب یہ نہیں تھا کہ نکرومہ اور اس کے مشیر صحیح معاشی پالیسیوں سے بے خبر تھے یا ان کے بارے میں غلط معلومات رکھتے تھے۔ ان کے ہاں کیلک جیسے لوگ تھے اور بلکہ انہیں نوبیل انعام یافتہ سر آرتھر لیوس (Sir Arthur Lewis) کی مشاورت بھی حاصل تھی، جو یہ جانتے تھے یہ پالیسیاں اچھی نہیں تھیں۔ جس چیز نے معاشی پالیسیوں کو اس شکل میں تشکیل دیا جس میں وہ تھیں، وہ یہ حقیقت تھی کہ نکرومہ کو ان کی ضرورت، سیاسی حمایت حاصل کرنے اور اپنی غیر جمہوری حکومت کو قائم رکھنے کے لئے تھی۔

MashalBooks.org

نہ تو آزادی کے بعد گھانا کی مایوس کن کارکردگی، نہ ہی بظاہر معاشی بدانتظامی کے دوسرے بیشمار معاملات، کا الزام محض جہالت کو دیا جاسکتا ہے۔ بہرحال، اگر لاعلمی ہی مسئلہ ہوتی، تو نیک نیت رہنما تیزی سے یہ بات سمجھ لیتے کہ کس قسم کی پالیسیاں ان کے شہریوں کی آمدنیوں اور بہبود میں اضافہ کرسکتی ہیں اور وہ ان پالیسیوں کی طرف کھنچے چلے جاتے۔

ریاستہائے متحدہ اور میکسیکو کے مختلف راستوں پر غور کریں، اس عدم مساوات کا الزام دونوں قوموں کے رہنماؤں کی لاعلمی کو دینا، زیادہ سے زیادہ غیر معقول ہی کہا جاسکتا ہے، یہ جان سمتھ اور کوائیز کے درمیان علم یا اداروں کے اختلافات نہیں تھے، جنہوں نے نوآبادیاتی عرصے کے دوران اختلافات کے بیج بوئے، اور یہ بعد میں آنے والے یوایس کے صدور جیسا کہ ٹیڈی روز ویلٹ (Teddy Roosevelt) یا ووڈرو ولسن (Woodrow Wilson) اور پروفائیر یوڈیاز کے درمیان علم کا فرق نہیں تھا، جس نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں میکسیکو کو ایسے معاشی ادارے چننے پر مجبور کیا باقیماندہ معاشرے کی قیمت پر اونچے طبقے کو امیر بنائیں جبکہ روزویلٹ اور ولسن نے اس کے برعکس کیا۔ بلکہ یہ اداراتی پابندیوں کے وہ اختلافات تھے، جن کا سامنا ممالک کے صدور اور طبقہ ہائے علیا کر رہے تھے۔ اسی طرح افریقی اقوام کے رہنماؤں، جو پچھلی نصف صدی کے دوران غیر محفوظ حقوق جائیداد اور معاشی اداروں کے تحت

محو استراحت رہے ہیں، واقع ہونے کی اجازت اس لئے نہیں دی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اچھی معاشیات ہے؛ وہ ایسا اس لئے کرتے رہے کہ وہ ایسا کر کے بچ کے نکل سکتے تھے۔ یا باقی ماندہ لوگوں کی قیمت پر خود کو امیر بنا سکتے تھے۔ یا اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اچھی سیاست ہے، ایک ایسا طریقہ ہے جس سے وہ اہم گروپوں اور اونچے طبقے کی حمایت کو خرید کر اپنے آپ کو اقتدار میں رکھ سکتے تھے۔

1971 میں، گھانا کے وزیر اعظم، کوفی بوسیا (Kofi Busia) کا تجربہ، اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ جہالت کا مفروضہ کس قدر گمراہ کن ہوسکتا ہے۔ بوسیا نے ایک خطرناک معاشی بحران کا سامنا کیا، 1969 میں حکومت میں آنے کے بعد، اس نے اپنے سے پہلے نکرومہ کی طرح برداشت نہ کی جا سکنے والی معاشی پالیسیاں اپنائیں، اور مارکیٹنگ بورڈوں اور بہت اونچی شرح تبادلہ کے ذریعے مختلف قسم کے قیمتوں کے کنٹرول قائم کئے۔ اگرچہ بوسیا نکرومہ کا مخالف تھا، اور ایک جمہوری حکومت کی قیادت کر رہا تھا، لیکن اس نے بھی ویسی ہی سیاسی پابندیوں کا سامنا کیا۔ جیسا کہ نکرومہ کے ساتھ تھا، اس کی معاشی پالیسیاں بھی اس وجہ سے نہیں اپنائی گئی تھیں، کیونکہ "وہ لاعلم" تھا اور یہ یقین رکھتا تھا کہ یہ پالیسیاں اچھی معاشیات ہیں، یا ملک کو ترقی دینے کا کوئی مثالی طریقہ ہیں۔ یہ پالیسیاں اس وجہ سے اختیار کی گئی تھیں کہ یہ اچھی سیاست تھیں، جو بوسیا کو اس قابل بناتی تھیں کہ وہ وسائل کو سیاسی طور پر مضبوط گروپوں کو منتقل کی جا سکیں۔ مثال کے طور پر شہری علاقوں میں، جنھیں مطمئن رکھنے کی ضرورت تھی۔ قیمتوں کے کنٹرول نے زراعت کو نچوڑ کے رکھ دیا، شہری علاقوں کو سستی خوراک مہیا کر کے، اور حکومت کے اخراجات کے لئے رقم مہیا کرنے کے لئے فنڈ پیدا کر کے۔ لیکن یہ کنٹرول سہارے نہیں جا سکتے تھے۔ جلد ہی گھانا کو ادائیگیوں کے توازن کے بحران اور زرمبادلہ کی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان معموں کا سامنے کرتے ہوئے، 27 دسمبر 1971 کو بوسیا نے انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ سے ایک معاہدے پر دستخط کئے۔ جس میں بڑے پیمانے پر کرنسی کی قیمت کم کرنا بھی شامل تھا۔

آئی ایم ایف، عالمی بینک اور پوری عالمی برادری نے بوسیا پر دباؤ ڈالا کہ وہ، معاہدے میں شامل اصلاحات کا نفاذ کرے۔ اگرچہ عالمی ادارے خوش قسمتی سے بے خبر رہے، لیکن بوسیا جانتا تھا کہ وہ ایک زبردست سیاسی جوا کھیل رہا ہے۔ کرنسی کی قیمت گھٹانے کا ایک فوری نتیجہ گھانا

کے دارالحکومت عکرہ میں فسادات اور بے چینی کی صورت میں نکلا، جو بڑھ کر کنٹرول سے باہر ہوگیا، یہاں تک کہ بوسیا کا تختہ فوج کی طرف سے لیفٹیننٹ کرنل ایکیام پانگ (Acheampong) کی قیادت میں الٹ دیا گیا۔ جس نے فوری طور پر اس تخفیف زر کو واپس لے لیا۔

لاعلمی کا مفروضہ، جغرافیے اور ثقافت کے مفروضوں سے اس طرح مختلف ہے کہ یہ فوری طور پر اپنے ساتھ یہ تجویز بھی لاتا ہے کہ غربت کے مسئلے کو کیسے حل کیا جائے؛ اگر لاعلمی ہمیں یہاں لائی ہے، تو روشن دماغ اور صاحب علم حکمران اور پالیسی ساز ہمیں اس سے باہر لے جا سکتے ہیں، اور صحیح مشورہ مہیا کر کے اور سیاستدانوں کو اس بات کا قائل کر کے کہ اچھی معاشیات کیا ہے، ہمیں دنیا میں خوشحالی پیدا کرنے کے قابل ہونا چاہئے۔ لیکن بوسیا کا تجربہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایسی پالیسیوں کو اپنانے کی راہ میں بڑی رکاوٹ سیاستدانوں کی لاعلمی نہیں ہے، بلکہ وہ محرکات اور رکاوٹیں ہیں جن کا سامنا انہیں اپنے معاشروں کے سیاسی اور معاشی اداروں کی طرف سے ہوتا ہے۔

MashalBooks.org

اگرچہ لاعلمی کا مفروضہ ابھی تک زیادہ تر معیشت دانوں کے ہاں اور مغربی پالیسی ساز حلقوں میں چھایا ہوا ہے۔ جو، تقریباً باقی ہر چیز کو خارج کرتے ہوئے اس بات پر توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ خوشحالی کو کیسے پیدا کیا جائے۔ لیکن یہ بھی محض ایک اور ایسا مفروضہ ہے جو کام نہیں کرتا۔ یہ نہ تو پوری دنیا میں غربت کی بنیاد کی توجیہہ کرتا ہے، نہ ہی ہمارے ارد گرد زمین کے خدوخال کی تنظیم کی۔ مثال کے طور پر یہ کہ کچھ قوموں نے جیسا کہ میکسیکو اور پیرو نے، لیکن ریاستہائے متحدہ اور انگلستان نے نہیں، ایسے اداروں اور پالیسیوں کو اختیار کیا، جو ان کے ممالک کے شہریوں کی اکثریت کو غریب کر دیں، یا یہ کہ تقریباً سارا زیریں صحارائی افریقہ اور بیشتر وسطی امریکا، مغربی یورپ اور مشرقی ایشیا کی نسبت اس قدر زیادہ غریب کیوں ہیں۔

جب قومیں ان اداراتی طریقوں کے حصار کو توڑ کر باہر نکلتی ہیں جنھوں نے انہیں غربت کے گڑھے میں ڈالا ہوتا ہے، اور معاشی ترقی کے راستے پر قدم رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں، تو یہ اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ ان کے لاعلم رہنما اچانک بہتر علم کے مالک ہو گئے ہیں۔ یا کم خود غرض ہو گئے ہیں یا اس وجہ سے کہ انہوں نے بہتر ماہرین معیشت سے رہنمائی حاصل کر لی ہے۔ مثال کے طور پر چین، ان ممالک میں سے ایک ہے جنھوں نے لاکھوں لوگوں کو غربت اور فاقوں کا شکار کر دیا

تھا، ان پالیسیوں کی طرف کانٹا بدلا جو معاشی ترقی کی حوصلہ افزائی کرتی تھیں۔ لیکن جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، یہ اس وجہ سے واقع نہیں ہوا کہ چینی کمیونسٹ پارٹی نے آخرکار یہ سمجھ لیا کہ زرعی زمین اور صنعتوں کی اجتماعی ملکیت خوفناک معاشی محرکات کو جنم دیتی ہے۔ اس کی بجائے ڈینگ ژیاؤ پنگ اور اس کے اتحادیوں نے، جو اپنے مخالفین سے کم بے لوث نہیں تھے، بلکہ جن کے مختلف مفادات اور سیاسی مقاصد تھے، کمیونسٹ پارٹی میں اپنے طاقتور مخالفین کو شکست دی، اور ایک طرح کے سیاسی انقلاب کا ہراول دستہ بن گئے اور اس طرح پارٹی کی قیادت اور رخ کو تبدیل کر دیا۔ ان کی معاشی اصلاحات جنہوں نے زراعت میں منڈی کے محرکات پیدا کئے اور پھر بعد میں صنعت میں، اس سیاسی انقلاب سے ابھرے۔ یہ سیاست تھی جس نے چین میں کمیونزم سے منڈی کی محرکات کی طرف کانٹا بدلنے کا فیصلہ کیا، نہ کہ بہتر رہنمائی یا سمجھ بوجھ کہ معیشت کیسے کام کرتی ہے۔

ہم یہ استدلال کریں گے کہ عالمی عدم مساوات کو سمجھنے کے لئے ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ کیوں بعض معاشرے غیر مستعد اور سماجی طور پر ناپسندیدہ طریقوں پر منظّم ہوتے ہیں۔ بعض اوقات قومیں مستعد اداروں کو اختیار کرنے کے قابل ہو جاتی ہیں اور خوشحالی حاصل کر لیتی ہیں، لیکن افسوس، ایسا شاذ و نادر صورتوں میں ہی ہوتا ہے۔ بہت سے ماہرین معیشت اور پالسی سازوں نے ہمیشہ ''ٹھیک کرنے'' پر توجہ مرکوز کی ہے، جبکہ جس چیز کی حقیقی ضرورت ہے وہ یہ وضاحت ہے کہ غریب ''قومیں'' اسے غلط کیسے سمجھتی ہیں''۔ اس کو غلط سمجھنا، زیادہ تر لاعلمی یا ثقافت کے بارے میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہم ثابت کریں گے، غریب ممالک اس وجہ سے غریب ہیں، کیونکہ وہ لوگ جن کے پاس اقتدار ہے وہ ایسے انتخابات کرتے ہیں جو غربت پیدا کرتے ہیں۔ وہ اس کو غلطی یا لاعلمی سے غلط نہیں سمجھتے بلکہ ارادتاً غلط سمجھتے ہیں۔ اس کے سمجھنے کے لئے آپ کو کرنے کے بہترین کام پر معاشیات اور ماہر کی رائے سے آگے جانا ہوگا، اور اس کی بجائے کہ فیصلے حقیقتاً کیسے کئے جاتے ہیں، ان کو کرنے کا بیڑہ کون اٹھاتا ہے، اور وہ لوگ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کے کرنے کا فیصلہ کیوں کرتے ہیں۔ یہ سیاسیات اور سیاسی عملوں کا مطالعہ ہے۔ روایتی طور پر معاشیات نے سیاسیات کو نظرانداز کیا ہے، لیکن سیاسیات کو سمجھنا، عالمی عدم مساوات کی توجیہہ کرنے کے لئے بنیادی چیز ہے۔ جیسا کہ ماہر معشیت ابا لرنر نے 1970 کی دہائی میں تحریر کیا، ''معاشیات نے سماجی

علوم کی ملکہ کا خطاب، حل شدہ سیاسی مسائل کو اپنے میدان کے طور پر منتخب کر کے حاصل کیا ہے۔''

ہم یہ استدلال کریں گے کہ خوشحالی کو حاصل کرنا، کچھ بنیادی سیاسی مسائل کو حل کرنے پر منحصر ہے، یہ ٹھیک اس وجہ سے ہے کہ معاشیات نے یہ فرض کر لیا ہے کہ سیاسی مسائل حل ہوتے ہیں، کہ یہ عالمی عدم مساوات کی کسی قائل کن توجیہہ کے ساتھ سامنے نہیں آسکی۔ عالمی عدم مساوات کی توجیہہ کرنے کے لئے ابھی معاشیات کی ضرورت ہے، یہ سمجھنے کے لئے کہ کس طرح مختلف قسم کی پالیسیاں اور سماجی انتظامات معاشی محرکات اور رویوں کو متاثر کرتے ہیں۔ لیکن اس سیاسیات کی بھی ضرورت ہے۔

MashalBooks.org

3

خوشحالی اورغربت کی ساخت

اڑتیسویں متوازی کی معاشیات

1945 کے موسم گرما میں، جب دوسری عالمی جنگ اختتام کے قریب تھی، کوریا میں جاپانی نو آبادیات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگ گئی۔ جاپان کے 15 اگست کے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کے ایک ماہ کے اندر اندر کوریا اڑتیسویں متوازی پر دو دائرہ ہائے اثر میں تقسیم ہوگیا۔ جنوبی دائرہ کا انتظام وانصرام ریاستہائے متحدہ کے ہاتھ میں آ گیا۔ شمالی کا روس کے ہاتھ میں۔ سرد جنگ کا بے چین امن جون 1950 میں پارہ پارہ ہوگیا، جب شمالی کوریائی فوج نے جنوب پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ شروع شروع میں شمالی کوریائیوں نے بڑے بڑے حملے کئے اور دارالحکومتی شہر، سیول پر قبضہ کرلیا، لیکن موسم خزاں کے آنے تک وہ پوری طرح پسپا ہو گئے۔ یہ اس وقت تھا کہ ہوانگ پیانگ وان (Hwang Pyang-wan) اور اس کا بھائی ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ ہوانگ پیانگ وان چھپنے اور شمالی کوریائی فوج میں جبری بھرتی ہونے سے بچنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ جنوب میں ٹھہر گیا اور ایک دواساز کے طور پر کام کرنے لگا۔ اس کا بھائی جو کہ ایک ڈاکٹر تھا اور سیول میں جنوبی کوریائی فوج کے زخمی سپاہیوں کا علاج کر رہا تھا، جب شمالی کوریائی فوج پسپا ہوئی تو اسے بھی شمالی کوریا ساتھ لے جایا گیا۔ 1950 میں علیحدہ کئے جانے کے بعد، وہ 2000 میں پچاس سال میں پہلی بار، سیول میں دوبارہ ملے، جب دونوں حکومتیں آخر کار، خاندان کو دوبارہ ملانے کے ایک محدود پروگرام کو شروع کرنے پر رضامند ہوگئیں،

بطور ڈاکٹر، ہوانگ پیانگ وان کے بھائی نے ایرفورس میں کام کرنے کا فیصلہ کیا تھا، جو کہ فوجی آمریت میں ایک اچھی ملازمت تھی۔ لیکن شمالی کوریا میں مراعات رکھنے والے لوگ بھی اتنا اچھا گزارہ نہیں کرتے۔ جب دونوں بھائی ملے تو ہوانگ پیانگ وان نے پوچھا کہ 38 ویں متوازی کے شمال میں زندگی کیسی ہے۔ اس کے پاس کار تھی لیکن اس کے بھائی کے پاس نہیں تھی۔ اس نے اپنے بھائی سے پوچھا ''کیا آپ کے پاس ٹیلیفون ہے؟'' اس کے بھائی نے کہا ''نہیں''۔ ''میری بیٹی، جو وزارت خارجہ میں کام کرتی ہے، کے پاس فون ہے، لیکن اگر آپ کو کوڈ معلوم نہیں ہے تو آپ فون نہیں کر سکتے''۔ ہوانگ پیانگ وان کو یاد آیا کہ کس طرح شمال سے آنے والے لوگ دوبارہ ملاقات کے وقت رقم کا مطالبہ کر رہے تھے، لہذا اس نے کچھ رقم اپنے بھائی کو پیش کی۔ لیکن اس کے بھائی نے کہا، ''اگر میں رقم لے کر واپس جاؤں تو حکومت کہے گی 'رقم ہمیں دے دو' لہذا تم اسے اپنے پاس رکھو' ہوانگ پیانگ وان نے دیکھا کہ اس کے بھائی کا کوٹ پھٹا پرانا ہے؛ ''اس کوٹ کو اتار دو اور یہیں چھوڑ دو، اور جب تم واپس جاؤ گے تو یہ نیا کوٹ پہن لینا'' اس نے تجویز پیش کی۔ اس کے بھائی نے جواب دیا ''میں ایسا نہیں کر سکتا، یہ یہاں آنے کے لئے حکومت کی طرف سے مستعار ہے''۔ ہوانگ پیانگ وان کو یاد آیا، کہ جب جدا ہوئے تو اس کا بھائی کس طرح بے چین تھا، اور کس طرح ہمیشہ پریشان رہتا تھا، ایسے جیسے کوئی اس سن رہا ہو۔ ہوانگ پیانگ وان نے خیال کیا کہ اس کا بھائی اس کی نسبت غریب تر تھا۔ اس کے بھائی نے کہا کہ وہ اچھی زندگی بسر کر رہا ہے، لیکن ہوانگ پیانگ وان نے سوچا کہ اس کا بھائی مصیبت زدہ اور نحیف ونزار نظر آ رہا تھا۔

جنوبی کوریا کے لوگوں کا معیار زندگی پرتگال اور ہسپانیہ کے لوگوں کی مانند ہے۔ شمال میں، نام نہاد عوامی جمہوریہ کوریا، یا شمالی کوریا میں، معیار ہائے زندگی کسی زیریں صحارائی افریقی ملک کے لوگوں کی مانند، جنوبی کوریا کے اوسط معیار ہائے زندگی کے دسویں حصے کے برابر ہیں۔ شمالی کوریا کے باشندوں کی صحت بھی خراب تر حالت میں ہے؛ ایک اوسط شمالی کوریائی، جنوب میں 38 ویں متوازی کے اپنے عم زادوں کی نسبت دس سال کم زندہ رہنے کی توقع رکھتا ہے۔ نقشہ نمبر 7 ایک ڈرامائی انداز میں کوریاؤں کے درمیان معاشی فرق کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ روشنی کی شدت کی بنیادی معلومات کی نقشہ کشی کرتا ہے جو رات کو سیٹلائٹ کی تصویروں سے نظر آتی ہے۔ شمالی کوریا،

MashalBooks.org

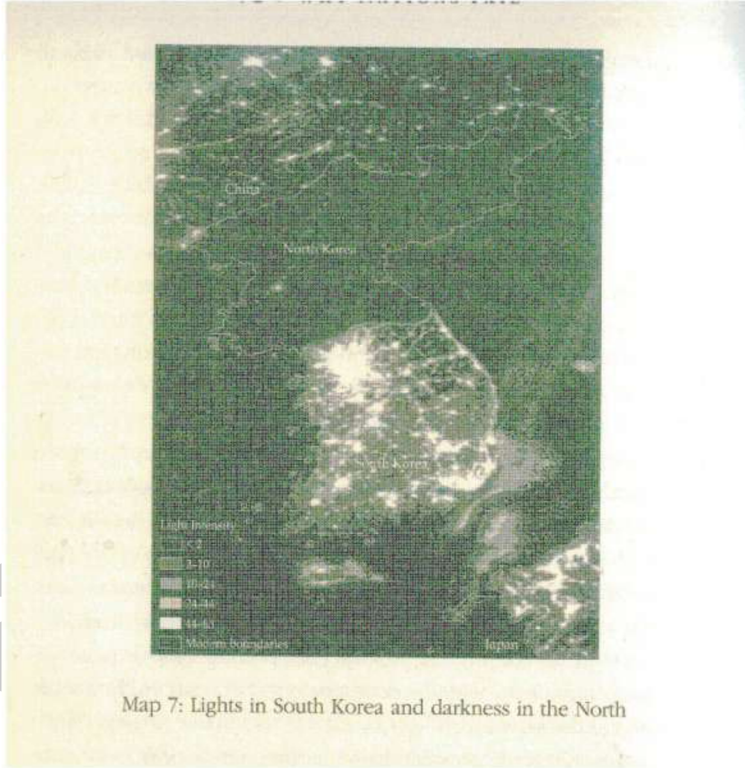
بجلی کی کمی کی وجہ سے تقریباً تاریک ہے؛ جنوبی کوریا روشنی سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔

یہ نمایاں اختلافات قدیم نہیں ہیں۔ درحقیقت یہ دوسری عالمی جنگ کے اختتام سے پہلے وجود نہیں رکھتے تھے۔ لیکن 1945 کے بعد شمالی اور جنوبی کوریا میں مختلف حکومتوں نے اپنی معیشتوں کو منظم کرنے کے لئے مختلف طریقے اپنائے جنوبی کوریا کی رہبری اور اس کے ابتدائی معاشی اور سیاسی اداروں کی تشکیل، ہارورڈ اور پرنسٹن کے تعلیمیافتہ، کٹر طور پر کمیونسٹ مخالف سنگ مین ری (Syngman Rhee) کی طرف سے ریاستہائے متحدہ کی معنی خیز حمایت کے ساتھ کی گئی۔ ری 1948 میں صدر منتخب ہو گیا۔ کوریائی جنگ کے وسط میں تشکیل پانے اور کمیونزم کے 38 ویں متوازی کے جنوب میں پھیلنے کے خطرے کے مقابل جنوبی کوریا کوئی جمہوریہ نہیں تھا۔ ری اور اس کے برابر کے معروف جانشین جنرل پارک چنگ ہی (General Park Chung-Hee) نے تاریخ میں اپنے مراتب بطور آمر صدور کے محفوظ کر لئے۔ لیکن دونوں نے منڈی کی معیشت پر حکمرانی کی، جہاں نجی جائیداد کو تسلیم کیا گیا، اور 1961 کے بعد، پارک نے ریاست کے بوجھ کو تیز معاشی ترقی کے پیچھے کامیابی سے پھینک دیا، اور ادھار اور رعایات کو ان فرموں کے راستے پر ڈال دیا جو کامیاب تھیں۔

38 ویں متوازی کے شمال میں صورت حال مختلف تھی۔ کم اِل سُنگ جو کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپان مخالف کمیونسٹ پاسداران کا رہنما تھا، نے اپنے آپ کو 1947 تک ایک آمر کے طور پر مستحکم کر لیا، اور سوویٹ یونین کی مدد سے، نام نہاد جوچے سسٹم (Juche system) کے ایک حصے کے طور پر ایک مرکزی طور پر منصوبہ بند معیشت کی جامد شکل کو متعارف کروایا۔ نجی ملکیت کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا اور منڈیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ آزادیوں کو کم کر دیا گیا، نہ صرف منڈیوں میں، بلکہ شمالی کوریاؤں کی زندگی کے ہر دائرے میں سوائے ان لوگوں کے جو اتفاق سے کم ال سنگ کے اردگرد کے بہت چھوٹے سے طبقہ علیا کا ایک حصہ تھے، اور بعد میں، اس کے بیٹے اور جانشین کم جونگ ال کا ایک حصہ تھے۔

ہمیں اس بات پر حیران نہیں ہونا چاہیئے کہ جنوبی اور شمالی کوریا کے معاشی مقدر بہت واضح طور پر مختلف ہو گئے ہیں۔ کم ال سُنگ کی تحکمانہ معیشت اور جوچے سسٹم جلد ہی ایک تباہی ثابت ہوئے۔ شمالی کوریا کی تفصیلی شماریات دستیاب نہیں ہیں، کیونکہ وہ ایک کم سے کم بھی کہا جائے تو، راز داری برتنے والی ریاست ہے۔ اس کے باوجود دستیاب شہادت اس بات کی تصدیق کرتی ہے

جو ہم بہت زیادہ بہ تکرار آنے والے قحطوں سے جان سکتے ہیں؛ نہ صرف صنعتی پیداواریت کو



Map 7: Lights in South Korea and darkness in the North

بڑھانے، یا بلکہ شمالی کوریا کو درحقیقت زرعی پیداوار میں بھی ناکامی کا تجربہ ہوا۔ نجی ملکیت کے نہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ، پیداواریت کو بڑھانے، یا بلکہ قائم رکھنے کے لئے بھی سرمایہ لگانے یا محنت کرنے کا جذبہ محرکہ بھی بہت تھوڑے لوگوں کے لئے تھا۔ یہ گلا گھونٹنے والی اور جابر حکومت جدت طرازی اور نئے صنعتی علوم کو اپنانے کی بھی مخالف تھی۔ لیکن کم ال سنگ، کم جونگ ال اور ان کے لنگوٹیوں کا اس نظام کی اصلاح کرنے، یا نجی ملکیت، منڈیوں، نجی ٹھیکوں۔ یا بدلتے ہوئے معاشی اور سیاسی اداروں کو متعارف کروانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ شمالی کوریا اب تک معاشی جمود کا شکار ہے۔

اسی دوران میں، جنوبی کوریا میں معاشی اداروں نے سرمایہ کاری اور تجارت کی حوصلہ افزائی کی۔ جنوبی کوریا کے سیاستدانوں نے تعلیم، خواندگی اور اسکولوں کی تعلیم میں اعلیٰ شرحیں حاصل

کرنے میں سرمایہ کاری کی۔ جنوبی کوریائی کمپنیوں نے تیزی سے نسبتاً تعلیم یافتہ آبادی حوصلہ افزا سرمایہ کاری اور صنعت کاری، برآمدات اور صنعتی علوم کے تبادلے کا فائدہ اٹھایا۔ جنوبی کوریا تیزی سے مشرقی ایشیا کی ''معجزاتی معیشتوں'' میں سے ایک بن گیا، دنیا کی تیزترین ترقی کرنے والی اقوام میں سے ایک قوم۔

1990 کی دہائی تک محض ایک نصف صدی میں، جنوبی کوریا کی ترقی اور شمالی کوریا کا جمود اس کبھی ایک متحدہ ملک کے دونصفوں کے درمیان دس گنا فرق پر منتج ہوئے۔ تصور کریں کہ دو صدیاں کتنا فرق پیدا کرتیں۔ شمالی کوریا کی معاشی تباہی جو لاکھوں لوگوں کی فاقہ زدگی پر منتج ہوئی، کو جب جنوبی کوریا کی معاشی کامیابی کے مقابل رکھا جائے، تو یہ بہت چونکا دینے والی ہے؛ نہ ثقافت نہ جغرافیہ نہ ہی لاعلمی شمالی اور جنوبی کوریا کے مختلف راستوں کی توجیہہ کر سکتے ہیں۔ ہمیں جواب کے لئے اداروں پر ایک نگاہ ڈالنی ہوگی۔

استحصالی اور اشتمالی معاشی ادارے

مختلف ممالک اپنی معاشی کامیابی اپنے مختلف اداروں کی وجہ سے ان ضابطوں کی وجہ سے جو معیشت کی کارکردگی کو متاثر کرتے ہیں، اور ان محرکات کی وجہ سے جو لوگوں کو متحرک کرتے ہیں، مختلف ہوتے ہیں۔ جنوبی اور شمالی کوریا کے بالغوں کو اور اس چیز کو دیکھئے کہ وہ زندگی سے کیا توقع رکھتے ہیں۔ وہ جو شمال میں ہیں، غربت میں بڑے ہوتے ہیں، بغیر کسی کاروباری جذبہ محرکہ تخلیقیت یا مہارتی کام کے لئے تیار کرنے والی کسی تعلیم کے۔ اس تعلیم کا زیادہ تر حصہ جو وہ اسکول میں حاصل کرتے ہیں، خالص پروپیگنڈا ہوتا ہے، جس کا مقصد حکومت کی جائزیت کو سہارا دینا ہوتا ہے؛ وہاں بہت کم کتابیں ہیں، چہ جائیکہ کمپیوٹر۔ اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد ہر شخص کو دس سال کے لئے فوج میں جانا پڑتا ہے۔ یہ بالغان جانتے ہیں کہ وہ اپنی جائیداد بنانے، یا کاروبار شروع کرنے یا زیادہ خوشحال ہونے کے قابل نہیں ہوسکیں گے، خواہ بہت سے لوگ اپنی روزی کمانے کے لئے غیر قانونی طور پر نجی معاشی سرگرمیوں میں مشغول بھی ہوجائیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کی رسائی منڈیوں تک نہیں ہوگی۔ جہاں وہ اپنی مہارتوں یا اپنی کمائیوں کو ان چیزوں کو خریدنے کے لئے استعمال کرسکیں جن کی انہیں ضرورت یا خواہش ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس

بارے میں بھی بے یقینی کا شکار ہیں کہ انہیں کس قسم کے انسانی حقوق ملیں گے۔

وہ لوگ جو جنوب میں ہیں، اچھی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور ایسے محرکات کا سامنا کرتے ہیں، جو کوشش کرنے اور اپنے پسندیدہ پیشے میں آگے بڑھنے، پر ان کو اکساتے ہیں، جنوبی کوریا ایک منڈی کی معیشت ہے، جو نجی ملکیت پر استوار ہے، جنوبی کوریا کے بالغان جانتے ہیں کہ اگر وہ کاروباری لوگوں یا کارکنوں کی حیثیت سے کامیاب ہوگئے تو وہ اپنی سرمایہ کاری یا محنت سے پھر سے لطف اندوز ہوں گے۔ وہ اپنے معیار زندگی کو بہتر کرسکیں گے، کاریں خرید سکیں گے، مکانات اور صحت کی دیکھ بھال کو خرید سکیں گے۔

جنوب میں ریاست معاشی سرگرمیوں کی حمایت کرتی ہے، لہٰذا کاروباری لوگوں کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ بینکوں اور مالی منڈیوں سے رقم ادھار لیں، غیر ملکی کمپنیوں کے لئے ممکن ہے کہ وہ جنوبی کوریا کی فرموں کے ساتھ شراکت میں شامل ہوں۔ افراد کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ مکانات خریدنے کیلئے اپنی چیزیں رہن رکھیں، جنوب میں، بڑی حد تک آپ کوئی بھی کاروبار جو آپ چاہیں شروع کرسکتے ہیں، شمال میں آپ ایسا نہیں کرسکتے۔ جنوب میں، آپ کارکنوں کو ملازم رکھ سکتے ہیں۔ اپنی مصنوعات یا خدمات کو بیچ سکتے ہیں، اور اپنی رقم کو منڈی میں جس طرح چاہیں خرچ کرسکتے ہیں۔ شمال میں صرف چور منڈیاں ہیں۔ یہ مختلف قواعد اور ادارے ہیں جن کے تحت شمالی اور جنوبی کوریائی زندگی گزارتے ہیں۔

اشتمالی معاشی ادارے، جیسا کہ جنوبی کوریا یا ریاستہائے متحدہ میں ہیں، وہ ہیں، جو لوگوں کی ایک بڑی جماعت کی طرح سے سیاسی سرگرمیوں میں شراکت کی اجازت دیتے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، ایسی سیاسی سرگرمیاں جو ان کی صلاحیتوں اور مہارتوں کا بہترین استعمال کرتی ہیں، اور افراد کو اپنی مرضی کے انتخابات کرنے کے قابل بناتی ہیں۔

معاشی اداروں کے اشتمالی ہونے کے لئے ان میں درج ذیل خصوصیات کا ہونا ضروری ہے؛ محفوظ نجی ملکیت، غیر جانبدار نظام قانون، اور عوامی خدمات کی فراہمی، جو ایک ایسا ہموار کھیلنے کا میدان مہیا کرے جس میں لوگ باہمی تبادلہ اور معاہدہ کرسکیں؛ اسے لازمی طور پر نئے کاروباروں کے داخلے اور لوگوں کو اپنے پیشے چننے کی اجازت دیتی چاہیئے۔

جنوبی اور شمالی کوریا اور ریاستہائے متحدہ اور لاطینی امریکا کا موازنہ ایک عمومی اصول کی

MashalBooks.org

وضاحت کرتا ہے، اشتمالی معاشی ادارے معاشی سرگرمی، پیداواریت ملکیت کے حقوق مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، کیونکہ صرف وہی لوگ جنہیں یہ حقوق حاصل ہوں گے سرمایہ لگانے اور پیداواریت کو بڑھانے پرآمادہ ہوں گے۔ایک ایسا کاروباری آدمی جو اپنی پیداوار کے چرائے جانے،غصب ہونے یامکمل طور پرٹیکس کی نذر ہوجانے کی توقع رکھتا ہو،اس میں کام کرنے کا جذبہ نہ ہونے کے برابر ہوگا، چہ جائیکہ کسی قسم کی سرمایہ کاری کرنے یاجدت طرازیاں اختیار کرنے کا کوئی جذبہ اس کے اندر ہو۔لیکن ایسے حقوق معاشرے میں اکثریتی لوگوں کے لئے ہونے چاہئیں۔

1680 میں انگریز حکومت نے، اپنی غرب الہند کی نوآبادی بار باڈوس کی آبادی کی مردم شماری کا انعقاد کیا۔اس مردم شماری میں منکشف ہوا کہ اس جزیرے میں 60,000 کی بجائے کل آبادی میں سے تقریباً 39,000افریقی غلام تھے، جو باقیماندہ ایک تہائی آبادی کی جاگیر تھے۔ بلاشبہ وہ زیادہ تر 175 سب سے بڑے گنے کے کھیتوں کے مالکان جو زیادہ تر زمین کے مالک تھے کی جاگیز تھے۔ان بڑے مالکان زمین کومحفوظ اور خوب نافذ شدہ حقوق ملکیت اپنی زمین اور اپنے غلاموں پر بھی حاصل تھے۔اگر ایک مالک زمین کسی دوسرے مالک زمین کوغلام بیچنا چاہتا تو وہ ایسے کرسکتا تھا اور عدالت سے یہ توقع رکھتا تھا کہ وہ ایسی فروخت یا کسی اور معاہدے جو بھی وہ لکھے گا،کونافذ کردے گی۔کیوں؟ جزیرے کے چالیس ججوں یااعزازی مجسٹریٹوں میں سے 29 بڑے بڑے مالکان زمین تھے۔علاوہ ازیں آٹھ سب سے سینئرفوجی ملازمین بھی بڑے مالکان زمین تھے۔جزیرے کے اونچے طبقے کے لئے متعین محفوظ اور نفاذ شدہ حقوق ملکیت اور معاہدات کے باجود، بارڈوس میں جامع معاشی ادارے نہیں تھے۔کیونکہ آبادی کے دوتہائی لوگ غلام تھے،جنہیں تعلیم یا معاشی سرگرمیوں تک کوئی رسائی نہیں تھی، اوران میں اپنی صلاحیتوں یامہارتوں کو استعمال کرنے کی کوئی صلاحیت یاجذبہ نہیں تھا۔اشتمالی معاشی اداروں کومحض طبقہ امرا کے لئے نہیں بلکہ معاشرے کے وسیع مثالی نمونے کے لئےمحفوظ حقوق ملکیت اور معاشی مواقع درکار ہوتے ہیں۔

محفوظ حقوق ملکیت، قانون عوامی خدمات،اور معاہدہ کرنے اور تبادلہ کرنے کی آزادی، تمام چیزیں ریاست پرانحصار کرتی ہیں، وہ ادارہ جس کے پاس نظم وضبط کا نفاذ کرنے، چوری اور فراڈ کو روکنے، اور نجی فریقوں کے درمیان معاہدات کو نافذ کرنے کی جبری قوت ہوتی ہے۔ معاشرے کواچھی طرح سے کام کرنے کے لئے کچھ دوسری عوامی خدمات کی بھی ضرورت ہوتی

ہے۔سڑکوں اورنقل وحمل کے مربوط نظام کی تاکہ اشیا کی نقل وحمل کی جاسکے،ایک عوامی بنیادی ڈھانچے کی تاکہ معاشی سرگرمی پھل پھول سکے؛ اورکسی قسم کی بنیادی ضابطہ کاری تاکہ فراڈ اور بد عنوانی کوروکا جاسکے۔اگرچہ ان عوامی خدمات میں سے بہت سی منڈیوں اورنجی شہریوں کی طرف سے مہیا کی جاسکتی ہیں۔لیکن بڑے پیمانے پرایسا کرنے کے لئے اعلیٰ درجے کا ضروری نظم اکثر اوقات مرکزی حاکمیت کے علاوہ باقی تمام لوگوں کے ہاتھوں سے بچ نکلتا ہے۔لہذا ریاست معاشی اداروں کے ساتھ سخت طریقے سے گندھی ہوئی ہوتی ہے، بطورنظم وضبط نجی ملکیت اور معاہدات، کی قوت نافذہ کےاوراکثر اوقات عوامی خدمات کی مہیا کار کے۔جامع معاشی اداروں کوریاست کی ضرورت ہوتی ہےاوروہ اسے استعمال کرتے ہیں۔

شمالی کوریا یا نوآبادیاتی لاطینی امریکہ کے معاشی ادارے ۔۔میٹا، اینکومینڈا اورریپارٹی میئنو،ج کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ان خصوصیات کے حامل نہیں ہیں۔نجی ملکیت کا شمالی کوریا میں کوئی وجودنہیں ہے۔نوآبادیاتی لاطینی امریکہ میں ملکیت صرف ہسپانویوں کے لئے تھی، لیکن مقامی لوگوں کی ملکیت انتہائی غیرمحفوظ تھی۔دونوں میں سے کسی قسم معاشرے میں اجتماعی طور پرعوام اپنی خواہش کے مطابق معاشی فیصلے نہیں کرسکتے تھے؛ وہ اجتماعی جبر کے ماتحت تھے۔دونوں میں سے کسی ایک قسم کے معاشرے میں ریاست کی طاقت کوایسی بنیادی عوامی خدمات کیلئے جوخوشحالی کو پروان چڑھائیں،استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔شمالی کوریا میں، ریاست نے پروپگنڈے کوفروغ دینے کے لئے ایک نظام تعلیم بنایا، لیکن وہ قحط کو روکنے میں ناکام رہی۔نوآبادیاتی لاطینی امریکا میں ریاست نے مقامی لوگوں پر جبر کرنے پراپنی توجہ مرکوز رکھی۔دونوں میں سے کسی ایک معاشرے میں بھی کام کرنے کے لئے ہموار میدان نہیں تھا یا ایک غیر جانبدارانہ قانونی نظام نہیں تھا۔شمالی کوریا میں قانونی نظام حکمران کمیونسٹ پارٹی کا ایک بازو ہے، اور لاطینی امریکا میں یہ عوام کی اکثریت کے مقابلے میں امتیاز کا ایک ہتھیار تھا۔ہم ایسے اداروں کو، جو ان اداروں کی جنہیں ہم جامع کہتے ہیں۔متضاد خصوصیات رکھتے ہوں، استحصالی معاشی ادارے کہتے ہیں۔استحصالی اس لئے کیونکہ ایسے ادارے اس طرح تشکیل دیئے جاتے ہیں کہ وہ معاشرے کے ایک حصے سے آمدنیوں اوردولت چھین کردوسرے حصے کوفائدہ پہنچانے کے لئے دے دیتے ہیں۔

MashalBooks.org

خوشحالی کے محرکات

اشتمالی معاشی ادارے اشتمالی منڈیاں پیدا کرتے ہیں، جو نہ صرف لوگوں کو اس بات کی آزادی دیتی ہیں کہ وہ زندگی میں ان پیشوں کو اختیار کریں جو ان کی صلاحیتوں کے ساتھ بہترین لگا کھاتی ہوں، بلکہ انہیں ایسے ہموار میدان ہائے عمل مہیا کرتی ہیں جو انہیں ایسا کرنے کے مواقع مہیا کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو اچھے خیالات رکھتے ہیں، کاروبار شروع کرنے کے قابل ہوں گے، کارکن ان سرگرمیوں کی طرف جائیں گے جہاں ان کی پیداواریت زیادہ بہتر ہو، اور کم استعداد والی فرموں کی جگہ دوسری زیادہ استعداد والی فرمیں لائی جا سکتی ہیں۔ اس بات کا موازنہ کہ لوگ کس طرح اشتمالی منڈیوں میں اپنے پیشوں کا انتخاب کرتے ہیں، نوآبادیاتی پیرو اور بولیویا سے کیجئے، جہاں میٹا کے تحت بہت سے لوگوں کو چاندی اور پارے کی کانوں میں کام کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، قطع نظر ان کی مہارتوں یا اس بات کے کہ آیا وہ وہاں کام کرنا بھی چاہتے ہیں یا نہیں۔ جامع منڈیاں صرف آزاد منڈیاں نہیں ہوتیں۔ بارباڈوس میں بھی سترھویں صدی میں منڈیاں ہوتی تھیں، لیکن بالکل اسی طرح جس طرح اس کے ہاں حقوق ملکیت سب کے لئے نہیں بلکہ صرف اس محدود دکھیتوں کے مالک طبقہ علیا کیلئے ہوتے تھے۔ اس کی منڈیاں، دراصل ان معاشی اداروں کا ایک حصہ تھیں، جو منظّم طور پر لوگوں کی اکثریت پر جبر کرنے اور ان کو اپنے پیشے چننے کی صلاحیت سے محروم کرنے اور اس صلاحیت سے محروم کرنے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کا استعمال کیسے کریں، کا ایک آلہ کار تھیں۔

اشتمالی معاشی ادارے، خوشحالی کے دو اور محرکات کی راہ بھی ہموار کرتے ہیں؛ صنعتی علم اور تعلیم۔ مضبوط معاشی ترقی ہمیشہ ٹیکنالوجی کی ایسی ترقیوں کے ہمراہ ہوتی ہے، جو لوگوں، (کارکنوں) زمین، اور موجودہ سرمایہ (عمارات، موجود مشینیں وغیرہ وغیرہ) کو زیادہ پیداواری بننے کے قابل بناتی ہیں۔ ہمارے آباؤاجداد کے بارے میں ذرا سوچیئے، صرف ایک صدی پہلے، جن کی جہازوں، خودکار گاڑیوں، ادویات اور صحت کی دیکھ بھال جسے ہم اب عام ہونے کی وجہ سے خاطر میں نہیں لاتے تک کوئی رسائی نہ تھی۔ گھروں کے اندر پائپوں وغیرہ کے کام ایرکنڈیشننگ، خریداری کی بڑی بڑی دکانوں، ریڈیو یا متحرک تصاویر، کا تو ذکر ہی کیا؛ اور چند مزید

نسلیں پیچھے جائیں تو ٹیکنالوجی کے طریقوں کا علم اور معیارات زندگی مزید پسماندہ تھے، اس حد تک کہ ہم اس کا تصور کرنا بھی مشکل محسوس کریں گے کہ زیادہ تر لوگ زندہ رہنے کے لئے کتنی جدوجہد کرتے تھے۔ یہ ترقیاں سائنس اور ایڈیسن جیسے مہم جوؤں کی بدولت آئیں، جس نے سائنس کو نفع بخش کاروبار پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا۔ جدت طرازی کا یہ عمل ان معاشی اداروں کی وجہ سے ممکن ہوا، جو نجی ملکیت کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، معاہدات کی پاسداری کرتے ہیں، ہموار میدان عمل تخلیق کرتے ہیں، اور نئے کاروباروں کی آمد کو خوش آمدید کہتے ہیں، جو زندگی میں نئے صنعتی علوم لا سکتے ہیں، لہذا اس میں کوئی حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ یہ ریاستہائے متحدہ کا معاشرہ تھا، نا کہ میکسیکو یا پیرو کا۔ جس نے تھامس ایڈیسن کو پیدا کیا، اور یہ جنوبی کوریا تھا نا کہ شمالی کوریا، جس نے سام سنگ اور ہیونڈائی جیسی ٹیکنالوجی کے لحاظ سے جدت طراز کمپنیاں پیدا کیں۔

ٹیکنالوجی سے قریبی طور پر متعلق تعلیم، مہارتیں، قابلیتیں، اور طریق کار کا علم ہوں، جو اسکول میں گھر پر یا ملازمت میں حاصل کئے جاتے ہیں۔ آج ہم ایک صدی پہلے کی نسبت بہتر زیادہ پیداواری ہیں، صرف مشینوں کے اندر موجود بہتر ٹیکنالوجی کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس بہتر طریق کار کے علم کی وجہ سے بھی جو کارکن رکھتے ہیں، دنیا کی تمام ٹیکنالوجی کارکنوں کے اس کو استعمال کرنے کے علم کے بغیر بیکار ہوگی۔ لیکن مہارتوں اور قابلیتوں کا محض مشینوں کو چلانے کے علاوہ بھی بہت فائدہ ہے۔ یہ کارکن طبقے کی تعلیم اور مہارتیں ہیں، جو اس سائنسی علوم کو پیدا کرتی ہیں، جن پر ہماری ترقی کی بنیاد ہے، اور جو ان ٹیکنالوجیوں کا کاروبار کے مختلف میدانوں میں ڈھلنے اور اختیار کئے جانے کے قابل بناتے ہیں۔ اگرچہ ہم نے باب اول میں دیکھا کہ صنعتی انقلاب اور بعد کے بہت سے موجدین، تھامس ایڈیسن کی طرح، اعلی تعلیمافتہ نہ تھے، یہ ایجادات جدید ٹیکنالوجی کی نسبت بہت سادہ تھیں۔ آج کل ٹیکنالوجی، جینیاتی تبدیلی موجد اور کارکن دونوں کے لئے تعلیم کا تقاضا کرتی ہے۔ اور یہاں ہم ان معاشی اداروں کی اہمیت کو دیکھتے ہیں جو ایک ہموار میدان عمل پیدا کرتے ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ ہی بل گیٹس، سٹیو جابس (Steve Jobs) سرجی برن (Sergey Brin) لیری پیج (Lerry Page) اور جیف بزوس (Jeff Bezos) اور ان دوسرے سینکڑوں سائنسدانوں کو پیدا کرسکتا تھا یا غیرممالک سے اپنے ہاں کھینچ سکتا تھا، جنہوں نے انفرمیشن ٹیکنالوجی

MashalBooks.org

(معلومات کے صنعتی علم) جوہری طاقت، بائیوٹیک اور دوسرے میدانوں میں بنیادی دریافتیں کیں، جن پر ان کاروباری لوگوں نے اپنے کاروباروں کی بنیاد رکھی۔ صلاحیتوں کی رسد کو بروئے کار لایا جاتا تھا، کیونکہ ریاستہائے متحدہ میں بہت سے بالغ افراد ایسے ہیں جنہیں اتنی زیادہ تعلیم تک رسائی ہے جتنی وہ چاہیں یا جتنی حاصل کرنے کی ان کی استعداد ہو۔ اب ایک مختلف معاشرے کا تصور کریں، مثال کے طور پر کانگو یا ہیٹی کا، جہاں آبادی کے ایک بہت بڑے حصے کے لئے اسکول جانے کے کوئی ذرائع نہیں ہیں، یا جہاں، اگر وہ اسکول جانے کا بندوبست کر بھی لیں، تو تعلیم کا معیار افسوسناک ہے، جہاں اساتذہ کام کے لئے آتے ہی نہیں ہیں، یا اگر وہ آتے بھی ہیں، تو وہاں کتابیں نہیں ہوتیں۔

غریب ممالک میں تعلیم کے پست معیار کی وجہ وہ معاشی ادارے ہوتے ہیں جو والدین کے لئے اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کے محرکات پیدا کرنے میں ناکام رہتے ہیں، اور سیاسی ادارے ہیں جو حکومت کو اسکولوں اور والدین اور بچوں کی خواہشات کو تعمیر کرنے، مالی مدد مہیا کرنے، اور سہارا دینے پر آمادہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ قیمت جو یہ قومیں، اپنے لوگوں کو کم درجہ تعلیم دینے اور جامع منڈیوں کے فقدان کے لئے ادا کرتی ہیں، بہت زیادہ ہوتی ہے، وہ ان کے نوخیز جوہر کو متحرک کرنے میں ناکام رہتی ہیں۔ ان کے ہاں بہت سے پوشیدہ بل گیٹس اور غالباً ایک یا دو البرٹ آئین سٹائن ہوتے ہیں جو اس وقت غریب ان پڑھ کاشتکاروں کے طور پر کام کر رہے ہوتے ہیں، جو اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ کام کریں جو وہ نہیں کرنا چاہتے، یا انہیں جبری طور پر فوج میں بھرتی کر لیا جاتا ہے، کیونکہ ان کے ہاں زندگی میں اپنے پیشے کو سمجھنے کے مواقع ہی نہیں۔

معاشی اداروں کی، منڈیوں کے خفیہ امکانات کو بروئے کار لانے، ٹیکنالوجیاتی جدت طرازی کی حوصلہ افزائی کرتے، لوگوں میں سرمایہ کاری کرنے اور افراد کی بڑی تعداد کے جوہروں اور مہارتوں کو متحرک کرنے کی صلاحیت معاشی ترقی کے لئے انتہائی اہم ہے۔ اس بات کی توضیح کرنا، کہ اتنے زیادہ معاشی ادارے ان سادہ سے مقاصد کو حاصل کرنے میں کیوں ناکام رہتے ہیں، اس کتاب کا مرکزی موضوع ہے۔

استحصالی اور اشتمالی سیاسی ادارے

تمام معاشی ادارے معاشرے کی طرف سے تخلیق کئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر شمالی کوریا کے ادارے، اس کے شہریوں پر ان کمیونسٹوں کی طرف سے جبراً مسلط کئے گئے، جنہوں نے 1940 میں ملک کا انتظام سنبھال لیا تھا، جبکہ نوآبادیاتی لاطینی امریکہ کے ادارے، ہسپانوی فاتحین کی طرف سے نافذ کئے گئے۔ جنوبی کوریا نے شمال کی نسبت بہت مختلف معاشی اداروں کے ساتھ اختتام کیا، کیونکہ اس بارے میں کہ معاشرے کا ڈھانچہ کیسے بنایا جائے کا فیصلہ مختلف مفادات اور مقاصد والے لوگوں مختلف لوگوں نے کیا، دوسرے لفظوں میں جنوبی کوریا کی سیاست مختلف تھی۔

سیاست ایک ایسا عمل ہے، جس میں سے کوئی معاشرہ ان اصولوں کا انتخاب کرتا ہے جو اس پر حکمرانی کرتے ہیں، سیاست اداروں کو اس سادہ سی وجہ سے اپنے حصار میں لیتی ہے کہ جہاں جامع ادارے کسی قوم کی معاشی خوشحالی کے لئے اچھے ہو سکتے ہیں، وہیں پر کچھ لوگ یا گروپ، جیسا کہ شمالی کوریا کی کمیونسٹ پارٹی کا اونچا طبقہ، یا نوآبادیاتی بارباڈوس کے گنے کے کھیتوں کے مالک ایسے ادارے قائم کر کے جو استحصالی ہوں، بہت خوشحال ہو سکتے ہیں۔ جب اداروں میں کشمکش ہو، تو جو کچھ ہوتا ہے، اس کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ سیاست کے کھیل میں کون سے لوگ یا گروپ فتح حاصل کرتے ہیں۔ کون زیادہ حمایت حاصل کر سکتا ہے، اضافی وسائل حاصل کر سکتا ہے، اور زیادہ موثر اتحاد بنا سکتا ہے۔ مختصراً یہ کہ اب بات کا انحصار کہ کون جیتتا ہے، معاشرے میں سیاسی طاقت کی تقسیم پر منحصر ہے۔

کسی معاشرے کے سیاسی ادارے، اس کھیل کے نتیجے کے بنیادی تعین کار ہوتے ہیں۔

MashalBooks.org

وہی وہ اصول ہوتے ہیں جو سیاست میں محرکات کو قابو میں کرتے ہیں۔ وہ یہ تعین کرتے ہیں کہ حکومت کس طرح چنی جائے گی اور حکومت کے کس حصے کو کونسا کام کرنا ہوگا۔ سیاسی ادارے ہی یہ تعین کرتے ہیں کہ معاشرے میں طاقت کس کے پاس ہے اور یہ طاقت کن مقاصد کے لئے استعمال ہوسکتی ہے۔ اگر اقتدار کی تقسیم محدود دائرے میں اور لامحدود ہے، تو پھر تو سیاسی ادارے مطلق العنان ہیں، جیسا کہ پوری دنیا میں، تاریخ کے زیادہ تر حصے میں مطلق العنان بادشاہتیں حکومت کرتی رہی ہیں۔ مطلق العنان سیاسی اداروں کے تحت، جیسا کہ شمالی کوریا اور نوآبادیاتی لاطینی امریکا میں ہے، وہ لوگ جو اس اختیار کو استعمال کر سکتے ہیں، وہ ایسے ادارے بنانے کے قابل ہوتے ہیں جو خود انہیں امیر کرتے ہیں یا معاشرے کی قیمت پر ان کے اقتدار کو اور مضبوط کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں، وہ سیاسی ادارے جو اختیار کو معاشرے میں وسیع پیمانے پر تقسیم کرتے ہیں اور انہیں پابندیوں کے ماتحت کرتے ہیں وہ کثرت پسند ہوتے ہیں۔ بجائے ایک واحد فرد یا ایک محدود گروپ کے، اختیار ایک وسیع اتحاد یا گروپوں کی ایک کثیر تعداد کے پاس ہوتا ہے۔

واضح طور پر کثرت پسندی اور اشتمالی معاشی اداروں کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے، لیکن اس بات کو سمجھنے کی کنجی کہ جنوبی کوریا اور ریاستہائے متحدہ میں جامع معاشی ادارے کیوں ہیں محض ان کے کثرت پسند سیاسی ادارے نہیں ہیں، بلکہ ان کی خاصی حد تک مرکزیت کے حامل اور طاقتور ریاستیں بھی ہیں۔ ایک واضح موازنہ صومالیہ کی مشرقی افریقی ریاست کے ساتھ ہے، جیسا کہ ہم اس کتاب میں بعد میں دیکھیں گے، صومالیہ میں سیاسی اقتدار طویل عرصے سے وسیع پیمانے پر تقسیم شدہ ہے۔ بلاشبہ وہاں کوئی حقیقی حاکم نہیں ہے جو اس چیز کو جو کوئی بھی شخص کرتا ہے، کنٹرول کر سکے یا اس کی منظوری دے سکے۔ معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ گہری مخاصمت رکھنے والے قبیلوں میں بٹا ہوا ہے، جو ایک دوسرے پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ ایک قبیلے کی طاقت کو صرف کسی دوسرے قبیلے کی بندوقوں سے ہی روکا جا سکتا ہے۔ طاقت کی یہ تقسیم جامع اداروں کی طرف نہیں بلکہ انتشار کی طرف لے جاتی ہے، اور اس کی بنیادیں صومالی حکومت کی کسی قسم کی سیاسی مرکزیت کا فقدان، یا ریاست کی مرکزیت کا فقدان اور نظم وضبط کی تھوڑی سے تھوڑی مقدار کو بھی نافذ کر سکنے کی عدم صلاحیت ہے، جو معاشی سرگرمی، تجارت یا یہاں تک کہ اس کے شہریوں کے بنیادی تحفظ کے لئے ضروری ہے۔

میکس ویبر، جس سے ہم سابقہ باب میں ملے، نے ریاست کی مشہور ترین اور وسیع پیمانے پر تسلیم شدہ تعریف مہیا کی۔ اس کی پہچان معاشرے میں ''جائز تشدد کی اجارہ داری'' کے طور پر کراتے ہوئے۔ ایسی اجارہ داری اور مرکزیت کے اس درجے کے بغیر جو اس کا نتیجہ ہوتا ہے، ریاست نظم وضبط کی قوت نافذہ کا کردار ادا نہیں کر سکتی، چہ جائیکہ وہ عوامی خدمات مہیا کرے یا معاشی سرگرمی کو ابھارے اور اسے منظم کرے۔ جب ریاست تقریباً کسی قسم کی سیاسی مرکزیت حاصل کرنے میں ناکام رہتی ہے، تو معاشرہ جلد یا بدیر انتشار میں ڈوب جاتا ہے، جیسا کہ صومالیہ ڈوبا۔

ہم ایسے سیاسی اداروں کا حوالہ، جو تسلی بخش حد تک مرکزیت کے حامل اور کثرت پسند ہوتے ہیں، بطور جامع سیاسی اداروں کے دیں گے۔ جب ان میں سے کوئی ایک شرط پوری نہ ہو، تو ہم ایسے اداروں کا حوالہ بطور استحصالی اداروں کے دیتے ہیں۔

معاشی اور سیاسی اداروں کے درمیان مضبوط اتحاد عمل ہوتا ہے، استحصالی سیاسی ادارے ایک محدود طبقہ علیا کے ہاتھوں میں اختیارات کو مرتکز کر دیتے ہیں، اور اس اختیار کے استعمال پر بہت کم پابندیاں رکھتے ہیں، پھر اکثر معاشی اداروں کا ڈھانچہ اس طبقہ علیا کے ہاتھوں تیار کیا جاتا ہے، جو باقیماندہ معاشرے سے وسائل کو نچوڑتا ہے۔ لہذا، استحصالی معاشی ادارے فطری طور پر استحصالی سیاسی اداروں کی ہمراہی اختیار کرتے ہیں۔ درحقیقت انہیں فطری طور اپنی بقا پذیری کے لئے استحصالی سیاسی اداروں پر لازماً انحصار کرنا پڑتا ہے۔ جامع سیاسی ادارے جو اختیارات کو وسیع کر کے پھیلا دیتے ہیں۔ ایسے معاشی اداروں کو ختم کر دیتے ہیں، جو بہت سے لوگوں کے وسائل کا استحصال کرتے ہیں، داخلے پر رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں، اور منڈیوں کے کام کرنے کو دباتے ہیں تا کہ صرف چند لوگ فائدہ اٹھائیں۔

مثال کے طور پر بار باڈوس میں، غلاموں کے استحصال پر مبنی درخت لگانے کا نظام ایسے سیاسی اداروں کے بغیر پروان نہ چڑھ پاتا، جس نے غلاموں کو دبایا اور سیاسی عمل سے کلی طور پر خارج کر دیا۔ شمالی کوریا میں، لاکھوں لوگوں کو غریب کر کے ایک محدود کمیونسٹ طبقہ علیا کو فائدہ پہنچانے والا نظام بھی کمیونسٹ پارٹی کے مکمل سیاسی غلبے کے بغیر ناقابل تصور ہوتا۔

استحصالی معاشی اور سیاسی اداروں کے درمیان اتحاد عمل کا یہ تعلق ایک، ردعمل کے ایک مضبوط حلقے سے روشناس کرواتا ہے؛ سیاسی ادارے، سیاسی اقتدار رکھنے والے اونچے طبقے کے

MashalBooks.org

لوگوں کوایسے ادارے چننے کے قابل بناتے ہیں۔جن میں کوئی پابندیاں یا مخالف قوتیں نہ ہوں۔ وہ طبقہ علیا کومستقبل کے سیاسی ادارے اوران کے ارتقا کاڈھانچہ بنانے کے قابل بھی بناتے ہیں۔ جوابی طور پراستحصالی معاشی ادارے انہیں طبقہ ہائے علیا کوامیر بناتے ہیں،اوران کی معاشی دولت اوراقتداران کے سیاسی غلبے کومضبوط کرنے میں مدد کرتے ہیں۔مثال کے طور پر بارباڈوس اور لاطینی امریکہ میں نوآبادکاراپنی سیاسی طاقت کوایسے معاشی اداروں کا ایک سیٹ بنانے کے لئے استعمال کرنے کے قابل ہوگئے،جوباقیماندہ عوام کی قیمت پران کے لئے کثیر دولت طبقہ ہائے علیا کوسیاسی قوت کی اپنی مطلق العنان اجارہ داری کی حفاظت کیلئے فوجیں اورحفاظتی نفریاں بنانے کے قابل بناتے تھے۔نتیجہ بلاشبہ یہ ہے کہ استحصالی معاشی اور سیاسی ادارے ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں اورقائم رہنے کارجحان رکھتے ہیں۔

دراصل استحصالی معاشی اور سیاسی ادارون کے درمیان اتحاد کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے۔جب استحصالی سیاسی اداروں کے تحت موجودہ طبقہ ہائے علیا کوچیلنج کیاجاتا ہے اورنووارد کوئی بڑی تبدیلی پیدا کرتے ہیں،تو یہ نوواردیں بھی محض چند پابندیوں کے تابع ہوتے ہیں۔لہذا انہیں بھی انہی سیاسی اداروں اوراسی طرح کے معاشی اداروں کے سیٹ کوقائم رکھنے کی تحریک ملتی ہے، جیسا کہ میکسیکو میں انیسویں صدی کے اختتام پر پروفائریوڈیاز اوراس کے اردگرد کے اونچے طبقے کےلوگوں نے کیا۔

اس کے مقابلے میں اشتمالی معاشی ادارے،جامع سیاسی اداروں کی رکھی ہوئی بنیادوں پر تشکیل دیئے جاتے ہیں،جواختیارات کووسیع پیمانے پرتقسیم کردیتے ہیں،اوران کے من مانے استعمال کوروکتے ہیں،ایسے سیاسی ادارے دوسروں کے لئے بھی اقتدار کوغصب کرنے اور جامع اداروں کی بنیادوں کومنہدم کرنے کومشکل بنادیتے ہیں۔وہ لوگ جواقتدار پرحاوی ہوتے ہیں، اپنے فائدے کے لئے استحصالی معاشی ادارے بنانے کے لئے آسانی سے اسے استعمال نہیں کر سکتے۔جوابی طور پراشتمالی معاشی ادارے وسائل کی زیادہ منصفانہ تقسیم قائم کرتے ہیں اوراس طرح جامع سیاسی ادارون کے دوام میں سہولت مہیا کرتے ہیں۔

یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا کہ جب 1618 میں ورجینیا کمپنی نے،ان نوآبادکاروں کوزمین بھی دی اوراپنے ظالمانہ قوانین سے آزادی بھی دی،جن پروہ پہلے جبر کرنے کی کوشش کرتی رہی

تھی۔توآئندہ سال میں جنرل اسمبلی نے بھی نوآبادکاروں کواپنی حکومت بنانے کی اجازت دے دی۔سیاسی حقوق کے بغیر معاشی حقوق پرنوآبادکاورں کا اعتماد ہی نہ جمتا،جنھوں نے دیکھا تھا کہ ورجینیا کمپنی مسلسل انہیں اپنے تسلط میں رکھنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔نہ ہی یہ معیشتیں مستحکم اور پائیدار ہوتیں۔درحقیقت استحصالی اور جامع اداروں کا مرکب عمومی طور پرغیر مستحکم ہوتا ہے۔جامع سیاسی اداروں کے تحت استحصالی معاشی ادارے زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکتے۔جیسا کہ بارباڈوس کی ہماری بحث اشارہ کرتی ہے۔

اسی طرح جامع معاشی ادارے،استحصالی اسیاسی اداروں کی نہ تو کبھی حمایت کریں گے اور نہ ہی ان سے حمایت کئے جائیں گے۔یا تو وہ ان محدودلوگوں کے جو اقتدار کے مالک ہیں مفادات کی خاطر استحصالی اداروں میں تبدیل ہوجائیں گے،یاوہ معاشی حرکیت جووہ پیدا کریں گے،استحصالی سیاسی اداروں کوغیر مستحکم کردے گی۔اشتمالی سیاسی اداروں کے ابھرنے کے لئے راستہ کھول دے گی۔اشتمالی معاشی ادارے بھی ان مفادات کو جوطبقہ ہائے عُلیا استحصالی سیاسی اداروں پرحکومت کر کے حاصل کرتے ہیں کم کرنے کے رجحان رکھتے ہیں،کیونکہ ان اداروں کو منڈی میں مقابلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے،اوروہ بھی باقی ماندہ معاشرے کے معاہدات اورحقوق ملکیت کے پابند ہوجاتے ہیں۔

کیوں نہ ہمیشہ خوشحالی کا انتخاب کیا جائے؟

وہ سیاسی اور معاشی ادارے،جومعاشرے کا آخری انتخاب ہوتے ہیں،وہ یا تو اشتمالی ادارے ہوسکتے ہیں اوروہ معاشی ترقی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔یاوہ استحصالی ہوسکتے ہیں اور معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔قومیں اس وقت ناکام ہوتی ہیں جب ان کے ہاں استحصالی معاشی ادارے ہوں جن کی حمایت استحصالی سیاسی اداروں کی طرف سے کی جائے جو معاشی ترقی میں رکاوٹ بنتے ہیں بلکہ یہاں تک کہ اسے روک دیتے ہین،لیکن اس کا مطلب یہ ہے اداروں کا انتخاب۔یعنی اداروں کی سیاست۔قوموں کی کامیابی اورناکامی کے اسباب کوسمجھنے کی جستجو میں مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ کچھ معاشروں کی سیاست کیوں اشتمالی اداروں کے انتخاب پرمنتج ہوتی ہے جومعاشی ترقی کو پروان چڑھاتے ہیں،جبکہ پوری تاریخ میں

MashalBooks.org

معاشروں کی بڑی اکثریت نے ہمیشہ ایسے استحصالی اداروں کے انتخاب پر منتج ہوئی ہے، اور آج تک ہوتی رہی ہے، جو معاشی ترقی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

یہ بات واضح نظر آنی چاہیئے کہ ہر شخص کو ایسے معاشی ادارے بنانے میں دلچسپی ہونی چاہیئے جو خوشحالی لائیں۔ کیا ہر شہری ہر سیاستدان اور یہاں تک کہ قزاق بھی اپنے ملک کو ممکن حد تک خوشحال بنانا نہیں چاہے گا؟

آیئے کانگو کی سلطنت کی طرف واپس چلتے ہیں جس کا ذکر ہم نے پہلے کیا تھا۔ اگرچہ یہ ریاست سترھویں صدی میں مہندم ہوگئی، لیکن اس نے جدید ملک کے لئے ایک نام تجویز کر دیا، جو 1960 میں بلجیم کے سامراجی اقتدار سے آزاد ہوا۔ ایک آزاد ریاست کے طور پر کانگو تقریباً 1965 اور 1997 کے درمیان جوزف مبوتو (Josoph Mobuto) کے زیر حکومت تقریباً ایک مسلسل معاشی انحطاط اور بڑھتی ہوئی غربت کا شکار رہا۔ یہ زوال لارنٹ کبیلا (Laurent Kabila) کے ہاتھوں مبوتو کا تختہ الٹے جانے کے بعد بھی جاری رہا، مبوتو نے معاشی اداروں کا ایک انتہا درجے کا استحصالی سیٹ تیار کیا تھا۔ شہری غریب ہو گئے، لیکن مبوتو اور اونچے طبقے کے وہ لوگ جو اس کے اردگرد تھے۔ جنہیں ''بڑی سبزیاں'' (Grosses Legumes) کہا جاتا تھا، افسانوی حد تک امیر ہو گئے۔ مبوتو نے ملک کے شمال میں، اپنی جائے پیدائش گباڈولائٹ (Gbadolite) پر اپنے لیے ایک محل تعمیر کروایا، اور اس کے ساتھ ایک اتنا بڑا ہوائی اڈہ تعمیر کروایا جہاں ایک سپر سانک کنکارڈ جیٹ اتر سکتا تھا۔ یورپ میں اس نے قلعے خریدے، اور بلجیم کے دارالحکومت برسلز میں زمین کے بڑے بڑے قطعات اس کی ملکیت میں تھے۔

کیا یہ مُبوتو کے لئے بہتر نہ ہوتا کہ کہ ایسے معاشی ادارے قائم کرتا، جو کانگو کے لوگوں کی دولت میں اضافہ کرتے، بجائے ان کی غربت کو اور زیادہ گمبھیر بنانے کے؟۔ اگر مبوتو اپنی قوم کی خوشحالی میں اضافہ کرنے کا اہتمام کرتا، تو کیا وہ اور زیادہ دولت ہتھیانے کے قابل نہ ہوتا، کنکارڈ کو کرایہ پر لینے کی بجائے اس کے خریدنے کے قابل نہ ہوتا، اس کے پاس زیادہ قلعے اور محل نہ ہوتے، غالباً ایک زیادہ بڑی اور زیادہ طاقتور فوج نہ ہوتی،؟ بدقسمتی سے دنیا کے بہت سے ملکوں کے شہریوں کا جواب نہیں، میں ہوگا، معاشی ادارے جو معاشی ترقی کے محرکات پیدا کرتے ہیں، وہ بہ یک وقت آمدنی اور طاقت کی اس طرح سے دوبارہ تقسیم کرتے ہیں کہ ایک قزاق آمر اور

دوسرے سیاسی طاقت کے حامل لوگ غریب تر ہو جاتے ہیں۔

بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ، معاشی اداروں پر ہمیشہ لازمی طور پر تنازعات اور کشمکش ہوگی۔ مختلف اداروں کے کسی قوم کی خوشحالی کیلئے مختلف نتائج ہوتے ہیں، کیسے اس خوشحالی کی تقسیم ہوتی ہے، اور اختیار کس کے پاس ہے، وہ معاشی ترقی جو اداروں کی طرف سے پیدا کی جاتی ہے، جیتنے اور ہارنے والے دونوں پیدا کرتی ہے۔ یہ بات، انگلستان میں صنعتی انقلاب کے دوران واضح تھی، جس نے اس خوشحالی کی بنیادیں رکھیں جسے آج ہم دنیا کے امیر ممالک میں دیکھتے ہیں۔ یہ بھاپ کی طاقت، نقل وحمل اور کپڑے کی پیداوار میں اختراعی ٹیکنولوجیاتی تبدیلیوں پر مرکوز تھی۔ اگرچہ مشینی عمل نے مجموعی آمدنیوں میں زبردست اضافوں کی طرف رہنمائی کی، اور آخر کار جدید صنعتی معاشرے کی بنیاد بنا، لیکن بہت سے لوگوں کی طرف سے اس کی بڑی شدت سے مخالفت کی گئی۔ لاعلمی یا کوتاہ نظری کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ بالکل اس کے برعکس۔ بلکہ معاشی ترقی کی ایسی مخالفت میں اس کی اپنی، بدقسمتی سے مربوط اور واضح منطق ہوتی ہے۔ معاشی ترقی اور ٹیکنولوجیاتی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ہمیشہ وہ چیز آتی ہے، جسے عظیم معیشت دان جوزف سکمپیٹر (Joseph Schumpeter) نے تخلیقی تباہی کا نام دیا۔ یہ پرانی چیزوں کو تبدیل کر کے نئی لے آتی ہیں۔ نئے پرانوں سے ہٹ کے وسائل کو کھینچتے ہیں۔ نئی فرمیں، جمی ہوئی فرموں سے کاروبار چھین لیتی ہیں۔ نئی ٹیکنولوجیاں موجودہ مہارتوں اور مشینوں کو متروک کر دیتی ہیں، معاشی ترقی اور ان جامع اداروں کا عمل جن پر یہ مبنی ہوتی ہے، سیاسی میدان اور معاشی منڈی میں ہارنے اور ساتھ ہی ساتھ جیتنے والے بھی پیدا کرتے ہیں۔ تخلیقی تباہی کا خوف جامع معاشی اور سیاسی اداروں کے بارے میں اکثر مخالفت کی بنیاد میں ہوتا ہے۔

یوروپی تاریخ تخلیقی تباہی کی ایک واضح مثال پیش کرتی ہے۔ اٹھارویں صدی میں صنعتی انقلاب کے موقع پر، بہت سے یورپی ملکوں کی حکومتوں پر اشرافیہ کے لوگوں اور روایتی طبقہ ہائے علیا کا قبضہ تھا، جن کا آمدنی کا بڑا ذریعہ بڑی بڑی زمینداریوں اور ان تجارتی مراعات پر مشتمل تھا، جو انہیں عطا کی گئی اجارہ داریوں اور مقابلے پر ان پابندیوں کی وجہ سے حاصل تھیں جو حکمران لگاتے تھے۔ تخلیقی تباہی کی مطابقت میں، صنعتوں کارخانوں اور شہروں کا پھیلاؤ وسائل کو ملک سے دور لے جاتا تھا، زمینوں کے کرایوں کو کم کر دیتا تھا، اور ان معاوضوں کو بڑھا دیتا تھا جو مالکان زمین

MashalBooks.org

کواپنے کارکنوں کوادا کرنے ہوتے تھے۔ان طبقہ ہائے علیانے دیکھا کہ نئے کاروباری لوگوں اور تاجروں کا عروج ان کی تجارتی مراعات کوکم کر رہا تھا۔ بوجوہ کل وہ صنعت کاری کے ہاتھوں واضح طور پر معاشی شکست خوردگان تھے۔دیہاتوں کی شہروں میں تبدیلی اور سماجی طور پر باشعور متوسط اور کارکن طبقے کے ابھارنے بھی زمیندار اشرافیہ کی سیاسی اجارہ داری کو چیلنج کیا،لہذا صنعتی انقلاب کے ابھار کے ساتھ اشرافیہ محض معاشی طور پر ہی شکست خوردہ نہ تھی ، انہیں سیاسی طور پر شکست خوردگی کا خطرہ بھی تھا، سیاسی طاقت پر اپنی گرفت کھونے کا خطرہ۔اپنی معاشی اورسیاسی طاقت کو خطرے کی زد میں دیکھ کر، یہ طبقات علیا اکثر صنعت کاری کے خلاف بھیانک مخالفت اختیار کر لیتے تھے۔

صرف اشرافیہ ہی صنعتکاری کے ہاتھوں نقصان اٹھانے والی نہیں تھی۔کاریگروں نے بھی، جن کی ہاتھ کی مہارتوں کی جگہ مشینی عمل لے رہا تھا، اسی طرح صنعت کے فروغ کی مخالفت کی، بہت سے لوگ اس کے خلاف منظم ہو گئے، جو فساد مچا رہے تھے۔اوران مشینوں کوتباہ کر رہے تھے جنہیں وہ اپنے روزگار کے زوال کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔وہ لڈائیٹ (Luddites) تھے، ایک ایسا لفظ جوآج کل ٹیکنالوجیاتی تبدیلی کی مزاحمت کا مترادف بن گیا ہے، جان کے (John Kay) وہ انگریز جس نے 1733 میں فلائنگ شٹل ایجاد کی۔جو کہ بنائی کے مشینی عمل میں پہلی اہم ترقیوں میں سے ایک تھی، کا گھر 1753 میں لڈائٹس کے ہاتھوں جلا دیا گیا۔جیمز ہارگریوز (James Hargreaves)، جو کہ سپننگ جینی (Spinning Jenny) کا موجد تھا، جو کہ کاتنے کے عمل میں ایک تکمیلی انقلابی پیشرفت تھی، کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔

درحقیقت، صنعت کاری کی مخالفت میں کاریگر، مالکان زمین کی نسبت بہت کم موثر تھے۔ لڈائٹس کے پاس سیاسی طاقت نہیں تھی۔زمیندار اشرافیہ دوسرے گروپوں کے خلاف سیاسی نتائج پر اثر انداز ہونے کی طاقت انگلستان میں، صنعت کاری آگے بڑھتی گئی، لڈائٹس کی مخالفت کے باوجود، کیونکہ اشرافیہ کی مخالفت کو، اگرچہ حقیقی تھی، خاموش کر دیا گیا، آسٹروہنگرین اور روسی سلطنتوں میں، جہاں، مطلق العنان سرمایہ کاری کو روک دیا گیا، نتیجے کے طور پر آسٹروہنگری اور روس کی معیشتیں رک گئیں، وہ ان یورپی اقوام سے پیچھے رہ گئیں جہاں سترھویں صدی کے دوران معیشتوں کی ترقی تیزی سے آگے بڑھی۔

خصوصی گروپوں کی کامیابی یا ناکامی کے باوجود، ایک سبق واضح ہے؛ طاقتور گروپ اکثر

اوقات معاشی ترقی اور خوشحالی کے محرکات کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں،معاشی ترقی محض زیادہ اور بہتر مشینوں کا عمل نہیں ہے، اور نہ وہ زیادہ اور زیادہ تعلیم یافتہ لوگوں کا، بلکہ ایک تبدیل کنندہ اور غیر مستحکم کرنے کا عمل ہے، جو وسیع پیمانے پر تخلیقی تباہی سے جڑا ہوا ہے۔لہذا ترقی صرف اس وقت آگے بڑھتی ہے، اگر اسے ان معاشی خاسرین کی طرف سے، جو یہ پیش بینی کرتے ہیں کہ ان کی معاشی مراعات کھو جائیں گی، اور سیاسی خاسرین کی طرف سے جو یہ خوف رکھتے ہیں کہ ان کی سیاسی طاقت مٹادی جائے گی، روکا نہ جائے۔

محدود وسائل، آمدنی اور طاقت پر کشمکش، کھیل کے اصولوں اوران معاشی اداروں پر کشمکش بن جاتی ہے۔ جو معاشی سرگرمیوں کا اوراس بات کا تعین کرتے ہیں کہ ان سے کون فائدہ اٹھائے گا، جب کشمکش ہوتی ہے تو تمام فریقوں کی خواہشات بہ یک وقت پوری نہیں ہو سکتیں۔ کچھ لوگ شکست کھا جائیں گے اور مایوس ہو جائیں گے، اور دوسرے وہ نتائج حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو وہ چاہتے ہیں، یہ بات کہ اس کشمکش کے فاتح کون بنتے ہیں کسی قوم کی معاشی قوس پر بنیادی اثرات رکھتی ہے اگر وہ گروپ جو ترقی کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں جیت جاتے ہیں، تو وہ معاشی ترقی کامیابی سے روک سکتے ہیں، اور معیشت ساکن ہو جائے گی۔

اس بات کی منطق، کہ طاقتور لوگ لازماً کیوں نہیں چاہیں گے کہ وہ ایسے معاشی ادارے قائم کریں جو معاشی کامیابی کو فروغ دیں، آسانی سے سیاسی اداروں کے انتخاب تک پھیل جاتی ہے، ایک مطلق العنان حکومت میں کچھ اونچے طبقات ایسے ادارے قائم کرنے کے لئے اپنی طاقت لگا سکتے ہیں جنہیں وہ ترجیح دیتے ہیں۔کیا وہ سیاسی اداروں کو مزید کثرت پسند بنانے کے لئے تبدیل کرنے میں دلچسپی رکھیں گے؟ عمومی طور پر نہیں، کیونکہ یہ چیز ان کی سیاسی اداروں کو مزید کثرت پسند بنانے کے لئے تبدیل کرنے میں دلچسپی رکھیں گے؟ عمومی طور پر نہیں، کیونکہ یہ چیز ان کی سیاسی طاقت کو کمزور کر دے گی، جو چیز معاشی اداروں کواس طرح تشکیل دینے کو مشکل، یا شاید ناممکن بنا دے گی کہ وہ ان کے اپنے مفادات کو پروان چڑھائیں۔ یہاں ہم پھر تصادم کا ایک تیارشدہ ذریعہ دیکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو استحصالی معاشی اداروں کو تبدیل کریں گے اور طاقت کو معاشرے میں دوبارہ سے تقسیم کریں گے۔ان سیاسی اداروں کو تبدیل کرنے کا واحد ذریعہ طبقہ علیا کوزیادہ کثرت پسندانہ ادارے تخلیق کرنے پر مجبور کرنا ہے۔

MashalBooks.org

جس طرح کہ اس بات کی کوئی وجہ نہیں کہ سیاسی ادارے کیوں خود بخود کثرت پسند ہو جائیں گے، بالکل اسی طرح سیاسی مرکزیت پسندی کی طرف بھی کوئی فطری رجحان نہیں، یقیناً کسی معاشرے میں زیادہ مرکزیت پسند ریاستی ادارے قائم کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی محرکات ہونے چاہئیں، خاص طور پران معاشروں میں جن میں ایسی کوئی بھی مرکزیت پسندی نہ ہو۔ مثال کے طور پر صومالیہ میں، اگر ایک قبیلہ ایک ایسی مرکزی ریاست قائم کردے جو پورے ملک پر نظم ونسق قائم کرنے کے قابل ہو تو یہ چیز معاشی مفادات پر منتج ہوگی اور اس قبیلے کو امیر تر بنادے گی۔ اس چیز کو کیا چیز روکتی ہے؟ سیاسی مرکزیت میں بھی پھر وہی بنیادی رکاوٹ تبدیلی کا خوف ہے؛ کوئی بھی قبیلہ، گروپ یا سیاستدان جو ملک میں مرکزیت پیدا کرنے کی کوشش کررہا ہوگا، وہ اپنے ہاتھوں میں قوت کو مرتکز کررہا ہوگا، اور امکان ہے کہ اسے دوسرے قبیلوں گروپوں اور افراد کی طرف سے، جو اس عمل کے سیاسی خاسرین ہوں گے، غصے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مرکزیت کے فقدان کا مطلب صرف بہت بڑے علاقے میں نظم ونسق کا فقدان ہی نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہاں بہت سے ایسے اداکار ہوں گے جو معاملات کو روکنے یا الٹ پلٹ کرنے کی خاصی طاقت رکھتے ہوں گے، اور ان کی مخالفت اور پرتشدد ردعمل کا خوف بہت سے آنے والے مرکزیت پسندوں کو روک دے گا۔ سیاسی مرکزیت صرف اس صورت میں ممکن ہے، جب ایک گروپ دوسرے گروپوں کے مقابلے میں اتنا زیادہ طاقتور ہو کہ وہ ایک ریاست قائم کرسکے۔ صومالیہ میں طاقت ہموار طریقے سے متوازن ہے، اور کوئی ایک قبیلہ اپنی مرضی دوسرے پر نہیں تھونپ سکتا۔ لہذا سیاسی مرکزیت کا فقدان جاری ہے۔

کانگو کا طویل دُکھ

اس منطق کی وضاحت کرنے کے لئے کہ استحصالی اداروں کے ماتحت معاشی خوشحالی اتنی مستقل طور پر ناپید کیوں ہے یا استحصالی معاشی اور سیاسی اداروں کے مابین اتحاد عمل کی وضاحت کے لئے کانگو سے بہتر بہت کم مثالیں ہیں۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں وہاں آنے والے پرتگیزوں اور ڈچ لوگوں نے وہاں کی ''دردناک غربت'' پر تبصرے کئے ہیں۔ یوروپی معیارات کے مطابق صنعتی علم وہاں صرف ابتدائی تھا، اس طرح کہ کانگو والوں کے پاس نہ تحریر تھی، نہ پہیہ اور

نہ ہل۔ اس غربت اور کانگو کے بہتر ٹیکنولوجیوں کو اپنانے میں ہچکچانے کی وجہ جب انہوں نے ان کے بارے میں جان لیا، موجود تاریخی احوال سے واضح ہے۔ یہ وجہ، ملک کے معاشی اداروں کی استحصالی نوعیت تھی۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، کانگو کی سلطنت پر مبانزا میں بیٹھے ہوئے بادشاہ کی حکومت تھی، جو بعد میں ساؤ سیلویڈور کہلایا۔ دارالحکومت سے دور علاقوں پر طبقہ علیا کی حکومت تھی، جو سلطنت کے مختلف حصوں کے گورنروں کا کردار ادا کرتے تھے۔ اس طبقہ علیا کی دولت کا دارومدار، ساؤ سیلویڈور کے آس پاس غلاموں کے لگائے ہوئے پودوں پر اور باقیماندہ ملک سے جمع شدہ ٹیکسوں پر۔ غلامی معیشت میں مرکزی حیثیت رکھتی تھی، جسے طبقہ علیا اپنے پودوں اور یورپیوں کی طرف سے لگائے گئے پودوں کو ساحل پر پہنچانے کا کام لیتے تھے، ٹیکس جابرانہ تھے؛ ایک ٹیکس تو ہر وقت ہی جمع کیا جاتا تھا، جب بھی بادشاہ کی ٹوپی گرجاتی۔ زیادہ خوشحال ہونے کے لئے کانگو کے لوگوں کو بچت اور سرمایہ کاری کرنا پڑتی تھی۔ مثال کے طور پر ہل خریدکر۔ لیکن یہ محنت کا صحیح پھل نہ تھا، کیونکہ کوئی بھی زائد پیداوار جو وہ بہتر ٹیکنالوجی کا استعمال کرکے پیدا کرتے، وہ بادشاہ اور اس کے طبقہ علیا کی طرف سے غصب کا شکار ہوجاتی تھی۔ بجائے اپنی پیداوار بڑھانے اور اسے منڈی میں بیچنے کے، کانگو کے لوگ اپنے گاؤں کو منڈی سے دور لے جاتے تھے؛ وہ سڑکوں سے اتنا دور جانے کو کوشش کرتے تھے جتنا کہ وہ جاسکتے، تاکہ وہ لوٹ مار کے خطرے سے بچ سکیں اور غلاموں کے تاجروں کو دسترس سے بچ جائیں۔

لہذا، کانگو کی غربت ان استحصالی معاشی اداروں کا نتیجہ تھی، جو خوشحالی کے تمام محرکات کو روکے ہوئے تھے، بلکہ ان کو الٹ سمت میں کام کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ کانگو کی حکومت اپنے شہریوں کو بہت ہی کم عوامی خدمات مہیا کرتی تھی، یہاں تک کہ بنیادی خدمات تک بھی نہیں، جیسا کہ محفوظ ملکیت یا امن وامان۔ اس کے برعکس خود حکومت رعایا کے حقوق ملکیت اور انسانی حقوق کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھی۔ غلامی کے ادارے کا مطلب یہ تھا کہ سب سے بنیادی منڈی، ایک جامع محنت کشوں کی منڈی جہاں لوگ اپنے پیشوں یا ملازمتوں کا انتخاب کرسکیں، ایسے انداز سے جو ایک خوشحال معیشت کے لئے انتہائی اہم ہوتے ہیں، اپنا وجود نہ رکھتی تھی۔ علاوہ ازیں طویل فاصلوں کی تجارت اور تاجرانہ سرگرمیاں صرف بادشاہ کے قبضے میں تھیں اور صرف ان لوگوں

MashalBooks.org

کے لئے کھلی تھیں جو اس کے ساتھ وابستہ تھے۔ اگرچہ طبقہ علیا کے لوگ، پرتگیزوں کے تحریر کو متعارف کروانے کے بعد تیزی سے خواندہ ہو گئے، لیکن بادشاہ نے عام لوگوں کو خواندہ بنانے کے لئے کوئی کوشش نہ کی۔

اس کے باوجود کہ اگرچہ، دردناک غربت'' وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی تھی، لیکن کانگو کے استحصالی اداروں کی اپنی معصوم منطق تھی: وہ صرف چند لوگوں کو جن کے پاس سیاسی طاقت ہوتی تھی بہت امیر بناتے تھے۔ سولھویں صدی میں کانگو کا بادشاہ اور اشرافیہ یورپ کی اشیائے تعیش منگوا سکتے تھے اور نوکروں اور ملازموں کے حلقے میں رہتے تھے۔

کانگو کے معاشرے کی معاشی اداروں کی جڑیں معاشرے میں سیاسی طاقت کی تقسیم سے اور اس طرح سے سیاسی اداروں کی نوعیت سے، پھوٹتی تھیں۔ بادشاہ کو بغاوت کے خطرے کے علاوہ کوئی چیز لوگوں کے مال اور جانیں لینے سے نہیں روک سکتی تھی۔ اگرچہ یہ خطرہ حقیقی تھا لیکن یہ لوگوں یا ان کی دولت کو بچانے کے لئے کافی نہ تھا۔ کانگو کے سیاسی ادارے حقیقتاً مطلق العنان تھے، جو بادشاہ اور اس کے طبقہ علیا کو بالکل بھی کسی پابندی کا تابع نہیں بناتے تھے، اور یہ عوام الناس کو معاشرے کو منظم کرنے کے طریقے میں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔

MashalBooks.org

بلاشبہ، یہ سمجھنا آسان ہے کہ کانگو کے سیاسی ادارے نمایاں طور پر ان جامع سیاسی اداروں سے مختلف ہیں جہاں طاقت پر پابندی لگائی جاتی ہے اور اسے وسیع پیمانے پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ کانگو کے مطلق العنان اداروں کو فوج نے اس جگہ پر رکھا ہوا تھا۔ بادشاہ کے پاس سترھویں صدی کے وسط میں پانچ ہزار جوانوں کی فوج تھی، جس میں مرکزی حصہ ایک پانچ سو تیر اندازوں کا تھا۔ جو اپنے وقت کے لحاظ سے ایک دہشت انگیز فوج تھی۔ اس طرح یہ سمجھنا آسان ہے کہ بادشاہ اور اشرافیہ نے اس قدر بے تابی سے یورپی آتشیں اسلحہ کو کیوں اختیار کیا۔

اداروں کے اس سیٹ کے تحت کسی مستقبل معاشی ترقی کا کوئی امکان نہ تھا، بلکہ عارضی ترقی پیدا کرنے کے لئے محرکات بھی انتہائی محدود تھے، معاشی اداروں میں اصلاح کر کے انفرادی حقوق ملکیت کو بہتر کرنا کانگو کے معاشرے کو وسیع پیمانے پر زیادہ خوشحال بنا سکتا تھا۔ لیکن اس وسیع تر خوشحالی سے بڑے طبقے کے فائدہ اٹھانے کا امکان بہت کم تھا۔ اول ایسی اصلاحات اونچے طبقے کو معاشی خاسرین بنا دیتیں۔ اس دولت کو تباہ کرتے ہوئے، جو غلاموں کی تجارت اور غلاموں

کے پورے انہیں مہیا کرتے تھے۔ دوم، ایسی اصلاحات صرف اس وقت ممکن ہوتیں جب بادشاہ اور اس کے طبقہ علیا کی سیاسی طاقت کم کی جاتی۔ مثال کے طور پر، اگر بادشاہ اپنے پانچ سو تیر اندازوں کی کمان کرنا جاری رکھتا، تو اس اعلان پر کون یقین کرتا کہ غلامی کو ختم کر دیا گیا ہے؟ بعد میں بادشاہ کو اپنا ذہن بدلنے سے کیا چیز روکتی؟ واحد حقیقی ضمانت سیاسی اداروں میں تبدیلی ہوتی، تا کہ شہری وزن برابر کرنے کے لئے سیاسی طاقت حاصل کر سکتے، انہیں ٹیکس لگانے یا اس کام میں جو تیز انداز انجام دیتے تھے، کچھ اہمیت دے کر۔ لیکن اس صورت میں یہ بات مشکوک ہے کہ بادشاہ اور اس کے مصاحبین کے اخراجات اور انداز زیست کو قائم رکھنا ان کی ترجیحات کی فہرست میں اوپر اوپر ہوتا۔ اس منظرنامے میں، وہ تبدیلیاں جو معاشرے میں بہتر معاشی ادارے پیدا کرتیں۔

پانچ سو سال پہلے، معاشی اور سیاسی اداروں کا تعامل یہ سمجھنے کیلئے کہ جدید کانگو کی ریاست آج بھی دردناک حد تک غریب کیوں ہے، ابھی تک برمحل ہے۔ انیسویں صدی میں ''افریقہ کیلئے چھینا جھپٹی'' کے وقت اس علاقے میں اور مزید آگے دریائے کانگو کے طاس میں یورپی راج کا آغاز، انسانی اور ملکیتی حقوق کی اس سے بھی زیادہ قبیح طریقے سے عدم تحفظ پر منتج ہوا۔ جو قبل سامراج کانگو کا خاصہ تھی۔ مزید برآں، اس نے سیاسی مطلق العنانی کے استحصالی اداروں کو دوبارہ زندہ کر دیا، جو عوام کی قیمت پر چند لوگوں کو طاقتور اور امیر بناتے تھے، اگرچہ وہ ''چند'' بیلجیئن نو آباد کار تھے، سب سے زیادہ قابل ذکر بادشاہ لیو پولڈ دوم (King Leopold II)۔

جب کانگو 1960 میں آزاد ہوا، تو معاشی اداروں، محرکات اور کارکردگی کے اسی نمونے نے دوبارہ اپنی نمود کی۔ کانگو کے ان استحصالی معاشی اداروں کی حمایت پھر انتہا درجے کے استحصالی سیاسی اداروں نے کی۔ صورت حال اور خراب ہو گئی کیونکہ یورپی سامراج نے ایک ریاست 'کانگو' قائم کی، جو بہت سے قبل سامراج کی ریاستوں اور معاشروں سے بنائی گئی، جن پر کنساشا سے چلائی جانے والی قومی ریاست کا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ اگرچہ صدر موبوتو نے ریاست کو، خود کو اور اپنے قریبی دوستوں کو امیر بنانے کے لئے استعمال کیا۔ مثال کے طور پر 1973 کے زائرین سازی پروگرام کے ذریعے، جس میں غیر ملکی معاشی مفادات کی بڑے پیمانے پر سلب ونہب شامل تھی۔ اس کی صدارت ایک غیر مرکزیت ریاست پر تھی اور اس کا ملک کے بہت سے حصے پر کوئی اختیار ہی نہیں تھا، اور 1960 کی دہائی میں کٹنگا اور کسائی کے صوبوں کی علیحدگی کو روکنے کے لئے

اسے غیر ملکی مدد کی اپیل کرنا پڑی۔ مرکزیت کا یہ فقدان، تقریباً ریاست کے مکمل انہدام تک پہنچا ہوا، ایک ایسی خصوصیت ہے، جو جس میں کانگو بہت سے زیریں صحارائی افریقہ کے ممالک کے ساتھ شریک ہے۔

جدید کانگو کی جمہوری ریاست، غربت ہے، کیونکہ اس کے شہری ابھی تک ان معاشی اداروں سے محروم ہیں، جو کہ وہ بنیادی محرکات پیدا کرتے ہیں، جو معاشرے کو خوشحال بناتے ہیں، یہ جغرافیہ، ثقافت یا اس کے شہریوں یا سیاستدانوں کی جہالت نہیں ہے جس نے کانگو کو غریب رکھا ہوا ہے، بلکہ اس کے استحصالی معاشی ادارے ہیں۔ یہ ابھی تک اپنی جگہ پر قائم ہیں، ان تمام صدیوں کے بعد، کیونکہ سیاسی طاقت ایک محدود اونچے طبقے کے ہاتھوں میں مرکوز ہے، جس کے پاس عوام کیلئے محفوظ حقوق ملکیت کو عام کرنے، وہ بنیادی عوامی خدمات مہیا کرنے جو زندگی کے معیار کو بہتر بنائے، یا معاشی ترقی کی حوصلہ افزائی کرنے کا کوئی محرک نہیں ہے، بلکہ ان کی دلچسپیاں آمدنی کو ہتھیانے اور اپنی طاقت کو قائم رکھنے میں ہیں، انہوں نے اس طاقت کو ایک مرکز مائل ریاست بنانے کے لئے استعمال نہیں کیا، کیونکہ ایسا کرنا، مخالفت اور سیاسی چیلنجوں کا وہی پیدا کر دیتا، جو معاشی ترقی کرتی۔ مزید برآں، جیسا کہ باقیماندہ زیریں صحارائی افریقہ کے بہت سے حصے میں ہے، استحصالی اداروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنے والے مخالف گروپوں کی طرف سے پیدا کردہ اندرونی کشمکش نے، ریاست مرکزیانے کے کسی ایسے رجحان کو بھی جو موجود تھا۔ تباہ کر دیا۔

سلطنت کانگو کی تاریخ اور زیادہ حال کی کانگو کی تاریخ، واضح طور پر اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ کس طرح سیاسی ادارے معاشی اداروں کا تعین کرتے ہیں، اور ان کے ذریعے معاشی محرکات اور معاشی ترقی کے دائرہ کار کا تعین کرتے ہیں، یہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ کس طرح سیاسی مطلق العنانیت اور ایسے معاشی اداروں میں علامتی تعلق ہوتا ہے، جو بہت سے لوگوں کی قیمت پر چند لوگوں کو دولت اور طاقت عطا کرتے ہیں۔

استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی

آج کل کانگو، لاقانونیت اور انتہائی غیر محفوظ حقوق، ملکیت کی ایک انتہائی مثال ہے۔ تاہم

زیادہ تر صورتوں میں ایسی انتہا پسندی طبقہ علیا کے مفادات کو پورا نہیں کرے گی، کیونکہ یہ تمام معاشی محرکات کو ختم کر دے گی اور بہت کم وسائل پیدا کرے گی جن کا استحصال کیا جا سکے۔ اس کتاب کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ معاشی ترقی اور خوشحالی جامع معاشی اور سیاسی اداروں کے ساتھ وابستہ ہے، بلکہ استحصالی ادارے خاص انداز سے جمود اور غربت پر منتج ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ استحصالی ادارے کبھی بھی ترقی کو جنم نہیں دیتے، نا ہی یہ کہ تمام استحصالی ادارے برابر پیدا ہوئے ہیں۔

دو ایک دوسرے سے علیحدہ، لیکن ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے طریقے ایسے ہیں، جن سے استحصالی اداروں کے تحت ترقی ابھر سکتی ہے۔ اول، خواہ معاشی ادارے استحصالی ہوں، لیکن پھر بھی ترقی ممکن ہے، بشرطیکہ طبقہ علیا کے لوگ اعلیٰ پیداواری سرگرمیوں کے لئے، جنہیں وہ خود ہی کنٹرول کریں، براہ راست وسائل مختص کریں، استحصالی اداروں کے تحت، اس قسم کی ترقی کی ایک نمایاں مثال، سولھویں اور اٹھارویں صدیوں کے درمیان، کریبین جزیرے تھے، زیادہ تر لوگ غلام تھے، جو شجر زاروں میں تکلیف دہ حالات میں کام کرتے تھے، اور بمشکل گزارے سے اوپر کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بارباڈوس، کیوبا، ہیٹی اور جمائیکا میں سترھویں اور اٹھارویں صدیوں میں ایک چھوٹی سی اقلیت، شجرکاری کا مالک طبقہ علیا، تمام سیاسی طاقت پر قابض تھا، اور غلاموں سمیت تمام اثاثوں کا مالک تھا۔ جبکہ اکثریت کے کوئی حقوق نہ تھے، شجرکار اشرافیہ کی جائیداد اور اثاثے تمام بالکل محفوظ تھے۔ استحصالی معاشی اداروں کے باوجود، جو عوام کی اکثریت کا وحشیانہ طور ہر استحصال کرتے تھے، یہ جزائر، دنیا کے امیر ترین مقامات میں سے تھے، کیونکہ وہ چینی پیدا کر سکتے۔ اور اسے دنیا کی منڈیوں میں فروخت کر سکتے تھے۔ ان جزائر کی معیشت صرف اس وقت جمود کا شکار ہوئی، جب نئی معاشی سرگرمیوں کی طرف منتقل ہونے کی ضرورت تھی، جو شجرکار طبقہ علیا کی آمدنیوں اور سیاسی طاقت کے لئے خطرہ تھیں۔

ایک دوسری مثال، سوویٹ یونین کی 1928 میں پہلے پانچ سالہ منصوبے سے 1970 کی دہائی تک کی معاشی ترقی اور صنعتکاری ہے۔ سیاسی اور معاشی ادارے انتہائی استحصالی تھے، اور منڈیاں شدید پابندیوں کے ماتحت تھیں۔ اس کے باوجود، سوویٹ یونین تیز معاشی ترقی حاصل کرنے کے قابل ہو گیا کیونکہ یہ ریاست کے وسائل کو زراعت سے، جہاں وہ نااہلی سے استعمال

MashalBooks.org

ہوتے تھے۔صنعت میں منتقل کرنے کے قابل ہوگیا۔

استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی کی دوسری قسم، اس وقت ابھرتی ہے، جب ادارے، کسی حد تک، اگر چہ مکمل طور پر نہیں، جامع معاشی اداروں کو ترقی کی اجازت دیتے ہیں۔استحصالی سیاسی اداروں کے حامل بہت سے معاشرے، جامع معاشی اداروں سے تخلیقی تباہی کے ڈر کی وجہ سے، گھبرا جاتے ہیں۔لیکن مختلف معاشروں میں، طاقت پر اجارہ داری طبقہ علیا کی طاقت مختلف ہوتی ہے، کہ وہ جامع معاشی اداروں کی طرف تحرک کی اجازت دے سکتے ہیں، جب انہیں یقین ہو کہ یہ ان کی سیاسی طاقت کے لئے خطرہ نہیں بنے گا۔اس کے متبادل کے طور پر، تاریخی صورت حال ایسی ہوسکتی ہے، جو کہ استحصالی سیاسی حکومت کو نسبتاً جامع معاشی اداروں سے سرفراز کردے، جنہیں نہ وہ روکنے کا فیصلہ کریں۔یہ چیز ایک دوسرا راستہ مہیا کرتی ہے، جس میں استحصالی اداروں کے تحت ترقی واقع ہوسکتی ہے۔

جنوبی کوریا کی، جنرل پارک کے تحت تیز صنعتکاری ایک مثال ہے۔پارک فوجی انقلاب کے ذریعے 1961 میں اقتدار میں آیا، لیکن اس نے ایسا کام معاشرے میں کیا جسے ریاستہائے متحدہ کی بھاری حمایت حاصل تھی، اور وہ ایک ایسی معیشت کا حامل تھا، جہاں معاشی ادارے لازمی طور پر جامع تھے، اگر چہ پارک کی حکومت آمرانہ تھی، لیکن اس نے معاشی ترقی شروع کرنے کے لئے اپنے آپ کو خاصا محفوظ محسوس کیا۔اور درحقیقت بہت چستی سے ایسا کیا۔غالباً جزوی طور پر اس وجہ سے کہ یہ حکومت براہ راست طور پر استحصالی معاشی اداروں کے سہارے پر نہیں تھی۔سوویٹ یونین اور دوسری بہت سی مثالوں کے برخلاف، جن میں استحصالی اداروں کے تحت معاشی ترقی ہوئی، جنوبی کوریا 1980 کی دہائی میں استحصالی سیاسی اداروں سے جامع سیاسی اداروں کی طرف منتقل ہوگیا۔یہ کامیاب منتقلی مختلف عوامل کے اتصال سے ہوئی۔

1970 کی دہائی تک، جنوبی کوریا میں معاشی ادارے اس حد تک جامع ہو چکے تھے کہ انہوں نے استحصالی سیاسی اداروں کے لئے ایک مضبوط بنیادی دلیل کو کم کردیا۔معاشی طبقہ علیا کو سیاست پر اپنے یا فوجی تسلط سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔جنوبی کوریا میں نسبتاً آمدنیوں کی مساوات کا مطلب یہ بھی تھا کہ طبقہ علیا کو تکثیریت اور جمہوریت سے بہت کم خائف ہونے کی ضرورت تھی۔ریاستہائے متحدہ کا بنیادی اثر، شمالی کوریا کی طرف سے خطرے کے پیش نظر، کا مطلب بھی یہ تھا کہ

مضبوط جمہوری تحریک جو فوجی آمریت کو چیلنج کر رہی تھی، کو اب زیادہ عرصے تک دبایا نہیں جاسکتا تھا۔اگر چہ 1979 میں جنرل پارک کے قتل کے بعد ایک اور فوجی بغاوت ہوئی، جس کی قیادت چن ڈو ہوان (Chan Doo-hwan) نے کی، لیکن چن ڈھوان کے جانشین روہ تائے وُو (Roh Tae-Woo) نے سیاسی اصلاحات کا ایک عمل شروع کیا، جو 1992 کے بعد ایک تکثیریت پسند جمہوریت پر منتج ہوا۔بلاشبہ، اس قسم کی کوئی تبدیلی سوویٹ یونین میں واقع نہیں ہوئی۔نتیجۃً، سوویٹ ترقی کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور 1980 کی دہائی میں معیشت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگی، اور 1990 کی دہائی میں بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

آج، چین کی معاشی ترقی میں بھی سوویٹ یونین اور جنوبی کوریا، دونوں کے تجربات کے ساتھ متعدد مشترکہ چیزیں ہیں۔جبکہ چینی ترقی کے ابتدائی مراحل میں پیش روی زرعی شعبے میں انقلابی منڈی کی اصلاحات سے ہوئی، صنعتی شعبے میں اصلاحات زیادہ تر خاموش رہیں، آج بھی، ریاست اور کمیونسٹ پارٹی یہ فیصلہ کرنے میں بنیادی کردار کی حامل ہیں، کہ کون سے شعبوں اور کون سی کمپنیوں کو زائد سرمایہ دیا جائے گا اور وہ وسعت اختیار کریں گی۔اور اس عمل میں مقدر بنائیں اور بگاڑیں گی۔جیسا کہ سوویٹ یونین میں اس کے عروج کے دنوں میں تھا، چین بھی تیزی سے ترقی کر رہا ہے، لیکن یہ اب بھی استحصالی اداروں کے ماتحت ترقی ہے، ریاست کے کنڑول کے تحت، جس میں جامع سیاسی اداروں کی طرف تبدیلی کے کوئی آثار نہیں۔یہ حقیقت کہ چین کے معاشی ادارے ابھی تک مکمل طور پر جامع ہونے سے دور ہیں، اس بات کی نشاندہی بھی کرتی ہے کہ جنوبی کوریا کی طرز کی تبدیلی کا امکان کم ہے، اگر چہ یقیناً ناممکن نہیں ہے۔

یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ سیاسی مرکزیت ان دونوں طریقوں کے لئے بنیادی چیز ہے، جن میں استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی ہوسکتی ہے۔ایک درجے کی سیاسی مرکزیت کے بغیر شجر کاری اشرافیہ بارباڈوس، کیوبا، ہیٹی اور جمائیکا میں، امن وامان قائم نہ رکھ سکتی، اور اپنے ہی اثاثوں اور جائیداد کی حفاظت نہ کرسکتی۔ایک بامعنی مرکزیت اور سیاسی طاقت پر ایک مضبوط گرفت کے بغیر، نہ تو جنوبی کوریا فوجی اشرافیہ نہ ہی چینی کمیونسٹ پارٹی، اپنے آپ کو اتنا محفوظ محسوس کرتیں، کہ وہ اہم معاشی اصلاحات بھی کرتیں اور پھر بھی اقتدار سے چمٹی رہ سکتیں، اور ایسی مرکزیت کے بغیر سوویٹ یونین یا چین میں ریاست معاشی سرگرمی کو اتنا مربوط کرسکتی کہ وسائل کا

MashalBooks.org

رخ اعلیٰ پیداواری شعبوں کی طرف کر سکتی۔ لہٰذا استحصالی سیاسی اداروں کے درمیان ایک بڑا تقسیمی خط، ان کی سیاسی مرکزیت کا درجہ ہے۔ وہ جن کے پاس یہ نہیں ہے، جیسا کہ زیریں صحارائی افریقہ میں بہت سے ممالک محدود ترقی کو حاصل کرنے کو بھی مشکل محسوس کریں گے۔

اگر چہ استحصالی ادارے کچھ نہ کچھ ترقی کو پروان چڑھا سکتے ہیں، لیکن عموماً وہ پائیدار معاشی ترقی پیدا نہیں کر سکتے، اور یقیناً ایسی ترقی پیدا نہیں کر سکتے جو تخلیقی تباہی کے ہمراہ ہوتی ہے، جب معاشی اور سیاسی دونوں قسم کے ادارے استحصالی ہوں، تو تخلیقی تباہی اور ٹیکنولوجیاتی تبدیلی کے لئے محرکات نہیں ہوں گے۔ تھوڑی دیر کے لئے ریاست، وسائل اور عوام کو آمرانہ فرمان کے ذریعے مختص کر کے تیز معاشی ترقی پیدا کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ لیکن یہ عمل فطری طور پر محدود ہے۔ جب وہ حدیں چھو لی جاتی ہیں تو ترقی رک جاتی ہے، جیسا کہ 1970 کی دہائی میں سوویٹ یونین نے تیز معاشی ترقی حاصل کر لی تھی، زیادہ تر معیشت میں بہت کم ٹیکنولوجیاتی ترقی تھی، اگر چہ فوج میں بہت زیادہ وسائل انڈیل کر وہ فوجی ٹیکنالوجیوں کو ترقی دینے، اور تھوڑے عرصے کے لئے خلائی اور جوہری دوڑ میں ریاستہائے متحدہ سے بھی آگے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن تخلیقی تباہی کے بغیر اور وسیع البنیاد ٹیکنالوجیاتی جدت طرازی کے بغیر پائیدار نہ تھی اور اچانک ہی ختم ہو گئی۔

علاوہ ازیں، وہ انتظامات جو استحصالی سیاسی اداروں کے تحت معاشی ترقی کو سہارا دیتے ہیں، اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہی نازک ہوتے ہیں۔ وہ اس اندرونی کشمکش کی وجہ سے ہی جو خود کئے جا سکتے ہیں۔ درحقیقت استحصالی سیاسی اور معاشی ادارے اندرونی کشمکش کیلئے ایک عام رجحان پیدا کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ دولت اور طاقت کو ایک محدود طبقہ علیا پر غالب رکھے تو پھر وہی طبقہ علیا ہوں گے جو اس دولت اور طاقت سے فائدہ اٹھا رہے ہوں گے، نتیجتاً جیسا کہ رومن ایمپائر اور مایا شہروں کے اواخر میں ان کے انہدام کی بحث یہ واضح کرے گی۔ کل ریاست پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے لڑائی پنہاں ہوتی ہے، اور یہ وقتاً فوقتاً شدید ہو جاتی ہے، اور ان حکومتوں کے خاتمے کا سبب بن جاتی ہے، کیونکہ یہ خانہ جنگی میں، اور بعض اوقات ریاست کی مکمل ناکامی اور انہدام میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ خواہ ایک معاشرہ استحصالی اداروں کے تحت ابتدائی طور پر کسی حد تک مرکزیت حاصل بھی کر لے، تو بھی یہ قائم نہیں رہے گی، درحقیقت، استحصالی اداروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اندرونی کشاکش اکثر اوقات خانہ جنگی اور

لاقانونیت پر منتج ہوتی ہے، جو اپنے اندر ریاستی مرکزیت کی مسلسل عدم موجودگی کو لپیٹے ہوئے ہوتی ہے، جیسا کہ بہت سی زیریں صحارائی افریقی اقوام میں اور کچھ لاطینی امریکی اور جنوبی ایشائی اقوام میں ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ، جب ترقی استحصالی سیاسی اداروں کے تحت آتی ہے، لیکن جہاں معاشی ادارے جامع پہلو رکھتے ہیں، جیسا کہ جنوبی کوریا میں تھا، وہاں ہمیشہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ معاشی ادارے زیادہ استحصالی ہو جائیں اور ترقی رک جائے۔ وہ لوگ جو سیاسی طاقت پر حاوی ہوتے ہیں، آخر کار اس بات کو زیادہ فائدہ مند پائیں گے کہ وہ اپنی طاقت کو مقابلے کو محدود کرنے، سموسے کے اپنے حصے کو بڑھانے، اور دوسروں کو لوٹنے اور چرانے کے لئے استعمال کریں، بجائے معاشی ترقی کو سہارا دینے کے۔ طاقت کی تقسیم اور طاقت کو استعمال کرنے کی صلاحیت آخر کار معاشی ترقی کی بنیادوں کو ہی منہدم دیں گے، جب تک کہ سیاسی ادارے استحصالی سے جامع اداروں میں تبدیل نہ ہوں۔

MashalBooks.org

4

چھوٹے اختلافات اور اہم موڑ

تاریخ کا وزن۔ وہ دنیا جو طاعون نے پیدا کی

1346 میں، گلٹی دار طاعون، کالی موت، بحر اسود پر دریائے ڈان کے دہانے پر ٹانا کے بندرگاہی شہر میں پہنچ گئی۔ چوہوں پر پلنے والے پسوؤں کے ذریعے منتقل ہو کر یہ طاعون، چین سے، شاہراہ ریشم (پر سفر کرنے والے) جو کہ بین الیشیائی عظیم تجارتی راستہ تھا، پر سفر کرنے والے تاجروں کے ہاتھوں لایا گیا، جینوائی تاجروں کی وجہ سے، یہ چوہے جلد ہی پسوؤں اور طاعون کو ٹانا سے بحیرہ روم تک پھیلا رہے تھے۔ 1347 تک یہ طاعون قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ 1348 کے موسم بہار میں یہ فرانس اور شمالی افریقہ سے ہوتا ہوا اٹلی کے (بوٹ کی شکل کے) ملک تک پھیل گیا۔ اس طاعون نے جہاں جہاں بھی حملہ کیا اس نے تقریباً نصف آبادی کو مٹا دیا۔ اٹلی کے شہر فلورنس میں اس کی آمد کا ذاتی مشاہدہ اطالوی لکھاری جیووانی بوکیچیو کی طرف سے کیا گیا۔ بعد میں اس نے اس کا ذکر کیا:

اس کے حملے کے سامنے انسان کی تمام دانش اور زیرکی بیکار تھی۔۔۔ یہ طاعون خوفناک اور غیر معمولی طریقے سے شروع ہوا اور اس نے اپنے تباہ کن اثرات ظاہر کئے۔ اس نے وہ شکل اختیار نہ کی جو اس نے مشرق میں اختیار کی تھی۔ جہاں اگر کسی شخص کی ناک میں خون بہتا تو یہ یقینی موت کی واضح پیشگوئی تھی۔ اس کے برعکس اس کی اولین علامت جانگھ یا بغل میں کسی قسم کی سوجن کا ظاہر ہونا تھی، جن میں سے بعض انڈے کی شکل کی ہوتی تھیں جبکہ کچھ دوسری لگ بھگ ایک

سیب کے حجم کی ہوتی تھیں۔۔۔ بعد میں بیماری کی یہ علامتیں تبدیل ہو جاتی تھیں، اور بہت سے لوگوں کے بازوؤں، رانوں اور جسم کے دوسرے حصوں پر سیاہ چھالے اور خراشیں ظاہر ہو جاتی تھیں۔۔۔ ان بیماریوں کے خلاف۔۔۔ ڈاکٹروں کے تمام مشورے اور طب کی تمام طاقت بے فائدہ اور بے کار تھیں۔۔۔ اور زیادہ تر صورتوں میں ان علامتوں کے ظاہر ہونے، جو ہم نے بیان کی ہیں، کے تین دن کے اندر اندر موت واقع ہو جاتی تھی۔

انگلستان میں لوگوں کو معلوم ہوا کہ طاعون ان کی طرف آ رہا ہے اور وہ سب آنے والی تباہی سے باخبر تھے۔ 1348 میں اگست کے وسط میں، بادشاہ ایڈورڈ سوم نے کینٹر بری کے لاٹ پادری سے کہا کہ وہ دعاؤں کا اہتمام کریں، اور بہت سے اسقفوں نے پادریوں کے لئے خطوط لکھے کہ وہ انہیں گرجا میں پڑھیں تاکہ لوگوں کی چیز سے نمٹنے میں مدد کریں جو ان پر حملہ آور ہونے والی تھی۔ باتھ کے اسقف (بشپ) شریوبری کے رالف (Ralph) نے اپنے پادریوں کو لکھا:۔

اللہ تعالیٰ گرج، چمک (کذا) اور دوسرے جھٹکوں کو، جو اس کے تخت سے جاری ہوتے ہیں، اپنے ان بیٹوں کو سزا دینے کے لئے، جنہیں وہ گناہ اور ذلت سے بچانا چاہتا ہے، استعمال کرتا ہے۔ لہذا، چونکہ ایک تباہ کن وبا مشرق سے ہمسایہ سلطنت میں وارد ہو چکی ہے، اس بات کا بہتر امکان ہے کہ، جب تک ہم خلوص سے اور مسلسل عبادت نہ کریں، تو ایسی ہی وبا اپنی زہریلی شاخیں اس سلطنت میں بھی پھیلا دے گی، اور باشندوں پر حملہ کرے گی اور انہیں ختم کر ڈالے گی۔ لہذا ہم سب کو مالک کے حضور آنا چاہئے، اعتراف گناہ کرتے ہوئے، اور مقدس گیت گاتے ہوئے۔

اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا طاعون نے حملہ کیا اور تیزی سے انگلستان کی تقریباً آدھی آبادی کو ہڑپ کر لیا۔ ایسے مصائب کا معاشرے کے اداروں پر بہت بڑا اثر ہو سکتا ہے۔ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ بیسیوں لوگ پاگل ہو گئے۔ بوکیچیو نے لکھا کہ ”کچھ لوگوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ اس خوفناک برائی کو دور رکھنے کا ایک پکا طریقہ، ڈٹ کے شراب پینا، زندگی سے بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہونا، جب بھی موقع ملے اپنی تمام خواہشات کو پورا کرنا، اور اس مصیبت کو ایک بڑا مذاق سمجھ کر جھٹک دینا تھا۔۔۔ اور یہی اس بات کی توجیہہ ہے کہ، آنے والے دور میں، وہ عورتیں جو اس سے صحت مند ہو گئیں کیوں کم عفت پرور تھیں۔“ لیکن طاعون کا قرون وسطیٰ کے یورپی معاشروں پر ایک سماجی، معاشی اور سیاسی طور پر تبدیلی کا اثر بھی ہوا۔

MashalBooks.org

چودھویں صدی کے آغاز میں، یورپ میں ایک جاگیردارانہ نظام تھا، معاشرے کی وہ تنظیم جو سلطنت روما کی تباہی کے بعد مغربی یورپ میں سب سے پہلے ابھری۔ یہ ایک سلسلہ مراتب پر مبنی، بادشاہ اور اس کے تحت نوابوں کے درمیان تعلق تھا، جس میں کسان سب سے نیچے تھے۔ بادشاہ زمینوں کا مالک تھا اور وہ اسے فوجی خدمات کے عوض نوابوں کو عطا کرتا تھا۔ پھر یہ نواب اس زمین کو کسانوں کو دیتے تھے۔ جس کے بدلے میں کسانوں کو بغیر معاوضہ محنت انجام دینا پڑتی تھی اور وہ بہت سے جرمانوں اور ٹیکسوں کے زیر بار ہوتے تھے۔ وہ کسان، جنہیں ان کے غلامانہ درجے کی وجہ سے کہا جاتا تھا، زمین سے بندھے ہوئے ہوتے تھے۔ جو اپنے نواب کی اجازت کے بغیر کہیں بھی نقل وحرکت نہیں کر سکتے تھے۔ جو نہ صرف نواب تھا، بلکہ جج پنچایت اور پولیس کی جمعیت تھی۔ یہ ایک انتہائی استحصالی نظام تھا، جس میں دولت کا بہاؤ اوپر کی طرف تھا، بہت سے کسانوں سے چند نوابوں تک۔

محنت کشوں کی بڑے پیمانے پر قلت نے، جو طاعون سے پیدا ہوئی تھی، جاگیردارانہ نظام کی بنیادیں ہلا دیں، اس نے کسانوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ یہ مطالبہ کریں کہ چیزیں تبدیل ہوں۔ مثال کے طور پر خانہء راہبان میں، کسانوں نے یہ مطالبہ کیا کہ بہت سے جرمانوں اور بے معاوضہ محنت کشی کو کم کیا جائے۔ جو کچھ وہ چاہتے تھے، انہوں نے حاصل کر لیا، اور ان کا نیا معاہدہ اس بیان سے شروع ہوا؛ موت یا وبا کے وقت، جو 1349 میں واقع ہوئی، حویلی میں بمشکل دو مزارعے باقی رہ گئے، اور انہوں نے بھی چھوڑ جانے کا اپنا ارادہ ظاہر کیا، جب تک کہ ایٹن کے بھائی نکولس، جو اس وقت صدر راہب اور حویلی کے مالک تھے، ان کے ساتھ نیا معاہدہ نہ کرلیں۔ اس نے نیا معاہدہ کرلیا۔

جو کچھ ابن شیم میں واقع ہوا وہ ہر جگہ ہی واقع ہونے لگا۔ کسانوں نے اپنے آپ کو لازمی محنت کشی کی خدمات سے اور اپنے نوابوں کے لئے ذمہ داریوں سے آزاد کروانا شروع کر دیا۔ معاوضے بڑھنے لگے۔ حکومت نے اس کو روکنے کی کوشش کی، اور 1351 میں محنت کشوں کا قانون منظور کیا جس کا آغاز یوں ہوا؛

چونکہ اس وبا میں لوگوں کا اور خاص طور پر محنت کشوں اور ملازموں کا بہت بڑا حصہ موت کے منہ میں چلا گیا ہے، لہٰذا کچھ لوگ نے اپنے مالکوں کی مشکلات اور ملازمین کی قلت کو دیکھ کر،

اس وقت تک خدمات انجام دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، جب تک انہیں زیادہ معاوضہ نہیں دیا جاتا۔۔۔۔ ہم نے، ان شدید تکالیف کو دیکھتے ہوئے جو خاص طور پر ہل چلانے والے اور ایسے ہی محنت کشوں کی کمی سے پیش آسکتی ہیں۔۔۔۔ یہ حکم دینا مناسب خیال کیا ہے؛ کہ ہماری انگلستان کی بادشاہت کا ہر مرد اور ہر عورت۔۔۔ اس شخص کی خدمت کرنے کا پابند ہوگا، جس نے اس کی جستجو کرنے کو مناسب سمجھا ہو؛ اور وہ صرف معاوضہ خوراک اور پوشاک، انعام یا تنخواہ لے گا، جو کہ ان جگہوں پر جہاں وہ خدمت کرنے کی تلاش میں تھے، انگلستان کی حکومت کے ہمارے عہد کے بیسویں سال میں ادا کئے جاتے تھے، (بادشاہ ایڈورڈ سوم) کا اگلے پانچ یا چھ عام سال (365 دن کا سال) جو اس سے پہلے آئیں۔

حقیقت میں، اس قانون نے معاوضوں کو کالی موت سے پہلے ادا کئے جانے والے معاوضوں کی سطح پر رکھنے کی کوشش کی۔ انگریز طبقہ علیا کیلئے خاص دلچسپی کی چیز ''ترغیب'' تھی، یعنی ایک نواب کی طرف سے دوسرے نواب کے قلیل کسانوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش۔ اس کا حل آجر کی مرضی کے بغیر اجیر کے ملازمت چھوڑنے کی سزا قید مقرر کرنا تھا۔

اگر گندم کاٹنے والا یا گھاس کاٹنے والا یا کوئی دوسرا کارکن یا ملازم، خواہ وہ کسی مرتبے یا حیثیت کا ہو، جو کسی شخص کی ملازمت میں رکھا ہوا ہے، اپنی ملازمت، معاہدہ شدہ مدت کے خاتمے سے پہلے چھوڑ دیتا ہے، بغیر اجازت کے یا معقول وجہ کے، وہ قید کی سزا پائے گا، اور کسی بھی شخص کو۔۔۔۔ مزید برآں کسی کو انعام یا تنخواہ میں سے زیادہ معاوضہ انعام یا تنخواہ ادا کرنے کی اجازت دینے کا اختیار نہ ہے، جو کہی گئی ہے۔

انگلستان کی ریاست کی، کالی موت کے جلو میں آنے والے اداروں اور معاوضوں کو روکنے کی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ 1381 میں کسانوں کی بغاوت پھوٹ پڑی، اور باغیوں نے واٹ ٹائلر (Wat Tyler) کی قیادت میں، لندن کے زیادہ تر حصے پر قبضہ بھی کر لیا، اگرچہ آخر کار انہیں شکست ہوگئی، ٹائیلر کو پھانسی دے دی گئی، لیکن محنت کشوں کے قانون کو نافذ کرنے کے کوئی مزید کوشش نہ ہوئی۔ جاگیردارانہ محنت کشوں کی خدمات دم توڑ گئیں، ایک جامع محنت کشوں کی منڈی انگلستان میں ابھرنا شروع ہوگئی، اور معاوضوں میں اضافہ ہوگیا۔

یوں لگتا ہے کہ طاعون نے تقریباً دنیا کے بہت سے حصے پر حملہ کیا، اور ہر جگہ آبادی کا ایک

MashalBooks.org

جیسا حصہ ہی تباہی کی نذر ہو گیا۔ لہذا مشرقی یورپ میں بھی آبادیاتی اثر اتنا ہی تھا جیسا کہ انگلستان اور مغربی یورپ میں۔ رو بہ عمل سماجی اور معاشی قوتیں بھی ایک ہی تھیں، محنت کش کم تھے اور لوگ زیادہ آزادیوں کا مطالبہ کر رہے تھے۔ لیکن مشرق میں، ایک زیادہ متضاد کام کر رہی تھی، کم لوگوں کا مطلب محنت کی جامع منڈی میں زیادہ معاوضہ جاتا تھا۔ لیکن اس چیز نے نوابوں کو محنت کی منڈی کو استحصالی اور کسانوں کو غلام رکھنے کے لئے ایک زیادہ بڑا محرک دیا۔ انگلستان میں بھی یہی جذبہ محرکہ کام کر رہا تھا۔ جیسا کہ محنت کشوں کے قانون سے عکاسی ہوتی ہے۔ لیکن کارکنوں کے پاس اتنی طاقت تھی کہ انہوں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا، مشرقی یورپ میں ایسا نہیں تھا۔ طاعون کے بعد، مشرقی نوابوں نے زمین کے بڑے بڑے قطعات خریدنا شروع کر دیئے اور اپنی زمینداریوں کو وسیع کرنا شروع کر دیا، جو پہلے ہی مغربی یورپ کی زمینداریوں سے بڑی تھیں، شہر کمزور تر اور کم گنجان تھے، اور کارکنوں نے بجائے زیادہ آزاد ہونے کے اپنی پہلے سے موجود آزادیوں کو بھی تجاوزات کا شکار ہوتے دیکھا۔

اس کے اثرات خاص طور پر 1500 کے بعد واضح ہوئے، جب مغربی یورپ نے زرعی اشیا جیسا کہ گندم، دیوگندم اور مال مویشی، جو کہ مشرق میں پیدا ہوتے تھے کی طلب کرنا شروع کی۔ ایمسٹرڈیم میں درآمد ہونے والی دیوگندم کا اسی فیصد ایلب (Elbe) وسٹولا (Vistula) اور دیارئے اوڈر (Oder) کی وادیوں سے آتا تھا۔ جلد ہی نیدر لینڈز کی بھرپور تجارت کا نصف مشرقی یورپ کے ساتھ تھا۔ جب مغربی طلب بڑھ گئی تو مشرقی رُؤسا، نے محنت کشوں کی نفری پر اپنی گرفت کو سخت کر دیا تاکہ وہ اپنی رسد کو بڑھا سکیں۔ اسے کسانوں کی دوسری غلامی کہا جانے لگا، جو ابتدائی قرونِ وسطیٰ کی اصلی شکل سے واضح اور زیادہ شدید تھی۔ نوابوں نے ان ٹیکسوں کو جو انہوں نے مزارعوں کے اپنے قطعات زمین پر لگائے تھے بڑھا دیا، اور مجموعی پیداوار کا نصف لینے لگے۔ کورک زائن (Korczyn) پولینڈ میں نواب کے تمام کام پر 1533 میں ادائیگی کی جاتی تھی۔ لیکن 1600 تک تقریباً نصف محنت جبری اور بغیر معاوضے کے تھی۔ 1500 میں مشرقی جرمنی میکلن برگ (Mecklenberg) میں، کارکن سال میں چند دن، اور 1600 تک ہفتے میں تین دن ہو گئی۔ کارکنوں کے بچوں کو، نواب کیلئے کئی سال تک مفت کام کرنا پڑتا تھا، ہنگری میں نوابوں نے 1514 میں زمین کا مکمل کنٹرول سنبھال لیا، اور ہر کارکن کے لئے ہفتے میں ایک دن کیلئے مفت

MashalBooks.org

خدمات کا قانون بنا دیا، 1550 میں اسے دو دن فی ہفتہ تک بڑھا دیا، صدی کے اختتام تک یہ تین دن ہو گیا، اس وقت تک پابند کھیت مزدور جوان ضابطور کے تحت تھے، دیہی آبادی کا 90 فیصد تھے۔

اگرچہ 1346 میں مغربی اور مشرقی یورپ میں، سیاسی اور معاشی اداروں کے حوالے سے بہت کم اختلافات تھے، لیکن 1600 تک وہ دونوں دو الگ الگ دنیائیں تھیں، مغرب میں کارکن جاگیردارانہ واجبات جرمانوں اور قوانین سے مبرا تھے، اور ایک زبردست ترقی کرتی ہوئی منڈی کی معیشت کا ایک اہم حصہ بن رہے تھے۔ مشرق میں بھی وہ ایسی ہی معیشت میں شامل تھے، لیکن مجبور پابند کسانوں کے طور پر، وہ خوراک اور زرعی اشیا پیدا کرتے ہوئے جن کی مغرب میں طلب تھی۔ یہ منڈی کی معیشت تھی۔ لیکن جامع معیشت نہ تھی۔ یہ اداراتی فرق ایک ایسی صورت حال کا نتیجہ تھا جہاں ان علاقوں کے درمیان ابتدائی طور پر اختلافات بہت چھوٹے نظر آتے تھے؛ مشرق میں نواب قدرے بہتر انداز میں منظّم تھے؛ ان کے قدرے زیادہ حقوق تھے اور زیادہ مستحکم زمینداریاں تھیں، شہر کمزور تر اور چھوٹے تھے۔ کسان کم منظّم تھے۔ تاریخ کی عظیم سکیم میں، یہ چھوٹے چھوٹے اختلافات تھے۔ لیکن مشرق اور مغرب کے درمیان یہ چھوٹے اختلافات، ان کی عوام اور اداراتی ترقی کے مستقبل کے راستے کے لئے بہت نتیجہ خیز ہو گئے، جب کالی موت کے ہاتھوں جاگیردارانہ نظام ہل کر رہ گیا۔

کالی موت، اہم موڑ کی ایک واضح مثال ہے، جو کہ ایک ایسا بڑا واقعہ ہے، یا عوامل کا نقطہ اتصال ہے، جو معاشرے میں موجودہ معاشی یا سیاسی توازن کو بگاڑ دیتے ہیں۔ ایک نازک موڑ ایک دو دھاری تلوار ہے، جو کسی قوم کی قوس میں ایک واضح موڑ کی وجہ بن سکتی ہے، ایک طرف یہ استحصالی اداروں کے چکر کو توڑنے کیلئے راستہ ہموار کر سکتا ہے، اور زیادہ جامع اداروں کو ابھرنے کے قابل بنا سکتا ہے، جیسا کہ انگلستان میں ہوا، یا یہ استحصالی اداروں کے ظہور کو اور شدید بنا سکتا ہے، جیسا کہ مشرقی یورپ میں پابند کسانوں کی دوسری غلامی کے ساتھ ہوا۔

اس بات کو سمجھنا کہ کس طرح تاریخ اور فیصلہ کن موڑ، معاشی اور سیاسی اداروں کو تشکیل دیتے ہیں، ہمیں خوشحال اور غربت کے درمیان اختلافات کی اصل کے بارے میں ایک زیادہ مکمل نظریہ حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے۔ مزید برآں، یہ ہمیں آج کل کے زمین کے خدوخال کی تنظیم کی توجیہہ کرنے کے اور اس بات کی توجیہہ کرنے کے قابل بناتا ہے کہ بعض قومیں معاشی اور

اشتمالی سیاسی اداروں کی طرف کیوں تبدیلی کرتی ہیں۔

اشتمالی اداروں کی تشکیل

انگلستان اقوام میں منفرد تھا، جب اس نے سترھویں صدی میں پائیدار معاشی ترقی کی طرف زبردست پیشرفت کی۔ بڑی بری معاشی تبدیلیوں سے پہلے ایک سیاسی انقلاب آیا جس نے منفرد سیاسی اور معاشی اداروں کے ایک سیٹ کو جنم دیا، جو کسی بھی سابقہ معاشرے کے اداروں کی نسبت کہیں زیادہ جامع تھا۔ ان اداروں کے بہت گہرے نتائج تھے۔ نہ صرف معاشی محرکات اور خوشحالی کیلئے بلکہ اس بات کے لئے بھی کہ معاشی خوشحالی کے فوائد کو سمیٹے گا۔ یہ اتفاق رائے پر مبنی نہ تھے۔ بلکہ مختلف گروہوں کی طاقت کیلئے شدید رسہ کشی کا نتیجہ ہے، جو دوسروں کی حاکمیت کا مقابلہ کرتے ہوئے اداروں کی ساخت اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سولھویں اور سترھویں صدی کی اداروں کی جدوجہد کا، نقطہ عروج دوسنگ میل واقعات تھے؛ 1641 اور 1651 کے درمیان انگریزی خانہ جنگی، اور خاص طور پر 1688 کا شاندار انقلاب (Glorious Revolution)۔

گلوریس ریوولیوشن (شاندار انقلاب) نے بادشاہ اور انتظامیہ کے اختیارات کو محدود کر دیا، اور معاشی اداروں کے تعین کرنے کا اختیار دوبارہ پارلیمان کو سونپ دیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ، اس نے سیاسی نظام کو معاشرے کے وسیع طبقات کیلئے کھلا کر دیا، جو ریاست کے کام کرنے کے طریقے پر خاصا اثر ڈال سکتے تھے۔ گلوریس ریوولیوشن تکثیریتی معاشرہ قائم کرنے کی بنیاد تھا، اور اس نے سیاسی مرکزیت کے عمل کی بنیاد رکھی اور اسے تیز کیا۔ اس نے دنیا کا پہلا جامع سیاسی اداروں کا ایک سیٹ پیدا کیا۔

نتیجے کے طور پر معاشی ادارے بھی زیادہ جامع ہونے لگے گئے۔ انگلستان میں سترھویں صدی کے آغاز میں نہ تو غلامی اور نہ ہی جاگیردارانہ قرونِ وسطیٰ کے دور کی معاشی پابندیاں، جیسا کہ کھیت مزدور کی غلامی، باقی رہیں۔

تاہم، ایسی معاشی سرگرمیوں پر، جن میں لوگ شریک ہو سکتے تھے بہت سے پابندیاں تھیں۔ ملکی اور بین الاقوامی معیشت دونوں، اجارہ داریوں کی وجہ سے بند ہوگئی تھیں، ریاست

جابرانہ ٹیکس لگانے میں مصروف تھی اور قانونی نظام کو اپنی مرضی سے استعمال کر رہی تھی۔ زیادہ تر زمین حقوق ملکیت کے پرانے طریقوں میں پھنسی ہوئی تھی، جنہوں نے ان کو بیچنا یا ان میں سرمایہ لگانا ناممکن بنا دیا تھا۔

گلوریس ریوولیوشن کے بعد یہ سب تبدیل ہو گیا، حکومت نے معاشی اداروں کے ایک سیٹ کو اختیار کر لیا، جو سرمایہ کاری، تجارت اور جدت طرازی کیلئے محرکات مہیا کرتا تھا۔ اس نے مستقل مزاجی سے حقوق ملکیت کو نافذ کیا، بشمول حقوق ملکیت دینے والے اجازت ناموں کے، اور اس طرح جدت طرازی کیلئے ایک بڑا محرک مہیا کر دیا، اس نے امن وامان کو تحفظ دیا۔ انگریزی قانون کا تمام شہریوں پر اطلاق تاریخی طور پر بے مثال تھا۔ جابرانہ ٹیکس کا نفاذ رک گیا اور اجارہ داریاں تقریباً مکمل طور پر ختم ہوگئیں۔ انگریز ریاست نے تجارتی سرگرمیوں کو جارحانہ طور پر پروان چڑھایا، اور ملکی صنعت کو فروغ دینے کے لئے کام کیا، نہ صرف صنعتی سرگرمیوں کی توسیع کے راستے میں رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے، بلکہ تجارتی مفادات کا دفاع کرنے کیلئے انگریزی بحریہ کو مکمل اختیارات دیتے ہوئے۔ حقوق ملکیت کو معقول بنا کر، اس نے بنیادی ڈھانچے کو تعمیر میں آسانیاں پیدا کیں، خاص طور پر سڑکوں، نہروں اور بعد میں ریلوے کی تعمیر میں، جو صنعتی ترقی میں بنیادی اہمیت کی حامل ثابت ہوئیں۔

ان بنیادوں نے، فیصلہ کن انداز سے لوگوں کیلئے محرکات کو بدل دیا اور خوشحالی کے انجنوں کو دھکیلا، اس طرح صنعتی انقلاب کا راستہ ہموار کرتے ہوئے۔ سب سے اول اور سب سے اہم، صنعتی انقلاب کا انحصار، اس علم کی بنیاد کو استعمال کرتے ہوئے بڑی ٹیکنولوجیاتی ترقیوں پر تھا۔ جو پچھلی صدیوں کے دوران یورپ میں جمع ہو گیا تھا۔ یہ ماضی سے یکسر انحراف تھا، جو سائنسی جستجو، اور متعدد منفرد افراد کی صلاحیتوں کی وجہ سے ممکن ہوا۔ اس انقلاب کی پوری قوت اس منڈی سے مہیا ہوئی جس نے ٹیکنولوجیوں کے لئے ترقی کرنے اور ان کا اطلاق کرنے کے لئے نفع بخش مواقع پیدا کئے۔ یہ منڈیوں کی جامع نوعیت تھی، جس نے لوگوں کیلئے کاروبار کے صحیح خطوط کیلئے اپنے جوہروں کو وقف کرنے کی گنجائش پیدا کی۔ اس کا انحصار تعلیم اور مہارتوں پر بھی تھا، کیونکہ یہ تعلیم کا نسبتاً اعلیٰ معیار تھا، کم از کم اپنے وقت کے معیار کے لحاظ سے، جس نے ایسے کاروباری لوگوں کے ظہور کو ممکن بنایا، جن کے اندر اپنے کاروباروں کے لئے نئی ٹیکنولوجیوں کو استعمال کرنے، اور ایسے

MashalBooks.org

کارکن تلاش کرنے کاادراک تھاجوان کواستعمال کرنے کی مہارتیں رکھتے ہوں۔

یہ محض ایک اتفاق نہیں ہے، کہ انگلستان میں صنعتی انقلاب گلوریس ریوولیوشن (شاندار انقلاب) سے چند دہائیوں کے بعد شروع ہوا۔ایسے موجد، جیسا کہ جیمز واٹ (James Watt) (بھاپ کے انجن کا تکمیل کنندہ) رچرڈ ٹریوی تھک (Richard Trevithick) (پہلے بھاپ کے انجن کا معمار)، رچرڈ آرک رائٹ (Richard Arkwright) (کاتنے والے سانچے کا موجد) اوراسام برڈ کنگڈم برونل (Isambard Kingdom Brunel) انقلابی دُخانی جہازوں کا خالق) ان معاشی مواقع سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہوئے، جوان کے تخلیقی خیالات نے پیدا کئے تھے۔ وہ پراعتماد تھے کہ ان کے ملکیتی حقوق کا احترام کیا جائے گا اوران کی دسترس ان منڈیوں تک تھی، جہاں ان کی ایجادات منافع بخش انداز سے بک سکتی تھیں اوراستعمال کی جاسکتی تھیں۔جیمز واٹ نے 1775 میں اس کے فوری بعد کہ دخانی انجن کیلئے اس کے اجازت نامہ کی تجدید ہوگئی ، جسے وہ اپنا ''فائرانجن'' (آتشیں انجن) کہتا تھا، اپنے باپ کولکھا:

پیارے ابّا جان،

بہت سی مختلف اورشدید مخالفتوں کے ایک سلسلے کے بعد مجھے آخرکار، پارلیمان کا منظورکردہ ایک قانون حاصل ہوگیا ہے، جومیرے نئے فائرانجنوں (آتشیں انجنوں) کے (حقوق) ملکیت پورے برطانیہ عظمیٰ اورنوآبادیات میں، آنے والے پچیس سالوں کے لئے مجھے اور میرے سپرد داروں کوتفویض کرتا ہے، جومیں امید کرتا ہوں، کہ میرے لئے بہت نفع مند ہوگا، کیونکہ پہلے ہی ان کے لئے خاصی طلب موجود ہے۔

یہ خط دو چیزوں کوظاہر کرتا ہے، اول واٹ نے منڈی کے ان مواقع سے، جن کی اس نے پیش بینی کی تھی، برطانیہ عظمیٰ میں اوراس کی نوآبادیات میں، یعنی انگریزوں کی سمندر پارنوآبادیات میں اس کی ''خاصی طلب'' سے ترغیب حاصل کی تھی، دوم، یہ ظاہر کرتا ہے کہ، وہ کس طرح پارلیمنٹ کو، وہ کچھ حاصل کرنے کے لئے جو کچھ وہ چاہتا تھا متاثر کرنے کے قابل ہوا، کیونکہ یہ افراداور موجدوں کی درخواستوں سے اثرپزیرہوتی تھی۔

ٹیکنولوجیاتی ترقیاں، کاروباروں کوپھیلانے اورسرمایہ کاری کرنے کا جذبہ محرکہ اورمہارتوں اورصلاحیتوں کا باصلاحیت استعمال، تمام ان جامع معاشی اداروں کی وجہ سے ممکن ہوئے تھے، جنہیں

انگلستان نے پروان چڑھایا تھا۔جوابی طور پر، یہ انگلستان کے سیاسی اداروں پراستوار ہوئے۔

انگلستان نے ان جامع سیاسی اداروں کودوعوامل کی وجہ سے پروان چڑھایا، اول، سیاسی ادارے تھے، بشمول ایک مرکز مائل ریاست کے، جس نے اسے اگلے انقلابی ۔۔ درحقیقت بے مثال، قدم اٹھانے کے قابل بنایا۔گلوریس ریوولیوشن کے آغاز کے ساتھ جامع اداروں کی طرف قدم، اگرچہ اس عامل نے انگلستان کودنیا کے بہت سے حصے سے ممتاز کردیا، لیکن اس نے اس کسی بامعنی طریقے سے مغربی یوروپی ممالک جیسا کہ فرانس اورسپین سے ممتاز نہ کیا، زیادہ اہم دوسرا عامل تھا۔ان وقعات نے جوگلوریس ریولیوشن پرمنتج ہوئے، ایک وسیع اورطاقتوراتحاد تشکیل دیا، جو بادشاہت اورانتظامیہ پرپائیدار پابندیاں لگانے کا اہل تھا، جواس اتحاد کے مطالبات کیلئے تیار ہونے پر مجبور تھے۔اس نے تکثیریتی سیاسی اداروں کیلئے بنیاد رکھی، جنہوں نے اس وقت ان اداروں کوترقی کے قابل بنایا، جنہوں نے پہلے صنعتی انقلاب کوسہارا دینا تھا۔

وہ چھوٹے اختلافات جواہم ہیں

عالمی عدم مساوات برطانوی، یا انگریزی صنعتی انقلاب کے ساتھ ڈرامائی طور پر بڑھ گئی، کیونکہ دنیا کے چند حصوں نے ان ایجادات اورنئی ٹیکنالوجیوں کواختیار کیا جوکہ آرک رائٹ اور واٹ جیسے لوگوں اور ان کی پیروی کرنے والے بہت سے لوگوں نے پروان چڑھائیں۔ٹیکنالوجیوں کی اس لہر کے بارے میں مختلف اقوام کا ردعمل، جس نے یہ تعین کیا کہ آیا وہ غربت کی گود میں اونگھتے رہیں گے یا پائیدار معاشری ترقی حاصل کریں گے، بڑی حد تک ان کے اداروں کے مختلف تاریخی راستوں سے تشکیل دیا گیا، اٹھارویں صدی کے وسط تک، پوری دنیا میں سیاسی اورمعاشی اداروں میں پہلے ہی قابل ذکر اختلافات تھے۔لیکن یہ اختلافات آئے کہاں سے تھے؟۔

1688 تک، انگریزی سیاسی ادارے زیادہ تکثریت کی طرف رواں دواں تھے، بمقابلہ ان اداروں کے جوفرانس اورسپین میں تھے۔لیکن اگر ہم وقت کے لحاظ سے ایک سوسال پیچھے کی طرف 1588 میں جائیں تو یہ اختلافات سکڑ کرتقریباً صفر ہوجاتے ہیں۔تمام کے تمام تینوں ممالک پرنسبتاً مطلق العنان بادشاہوں کی حکومت تھی۔انگلستان میں الزبتھ اول، سپین میں فلپ دوم، اورفرانس میں ہنری دوم۔تمام شہریوں کی اسمبلیوں سے نبردآزما تھے۔انگلستان میں پارلیمان، سپین میں دا

MashalBooks.org

کورتیز، اورفرانس میں ایسٹیٹس۔ جنرل(Estates-General)۔ جو بادشاہت سے زیادہ حقوق اورزیادہ کنٹرول کا مطالبہ کررہی تھیں، ان تمام اسمبلیوں کے اختیارات اوردائرہ ہائے کارقدرے مختلف تھے۔ مثال کے طور پر انگریزی پارلیمان اور ہسپانوی کورٹیز کوٹیکس لگانے پر اختیار حاصل تھا، جبکہ اسٹیٹس جنرل کونہیں تھا۔ سپین میں اس بات کی اہمیت بہت کم تھی، کیونکہ 1492 کے بعد ہسپانوی تاج کے پاس وسیع امریکی سلطنت تھی، اوروہ وہاں سے پائے جانے والے سونے اور چاندی سے وسیع طریقے سے فوائد حاصل کرتا تھا۔ انگلستان میں صورت حال مختلف تھی، الزبتھ اول مالی طور پر بہت کم خودمختار تھی۔ لہذا اسے زیادہ ٹیکسوں کیلئے پارلیمان سے درخواست کرنا پڑتی تھی۔ اس کے بدلے میں پارلیمان رعایات کا مطالبہ کرتی تھی۔ خاص طور پر الزبتھ کے اجارہ داریاں قائم کرنے کے حق پر پابندیوں کا۔ یہ ایک ایسی کشاکش تھی جس میں پارلیمان بتدریج کامیاب ہوگئی۔ سپین میں کورٹیز ایسی ہی کشاکش میں ہارگئی۔ تجارت پرصرف اجارہ داری قائم نہیں ہوئی: اس پراجارہ داری ہسپانوی بادشاہت کی طرف سے قائم کی گئی۔

یہ امتیازات، جو ابتدا میں چھوٹے محسوس ہوتے تھے۔ سترھویں صدی میں بہت زیادہ اہمیت اختیار کرگئے۔ اگرچہ امریکا1492 تک دریافت ہوچکے تھے، اورواسکوڈے گاما، کیپ آف گڈ ہوپ(Cape of Good Hope) افریقہ کے جنوبی کنارے پر چکر لگاتے ہوئے 1498 میں ہندوستان پہنچ چکا تھا، لیکن یہ صرف1600 کے بعد ہوا کہ عالمی تجارت کی بہت بڑی توسیع خاص طور پر بحراوقیانوس میں واقع ہونا شروع ہوئی۔ 1585 میں شمالی امریکا کی پہلی نوآبادیات سازی رونماوک، آج کل کے نارتھ کیرولائنا میں شروع ہوئی۔ 1600 میں انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی تشکیل ہوئی۔ 1602 میں اس کی تقلید میں ہالینڈ میں بھی ایسی ہی کمپنی وجود میں آئی۔ 1607 میں ورجینیا کمپنی کی طرف سے جیمز ٹاؤن کونوآبادی بنایا جارہا تھا، اس طرح کہ بارباڈوس پر 1627 میں قبضہ کیا گیا۔ فرانس بھی اوقیانوس میں وسعت اختیار کررہا تھا۔ اس نے 1608 میں نئے فرانس کے دارالحکومت کے طور پر کیوبک شہر کی بنیاد رکھی وہاں جسے اب کینڈا کہا جاتا ہے۔ اداروں کیلئے اس معاشی توسیع کے نتائج، چھوٹے چھوٹے ابتدائی اختلافات کی وجہ سے انگلستان کیلئے ہسپانیہ اور فرانس سے مختلف تھے۔

الزبتھ اول اوراس کے جانشین امریکاؤں کے ساتھ تجارت پراجارہ داری قائم نہ کرسکے۔

دوسرے یورپی بادشاہ ایسا کرسکتے تھے۔ پس جبکہ انگلستان میں اوقیانوس کی تجارت اورنوآبادیات سازی نے دولتمند تاجروں کے ایک ایسے بڑے گروپ کو تیار کرنا شروع کردیا، جن کے تاج سے بہت کم مراسم تھے، سپین اورفرانس میں اس کی مزاحمت کی اورسیاسی اداروں میں تبدیلی اورشاہی مراعات پر پابندیوں کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے انگریزی خانہ جنگی اورگلوریس ریولیوشن میں اہم کرداراداکیا۔ ایسی ہی کشاکشیں ہرجگہ واقع ہوئیں، مثال کے طور پرفرانسیسی بادشاہوں نے 1648 اور 1652 کے درمیان بغاوت کا سامنا کیا۔ فرق یہ تھا کہ انگلستان میں اس بات کا بہت زیادہ امکان تھا کہ مطلق العنانیت کے مخالفین جیت جائیں کیونکہ وہ نسبتاً امیر تھے اورسپین اورفرانس میں مطلق العنانیت کے مخالفین کے مقابلے میں تعداد میں بہت زیادہ تھے۔

سترھویں صدی میں، انگریز، فرانسیسی اور ہسپانوی معاشروں کے مختلف راستے، چھوٹے اداراتی اختلافات کے اہم موڑوں کے ساتھ باہمی تعامل کی وضاحت کرتے ہیں، اہم موڑوں کے دوران، کوئی بڑا واقعہ یاعوامل کا اجتماع، کسی قوم میں موجود سیاسی اورمعاشی طاقت کے توازن کو بگاڑ دیتا ہے۔ یہ صرف کسی واحد ملک کو متاثر کرسکتے ہیں، جیسا کہ 1976 میں چیئرمین ماؤزے تنگ کی موت، جس نے پہلے پہل صرف کمیونسٹ چین کے لئے ایک اہم موڑ پیدا کیا، تاہم، اکثر اوقات اہم موڑ معاشروں کے پورے سیٹ کو متاثر کرتے ہیں، ایسے ہی جیسے مثال کے طور پر نوآبادیات سازی اورپھرنوآبادیات شکنی نے زیادہ تر کرہ ارض کو متاثر کیا۔ ایسے اہم مراحل اس وجہ سے اہم ہیں کیونکہ بتدریج ترقیوں کے راستے میں بہت خوفناک رکاوٹیں ہوتی ہیں،؛ جو استحصالی سیاسی اورمعاشی اداروں کے درمیان اتحادعمل اوراس مدد سے جو وہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں کہ وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس ردعمل کے دائرے کا تسلسل ایک بدی کا دائرہ پیدا کرتا ہے وہ لوگ جو موجودہ صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہیں دولتمند اورخوب منظم ہوتے ہیں، اوران بڑی تبدیلیوں کا موثر طور پر مقابلہ کرسکتے ہیں جو ان کی معاشی مراعات اورسیاسی طاقت چھیننے کی طاقت رکھتی ہوں۔

جب بھی کوئی اہم مرحلہ آتا ہے، تو اہمیت رکھنے والے چھوٹے اختلافات وہ ابتدائی اداراتی اختلافات ہوتے ہیں، جو بہت سے مختلف ردعملوں کو حرکت میں لاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انگلستان فرانس اورسپین میں چھوٹے چھوٹے اداراتی اختلافات بنیادی طور پر ترقی کے مختلف راستوں پر منتج ہوئے۔ یہ راستے اس اہم موڑ کا نتیجہ تھے جو ان معاشی مواقع سے پیدا ہوئے جو

MashalBooks.org

اوقیانوس کی تجارت نے یورپیوں کو پیش کیئے۔

اگر چہ بڑے نازک مراحل کے دوران چھوٹے اداراتی اختلافات بھی اہمیت رکھتے ہیں، لیکن تمام اداراتی اختلافات چھوٹے نہیں ہوتے اور فطری طور پر، زیادہ بڑے اداراتی اختلافات ایسے مراحل پر اور بھی زیادہ مختلف نمونوں پر منتج ہوتے ہیں۔ اگر چہ انگلستان اور فرانس کے درمیاں 1588 میں اختلافات بہت بڑے تھے۔ مغرب میں مضبوط مرکزیت کی حامل ریاستیں۔ جیسا کہ انگلستان فرانس اور سپین کے ہاں خام آئینی ادارے تھے (پارلیمان، اسٹیٹس جنرل اور کورٹیز)۔ معاشی اداروں کی تہہ میں کارفرما مشابہتیں تھیں، جیسا کہ کاشتکاروں کی غلامی کا فقدان۔

مشرقی یورپ ایک مختلف معاملہ تھا۔ پولینڈ۔لتھوانیا کی سلطنت پر مثال کے طور پر، ایک زلاچٹا(szlachta) نامی ایک طبقہ علیا کی حکومت تھی، جو اس قدر طاقتور تھے کہ انہوں نے بادشاہوں تک کے انتخابات متعارف کروائے تھے۔ یہ لوئی چہاردہم، اور بادشاہ کے فرانس میں مطلق العنانیت کی طرح استحصالی سیاسی ادارے ایک جیسے تھے۔ زلاچٹا زیادہ تر ایک دیہاتی معاشرے پر حکومت کرتے تھے جس میں زیادہ تر کھیت کے پابند مزدور تھے، جن کے پاس نقل وحرکت کی کوئی آزادی یا معاشی مواقع نہ تھے۔ مزید مشرق میں، روسی شہنشاہ پیٹر اعظم بھی مطلق العنانیت کو مستحکم کر رہا تھا، جو لوئی چہاردہم کی مطلق العنانیت سے بھی زیادہ شدید تھی۔ نقشہ 8، انیسویں صدی کے آغاز میں مشرقی اور مغربی یورپ کے درمیان فرق کی حدود کو دیکھنے کا ایک سادہ سا طریقہ مہیا کرتا ہے۔ یہ اس بات کا نقشہ پیش کرتا ہے کہ آیا کسی مملکت میں 1800 میں ابھی کھیت مزدور کی غلامی تھی یا نہیں۔ وہ ممالک جو اس میں تاریک دکھائے گئے ہیں ان میں یہ غلامی موجود تھی؛ وہ جو روشن ہیں ان میں نہیں تھی، مشرقی یورپ تاریک ہے؛ مغربی یورپ روشن ہے۔

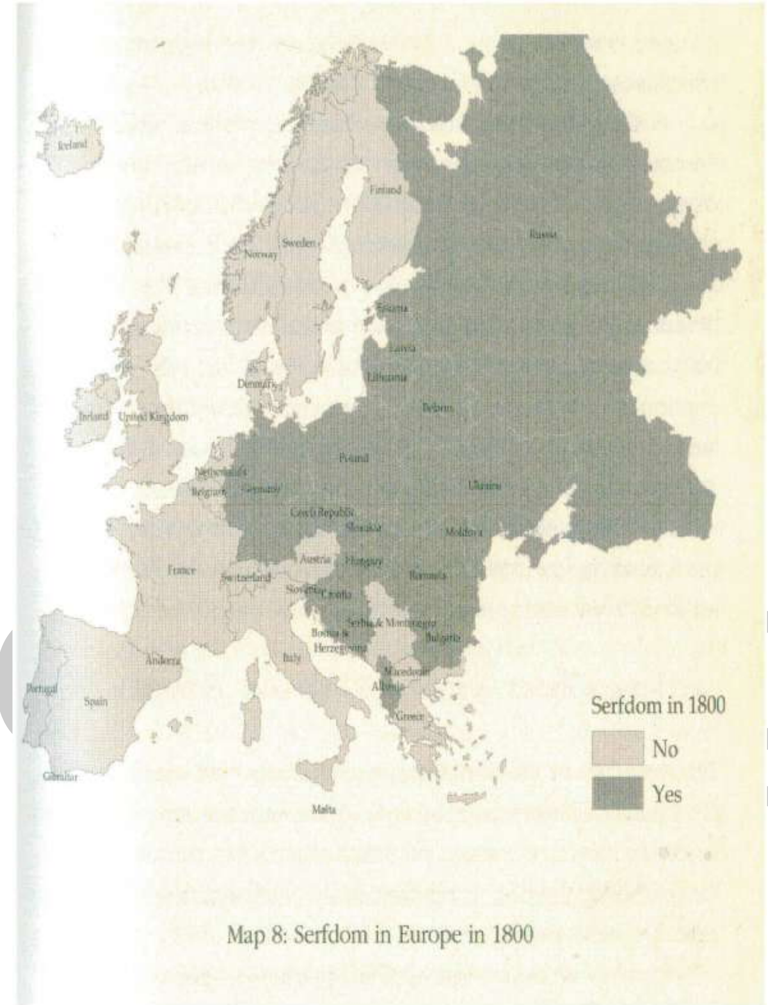
تاہم، مغربی یورپ کے ادارے ہمیشہ سے مشرقی یورپ کے اداروں سے اتنے مختلف نہ تھے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا، وہ چودھویں صدی میں، جب 1346 میں کالی موت نے حملہ کیا مختلف ہونا شروع ہوئے۔ مشرقی اور مغربی یورپ میں معاشی اور سیاسی اداروں میں بہت تھوڑے فرق تھے۔ انگلستان اور ہنگری پر تو ایک خاندان کے افراد کی حکومت تھی۔ ان زیادہ اہم اداراتی اختلافات نے جو کالی موت کے بعد ابھرے، پھر وہ پس منظر تیار کیا، جس پر مشرق اور مغرب کے درمیان اہم راستوں کی جدائی سترھویں، اٹھارویں اور انیسویں صدی میں برقرار رہتی تھی۔

لیکن وہ چھوٹے اداراتی اختلافات، جو راستوں کی جدائی کا عمل شروع کرتے ہیں پہلی مرتبہ کہاں شروع ہوتے ہیں؟ چودھویں صدی میں مشرقی یورپ کے سیاسی اور معاشی ادارے مغربی یورپ سے مختلف کیوں تھے؟۔ تاج اور پارلیمان کے درمیان طاقت کا توازن انگلینڈ میں فرانس اور سپین سے مختلف کیوں تھا؟ جیسا کہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے، وہ ادارے بھی جو ہمارے جدید معاشرے سے کہیں کم متحرک ہیں، ایسے سیاسی اور معاشی ادارے تخلیق کرتے ہیں، جن کا ان کے ارکان کی زندگیوں پر بہت مضبوط اثر ہوتا ہے، یہ بات شکار کرنے والے معاشروں کے لئے بھی صحیح ہے، جیسا کہ ہم باقی بچ رہنے والے معاشروں جیسا کہ جدید بوٹسوانا کے سان لوگوں کے بارے میں جانتے ہیں، نہ کھیتی باڑی کرتے ہیں، نہ ہی مستقل آبادیوں میں رہتے ہیں۔

کوئی سے بھی دو معاشرے ایک ہی جیسے ادارے تخلیق نہیں کرتے؛ ان کے ہاں مختلف رسم ورواج، حقوق ملکیت کے مختلف نظام اور مارے ہوئے جانور، یا دوسرے گروپ کے لوٹے ہوئے مال میں سے چوری کیئے ہوئے مال کو تقسیم کرنے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ کچھ معاشرے بڑوں کی حاکمیت کو تسلیم کریں گے، دوسرے نہیں؛ کچھ شروع سے ہی کسی حد تک سیاسی مرکزیت حاصل کر لیں گے، لیکن دوسرے نہیں، معاشرے مستقل طور پر سیاسی اور معاشی کشاکشوں کا شکار ہوتے ہیں، جو مخصوص تاریخی اختلافات، افراد کے کردار، یا محض کچھ مختلف عوامل کی وجہ سے، مختلف انداز سے حل ہوتے ہیں۔

عموماً یہ اختلافات شروع میں چھوٹے ہوتے ہیں، لیکن وہ جمع ہوتے جاتے ہیں، اور اداراتی تبدیلی کا ایک عمل تخلیق کرتے ہیں۔ جس طرح زندہ اجسام کی علیحدہ علیحدہ آبادیاں جنیاتی تبدیلی میں آہستہ آہستہ علیحدہ ہو جائیں گی، کیونکہ الل ٹپ جنیاتی تبدیلیاں جمع ہو جاتی ہیں، عین اسی طرح دو، بصورت دیگر یکساں معاشرے بھی آہستہ آہستہ اداراتی لحاظ سے ایک دوسرے سے دور ہو جائیں گے۔ اگر چہ بالکل جنیاتی تبدیلی کی طرح، اداراتی تبدیلی کا بھی کوئی متعین راستہ نہیں ہوتا اور وہ لازمی طور پر بتدریج بڑھتی بھی نہیں؛ لیکن صدیوں میں یہ مرئی اور بعض اوقات اہم اختلافات پر منتج ہو سکتی ہے، اداراتی تبدیلی سے پیدا ہونے والے اختلافات خاص طور پر نتیجہ خیز ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ اس انداز پر اثر انداز ہوتے ہیں جس سے معاشرہ اہم مراحل کے دوران معاشی اور سیاسی حالات میں تبدیلی کے خلاف ردعمل ظاہر کرتا ہے۔

MashalBooks.org



Map 8: Serfdom in Europe in 1800

پوری دنیا میں، معاشی ترقی کے بہت زیادہ مختلف نمونے، اہم مواقع، اور اداراتی تبدیلی کے باہمی تعامل پر مبنی ہیں، موجودہ سیاسی اور معاشی ادارے۔ جو بعض اوقات اداراتی تبدیلی کے طویل عمل سے تشکیل پاتے ہیں اور بعض اوقات سابقہ اہم مواقع کے مختلف ردعملوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ وہ اہرن بناتے ہیں جس پر مستقبل کی تبدیلی ڈھالی جاتی ہے۔ 1600 کے بعد کالی موت اور عالمی تجارت کی توسیع، دونوں یورپی طاقتوں کیلئے بڑے اہم موڑ تھے، اور انہوں نے مختلف ابتدائی

اداروں کے ساتھ مل کر ایک بڑے اختلاف کو جنم دیا۔ کیونکہ 1346 میں مغربی یورپ کے کسانوں کے پاس مشرقی یورپ کے کسانوں سے زیادہ طاقت اور خودمختاری تھی، لہذا کالی موت مغرب میں جاگیرداری، اور مشرق میں کسانوں کی دوسری غلامی کے خاتمے پر منتج ہوئی۔ کیونکہ مشرقی اور مغربی یورپ نے چودھویں صدی میں اپنی راہیں الگ کرنا شروع کیں، لہذا سترھویں، اٹھارویں انیسویں صدی کے نئے معاشی مواقع کا مطلب یورپ کے ان دونوں مختلف حصوں کے لئے بنیادی طور پر مختلف ہوگا، کیونکہ 1600 میں انگلستان میں تاج کی گرفت فرانس اور سپین کی نسبت کمزور تھی۔ لہذا اوقیانوس کی تجارت نے انگلستان میں زیادہ تکثیریت کے ساتھ نئے اداروں کی تخلیق کا راستہ کھولا، جبکہ فرانسیسی اور ہسپانوی بادشاہوں کو مضبوط کیا۔

MashalBooks

تاریخ کا غیر یقینی راستہ

موجودہ معاشی اور سیاسی ادارے، طاقت کے توازن کی تشکیل کرتے ہیں اور اس بات کی صورت گری کرتے ہیں کہ سیاسی طور پر کیا چیز قابل عمل ہے، اسی طرح اہم موڑوں کے دوران ہونے والے واقعات کے نتائج کی تشکیل تاریخ کے وزن سے ہوتی ہے۔ تاہم نتیجہ تاریخی طور پر پہلے سے متعین نہیں ہوتا بلکہ غیر یقینی ہوتا ہے۔ ایسے ادوار کے دوران اداراتی ترقی کا صحیح صحیح راستہ، اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ مخالف قوتوں میں سے کونسی کامیاب ہوگی، کون سے گروہ موثر اتحاد بنانے کے قابل ہوں گے، اور کون سے رہنما حالات کو اپنے مفادات کے مطابق تشکیل دینے کے قابل ہوں گے۔

بے یقینی کے کردار کو، انگلستان میں سیاسی اداروں کی ابتدا کے ذریعے واضح کیا جا سکتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ تاج کی طاقت کو محدود کرنے کے لئے مقابلہ کرنے والے گروپوں کی فتح اور 1688 کے گلوریس ریولیوشن میں زیادہ تکثیری اداروں میں کوئی بھی چیز پہلے سے طے شدہ نہ تھی، بلکہ اس سیاسی انقلاب کی طرف راہنمائی کرنے والا مکمل راستہ غیر یقینی واقعات کے رحم وکرم پر تھا۔ جیتنے والے گروپوں کی جیت اس اہم موڑ کے ساتھ کڑے طور پر منسلک تھی جو اوقیانوس کی تجارت سے پیدا ہوا تھا اور جس نے تاج کی مخالفت کرنے والے تاجروں کو امیر اور بیباک بنا دیا تھا۔ لیکن ایک صدی پہلے یہ چیز بالکل غیر واضح تھی کہ آیا انگلستان کے اندر سمندروں پر غالب آنے، کریبین اور شمالی امریکا میں نوآبادیات بنانے یا امریکاؤں اور مشرق کے ساتھ اتنی زیادہ نفع بخش تجارت پر قبضہ کرنے کی کوئی صلاحیت ہے۔ نہ تو الزبتھ اول نہ ہی اس سے پہلے ٹیوڈر بادشاہوں نے متحدہ

طاقتور بحریہ بنائی تھی۔ انگریزی بحریہ نجی جنگی جہازوں اور آزاد تجارتی جہازوں پر انحصار کرتی تھی اور ہسپانوی بیڑے کی نسبت بہت کم طاقتور تھی۔ بہرحال اوقیانوس کے منافع جات نے ان نجی جنگی جہازوں کو اپنی طرف کشش کیا، اور ہسپانویوں کی سمندر پر اجارہ داری کو چیلنج کیا۔ 1588 میں ہسپانویوں نے اپنی اجارہ داریوں کو درپیش ان چیلنجوں کو، اور ساتھ ہی ساتھ انگریزوں کی ہسپانوی نیدرلینڈز میں مداخلت جو اس وقت آزادی کیلئے ہسپانیہ کے خلاف لڑ رہے تھے، ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ہسپانوی بادشاہ فلپس دوم نے، ڈیوک آف میڈینا سڈونیا کی زیر کمان ایک طاقتور بحری بیڑا آرمیڈا روانہ کیا۔ یہ بہت سے لوگوں کو ایک ظاہر نتیجہ محسوس ہوتا تھا کہ ہسپانوی انگریزوں کو حتمی طور پر شکست دیں گے، بحر اوقیانوس کی اپنی اجارہ داری کو مضبوط کریں گے، غالباً الزبتھ اول کا تختہ الٹ دیں گے اور غالباً آخر کار جزائر برطانیہ پر قبضہ حاصل کرلیں گے، لیکن اس سے بالکل مختلف ایک چیز برآمد ہوئی۔ خراب موسم اور سڈونیا کی تیز ویراتی غلطیوں نے جسے ایک زیادہ تجربہ کار کمانڈر کی وفات کے بعد آخری لمحے میں ذمہ واری سونپی گئی تھی، ہسپانوی آرمیڈا کو اپنی برتری کھونے پر مجبور کردیا۔ تمام مشکلات کے باوجود، انگریزوں نے اپنے زیادہ طاقتور مخالفین کے بحری بیڑے کے بہت سے حصے کو تباہ کردیا۔ اب بحر اوقیانوس انگریزوں کے لئے زیادہ برابری کی بنیاد پر کھلا تھا۔ انگریزوں کی اس غیر متوقع فتح کے بغیر، ان واقعات کے بغیر جنہوں نے جو تبدیل کنندہ نازک موڑ پیدا کئے اور 1688 کے بعد کے ممتاز تکثیری سیاسی اداروں کی تعداد کو بڑھایا، انگلینڈ کبھی بھی آگے نہ بڑھ سکتا، نقشہ نمبر 9 ہسپانوی جہازوں کی تباہی کی لکیر کو ظاہر کرتا ہے، جب آرمیڈا کا برطانوی جزائر کے عین آس پاس پیچھا کیا جا رہا تھا۔

بلاشبہ، 1588 میں کوئی بھی شخص اس خوش قسمت انگریزی فتح کے نتائج کی پیش بینی نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت غالباً بہت کم لوگوں کو یہ اندازہ ہوا ہوگا کہ یہ ایک ایسے فیصلہ کن موڑ کو تخلیق کرے گی، جو ایک صدی کے بعد ایک بڑے سیاسی انقلاب پر منتج ہوگا۔

اس سے یہ اخذ نہیں کرنا چاہئے کہ کوئی بھی فیصلہ کن موڑ کامیاب سیاسی انقلاب پر یا بہتر کے حق میں تبدیلی پر منتج ہوگا۔ تاریخ ایسے انقلابات اور انقلابی تحریکوں سے بھری پڑی ہے جن کے نتیجے میں ایک جابرانہ حکومت کی جگہ پر دوسری جابرانہ حکومت آ گئی، ایک ایسے نمونے پر جسے جرمن ماہر عمرانیات رابرٹ بائیکلز (Robert Bichels) نے امراشاہی کے فولادی قانون کا نام دیا، جو کہ

MashalBooks.org

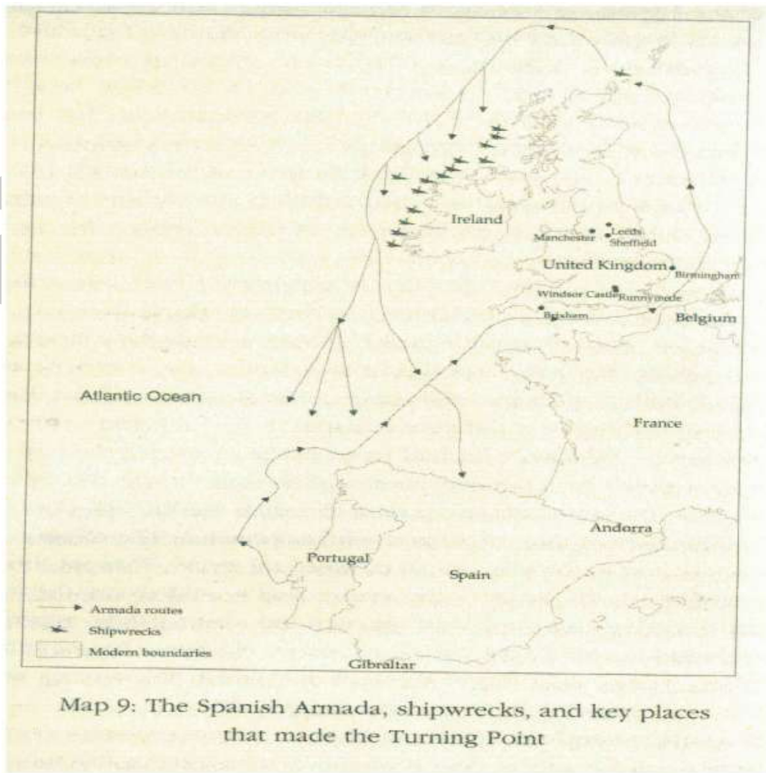
ایک دائرہ السوء کی خاص طور پر ایک خطرناک شکل ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد آنے والی دہائیوں میں سامراجیت کے خاتمے نے، بہت سی سابقہ نوآبادیات کیلئے فیصلہ کن موڑ پیدا کیے۔ تاہم بہت سی زیریں صحارائی مثالوں اور ایشیا میں بہت سی مثالوں میں، آزادی کے بعد کی حکومتوں نے، محض رابرٹ مائیکل کی کتاب میں سے ایک صفحہ نکالا اور اپنے پیشروؤں کی غلطیوں کو دہرایا۔ اس سے اکثر اوقات انہوں نے سیاسی طاقت کو تقسیم کو محدود کردیا، پابندیوں کو ختم کردیا، اور ان پہلے سے ہی کمزور محرکات کو تباہ کردیا جو معاشی اداروں نے سرمایہ کاری اور معاشی ترقی کے لئے مہیا کیے تھے۔ یہ صرف چند صورتوں میں ہی تھا کہ ایسے معاشرے جیسا کہ بوٹسوانا میں فیصلہ کن موڑوں کو ایسے سیاسی اور معاشی تبدیلی کے عمل کو شروع کرنے کیلئے استعمال کیا گیا جنہوں نے معاشی ترقی کی راہ ہموار کی۔

فیصلہ کن موڑ، استحصالی ادارون سے دوری کی بجائے ان کی سمت میں بڑی تبدیلی پر بھی منتج ہو سکتے ہیں۔ جامع ادارے بھی، اگرچہ ان کے اپنے ردعمل کے دائرے دائرۃ الخیر ہوتے ہیں، اپنے راستے کو پیچھے کی طرف موڑ سکتے ہیں، اور فیصلہ کن موڑوں کے دوران چیلنجوں کی وجہ سے رفتہ رفتہ زیادہ استحصالی بن سکتے ہیں۔ اور کیا ایسا ہوتا ہے پھر ایک غیر یقینی چیز ہے۔ جمہوریہ وینس جیسا کہ ہم باب ششم میں دیکھیں گے، نے قرون وسطیٰ کے دور میں، جامع معاشی اور سیاسی اداروں کی طرف بڑے بڑے قدم اٹھائے۔ لیکن جہاں انگلستان میں 1680 کے گلوریس ریولیوشن (شاندار انقلاب) کے بعد ایسے ادارے بتدریج اور زیادہ مضبوط ہوئے، وہیں وینس میں، وہ ایک محدود طبقہ علیا کے کنٹرول کے تحت جس نے معاشی مواقع اور سیاسی طاقت دونوں پر اجارہ داری قائم کرلی، انہوں نے آخرکار اپنے آپ کو استحصالی اداروں میں تبدیل کرلیا۔

زمین کے خدوخال کی تنظیم کو سمجھنا

اٹھارویں صدی کے انگلستان میں، جامع اداروں اور پائیدار معاشی ترقی پر مبنی منڈی کی معیشت کے ظہور نے، پوری دنیا میں اپنی لہریں بھیجیں، کیونکہ اس نے انگلستان کو اس کے بڑے حصے پر نوآبادیاں قائم کرنے کی گنجائش پیدا کی۔ لیکن اگر انگلستان کا معاشی ترقی کا اثر یقیناً پوری دنیا میں پھیلا، لیکن وہ معاشی اور سیاسی ادارے جنہوں نے اسے تخلیق کیا، خود بخود نہ پھیلے، صنعتی انقلاب

کے پھیلاؤ کے دنیا پر مختلف اثرات ہوئے، بالکل اسی طرح جس طرح کالی موت کے مغربی اور مشرقی یورپ پر مختلف اثرات ہوئے اور بالکل اسی طرح جس طرح اوقیانوس کی تجارت کے پھیلاؤ کے انگلستان اور سپین پر مختلف اثرات ہوئے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ادارے ہی وہ چیز تھے جنہوں نے اثر کا تعین کیا، اور یہ ادارے یقیناً مختلف تھے۔ چھوٹے اختلافات سابقہ فیصلہ کن موڑوں کی وجہ سے، وقت کے ساتھ ساتھ برے ہو چکے تھے۔ یہ اداراتی اختلافات اور ان کے نتائج دائرہ السوء اور دائرہ الخیر کی وجہ سے آج تک قائم ہیں، اگرچہ نامکمل طور پر اور اس بات کو سمجھنے کی کنجی ہیں کہ عالمی عدم مساوات کیسے ظہور پذیر ہوتی اور ہمارے اردگرد زمین کے خدوخال کی تنظیم کی نوعیت کیا ہے۔



Map 9: The Spanish Armada, shipwrecks, and key places that made the Turning Point

دنیا کے کچھ حصوں نے ان اداروں کو پروان چڑھایا، جو انگلستان کے اداروں کے بہت قریب تھے، اگرچہ بہت مختلف راستے سے۔ یہ چیز خاص طور پر بعض یورپی آبادکار نوآبادیات، جیسا

کہ آسٹریلیا، کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ ہیں، کے بارے میں صحیح ہے، اگرچہ ان کے ادارے عین تشکیل کی حالت میں تھے جبکہ صنعتی انقلاب اپنا راستہ بنا رہا تھا۔ جیسا کہ ہم نے باب اول میں دیکھا، 1607 میں جیمز ٹاؤن کی نوآبادی کی بنیاد کے ساتھ شروع ہونے والا، اور جنگ آزادی اور ریاستہائے متحدہ کے آئین کی منظوری پر منتج ہونے والا عمل، ان بہت سے مشابہہ خصوصیات میں شریک ہے جیسا کہ انگلستان کی پارلیمان کی بادشاہت کے ساتھ جدوجہد، کیونکہ یہ بھی مرکزیت کی حامل تکثیری اداروں والی ریاست پر منتج ہوئی۔ بعد میں صنعتی انقلاب ایسے ممالک میں میں تیزی سے پھیلا۔

مغربی یورپ کے ہاں، ایسے ہی تاریخی عملوں میں سے بہت سوں کا تجربہ کرتے ہوئے، صنعتی انقلاب کے وقت انگلستان سے مشابہ ادارے تھے۔ انگلستان اور باقیماندہ ملکوں کے درمیان چھوٹے لیکن نتیجہ خیز اختلافات تھے، جو اس بات کی وجہ ہے کہ صنعتی انقلاب نے پھر ایک بالکل نئی صورت حال پیدا کر دی، اور یورپی حکومتوں کیلئے خاصے مختلف چیلنجوں کے سیٹ پیدا کر دیئے، جنہوں نے جوابی طور پر کشمکشوں کا ایک نیا سیٹ جنم دیا جس کا نقطہ عروج فرانسیسی انقلاب تھا۔ انقلاب فرانس ایک اور فیصلہ کن موڑ تھا، جس نے مغربی یورپ کے اداروں کو انگلستان کے اداروں کے قریب ہونے کی طرف رہنمائی کی، جبکہ مشرقی یورپ مزید دور ہٹ گیا۔

باقیماندہ دنیا نے مختلف اداراتی قوسوں کی پیروی کی۔ یورپی نوآبادکاری نے امریکاؤں میں اداراتی اختلاف کے لیے میدان لگا دیا۔ جہاں مقابلے میں جامع ادارے ریاستہائے متحدہ اور کینیڈا میں اور استحصالی ادارے لاطینی امریکا میں ابھرے، جو عدم مساوات کے اس نمونے کی توجیہہ کرتا ہے جو ہم امریکاؤں میں دیکھتے ہیں۔ لاطینی امریکہ میں ہسپانوی فاتحین کے استحصالی سیاسی اور معاشی ادارے اب تک باقی ہیں جنہوں نے بہت سے علاقے کو غربت کے گڑھے میں گرا دیا ہے۔ تاہم علاقے میں بہت سے ممالک کی نسبت ارجنٹائن اور چلی نے بہتر کارکردگی ظاہر کی ہے۔ ان کے ہاں بہت کم مقامی لوگ یا معدنی دولت تھی اور وہ ''نظر انداز شدہ'' تھے، جبکہ ہسپانویوں نے، ایزٹیک، مایا، اور انکائی تہذیبوں کی مقبوضہ زمینوں پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ یہ بات محض اتفاقی نہیں کہ ارجنٹائن کا غریب ترین حصہ شمالی مغربی حصہ ہے، جو کہ ملک کا وہ واحد حصہ ہے جو ہسپانوی نوآبادیاتی معیشت کے ساتھ ملحق ہے، اس کی مستقل غربت جو کہ استحصالی اداروں کا ورثہ

ہے، اس غربت سے مشابہہ ہے جو پوٹوسی کی میٹا نے پیرو اور بولیویا میں پیدا کی۔

افریقہ دنیا کا وہ حصہ تھا، جس کے ادارے ان مواقع سے فائدہ اٹھانے کے کم سے کم قابل تھے، جو صنعتی انقلاب نے بہم پہنچائے۔ تقریباً پچھلے ایک ہزار سال سے افریقہ، سوائے چند مخصوص حصوں کے اور وقت کے بہت محدود ادوار کے، ٹیکنالوجی سیاسی ترقی اور خوشحالی کے لحاظ سے باقیماندہ دنیا سے پیچھے رہا ہے۔ یہ دنیا کا وہ حصہ ہے جہاں مرکزیت کی حامل ریاستیں بہت دیر سے اور بہت کمزور طریقے سے بنیں۔ جہاں انہوں نے ایسی ریاستیں بنائیں بھی، تو وہ ممکنہ طور پر اتنی زیادہ مطلق العنان تھیں جتنی کہ کانگو، اور وہ عموماً بہت قلیل العمر اور اکثر ٹوٹنے پھوٹنے والی تھیں۔ افریقہ ریاستی مرکزیت کے فقدان کی اس قوس میں افغانستان، ہیٹی اور نیپال کے ساتھ شریک ہے، جو اپنی سرزمینوں میں نظم وضبط نافذ کرنے میں ناکام رہی ہیں، اور استحکام نام کی کوئی چیز پیدا کرنے میں اور لہذا معاشی ترقی کی کوئی تھوڑی سے تھوڑی مقدار بھی حاصل کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ اگرچہ تینوں دنیا کے مختلف علاقوں میں واقع ہیں، لیکن افغانستان ہیٹی اور نیپال اداراتی لحاظ سے زیریں صحارائی افریقہ کی بہت سی ریاستوں کے ساتھ مشترک ہیں، اور لہذا دنیا کی چند غریب ترین اقوام میں سے ہیں۔

یہ چیز کہ افریقی ادارے کس طرح ارتقاپذیر ہو کر اپنی آجکل کی استحصالی شکل میں آئے، پھر اداروں کی آہستہ آہستہ حرکت کے عمل وضاحت کرتا ہے جس کے درمیان فیصلہ کن موڑ آتے ہیں لیکن اس مرتبہ یہ تبدیلی اکثر اوقات انتہائی برے نتائج کے ساتھ، خاص طور پر اوقیانوس کی غلاموں کی تجارت کی توسیع کے دوران ہوئی۔ جب یورپی تاجر وارد ہوئے تو کانگو کی سلطنت کیلئے نئے معاشی مواقع پیدا ہوئے۔ لمبے فاصلوں کی تجارت جس نے یورپ کو تبدیل کیا، اس نے کانگو کو بھی تبدیل کیا، لیکن پھر ابتدائی اداراتی اختلافات اہم تھے۔ کانگو کی مطلق العنان حکومت جو معاشرے پر مکمل غلبہ رکھتی تھی، اور ایسے استحصالی ادارے رکھتی تھی، جو اپنے شہریوں کی محض زرعی پیداوار پر قبضہ کرتی تھی۔ کی کایا کلپ یوں ہوئی کہ اب وہ لوگوں کی اجتمائی طور پر غلام بناتی تھی اور انہیں بندوقوں اور کانگو کی اشرافیہ کیلئے سامان تعیش کے عوض پرتگیزیوں کے ہاتھ بیچ دیتی تھی۔

انگلستان اور کانگو کے درمیان ابتدائی اختلافات کا مطلب تھا کہ جہاں طویل فاصلے والے تجارت کے مواقع نے اول الذکر میں تکثیری سیاسی اداروں کی طرف ایک فیصلہ کن موڑ تخلیق کیا،

MashalBooks.org

وہیں انہوں نے کانگو میں مطلق العنانیت کی شکست کی کسی بھی امید کو ختم کر دیا، افریقہ کے بہت سے حصے میں غلامی سے حاصل ہونے والے ٹھوس منافع نہ صرف اس کی شدت پر اور لوگوں کے لئے مزید غیر محفوظ حقوق ملکیت پر منتج ہوئے، بلکہ شدید جنگ کے حالات اور بہت سے موجودہ اداروں کی تباہی پر بھی، چند صدیوں کے اندر ریاست کی مرکز پذیری کا کوئی بھی عمل کلی طور پر الٹ گیا، اور بہت سی افریقی ریاستیں بڑی حد تک ختم ہو گئیں۔ اگرچہ کچھ نئی ریاستیں اور بعض اوقات طاقتور ریاستیں غلاموں کی تجارت کا استحصال کرنے کے لئے تشکیل پزیر ہوئیں، لیکن وہ جنگ وجدل اور لوٹ مار پر مبنی تھیں، امریکاؤں کی دریافت کے فیصلہ کن موڑ نے ہوسکتا ہے انگلستان میں جامع ادارے پروان چڑھانے میں مدد دی ہو، اس نے افریقہ کے اداروں کو اور بھی استحصالی بنا دیا۔

اگرچہ 1807 کے بعد غلاموں کی تجارت زیادہ تر ختم ہو گئی، لیکن بعد میں آنے والی یورپی نوآبادیات سازی نے نا صرف نومولود معاشی تجدید کو جنوبی اور مغربی افریقہ میں پیچھے کو ڈال دیا، بلکہ کسی قسم کی مقامی اداراتی اصلاح کا امکان بھی ختم کر کے رکھ دیا، اس کا مطلب تھا کہ کانگو مڈغاسکر، نمیبیا، اور تنزانیہ جیسے علاقوں سے باہر بھی، جو کہ وہ علاقے تھے جہاں، لوٹ مار، عوامی انتشار، اور یہاں تک کہ بڑے پیمانے پر قتل وغارت کا راج تھا، افریقہ کیلئے اپنے اداراتی راستے کو تبدیل کرنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اس سے بھی زیادہ بری بات یہ تھی کہ، سامراجی حکومت کے ڈھانچے نے 1660 کی دہائی میں افریقہ میں ایک زیادہ پیچیدہ اور تباہ کن اداراتی ورثہ چھوڑا، بہ نسبت سامراجی دور کی ابتدا کے۔ بہت سی افریقی نوآبادیات میں سیاسی اور معاشی اداروں کی ترقی کا مطلب یہ تھا کہ بجائے ان کے اداروں میں بہتری کی خاطر کوئی فیصلہ کن موڑ پیدا کرنے کے، آزادی نے بے ضمیر قائدین کیلئے اس استحصال کو جس پر یورپی نوآبادکاروں کا کنٹرول تھا، ہاتھ میں لینے اور اسے شدید بنانے کیلئے دروازہ کھول دیا۔ وہ سیاسی محرکات نے جوان ڈھانچوں نے پیدا کئے، اس انداز سیاست کی طرف رہنمائی کی، جس نے جو شدید مطلق العنانیت کے رجحانات رکھتی تھیں، لیکن اس کے باوجود اپنے ممالک میں کسی مرکزی حاکمیت سے محروم تھیں، غیر محفوظ اور نااہل حقوق ملکیت کے نمونوں کو دوبارہ پیدا کیا، صنعتی انقلاب ابھی تک افریقہ تک نہیں پہنچا ہے، کیونکہ وہ براعظم استحصالی سیاسی اور معاشی اداروں کے تسلسل اور تخلیق نو کے طویل برائی کے چکر سے گزر رہا ہے۔ بوٹسوانا ایک استثنا ہے، جیسا

کہ ہم دیکھیں گے، انیسویں صدی میں بادشاہ خامانے، جو کہ بوٹسوانا کے آزادی کے بعد پہلے وزیر اعظم سیرلٹسے خاما (Seretse Khama) کے دادا تھے، اپنے قبیلے کے سیاسی اور معاشی اداروں کو جدید بنانے کے لئے اداراتی تبدیلیوں کا آغاز کیا۔ بالکل منفرد انداز سے، یہ تبدیلیاں سامراجی عرصے میں ختم نہیں ہوئیں جزوی طور پر خاما اور دوسرے سرداروں کے سامراجی حکومت کو ہوشیارانہ چیلنجوں کے نتیجے میں۔ اس فیصلہ کن موڑ کے ساتھ ان کے تعامل نے، جو سامراج سے آزادی نے پیدا کیا، بوٹسوانا کی سیاسی اور معاشی کامیابی کی بنیادیں رکھیں۔ یہ چھوٹے تاریخی اختلافات کے اہم ہونے کی ایک اور مثال ہے۔

تاریخی واقعات کو گہری جڑیں رکھنے والی قوتوں کے ناگزیر نتائج کے طور پر دیکھنے کا عام رجحان ہے۔ جہاں ہم نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ کس طرح سیاسی اور معاشی اداروں کی تاریخ اچھائی کے چکر اور برائی کے چکر پیدا کرتی ہے، وہیں پر بے یقینی بھی، جیسا کہ ہم نے ہمیشہ انگریزی اداروں کا ارتقا کے تناظر میں زور دیا، ایک عامل ہوسکتی ہے۔ سیرٹسے خاما، 1940 کی دہائی میں جب انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، ایک سفید فام عورت رتھ ولیمز (Ruth Williams) کی محبت میں گرفتار ہو گیا، نتیجۃً جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت نے انگریز حکومت کو ترغیب دی کہ وہ اسے ریاست کے محافظ کے عہدے سے روک دے، جو اس وقت بچوانا لینڈ کہلاتی تھی، (جس کا انتظام جنوبی افریقہ کے ہائی کمشنر کے تحت تھا، اور اس نے بادشاہت سے استعفیٰ دے دیا۔ جب وہ سامراج مخالف جدوجہد کی قیادت کرنے کے لئے واپس آیا، تو اس نے روایتی اداروں کو مستحکم کرنے کی نیت سے نہیں، بلکہ انہیں جدید دنیا کے مطابق ڈھالنے کی نیت سے ایسا کیا، خاما ایک غیر معمولی انسان تھا، جو اپنی دولت میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا، اور اپنے ملک کی تعمیر میں مخلص تھا۔ بہت سے دوسرے افریقی ممالک ایسے خوش نصیب نہیں رہے۔ دونوں چیزیں اہمیت رکھتی تھیں، بوٹسوانا میں اداروں کا تاریخی ارتقا، اور بے یقینی کے عوامل جو بجائے ان اداروں کے خاتمے یا ان کے مسخ ہونے کے جیسا کہ افریقہ میں اور ہر جگہ پر ہو رہے تھے، ان کی تعمیر پر منتج ہوئے۔

انیسویں صدی میں، مطلق العنانیت جو کہ افریقہ اور مشرقی یورپ کی مطلق العنانیت سے زیادہ مختلف نہ تھی، ایشیا کے بہت سے حصے میں صنعتکاری کے راستے کو روک رہی تھی۔ چین میں ریاست شدید مطلق العنان تھی، اور آزاد شہر، تاجران، اور صنعتکار یا تو ناپید تھے یا سیاسی طور پر بہت

MashalBooks.org

کمزور تھے۔ چین ایک بحری طاقت تھا اور یورپیوں سے کئی صدیاں پیشتر طویل فاصلوں کی تجارت میں مصروف تھا۔ لیکن اس نے عین غلط وقت پر سمندروں سے منہ موڑ لیا، جب چودھویں صدی کے اواخر اور پندرھویں صدی کے آغاز میں منگ شہنشاہوں نے فیصلہ کیا جس نے طویل فاصلوں کی تجارت اور اس تخلیقی تباہی کو بڑھادیا جو یہ پیدا کرسکتی تھی، ممکنہ طور پر ان کی تجارت کیلئے خطرہ بن سکتی تھی۔

ہندوستان میں اداروں کی آہستہ روحرکت نے مختلف انداز سے کام کیا اور یہ منفرد طور پر جامد وراثتی ذات پات کے نظام پر منتج ہوئی، جس نے منڈیوں کے کام کو محدود کردیا اور محنت کو قرون وسطیٰ کے جاگیردانہ نظام کی نسبت بھی زیادہ سختی سے، مختلف پیشوں کیلئے مخصوص کردیا۔ اس نے مغل حکمرانوں کے تحت ایک اور مطلق العنانیت کی شدید شکل کو بھی سہارا دیا۔ بہت سے یورپی ملکوں میں قرون وسطیٰ میں اس سے ملتے جلتے نظام تھے۔ جدید اینگلوسیکسن خاندانی نام جیسا کہ بیکر، کوپر، اور سمتھ، وراثتی پیشہ ورانہ زمروں کے براہ راست اخلاف ہیں۔ بیکرز (پکانے والے) پکانے کا کام کرتے تھے، کوپر، (پیپا ساز) پیپے بناتے تھے، اور سمتھ (دھات کا کاریگر) دھاتوں کو ڈھالتے تھے لیکن یہ زمرے، کبھی بھی اتنے جامد نہ تھے جتنی کہ ہندوستان ذات پات کی تمیز، اور یہ بعد میں کسی شخص کے پیشے کی نشاندہی کے طور پر بے معنی ہوگئے۔ اگرچہ ہندوستانی تاجر پورے بحر ہند میں تجارت کرتے تھے، اور ایک بڑی کپڑے کی صنعت بھی ترقی کرگئی، لیکن ذات پات کا نظام اور فعل مطلق العنانیت ہندوستان میں جامع معاشی اداروں کی ترقی میں شدید رکاوٹیں تھی۔ انیسویں صدی تک معاملات صنعتکاری کے لئے اور بھی ناسازگار ہوگئے، کیونکہ ہندوستان انگریزوں کی ایک استحصالی نوآبادی بن گیا۔ چین کبھی کسی یورپی طاقت کی نوآبادی نہیں بنا، لیکن انگریزوں کے چینیوں کو افیون کی جنگوں میں، 1839 سے 1842 تک اور پھر 1856 سے 1860 تک کامیابی سے شکست دینے کے بعد چین کو ذلت آمیز معاہدوں کے ایک سلسلے پر دستخط کرنا پڑے اور یورپی برآمدات کو داخل ہونے کی اجازت دینا پڑی، کیونکہ چین، ہندوستان اور دوسرے تجارتی اور صنعتی مواقع سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہا، لہذا جاپان کے علاوہ ایشیا پیچھے رہ گیا، جبکہ مغربی یورپ آگے بڑھتا گیا۔

اداراتی ترقی کا وہ راستہ، جو جاپان نے انیسویں صدی میں بنایا، ایک مرتبہ پھر فیصلہ کن موڑوں اور اداراتی تبدیلی کے درمیان باہمی تعامل کی وضاحت کرتا ہے، جاپان، چین کی طرح

آمرانہ حکومت کے تحت تھا۔ ٹوگوگاوا (Tokugawa) خاندان نے 1600 میں اقتدار سنبھالا اور ایک ایسے جاگیردارانہ نظام کے تحت حکومت کی جس نے پھر بین الاقوامی تجارت پر پابندی لگادی۔ جاپان کو بھی مغربی مداخلت سے پیدا شدہ ایک فیصلہ کن موڑ کا سامنا کرنا پڑا۔ جب جولائی 1853 میں چار امریکی جنگی جہاز، میتھیوسی (Mathew C. Perry) پیری کی کمان میں خلیج ایڈو (Edo Bay) میں داخل ہوئے اور انہوں نے ویسی ہی تجارتی مراعات کا مطالبہ کیا، جو انگلستان نے افیون کی جنگوں میں چینیوں سے حاصل کی تھیں۔ لیکن یہ فیصلہ کن موڑ جاپان میں اور طرح سے جاری رہا، دونوں کی قربت اور بار بار باہمی تعاملات کے باوجود، انیسویں صدی تک، چین اور جاپان اداراتی لحاظ سے ایک دوسرے سے دور ہوچکے تھے۔

اگرچہ جاپان میں ٹوگوگاوا حکومت مطلق العنان اور استحصالی تھی، لیکن اس کی دوسری بڑی جاگیردارانہ ریاستوں کے رہنماؤں پر بہت کمزور گرفت تھی اور چیلنجوں کے لئے اثر پذیر تھی لیکن چین میں باوجود کسانوں کی بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کے، مطلق العنانیت زیادہ مضبوط تھی اور حزب اختلاف کم منظّم اور کم خودمختار تھی۔ چین کی دوسری ریاستوں کے زعماء کے ہم پلہ کوئی نہ تھا، جو شہنشاہ کی مطلق العنان حکومت کو چیلنج کرسکتا، اور ایک متبادل اداراتی راستہ بنا سکتا۔ یہ اداراتی اختلاف اگرچہ ان اختلافات کے مقابلے میں جو چین اور جاپان کو مغربی یورپ سے علیحدہ کرتے تھے، کئی لحاظ سے چھوٹا تھا، لیکن اس فیصلہ کن موڑ کے دوران جو انگریزوں اور امریکیوں کی زوردار آمد کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ اس کے فیصلہ کن نتائج تھے۔ جنگ ہائے افیون کے بعد چین نے اپنی مطلق العنانی کی روش برقرار رکھی، جبکہ جاپان میں ٹوگوگاوا کی حکومت کو یوایس کی طرف سے خطرے نے آپس میں متحد کردیا، اور سیاسی انقلاب، میجی کی بحالی پر منتج ہوا۔ جیسا کہ ہم باب دہم میں دیکھیں گے۔ اس جاپانی سیاسی انقلاب نے، زیادہ جامع سیاسی اداروں اور اس سے زیادہ جامع معاشی اداروں کی پنپنے کے قابل بنایا، اور بعد میں تیز جاپانی ترقی کی بنیادیں رکھیں، جبکہ چین مطلق العنانیت کے سائے میں اونگھتا رہا۔

یہ بات کہ جاپان نے امریکی جنگی جہازوں کی طرف سے پیش کردہ خطرے کے خلاف کس طرح ردعمل ظاہر کیا، بنیادی اداراتی تبدیلی کے عمل کو شروع کرکے ہمیں اپنے آس پاس زمین کے خدوخال کی تنظیم کے ایک اور پہلو کو سمجھنے میں مدد کرتی ہے، جمود سے تیز ترقی کی طرف تبدیلی،

MashalBooks.org

تائیوان، جنوبی کوریا اور آخر میں چین نے، دوسری جنگ عظیم سے لے کر معاشی ترقی کی بہت تیز شرح حاصل کی، اس راستے کے ذریعے جو جاپان کے راستے سے ملتا جلتا تھا۔ ان میں سے ہر مثال میں، ترقی سے پہلے ان ممالک کے معاشی اداروں میں تاریخی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اگرچہ ہمیشہ ان کے سیاسی اداروں میں نہیں جیسا کہ چینی مثال واضح کرتی ہے۔

اس بات کی منطق بھی اس سے منسلک ہے کہ تیز ترقی کے واقعات کس طرح اچانک ختم ہو جاتے ہیں اور پیچھے کو چل پڑتے ہیں۔ جس طرح جامع معاشی اداروں کی طرف فیصلہ کن قدم تیز معاشی ترقی کو بھڑکا سکتے ہیں عین اسی طرح جامع اداروں سے تیزی سے پیچھے ہٹنا، معاشی جمود کی طرف لے جا سکتا ہے۔ لیکن زیادہ تر تیز ترقی کا خاتمہ جیسا کہ ارجنٹائن یا سوویٹ یونین میں ہوا، اختتام کی طرف آتے ہوئے استحصالی اداروں کے تحت ترقی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، ایسا یا تو استحصال کے مال غنیمت پر اندرونی رسہ کشی سے ہوتا ہے، جو حکومت کے خاتمے پر منتج ہوتی ہے، یا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ استحصالی اداروں کے تحت، جدت طرازی اور تخلیقی تباہی کا فطری فقدان، پائیدار ترقی پر ایک قدغن لگا دیتا ہے، سوویٹ کس طرح ان قدغنوں میں بری طرح پھنس گئے، اگلے باب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

اگر لاطینی امریکہ کے سیاسی اور معاشی اداروں کی صورت گری پچھلے پانچ سو سال میں ہسپانوی سامراج کی طرف سے کی گئی، شرق اوسط کے اداروں کے صورت گری عثمانی سامراج کی طرف سے کی گئی۔ 1453 میں عثمانیوں نے سلطان محمد ثانی کی زیر نگرانی قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے اسے اپنا دارالحکومت بنا لیا۔ صدی کے باقیماندہ حصے کے دوران بلقان کے بہت بڑے حصوں اور باقیماندہ ترکی کے بڑے حصے کو فتح کر لیا۔ سولھویں صدی کے پہلے نصف میں عثمانیہ راج شرق اوسط سے ہوتا ہوا شمالی افریقہ تک پہنچ گیا۔ 1566 تک سلطان سلیمان اول کی وفات پر، جسے عالی شان کے نام سے پہچانا جاتا ہے، ان کی سلطنت مشرق میں تیونس سے ہوتی ہوئی پھر مصر میں سے سارا راستہ طے کرتی ہوئی جزیرہ نمائے عرب میں مکہ تک پہنچ گئی، اور وہاں سے آج کل کے جدید عراق تک۔ سلطنت عثمانیہ مطلق العنان تھی، جس میں سلطان کسی کے آگے جوابدہ نہیں تھا، اور کوئی اس کے ساتھ اقتدار میں شریک نہیں تھا۔ وہ معاشی ادارے جو عثمانیوں نے نافذ کئے انتہائی استحصالی تھے۔ ملک میں کوئی نجی ملکیت نہیں تھی، جو رسمی طور پر ساری ریاست کی ملکیت

تھی۔ زمین اور زرعی پیداوار پر ٹیکس، مع جنگ کے مال غنیمت کے، حکومت کی مالیات کا سب سے بڑا ذریعہ تھے، تاہم عثمانی ریاست مشرق اوسط میں اس طرح حاوی نہ ہو سکی جس طرح کہ یہ اناطولیہ میں اس کے مرکزی حصے پر حاوی تھی۔ یا اس حد تک کہ جس حد تک کہ ہسپانوی ریاست لاطینی امریکہ میں حاوی تھی۔ عثمانی ریاست کو جزیرہ نمائے عرب میں بدوؤں یا دوسری قبائلی طاقتوں کی طرف سے مسلسل چیلنج کیا جا رہا تھا۔ اسکے ہاں نہ صرف مشرق اوسط کے بہت سے علاقے میں مستحکم نظم و نسق قائم کرنے کی صلاحیت کا فقدان تھا، بلکہ ٹیکس جمع کرنے کی انتظامی صلاحیت بھی مفقود تھی، لہذا اس نے ٹیکس وصولی کیلئے افراد کو اجرت پر مقرر کیا، جو دوسروں کو یہ حق بیچے اپنی مرضی سے ٹیکس جمع کرنے کا حق بیچ دیتے تھے۔ یہ ٹیکس جمع کرنے والے ملازمین خود مختار اور طاقتور ہو گئے۔ مشرق اوسط میں ٹیکسوں کی شرح بہت اونچی تھی، جو کسانوں کی پیداوار کے نصف سے لے کر دو تہائی تک مختلف ہوتی تھی، اس محصول کا بہت سا حصہ ٹیکس وصول کنندگان رکھ لیتے تھے۔ کیونکہ عثمانی ریاست ان علاقوں میں مستحکم نظم و ضبط قائم کرنے میں ناکام رہی تھی، لہذا حقوق ملکیت انتہائی غیر محفوظ تھے، اور بڑے پیمانے پر لاقانونیت اور ڈاکہ زنی تھی کیونکہ مسلح گروپ مقامی اختیار کیلئے مقابلہ کرتے تھے۔ مثال کے طور پر فلسطین میں، صورت حال اتنی خطرناک تھی کہ سولھویں صدی کے اواخر سے شروع ہو کر، کسانوں نے زیادہ تر زرخیز زمینوں کو چھوڑ دیا اور پہاڑی علاقوں میں چلے گئے، جس سے انہیں ڈاکہ زنی سے زیادہ حفاظت میسر آئی۔

سلطنت عثمانیہ کے شہری علاقوں میں بھی استحصالی معاشی ادارے کم گلہ گھونٹنے والے نہ تھے، تجارت ریاست کے قبضہ میں تھی اور پیشوں پر کاریگروں کی جماعتوں اور اجارہ داریوں کا سخت نظم وضبط تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صنعتی انقلاب کے وقت شرق اوسط کے معاشی ادارے استحصالی تھے۔ یہ علاقہ معاشی طور پر جامد ہو گیا۔

1840 کی دہائی تک عثمانی اداروں کی اصلاح کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مثال کے طور پر ملازمین کے ذریعے ٹیکس اکٹھا کرنے پیچھے کی طرف موڑ کر، اور مقامی طور پر خود مختار گروپوں کو زیر کنٹرول لا کر۔ لیکن مطلق العنانیت پہلی جنگ عظیم تک رہی لیکن اصلاح کی کوششوں کو، تخلیقی تباہی کے عمومی خوف، اور طبقہ علیا کے گروپوں میں اس بات کی تشویش سے کہ وہ سیاسی اور معاشی طور پر نقصان اٹھائیں گے، ناکام بنا دیا گیا، جب عثمانی اصلاح کار زرعی پیداواریت کو بڑھانے

MashalBooks.org

کیلئے نجی ملکیت کے حقوق کی بات کرتے تو جمود کی صورت حال قائم رہتی کیونکہ سیاستدانوں کو سیاسی کنٹرول اور ٹیکس اکٹھا کرنے کی خواہش ہوتی تھی۔ عثمانیہ نوآبادکاری کے بعد 1918 کے بعد یورپی نوآبادکاری آئی، جب یورپی قبضہ ختم ہوا، تو وہی حرکیات جو ہم نے زیریں صحارائی افریقہ میں دیکھی ہیں، غالب آجاتی تھیں، اور ساتھ ہی ساتھ وہ استحصالی سامراجی ادارے بھی۔ جن کو خود مختار طبقہ علیا نے لے لیا تھا۔ بعض صورتوں میں، جیسا کہ اردن کی بادشاہت میں یہ طبقہ ہائے علیا سامراجی طاقتوں کی براہ راست پیداوار ہوتے تھے۔ لیکن یہ بھی افریقہ میں اکثر ہوتا تھا، جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے، آج کل بغیر تیل والے مشرق اوسط کے ممالک کے ہاں آمدنی کے معیار غریب لاطینی امریکی اقوام کے برابر ہیں۔ انہوں نے غربت پیدا کرنے والے عوامل جیسا کہ غلاموں کی تجارت ہے، ہاتھوں دکھ نہیں اٹھایا، اور انہون نے یورپ کی طرف سے آنے والے ٹیکنالوجی کے بہاؤ سے زیادہ عرصے تک فائدہ اٹھایا، قرون وسطیٰ میں خود مشرق اوسط معاشی طور پر دنیا کا نسبتاً ترقی یافتہ حصہ تھا۔ لہذ آج یہ اتنا غریب نہیں جتنا کہ افریقہ، لیکن اس کے لوگوں کی اکثریت ابھی تک غربت میں زندگی بسر کرتی ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ نہ جغرافیائی، نہ ثقافتی اور نہ ہی لاعلمی پر مبنی نظریات ہمارے اردگرد زمین کے خدوخال کی تنظیم کی توجیہہ کرنے میں مددگار رہیں۔ وہ عالمی عدم مساوات کے نمایاں نمونوں کی کوئی تسلی بخش توجیہہ پیش نہیں کرتے۔ اس حقیقت کی کہ معاشی اختلاف کے عمل کا آغاز سترھویں اور اٹھارویں صدیوں کے دوران انگلستان میں صنعتی انقلاب سے ہوا، پھر مغربی یورپ میں پھیلا اور پھر یورپ کے آبادکاروں کی نوآبادیات میں؛ امریکاؤں کے مختلف حصوں کے درمیان مستقل اختلاف کی؛ افریقہ اور مشرق اوسط میں غربت کی؛ مشرقی اور مغربی یورپ کے درمیان فرق کی، جمود سے ترقی کی جانب تبدیلیوں کی اور بعض اوقات ترقی کی رفتار میں اچانک اضافے کے اچانک اختتام کی۔ ہمارا اداراتی نظریہ ان کی توجیہہ کرتا ہے۔

باقی ماندہ ابواب میں، ہم تفصیل سے یہ بیان کریں گے کہ اداراتی نظریہ کس طرح کام کرتا ہے، اور مظاہر کے ایک بڑے دائرے کی، جس کی یہ نظریہ توجیہہ کرسکتا ہے، مثالوں سے وضاحت کریں گے، یہ دائرے کا آغاز سے لے کر متعدد تہذیبوں کے انجام کو احاطے میں لیتی ہیں، جو یا استحصالی اداروں کے تحت ترقی کی فطری حدود کی وجہ سے انجام کو پہنچیں یا جامعیت کی طرف محدود

اقدامات کے پیچھے کو مڑنے کی وجہ سے۔

ہم دیکھیں گے کہ انگلستان میں گلوریس ریولیوشن (شاندار انقلاب) کے دوران کیوں جامع اداروں کی طرف فیصلہ کن قدم اٹھائے گئے۔ ہم درج ذیل پر زیادہ خصوصی طور پر نگاہ ڈالیں گے؛

* اوقیانوس کی تجارت اور انگلستان کے پہلے سے موجود اداروں سے پیدا شدہ فیصلہ کن موڑ کے درمیان باہمی تعامل سے کس طرح جامع ادارے ظہور پذیر ہوئے۔
* کس طرح یہ ادارے قائم رہے اور اتنے مضبوط ہوئے کہ انہوں نے صنعتی انقلاب کی بنیادیں رکھیں، جزوی طور پر اچھائی کے چکر کی مہربانی سے اور جزوی طور پر اتفاقی حادثات کے خوش قسمت موڑوں کی وجہ سے۔
* مطلق العنان اور استحصالی اداروں پر راج کرنے والی کتنی حکومتوں نے مستقل مزاجی سے ان ٹیکنولوجیوں کے پھیلاؤ کی مزاحمت کی جنہیں صنعتی انقلاب نے پابندیوں سے آزاد کیا تھا۔
* کس طرح خود یورپیوں نے، دنیا کے بہت سے حصوں میں، جنہیں انہوں نے فتح کیا تھا، معاشی ترقی کے امکانات کو ختم کردیا۔
* کس طرح بدی کے چکر اور اشرافیہ کے آہنی قانون نے استحصالی اداروں کے برقرار رہنے کے لئے ایک طاقتور رجحان پیدا کیا اور اس طرح وہ ممالک جہاں صنعتی انقلاب بنیادی طور پر نہیں پھیلا وہ نسبتاً غریب رہ گئے۔
* کیوں صنعتی انقلاب اور دوسری نئی ٹیکنالوجیاں، آج دنیا بھر میں ان جگہوں پر نہیں پھیلیں اور نہ ان کے پھیلنے کا امکان ہے، جہاں ریاست کی مرکزیت کی کم سے کم سطح حاصل کی جاسکی۔

ہماری بحث یہ بھی ثابت کرے گی کہ بعض وہ علاقے جو اپنے اداروں کو زیادہ جامع سمت میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوئے، جیسا کہ فرانس اور جاپان، یا جنہوں نے استحصالی اداروں کے قیام کو روکا، جیسا کہ ریاستہائے متحدہ اور آسٹریلیا، صنعتی انقلاب کے پھیلاؤ کے لئے زیادہ پذیرائی رکھنے والے تھے اور وہ باقی ماندہ ملکوں سے آگے نکل گئے، جیسا کہ انگلستان

MashalBooks.org

میں یہ ہمیشہ کوئی آسان عمل نہیں تھا، اور راستے میں جامع اداروں کو درپیش بہت سے چیلنجوں پر قابو پایا گیا، بعض اوقات اچھائی کے دائرے کی حرکیات کے سبب، اور بعض اوقات تاریخ کے اتفاقی راستے کی بدولت۔

آخری بات یہ کہ، ہم یہ بیان کریں گے کہ آج کس طرح قوموں کی ناکامی ان کے اداروں کی تاریخ بہت زیادہ سے اثر پزیر ہوتی ہے، پالیسی کی ہدایت کس قدر غلط مفروضات سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اور گمراہ کن ہوتی ہے، اور کس طرح اقوام آج بھی فیصلہ کن موڑوں سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں، اور اپنے اداروں کی اصلاح کے لئے سانچے کو توڑ سکتے ہیں، زیادہ خوشحالی کے راستے پر روانہ ہوسکتے ہیں۔

5

میں نے مستقبل کو دیکھا ہے، اور یہ کامیاب ہے، استحصالی اداروں کے تحت ترقی

میں نے مستقبل کو دیکھا ہے

ادارہ جاتی اختلافات، زمانوں سے معاشی ترقی کی توجیہہ کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، لیکن اگر تاریخ میں زیادہ تر معاشرے استحصالی سیاسی اور معاشی اداروں پر مبنی ہوں، تو کیا اس کا مطلب ہے کہ ترقی کبھی واقع ہی نہیں ہوتی؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ استحصالی اداروں کو، اپنی منطق سے ہی، دولت پیدا کرنی چاہئے تاکہ اس کا استحصال کیا جاسکے۔ سیاسی طاقت پر اجارہ داری رکھنے والا اور کسی مرکزیت کی حامل ریاست پر کنٹرول رکھنے والا حکمران، نظم ونسق ایک حد تک متعارف کرواسکتا ہے، اور قواعد کا ایک نظام بھی، اور معاشی سرگرمی کو ابھار سکتا ہے۔

لیکن استحصالی اداروں کے تحت ترقی اپنی نوعیت میں اشتمالی اداروں کی طرف سے لائی گئی ترقی سے مختلف ہوتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک پائیدار ترقی نہیں ہوگی، جسے ٹیکنولوجیوں پر مبنی ہوگی۔ سوویت یونین کی معاشی قوس اس بات کی واضح مثال پیش کرتی ہے کہ کس طرح ریاست کی طرف سے مہیا کردہ حاکمیت اور محرکات تیز معاشی ترقی میں استحصالی اداروں کے تحت پیش روی کر سکتے ہیں، اور کس طرح ایسی ترقی آخرکار منہدم ہوکر اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔

پہلی جنگ عظیم ختم ہوچکی تھی اور فاتح اور مفتوح قوتیں، امن کے پیمانے صیقل کرنے کے پریس سے باہر ورسیلز کے عظیم محل میں جمع ہوچکی تھیں، شرکا میں سے نمایاں، ریاستہائے متحدہ کے

MashalBooks.org

صدر ووڈرو ولسن (Woodrow Wilson) تھے۔اپنی عدم موجودگی کی وجہ سے نمایاں روس کی طرف سے کوئی نمائندہ تھا۔اکتوبر 1917 میں قدیم زاری حکومت کا تختہ بولشویکوں کی طرف سے الٹا جا چکا تھا۔پھر سرخ (بولشویک) اور سفید کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی،انگریزوں،فرانسیسیوں اور امریکیوں نے بولشویکوں کے خلاف لڑنے کے لئے ایک مہم جو فوج بھیجی ایک نوجوان سفارتکار ولیم بلٹ (William Bullitt) اور ایک تجربہ کار دانشور اور صحافی لنکن سٹیفنز (Lincoln Steffens) کی سربراہی میں ایک مشن ماسکو بھیجا گیا تاکہ وہ لینن سے ملے اور بولشویکوں کے اداروں اور اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ ان کے ساتھ کیسے صلح کی جائے۔سٹیفنز نے ایک روایت شکن اور ایک چھپے قصوں کو اچھالنے والے ایک صحافی کے طور پر نام کمایا تھا،جس نے مسلسل،ریاستہائے متحدہ میں سرمایہ داری کی برائیوں کی مذمت کی تھی۔انقلاب کے وقت وہ روس میں تھا۔اس کی موجودگی کا مقصد یہ تھا کہ مشن قابل اعتماد نظر آئے اور بہت زیادہ مخالفانہ محسوس نہ ہو،یہ مشن لینن کی طرف سے ایک پیش کش کا خاکہ لے کر واپس آیا،اس بارے میں کہ نئی تخلیق شدہ سوویٹ یونین کے ساتھ کس چیز کو امن سمجھا جائے گا،سٹیفنز سوویٹ نظام حکومت کی مخفی صلاحیت کو دیکھ کر بہت مرعوب ہوا۔

اس نے اپنی 1931 کی خودنوشت سوانح میں لکھا،''سوویٹ روس ایک ارتقائی منصوبہ رکھنے والی انقلابی حکومت ہے۔ان کا منصوبہ غربت اور دولت،رشوت،مراعات،استبداد اور جنگ جیسی برائیوں کو براہ راست فعالیت کے ساتھ ختم کرنا ہے،بلکہ یہ بھی کہ وہ ان کے اسباب کو تلاش کریں اور انہیں ختم کریں،انہوں نے ایک آمریت قائم کی تھی،جس کو چھوٹی،تربیت یافتہ اقلیت کی حمایت حاصل تھی کہ وہ چند نسلوں کیلئے معاشی قوتوں کی ایک سائنسی تنظیم نو کریں اور اسے قائم رکھیں جو معاشی جمہوریت پر پہلے سے اور سیاسی جمہوریت پر آخیر میں منتج ہو''۔

جب سٹیفنز اپنے سفارتی مشن سے واپس آیا،تو وہ اپنے پرانے دوست،سنگ تراش جو ڈیوڈسن (Jo Davidson) سے ملنے گیا اور اسے ایک دولت مند تاجر برناد باروخ (Bernard Baruch) کے اوپری دھڑ کا مجسمہ بناتے ہوئے پایا۔''تو تم روس سے ہو آئے ہو'' باروخ نے کہا۔ سٹیفنز نے جواب دیا''میں زمانہء مستقبل میں رہ آیا ہوں،اور یہ کامیاب ہے''۔وہ اس کہاوت کو ایک ایسی شکل میں مکمل کرنے والا تھا جو تاریخ میں یوں یاد کی گئی؛''میں نے مستقبل کو دیکھا ہے،اور یہ کامیاب ہے''

1980 کی دہائی تک ٹھیک ٹھاک بہت سے مغرب کے باشندے ابھی تک سوویٹ یونین میں مستقبل کو دیکھ رہے تھے۔اور وہ اس بات میں یقین رکھے ہوئے تھے کہ یہ کامیاب جا رہا ہے۔ ایک لحاظ سے یہ کامیاب ہو رہا تھا یا کم از کم ایک وقت تک یہ کامیاب ہوا۔لینن 1924 میں فوت ہو گیا اور جوزف سٹالن نے 1927 میں ملک پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔اس نے اپنے مخالفین کا صفایا کر دیا اور ملک کو تیزی سے صنعتی بنانے کی تحریک شروع کر دی۔اس نے یہ کام ریاست کی منصوبہ بندی کی کمیٹی گوسپلان (Gosplan) کو متحرک کر کے کیا،جس کی بنیاد،1921 میں رکھی گئی تھی، گوسپلان نے پہلا پنجسالہ منصوبہ تحریر کیا جو 1928 سے 1933 تک چلا۔سٹالن کے انداز کی معاشی ترقی سادہ تھی؛صنعت کو حکومت کی کمان میں ترقی دو اور ضروری وسائل زراعت پر بہت اونچے ٹیکس لگا کر حاصل کرو۔کمیونسٹ ریاست کے پاس کوئی موثر ٹیکس کا نظام نہیں تھا،لہذا سٹالن نے زراعت کا اشتمال کر دیا۔اس عمل کا نتیجہ زمین کے حقوق ملکیت کا خاتمہ اور لوگوں کو ریوڑوں کی طرح دیہات میں بنے ہوئے،کمیونسٹ پارٹی سے چلائے جانے والے بڑے بڑے اجتماعی فارموں میں اکٹھا کرنا تھا۔اس چیز نے سٹالن کیلئے زرعی پیداوار کو چھیننا اور ان تمام لوگوں کو کھلانے کے لئے استعمال کرنا جو نئے کارخانے تعمیر اور انہیں نفری مہیا کر رہے تھے،بہت آسان بنا دیا۔اس کے دیہاتی لوگوں کے لئے نتائج تباہ کن تھے۔اجتماعی فارموں میں لوگوں کے لئے محنت کرنے کا جذبہ محرکہ مفقود تھا،لہذا پیداوار تیزی سے گرنے لگی۔پیداوار کا اتنا زیادہ حصہ غصب کر لیا جاتا تھا کہ کھانے کے لئے کافی نہیں بچتا تھا۔لوگ فاقوں سے مرنے لگے۔آخر میں غالباً چھ ملین قتل کر دیئے گئے یا جبری اشتمال کے دوران سائبیریا جلد وجلاوطن کر دیئے گئے۔

نہ تو نو تخلیق شدہ صنعت نہ ہی اشتمالی فارم معاشی طور پر باکفایت تھے،اس مفہوم میں کہ انہوں نے ان وسائل کا بہترین استعمال کیا جو سوویٹ یونین کے پاس تھے۔یہ اگر مکمل ناکامی کا نہیں تو کم از کم معاشی تباہی اور جمود کا نسخہ لگتا ہے۔لیکن سوویٹ یونین نے تیزی سے ترقی کی۔اس کے سبب کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔لوگوں کو منڈیوں کے ذریعے اپنے فیصلے کرنے کی اجازت دینا، کسی معاشرے کے لئے اس کے وسائل کو باکفایت استعمال کرنے کی اجازت دیتا،کسی معاشرے کے لئے اس کے وسائل کو باکفایت استعمال کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

لیکن جب اس کی بجائے ریاست یا ایک محدود طبقہ علیا ان تمام وسائل پر قبضہ کر لیتا ہے،تو

MashalBooks.org

نہ تو صحیح محرکات پیدا ہوں گے نہ ہی لوگوں کو مہارتوں اور صلاحیتوں کی باکفایت تقسیم ہوگی۔ لیکن بعض صورتوں میں محنت اور سرمائے کی پیداواریت کسی ایک شعبے یا سرگرمی میں اتنی زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ سوویٹ یونین میں بھاری صنعت میں، کہ استحصالی اداروں کے تحت عوام سے خواص کی طرف کا عمل بھی، جو وسائل کی اس شعبے کی طرف تقسیم کرتا ہے، ترقی پیدا کرسکتا ہے، جیسا کہ ہم نے باب سوم میں دیکھا کریبین جزائز، جیسا کہ باربے ڈوس، کیوبا، ہیٹی اور جمائیکا میں استحصالی ادارے آمدنیوں کے بلند معیار پیدا کرنے قابل ہوگئے، کیونکہ انہوں نے وسائل شکر کی پیداوار کے لئے مختص کئے، جو کہ ایک ایسی جنس تھی، جس کی پوری دنیا میں مانگ تھی۔ شکر کی غلاموں کے جتھوں پر مبنی پیداوار یقیناً ''باکفایت'' نہ تھی، اور ان معاشروں میں کوئی تخلیقی تباہی یا ٹیکنولوجیاتی تبدیلی بھی نہ واقع ہوئی تھی، لیکن اس چیز نے انہیں استحصالی اداروں کے تحت ترقی کی کچھ نہ کچھ مقدار حاصل کرنے سے روکا۔ سوویٹ یونین میں بھی ایسی ہی صورت حال تھی، جس میں صنعت وہی کردار ادا کررہی تھی، جو شکر کریبین میں ادا کررہی تھی، صنعتی پیداوار کو سوویٹ یونین میں مزید آسان اس طرح بنا لیا گیا، کیونکہ اس کی ٹیکنولوجی، یورپ اور ریاستہائے متحدہ میں دستیاب ٹیکنولوجیوں کی نسبت بہت پسماندہ تھی، لہذا وسائل کو دوبارہ صنعتی شعبے میں مختص کرنے سے بڑے منافع حاصل کئے جاسکتے تھے، اگرچہ یہ سب کچھ غیر کفایت شعاری سے اور جبری طور پر کیا گیا۔

1928 سے پہلے زیادہ تر روسی دیہات میں رہتے تھے، کسانوں کے ہاتھوں استعمال کی جانے والی ٹیکنالوجی فرسودہ تھی، اور پیداواریت کے لئے بہت کم محرکات تھے، بلاشبہ روسی جاگیرداری کے آخری بچے کھچے اثرات بھی پہلی جنگ عظیم کے تھوڑا عرصہ پہلے ہی مٹائے گئے تھے۔ لہذا، اس محنت کو زراعت سے صنعت میں منتقل کرنے سے، بہت بڑا غیر وصول شدہ معاشی خفیہ صلاحیت حاصل کی جاسکتی تھی، سٹالن کی صنعتکاری اس مخفی صلاحیت کو باہر لانے کا ایک وحشیانہ طریقہ تھا۔ ایک فرمان کے ذریعے سٹالن نے ان بہت ناقص طریقے سے استعمال شدہ وسائل کو صنعت کی طرف منتقل کردیا، جہاں انہیں اس کی نسبت جو کچھ حاصل کیا گیا زیادہ پیداواری طریقے سے استعمال کیا جاسکتا تھا، اس کے باوجود کہ صنعت کو کہی بہت ہی نا اہل طریقے سے منظّم کیا گیا تھا۔ درحقیقت 1928 اور 1960 کے درمیان قومی آمدنی چھ فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھی۔ جو غالباً اس وقت تک تاریخ میں معاشی حالت کے اچانک تیزی سے ترقی کرنے کی سب

سے بلند رفتار تھی۔ یہ تیزی معاشی ترقی ٹیکنولوجیاتی تبدیلی کے ساتھ نہیں، بلکہ نئے اوزار اور کارخانے تعمیر کر کے محنت اور سرمائے کی ان کی طرف منتقلی سے حاصل کی گئی۔

ترقی اس قدر تیز تھی کہ اس نے مغربی لوگوں کی نسلوں کو بیوقوف بنادیا نہ کہ صرف لنکن سٹیفنز کو۔ اس نے ریاستہائے متحدہ کی سنٹرل انٹیلیجنس ایجنسی کو بھی بے وقوف بنایا، اس نے خود سوویٹ کے اپنے قائدین کو بھی بے وقوف بنایا، جیسا کہ نکیتا خروشچیف کو جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے 1956 میں مغربی سفارتکاروں کے سامنے ایک تقریر میں شیخی بگھاری کہ ''ہم آپ کو (مغرب کو) دفن کردیں گے۔ 1977 میں انگریز معیشت دان کی طرف سے لکھی گئی ایک سرکردہ علمی نصابی کتاب، نے یہ استدلال کیا کہ سوویٹ یونین کی طرز کی معیشتیں معاشی ترقی کے لحاظ سے سرمایہ دارانہ معیشتوں کی نسبت برتر ہیں، کیونکہ یہ تمام لوگوں کو ملازمت اور قیمتوں کا استحکام مہیا کرتی ہیں بلکہ خیراتی جذبہ رکھنے والے لوگ بھی پیدا کرتی ہیں۔ بیچارے پرانے سرمایہ دارانہ نظام نے تو صرف سیاسی آزادی مہیا کر کے ہی بہتری پیدا کی۔ بلاشبہ معاشیات میں سب سے زیادہ استعمال کی جانے والی یونیورسٹی کی نصابی کتاب، جو نوبیل انعام یافتہ پال سیموئیلسن (Paul Samuelson) کی طرف سے لکھی گئی، نے آنے والے دور میں سوویٹ یونین کے معاشی غلبے کی بار بار پیش گوئی کی، 1961 کے ایڈیشن میں، سیموئیلسن نے یہ پیشگوئی کہ کہ سوویٹ قومی آمدنی ممکنہ طور پر 1984 تک لیکن غالباً 1997 تک ریاستہائے متحدہ سے بڑھ جائیگی۔ 1980 کے ایڈیشن میں اس تجزیے میں تھوڑی سی تبدیلی تھی، اگرچہ ان دونوں تاریخوں کو 2002 اور 2012 تک موخر کردیا گیا تھا۔

اگرچہ سٹالن اور بعد میں آنے والے سوویٹ رہنماؤں کی پالسیاں تیز معاشی ترقی پیدا کرنے کے قابل ہوگئیں۔ لیکن وہ پائیدار طریقے سے ایسا نہیں کرسکے۔ 1970 کی دہائی تک تمام معاشی ترقی رک گئی۔ اہم ترین سبق یہ ہے کہ استحصالی ادارے دو وجوہات کی بنا پر پائیدار ٹیکنولوجیاتی تبدیلی پیدا نہیں کرسکتے: معاشی محرکات کا فقدان اور طبقہ علیا کی طرف سے مزاحمت۔ مزید برآں، جب ایک مرتبہ بہت نااہلی سے استعمال کئے گئے وسائل صنعت کی طرف منتقل کر دیئے گئے، تو فرمان سے کوئی بھی معاشی فوائد حاصل نہیں کئے جاسکتے تھے۔ پھر سوویٹ نظام ایک سڑک بندش سے ٹکرایا، جس میں جدت طرازی کا فقدان اور کمزور معاشی محرکات تھے، جو مزید ترقی

MashalBooks.org

کو روک رہے تھے۔ وہ واحد میدان جس میں سوویٹ بہت زیادہ کوششوں سے کچھ جدت طرازی کو قائم رکھنے میں کامیاب ہو سکے، وہ فوجی اور فضائی خلائی ٹیکنولوجی تھی۔ اس کے نتیجے میں وہ پہلا کتالائیکا اور پہلا انسان یوری گیگارین (Yuri Gagarin) خلا میں بھیجنے کے قابل ہو سکے۔ انہوں نے اپنے ورثے میں سے ایک تحفہ اے۔کے۔47 کلاشنکوف بھی دنیا کے لئے چھوڑا۔

گوسپلان، سوویٹ معیشت کی مرکزی منصوبہ بندی کی مفروضہ طور پر مختار کل انچارج منصوبہ بندی کی ایجنسی تھی۔ گوسپلان کی طرف سے لکھے گئے اور چلائے گئے پنجسالہ منصوبوں کے سلسلے کا مفروضہ طور پر پر ایک فائدہ وہ طویل الوقت افق تھا، جو معقول سرمایہ کاری اور جدت طرازی کے لئے ضروری تھا۔ درحقیقت جو کچھ سوویٹ صنعت میں نافذ العمل کیا گیا، اس کا پنجسالہ منصوبوں سے کوئی سروکار نہ تھا، جو اکثر اوقات یا دوبارہ لکھے جاتے تھے یا نظرثانی کئے جاتے تھے یا محض نظر انداز کر دیئے جاتے تھے۔ صنعت کی ترقی، سٹالن اور پولٹ بیورو کے احکامات کی بنیاد پر ہوتی تھی، جو اکثر اوقات اپنا ذہن تبدیل کر لیتے تھے، اور اکثر اوقات اپنے سابقہ فیصلوں پر مکمل طور پر نظرثانی کر لیتے تھے۔ تمام منصوبوں پر ''خاکہ'' یا ''ابتدائی'' کا لیبل لگا ہوتا تھا۔ منصوبے کے صرف ایک نسخے پر حتمی (final) لکھا ہوا تھا۔ جو کہ 1939 میں ہلکی صنعت کے لئے تھا۔ جو آج تک روشنی میں آیا ہے۔ خود سٹالن نے 1937 میں کہا کہ ''صرف نوکر شاہی کے لوگ ہی یہ سوچ سکتے ہیں کہ منصوبہ بندی کا کام صرف منصوبہ بنانے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ منصوبے کی تخلیق تو صرف آغاز ہوتی ہے۔ منصوبے کی حقیقی سمت منصوبے کو جوڑنے کے بعد ہی واضح ہوتی ہے، سٹالن چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو انعام دے جو سیاسی طور پر وفادار تھے اور ان لوگوں کو سزا دے جو ایسے نہیں تھے۔ کی اس کی مرضی زیادہ سے زیادہ ہو، جہاں تک گوسپلان تھا، تو اس کا بنیادی کام سٹالن کو معلومات مہیا کرنا تھا، تاکہ وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں پر بہتر طور پر نگاہ رکھ سکے۔ یہ درحقیقت فیصلے کرنے سے احتراز کرتی تھی۔ اگر آپ نے کوئی ایسا فیصلہ کر لیا جس کا نتیجہ برا نکلا تو آپ گولی کا نشانہ بن سکتے تھے۔ لہذا ہر قسم کی ذمہ واری سے احتراز کرنا ہی بہتر تھا۔

اس بات کی ایک مثال کہ کیا ہو سکتا تھا اگر آپ اپنے کام کو بہت زیادہ سنجیدگی سے لیتے، بجائے اپنی طرف سے اندازہ لگانے کے کمیونسٹ پارٹی کیا چاہتی ہے، 1937 کی سوویٹ مردم شماری سے مہیا ہو سکتی ہے۔ جب نتائج آئے، تو یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ تقریباً 162 ملین کی آبادی

ظاہر کریں گے، جو کہ 180 ملین سے بہت زیادہ کم ہے، جس کی سٹالن نے پیشین گوئی کی تھی، اور بلاشبہ 168 کی رقم سے بھی بہت کم ہے جس کا سٹالن نے 1934 میں خود اعلان کیا تھا۔ 1937 کی مردم شماری 1926 کے بعد پہلی مردم شماری تھی، اور لہذا 1930 کی ابتدا کے بڑے پیمانے پر قحطوں اور تطہیروں کے بعد پہلی مردم شماری تھی۔ آبادی کی حقیقی تعداد اس چیز کی عکاسی کرتی تھی۔ اس پر سٹالن کا ردعمل یہ تھا کہ اس نے ان لوگوں کو جنہوں نے مردم شماری منظّم کیا تھا، گرفتار کر لیا اور سائبیریا بھیج دیا یا مروا دیا۔ اس نے ایک اور مردم شماری کا حکم دیا جو 1939 میں واقع ہوئی۔ اس مرتبہ منتظمین نے اسے ٹھیک کر لیا؛ انہوں نے پالیا کہ آبادی حقیقتاً 171 ملین تھی۔

سٹالن اس بات کو سمجھ گیا تھا کہ سوویٹ معیشت میں لوگوں کے پاس محنت کرنے کے لئے بہت کم محرکات ہیں۔ ایک فطری ردعمل یہ ہونا چاہئے تھا کہ کہ ایسے محرکات متعارف کروائے جائیں، اور بعض اوقات اس نے کئے۔ مثال کے طور پر، ان علاقوں میں جہاں پیداواریت کم ہو گئی تھی، انعام دینے کے لئے خوراک کی رسد بھیجنا۔ مزید برآں 1931 تک اس نے سوشلسٹ مردوں اور عورتوں کو جو بغیر مالی محرک کے کام کریں گے تیار کرنے کے تصور کو ناممکن العمل سمجھ کر ترک کر دیا۔ ایک مشہور تقریر میں اس نے ''مساوات پیدا کرنے'' پر تنقید کی، اور اس کے بعد نہ صرف یہ کہ مختلف کاموں کا معاوضہ مختلف دیا جانے لگا، بلکہ بونس کے نظام کو متعارف کروایا گیا۔ اس بات کو سمجھنا چشم کشا ہے کہ یہ کیسے کام کرتا تھا۔ عمومی طور پر مرکزی منصوبہ بندی کے تحت کسی فرم کو اس پیداواری ہدف کو پورا کرنا ہوتا تھا جو منصوبے کے تحت رکھا گیا ہو، اگرچہ ایسے منصوبوں پہ اکثر دوبارہ گفت وشنید کی جاتی تھی، اور وہ تبدیل کر دیئے جاتے تھے۔ 1930 کی دہائی سے کارکنوں کو بونس ادا کئے جاتے تھے اگر پیداوار کے معیار حاصل کر لئے جاتے۔ یہ بہت اونچے ہو سکتے تھے۔ مثال کے طور پر اتنے جتنے کہ انتظامیہ یا سینیر انجنیروں کے لئے تنخواہ کا 37 فیصد۔ لیکن ایسے بونسوں کا ادا کرنا، ٹیکنولوجیاتی تبدیلی کے لئے ہر قسم کے عدم محرکات پیدا کرتا تھا۔ ایک بات یہ تھی کہ جدت طرازی، جو وسائل کو موجودہ پیداوار سے دور لے جاتی تھی، پیداواری اہداف پورا نہ ہونے اور بونسوں کے ادا نہ کئے جانے کا خطرہ مول لیتی تھی۔ دوسری چیز، پیداواری اہداف عام طور پر سابقہ پیداواریت کے معیارات پر مبنی ہوتے تھے۔ اس چیز نے پیداوار کو کبھی نہ بڑھانے کا ایک بہت بڑا محرک پیدا کر دیا، کیونکہ اس کا واحد مطلب تھا مستقبل میں زیادہ پیدا کرنا، کیونکہ مستقبل

MashalBooks.org

کے اہداف بڑھ جائیں گے کم کامیابی ہمیشہ اہداف کو پورا کرنے اور بونس حاصل کرنے کا بہترین طریقہ تھا۔ یہ امر بھی کہ بونس ماہوار ادا کئے جاتے تھے، ہر شخص کو حال پر توجہ جمائے رکھنے پر مجبور کرتا تھا، جبکہ جدت طرازی، آج قربانی کرنے، تاکہ کل کو زیادہ حاصل کیا جاسکے، کے روپے کا نام ہے۔

اگرچہ بونس اور محرکات رویے کو تبدیل کرنے میں موثر تھے، لیکن وہ اکثر اوقات دوسرے مسائل پیدا کرتے تھے۔ مرکزی منصوبہ بندی اس کی جگہ لینے میں بالکل موزوں نہیں تھی، جسے اٹھارویں صدی کے معیشت دان ایڈم سمتھ (Adam Smith) نے منڈی کا ''غیر مرئی ہاتھ'' قرار دیا تھا۔ جب کوئی منصوبہ سٹیل کی ٹنوں چادر کے بارے میں بنایا جاتا تھا، تو چادر بہت بھاری بن جاتی تھی، جب اسے سٹیل کی چادر کے رقبے کے لحاظ سے بنایا جاتا تھا تو چادر پتلی بن جاتی تھی۔ جب فانوسوں کا منصوبہ ٹنوں میں بنایا جاتا تھا تو اتنے بھاری بن جاتے تھے کہ چھتوں سے نہیں لٹکائے جا سکتے تھے۔

1940 کی دہائی تک سوویٹ یونین کے رہنما، اگرچہ مغرب میں ان کے مداح نہیں، ان غلط محرکات سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ سوویٹ رہنماؤں نے یہ اداکاری کی کہ گویا وہ تکنیکی مسائل کی وجہ سے ایسے تھے، جنہیں ٹھیک کیا جاسکتا تھا۔ مثال کے طور پر، وہ پیداوار کے اہداف کے مطابق بونس ادا کرنے سے ہٹ کر اس طرح آ گئے کہ فرموں کو اجازت دے دیں۔ لیکن ''منافع کا محرک''، جدت طرازی کیلئے اتنا حوصلہ افزا نہیں تھا جتنا کہ پیداواری اہداف پر مبنی محرک۔ منافع جاتا کا حساب کتاب لگانے کے لئے استعمال کیا جانے والا نظام تقریباً مکمل طور پر نئی ایجادات یا ٹیکنولوجی کی قدروقیمت سے مکمل طور پر غیر متعلق تھا۔ منڈی کی معیشت کے برخلاف سوویٹ یونین میں قیمتیں حکومت کی طرف سے مقرر کی جاتی تھیں، اور اس طرح ان کا قدر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ زیادہ خصوصی طور پر جدت طرازی کے لئے محرکات پیدا کرنے کے لئے سوویٹ یونین نے 1946 میں واضح طور پر جدت طرازیوں کے بونس متعارف کروائے۔ 1918 تک یہ اصول تسلیم کرلیا گیا تھا کہ کسی موجد کو اس کی ایجاد پر مالی صلہ دیا جائے، لیکن مقرر کئے گئے صلہ جات کم اور نئی ٹیکنولوجی کی قدروقیمت سے غیر متعلق تھے۔ یہ چیز صرف 1956 میں تبدیل ہوئی، جب یہ شرط رکھی گئی کہ بونس اس کی ایجاد کی پیداواریت سے متناسب ہونا چاہیئے۔ تاہم، کیونکہ پیداواریت کا حساب کتاب ان معاشی مفادات کے لحاظ سے لگایا جاتا تھا جن کی پیمائش قیمتوں

کے موجودہ نظام کو استعمال کرتے ہوئے لگائی جاتی تھی۔ لہذا یہ بھی ایجاد کرنے کے لئے کوئی اتنا اچھا محرک نہیں تھا۔ آدمی ان غلط محرکات کی مثالوں سے، جو ان سکیموں نے پیدا کئے صفحوں کے صفحے بھر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، چونکہ ایجاد کے بونس کے فنڈ کا حجم کسی فرم کے معاوضوں کے بل کی وجہ سے محدود ہو جاتا تھا، تو یہ فوری طور پر کسی ایسی ایجاد کو پیدا کرنے یا اختیار کرنے کے محرک کو کم کر دیتا تھا، جو محنت کے خرچ میں کفایت کرسکتی تھی۔

مختلف اسکیموں اور بونس کے نظاموں پر توجہ مرکوز کرنا، اس نظام کی فطری خامیوں پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ جتنے عرصے تک سیاسی اقتدار کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھ میں رہا، تو ان بنیادی محرکات کو تبدیل کرنا جن کا لوگوں کو سامنا تھا، بنیادی طور پر کرنا ناممکن تھا، خواہ بونس ہوں یا نا ہوں، اپنی ابتدا سے ہی کمیونسٹ پارٹی نے نہ صرف گاجریں استعمال کی تھیں بلکہ چھڑیاں بھی، بہت بڑی چھڑیاں، اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے، معیشت میں پیداواریت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ قوانین کے ایک مکمل سیٹ نے ان کارکنوں کیلئے جن کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ کام میں کوتاہی کرتے ہیں، فوجداری جرائم تیار کئے تھے۔ مثال کے طور پر 1940 میں، ایک قانون نے غیر حاضری، یا محض کام میں سستی کے طور پر کی گئی، ایک فوجداری جرم بنا دیا جس کی سزا چھ ماہ کی بامشقت محنت اور تنخواہ پر 25 فیصد کٹوتی تھی۔ اسی طرح کی کئی قسم کی سزائیں متعارف کروائی گئیں اور ان پر بہت حیرت انگیز تیزی سے عمل کیا گیا۔ 1940 اور 1955 کے درمیان 36 ملین لوگ، جو بالغ آبادی کا تقریباً ایک تہائی تھا، ایسے جرائم کے مجرم پائے گئے۔ ان میں سے 15 ملین لوگوں کو جیل بھیجا گیا اور 250,000 کو گولیوں سے اڑا دیا گیا۔ کسی بھی سال میں دس لاکھ بالغ لوگوں کو محنت کی خلاف ورزی پر جیل بھیج دیا جاتا تھا؛ اس میں ان 2.5 ملین لوگوں کا تو ذکر ہی نہیں ہے جنہیں سٹالن نے سائبیریا کے عقوبت خانوں میں ڈال دیا۔ لیکن اس سے بھی کام نہیں چلا۔ اگرچہ آپ لوگوں کو کارخانے میں بھیج سکتے ہیں، لیکن آپ لوگوں کو اچھے خیالات رکھنے پر انہیں گولی مارنے کے خوف سے مجبور نہیں کرسکتے۔ اس طرح جبر نے ہوسکتا ہے کہ باربے ڈوس اور جمائیکا میں شکر کی ایک بہت اونچی پیداوار کو جنم دے، یا ہو، لیکن یہ جدید صنعتی معاشرے میں محرکات کی کمی کا مداوا نہیں کرسکتا۔

یہ حقیقت کہ مرکزی منصوبہ بند معیشت میں حقیقی طور پر موثر محرکات متعارت نہیں کروائے

MashalBooks.org

جا سکے، بونس اسکیموں کے ڈیزائن میں کسی غلطی کی وجہ سے نہیں تھی۔ بلکہ یہ اس پوری طریق کار کا فطری نقص تھا جس کے ذریعے استحصالی ترقی حاصل کی گئی تھی۔ ایسا حکومتی احکامات کے تحت کیا گیا تھا، جو کچھ بنیادی مسائل کو تو حل کر سکتی تھی۔ لیکن پائیدار معاشی ترقی کو تحریک دینے کے لئے یہ ضروری تھا کہ افراد اپنے تصورات اور صلاحیتوں کو استعمال کریں، اور ایسا سوویٹ کے انداز کے معاشی نظام کے ساتھ کبھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سوویٹ یونین کے حکمرانوں کو استحصالی معاشی اداروں کو ترک کرنا پڑتا تھا، لیکن ایسا اقدام ان کے سیاسی اقتدار کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔ بلاشبہ جب میخائل گورباچوف نے 1987 کے بعد استحصالی معاشی اداروں سے دور ہٹنا شروع کیا، تو کمیونسٹ پارٹی کا اقتدار ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی سوویٹ یونین بھی۔

سوویٹ یونین استحصالی اداروں کے تحت بھی تیز ترقی کرنے کے قابل اس وجہ سے ہو سکا کیونکہ بولشویکوں نے ایک طاقتور مرکزیت کی حامل ریاست تعمیر کی اور اسے صنعت کی طرف وسائل کو منتقل کیا، لیکن جیسا کہ استحصالی اداروں کے تحت ترقی کی تمام مثالوں میں ہوتا ہے، اس تجربے میں بھی ٹیکنولوجیاتی تبدیلی کا پہلو نہیں آیا اور یہ قائم نہیں رہی۔ ترقی پہلے سست رو ہوئی اور پھر یکدم ختم ہو گئی۔ اگرچہ یہ ترقی عارضی تھی، لیکن پھر بھی اس قسم کی ترقی اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ کس طرح استحصالی ادارے بھی معاشی ترقی کو تحریک دے سکتے ہیں۔

پوری تاریخ میں زیادہ تر معاشروں پر استحصالی اداروں کی حکومت رہی ہے، اور وہ معاشرے جو ملکوں پر نظم وضبط کی کوئی حد عائد کرنے میں کامیاب رہے ہیں، کچھ محدود ترقی لانے میں کامیاب رہے ہیں۔ اگرچہ ان استحصالی معاشروں نے پائیدار ترقی پیدا کرنے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کی۔ درحقیقت تاریخ میں کچھ اہم موڑوں کی خصوصیت ایسی اداراتی ایجادات رہی ہے کہ جنہوں نے استحصالی اداروں کو مضبوط کیا ہے اور کسی ایک گروپ کی حاکمیت کو اتنا بڑھا دیا کہ اس نے نظم ونسق قائم کر دیا اور استحصال سے فائدہ اٹھایا۔ اس باب کے باقی ماندہ حصے میں ہم ان اداراتی ایجادات کی نوعیت پر بحث کریں گے جو ایک درجے تک ریاست کی مرکزیت قائم کرتے ہیں، اور استحصالی اداروں کے تحت ترقی کو ممکن بناتے ہیں، پھر ہم یہ دکھائیں گے کہ یہ تصورات کس طرح ہمیں حجری دور، جو کہ زراعت کی طرف ایک اہم تبدیلی ہے، جو جدید تہذیب کے بہت سے پہلوؤں کو سہارا دیتی ہے، سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ہم، مایا شہری ریاستوں کی مثال

سے واضح کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ استحصالی اداروں کے تحت ترقی محض ٹیکنولوجیاتی ترقی کے فقدان کی وجہ سے محدود نہیں ہوتی، بلکہ اس کی وجہ سے ہوتی ہے، کہ یہ ان مخالف گروہوں کے درمیان اندرونی کشمکش کو ہوا دیتی ہے جو ریاست اور اس استحصال کو جو وہ پیدا کرتی ہے پر قبضہ حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

کسائی کے کناروں پر

دریائے کانگو کے بڑے معاون دریاؤں میں سے ایک کسائی ہے۔ انگولا میں شروع ہو کر، یہ شمالی کی طرف رخ کرتا ہے اور دریائے کانگو سے کنساشا کے شمال مشرق میں ضم ہو جاتا ہے، جو کہ جدید عوامی جمہوریہ کانگو کا دارالحکومت ہے۔ اگرچہ عوامی جمہوریہ کانگو بھی باقی دنیا کے مقابلے میں غریب ہے، لیکن کانگو کے اندر بھی مختلف گروپوں کے درمیان خوشحالی کے لحاظ سے اہم اختلافات رہے ہیں۔ کسائی ان میں سے دو کے درمیان ایک سرحد ہے۔ مغربی کنارے سے کانگو میں داخل ہونے کے جلد ہی بعد آپ لیل لوگوں سے ملیں گے؛ مشرقی کنارے پر بشانگ ہیں (نقشہ نمبر 6) ظاہری طور پر ان دونوں گروپوں کے درمیان خوشحالی کے حوالے سے نہ ہونے کے برابر اختلافات ہونے چاہئیں۔ وہ صرف ایک دریا کے ذریعے علیحدہ ہوئے ہیں، جسے دونوں کشتی کے ذریعے عبور کر سکتے ہیں، ان دونوں مختلف قبائل کی اصل ایک ہے اور زبانیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے اکثر اپنے انداز کے لحاظ سے ایک جیسی ہیں، بشمول ان کے گھروں، کپڑوں اور مہارتوں کے۔

تاہم جب 1950 کی دہائی میں ماہر بشریات میری ڈگلس (Mary Douglas) اور مورخ جان وینسینا (Jan vansina) نے ان گروپوں کا مطالعہ کیا، تو انہوں نے ان کے درمیان چونکا دینے والے اختلافات کو دریافت کیا، جیسا کہ ڈگلس نے لکھا؛ ''لیل غریب ہیں، جبکہ بشانگ امیر ہیں ہر وہ چیز جو لیلوں کے پاس ہے یا وہ کر سکتے ہیں، وہ بشانگ کے پاس اس سے زیادہ ہے اور وہ ان سے بہتر کر سکتے ہیں'' اس عدم مساوات کی سادہ توجیہہ کو پانا بہت آسان ہے۔ ایک فرق جو پیرو کی مختلف جگہوں کے درمیان فرق کی یاد دلاتا ہے، جو پوٹوسی میٹا کے تابع تھیں یا نہیں تھیں، یہ ہے کہ لیل محض گزارے کے لئے پیدا کرتے ہیں، جبکہ بشانگ مارکیٹ میں تبادلے کے لئے پیدا کرتے

MashalBooks.org

ہیں، ڈگلس اور وینسنا نے یہ بات بھی دیکھی کہ لیل کم تر ٹیکنالوجی استعمال نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ یہ پیداوار کو بہت حد تک بڑھا دیتے ہیں۔ ڈگلس نے یہ استدلال کیا: ''جالوں کی عدم موجودگی لیل کے عمومی رجحان کے ساتھ ہم آہنگ ہے، کہ وہ طویل المدت ساز وسامان میں زیادہ وقت اور محنت صرف نہیں کرتے۔

زرعی ٹیکنولوجیوں اور تنظیم میں بھی اہم اختلافات تھے۔ بشانگ مخلوط کھیتی باڑی کی جدید شکل پر عمل کرتے تھے، جہاں دو سال کے باری کے نظام میں پانچ فصلیں تسلسل میں کاشت کی جاتی تھیں، وہ کچالو، شکرقندی، کساوا اور پھلیاں اگاتے تھے اور مکئی کی دو اور بعض اوقات تین فصلیں سال میں اٹھاتے تھے۔ لیلوں کے ہاں ایسا کوئی نظام نہیں تھا اور وہ سال میں مکئی کی صرف ایک فصل اٹھا پاتے تھے۔

امن وامان میں بھی بڑے واضح اختلافات تھے۔ شہر قلعہ بند گاؤوں میں بکھرے ہوئے تھے، جو مسلسل تصادم میں رہتے تھے۔ کوئی بھی شخص جو دو گاؤں کے درمیان سفر کر رہا ہوتا، یا جنگل میں خوراک جمع کرنے کے لئے جانے کی کوشش کر رہا ہوتا، وہ حملہ کئے جانے یا اغوا کئے جانے کے خطرے سے دوچار رہتا۔ بشانگ کے علاقے میں اگرچہ چیز کبھی ہوتی بھی تھی تو شاذ ونادر۔

پیداوار کے طریقوں، زرعی ٹیکنولوجی اور امن وامان کے غلبے میں ان اختلافات کے پیچھے کیا تھا؟ واضح بات ہے کہ یہ جغرافیہ نہیں تھا، جس نے لیل لوگوں کو کم تر شکار اور زرعی ٹیکنولوجی کے استعمال پر آمادہ کیا۔ یہ لاعلمی بھی نہ تھی، کیونکہ وہ بشانگ کے زیر استعمال اوزاروں کے بارے میں جانتے تھے۔ اس کی ایک متبادل توجیہہ ثقافت ہوسکتی ہے؛ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ لیلوں کی ثقافت ایسی تھی جو شکار کے جالوں میں اور بہتر تعمیر کے مکانوں میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی تھی؟ لیکن یہ بھی صحیح نہیں لگتا۔ جیسا کہ کانگو کے ساتھ معاملہ تھا، لیل بھی بندوقوں کی خریداری میں بہت دلچسپی رکھتے تھے، اور ڈگلس نے بھی یہ رائے دی کہ: ''آتشیں اسلحہ کی خرید میں ان کی دلچسپی یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان کی ثقافت انہیں کم تر تکنیکوں میں محدود نہیں کرتی ہے کہ ان کی ثقافت انہیں کم طویل المیعاد تعاون اور کوشش کی ضرورت نہ ہو۔'' پس نہ تو ٹیکنولوجی سے ثقافتی احتراز، نہ ہی لاعلمی نہ ہی جغرافیہ، لیل کے مقابلے میں بشانگ کی زیادہ خوشحالی کی توجیہہ پیش کرنے میں کوئی اچھا کردار ادا کرتے ہیں۔

ان دونوں قوموں کے درمیان اختلافات کی وجہ ان مختلف سیاسی اداروں میں مضمر ہے جو بشانگ اور لیل کی سرزمینوں میں ابھرے۔ ہم نے پہلے ہی دیکھا ہے کہ لیل ایسے قلعہ بند گاؤں میں رہتے تھے، جو متحدہ سیاسی ڈھانچے کا حصہ نہیں تھے۔ کسائی کے دوسری جانب معاملہ مختلف تھا۔ 1620 کے آس پاس شیام (Shyaam) نامی ایک شخص کی قیادت میں ایک سیاسی انقلاب رونما ہوا۔ جس نے کوبا بادشاہت قائم کی، جو ہم نے نقشہ نمبر 6 میں دیکھی، جس میں اس کے مرکز میں بشانگ میں اور وہ خود بطور بادشاہ اس میں موجود ہے۔ اس دور سے پہلے، غالباً لیل اور بشانگ کے درمیان کوئی اختلافات نہیں تھے؛ اختلافات اس طریقے کے نتیجے میں پیدا ہوئے جس طرح شیام نے معاشرے کو دریا کے مشرق کی طرف منظم کیا۔ اس نے ایک ریاست اور سیاسی اداروں کا ایک اہرام تعمیر کیا۔ یہ نہ صرف پہلے کی نسبت زیادہ مرکزیت کے حامل تھے بلکہ اس میں انتہائی پیچیدہ ڈھانچے بھی تھے۔ شیام اور اس کے جانشینوں نے ٹیکس لگانے کے لئے ایک نوکر شاہی، ایک قانونی نظام اور ایک پولیس نظم ونسق قائم کرنے کے لئے ایک پولیس کا نظام قائم کیا، رہنماؤں کی دیکھ بھال کونسلوں کی طرف سے کی جاتی تھی، جن کے ساتھ فیصلے کرنے سے پہلے انہیں مشورہ کرنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ پنچائت کے سامنے مقدمہ بھی ہوتا تھا، جو کہ بظاہر زیریں صحارائی افریقہ کا، یورپی سامراجیت سے پہلے ایک منفرد واقعہ تھا۔ بہرحال، وہ مرکزیت کی حامل ریاست جو شیام نے قائم کی استحصال کا ایک ذریعہ اور بہت زیادہ مطلق العنان تھی۔ اس کے لئے کوئی ووٹ نہیں دیتا تھا، اور ریاستی پالیسی اوپر سے نافذ کی جاتی تھی، عوامی شرکت سے نہیں۔

یہ سیاسی انقلاب، جس نے کوبا کے ملک میں ریاستی مرکزیت، امن وامان متعارف کروایا، جوابی طور پر ایک معاشی انقلاب پر منتج ہوا، زراعت کی تنظیم نو کی گئی اور پیداوار کو بڑھانے کے لئے نئی ٹیکنولوجیاں اختیار کی گئیں، ان فصلوں کی جگہ جو پہلے خاص تھیں، نئی فصلیں لائی گیں، جو زیادہ پیداوار والی تھیں۔ یہ امریکاؤں سے منگوائی گئیں (خاص طور پر مکئی، کساوا، اور چلی کی کالی مرچیں) اس موقع پر زبردست مخلوط کاشتکاری کا چکر متعارف کروایا گیا، اور فی کس پیدا کی جانے والی خوراک دوگنی ہوگئی۔ ان فصلوں کو اپنانے اور زرعی چکر کو دوبارہ منظم کرنے کے لئے کھیتوں میں مزید ہاتھوں کی ضرورت تھی۔ لہذا شادی کی عمر کو کم کرکے بیس سال پر لایا گیا، جس نے زرعی محنت کشوں کی جمعیت میں مردوں کو زیادہ نوجوانی کی عمر میں لانے میں مدد کی۔ لیل کے ساتھ اس کا

MashalBooks.org

موازنہ بہت نمایاں ہے۔ ان کے مردوں کا رجحان پینتیس سال کی عمر میں شادی کرنے کا تھا اور وہ صرف اس وقت کھیتوں میں کام کرتے تھے۔ اس وقت تک وہ اپنی زندگیوں کو لڑنے اور حملے کرنے کے لئے وقف رکھتے تھے۔

سیاسی اور معاشی اداروں کے درمیان تعلق بڑا سادہ تھا۔ بادشاہ شیام اور اس کے معاونین کو بالوگوں سے ٹیکس اور دولت غصب کرنا چاہتے تھے، جنہیں اس سے زائد پیدا کرنا پڑتا جو وہ خود استعمال کرتے تھے۔ اگرچہ شیام اور اس کے آدمیوں نے کسائی کے مشرقی کنارے پر اشتمالی ادارے متعارف نہیں کروائے، لیکن ایسے استحصالی اداروں کے ساتھ جو ایک حد تک امن وامان اور ریاست کی مرکزیت حاصل کرلیں، کچھ نہ کچھ معاشی خوشحالی فطری ہوتی ہے۔ معاشی سرگرمی کی حوصلہ افزائی کرنا یقیناً شیام اور اس کے آدمیوں کے مفاد میں تھا، کیونکہ بصورت دیگر ان کے غصب کرنے کے لئے کچھ نہیں ہونا تھا۔ سٹالن کی طرح شیام نے بھی حکم کے ذریعے اداروں کا ایک سیٹ تیار کیا، جو اس نظام کی مدد کرنے کے لئے ضروری دولت پیدا کرتا۔ نظم ونسق کی اس کامل عدم موجودگی کے مقابلے میں جو کسائی کے دوسرے کنارے پر حکمران تھی۔ اس نے خاصی معاشی خوشحالی پیدا کی۔ اگرچہ اس بڑا حصہ شیام اور اس کی اشرافیہ غصب کرلیتے تھے۔ لیکن یہ بہرحال محدود تھی۔ جیسے سوویٹ یونین میں کوئی تخلیقی تباہی نہیں تھی۔ بالکل اسی طرح کوبا میں بھی کوئی تخلیقی تباہی نہ تھی اور اس ابتدائی تبدیلی کے بعد کوئی ٹیکنولوجیاتی جدت طرازنہیں تھی، یہ صورت حال اس وقت تک غیر متبدل رہی جب تک کہ اس بادشاہت کو انیسویں صدی کے اواخر میں بلجیم نوآبادیاتی سرکاری کارندوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

بادشاہ شیام کی کامیابی اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ کس طرح استحصالی اداروں کے ذریعے کچھ محدود سے درجے تک معاشی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایسی ترقی پیدا کرنے کے لئے ایک مرکزیت کی حامل ریاست کی ضرورت ہوتی ہے۔ ریاست کو مرکزانے کے لئے سیاسی انقلاب ضروری ہوتا ہے۔ ایک دفعہ شیام نے جب یہ ریاست حاصل کرلی تو وہ اس کی طاقت کو معیشت کو دوبارہ منظّم کرنے اور زرعی پیداواریت کو بڑھانے کے لئے استعمال کرسکتا تھا، جس پر پھر وہ ٹیکس لگا سکتا تھا۔

ایسا کیوں تھا کہ لیل نہیں بلکہ بشانگ یہ سیاسی انقلاب لا سکے؟ کیا لیل اپنا بادشاہ شیام

حاصل نہیں کر سکتے تھے؟ جو کچھ شیام نے کیا وہ ایک ادارہ جاتی جدت طرازی تھی جو کسی جبری طریقے سے جغرافیے، ثقافت یا جہالت کے ساتھ منسلک نہ تھی۔ لیل بھی ایسا ہی انقلاب لاسکتے اور اسی طرح اپنے اداروں کو تبدیل کرسکتے تھے، لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ غالباً ایسا ان وجوہات کی بنا پر ہے جنہیں ہم آج ان کے معاشرے کے بارے میں محدود علم رکھنے کی وجہ سے نہیں سمجھ سکتے۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ ایسا تاریخ کی اتفاقی نوعیت کی وجہ سے ہے۔ غالباً اس وقت بھی یہی اتفاقی نوعیت کام کررہی تھی، جب بارہ ہزار سال پہلے، شرق اوسط میں کچھ معاشرے ایک اس سے بھی زیادہ انقلابی، اداراتی جدت طرازیوں کے ایسے مجموعے کا آغاز کررہے تھے، جو مقیم معاشروں اور پھر پودوں اور جانوروں کو پالتو بنانے پر منتج ہوا، جیسا ہم آگے بحث کریں گے۔

طویل موسمِ گرما

1500 ق م میں برفانی دور کا خاتمہ ہوا، جوں ہی زمین کی آب وہوا گرم ہوئی، گرین لینڈ کے برف کے درمیانی ٹکڑوں سے حاصل ہونے والی شہادت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اوسط درجہ حرارت تھوڑے عرصے میں سیل سیس سکیل کے مطابق پندرہ درجے تک بڑھ گیا۔ لگتا ہے یہ گرماہٹ انسانی آبادی میں اضافے کے ساتھ بہ یک وقت ہوئی، جب کرہ ارض کی گرماہٹ حیوانی آبادی میں اضافے اور جنگلی پودوں اور خوراکوں کی بہت زیادہ دستیابی پر منتج ہوئی۔ یہ عمل تقریباً چودہ ہزار ق م میں دوبارہ بہت تیزی سے پیچھے کی طرف لوٹا، خنکی کے دور کی وجہ سے، جسے ینگر ڈریاس (Younger Dryas) کا نام دیا جاتا ہے، لیکن 9600 ق م کے بعد عالمی درجہ حرارت دوبارہ بڑھ گیا، ایک دہائی سے بھی کم عرصے میں سات درجے سیل سیس تک، اور اس وقت سے بلندی پر قائم ہے۔ ماہر آثارِ قدیم بریان فاگن (Brian Fagan) اسے طویل موسم گرما کا نام دیتا ہے۔ آب وہوا کا گرم ہونا ایک بہت بڑا فیصلہ کن موڑ تھا۔ جس نے جدید حجری دور کیلئے پس منظر تیار کیا، جہاں انسانی معاشروں نے مقیمی زندگی کی طرف تبدیلی کی، کاشت کاری اور ریوڑ پالنے کی طرف، یہ اور بعد کی انسانی زندگی، اس طویل موسم گرما میں دھوپ تاپنے کا تسلسل ہے۔

کاشتکاری اور ریوڑ پالنے اور شکار اکٹھا کرنے کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے، اول الذکر پودوں اور جانوروں کے پالتو بنانے پر مبنی ہے، جس میں ان کے زیست کے دائروں میں

MashalBooks.org

فعال مداخلت کر کے ان کی جینیات کو تبدیل کیا جاتا ہے تا کہ ان انواع کو انسانوں کے لئے زیادہ مفید بنایا جا سکے۔ پالتو بنانا ایک ٹیکنولوجیاتی تبدیلی ہے، جو انسانوں کو دستیاب پودوں اور جانوروں سے بہت زیادہ خوراک پیدا کرنے کے قابل بناتا ہے۔ مثال کے طور پر مکئی کا پالتو بنانا اس وقت شروع ہوا جب انساں نے ٹیوسنٹی جو کہ ایک جنگلی فصل تھی جو مکئی کی جد تھی، کو جمع کیا۔ ٹیوسنٹی کی کلیاں بہت چھوٹی تھیں، جو بمشکل چند سینٹی میٹر طویل تھیں۔ وہ جدید مکئی کی بونی بنائی ہوئی کلیاں تھیں۔ لیکن بتدریج ٹیوسنٹی کی نسبتاً بڑی بالیوں کو منتخب کر کے، اور ایسے پودوں کو منتخب کر کے جن کی بالیاں ٹوٹتی نہیں تھیں بلکہ تنے پر کھڑی رہتی تھیں تا کہ ان کی فصل کاٹی جائے، انسانوں نے جدید مکئی پیدا کی، جو کہ ایک ایسی فصل ہے جو زمین کے اسی ٹکڑے سے کہیں زیادہ خوراک مہیا کرتی ہے۔

کاشتکاری، گلہ بانی، اور پودوں اور جانوروں کو گھریلو بنانے کی ابتدا شرق اوسط سے ہوئی، خصوصی طور پر اس علاقے سے جسے پہاڑ کے دامن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جو جدید اسرائیل کے جنوب سے شروع ہو کر فلسطین اور دریائے اردن کے مغربی کنارے سے ہوتا ہوا، شام کے راستے اور جنوب مشرقی ترکی میں داخل ہوتا ہوا، شمالی عراق اور مغربی ایران تک جاتا ہے۔ 9500 ق م کے لگ بھگ، پہلے گھریلو پودے جنگلی گندم اور دو قطاروں والی جو جریکو میں، جو فلسطین میں دریائے اردن کے مغربی کنارے پر واقع ہے، پائے جاتے تھے اور جنگلی گندم، پھلیاں اور مسور کی دال شام میں مزید شمالی کی طرف تل اسود میں۔ دونوں جگہیں نطوفیان کے نام سے پکاری جانے والی ثقافت کے مراکز تھیں، اور دونوں بڑے بڑے گاؤں پر مشتمل تھیں، جریکو کے گاؤں کی آبادی اس وقت غالباً پانچ سو افراد پر مشتمل تھی۔

پہلے کاشتکاری والے گاؤں یہیں تھے اور کہیں اور نہیں؟ یہ نطوفیان ہی کیوں تھے اور کوئی دوسرے لوگ کیوں نہیں جنہوں نے پھلیوں اور مسور کی دال کو گھروں میں اگایا؟ کیا وہ خوش قسمت تھے اور اتفاق سے وہیں رہتے تھے جہاں پودوں کو گھریلو بنانے کے لئے بہت سے مخفی صلاحیت رکھنے والے امیدوار تھے؟ اگرچہ یہ صحیح ہے لیکن بہت سے دوسرے لوگ ان انواع کے درمیان زندہ رہ رہے تھے، لیکن انہوں نے انہیں گھروں میں نہیں بسایا، جیسا کہ ہم نے باب دوم نقشہ نمبر 2 اور نقشہ نمبر 4، اور نمبر 5 میں دیکھا، ماہرین جینیات اور ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیق جو ان جدید پالتو جانوروں اور پودوں کے جنگلی آباؤ اجداد کی نشاندہی کرتی ہے، وہ بتاتی ہے کہ ان میں بہت

سے اجداد بہت وسیع علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے، لاکھوں مربع کلومیٹروں تک۔ پالتو جانوروں کی انواع کے جنگلی آباؤ اجداد پورے یورپ اور ایشیا میں پھیلے ہوئے تھے، اگرچہ پہاڑوں کے دامن جنگلی فصلوں کی انواع کے لحاظ سے خصوصی طور پر مالا مال تھے، لیکن وہ بھی منفرد نہ تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ نطوفیان ایک ایسے علاقے میں رہتے تھے۔ جو جنگلی انواع سے منفرد طور پر مالا مال تھا جو انہیں خاص بنا دیتا تھا۔ ایسا تھا کہ وہ پودوں اور جانوروں کو گھروں میں بسانے سے پہلے مقیمی لوگ تھے۔ اس کی ایک شہادت غزال اہرن کے دانتوں سے آتی ہے۔ جو غلطی مادے پر مشتمل ہیں جو کہ ایک ایسی غطمی ریشہ دار نسیج ہے جو تنوں میں بڑھتی پھولتی ہے، موسم بہار اور موسم گرما میں، جب غطمی مادے کی بڑھوتری بہت تیز ہوتی ہے، تہوں کا رنگ اس سے مختلف ہوتا ہے جو سردیوں میں بننے والی تہوں کا ہوتا ہے۔ دانت کا ایک ٹکڑا لے کر، آپ غزال کے مرنے سے پہلے بننے والی تہہ کا رنگ دیکھ سکتے ہیں۔ اس تکنیک کو استعمال کر کے، آپ یہ تعین کر سکتے ہیں کہ آیا غزال گرمیوں میں ماری گئی تھی یا سردیوں میں۔ نطوفیان کے مقامات پر، آدمی غزال کو تمام موسموں میں مارا ہوا دیکھتا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ ان کی رہائش پورا سال ہوتی تھی، دریائے فرات پر ابو ہریرہ کا گاؤں، انتہائی سختی سے تحقیق کی ہوئی نطوفیان کی آبادی ہے، تقریباً چالیس سال تک ماہرین آثار قدیمہ نے گاؤں کی تہوں کا جائزہ لیا ہے، جو کھیتی باڑی کی طرف تبدیلی سے پہلے مقیمی زندگی کی بہترین مستند مثالوں میں سے پہلے ایک مثال ہے۔ غالباً یہ آبادی 9500 ق م میں بنی اور یہاں کے باشندوں نے، زراعت کی طرف تبدیل ہونے سے مزید پانچ سو سال پہلے تک اپنا شکاریوں کا انداز زیست جاری رکھا۔ ماہرین آثار قدیمہ نے اندازہ لگایا ہے کہ کاشتکاری سے پہلے گاؤں کی آبادی ایک سو سے لے کر تین سو تک تھی۔

آپ ہر طرح کے دلائل سوچ سکتے ہیں کہ کوئی معاشرہ مقیمی ہو جانے کو کیوں فائدہ مند سمجھتا ہے۔ ادھر ادھر حرکت کرتے رہنا بہت مہنگا ہوتا ہے؛ بچوں اور بوڑھے لوگوں کو اٹھا کر لے جانا پڑتا ہے، اور جب آپ حرکت میں ہوں تو خوراک کو مشکل وقتوں کیلئے ذخیرہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ مزید برآں ایسے اوزار جیسا کہ پیسنے والے پتھر اور درانتیاں جنگلی خوراکوں کو قابل استعمال بنانے کے لئے بہت مفید ہوتے تھے، لیکن انہیں اٹھانا مشکل ہوتا ہے، اس بات کی شہادت موجود ہے کہ چلنے پھرنے والے شکاری بھی مخصوص جگہوں جیسا کہ غاروں میں خوراک کے ذخیروں کو زیادہ موثر

MashalBooks.org

طریقے سے محفوظ اور اکٹھا کرنے کی صلاحیت مقیمی زندگی کو اختیار کرنے کا ایک بنیادی جذبہ محرکہ ہو سکتا ہے۔

جبکہ اجتماعی طور پر مقیم ہونا پسندیدہ ہوسکتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسا لازماً واقع ہوگا، شکاریوں کے ایک سیلانی گروہ کو ایسا کرنے کے لئے رضامند ہونا ضروری ہوگا، یا کسی کو انہیں مجبور کرنا پڑے گا۔ بعض ماہرین آثار قدیمہ نے یہ اشارہ کیا ہے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کی گنجانی اور گرتے ہوئے معیارات زندگی، مقیمی زندگی کے ظہور میں بنیادی عوامل ہوں گے، جنہوں نے سیلانی لوگوں کو ایک جگہ پر رہنے پر مجبور کیا ہوگا۔ بہرحال نطوفیان کی رہائش کی جگہیں پہلے والے گروپوں کی نسبت کوئی زیادہ بڑی نہیں ہیں، لہذا بڑھتی ہوئی آبادی کی گنجانی کی کوئی شہادت نظر نہیں آتی۔ ڈھانچوں کی اور دانتوں کی شہادت گرتی ہوئی صحت کی بھی کوئی علامت نہیں بنتی۔ مثال کے طور پر خوراک کی قلت لوگوں کے دانتوں کے روغن میں باریکی پیدا کر دیتی ہے، جو کہ ایک ایسی کیفیت ہے جسے خلیات کی کمی (hypoplasia) کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ لکیریں نطوفیاں لوگوں میں کم پائی جاتی ہیں بہ نسبت بعد کے کھیتی باڑی کرنے والے لوگوں کے۔

زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جہاں مقیمی زندگی کے فوائد تھے وہاں اس کے نقصانات بھی تھے۔ غالباً کشمکش کا حل مقیمی گروہوں کے لئے کافی مشکل تھا، کیونکہ ان لوگوں میں جنہیں بس چلے ہی جانا ہوتا تھا اختلافات کم آسانی سے حل ہوتے تھے۔ جب ایک مرتبہ لوگوں نے مستقل عمارات بنالیں، اور ان کے پاس اثاثے اتنے ہوگئے کہ وہ اٹھا نہیں سکتے تھے، تو حرکت کرنا بہت کم پرکشش انتخاب ہوتا تھا۔ لہذا گاؤں کو کشاکشوں کو حل کرنے کے لئے زیادہ آسان طریقوں کی اور ملکیت کے زیادہ پیچیدہ تصورات کی ضرورت تھی۔ لہذا اب اس بارے میں فیصلے کرنا ہوتے تھے کہ گاؤں کے قریب زمین کے ٹکڑے تک کس کو رسائی ہوگی، یا کون درختوں کے کون سے جھنڈ سے پھل حاصل کرے گا، یا ندی کے کس حصے میں مچھلیاں پکڑے گا، قوانین بنائے جانے تھے اور ایسے اداروں کی تفاصیل طے کرنا تھیں جو قوانین بنائیں اور انہیں نافذ کریں۔

لہذا، مقیمی زندگی کے ظہور کے لئے یہ بات معقول لگتی ہے کہ شکاریوں کو رہائش پذیر ہونے کے لئے مجبور کیا گیا ہوگا، اور اس سے پہلے اداراتی جدت طرازی ہوئی ہوگی۔ جس نے طاقت کو کسی گروپ کے ہاتھوں میں مرکز کیا ہوگا، جو سیاسی اشرافیہ بن گیا ہوگا، اس نے حقوق ملکیت کو نافذ

کیا ہوگا، نظم و نسق قائم کیا ہوگا، اور اپنے مرتبے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، باقی ماندہ معاشرے سے وسائل کو غصب کیا ہوگا۔ درحقیقت، بادشاہ شیام کی طرف سے شروع کئے جانے والے انقلاب کی مانند ایک انقلاب، اگرچہ چھوٹے پیمانے پر، ممکنہ طور پر وہ ناگہانی ترقی ہوگی جو مقیمی زندگی پر منتج ہوئی ہوگی۔

آثار قدیمہ کی شہادت بلاشبہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ نطوفیان نے ایک پچیدہ معاشرہ تشکیل دیا تھا، جس کی خصوصیات افسر شاہی نظم و ضبط، اور عدم مساوات تھیں۔ اس چیز کا آغاز جسے ہم استحصالی اداروں کے طور پر پہچانیں گے۔ اس سے بہت پہلے جب وہ کسان بنے، ایک بہت قائل کرنے والی شہادت ایسی افسر شاہی اور عدم مساوات کے لئے ایک بہت قائل کرنے والی شہادت نطوفیان کی قبروں سے ملتی ہے کچھ لوگوں کو لاوے کے چٹانی مادے اور ڈینٹلیم کے گھونگوں کی بہت بڑی مقداروں کے ہمراہ دفن کیا گیا تھا۔ جو کارمل کی پہاڑی (Mount Carmel) کے قریب بحیرہ روم کے ساحل سے آئی تھیں، آرائش کی دوسری اقسام میں گلو بند دستانے اور کلائی بند شامل تھے، جو کتے کے دانتوں اور ہرن کی پاؤں کی ہڈیوں اور ساتھ ہی ساتھ گھونگوں سے بنائے گئے تھے۔ دوسرے لوگوں کو ان چیزوں میں سے کسی کے بغیر دفن کیا گیا تھا۔ گھونگوں اور لاوے کے چٹانی مادے کی بھی تجارت ہوتی تھی۔ اور غالب امکان یہ ہے کہ یہی تجارت طاقت کے اجتماع اور عدم مساوات کا ایک ایک ذریعہ تھی۔ سیاسی اور معاشی عدم مساوات کی ایک اور شہادت نطوفیان کے عین ملاّحہ (Ain Mallaha) کے مقام سے ملتی ہے، جو بحیرہ گلیلیلی کے بالکل شمال میں ہے، تقریباً پچاس گول جھونپڑیوں اور بہت سے گڑھوں کے درمیان میں، ایک بڑی اور زوردار طریقے سے پلستر شدہ، ایک صاف شدہ مرکزی جگہ کے قریب ایک عمارت ہے، جو واضح طور پر ذخیرہ کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے، یہ عمارت تقریباً یقینی طور پر کسی سردار کا گھر تھا۔ اس جگہ پر مدفنوں کے درمیان، کچھ مدفن زیادہ مزین ہیں، اور کھوپڑی پرستی کی بھی کچھ شہادت موجود ہے، جو غالباً آبا پرستی کو ظاہر کرتی ہے۔ نطوفیان کی جگہوں خاص طور پر جریکو میں ایسے عقائد بہت پھیلے ہوئے ہیں، نطوفیان کی جگہوں پر ایسی شہادات کی کثرت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ غالباً یہ پہلے ہی کچھ معاشرے تھے، جن میں پیچیدہ ادارے تھے جو شرفا کے مرتبے کی وراثت کا تعین کرتے تھے دور دراز جگہوں کے ساتھ تجارت کرتے تھے، اور ان کے ہاں مذہب اور سیاسی افسر شاہیوں کی

MashalBooks.org

ابتدائی شکلیں موجود تھیں،

اغلباً سیاسی اداروں کے ظہور نے، پہلے مقیمی زندگی کی طرف اور پھر کاشتکاری کی طرف تبدیلی پیدا کی، جیسا کہ نطوفیان کی جگہیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ مقیمی زندگی کا مقصد لازمی طور پر کاشتکاری اور گلہ بانی نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے لوگ متمکن ہوجاتے ہوں لیکن وہ اپنی گزراوقات شکار اور گلہ بانی سے کرتے تھے۔ آخرکار، طویل موسم گرما نے جنگلی فصلوں کو مزید بھرپور کردیا، اور امکانی طور پر شکار کرنا اور اسے جمع کرنا زیادہ پرکشش ہوگیا تھا۔ شاید زیادہ تر لوگ گزارے کی زندگی پر مطمئن ہوگئے، جو شکار کرنے اور اسے جمع کرنے پر مبنی تھی، جس میں زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ٹیکنولوجیاتی جدت طرازی بھی لازمی طور پر زرعی پیداوار کے اضافے پر منتج نہیں ہوتی۔ درحقیقت یہ ایک معلوم حقیقت ہے، کہ بڑی ٹیکنولوجیاتی ایجاد، آسٹریلیا کے قدیم اصل باشندوں جنہیں یر یورونٹ (Yir Yoront) کے ایک گروپ کے ہاں لوہے کے کلہاڑے کا متعارف ہونا، پیداوار کے مزید شدت سے ہونے پر منتج نہ ہوا، بلکہ زیادہ آسان بنادیا، جبکہ مزید کام کرنے کیلئے ان کے پاس کوئی محرک نہیں تھا۔

حجری دور کے انقلاب کے لئے روایتی جغرافیہ پر مبنی توجیہ جو کہ جیرڈ ڈائمنڈ کے استدلال کا نقطہ ماسکہ ہے، جس پر ہم نے باب دوم میں بحث کی۔ یہ ہے کہ یہ بہت سے ایسے پودوں اور جانوروں کی اتفاقی دستیابی سے آگے بڑھایا گیا، جنہیں آسانی سے گھریلو بنایا جاسکتا تھا۔ اس نے کاشتکاری اور گلہ بانی کو پرکشش بنادیا اور مقیمی زندگی پر آمادہ کیا۔ جب معاشرہ متمکن ہوگئے اور انہوں نے کاشتکاری شروع کردی تو انہوں نے سیاسی افسرشاہی، مذہب اور اہم طور پر زیادہ پیچیدہ ادارے بنانا شروع کردیئے۔ اگرچہ اس مفروضے کو بہت وسیع طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن نطوفیان سے حاصل ہونے والی شہادت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ روایتی توجیہہ چھکڑے کو گھوڑے سے آگے باندھنے والی بات ہے، اداراتی تبدیلیاں معاشروں میں ان کے کاشتکاری کی طرف تبدیلی سے محض تھوڑا عرصہ پہلے واقع ہوئیں، اور غالباً یہ تبدیلیاں تمکن کی طرف حرکت، جس نے اداراتی تبدیلیوں کو تقویت بخشی، اور بعد میں جدید حجری انقلاب، دونوں کی وجہ تھیں۔[یہ قرینہ نہ صرف دامن کوہ (Hilly Flanks) سے جو کہ وہ علاقہ ہے جس کا بہت کڑا مطالعہ کیا گیا ہے سے ملنے والی، بلکہ امریکاؤں زیریں صحارائی افریقہ اور مشرقی ایشیا سے ملنے والی

MashalBooks.org

شہادت سے بھی سمجھایا گیا] نہ صرف (Hilly flanks) دامن کوہ سے ملنے والی شہادت نے، بلکہ امریکاؤں، زیریں صحارائی افریقہ اور مشرقی ایشیا سے ملنے والی بھرپور شہادت نے بھی اسی قرینے کی طرف اشارہ کیا۔

بلاشبہ کاشتکاری کی طرف تبدیلی نے زیادہ زرعی پیداواریت کی طرف رہنمائی کی، اور آبادی کی خاصی توسیع کو ممکن بنایا، مثال کے طور پر، جریکو اور ابوہریرہ جیسی جگہوں پر، آدمی دیکھتا ہے کہ ابتدائی کاشتکاری والا گاؤں، کاشتکاری سے پہلے والے گاؤں کی نسبت بہت بڑا تھا۔ عمومی طور پر، گاؤں دوگنا چھ گنا کے درمیان کے حساب سے بڑھے، جب تبدیلی واقع ہوئی۔ مزید برآں، بہت سے ایسے نتائج جن کے بارے میں لوگوں نے روایتی طور پر اس تبدیلی سے پیدا ہونے کے بارے میں استدلال کیا ہے وہ بلاشبہ وقوع پذیر ہوئے۔ زیادہ بڑا پیشہ ورانہ تخصص اور زیادہ تیز ٹیکنولوجیاتی ترقی ہوئی، اور غالباً زیادہ پیچیدہ اور غالباً کم مساوات پسند سیاسی اداروں کا ارتقا ہوا، لیکن آیا ایسا کسی خاص جگہ پر واقع ہوا، کا تعین پودوں اور جانوروں کی انواع کی دستیابی سے نہ ہوسکا۔ بلکہ اس کے بجائے یہ معاشرے کے اداراتی، سماجی، اور سیاسی جدت طرازیوں کی مختلف اقسام کے تجربے سے گزرنے کا نتیجہ تھا۔ جس نے متکن زندگی اور پھر کاشتکاری کے ظہور کی گنجائش پیدا کی ہوگی۔

اگرچہ طویل موسم گرما اور فصلوں اور جانوروں اور جانوروں کی انواع کی موجودگی نے اس کے وقوع کو ممکن بنایا، لیکن اس نے یہ تعین نہیں کیا کہ آب وہوا کے گرم ہونے کے بعد، یہ ٹھیک کب اور کس جگہ واقع ہوگا۔ بلکہ اس کا تعین فیصلہ کن موڑ، یعنی طویل موسم گرما کے ان چھوٹے چھوٹے لیکن اہم اداراتی اختلافات کے باہمی تعامل سے واقع ہوا جو معنی رکھتے تھے۔ جوں جوں آب وہوا گرم ہوئی، کچھ معاشروں جیسا کہ نطوفیان نے، مرکزیت کے حامل اداروں اور افسرشاہی کے عناصر کو پروان چڑھایا، اگرچہ وہ جدید قومی ریاستوں کے مقابلے میں نسبتاً بہت چھوٹے پیمانے پر تھے۔ جس طرح بشانگ نے شیام کے تحت کیا، معاشروں نے جنگلی پودوں اور جانوروں کی کثرت سے پیدا شدہ ان زیادہ بڑے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنی تنظیم نو کرلی، اور بلاشبہ یہ سیاسی اشراف ہی تھے جو ان نئے مواقع اور سیاسی مرکزیت کے عمل سے مستفید ہوئے۔ دوسرے مقامات جن کے ہاں قدرے مختلف ادارے تھے، نے اپنے سیاسی اشراف کو اس موڑ سے ایسا ہی فائدہ

اٹھانے کی اجازت نہ دی اور وہ سیاسی مرکزیت سازی کے عمل اور متمکن، زرعی اور زیادہ پیچیدہ معاشرے بنانے میں پیچھے رہ گئے۔ اس چیز نے اس قسم کی بعد میں علیحدگی کی راہ ہموار کی جو ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ جب یہ اختلافات نمودار ہوئے، تو یہ بعض جگہوں تک تو پہنچ گئے لیکن دوسری جگہوں پر نہیں پہنچے۔ مثال کے طور پر کاشتکاری شرق اوسط سے یورپ 6500 ق م کے لگ بھگ شروع ہو کر، زیادہ تر کاشتکاروں کی ہجرت کے نتیجے میں پہنچی یورپ میں ادارے دنیا کے مختلف حصوں سے آہستہ آہستہ دور ہٹ گئے، مثال کے طور پر افریقہ سے، جہاں، ابتدائی ادارے مختلف تھے اور جہاں ایجادیں شرق اوسط میں طویل موسم گرما کے ہاتھوں حرکت میں آتیں، بہت دیر سے واقع ہوئی، اور اس وقت بھی ایک مختلف شکل میں۔

نطوفیان کی ادارہ جاتی جدتوں نے، اگرچہ غالب امکان ہے کہ جدید حجری انقلاب کو سہارا دیا، لیکن انہوں نے دنیا کی تاریخ میں کوئی سادہ وراثت نہ چھوڑی، اور وہ جدید شام، فلسطین اور اسرائیل میں ان کے گھروں کی طویل المیعاد خوشحالی پر منتج نہ ہوئیں۔ شام اور فلسطین جدید دنیا کے نسبتاً غریب حصے ہیں، اور اسرائیل کی خوشحالی زیادہ تر، جنگ عظیم دوم کے بعد یہودی لوگوں آبادکاری اور ترقی یافتہ ٹیکنولوجیوں تک ان کی رسائی اور تعلیم کے اعلیٰ معیارات سے درآمد کی گئی۔ نطوفیان کی ابتدائی ترقی اسی وجہ سے پائیدار نہ ہو سکی جس وجہ سے سوویٹ ترقی رفتہ رفتہ معدوم ہو گئی۔ اگرچہ انتہائی اہم، بلکہ اپنے وقت کے لئے انقلابی، لیکن یہ ترقی استحصالی اداروں کے تحت تھی۔ نطوفیان معاشرے کے لئے بھی اس بات کا امکان ہے کہ اس قسم کی ترقی نے اس بات پر گہری کشاکش پیدا کر دی ہو کہ ان اداروں اور ان کے پیدا کئے ہوئے استحصال پر اشرافیہ کا قبضہ ہو گا۔ استحصال سے فائدہ اٹھانے والے ہر اشراف کے لئے ایک غیر اشراف ہوتا ہے جو اس کی جگہ لینا چاہتا ہے، بعض اوقات اندرونی کشمکش محض ایک اشرافیہ کو دوسری اشرافیہ سے تبدیل کر دیتی ہے۔ بعض اوقات یہ پورے استحصالی معاشرے کو تباہ کر دیتی ہے، اور ریاست اور معاشرتی تباہی کے لئے ایک عمل کا آغاز کر دیتی ہے، جیسا کہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ پہلے قائم ہونے والی مایا کی شہری ریاستوں کی بنائی ہوئی تہذیب اس تجربے سے گزری۔

غیر مستحکم استحصال

کاشتکاری پوری دنیا میں مختلف مقامات پر آزادانہ طور پر نمودار ہوئی۔ اس ملک میں جو آج

کل جدید میکسیکو ہے، ایسے معاشرے تشکیل پذیر ہوئے جنہوں نے ریاستیں اور آبادیاں قائم کیں اور زراعت کی طرف تبدیل ہوئے۔ جیسا کہ شرق اوسط میں نطوفیان کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے بھی کسی حد تک معاشی ترقی حاصل کی۔ جنوبی میکسیکو، بیلائز، گوئٹے مالا اور مغربی ہونڈوراس کے علاقے میں مایا کی شہری ریاستوں نے درحقیقت استحصالی اداروں کے تحت ایک ان کے اپنے مخصوص انداز کی حامی جدید ریاست قائم کی۔ مایا کا تجربہ نہ صرف استحصالی اداروں کے تحت ترقی کے امکان کی وضاحت کرتا ہے، بلکہ اس قسم کی ترقی کے لئے ایک اور بنیادی حد بندی کی بھی؛ سیاسی عدم استحکام جو پیدا ہوتا ہے اور آخر کار جب مختلف گروپ اور لوگ استحصالی بننے کے لئے آپس میں لڑتے ہیں، تو یہ معاشرے اور ریاست کی تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔

مایا کے شہر پہلے پہل 500 ق م کے آس پاس ابھرنا شروع ہوئے۔ یہ ابتدائی شہر پہلی صدی عیسوی میں کسی وقت آخر کار ناکام ہونا شروع ہو گئے۔ پھر ایک نیا سیاسی نمونہ ابھرا، جس نے 250 اور 900 عیسوی کے درمیان کلاسک ایرا (Classic Era) (شاندار دور) کی بنیاد ڈالنا شروع کی۔ یہ دور مایا تمدن اور تہذیب کی مکمل نشوونما کی علامت ہے۔ لیکن یہ زیادہ شائستہ تہذیب بھی اگلے چھ سو سال کے عرصے میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ اس وقت تک جب تک کہ ہسپانوی فاتحین سولھویں صدی کے آغاز میں وارد ہوئے، تو مایا کے ایسے مقامات جیسا کہ ٹکال، پیلینکیو، اور کالاک کل کے عظیم گرجا اور محلات جنگلات میں گم ہو چکے تھے، جو انیسویں صدی سے پہلے دوبارہ دریافت ہونے والے نہیں تھے۔

مایا کے شہر کبھی متحد ہو کر ایک سلطنت نہیں بنے، اگرچہ بعض شہر بعض دوسرے شہروں کے تابعدار تھے، اور لگتا ہے وہ اکثر اوقات تعاون کرتے تھے، خاص کر جنگی حالات میں علاقے کی شہری ریاستوں کے درمیان، جن میں سے ہم پچاس کو ان کے پتھر کے تراشے ہوئے حرف سے پہچان سکتے ہیں، بنیادی رشتہ یہ ہے کہ ان کے لوگ تقریباً اکتیس ایسی زبانیں بولتے تھے جو مختلف تھیں لیکن باہمی طور پر بہت قریبی تعلق رکھنے والی مایائی زبانیں تھیں، مایاؤں نے ایک تحریری نظام بھی پروان چڑھایا، اور تقریباً کم از کم پندرہ ہزار باقی ماندہ تحریریں ہیں جو اشرافیہ کی زندگی، ثقافت اور مذہب کو بیان کرتی ہیں، ان کے پاس ایک سائنسی کیلنڈر بھی تھا، جو تاریخوں کو محفوظ کرتا تھا، جسے طویل گنتی کہا جاتا تھا، یہ بالکل اپنے کیلنڈر کی طرح تھا، اس لحاظ سے کہ یہ کسی متعین تاریخ سے

MashalBooks.org

سالوں کے کھلنے کو شمار کرتا تھا، اور تمام مایا شہروں کے زیر استعمال تھا۔ طویل گنتی (Long Count)3114 ق م میں شروع ہوا، اگر چہ ہم نہیں جانتے کہ مایا نے اس تاریخ کے ساتھ کیا معنویت وابستہ کی تھی، جو کہ مایا معاشرے کی قسم کی کسی بھی چیز کے ظہور سے بہت پہلے کی تاریخ ہے۔

مایا لوگ ماہر معمار تھے۔ جنہوں نے خود ہی آزادانہ طور پر سیمنٹ ایجاد کیا۔ ان کی عمارات اور ان پر کنندہ تحریریں، مایہ شہروں کی قوسوں کے بارے میں بہت اہم معلومات مہیا کرتی ہیں، کیونکہ وہ اکثر اوقات واقعات کی تاریخوں کا ریکارڈ ''طویل گنتی'' کے مطابق رکھتی ہیں۔ لہٰذا ماہرین آثار قدیمہ، تمام مایہ شہروں پر نگاہ ڈالتے ہوئے یہ گنتی کر سکتے ہیں کہ کسی خاص سال میں کتنی عمارات تعمیر ہوئیں، 500 عیسوی کے لگ بھگ بہت کم تاریخ زدہ آثار ہیں، مثال کے طور پر ''طویل گنتی'' کی 514 عیسوی کے مطابق ریکارڈ شدہ تاریخ صرف دس ہے۔ اس کے بعد اس میں مستقل اضافہ ہوا، جو 672 عیسوی تک بیس اور اٹھارویں صدی کے وسط تک چالیس ہو گیا۔ نویں صدی تک یہ پر سال دس ہو گیا، اور دسویں صدی تک یہ صفر ہو گیا، یہ تاریخ زدہ کندہ تحریریں ہمیں مایا شہروں کی توسیع کی ایک واضح تصویر دیتی ہیں، اور آٹھویں صدی کے اواخر سے اس کے بعد ہونے والے سکڑاؤ کی بھی ایک واضح تصویر دیتی ہیں۔ تاریخوں کا یہ تجزیہ ان بادشاہوں کی فہرست کو جن کا ریکارڈ مایاؤں نے رکھا جائزہ لینے سے تکمیل پذیر ہو سکتا ہے۔ کوپان کے مایا شہر میں، جو اب مغربی ہونڈوراس میں ہے، ایک مشہور آثار ''کیو'' کی قربان گاہ نامی ہے۔ قربان گاہ ''کیو'' تمام بادشاہوں کی فہرست کو محفوظ رکھتی ہے جو حکمران خاندان کے بانی سے شروع ہوتی ہے کی اینگ یاکس ک اوک، مو(Kinich Yax K, uh, Mo) یا ''بادشاہ شبز سورج پہلا کوئٹزل میکاڈ'' یہ نام محض سورج کے نام پر نہیں رکھا گیا بلکہ وسطی امریکہ کے جنگل کے دو غیر ملکی پرندوں کے نام پر بھی ہیں، جن کے پرندوں کو مایا بہت قیمتی جانتے تھے۔ یک اینگ یاکس ک اوک مو کوپان میں 426 عیسوی میں برسر اقتدار آیا، جس کے بارے میں ہمیں قربان گاہ کیو پر طویل گنتی کی تاریخ سے علم ہوتا ہے۔ اس نے ایک حکمران خاندان کی بنیاد رکھی جس نے چار سو سال تک حکومت کی، کی اینگ یاکس کے کچھ جانشینوں کے ویسے ہی منقش نام تھے۔ تیرھویں حکمران کی تصویری تحریر کا ترجمہ ''18 خرگوش'' ہوتا ہے، جس کے بعد ''دھویں کا بندر'' (Smoke Monkey) اور پھر ''دھوئیں کا گھونگا'' (Smoke Shell) آتا ہے، جو 763 میں فوت ہوا۔ قربان گاہ پر آخری نام بادشاہ یاکس پساج چن یوآٹ (King

Yas Pasaj chan Yoaat) یا ''پہلا صبح کا آسمان کو روشن کرنے والا دیوتا'' (First dawned Sky Lightening God) ہے، جو اس سلسلے کا سولھواں حکمران تھا اور اس نے ''دھوئیں کے گھونگے'' کی وفات کے بعد تخت سنبھالا۔ اس کے بعد ہم صرف ایک مزید بادشاہ کا نام جانتے ہیں ''یوکٹ ٹوک'' (Ukit Took) (چقماق سرپرست) (Patram of Flint) ایک قربان گاہ کے ٹکڑے سے۔ یاک پساج کے بعد عمارات اور کندہ تحریریں رک گئیں، اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ تھوڑے عرصے بعد اس حکمران خاندان کا تختہ الٹ دیا گیا۔ غالباً یوکٹ ٹوک بھی تخت کا حقیقی دعویدار نہیں تھا بلکہ ایک جعلساز تھا۔

کوپان میں اس شہادت کو دیکھنے کا ایک آخری طریقہ وہ ہے، جو ماہرین آثار قدیمہ این کورن فریٹر (Ann Corinne Freter) نینسی گونلن (Nancy Gonlin) اور ڈیوڈ ویبسٹر (David Webster) کی طرف سے تیار کیا گیا، ان محققین نے، کوپان وادی میں 850 سالوں کے عرصے میں 400 عیسوی سے لے کر 1250 عیسوی تک، پھیلی ہوئی آبادی کا جائزہ لے کر کوپان کے اتار چڑھاؤ کا نقشہ تیار کیا۔ اس کے لئے انہوں نے ایک تکنیک استعمال کی، جسے اوبسیڈین ہائیڈریشن (Obsidian Hydration) (لاوے کی چٹان کے ٹکڑے کی نمی) کہا جاتا ہے، جو کہ اس تاریخ پر، جس پر چٹان کے ٹکڑے کو کان سے نکالا گیا، اس کی نمی کی مقدار کا حساب کتاب لگاتے ہیں۔ جب ایک دفعہ اسے کان سے نکال لیا جاتا ہے تو اس کی مقدار ایک معلوم شرح سے گر جاتی ہے، جس سے ماہرین آثار قدیمہ کے لئے اس تاریخ کا اندازہ لگانا ممکن ہو جاتا ہے، جس تاریخ کو چٹان کا یہ ٹکڑا کان سے نکالا گیا تھا۔ تب فریٹر، گونلن اور ویبسٹر اس بات کا نقشہ بنانے کے قابل ہو گئے کہ کوپان وادی میں تاریخ زدہ چٹان کے ٹکڑے کہاں پائے گئے تھے، اور اس بات کا کھوج لگانے کے قابل ہو گئے کہ شہر کیسے پھیلا اور پھر کیسے سکڑا۔ کیونکہ کسی خاص علاقے میں مکانات اور عمارات کی تعداد کے بارے میں ایک معقول اندازہ لگانا ممکن ہے، لہٰذا شہر کی کل آبادی کا تخمینہ لگایا جا سکتا ہے، 400 عیسوی سے 499 عیسوی کے درمیان کے عرصے میں آبادی نا قابل لحاظ جس کا اندازہ تقریباً چھ سو لوگوں کا ہے۔ یہ آہستہ آہستہ اپنی بلند ترین سطح پر یعنی اٹھائیس ہزار نفوس تک 750 عیسوی سے 799 عیسوی کے درمیان پہنچی۔ اگر چہ یہ ہمعصر شہری معیارات کے مطابق یہ تعداد بڑی نہیں لگتی لیکن اس دور کے لئے یہ ایک بھاری تعداد تھی؛ یہ اعداد و شمار اس بات پر دلالت کرتے

MashalBooks.org

ہیں، کہ اس دور میں کوپان کی آبادی لندن اور پیرس سے زیادہ تھی۔ دوسرے مایائی شہر جیسا کہ ٹکال اور کالاک مل، بلاشبہ بہت بڑے تھے۔ ''طویل گنتی'' کی تاریخوں سے ملنے والی شہادت سے ہم آہنگ، 800 عیسوی کوپان کے لئے آبادی کا نقطہ عروج تھا۔ اس کے بعد یہ گھٹنا شروع ہوگئی، اور 900 عیسوی تک یہ 15 ہزار کے لگ بھگ نیچے آ گئی، وہاں سے زوال جاری رہا اور 1200 عیسوی تک آبادی واپس اسی سطح پر آ گئی جس پر یہ آٹھ سو سال پہلے تھی۔

مایا کے کلاسیکی دور کی معاشی ترقی کی بنیاد وہی تھی جو بشانگ اور نطوفیان کی تھی؛ استحصالی اداروں کی ایک حد تک ریاست کی مرکزیت کے ساتھ تخلیق۔ ان اداروں کے متعدد بنیادی عناصر تھے۔ 100 عیسوی کے لگ بھگ گوئٹے مالا کے ٹکال شہر میں، ایک نئی طرز کی خاندانی بادشاہت ابھری۔ ایک حکمران طبقہ جو ایک (ajaw) ''اجاؤ'' (آقا یا حکمران) نے جڑ پکڑی، جس کے ساتھ ایک بادشاہ تھے جسے ''کبول اجاؤ'' (Kubul ajaw) (الوہی آقا) کہا جاتا تھا اور اس کے تحت اشراف کی افسر شاہی تھی۔ الوہی آقا نے ان اشراف کے تعاون کے ساتھ ایک معاشرے کو منظّم کیا اور وہ دیوتاؤں کے ساتھ بھی رابطہ کرتا تھا۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں، سیاسی اداروں کا یہ نیا سیٹ اپنے اندر کسی قسم کی عوامی شراکت کی گنجائش نہیں رکھتا تھا، لیکن اس نے ایک استحکام ضرور پیدا کیا، ''کوبول اجا'' نے کسانوں سے خراج وصول کیا اور بڑی بڑی یادگار تعمیرات کھڑی کرنے کے لئے محنت کشوں کو منظّم کیا، اور ان اداروں کے اتحاد نے ایک متاثر کن معاشی توسیع کی بنیاد رکھی، مایاؤں کی معیشت وسیع پیشہ وارانہ تخصص پر مبنی تھی، جس میں مہارت یافتہ برتن ساز، پارچہ باف، لکڑی کا کام کرنے والے، اور اوزار اور زیبائشی چیزیں بنانے والے شامل تھے۔ وہ آپس میں اور میکسیکو میں طویل فاصلوں تک دوسری ریاستوں کے ساتھ برکانی شیشہ، تیندوے کی کھالوں سمندری گھونگوں، کوکوئی پھلیوں، نمک اور پروں کی تجارت بھی کرتے تھے۔ غالباً ان کے پاس دولت بھی تھی اور ایزٹیکوں کی مانند وہ کوکوئی پھلیوں کو بطور کرنسی کے استعمال کرتے تھے۔

وہ طریقہ جس پر مایا کے کلاسیکی دور کی بنیاد استحصالی سیاسی اداروں کی تخلیق پر رکھی گئی، بشانگ مع یاکس اہب گزوک (Yax Ehb Xook) کے ٹکال پر بادشاہ شیام کے مماثل کردار ادا کرتے ہوئے، کی صورت حال پر بادشاہ شیام کے مماثل کردار ادا کرتے ہوئے، کی صورت حال کے مماثل تھا۔

نئے سیاسی ادارے معاشی خوشحالی میں معقول اضافے پر منتج ہوئے، جس کا بہت بڑا حصہ اس وقت ''کوبول اجا'' کے اردگرد نئی اشرافیہ کی طرف سے ہتھیا لیا جاتا تھا۔ تاہم جب ایک مرتبہ یہ نظام 300 عیسوی کے لگ بھگ مستحکم ہوگیا، تو مزید کوئی ٹیکنولوجیاتی تبدیلی نہ ہوئی۔ اگرچہ پانی کے انتظام اور ترقی یافتہ آب پاشی کی کچھ نہ کچھ شہادت موجود ہے، لیکن زرعی ٹیکنولوجی ابتدائی تھی اور اس میں کوئی تبدیلی ہوتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی۔ تعمیر اور فنی تکنیکیں وقت کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ پیچیدہ ہوگئیں، لیکن مجموعی طور پر کوئی نئی ایجاد نہ ہوئی۔

کوئی تخلیقی تباہی نہ ہوئی۔ لیکن تباہی کی دوسری شکلیں تھیں، جیسا کہ وہ دولت جو استحصالی اداروں نے ''کول اجاؤ'' اور اشرافیہ کے لئے پیدا کی مسلسل جنگی حالت پر منتج ہوئی، جو وقت کے ساتھ ساتھ مزید شدید ہوتی گئی۔ تصادمات کے سلسلے کا ریکارڈ مایا کی کندہ تحریروں میں موجود ہے، جس میں خصوصی تصویری تحریریں ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ کوئی جنگ ''طویل گنتی'' میں کسی خاص تاریخ کو واقع ہوئی۔ سیارہ زہرہ جنگ کا آسمانی سرپرست تھا، اور مایا اس سیارے کے مدار کے کچھ مراحل کو جنگ شروع کرنے کے لئے مبارک خیال کرتے تھے۔ وہ تصویری تحریر جو جنگی حالات کی نشاندہی کرتی تھی، جسے ماہرین آثار قدیمہ ''ستارہ جنگیں'' کے نام سے جانتے ہیں، ایک ستارے کو ظاہر کرتی ہے، جو زمین پر ایک مائع برسا رہا ہے جو یا پانی ہوسکتا ہے یا لہو۔ کندہ تحریریں اتحاد اور مقابلے کے نمونوں کو بھی منکشف کرتی ہیں۔ بڑی ریاستوں جیسا کہ ٹکال، کالاک مل کوپان اور پلینکو کے درمیان طاقت کے لئے مقابلے ہوتے تھے۔ اور یہ چھوٹی ریاستوں کو ایک تابع کے درجے پر غلام بنالیتی تھیں۔ اس کی شہادت ان تصویری تحریروں سے ملتی ہے، جو شاہی تخت نشینوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اس دور کے دوران وہ اس بات کی نشاندہی شروع کر دیتی ہیں کہ اب چھوٹی ریاستیں ایک اور بیرونی حکمران سے مغلوب ہو رہی ہیں۔

نقشہ نمبر بنیادی مایا شہروں اور ان کے درمیان رابطے کے مختلف نمونوں کو ظاہر کرتا ہے، جیسا کہ انہیں نکولائی گروب (Nikolai Grube) اور سائمن مارٹن نے دوبارہ تخلیق کیا ہے، یہ نمونے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اگرچہ کالاک مل، ڈوس پیلاس، پائیڈراس نیگراس، اور یاکس چلان جیسے اکثر دوسرے شہر غلبہ کر لیتے تھے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے بھی تھے۔

مایا کی تباہی کے بارے میں غالب امر یہ ہے کہ ''یہ کوبول اجاؤ'' مبنی سیاسی نمونے کی شکست

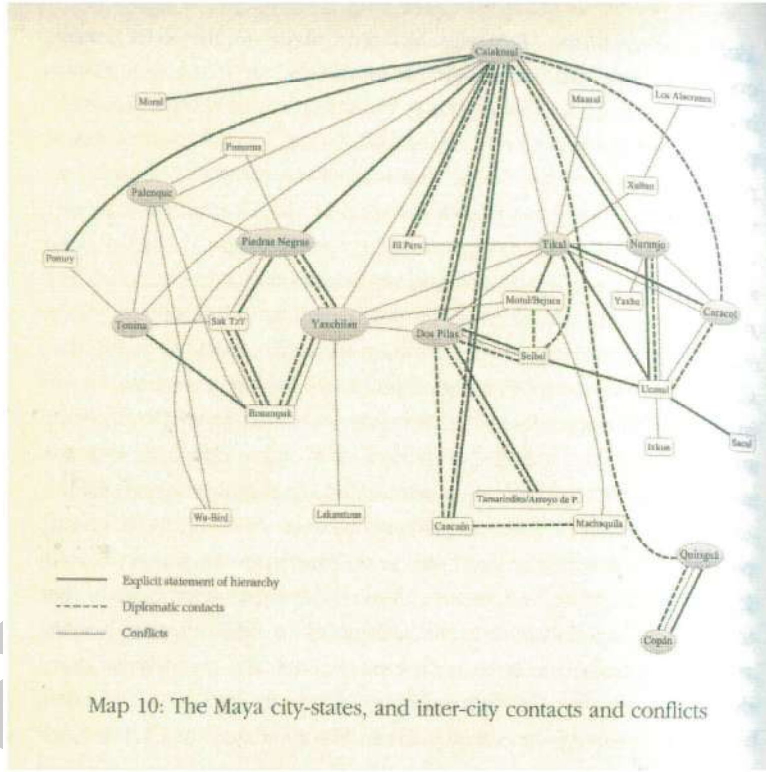
MashalBooks.org

کے ساتھ بہ یک وقت واقع ہوئی۔ ہم نے کوپان میں دیکھا کہ 810 عیسوی میں یاکس پساج کی وفات کے بعد کوئی بادشاہ نہیں تھا۔تقریباً اسی وقت کے لگ بھگ شاہی محلات متروک ہو گئے۔ کوپان سے بیس میل شمال کی طرف،کوئیرویگوا(Quiriua) کے شہر میں، آخری اور 860 کے درمیان تخت نشین ہوا۔آخری تاریخ زدہ یادگار عمارت ''طویل گنتی'' کے مطابق 910 عیسوی سے ہے، وہی سال جس میں یاکس پساج مرا۔شہراس کے فوراً بعد متروک ہو گیا۔ پورے مایا علاقے میں کہانی ایک ہی ہے: وہ سیاسی ادارے جنہوں نے تجارت، زراعت اور آبادی کے پھیلاؤ کے لئے ماحول مہیا کیا ختم ہو گئے۔شاہی درباروں نے کام کرنا بند کر دیا، یادگاریں اور گرجے منقش نہیں کئے گئے، اور محلات خالی ہو گئے۔ جب سیاسی اور سماجی ادارے ادھڑ گئے، جنہوں نے ریاست کی مرکز گیری کے عمل کو والٹ دیا،تو معیشت سکڑ گئی اور آبادی گھٹ گئی۔

بعض صورتوں میں بڑے بڑے مراکز وسیع پیمانے کے تشدد سے منہدم ہو گئے۔ گوئٹے مالا کا پی ٹیکس بائن (Petex Batun) علاقہ ۔۔ جہاں بعد میں بڑے بڑے گرجاؤں کو گرادیا گیا اور پتھر کو وسیع دفاعی دیواریں تعمیر کرنے کے لئے استعال کیا گیا۔ایک واضح مثال مہیا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے، یہ اس کے بالکل مشابہ تھا، جو بعد میں سلطنت روما میں واقع ہوا بعد میں،کوپان جیسی جگہوں پر بھی، جہاں انہدام کے وقت تشدد کے بہت کم آثار بہت سی یادگاروں کو بگاڑ دیا گیا یا تباہ کر دیا گیا،بعض مقامات پر ''کو بول اجاؤ'' کے ابتدائی زوال کے بعد بھی اشراف باقی رہے،کوپان میں یہ شہادت موجود ہے کہ اشراف نے کم از کم اگلے دوسوسال کے لئے نئی عمارات تعمیر کرنی جاری رکھیں، اس سے پہلے کہ وہ بھی نابود ہو گئے۔ دوسری جگہوں پر اشراف بھی لگتا ہے،اسی وقت چلے گئے جب الوہی آقا رخصت ہو گئے۔

موجودہ آثار یاتی شہادت ہمیں کسی متعین نتیجے پر نہیں پہنچاتی کہ ''کو بول آجاؤ'' اور اس کے اردگرد کے اشراف کا تختہ کیوں الٹا گیا اور وہ ادارے جو جنہوں نے مایا کے کلاسیکی دور کو جنم دیا کیوں منہدم ہو گئے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ بین شہری شدید جنگی حالات کے اندر مخالفت اور بغاوت نے، جس کی قیادت شاید اشراف کے مختلف دھڑوں نے کی، ادارے کا ہی تختہ الٹ دیا۔

اگر چہ ان استحصالی اداروں نے جو مایاؤں نے تخلیق کئے، خاصی دولت پیدا کی، جس سے



Map 10: The Maya city-states, and inter-city contacts and conflicts

شہروں نے ترقی کی اور اشراف دولت مند ہو گئے اور انہوں نے عظیم فن اور یادگاری عمارات کو جنم دیا،لیکن یہ نظام مستحکم نہیں تھا۔ان اداروں نے جن پر ان محدود اشراف نے حکومت کی، وسیع عدم مساوات کو جنم دیا، اور اس طرح ان لوگوں کے درمیان جو عوام سے لوٹی ہوئی دولت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے،، باہمی کشمکش کی خفیہ صلاحیت پیدا کی۔ یہ کشمکش آخر کار مایا تہذیب کے خاتمے پر منتج ہوئی۔

کیا غلط ہوتا ہے؟

استحصالی ادارے تاریخ میں اس قدر عام ہیں کیونکہ ان کے ہاں ایک پرزور منطق ہے؛ وہ ایک محدود خوشحالی پیدا کر سکتے ہیں جبکہ بہ یک وقت وہ اسے ایک چھوٹی سی اشرافیہ کے ہاتھوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس ترقی کے واقع ہونے کے لئے ایک سیاسی مرکزیت کی ضرورت ہوتی

MaBooks.org

ہے۔ جب ایک مرتبہ یہ صورت حال جم جاتی ہے، تو ریاست یا۔۔۔ ریاست پر کنٹرول کرنے والے اشراف کے لئے سرمایہ کاری کرنے اور دولت پیدا کرنے کے لئے محرکات ہوتے ہیں، دوسرے کو سرمایہ کاری پر آمادہ کرنے کے لئے بھی محرکات ہوتے ہیں تاکہ ریاست ان سے وسائل کو غصب کر سکے۔ اور بعض اوقات وہ ان طریق ہائے عمل کی نقل بھی اتارتے ہیں، جو عموماً جامع معاشی اداروں اور منڈیوں سے متحرک کئے جاتے ہیں۔ کریبین کی نوآبادیاتی معیشتوں میں، استحصالی اداروں نے ان اشراف کی جگہ لے لی جو جبر سے کام لے کر غلاموں کو شکر پیدا کرنے پر لگاتے ہیں، سوویٹ یونین میں انہوں نے کمیونسٹ پارٹی کی شکل اختیار کی، جس نے وسائل کو زراعت سے صنعت کی طرف منتقل کیا، اور منتظمین اور کارکنوں کے لئے کچھ محرکات پیدا کئے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، اس قسم کے محرکات اس نظام کی نوعیت کے ہاتھوں ناکام ہو گئے۔

استحصالی ترقی پیدا کرنے کی مخفی صلاحیت سیاسی مرکز گیری کو ایک محرک عطا کرتی ہے، اور اس چیز کا سبب ہے کہ بادشاہ شیام نے کیوں کر بادشاہت تخلیق کرنے کی خواہش کی، اور غالباً اس بات کی بھی توجیہ کرتی ہے کہ نطوفیان نے کیوں شرق اوسط میں نظم ونسق کی ایک قدیم شکل افسر شاہی اور استحصالی ادارے پیدا کئے، جو آخر کار نوحجری انقلاب پر منتج ہوئے۔ غالباً ایسے ہی طریق ہائے عمل نے متمکن معاشروں کے ظہور کو سہارا دیا اور امریکاؤں میں زراعت کی طرف تبدیلی کو بھی، اور اپنی طریق ہائے کار کو اس جدید تہذیب کو جو مایاؤں نے تعمیر کی، بنیادوں میں دیکھا جا سکتا ہے، جو انتہائی استحصالی اداروں نے رکھیں اور بہت سے لوگوں کو محدود اشراف کے فائدے کے لئے مجبور کیا۔

تاہم، استحصالی اداروں کے تحت پیدا کی گئی ترقی جامع اداروں کے تحت ہونے والی ترقی سے اپنی نوعیت میں بہت مختلف ہوتی ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ پائیدار نہیں ہوتی۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے، استحصالی ادارے تخلیقی تباہی کو پروان نہیں چڑھاتے، اور زیادہ سے زیادہ بہت محدود مقدار میں ٹیکنولوجیاتی ترقی پیدا کرتے ہیں۔ لہذا وہ جس ترقی کو جنم دیتے ہیں وہ بس اتنا ہی عرصہ باقی رہتی ہے۔ سوویٹ تجربہ اس محدودیت کی بہت واضح مثال ہے۔ جب سوویٹ روس نے بعض عالمی ترقی یافتہ ٹیکنولوجیوں کے ساتھ قدم ملا لئے، اور وسائل کو انتہائی ناکارہ زرعی شعبے سے صنعت کو منتقل کیا تو اس نے بہت تیزی سے ترقی کی۔ لیکن آخر کار ہر شعبے میں مقابل آنے والے محرکات، زراعت سے لے کر صنعت تک، ٹیکنولوجیاتی ترقی کو مہمیز نہ کر سکے۔ ایسا صرف چند

خطوں میں ہو سکا جہاں وسائل انڈیلے جا رہے تھے۔ اور جہاں جدت طرازی کے مغرب کے ساتھ مقابلے میں اس کے کردار کی وجہ سے اسے بہت بھرپور صلے سے نوازا جا رہا تھا۔ سوویٹ ترقی، اگرچہ بہت تیز تھی، لیکن یہ بہت مختصر المیعاد ہونے پر مجبور تھی، اور 1970 کی دہائی سے ہی اس نے غبارے سے ہوا نکل رہی تھی۔

تخلیقی تباہی اور جدت طرازی کے فقدان ہی وہ واحد وجہ نہیں ہے کہ استحصالی اداروں کے تحت ترقی کی اتنی سخت حدود کیوں ہیں۔ مایا کی شہری ریاستوں کی تاریخ زیادہ بدشگون اور افسوس کہ زیادہ عمومی انجام کی طرف اشارہ کرتی ہے، جو ایک دفعہ پھر استحصالی اداروں کے اندرونی منطق سے منتج ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ ادارے اشراف کے لئے بہت بھرپور فوائد پیدا کرتے ہیں، لہذا دوسرے لوگوں کے لئے بھی ان موجودہ اشراف کی جگہ لینے کے لئے بہت مضبوط محرکات ہوں گے۔ لہذا عدم استحکام اور داخلی کشمکش استحصالی اداروں کے لئے فطری ہیں خدوخال ہیں، اور یہ نہ صرف مزید عدم صلاحیت پیدا کرتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات کسی بھی سیاسی مرکز گریزی کا پہیہ الٹ دیتے ہیں، بلکہ بعض اوقات نظم ونسق کی مکمل ناکامی اور تباہی کے گڑھے میں گرنے پر منتج ہوتے ہیں، جیسا کہ مایا کی شہری ریاستوں نے اپنے کلاسیکی دور کے دوران ان کی نسبتاً کامیابی کا تجربہ کیا۔

اگرچہ فطری طور پر، استحصالی اداروں کے تحت محدود ہوتی ہے، لیکن جب یہ روبہ عمل ہو تو بہت حیرت خیز ہوتی ہے، 1920, 30, 40, 50 اور ساٹھ کی دہائیوں میں بلکہ ستر کی دہائی میں بھی سوویٹ یونین میں بہت سے لوگ اور اس سے کہیں زیادہ مغربی دنیا میں سوویٹ ترقی سے ہیبت زدہ تھے، بالکل ایسے ہی جیسے وہ آج کل چین میں طوفانی رفتار کی ترقی سے سحر زدہ ہیں۔ لیکن جیسا کہ باب 15 میں ہم مزید تفصیل کے تحت ترقی کے تجربے کی ایک اور مثال پیش کریں گے، اور بالکل ویسے ہی پائیدار ترقی جنم دینے کے نااہل ہے، جب تک یہ جامع سیاسی اداروں کی طرف بنیادی سیاسی تبدیلی میں سے نہیں گزرتا۔

MashalBooks.org

6

علیحدگی کا سفر

وینس کس طرح ایک عجائب گھر بن گیا

جزائر کا وہ گروپ جو وینس کو تشکیل دیتا ہے، بحیرہ ایڈریاٹک میں دور شمال میں واقع ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں، وینس غالباً دنیا کی امیر ترین جگہ تھی، جس میں انتہائی ترقی یافتہ جامع معاشی اداروں کے ایک سیٹ کو نوزائیدہ جامع سیاسی ادارے سہارا دیئے ہوئے تھے۔اس نے 810 عیسوی میں آزادی حاصل کی، ایک ایسے وقت پر جو خوش قسمت وقت ثابت ہوا۔ یورپ کی معیشت اس انحطاط سے جس کا اسے سلطنت روما کے انہدام کے بعد سامنا تھا، ابھی سنبھل رہی تھی، اور شارلمین جیسے بادشاہ مضبوط مرکزی سیاسی طاقت کو دوبارہ تشکیل دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ چیز استحکام زیادہ حفاظت اور تجارت کی ایک توسیع پر منتج ہوئی، وینس جس کا فائدہ اٹھانے کی منفرد پوزیشن میں تھا۔ یہ سمندروں کا سفر کرنے والی قوم تھی، جو بحیرہ روم کے عین وسط میں واقع تھی، مشرق کی طرف سے اس کے ہاں مسالہ جات بازنطین کی مصنوعات، اور غلام آتے تھے۔ وینس امیر ہو گیا۔ 1050 تک جب وینس کم از کم ایک صدی سے معاشی طور پر توسیع اختیار کر رہا تھا اس کی آبادی 45000 نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ 1200 تک 50 فیصد سے زیادہ اضافے کے ساتھ 70,000 تک پہنچ گئی۔ 1330 تک آبادی ایک دفعہ پھر 50 فیصد اضافے کے ساتھ 110,000 ہو گئی۔ اس وقت وینس کا حجم پیرس کے برابر تھا اور غالباً لندن سے تین گنا زیادہ تھا۔

وینس کی معاشی توسیع کی بڑی بنیادوں میں سے ایک معاہداتی جدت طرازیوں کا ایک

سلسلہ تھا، جس نے معاشی اداروں کو بہت زیادہ جامع بنا دیا۔ مشہور ترین "کومینڈا" تھا، جو ایک ابتدائی قسم کی مشترکہ سرمایا سے جاری کردہ کمپنی تھی، جو صرف ایک تجارتی مہم کے دورانیے کے لئے تشکیل دی گئی تھی۔ ایک "کمنڈا" دو حصہ داروں پر مشتمل تھا، ایک "متمکن" جو وینس میں رہتا تھا، اور وہ جو سفر کرتا تھا۔ متمکن حصہ دار کاروبار میں سرمایہ ڈالتا تھا جبکہ سفر کرنے والا حصہ دار سامان کے ساتھ جاتا تھا۔ مخصوص طور پر متمکن حصہ دار سرمایہ کا بڑا حصہ ڈالتا تھا، یہ نوجوان کاروباری جن کے اپنے پاس دولت نہیں ہوتی تھی، پھر سامان تجارت کے ساتھ سفر کر کے تجارتی کاروبار میں شریک ہو سکتے تھے۔ یہ اوپر کی جانب سماجی حرکت کا اہم راستہ تھا۔ سفر میں کسی قسم کے نقصانات میں، اس سرمایے کے لحاظ سے جو حصہ داروں نے ڈالا ہوتا تھا، حصہ ڈالا جاتا تھا۔ اگر اس سفر سے دولت حاصل ہوتی، تو منافع جات کمنڈا کے معاہدات کی دو اقسام پر مبنی ہوتے تھے۔ اگر کمنڈا یک طرفہ ہوتا تو متمکن تاجر سرمایے کا 100 فیصد مہیا کرتا تھا اور منافع کا 75 فیصد وصول کرتا تھا۔ اگر یہ دو طرفہ ہوتا تو متمکن تاجر 67 فیصد سرمایہ مہیا کرتا اور منافع کا 50 فیصد وصول کرتا تھا۔ سرکاری دستاویزات کا مطالعہ کرتے ہوئے آدمی دیکھتا ہے کہ کمنڈا کی طاقت، سماجی حرکت پذیری کو اوپر کی جانب پروان چڑھانے میں کس حد تک بھرپور تھی؛ یہ دستاویزات نئے ناموں سے بھرپور ہیں۔ ان لوگوں سے جو اس سے پہلے وینس کے اشراف میں شامل نہیں تھے۔ 960 عیسوی، 971 عیسوی اور 982 عیسوی کی سرکاری دستاویزات میں، نئے ناموں کی تعداد، ان میں سے جو ریکارڈ میں موجود ہیں، بالترتیب 69 فیصد، 81 فیصد اور 65 فیصد پر مشتمل ہے۔

اس معاشی جامعیت اور تجارت کے ذریعے نئے خاندانوں کے عروج نے سیاسی نظام کو اور بھی فراخ ہونے پر مجبور کر دیا۔ ڈوج (وینس کا بڑا مجسٹریٹ۔م) جو سینس پر حکومت کرتا تھا، جنرل اسمبلی کی طرف سے زندگی بھر کے لئے چنا جاتا تھا۔ اگرچہ جنرل اسمبلی تمام شہریوں کا اجتماع ہوتا تھا، لیکن عملی طور پر یہ طاقتور خاندانوں کا بنیادی گروپ ہوتا تھا۔ اگرچہ ڈوج بہت طاقتور تھا لیکن آہستہ آہستہ اس کی طاقت سیاسی اداروں میں تبدیلیوں کی وجہ سے کم ہو گئی۔ 1032 کے بعد ڈوج کا انتخاب، نئی تخلیق شدہ ڈیوک کی کونسل کے ساتھ ہوتا تھا، جس کا کام اس بات کو یقینی بنانا تھا کہ ڈوج مطلق العنان طاقت حاصل نہ کر لے۔ اس کونسل سے محصور کیا جانے والا پہلا ڈوج ڈومینیکو فلبیانیکو (Domenico Flabianico) ایک ایسے خاندان کا دولت مند ریشم کا تاجر تھا، جس

MashalBooks.org

نے اس سے پہلے کوئی اعلیٰ عہدہ نہیں رکھا تھا۔ اس اداراتی تبدیلی کے بعد، وینس کی تجارتی اور سمندری طاقت میں بہت زیادہ توسیع ہوئی۔ 1082 میں وینس کو قسطنطنیہ میں وسیع تجارتی مراعات دی گئیں، اور اس شہر میں ایک وینس کا گوشہ قائم کیا گیا۔ اس میں جلد ہی دس ہزار وینس کے باشندے قیام پذیر ہو گئے۔ یہاں ہم جامع معاشی اور سیاسی اداروں کو مل کر کام کرنا شروع کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

وینس کی معاشی ترقی، جس نے سیاسی تبدیلی کیلئے مزید دباؤ پیدا کیا، معاشی اور سیاسی اداروں میں ان تبدیلیوں کے بعد جو 1171 میں ڈوج کے قتل کے بعد پیدا ہوئیں۔ دھماکہ خیز انداز سے آگے بڑھی۔ پہلی بڑی جدت طرازی، عظیم کونسل کی تخلیق تھی، جو اس وقت سے لے کے آگے کے لئے وینس میں سیاسی قوت کا حتمی ذریعہ بننے والی تھی۔ یہ کونسل وینس کی ریاست کے عہدیداروں، جیسا کہ ججوں پر مشتمل تھی اور اس پر اشراف کا غلبہ تھا۔ ان سرکاری عہدیداروں کے علاوہ، ہر سال ایک سو نئے ارکان ایک نامزد کرنے والی کمیٹی کی طرف سے کونسل میں سے قرعہ اندازی سے چنے جاتے تھے۔ یہ کونسل بعد میں دو ذیلی کونسلوں کے ارکان کا انتخاب بھی کرتی تھی۔ یعنی سینٹ اور چالیس کی کونسل کا جس کے ذمے مختلف قانون سازی کے اور انتظامی کام ہوتے تھے۔ عظیم کونسل ڈیوک کی کونسل کا انتخاب بھی کرتی تھی، جس میں دو سے چھ ارکان تک توسیع کر دی گئی تھی۔ دوسری جدت طرازی، پھر ایک اور کونسل کی تخلیق تھی، جس کا انتخاب عظیم کونسل قرعہ اندازی کے ذریعے کرتی تھی، جو ڈوج کا نامزد کرتی تھی۔ اگرچہ اس انتخاب کی توثیق جنرل اسمبلی سے کرانی ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ صرف ایک شخص کو نامزد کرتے تھے، اس چیز نے ڈوج کے انتخاب کو کونسل کے سپرد کر دیا تھا، تیسری جدت طرازی یہ تھی کہ نئے ڈوج کو ایک حلف اٹھانا پڑتا تھا جو ڈیوک کے اختیار کو محدود کر دیتا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ پابندیاں مسلسل بڑھتی گئیں، یہاں تک کہ بعد میں آنے والے ڈوجوں کو مجسٹریٹوں کی فرماں برداری کرنا پڑتی تھی، اور پھر اپنے تمام فیصلوں کو ڈیوک کی کونسل سے منظور کروانا پڑتا تھا۔ ڈیوک کی کونسل نے بھی یہ یقین دہائی کرانے کا کردار سنبھال لیا کہ ڈوج عظیم کونسل کے تمام فیصلوں کو تسلیم کرے گا۔

یہ سیاسی اصلاحات اداراتی جدت طرازیوں کے مزید ایک سلسلے پر منتج ہوئیں؛ قانون میں، آزاد مجسٹریٹوں، عدالتوں، اپیل کی ایک عدالت، اور نئے نجی معاہدے اور دیوالیہ پن کے قوانین

میں، ان نئے وینس کے معاشی اداروں نے قانونی کاروبار کی نئی شکلوں اور نئی قسم کے معاہدوں کی گنجائش پیدا کی۔ ایک تیز مالی جدت آئی، اور ہم وینس میں اس وقت کے آس پاس جدید بینکنگ کی شروعات دیکھتے ہیں توانا کلیۃً اشتمالی اداروں کی طرف حرکت کرتا ہوا وینس ناقابل اختتام محسوس ہوتا تھا۔

لیکن اس سب میں ایک کشیدگی تھی۔ وینس کے اشتمالی اداروں سے تقویت دی گئی معاشی ترقی کے ہمراہ تخلیقی تباہی تھی۔ کاروباری نوجوانوں کی ہر نئی لہر، جو کمنڈا یا دوسرے اسی طرح کے اداروں کی وجہ سے کے ذریعے امیر ہو گئے تھے، مسلمہ اشراف کے منافع جات اور معاشی کامیابی کو محدود کرنے کا رجحان رکھتے تھے، اور انہوں نے نہ صرف ان کے منافع جات کو محدود کیا؛ انہوں نے ان کی سیاسی قوت کو بھی چیلنج کیا۔ لہذا ہر وقت عظیم کونسل میں بیٹھے ہوئے موجودہ اشراف کیلئے ایک ترغیب موجود تھی کہ، اگر وہ کامیابی سے اسے کر سکیں، تو ان نئے لوگوں کے لئے سسٹم کو بند کر دیں۔

عظیم کونسل کے آغاز میں، رکنیت کا فیصلہ ہر سال کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ سال کے اختتام پر، اگلے سال کے سو ارکان کو نامزد کرنے کے لئے چار انتخاب کنندگان کو سرسری طور پر چنا جاتا تھا، جو (سو ارکان) خود بخود منتخب ہو جاتے تھے۔ 3 اکتوبر 1286 کو عظیم کونسل کو ایک تجویز پیش کی گئی، کہ قواعد میں ترمیم کی جائے، تاکہ نامزدگیوں کی تصدیق چالیس کی کونسل کی اکثریت سے کروائی جا سکے، جس کا کنٹرول سختی سے اشراف کے خاندانوں سے کیا جاتا تھا۔ اس نے اس اشرافیہ کونسل میں نئی نامزدگیوں پر ویٹو کا اختیار دے دیا ہوتا، ایک ایسی چیز جو اس سے پہلے انہیں حاصل نہیں تھی۔ لیکن یہ تجویز ناکام ہو گئی۔ 5 اکتوبر 1286 کو ایک اور تجویز سامنے لائی گئی؛ اس مرتبہ یہ منظور ہو گئی۔ اس وقت کے بعد سے کسی ایسے شخص کی توثیق خود بخود ہو جاتی تھی، جس کے آباؤ اجداد نے کونسل میں خدمات انجام دی ہوں۔ بصورت دیگر، ڈیوک کی کونسل سے توثیق کی ضرورت ہوتی تھی۔ 17 اکتوبر کو قواعد میں ایک اور تبدیلی منظور کی گئی جس میں یہ شرف عائد کی گئی کہ عظیم کونسل میں کسی تقرری کی منظوری چالیس کو کونسل، ڈوج اور ڈیوک کی کونسل سے جزوی ہو گی۔

1286 کے مباحثوں اور آئینی ترامیم نے، وینس کی ''بندش'' (La Serrata) کی پیشین گوئی کر دی، فروری 1297 میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگر آپ گزشتہ چار سال میں عظیم کونسل کے رکن رہے

MashalBooks.org

ہیں، تو آپ کو خود بخود نامزدگی اور منظوری مل جائے گی، نئی نامزدگیوں کو اب چالیس کی کونسل سے منظوری لینا ہوگی، لیکن صرف بارہ ووٹوں سے، 11 ستمبر 1298 کے بعد حاضر ارکان کے خاندانوں کو کسی توثیق کی ضرورت نہیں ہوگی، عظیم کونسل اب بیرونی لوگوں کے لئے موثر طور پر بند کردی گئی تھی، اور اسکے ابتدائی ایک موروثی اشرافیہ بن گئی تھی۔ اس پر مہر 1315 میں ''سنہری کتاب'' (Libro d, Oro) کے ساتھ لگ گئی، جو کہ وینس کی اشرافیہ کا سرکاری دستاویزات کا محافظ خانہ تھا۔

وہ لوگ جو اس نوزائیدہ اشرافیہ سے باہر تھے، اپنے اختیارات کو بغیر جدو جہد کے کم ہونا نہیں دینا چاہتے تھے، وینس میں 1297 اور 1315 کے درمیان سیاسی کشیدگیاں مسلسل بڑھنے لگیں۔ عظیم کونسل نے جزوی طور پر اپنے آپ کو زیادہ بڑا بنا کر جواب دیا۔ اپنے زیادہ بولنے والے مخالفین کو اپنے اندر شامل کرنے کی کوشش میں اس کے ارکان کی تعداد 450 سے 1500 تک ہوگئی۔ اس توسیع کی تکمیل دباؤ سے ہوگئی پہلی دفعہ 1310 میں ایک پولیس فورس متعارف کروائی گئی، اور اندرونی جبر میں بھی مسلسل اضافہ ہوتا رہا، بلاشبہ نئے سیاسی نظام کو مستحکم کرنے کے ایک طریقے کے طور پر۔

ایک سیاسی (Serrata) بندش کو نافذ کر چکنے کے بعد عظیم کونسل نے پھر معاشی Serrata (بندش) کو اختیار کرنے کی طرف رخ کیا۔ استحصالی سیاسی اداروں کی طرف تبدیلی کے بعد اب معاشی اداروں کی طرف تبدیلی ہو رہی تھی۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ انہوں نے ''کمنڈا'' کے معاہدوں کے استعمال پر پابندی عائد کردی، ان عظیم اداراتی جدت طرازیوں میں سے ایک پر جس نے وینس کو امیر بنایا تھا۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہونی چاہئے: ''کمنڈا'' نئے تاجروں کو فائدہ پہنچاتا تھا، اور اب قدیم اشرافیہ ان کو خارج کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ استحصالی معاشی اداروں کی طرف صرف ایک قدم تھا۔ ایک دوسرا قدم اس وقت تھا، جب 1314 سے لے کے وینس کی ریاست نے تجارت کو اپنی تحویل میں لینے اور قومیانے کا عمل شروع کیا، اس نے ریاستی جنگی جہازوں کو تجارت میں شریک ہونے کے لئے منظّم کیا، 1314 کے بعد سے ان افراد پر بھاری ٹیکس عائد کر دیئے، جو تجارت میں حصہ لینا چاہیں۔ طویل فاصلے کی تجارت صرف اشرافیہ کے لئے مخصوص ہوگئی۔ یہ وینس کی خوشحالی کے اختتام کا آغاز تھا۔ کاروبار کے بنیادی خطوط، جن پر بڑھتی ہوئی نئی اشرافیہ کی اجارہ داری قائم ہوگئی تھی، کے ساتھ ہی زوال شروع ہوگیا۔

لگتا تھا کہ وینس دنیا کا پہلی جامع معاشرہ بننے جا رہا ہے، لیکن یہ کسی شدید ضرب کا شکار ہوگیا، سیاسی اور معاشی ادارے زیادہ استحصالی ہو گئے اور وینس نے معاشی انحطاط کا تجربہ کرنا شروع کردیا، 1500 اور 1800 کے درمیان، جب یورپ کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی تھی، وینس کی آبادی کم ہوگئی۔

آج وینس کی واحد معیشت جو اس کے پاس ہے، وہ تھوڑی بہت ماہی گیری کے علاوہ، سیاحت ہے۔ بجائے تجارتی راستوں اور معاشی اداروں میں سبقت حاصل کرنے کے وینس کے لوگ غیر ملکیوں کے جتھوں کے لئے پیزا، آئس کریم، اور رنگین شیشے بنانے ہیں۔ سیاح سریٹا سے قبل کے وینس کے عجائبات، جیسا کہ ڈوج محل اور سینٹ مارک اور سینٹ مارک کے گرجا کے شیر، جو بائزینٹیم سے اس وقت لوٹے گئے تھے جب وینس بحیرہ روم پر حکمرانی کرتا تھا، کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں، وینس معاشی طاقت کے منبع سے ایک عجائب گھر میں تبدیل ہوگیا۔

اس باب میں ہم دنیا کے مختلف حصوں میں اداروں کے تاریخی ارتقا پر توجہ مرکوز کریں گے، اور اس بات کی توجیہہ کریں گے کہ وہ مختلف انداز سے کیوں ارتقا پذیر ہوئے۔ باب چہارم میں ہم نے دیکھا مغربی یورپ کے دارے مشرقی یورپ کے اداروں سے اور انگلستان کے ادارے باقی ماندہ مغربی یورپ کے اداروں سے کس طرح مختلف ہو گئے۔ یہ چھوٹے اداراتی اختلافات کا نتیجہ تھا، جو زیادہ تر اداراتی تبدیلی کے فیصلہ کن موڑوں کے ساتھ باہمی تعامل سے منتج ہوئے تھے، لہذا یہ بات سوچنے پر آمادہ کرتی ہے کہ یہ اداراتی اختلافات گہرے تاریخی برفانی تودے کا صرف ایک سرا ہے، جہاں پانی کے خط کے نیچے ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان کے اور یورپ کے ادارے دوسری جگہوں کے اداروں سے شدت سے علیحدہ ہو رہے ہیں جو ہزاروں سال پہلے کے تاریخی واقعات پر مبنی ہیں۔ باقی جیسا کہ کہا جاتا ہے، تاریخ ہے۔

اول، جامع اداروں کی طرف کی تحریکیں، جیسا کہ ہمارا وینس کا احوال ظاہر کرتا ہے، پیچھے کو لوٹائی جا سکتی ہیں، وینس خوشحال ہوگیا، لیکن اس کے سیاسی اور معاشی اداروں کو ناکام بنا دیا گیا۔ اور وہ خوشحالی واپس لوٹ گئی۔ آج وینس صرف اس وجہ سے امیر ہے کہ وہ لوگ جو اپنی آمدنی کہیں اور سے حاصل کرتے ہیں، اسے وہاں اس کے ماضی کی عظمت کے گن گانے کے لئے خرچ کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ جامع ادارے پیچھے کو بھی پلٹ سکتے ہیں یہ ثابت کرتا ہے کہ اداراتی

MashalBooks.org

بہتری کا کوئی سادہ مجموعی عمل نہیں ہے۔

دوم، وہ چھوٹے چھوٹے اختلافات، جو فیصلہ کن موڑوں کے دوران بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں، اپنی نوعیت کے لحاظ سے وقتی ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ چھوٹے ہوتے ہیں لہذا انہیں لوٹایا جا سکتا ہے، پھر وہ دوبارہ ابھر سکتے ہیں اور دوبارہ لوٹائے جا سکتے ہیں۔ ہم اس باب میں دیکھیں گے کہ اس کے مقابلے میں جو آدمی جغرافیے یا ثقافت کے نظریات سے توقع کر سکتا ہے، وہ انگلستان، جہاں سترھویں صدی میں جامع اداروں کی طرف قدم اٹھایا جانا تھا، ایک دور دراز علاقہ تھا، نہ صرف شرق اوسط میں ہجری انقلاب کے بعد کے خوشحالی کے دور میں، بلکہ قرون وسطیٰ کے آغاز پر مغربی سلطنت روما کے سقوط کے بعد بھی۔ جزائر برطانیہ سلطنت روما کے ایک کنارے پر تھے، جو یقیناً براعظمی مغربی یورپ شمالی امریکہ، بلقان، قسطنطنیہ یا شرق اوسط کی نسبت یقیناً کم اہمیت کے حامل تھے۔ جب پانچویں صدی عیسوی میں مغربی سلطنت روما کا انہدام ہوا، تو برطانیہ مکمل ترین زوال کا شکار ہوا۔ لیکن وہ سیاسی انقلابات جنہوں نے آخر کار صنعتی انقلاب کو لانا تھا، وہ اٹلی، ترکی یا مغربی براعظمی یورپ میں بھی نہیں بلکہ جزائر برطانیہ میں واقع ہونا تھے۔

انگلستان کے صنعتی انقلاب اور ان ممالک کو جنہوں نے اس کی تقلید کی، سمجھنے کے لئے روم کا ورثہ بہرحال کئی اسباب کی بنا پر اہم ہے، اول روم بھی وینس کی طرح ابتدائی طور پر بڑی اداراتی جدت طرازیوں میں سے گزرا۔ وینس کی طرح، روم کی ابتدائی معاشی ترقی جامع اداروں پر مبنی تھی۔ کم از کم اس وقت کے معیارات کے مطابق۔ جیسا کہ وینس میں ہوا، یہ ادارے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فیصلہ کن انداز سے زیادہ استحصالی ہوتے گئے۔ روم کے معاملے میں یہ جمہوریہ (510ق م تا 49ق م) سے سلطنت (49ق م تا 476 عیسوی) میں تبدیلی کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ جمہوریہ کے دور میں روم نے ایک موثر سلطنت قائم کر لی، اور طویل فاصلے کی تجارت اور نقل وحمل نے ترقی کی، لیکن روم کی بہت سی معیشت استحصال پر مبنی تھی۔ جمہوریہ سے سلطنت کی طرف تبدیلی نے استحصال کو بڑھاوا دیا اور آخر کار اسی قسم کی اندرونی کشمکش، عدم استحکام، اور انہدام پر منتج ہوئی جیسا کہ ہم نے مایا کی شہری ریاستوں کے ضمن میں دیکھا،

دوسری اور زیادہ اہم بات، ہم دیکھیں گے کہ مغربی یورپ کی بعد کی اداراتی ترقی، اگرچہ روم کی براہ راست وراثت نہیں تھی، لیکن یہ ان فیصلہ کن موڑوں کا نتیجہ تھی، جو مغربی سلطنت روما کی

تباہی کے جلو میں پورے علاقے میں عام تھی۔ ان فیصلہ کن موڑوں کے دنیا کے دوسرے حصوں جیسا کہ افریقہ، ایشیا یا امریکاؤں میں کوئی مماثل نہیں تھے۔ اگرچہ ہم حبشہ کی تاریخ کے ذریعے یہ بھی دکھائیں گے کہ جب دوسرے حصوں نے اسی طرح کے فیصلہ کن موڑوں کا تجربہ کیا، تو انہوں نے بھی بعض اوقات اسی طرح سے ردعمل ظاہر کیا جو قابل ذکر طریقے سے اس سے مشابہہ تھا۔ روم کے زوال نے جاگیرداری کو جنم دیا، جس نے ایک ذیلی پیداوار کے طور پر غلامی کو کمزور کر دیا، ایسے شہروں کو وجود میں لایا جو بادشاہوں اور اشراف کے حلقہ اثر سے باہر تھے، اور اسی عمل میں اداروں کا ایک سیٹ پیدا کیا، جہاں حکمرانوں کے سیاسی اختیارات کمزور تھے۔ یہ اسی جاگیردارانہ بنیاد پر تھا کہ کالی موت نے ایک تباہی پھیلائی، اور بادشاہوں اشراف اور بڑے مالکان زمین کی قیمت پر آزاد شہروں کو مزید مضبوط کیا۔" یہ اسی سطح پر تھا کہ اوقیانوس کی تجارت سے پیدا کردہ مواقع باقی رہتے۔ دنیا کے بہت سے حصے ان تبدیلیوں سے نہیں گزرے اور نتیجتاً علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔

رومی خوبیاں۔۔۔

رومی عوامی ٹائبیریس گریکس (Tiberius Gracchus) کو 133ق م میں رومی سینٹروں کی طرف سے ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا اور اس کی نعش کو بغیر رسومات کے دریائے ٹائبر میں پھینک دیا گیا، اس کے قاتل خود ٹائبیریس کی طرح کے اشراف تھے اور اس کے قتل کا بڑا دماغ اس کا اپنا عم زاد پبلیس کومیلیس سیپیو ناسیکا (Publius Comelius Seipio Nasica) تھا۔ ٹائبیریس گریکس کا بطور جمہوریہ روما کے کچھ زیادہ نمایاں زعما کے جن میں ایریائی اور دوسری قرطاجی جنگوں کا ہیرو لوشیس ایمیلیس پاؤلیس اور سیپیو افریکانس جو کہ وہ جرنیل تھا جس نے دوسری قرطاجی جنگ میں ہنی بال کو شکست دی، بھی شامل تھے۔ چشم و چراغ ہونے کے، ایک مثالی اشراف کا شجرہ نسب تھا۔ اس کے دور کے طاقتور سینٹر بلکہ خود اس کا عم زاد، کیوں اس کے خلاف ہو گئے؟۔

اس کا جواب ہمیں جمہوریہ روما میں کشمکشوں اور اس کے بعد ہونے والے انحطاط کے اسباب کے بارے میں بہت کچھ بتاتا ہے۔ جو چیز ٹائبیریس کو ان طاقتور سینیٹروں کے خلاف لے آئی، وہ وقت کے اہم ترین سوال کے سلسلے میں اس کی ان کے خلاف کھڑا ہونے کی اس کی خواہش تھی؛ یعنی زمینوں کی تقسیم اور پلیبین یعنی عام رومی شہریوں کے حقوق کا سوال۔

MashalBooks.org

ٹائبیر یس گریکس کے وقت تک، روم ایک خوب مستحکم جمہوریہ تھی۔ اس کے سیاسی اداروں اور رومی شہر سپائیوں کی خوبیوں کو، ابھی تک بہت سے مورخین کی طرف سے جمہوریہ کی کامیابی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ رومن شہری سپاہیوں کی خوبیوں کو جیکوئس ۔ لوئی ڈیوڈ (Jacques-Louis David) کی مشہور تصویر اوتھ آف دا ہوراتی (Oath of the Horatii) میں یوں پیش کیا گیا ہے کہ یہ بیٹوں کو اپنے باپ کے سامنے حلف اٹھاتے ہوئے دکھاتی ہے کہ وہ جمہوریہ روم کی اپنی موت تک حفاظت کریں گے۔ رومی شہریوں نے 510 ق م کے لگ بھگ اپنے بادشاہ لوشیس ٹارکوینیس سپربس (Lueius Tarquinus Superbus) جسے طاقین مغرور (Tarquin the Proud) کے نام سے جانا جاتا ہے، کا تختہ الٹ کر جمہوریہ کی بنیاد رکھی۔ اس جمہوریہ نے ہوشیاری سے ایسے سیاسی اداروں کا نقشہ تیار کیا جس میں بہت سے جامعیت کے عناصر تھے۔ یہ ایسے مجسٹریٹوں کے زیر حکومت تھا جنہیں ایک سال کے لئے منتخب کیا جاتا تھا۔ کیونکہ مجسٹریٹ کا منصب انتخابی تھا جو ہر سال ہوتا تھا، اواس پر بہ یک وقت کئی لوگ فائز ہوتے تھے، لہذا کسی ایک شخص کی اپنی طاقت کو مستحکم کرنے یا غصب کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی تھی۔ جمہوریہ کے اداروں میں شرائط وضوابط کا ایک نظام تھا جو طاقت کو خاصے وسیع پیمانے پر تقسیم کر دیتا تھا۔ یہ نظام اس کے باوجود ایسا تھا، کہ تمام شہریوں کی مساوی نمائندگی نہیں تھی، کیونکہ ووٹ دینے کا عمل بالواسطہ تھا۔ علاوہ ازیں غلاموں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی، جو زیادہ تر اٹلی میں پیداوار کے عمل کے لئے اہم ترین تھے۔ یقیناً غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے چہ جائیکہ سیاسی نمائندگی۔

بہرحال، جیسا کہ وینس میں تھا، روم کے سیاسی اداروں میں بھی تکثیری عناصر موجود تھے۔ عام لوگوں کی اپنی اسمبلی تھی۔ جو پلیبین ٹریبیون (Plebeian Tribune) کا انتخاب کر سکتی تھی۔ جس کے پاس مجسٹریٹوں کے لئے ہوئے اقدامات کو ویٹو کرنے، پلیبین اسمبلی کا اجلاس بلانے، اور قانون سازی کی تجویز دینے کے اختیار تھا۔ پلیبین (عوام) ہی 133 ق م میں ٹائبیر یس گریکس کو اقتدار میں لائے تھے۔ ان کی طاقت ''علیحدگی (Secession)'' سے وضع کی گئی تھی، جو پلیبینز کی طرف سے ہڑتال کی ایک شکل تھی، خاص طور پر سپاہیوں کی طرف سے، جو شہر سے باہر ایک پہاڑی پر چلے جاتے تھے، اور جب تک ان کی شکایات کا ازالہ نہ ہوتا وہ مجسٹریٹوں سے تعاون کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ یہ دھمکی، خاص طور پر جنگ کے دوران خاص طور پر اہم ہوتی تھی۔ فرض یہ کیا

جاتا ہے کہ ایک ایسی ہی ''علیحدگی'' کے دوران پانچویں صدی ق م میں شہریوں نے اپنے ٹریبیوں کو چننے کا اختیار، اور ایسے قوانین بنانے کا جوان کے معاشرے میں نظم و نسق قائم کریں، حاصل کر لیا۔ ان کے سیاسی اور قانونی تحفظ، جو کہ ہمارے موجودہ معیارات کے مطابق محدود تھا، نے شہریوں کے لئے معاشی مواقع اور ایک حد تک معاشی اداروں میں جامعیت پیدا کی۔ نتیجے کے طور پر پورے بحیرہ روم کے علاقے میں تجارت رومی جمہوریہ کے تحت پھلی پھولی۔ آثاریاتی شہادت یہ اشارہ دیتی ہے کہ اگرچہ شہریوں کی اکثریت گزارے کی سطح سے کوئی زیادہ اچھی زندگی بسر نہیں کرتی تھی، لیکن بہت سے رومیوں نے، بشمول کچھ عوامی خدمات جیسا کہ شہر کے نکاسی آب کے نظام، اور گلیوں کی روشنی کے نظام تک رسائی بھی۔

علاوہ ازیں، اس بات کی شہادت موجود ہے کہ جمہوریہ روما کے تحت کچھ معاشی ترقی بھی تھی۔ ہم رومیوں کی معاشی خوشحالی کا کھوج جہازوں کی تباہیوں سے لگا سکتے ہیں۔ وہ سلطنت جو رومیوں نے قائم کی، ایک طرح سے بندرگاہی شہروں کا جال تھا۔

مشرق میں ایتھنز، انطاکیہ اور سکندریہ، روم کے راستے قرطاج، اور کیڈیز؛ اور چلتے چلتے مغرب بعید میں لندن، جوں جوں روم کے ماتحت علاقے پھیلتے گئے، ساتھ ساتھ تجارت اور جہاز رانی بھی پھیلتی گئی، جس کا کھوج ان جہازوں کی تباہیوں سے لگایا جا سکتا ہے، جو ماہرین آثار قدیمہ نے بحیرہ روم کی تہہ میں دریافت کئے گئے ہیں، ان جہازوں کی تباہیوں کی تاریخ کئی طرح سے متعین کی جا سکتی ہے۔ اکثر اوقات یہ جہاز صراحیاں اٹھا کر لے جاتے تھے۔ جو شراب یا زیتون کے تیل سے بھری ہوئی ہوتی تھیں، جو اٹلی سے گاول لے جائے جاتے تھے، یا ہسپانوی زیتون کے تیل سے، جو روم میں مفت تقسیم ہوتا تھا۔ صراحیاں، مٹی کے بنے ہوئے بند برتن، عموماً اس طرح کی معلومات کے حامل ہوتی تھیں، کہ انہیں کس نے بنایا اور کب۔ روم میں دریائے ٹائبر کے بالکل قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی مونٹ ٹیسٹیچیو (Monte Testaccio) جسے مونٹ ڈی کوچی (Monte dei Cocci ''برتنوں کا پہاڑ'' بھی کہتے ہیں جو اندازاً ترپین ملین صراحیوں سے بنا ہوا ہے۔ جب ان صراحیوں کو جہازوں سے اتارا جاتا تھا، تو انہیں وہیں چھوڑ دیا جاتا تھا، جنہوں نے صدیوں کے عرصے میں ایک بڑا پہاڑ بنا ڈالا۔

جہاز پر دوسری چیزوں، اور خود جہاز کی تاریخ کا تعین بعض اوقات کاربن کی تابکار ہم

MashalBooks.org

جا سے تاریخ کا تعین کرنے کے طریقے سے کیا جاسکتا ہے، جو کہ ایک طاقتور تکنیک ہے جو ماہرین آثارقدیمہ کی طرف سے نامیاتی آثار کی عمر اور تاریخ کا تعین کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ پودے نوری تالیف سے توانائی پیدا کرتے ہیں، جو سورج سے حاصل ہونے والی توانائی کو، کاربن ڈائی آکسائیڈ کو شکروں میں تبدیل کرنے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ جب وہ ایسا کرتے ہیں، تو پودے اپنے اندر قدرتی طور پر واقع ہونے والے تابکار ہم جا، کاربن-14 کی ایک مقدار کو اپنے اندر کھپا لیتے ہیں۔ پودوں کے مرنے کے بعد کاربن-14 تابکار تبدیل پذیری کی وجہ سے زوال پذیر ہو جاتا ہے، جب ماہرین آثار قدیمہ کسی تباہ شدہ جہاز کو دیکھتے ہیں تو وہ جہاز کی لکڑی کو اس کے باقی ماندہ کاربن-14 کے ایک ٹکڑے کا تقابل متوقع ماحولیاتی کاربن-14 کے ساتھ کر کے اس کی تاریخ کا تعین کر سکتے ہین۔ یہ عمل اس بات کا ایک تخمینہ مہیا کرتا ہے کہ درخت کب کاٹا گیا تھا۔ 500ق م کے عرصے تک صرف 20 جہازوں کی تباہی کی تاریخوں کا تعین کیا گیا ہے، غالباً یہ رومی جہاز نہیں تھے، اور مثال کے طور پر یہ قرطاجی ہو سکتے ہیں۔ لیکن پھر رومی جہازوں کی تباہی تیزی سے بڑھنے لگتی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت کے لگ بھگ یہ 180 کی بلند ترین تعداد تک پہنچ گئے۔

جہازوں کی تباہیاں، جمہوریہ روما کے معاشی خط وخال کو کھوجنے کا ایک زبردست طریقہ ہے، اور یہ معاشی ترقی کی کچھ شہادت مہیا بھی کرتے ہیں، لیکن انہیں پس منظر میں رکھنا پڑتا ہے۔ غالباً ان جہازوں کے مشمولات کے دو تہائی مشمولات رومی ریاست کی ملکیت تھے، جن میں ٹیکس اور خراج صوبوں سے روم کی طرف واپس لایا جارہا ہوتا تھا، یا شمالی افریقہ سے غلہ اور زیتون کا تیل شہر کے شہریوں کے مفت حوالے کرنے کے لئے۔ استحصال کے یہی ثمرات تھے جنہوں نے زیادہ ترمونٹ ٹیسٹیچیو تعمیر کیا۔

معاشی ترقی کی شہادت کو پانے کا ایک اور حیرت انگیز طریقہ گرین لینڈ آئس کور پراجیکٹ (Green land Ice Core Project)(گرین لینڈ برف کے مرکز کا منصوبہ) ہے۔ جب برفباری ہوتی ہے، تو وہ ماحول میں آلودگی کی چھوٹی چھوٹی مقداروں کو چن لیتی ہے، خاص طور پر سکہ، سلور اور تانبے کی دھاتوں کو۔ برف جم جاتی ہے اور پچھلے سال گرنے والی برف پر جمع ہو جاتی ہے۔ یہ عمل ہزاروں سال سے جاری ہے، اور یہ سائنسدانوں کو ہزاروں سال پہلے کی ماحولیاتی آلودگی کی

مقدار کو سمجھنے کا ایک بے مثال موقع فراہم کرتا ہے۔ 1990-92 میں گرین لینڈ کے برف کے مرکز کے منصوبے 30 30 میٹر نیچے تک برف کی کھدائی کی، جس نے تقریباً انسانی تاریخ کے 250,000 سالوں کا احاطہ کیا۔ اس منصوبے اور اس سے پہلے والے دوسرے منصوبوں کی بڑی دریافتوں میں سے ایک یہ تھی 500ق م کے لگ بھگ شروع ہو کر ماحولیاتی آلودگیوں میں ایک واضح اضافہ پایا جاتا تھا۔ پھر سیسے، چاندی اور تانبے کی ماحولیاتی مقداروں میں مسلسل اضافہ ہو گیا، جو پہلی صدی عیسوی میں بلند ترین سطح پر پہنچ گیا، قابل ذکر بات یہ ہے کہ سیسے کی ماحولیاتی مقدار اس سطح تک دوبارہ صرف تیرھویں صدی میں پہنچی۔ یہ دریافتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ روم کی کان کنی، اس سے پہلے اور بعد کے مقابلے میں، پھیلاؤ کی نشاندہی کرتا ہے۔

لیکن روم کی ترقی ناپائیدار تھی، کیونکہ یہ ایسے اداروں کے تحت ہوئی تھی جو نیم جامع اور نیم استحصالی تھے۔ اگرچہ رومی شہریوں کو سیاسی اور معاشی دونوں طرح کے حقوق حاصل تھے۔ لیکن غلامی عام تھی اور بہت استحصالی تھی، اور اشراف، سینیٹرز کا طبقہ معیشت اور سیاست دونوں پر چھایا ہوا تھا۔ عوام کی اسمبلی اور عوام کے ٹربیون کے باوجود، مثال کے طور پر حقیقی اختیارات سینٹ کے ہاتھ میں تھے، جس کے ارکان کا تعلق بڑے مالکان زمین سے تھا، جو سینیٹروں کا طبقہ تشکیل دیتے تھے۔ رومی مورخ لیوی (Livy) کے مطابق سینٹ کی بنیاد روم کے پہلے بادشاہ رومولس (Romulus) نے رکھی، اور یہ ایک سو آدمیوں پر مشتمل تھی۔ ان کے اخلاف سینٹروں کا طبقہ تشکیل دیتے تھے، اگرچہ نیا خون بھی شامل کیا جاتا تھا۔ زمین کی تقسیم بہت غیر مساوی تھی، اور زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ دوسری صدی ق م تک اور زیادہ غیر مساوی ہوگئی۔ یہ مسئلہ مسائل کی جڑ میں تھا جسے ٹائبیر لیس گریکس بطور ٹربیون کے سامنے لایا۔

چونکہ روم کی توسیع پورے بحیرہ روم میں جاری رہی، لہذا بہت زیادہ دولت اس کے ہاں آتی رہی۔ لیکن اس خوش بختی پر زیادہ تر سینیٹر کے درجے کے چند خاندانوں کا قبضہ ہو جاتا تھا، اور امیروں اور غریبوں کے درمیان عدم مساوات مزید بڑھ جاتی تھی۔ سینٹر اپنی دولت کے لئے نہ صرف نفع بخش صوبوں پر اپنے کنٹرول کے مرہون منت ہوتے تھے، بلکہ اپنی ان بڑی بڑی جاگیروں کے لئے بھی جو پورے اٹلی میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان جاگیروں پر غلاموں کے جتھے موجود رہتے تھے، جو اکثر ان جنگوں میں گرفتار ہوتے تھے جو روم کی طرف سے لڑی جاتی

MashalBooks.org

تھیں، لیکن یہ چیز کہ یہ زمین کہاں سے آتی تھی برابر کی اہمیت رکھتی تھیں۔ روم کی فوجیں جمہوریہ کے دوران، شہری سپاہیوں پر مشتمل ہوتی تھیں، جو چھوٹے مالکان زمین ہوتے تھے، پہلے روم میں اور پھر اٹلی کے دوسرے حصوں میں بھی۔ روایتی طور پر وہ جب ضرورت ہوتی فوج میں لڑتی کرتے اور اپنے قطعات زمین کی طرف لوٹ آتے۔ جب روم پھیل گیا اور جنگیں طویل ہوگئیں، تو یہ نمونہ کام نہیں دیتا تھا۔ سپاہی بہ یک وقت کئی کئی سال تک اپنی زمینوں سے دور رہتے تھے اور بہت زمینداریاں عدم استعمال کا شکار ہوگئیں۔ بعض اوقات سپاہیوں کے خاندان قرضوں کے پہاڑوں تلے دب جاتے تھے اور فاقوں کے کنارے پہنچ جاتے تھے۔ لہٰذا بہت قطعات زمین بتدریج ترک کر دیئے جاتے تھے، اور سینٹروں کی جائیدادوں میں جذب ہو جاتے تھے۔ جوں جوں سینٹروں کا طبقہ امیر سے امیر تر ہوتا چلا گیا، جو بے زمین شہریوں کا بڑا ہجوم روم میں جمع ہو جاتا تھا، اکثر اوقات فوج سے نکالے جانے کے بعد۔ جب ان کے پاس کوئی زمین نہیں ہوتی تھی جس پر وہ واپس جا سکیں تو وہ روم میں کام کی تلاش کرتے تھے۔ دوسری صدی ق م کے اواخر میں صورت حال ایک خطرناک نقطہ عروج تک پہنچ گئی، دو وجوہات کی بنا پر اول یہ کہ امیر اور غریب کے درمیان فاصلہ بے مثال سطح تک پہنچ گیا، اور چونکہ غیر مطمئن شہریوں کے جتھے روم میں ان ناانصافیوں کے جواب میں بغاوت کرنے اور رومی اشرافیہ کے خلاف کھڑے ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن طاقت سینٹروں کے طبقے کے امیر مالکان زمین کے ہاتھ میں تھی، جو ان تبدیلیوں سے فائدہ اٹھانے والے تھے جو پچھلی دو صدیوں میں واقع ہوئی تھیں، زیادہ تر لوگوں کا اس نظام کو تبدیل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا جو ان کی اتنی اچھی خدمت کر رہا تھا۔

رومی مورخ پلوٹارک کے مطابق، ٹائبریس گریکس، جو ایٹروریا سے، جو کہ اب وسطی اٹلی کا ایک علاقہ ہے، سفر کر رہا تھا، تو وہ ان مشکلات سے آگاہ ہوا، جن کا شکار شہری سپاہیوں کے خاندان ہو رہے تھے۔ یا اس تجربے کی وجہ سے، یا اپنے وقت کے طاقتور سینٹروں کے ساتھ دوسری چپقلشوں کی وجہ سے، اس نے جلد ہی اٹلی میں زمین کی تقسیم کو تبدیل کرنے کا ایک جرأت مندانہ منصوبہ شروع کر دیا، اس نے 133 ق م میں پلیبین ٹریبیون کا انتخاب لڑا اور اپنے عہدے کو زمین کی اصلاحات تجویز کرنے کے لئے استعمال کیا؛ ایک کمشن اس بات کی تحقیقات کرے گا کہ آیا قومی زمینوں پر ناجائز قبضہ کیا جا رہا تھا، اور (اگر ایسا تھا تو) وہ تین سو ایکڑ کی قانونی حد سے زائد زمینوں کو

دوبارہ بے زمین رومی شہریوں میں تقسیم کر دے گا۔ اگر چہ اسے صدیوں سے نظر انداز کر دیا گیا تھا ار اس پر کوئی عمل نہیں ہو رہا تھا، ٹائبریس گریکس کی تجویز نے سینٹروں کے طبقے میں ایک تشویش کی لہر پیدا کر دی، جو کچھ عرصے کے لئے اس کی اصلاحات کے نفاذ کو روکنے میں کامیاب ہو گئے، جب ٹائبیریس نے اپنی حمایت میں، دوسرے ٹریبیون کو ہٹانے کیلئے جس نے اس کی زمینی اصلاحات کو ویٹو کرنے کی دھمکی دی تھی، عوام کا مجمع اکٹھا کر لیا، تو اس کے تجویز کمشن کو آخر کار قائم کر دیا گیا۔ اگرچہ سینٹ نے کمشن کو مالیاتی فاقہ کشی دے کے اس کے نفاذ کو روک گیا۔

معاملات اس وقت ایک بحرانی کیفیت اختیار کر گئے جب ٹائبیریس گریکس نے، اپنے زمینی اصلاحات کے کمشن کے لئے ان فنڈ زپر دعویٰ کر دیا، جو یونانی شہر پرگیمم (Pergamum) کے بادشاہ کی طرف سے روم کے لوگوں کے لئے چھوڑے گئے تھے۔ اس نے دوسری مرتبہ بھی ٹریبیون کا انتخاب لڑنے کی کوشش کی، جزوی طور پر اس وجہ سے کیونکہ اسے اپنے عہدے سے ہٹنے کے بعد سینٹ کی طرف سے ایذا رسانی کا خطرہ تھا۔ اس چیز نے سینٹروں کو یہ بہانہ مہیا کر دیا کہ ٹائبیریس اپنے آپ کو بادشاہ قرار دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس پر اور اس کے حامیوں پر حملہ کیا گیا اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ ٹائبیریس گریکس خود، سب سے پہلے گرنے والوں میں سے ایک تھا، اگرچہ اس کی موت سے مسئلہ حل ہونے والا نہیں تھا، کیونکہ دوسرے لوگ زمینوں کی تقسیم اور رومی معیشت اور معاشرے کے دوسرے پہلوؤں کی اصلاح کے لئے کوشاں تھے۔ بہت سوں کو ویسے ہی انجام کا سامنا کرنا پڑا۔ مثال کے طور پر، اس کے بھائی گائیس (Gaius) کو بھی زمینداروں کی طرف سے، اس کے اپنے بھائی کا کردار سنبھالنے کے بعد، قتل کر دیا گیا۔

یہ کشاکشیں اگلی صدی کے دوران وقفے وقفے سے دوبارہ سر اٹھانے والی تھیں۔ مثال کے طور پر 91 ق م اور 87 ق م کے درمیان یہ ''سماجی جنگ'' پر منتج ہوئیں، سینٹروں کے مفادات کے جارح دفاع کار، لوشیس کارنیلیس سلا (Luceius Cornelius Sulla) نے نہ صرف تبدیلی کے مطالبات کو بدنیتی سے دبا دیا، بلکہ سختی سے پلیبین ٹریبیون کے اختیارات کو کم کر دیا۔ جولیئس سیزر کو، سینٹ کے ساتھ لڑائی میں روم کے لوگوں کی طرف سے جو حمایت ملی، اس میں یہی مسائل مرکزی عامل تھے۔

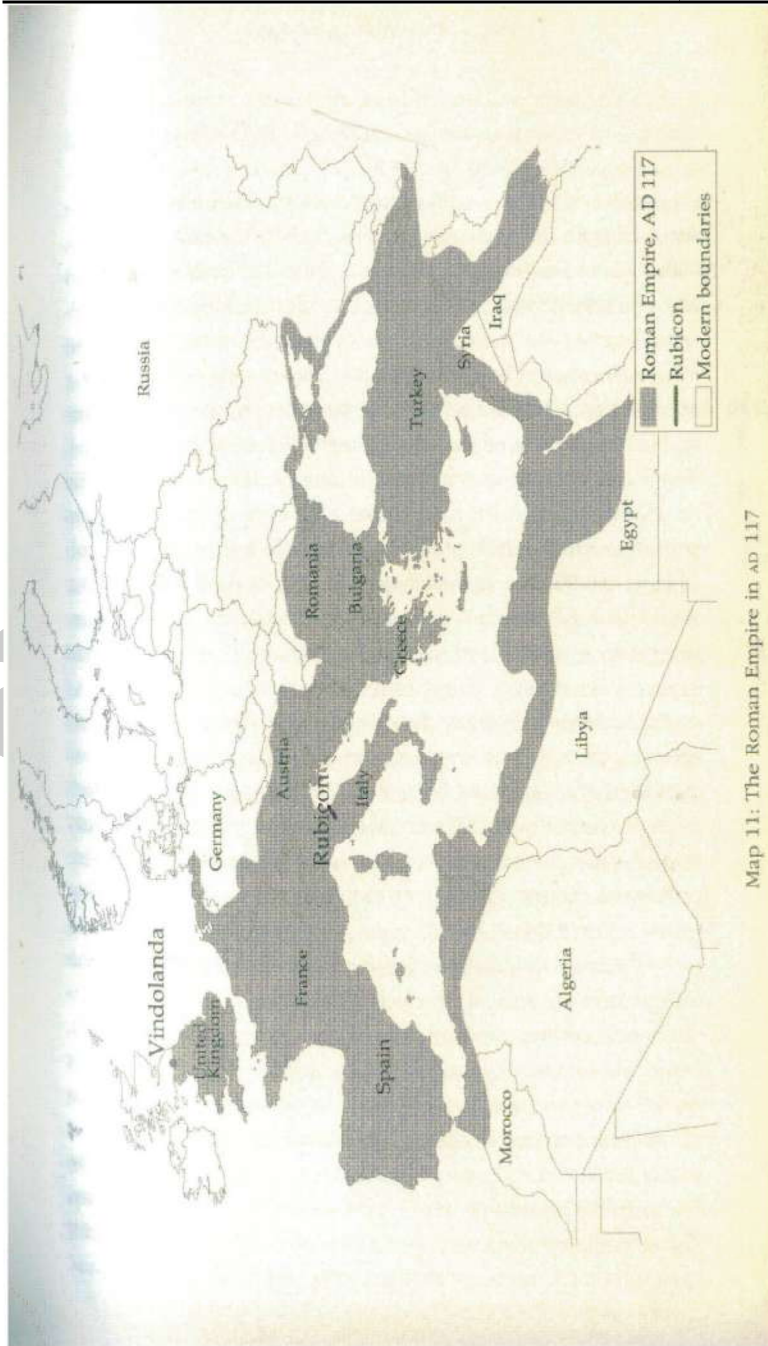
جمہوریہ روم کے مرکزی حصے پر مشتمل سیاسی اداروں کا تختہ 49 ق م میں جولیئس سیزر کی

MashalBooks.org

طرف سے الٹ دیا گیا۔ جب اس نے اپنے لشکر کو دریائے روبی کان کے ساتھ ساتھ بھیجا، وہ دریا جو سسلپائن گاؤل کے رومی صوبوں کو اٹلی سے علیحدہ کرتا ہے، روم سیزر کے ہاتھ آ گیا اور ایک اور خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اگرچہ سیزر کو فتح ہوئی لیکن وہ 44 ق م میں بروٹس اور کیسیس کی قیادت میں ناراض سینٹروں کے ہاتھوں قتل ہو گیا، رومی جمہوریہ کبھی دوبارہ تعمیر نہ ہو سکی۔ سیزر کے حامیوں مارک انتھونی اور اوکٹیوین اور اس کے دشمنوں کے درمیان ایک نئی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ جب انتھونی اور آوکٹیوین جیت گئے تو وہ آپس میں لڑ پڑے، حتیٰ کہ 31 ق م میں ایکٹیم کی لڑائی میں اوکٹیوین فاتح ہو کر ابھرا۔ اگلے سال تک اور اگلے پینتالیس سال تک آوکٹیوین، جو کہ 28 ق م کے بعد آگسٹس نے سلطنت روما کی بنیاد رکھی، اگرچہ وہ پرنیپ کے لقب کو ترجیح دیتا تھا یعنی ایک طرح سے ''ہمسروں میں سے پہلا'' اور اپنی سلطنت کو پرنسپیٹ (Princepate) (نیم شہنشاہیت نیم جمہوری) کا نام دیتا تھا، نقشہ نمبر 11 سلطنت روما کو 117 عیسوی میں اپنی وسیع ترین حدود میں دکھاتا ہے۔ یہ اس دریائے روبی کان کو بھی شامل کرتا ہے، جسے سیزر نے بدقسمتی سے عبور کیا۔

یہ جمہوریہ سے ''پرنسپیٹ'' کی طرف اور بعد میں صرف سلطنت کی طرف تبدیلی تھی، جس نے روم کے زوال کے بیج بوئے۔ وہ جزوی طور پر جامع سیاسی ادارے، جنہوں نے معاشی ترقی کی بنیاد رکھی تھی، بتدریج تباہ ہوتے گئے۔ اگرچہ جمہوریہ روما نے سینٹروں کے طبقے اور دوسرے مالدار رومیوں کے حق میں قانونی حق ملکیت کا حامل میدان عمل تخلیق کیا تھا، لیکن یہ ایک مطلق العنان حکومت نہ تھی، اور اس سے پہلے اس نے اس قدر طاقت کسی ایک منصب میں مرتکز نہیں کی تھی۔ آگسٹس کی طرف سے لائی گئی تبدیلیاں وینس کے سیریٹا (Sirrata) کی طرح، پہلے پہلے سیاسی تھیں، لیکن بعد میں ان کے اہم معاشی نتائج نکلے۔ ان تبدیلیوں ے نتیجے میں پانچویں صدی عیسوی تک مغربی سلطنت روما، جیسا کہ مشرق سے علیحدہ ہونے کے بعد مغرب کو یہ نام دیا جاتا تھا، معاشی اور فوجی لحاظ سے زوال پذیر ہو چکی تھی، اور تباہی کے کنارے پر تھی۔

Ma ooks.org



Map 11: The Roman Empire in AD 117

۔۔۔رومی خرابیاں

فلویس ایٹیس (Flavius Aetius) اواخر سلطنت روما کا زندگی سے بڑے کرداروں میں سے ایک تھا، جسے ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) جو کہ ''سلطنت روما کے زوال اور سقوط'' (The Decline and Fall of the Roman Empire) کا مصنف تھا، نے ''آخری رومی'' (The Last of the Romans) کا خطاب دیا، 433 سے 454 تک، جب تک وہ شہنشاہ ویلنٹین سوم (Valentinnan iii) کے ہاتھوں قتل نہیں ہوگیا، وہ ایٹیس جو کہ ایک جرنیل تھا، غالباً سلطنت روما میں طاقتورترین شخص تھا۔ اسی نے داخلہ اور خارجہ پالیسی تشکیل دی، اور وحشیوں کے خلاف سلسلہ وار اہم جنگیں لڑیں اور دوسری رومی خانہ جنگیوں میں بھی جنگی جوہر دکھائے۔ وہ ان طاقتور جرنیلوں میں واحد جرنیل تھا، جو خانہ جنگیوں میں لڑ رہا تھا لیکن خود شہنشاہیت کا خواہشمند نہیں تھا۔ دوسری صدی کے اختتام سے لے کر خانہ جنگی سلطنت روما میں ایک حقیقت بن چکی تھی۔ مارکس اوریلیس (Marcus Aurelius) کی وفات 180 عیسوی میں، 476 عیسوی میں مغربی سلطنت روما کی تباہی کے درمیانی عرصے میں بمشکل ہی کوئی دہائی ایسی گزری جس میں خانہ جنگی یا شہنشاہ کے خلاف محلاتی سازش نہ ہوئی ہو۔ بہت کم شہنشاہ جنگ میں یا فطری موت مرے۔ زیادہ تر غاصبوں یا اپنی ہی فوجوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے۔

ایٹیس کی زندگی جمہوریہ روما اور ابتدائی سلطنت سے سلطنت روما کے اواخر تک ہونے والی تبدیلیوں کی وضاحت کرتی ہے۔ نہ صرف غیر مختتم خانہ جنگیوں میں اس کی شرکت اور سلطنت کے کاروبار میں ہر لحاظ سے اس کی طاقت، ابتدائی ادوار میں جرنیلوں اور سینٹروں کی بہت ہی محدود طاقت کے ساتھ فرق کو ظاہر کرتی ہیں، بلکہ یہ اس بات کو بھی اجاگر کرتی ہیں کہ درمیان کی صدیوں میں، رومیوں کے مقدر دوسرے طریقوں سے کس طرح انقلابی طور پر تبدیل ہوئے۔

سلطنت روما کے اواخر تک، وہ نام نہاد وحشی جو ابتدائی طور پر مغلوب ہوگئے اور رومی فوجوں میں کھپا لئے گئے، یا غلاموں کے طور پر استعمال کئے گئے، اب سلطنت کے بہت سے حصوں پر غالب آگئے۔ بطور نوجوان کے، ایٹیس کو وحشیوں کی طرف ے یرغمال بنا لیا گیا، پہلے ایلیرک (Alaric) کے تحت گاتھوں کے ہاتھوں، اور پھر ہنوں کے ہاتھوں، ان وحشیوں کے ساتھ رومیوں

کے تعلقات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جمہوریہ کے وقت سے لے کر اب تک حالات کتنے تبدیل ہو چکے تھے۔ ایلیرک، ایک خونخوار دشمن بھی تھا اور ایک اتحادی بھی۔ یہاں تک کہ 405 میں اسے رومی فوج میں سینئر جرنیلوں میں سے ایک مقرر کیا گیا۔ تاہم یہ انتظام عارضی تھا۔ 408 تک ایلیرک رومیوں کے خلاف لڑ رہا تھا، اٹلی پر حملہ کرتے ہوئے اور روم کو تباہ کرتے ہوئے۔

ہن بھی رومیوں کے طاقتور دشمن اور اکثر وقتوں کے اتحادی، دونوں تھے۔ اگرچہ انہوں نے بھی ایٹیس کو یرغمال رکھا، لیکن بعد میں وہ اس کے ہمراہ ایک خانہ جنگی میں بھی شریک ہوئے۔ لیکن ہَن کبھی زیادہ عرصے تک ایک طرف نہیں رہے، اور اٹیلا (Attila) کے تحت انہوں نے 451 میں رومیوں کے خلاف ایک بڑی لڑائی لڑی۔ اس مرتبہ رومیوں کا دفاع، تھیوڈورک (Theodoric) کے تحت، گوتھوں نے کیا۔

یہ سب کچھ رومی اشراف کو، وحشیوں کے کمانڈروں کو ٹھنڈا کرنے کی کوششوں سے باز نہ رکھ سکا، اکثر اوقات رومی علاقوں کے دفاع کے لئے نہیں بلکہ اندرونی طاقت کی رسہ کشیوں میں جیتنے کی خاطر۔ مثال کے طور پر وینڈلوں نے، اپنے بادشاہ گائیسیرک (Geiseric) کے تحت آئبیریائی جزیرہ نما کے بڑے بڑے حصوں کو تاراج کیا اور پھر 429 کے بعد سے شمالی افریقہ میں رومیوں کے خوراک کے ذرائع کو فتح کر لیا۔ اس کا رومیوں کی طرف سے جواب یہ تھا کہ انہوں نے گائیسیرک کو شہنشاہ ویلنٹینین سوم (Valentinian III) کی بیٹی دلہن کے طور پر پیش کر دی۔ اس وقت گائیسیرک، گوتھوں کے ایک رہنما کی ایک بیٹی کے ساتھ شادی شدہ تھا، لیکن لگتا ہے کہ اس چیز نے اسے دوسری شادی کرنے سے نہیں روکا، اس نے اپنی شادی کو اس عذر کے تحت ختم کر دیا کہ اس کی بیوی اسے قتل کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اور اس کا مثلہ کرنے کے بعد، اس کے دونوں کان اور ناک کاٹنے کے بعد اسے واپس اپنے خاندان میں بھیج دیا، ہونے والی دلہن کی خوش قسمتی سے یہ ہوا کہ اس کی کم عمری کی وجہ سے شادی کبھی انجام کو نہ پہنچی، بعد میں اس کی شادی ایک اور طاقتور جرنیل پیٹر ونیس میکسی مس (Peteronius Maximus) کے ساتھ ہوگئی جو ایٹیس کے ویلنٹینین سوم کے ہاتھوں قتل کا ہدایت کار تھا، جو خود بھی تھوڑے عرصے بعد میکسیمس کے ہاتھوں تیار ہونے والی سازش میں قتل ہوگیا، میکسیمس نے بعد میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا، لیکن اس کا دور بہت مختصر تھا، جو گائیرک کے تحت وینڈلوں کے اٹلی کے خلاف بڑے حملے کے دوران اس کی

MashalBooks.org

موت کے ساتھ ہی ختم ہو گیا، اس نے روم کو شکست کھانے اور وحشیانہ طور پر لوٹے جاتے ہوئے دیکھا۔

پانچویں صدی کے اوائل تک، بربری وقفتاً دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ بعض مورخین یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ اس چیز کا نتیجہ تھا کہ رومیوں نے سلطنت کے اواخر کے دوران زیادہ خوفناک مخالفین کا سامنا کیا۔ لیکن گوتھون، ہنوں، اور وینڈلوں کی روم کے مقابلے میں کامیابی، روم کے زوال کی علامت تھی نہ کہ سبب۔ جمہوریہ ہونے کے دوران، روم زیادہ منظّم اور خطرناک مخالفوں جیسا کہ قرطاجیوں کے ساتھ نمٹ چکا تھا۔ روم کے زوال کے اسباب ان اسباب کے مشابہہ تھے جو مایا کی شہری ریاستوں کی تباہی کے تھے۔ روم کے بڑھتے ہوئے استحصالی سیاسی اور معاشی اداروں نے اس کی موت کا سامان کیا، کیونکہ وہ اندرونی کشمکش اور خانہ جنگی کا سبب بنے۔

اس زوال کی جڑیں کم از کم، آگٹس کے اقتدار پر قبضہ کرنے تک جاتی ہیں، جس نے ان تبدیلیوں کو تحریک دی جنہوں نے سیاسی اداروں کو بہت زیادہ استحصالی بنا دیا۔ ان میں فوج میں تبدیلیاں بھی شامل تھیں، جنہوں نے علیحدگی کو ناممکن بنا دیا، اور اس طرح اس بنیادی عنصر کو ختم کر دیا، جو عام رومیوں کے لئے سیاسی نمائندگی کی ضمانت دیتا تھا۔ شہنشاہ ٹائیبریس نے، جو 14 عیسوی میں آگسٹس کے بعد برسر اقتدار آیا، پلیبین اسمبلی (عام آدمیوں کی اسمبلی) کو ختم کر دیا اور اس کے اختیارات سینٹ کو منتقل کر دیتے۔ رومی شہریوں کو اب سیاسی آواز کی بجائے، گندم اور بعد میں زیتون کے تیل، شراب، اور خنزیر کے گوشت کے عطیات مفت میں حاصل تھے۔ اور انہیں سرکسوں اور تیغ زنی کے مقابلوں سے تفریح میں مصروف رکھا جاتا تھا۔ آگسٹس کی اصلاحات کے ساتھ، شہنشاہوں نے شہری سپاہیوں پر مشتمل فوج پر اتنا نہیں، بلکہ پریٹورین گارڈ پر، جو کہ آگسٹس کی طرف سے تخلیق شدہ پیشہ ور سپاہیوں کا اشراف گروپ تھا، زیادہ انحصار کرنا شروع کر دیا، گارڈ بذات خود ایک اہم آزاد دلال بن گئی، جو اس بات میں اپنا کردار ادا کرتی تھی کہ شہنشاہ کون بنے گا، اکثر اوقات پرامن طریقوں سے نہیں بلکہ خانہ جنگیوں اور سازشوں سے۔ آگسٹس نے عام رومی شہریوں کے مقابلے میں اشرافیہ کو زیادہ مضبوط بنا دیا۔ اور وہ بڑھتی ہوئی عدم مساوات جس نے ٹائیبر لیس گریکس اور اشراف کے درمیان کشمکش کو سہارا دیا تھا، جاری رہی، بلکہ اور زیادہ تیز ہو گئی۔

مرکز میں طاقت کے اجتماع نے عام رومیوں کے حقوق ملکیت کو کم محفوظ بنا دیا۔ ضبطی کے نتیجے میں ریاست کی زمین پھیلتی چلی گئی، اور ریاست کے مختلف حصوں میں کل زمین کے نصف تک

پہنچ گئیں، حقوق ملکیت خاص طور پر ناپائیدار ہو گئے کیونکہ طاقت شہنشاہ اور اس کے مصاحبین کے ہاتھوں میں مرتکز ہو گئی۔ ایک ایسے طریقے پر اس سے زیادہ مختلف نہیں تھا جو مایا کی شہری ریاستوں میں واقع ہوا تھا، اس طاقتور منصب کو حاصل کرنے کے لئے اندرونی کشمکش مزید بڑھ گئی۔ خانہ جنگیاں ایک معمول کا واقعہ بن گئیں، اس انتشار زدہ صدی سے بھی پہلے جب بربری بلا شرکت غیرے غالب آ گئے تھے۔ مثال کے طور پر سیپٹیمیس سیورکس (Septimius Severus) نے ڈیڈیس جولیانس (Didius Julianus) سے اقتدار چھینا، جس نے 193 عیسوی میں پرٹینیکس (Pertinax) کے قتل کے بعد اپنے آپ کو شہنشاہ بنایا تھا۔ سیورس جو کہ پانچ شہنشاہوں کے سال کے طور پر پکارے جانے والے شہنشاہوں میں سے تیسرا شہنشاہ تھا، نے پھر اپنے مخالف دعویداروں جنرل پیس سینیس نائیجر (Pescennius Niger) اور کلوڈیس ایلبینیس کے خلاف جنگ شروع کر دی جو آخر کار بالترتیب 194 عیسوی اور 197 میں شکست کھا گئے۔ سیورس نے بعد میں ہونے والی خانہ جنگی میں اپنے ہارنے والے مخالفین کی تمام جائیداد ضبط کر لی۔ اگرچہ اگلی صدی میں ٹراجن (Trajan) اور ہیڈرین (Hadrian) (98 تا 177 عیسوی) جیسے قابل حکمران، اس زوال کو روک سکتے تھے۔ لیکن وہ نہ روک سکے۔ یا وہ بنیادی اداراتی مسائل سے نمٹنا نہیں چاہتے تھے۔ ان لوگوں میں سے کسی نے بھی سلطنت کو ترک کرنے، یا جمہوریہ روما کی طرز پر موثر سیاسی اداروں کو دوبارہ تخلیق کرنے کی تجویز پیش نہ کی۔ مارکس آریلیس، اپنی تمام کامیابیوں کے باوجود اپنے پیچھے اپنے بیٹے کموڈس کو چھوڑ گیا، جو اپنے باپ کی بجائے گیلیگولا (Galigula) یا نیرو (Nero) کی مانند تھا۔

بڑھتا ہوا عدم استحکام سلطنت میں قصبات اور شہروں کے محل وقوع اور ہیئت ترکیبی سے واضح تھا۔ تیسری صدی عیسوی تک سلطنت میں ہر قابل ذکر حجم والے شہر کے گرد دفاعی دیوار تھی، بہت سی صورتوں میں یادگاروں کو پتھر کی خاطر لوٹ لیا گیا تھا، جسے قلعہ بندیوں میں استعمال کیا گیا، گاول میں 125 ق م میں رومیوں کی آمد سے قبل، آبادیاں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بنائی جاتی یقین، کیونکہ ان کا دفاع آسان تھا، رومیوں کی ابتدائی آمد کے ساتھ ہی، آبادی منتقل ہو کر میدانوں میں آ گئیں، تیسری صدی میں یہ رجحان پھر الٹ گیا، بڑھتے ہوئے سیاسی عدم استحکام کے ساتھ ساتھ معاشرے میں ایسی تبدیلیاں آئیں جنہوں نے معاشی اداروں کو اور بھی استحصال کی طرف دھکیلا۔ اگرچہ شہریت کو اسی حد تک توسیع دے دی گئی کہ 212 عیسوی تک سلطنت کے تمام باشندے شہری

MashalBooks.org

تھے۔لیکن یہ تبدیلی شہریوں کے درمیان مرتبے کی تبدیلیوں کے ہمراہ ہوئی۔قانون کے سامنے برابری کا کوئی بھی مفہوم انحطاط پذیر ہو گیا۔مثال کے طور پر ہیڈرین (Hadrian) کے عہد تک (138ـ117 عیسوی)، رومی شہریوں کے مختلف زمروں پر لاگو ہونے والے قوانین میں واضح طور پر اختلافات تھے۔اتنی ہی اہم یہ بات ہے کہ شہریوں کا کردار اس سے بالکل مختلف تھا جیسا کہ یہ رومی جمہوریہ کے دنوں میں تھا، جب وہ روم میں اسمبلیوں کے ذریعے سیاسی اور معاشی اداروں پر کچھ نہ کچھ اختیار استعمال کر سکتے تھے۔

غلامی پورے روم میں مسلسل رہی۔اگرچہ اس بات میں قدرے اختلافات ہے کہ آیا غلاموں کی آبادی کی تعداد میں صدیوں کے عمل میں کچھ نہ کچھ کمی آئی۔مساوی طور پر اہم بات یہ کہ جوں جوں سلطنت نے ترقی کی، زیادہ سے زیادہ زرعی کارکنوں کا درجہ کم کر کے نیم غلامی کی حد تک کر دیا گیا اور انہیں زمین کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔ان غلامانہ مزارع کسانوں کے مرتبے کے بارے میں، کوڈیکس تھیوڈ سیانس (Codex Theodosianus) اور کوڈیکس جیسٹنیانس (Codex Justinianus) جیسی قانونی دستاویزات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اور غالباً یہ ڈایوکلیشین (Dio Cletian) (284 تا 305 عیسوی) کے عہد کے دوران شروع کیا گیا۔مزارع کسان پر زمیندار کے حقوق میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا گیا، شہنشاہ قسطنطین (Constantine) نے 322 میں زمینداروں کا ایک مزارع کسان کو زنجیر سے باندھنے کی اجازت دے گی، جس کے بارے میں انہیں شک تھا کہ وہ بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا، اور 365 عیسوی سے مزارع کسانوں کو اپنی جائیداد کو زمیندار کی اجازت کے بغیر بیچنے کی اجازت نہیں تھی۔

جیسا کہ ہم جہازوں کی تباہی اور گرین لینڈ کی برف کے درمیانی حصے کو ابتدائی ادوار میں روم کی معاشی ترقی کو کھوج لگانے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، بالکل ویسے ہی ہم انہیں اس کے زوال کا کھوج لگانے کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں، 500 عیسوی تک 180 جہازوں کی بلند ترین سطح کم ہو کر 20 تک آ گئی۔جونہی روم زوال پذیر ہوا تو بحیرہ روم کی تجارت گر گئی اور بعض علما نے تو یہ بھی استدلال کیا ہے کہ انیسویں صدی تک اپنی رومی بلندی تک واپس نہیں آئی۔گرین لینڈ کی برف بھی وہی کہانی سناتی ہے، رومی چاندی کو سکوں کے لئے استعمال کرتے تھے اور سیسے کو بہت سے کاموں کے لئے استعمال کرتے تھے، بشمول پائپوں اور میزوں کے سامان کے۔پہلی صدی

عیسوی میں بلند ترین سطح پر پہنچنے کے بعد، سیسے، چاندی اور تانبے کے برف کے درمیان مین اجتماع نیچے کو آ گئے۔

جمہوریہ روما کے دوران معاشی ترقی کا تجربہ بہت متاثر کن تھا، جیسا کہ استحصالی اداروں کے تحت ترقی کی دوسری مثالیں تھیں، جیسا کہ سوویٹ یونین کی۔لیکن وہ ترقی محدود تھی اور پائیدار نہیں تھی، خواہ اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ یہ ترقی جزوی طور پر جامع اداروں کے تحت ہوئی۔یہ ترقی نسبتاً زیادہ زرعی پیداواریت، صوبوں کی طرف سے معقول خراج، اور زیادہ فاصلے کی تجارت پر مبنی تھی۔لیکن اس کو ٹیکنولوجیاتی ترقی اور تخلیقی تباہی کا سہارا حاصل نہیں تھا۔رومیوں نے کچھ ٹیکنولوجیاں ورثہ میں حاصل کی تھیں، لوہے کے اوزار اور ہتھیار، لکھنا پڑھنا، زرعی ہل، اور تعمیر کی تکنیکیں، جمہوریہ کے ابتدائی دور میں انہوں نے کچھ دوسری تکنیکیں ایجاد کر لیں، سیمنٹ کی تعمیر، پمپ، اور جل پہیے۔لیکن اس کے بعد سلطنت روما کے سارے عہد میں ٹیکنولوجی جامد رہی۔مثلاً جہاز رانی میں جہاز کے نقشے یا مستول عطایوں میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔اور رومیوں نے کبھی دنبالے کی پتوار نہیں بنائی، اس کی بجائے جہازوں کو چپوؤں سے چلاتے رہے۔جل پہیے آہستہ آہستہ پھیلے، لہٰذا پانی کی طاقت نے کبھی رومی معیشت کو انقلاب آشنا نہیں کیا۔یہاں تک کہ بڑی بڑی کامیاب چیزوں جیسا کہ ستونوں پر کھڑی ہوئی آبی گزرگاہیں اور نکاسی آب کا نظام کہیں موجود ٹیکنولوجی کو استعمال کیا جاتا رہا، اگرچہ انہیں مکمل رومیوں نے کیا۔بغیر جدت طرازی کے کچھ معاشی ترقی تو ممکن تھی موجودہ ٹیکنولوجی پر انحصار کرتے ہوئے، لیکن یہ ترقی بغیر تخلیقی تباہی کے تھی۔اور یہ زیادہ عرصہ باقی نہ رہی، جب حقوق ملکیت زیادہ غیر محفوظ ہو گئے اور شہریوں کے معاشی حقوق بھی ان کے سیاسی حقوق کے بعد تنزلی کا شکار ہو گئے تو معاشی ترقی بھی اسی طرح تنزلی کا شکار ہو گئی۔

روم میں نئی ٹیکنولوجیوں کے بارے میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ لگتا ہے کہ ان کی تخلیق اور پھیلاؤ کو ریاست کی طرف سے تحریک دی جاتی تھی۔یہ ایک اچھی خبر ہے، جب تک کہ حکومت یہ فیصلہ نہیں کرتی کہ وہ ٹیکولوجیاتی ترقی میں دلچسپی نہیں رکھتی۔جو کہ تخلیقی تباہی کے خوف کی وجہ سے ایک عام صورت ہے۔عظیم رومی مصنف بڑا ایلینی درج ذیل کہانی بیان کرتا ہے۔شہنشاہ ٹائبیر لیس کے عہد کے دوران ایک شخص نے نا قابل شکست شیشہ ایجاد کیا اور یہ پیش بینی کرتے ہوئے کہ وہ اسے بڑا انعام دے گا، شہنشاہ کے پاس چلا گیا۔اس نے اپنی ایجاد کا مظاہرہ کیا اور ٹائبیر لیس نے

MashalBooks.org

اس سے پوچھا کہ آیا اس نے اس کے بارے میں کسی اور کو بتایا ہے، جب اس نے نہ میں جواب دیا تو بادشاہ نے اسے گھسیٹوا کر قتل کر دیا، ”کہیں ایسا نہ ہو کہ سونا کم قیمت ہو کر مٹی کی قیمت کا ہو جائے“ اس کہانی کے بارے میں دو دلچسپ چیزیں ہیں۔ پہلی یہ وہ شخص پہلی مرتبہ صلے کے لئے بادشاہ کے پاس گیا، بجائے اپنے آپ کو کاروبار میں لگانے اور شیشے کو بیچ کر منافع کمانے کے۔ یہ ٹیکنولوجی کو کنٹرول کرنے میں رومی حکومت کے کردار کو واضح کرتا ہے، دوسرے ٹائبیریس اس ایجاد کو ضائع کر کے خوش تھا۔ ان خراب معاشی اثرات کی وجہ سے جو اس کے ہو سکتے تھے۔ یہ تخلیقی تباہی کے معاشی اثرات کا خوف ہے۔

تخلیقی تباہی کے سیاسی نتائج کے خوف کی، سلطنت کے دور سے ایک براہ راست شہادت بھی ہے، سوئی ٹونیس (Suetonius) بتاتا ہے کہ کس طرح شہنشاہ ویسپیسین (Vespasian) جس نے 69 عیسوی اور 79 عیسوی کے درمیان حکومت کی، کے پاس ایک آدمی آیا، جس نے ستونوں کو کیپٹول، جو کہ روم کا قلعہ تھا، تک نسبتاً کم قیمت پر پہنچانے کی ایک ترکیب ایجاد کی تھی۔ یہ ستون بہت بڑے بھاری اور نقل و حمل کیلئے بہت مشکل تھے۔ ان کانوں سے جہاں وہ بنائے جاتے تھے۔ روم منتقل کرنے میں ہزاروں لوگوں کی محنت حکومت کے لئے بہت زیادہ خرچ کا باعث بنتی تھی۔ ویسپیسن نے آدمی کو قتل نہ کیا لیکن اس نے بھی اس ایجاد کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا، یہ کہتے ہوئے میرے لئے لوگوں کو خوراک بہم پہنچانا کیسے ممکن ہوگا؟“ ایک مرتبہ پھر ایک موجد حکومت کے پاس آیا۔ غالباً ناقابل شکست شیشے کی نسبت اس کا معاملہ زیادہ فطری تھا، کیونکہ رومی حکومت ستونوں کی کان کنی اور نقل و حمل میں بہت زیادہ الجھی ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ پھر اس ایجاد کو مسترد کر دیا گیا تخلیقی تباہی کے خوف سے، اس کے معاشی اثر کی وجہ سے اتنا نہیں، بلکہ سیاسی تخلیقی تباہی کے خوف سے۔ ویسیسین کو اس بارے میں تشویش تھی کہ اگر وہ لوگوں کو خوش اور کنٹرول میں نہ رکھ سکا تو یہ چیز سیاسی طور پر عدم استحکام پیدا کرنے والی ہوگی۔ رومی عام شہریوں کو مصروف اور نرم خو رکھنا پڑے گا۔ لہذا یہ بہتر تھا کہ ان کو دینے کے لئے کام ہوں، جیسا کہ ستونوں کو ادھر ادھر نقل و حرکت دینا۔ اس چیز نے روئی اور سرکس کی تکمیل کر دی جو آبادی کو مطمئن رکھنے کے لئے پہلے ہی مفت مہیا کی جا رہی تھیں، غالباً یہ بات واضح کرنے والی ہے، کہ یہ دونوں مثالیں جمہوریہ کی تباہی کے جلد ہی بعد سامنے آئیں۔ رومی بادشاہوں کے پاس، جمہوریہ کے دوران رومی حکمرانوں کی

MashalBooks.org

نسبت تبدیلی کو روکنے کی بہت زیادہ طاقت تھی۔

ٹیکنولوجیاتی جدت طرازی کے فقدان کی ایک اور اہم وجہ غلامی کا غلبہ تھا۔ جوں جوں وہ علاقے جہاں رومیوں کا کنٹرول تھا، پھیلتے گئے، بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو غلام بنایا گیا، جنہیں اکثر اوقات بڑی بڑی جائیدادوں پر کام کرنے کے لئے اٹلی واپس لایا جاتا تھا۔ روم میں بہت سے شہریوں کو کام کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی؛ وہ حکومت کی طرف سے ملنے والے عطیات پر گزر بسر کرتے تھے۔ جدت طرازی کہاں سے آتی؟ ہم نے یہ استدلال کیا ہے کہ جدت طرازی نئے تصورات رکھنے والے نئے لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے، جو پرانے مسائل کو حل کرنے کے لئے نئے حل لے کر آتے ہیں۔ روم میں پیداکاری کرنے والے لوگ غلام تھے، اور بعد میں نیم غلام مزارع کسان جن کے پاس ایجادات کرنے کے لئے کوئی محرکات نہیں تھے، کیونکہ کسی بھی ایجاد سے فائدہ اٹھانے والے ان کے آقا تھے نا کہ وہ۔ جیسا کہ ہم اس کتاب میں بار بار دیکھیں گے، محنت کو دبانے والی معیشتیں اور غلامی اور غلام کسانوں والے نظام غیر جدت پسندانہ ہونے کی بری شہرت رکھتے ہیں۔ یہ بات قدیم دنیا سے لے کر جدید دور تک صحیح ہے۔ مثال کے طور پر ریاستہائے متحدہ میں صنعتی انقلاب میں شمالی ریاستوں نے حصہ لیا نہ کہ جنوبی ریاستوں نے، بلاشبہ غلامی اور کسانوں کی غلامی نے ان لوگوں کے لئے جو غلاموں اور غلام کسانوں کے مالک تھے، بہت زیادہ دولت پیدا کی، لیکن اس نے ٹیکنولوجیاتی جدت طرازی یا معاشرے کیلئے خوشحالی پیدا نہ کی۔

ونڈر لینڈا سے کوئی بھی لکھتا

43 عیسوی تک رومی شہنشاہ کلاڈیس (Claudius) نے انگلستان کو توفتح کر لیا تھا لیکن سکاٹ لینڈ کو نہیں۔ ایک آخری ناکام کوشش رومی گورنر ایگری کولا (Agricola) نے کی، اور 85 عیسوی میں انگلستان کی شمالی سرحد کو محفوظ بنانے کیلئے قلعوں کا ایک سلسلہ تعمیر کیا۔ ان میں سے سب سے بڑے قلعوں میں سے ایک ونڈولینڈا کے مقام پر تھا، جو نیو کاسل سے پینتیس میل مغرب میں تھا اور نقشہ نمبر 11 میں پر اس کی تصویر سلطنت روما کے دور دراز شمالی مغربی کونے میں دکھائی گئی ہے بعد میں ونڈولینڈا کو اس پچاسی میل لمبی دفاعی دیوار میں شامل کر لیا گیا، جو شہنشاہ ہیڈرین نے تعمیر کرائی، لیکن 103 عیسوی میں جب ایک رومی نوجوانوں کے دستے کے کماندار کینڈیڈس (Candidus) کو

وہاں تعینات کیا گیا، تو یہ ایک ویران قلعہ تھا۔ کینڈیڈس اپنے دوست اوکٹیولیس کے ساتھ رومی فوج کو رسد پہنچانے میں مصروف تھا، اور ایک خط جو اس نے لکھا تھا کا جواب اوکٹیولیس کی طرف سے وصول کیا؛۔

اوکٹیولیس اپنے بھائی کینڈیڈس کے نام، تسلیمات،

میں نے آپ کو کئی مرتبہ لکھا ہے کہ میں نے غلے کے پودوں کی تقریباً پانچ ہزار موڈی* بالیاں خریدی ہیں، جس کی وجہ سے مجھے نقد پیسوں کی ضرورت ہے، اگر آپ مجھے کچھ نقد رقم نہیں بھیجتے، کم از کم پانچ سو دیناری (چاندی کا اس دور کا ایک سکہ) تو نتیجہ یہ ہوگا کہ میں کچھ کھو دوں گا جو میں نے امانت کے طور پر رکھا ہوا ہے، تقریباً تین سو دیناری، اور میں پریشان ہوں گا۔ لہذا میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے کچھ نہ کچھ رقم جتنی جلدی ممکن ہو بھیجیں۔ وہ کھالیں جن کے بارے میں آپ نے لکھا ہے وہ کیٹرا یکٹونیم (Cataractonium) میں ہیں۔ یہ لکھئے کہ وہ مجھے دی جائیں اور وہ ویگن بھی جس کے بارے میں آپ نے لکھا ہے۔ میں نے انہیں پہلے ہی وصول کر لیا ہوتا، لیکن میں جانوروں کو زخمی نہیں کرنا چاہتا تھا، جبکہ سڑکیں خراب ہیں۔ ٹرشیس (Tertus) سے مل کر ان 1/2 8 دیناری کی بات کرو جو اس نے فیٹالیس (Fatalis) سے وصول کئے تھے۔ اس نے انہیں میرے اکاؤنٹ میں جمع نہیں کروایا۔ اس بات کو یقینی بنائیں کہ آپ مجھے رقم بھیجیں تاکہ میں غلے کی بالیوں کو گاہنے والے فرش پر ڈال سکوں، سپیکٹیٹر (Spectator) اور فرمس (Firmus) کو سلام، خدا حافظ

کلاڈیس اور اکٹیولیس کے درمیان خط و کتابت، رومی انگلستان کی معاشی خوشحالی کے بعض اہم پہلوؤں کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ ایک ترقی یافتہ معیشت کا انکشاف کرتی ہے، جو مالی خدمات کی حامل تھی۔ یہ تعمیر شدہ سڑکوں کی موجودگی کا انکشاف کرتی ہے، اگرچہ بعض اوقات ان کی حالت خراب ہوتی تھی۔ یہ ایک مالیاتی نظام کی موجودگی پر روشنی ڈالتی ہے، جو کینڈیڈس کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے ٹیکس عائد کرتا تھا۔ بہت واضح طور پر یہ روشنی ڈالتی ہے کہ دونوں آدمی خواندہ تھے اور کسی نہ کسی قسم کی ڈاک کی خدمات سے استفادہ کرنے کے قابل تھے۔ رومی انگلستان بڑے پیمانے پر اعلیٰ قسم کی برتن سازی سے فائدہ اٹھاتا تھا، خاص طور پر آکسفورڈ شائر میں؛ اور مکانات تعمیر کرنے کی تکنیکوں سے بھی، جو تعمیراتی مسالے اور چھتوں کے لئے ٹائلیں بھی استعمال کرتی تھیں۔

چوتھی صدی تک سب کچھ زوال آمادہ تھا۔ اور 411 عیسوی کے بعد رومی سلطنت نے کامیابی سے مایوس ہو کر انگلستان کو چھوڑ دیا۔ فوجیں واپس بلالی گئیں۔ وہ جو وہاں باقی رہ گئی تھیں ان کو تنخواہیں نہ دی گئیں، اور جب رومی ریاست انہدام پذیر ہوئی تو منتظمین کو مقامی آبادی سے نکال دیا گیا۔ 450 عیسوی تک اس معاشی خوشحالی کا طمطراق ختم ہو گیا۔ پیسہ گردش سے غائب ہو گیا۔ شہری علاقے ترک کر دیئے گئے اور عمارتوں سے پتھروں کو اتار لیا گیا۔ سڑکیں گھاس پھونس سے اٹ گئیں۔ بنائے جانے والے برتنوں کی واحد قسم کھردری اور ہاتھ سے بنی ہوئی تھی، نہ کہ مشینری سے تیار کی ہوئی۔ لوگ عمارتی مسالے کو استعمال کرنا بھول گئے اور خواندگی خاصی حد تک زوال پذیر ہو گئی۔ چھتیں درختوں کی شاخوں سے بنائی جانے لگیں تاکہ ٹائیلوں سے، ونڈولینڈا سے کسی شخص نے دوبارہ کچھ نہ لکھا۔

411 عیسوی کے بعد انگلستان کو ایک معاشی انحطاط کا سامنا کرنا پڑا، اور وہ ایک غریب پسماندہ ملک بن گیا۔ اور ایسا پہلی بار نہیں ہوا۔

سابقہ باب میں ہم نے دیکھا کہ نوحجری انقلاب کس طرح شرق اوسط میں 9500 ق م کے لگ بھگ شروع ہوا۔ جب جیریکو اور ابو ہریرہ کے باسی چھوٹے قصبوں میں رہ رہے تھے اور کھیتی باڑی کر رہے تھے، انگلستان کے باسی ابھی تک شکار کر رہے اور زمین سے چیزیں چن چن کر اکٹھی کر رہے تھے، اور انہوں نے ابھی 5,500 سال تک ایسا ہی کرنا تھا۔ اس وقت بھی انگریزوں نے کاشتکاری اور گلہ بانی ایجاد نہیں کی، یہ ان مہاجرین کی طرف سے باہر سے لائی گئیں جو شرق اوسط سے، ہزاروں سال سے یورپ کی طرف پھیل رہے تھے۔ جب انگلستان کے باسی ان بڑی ایجادات کے ساتھ ملے، شرق اوسط کے لوگ شہر، لکھائی، اور ظروف سازی کو ایجاد کر رہے تھے۔ 3500 ق م تک عراق اور اس جیسے بڑے شہر میسوپوٹیمیا جدید عراق میں نمودار ہوئے۔ عراق کی آبادی 3500 ق م میں 15 ہزار نفوس کی ہوگی، اور جلد بعد ہی چالیس ہزار تک۔ کمہار کا چاک میسوپوٹیمیا میں تقریباً اس وقت ایجاد ہوا، جب پہیوں والی نقل و حمل۔ اس کے جلد ہی بعد مصر کا دارالحکومت میمفس ایک بڑے شہر کے طور پر ابھرا۔ فن تحریر دونوں علاقوں میں آزادانہ طور پر نمودار ہوا۔ جب 2500 ق م کے لگ مصری جیزا کے عظیم اہرام تعمیر کر رہے تھے، انگریزوں نے اپنی مشہور ترین قدیم یادگار سٹون ہنج (Stone henge) کے مقام پر پتھروں کا دائرہ بنایا۔ اگرچہ یہ انگریزی

MashalBooks.org

معیارات کے مطابق برا نہیں تھا، لیکن اتنا بڑا بھی نہیں کہ یہ بادشاہ خوفو کے اہرام کے دامن میں دفن کی ہوئی۔ کشتیوں میں سے کسی ایک کو اپنے اندر جگہ دے سکتا۔ انگلستان پیچھے رہا اور شرق اوسط اور باقی ماندہ یورپ سے چیزیں مستعار لیتا رہا، رومی عہد تک اور اس کے دوران بھی۔

اس قدر نامسعود تاریخ کے باوجود، یہ انگلستان میں ہی تھا کہ پہلا حقیقی طور پر جامع معاشرہ ابھرا، اور جہاں صنعتی انقلاب کا عمل شروع ہوا۔ ہم نے اس سے پہلے استدلال کیا کہ یہ چھوٹے اداراتی اختلافات اور فیصلہ کن موڑوں۔ مثلاً کالی موت اور امریکاؤں کی دریافت کے درمیان مسلسل تعاملات کا نتیجہ تھا۔ انگلستان کے انحراف کی جڑیں تاریخ میں تھیں، لیکن ونڈر لینڈا سے آنے والا نقطہ نظر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ جڑیں اتنی گہری نہیں تھیں اور یقیناً تاریخی طور پر پہلے سے متعین نہیں تھیں۔ یہ نوحجری انقلاب میں گڑی ہوئی نہیں تھیں، یا صدیوں کی رومی بالادستی میں بھی نہیں تھیں۔ 450 عیسوی تک، اس دورے کے آغاز تک جسے مورخین قرون مظلمہ کہتے ہیں، انگلستان دوبارہ غربت اور سیاسی انتشار کے گڑھے میں گر گیا تھا۔ کئی سو سال تک انگلستان میں کوئی موثر مرکزیت کی حامل ریاست نہیں تھی۔

انحرافی راستے

انگلستان میں جامع اداروں اور بعد میں ہونے والی صنعتی ترقی کے عروج نے رومی (یا اس سے قبل) اداروں کے براہ راست ورثے کی پیروی نہ کی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مغربی سلطنت روما کے سقوط سے کوئی اہم چیز یا واقع نہیں ہوئی جو کہ ایک ایسا بڑا واقعہ تھا جس نے یورپ کے زیادہ تر حصے کو متاثر کیا۔ کیونکہ یورپ کے مختلف حصے ایک ہی فیصلہ کن موڑ میں شریک تھے۔ لہٰذا ان کے اداروں نے ایک انداز سے حرکت کرنی تھی، غالباً ایک واضح طور پر یوروپی طریقے سے سلطنت روما کا سقوط ان مشترکہ فیصلہ کن موڑوں کا ایک اہم حصہ تھا۔ یورپ کا یہ راستہ دنیا کے دوسرے حصوں کے راستوں۔ بشمول زیریں صحارائی افریقہ، ایشیا اور امریکاؤں، سے واضح فرق کو واضح کرتا ہے، جو مختلف انداز سے ارتقا پذیر ہوئے جزوی طور پر اس وجہ سے کہ انہوں نے ایک ہی فیصلہ کن موڑوں کا سامنا نہیں کیا۔

رومی انگلستان ایک دھماکے کے ساتھ تباہ ہو گیا۔ یہ چیز اٹلی، یا رومی گال (جدید فرانس) بلکہ

شمالی افریقہ کے بارے میں بھی کم صحیح ہے، جہاں پرانے اداروں میں سے بہت سے کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ واحد رومی ریاست کے غلبے سے ریاست کی اس کثرت کی طرف تبدیلی جنہیں فرانک، ویزیگوتھ، اوسٹروگوتھ، وینڈل اور برگنڈین چلا رہے تھے، بہت اہم تھی۔ ان ریاستوں کی طاقت بہت زیادہ کمزور تھی اور انہیں اپنی مضافاتی ریاستوں کی طرف سے طویل سلسلہ وار حملوں سے جھنجھوڑا گیا تھا۔ شمال کی طرف سے وائی کنگ اور دین اپنی لمبی کشتیوں میں آئے۔ مشرق سے ہن گھوڑا سوار آئے۔ آخر میں محمد ﷺ کی وفات 632 عیسوی کے بعد کی صدی میں اسلام کا بطور ایک سیاسی قوت کے ظہور، بازنطینی سلطنت کے زیادہ تر حصے شمالی افریقہ اور ہسپانیہ میں نئی اسلامی ریاستوں کی تخلیق پر منتج ہوا۔ ان عام عملوں نے یورپ کو ہلا کر رکھ دیا، اور ان کے جلو میں ایک خاص قسم کا معاشرہ جسے عام طور پر جاگیردارانہ معاشرہ کہا جاتا ہے، ظہور پذیر ہوا، جاگیردارانہ معاشرہ بے مرکز ہو گیا کیونکہ مضبوط مرکزی ریاستیں کمزور ہو گئی تھیں، اگرچہ بعض حکمرانوں جیسا کہ شارلیمین نے انہیں دوبارہ تعمیر کرنے کی کوشش کی۔

جاگیردارانہ ادارے، جن کا زیادہ تر انحصار پابند، جبری مشقت (جیسا کہ شرف غلام کسان) پر تھا واضح طور پر استحصالی تھے اور انہوں نے قرون وسطیٰ کے دوران یورپ میں استحصالی اور سست رو ترقی کے ایک طویل عرصے کی بنیاد رکھی۔ لیکن یہ بھی بعد میں ہونے والی پیشرفتوں کیلئے نتیجہ خیز تھے۔ مثال کے طور پر، دیہی آبادی کے غلام کسانوں کے درجے میں منتقلی کے دوران غلامی یورپ سے غائب ہو گئی۔ ایک ایسے وقت میں جب اشراف کیلئے پوری دیہی آبادی کو غلام کسانوں میں تبدیل کرنا ممکن تھا، غلاموں کے علیحدہ طبقے کو رکھنا غیر ضروری محسوس ہوتا تھا، جیسا کہ سابقہ معاشرے رکھتے رہے تھے۔ جاگیرداری نے ایک طاقت کا خلا بھی پیدا کر دیا، جس میں پیداوار اور تجارت کے لئے آزاد خودمختار شہروں کا پنپنا ممکن تھا۔ لیکن جب کالی موت کے بعد طاقت کا توازن تبدیل ہوا، اور مغربی یورپ میں غلام کسان ختم ہونے لگے، تو میدان ایک بہت زیادہ تکثیری معاشرے کے لئے بغیر کسی قسم کے غلاموں کے وجود کے، ہموار تھا۔

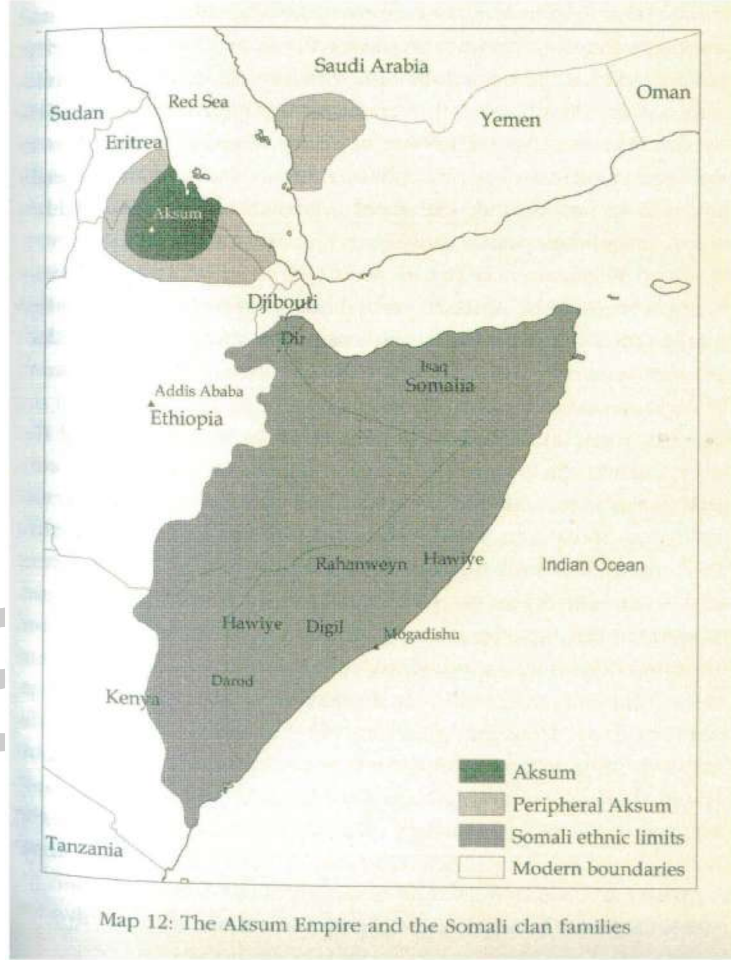
ایسے فیصلہ کن موڑ جنہوں نے جاگیردارانہ سماج کو پروان چڑھایا واضح تھے، لیکن وہ مکمل طور پر یورپ تک محدود نہ تھے۔ اس کا برمحل تقابل جدید افریقی ملک ایتھوپیا سے ہے، جس نے ایکسم کی بادشاہت سے جنم لیا، جس کی بنیاد 400 ق م میں ملک کے شمال میں رکھی گئی۔ ایکسم اپنے

MashalBooks.org

وقت کے لحاظ سے ایک نسبتاً ترقی یافتہ بادشاہت تھی، اور یہ ہندوستان، عرب، یونان اور سلطنت روما کے ساتھ بین الاقوامی تجارت میں شریک تھی۔ یہ اس عہد کی مشرقی سلطنت روما کے ساتھ کئی لحاظ سے قابل موازنہ ہے، یہ پیسہ استعمال کرتی تھی، یادگاری عوامی عمارات اور سڑکیں بناتی تھی اور بالکل ویسی ہی ٹیکنولوجی رکھتی تھی، مثال کے طور پر زراعت اور جہاز رانی میں، ایکسم اور روم کے درمیان دلچسپ نظریاتی مشابہتیں بھی ہیں۔ 312 عیسوی میں، رومی شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کی، جیسا کہ ایکسیم کے ایزانا (Ezana) نے بھی تقریباً اس وقت ایسا ہی کیا۔ نقشہ نمبر 12 جدید اتھوپیا اور ایرٹریا میں ایکسم کے تاریخی محل وقوع کو ظاہر کرتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اس کی دور دراز کی شاخوں کو خو بحیرہ احمر کے ساتھ ساتھ سعودی عرب اور یمن میں تھیں۔

جس طرح روم زوال پذیر ہوا، بالکل ویسے ہی ایکسم ہوا، اور اس کے تاریخی زوال نے بھی وہی نمونہ اپنایا، جو مغربی سلطنت روما کے زوال کے طرز کے بہت قریب تھا۔ روم کے زوال میں ہنوں اور ونڈالوں کی طرف سے ادا کردہ کردار عربوں نے ادا کیا، جو ساتویں صدی میں بحیرہ احمر اور جزیرہ نمائے عرب کے نیچے تک پھیل گئے ایکسم نے عرب میں اپنی نوآبادیات اور اپنے تجارتی راستے کھودیئے۔ اس چیز نے معاشی زوال کو اور تیزی کر دیا: سکّہ سازی بند ہوگئی، شہری آبادی کم ہوگئی، اور ریاست کی توجہ دوبارہ ملک کے اندرون اور اوپر کی جانب جدید ایتھوپیا کے بالائی علاقوں کی طرف ہوگئی۔

یورپ میں جاگیردارانہ ادارے، مرکزی ریاستی حاکمیت کے ختم ہونے کے بعد ابھرے۔ یہی چیز ایتھوپیا میں واقع ہوئی، جو کہ ایک ایسے نظام پر مبنی تھی جسے گلٹ (gult) کہا جاتا تھا۔ جس میں شہنشاہ کی طرف سے زمین کی عطا شامل ہوتی تھی۔ اس ادارے کا ذکر تیرھویں صدی کے مسودات میں موجود ہے، اگرچہ ہوسکتا ہے یہ اس سے بہت پہلے وجود میں آیا ہو۔ گلٹ کی اصلاح ایک امہاری نقط سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے ''اس نے ایک مقبوضہ زمین ذمے لگائی''۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کے بدلے میں گلٹ کے حامل شخص کو شہنشاہ کو کچھ خدمات مہیا کرنا پڑتی تھیں، خاص طور پر فوجی خدمات۔ اس کے بدلے میں گلٹ کے حامل کو ان لوگوں سے



Map 12: The Aksum Empire and the Somali clan families

خراج وصول کرنے کا حق مل جاتا تھا جو زمین پر کاشتکاری کرتے تھے۔ مختلف قسم کے تاریخی ذرائع اس طرح اشارہ کرتے ہیں کہ گلٹ کے حامل سے کسانوں کی زرعی پیداوار کا نصف سے لے کر تین چوتھائی تک غصب کر لیتے تھے۔ یہ نظام، یورپی جاگیرداری کے ساتھ قابل ذکر مشابہتوں کے ساتھ ایک آزادانہ ارتقا تھا۔ لیکن غالباً یہ اس سے بھی زیادہ استحصالی تھا۔ انگلستان میں یورپی جاگیرداری کے عروج پر، غلام کسانوں کو اس سے کم بھاری استحصال کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اور وہ اپنے مالکوں کے ہاتھوں ایک یا دوسری شکل میں اپنی پیداوار کا تقریباً نصف تک کھودیتے تھے۔

لیکن ایتھوپیا افریقہ کا نمائندہ نہیں تھا۔ کسی اور جگہ غلامی کی جگہ کسانوں کی غلامی نے نہیں لی؛ افریقی غلامی اور وہ ادارے جو ان کو سہارا مہیا کرتے تھے مزید کئی صدیوں تک جاری رہنے والے تھے۔ یہاں تک کہ خود ایتھوپیا کا آخری راستہ بھی بہت مختلف ہونے والا تھا۔ ساتویں صدی کے بعد، ایتھوپیا مشرقی افریقہ کے پہاڑوں میں ان مظاہر سے الگ تھلگ رہا، جنہوں نے بعد میں یورپ کے اداراتی راستے کو متاثر کیا، جیسا کہ آزاد شہروں کا ظہور، بادشاہوں پر نئی نئی لگنے والی پابندیاں، اور امریکاؤں کی دریافت کے بعد اوقیانوسی تجارت کی توسیع۔ نتیجے کے طور پر اس کا مطلق العنان اداروں کا متن بڑی حد تک بغیر چیلنج کئے رہا۔ بعد میں براعظم افریقہ، یورپ اور ایشیا کے ساتھ بہت مختلف حیثیت میں تعامل کرنے والا تھا۔ مشرقی افریقہ عرب دنیا کو غلاموں کا بڑا مہیا کار بن گیا، اور مغربی اور وسطی افریقہ غلاموں کے مہیا کاروں کے طور پر اوقیانوس کی تجارت سے منسلک یورپی توسیع کے دوران عالمی معیشت میں گھسیٹا گیا یہ چیز کہ اوقیانوس کی تجارت مغربی یورپ اور افریقہ کے درمیان واضح طور پر مختلف راستوں پر کیسے منتج ہوئی اداراتی اختلافات کی ایک اور مثال ہے، جو فیصلہ کن موڑ اور موجود اداراتی اختلافات کے باہمی تعامل کا نتیجہ ہوتا ہے، جبکہ انگلستان میں غلاموں کی تجارت کے منافع جات نے ان لوگوں کو امیر بنانے میں مدد کی جو مطلق العنانیت کی مخالفت کرتے تھے۔ افریقہ میں انہوں نے مطلق العنانیت کو پیدا کرنے اور اسے مضبوط بنانے میں مدد کی۔

یورپ سے دور اداراتی حرکات کے مظاہر واضح طور پر اپنی اپنی راہ اختیار کرنے کے لئے اور بھی آزاد تھے۔ مثال کے طور پر امریکاؤں میں تقریباً 15,000 ق م میں، اس برف کے پگھلنے سے جو الاسکا کو روس سے ملاتی تھی، کٹ کر یورپ سے علیحدہ ہو گئے تھے، اسی طرح کی اداراتی جدتیں تھیں جیسا کہ نطوفیان کی، جو متمکن زندگی، افسر شاہی اور عدم مساوات۔ مختصراً استحصالی اداروں پر منتج ہوئیں۔ یہ جدتیں پہلے میکسیکو اور اینڈین پیرو اور بولیویا میں واقع ہوئیں اور مکئی کو گھریلو بنانے کے ساتھ امریکی نوحجری انقلاب پر منتج ہوئیں۔ انہی جگہوں پر استحصالی ترقی کی ابتدائی شکلیں واقع ہوئیں، جیسا کہ ہم نے مایا کی شہری ریاستوں میں دیکھا ہے۔ لیکن اسی طرح جامع اداروں اور صنعتی ترقی کی طرف بڑی بڑی پیشرفتیں، ان جگہوں پر واقع نہیں ہوئیں جہاں رومی دنیا کی شدید ترین گرفت تھی۔ امریکاؤں میں جامع ادارے، ان ابتدائی تہذیبوں کی

سرزمینوں میں پروان نہیں چڑھے۔ درحقیقت جیسا کہ ہم نے باب اول میں دیکھا ان گنجان آباد تہذیبوں نے یورپی سامراجیت کے ساتھ ایک غلط طریقے سے باہمی تعامل کیا، جس میں ''مقدر کی کایا کلپ''، تخلیق کی، کہ امریکاؤں میں جو مقامات پہلے نسبتاً امیر تھے انہیں نسبتاً غریب بنا دیا۔ آج ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا ہی وہ ممالک ہیں، جو اس وقت میکسیکو، پیرو اور بولیویا کی مرکب تہذیبوں سے کہیں پیچھے تھے۔ جو کہ آج امریکاؤں کے باقی ماندہ حصوں کی نسبت زیادہ امیر ہیں۔

ابتدائی ترقی کے نتائج

نوحجری انقلاب، جو 9500 ق م میں شروع ہوا، اور اٹھارویں صدی کے اواخر کے برطانوی صنعتی انقلاب کے درمیان کا لمبا عرصہ معاشی ترقی کے اچانک پھوٹنے والے دھاروں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ دھارے ان اداراتی جدتوں سے پھوٹے جو آخرکار ختم ہوگئیں، قدیم روم میں جمہوریہ کے ادارے، جنہوں نے ایک حد تک معاشی قوت حیات پیدا کی، اور ایک بھاری بھرکم سلطنت کی تعمیر کی گنجائش پیدا کی، جولیس سیزر کے کاری وار اور آگسٹس کے تحت سلطنت کی تعمیر کے بعد ادھڑ گئے۔ سلطنت روما کو حتمی طور پر ختم ہونے میں صدیاں لگیں، اور زوال طویل تر ہو گیا؛ لیکن جب ایک دفعہ نسبتاً جامع جمہوری ادارے ریاست کے زیادہ استحصالی اداروں سے شکست کھا گئے تو معاشی مراجعت ناگزیر ہوگئی۔

وینس کی حرکیات بھی اسی طرح کی تھیں، وینس کی معاشی خوشحالی ان اداروں سے تشکیل دی گئی تھی، جن میں اہم جامع عناصر موجود تھے، لیکن ان کو اس وقت تباہ کر دیا گیا جب موجودہ اشراف نے نظام کو نئے آنے والوں کے لئے بند کر دیا بلکہ ان معاشی اداروں پر پابندی لگا دی جنہوں نے جمہوریہ کی خوشحالی کو جنم دیا تھا۔

روم کا تجربہ خواہ کتنا ہی قابل توجہ ہو، لیکن انگلستان میں جامع اداروں کے عروج اور برطانوی صنعتی انقلاب پر براہ راست منتج ہونے والا روم کا ورثہ نہیں تھا۔ تاریخی عوامل اداروں کے ارتقا کی صورت گری کرتے ہیں، لیکن یہ ایک سادہ، پہلے سے متعین بتدریج بڑھتا ہوا عمل نہیں ہوتا۔ روم اور وینس اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ کس طرح جامعیت کی طرف اٹھنے والے ابتدائی قدم واپس ہو گئے۔ وہ معاشی اور اداراتی منظر، جو روم نے پورے یورپ اور مشرق

MashalBooks.org

وسطیٰ میں پیدا کیا، وہ سختی سے بعد کی صدیوں کے زیادہ پختگی سے جڑ پکڑے ہوئے جامع اداروں پر منتج نہ ہوا۔ درحقیقت یہ سب سے پہلے اور انتہائی مضبوطی سے انگلستان میں ظہور پذیر ہوئے، جہاں رومی غلبہ کمزور ترین تھا، اور جہاں یہ پانچویں صدی عیسوی کے دوران انتہائی فیصلہ کن انداز سے بغیر کسی نقش کے غائب ہو گیا، اس کی بجائے جیسا کہ ہم نے چوتھے باب میں بحث کی، تاریخ اداراتی حرکت کے ذریعے ایک بڑا کردار ادا کرتی ہے، جو اداراتی اختلافات پیدا کرتی ہے، جو اگرچہ بعض اوقات چھوٹے ہوتے ہین، جو اس وقت بڑے ہو جاتے ہیں، جب ان کا تعامل فیصلہ کن موڑوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کیونکہ یہ اختلافات اکثر چھوٹے ہوتے ہیں لہذا انہیں پیچھے لوٹانا آسان ہوتا ہے، اور وہ لازمی طور پر سادہ بتدریج ہونے والے عمل کا نتیجہ نہیں ہوتے۔

بلاشبہ روم کے یورپ پر دیرپا اثرات تھے۔ رومی قانون اور اداروں نے ان قوانین اور اداروں کو متاثر کیا، جو بربریوں کی بادشاہتوں نے مغربی روم کی سلطنت کے سقوط کے بعد قائم کئے۔ یہ بھی سقوط روم ہی تھا جس نے ایک غیر مرتکز زمینی منظر تخلیق کیا جو ارتقا پذیر ہو کر جاگیردارانہ نظام میں تبدیل ہو گیا۔ غلامی کا خاتمہ اور آزاد شہروں کا ظہور، اس طویل المدت علم کی مرتب کردہ (اور بلاشبہ تاریخی طور پر حادثاتی) ذیلی پیداوار تھی۔ یہ اس وقت خاص طور پر نتیجہ خیز ہو گئے جب کالی موت نے جاگیردارانہ سماج کو شدید طور پر جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ کالی موٹ کی اس راکھ سے مضبوط تر شہر اور قصبات ابھرے، اور کسانوں کا ایسا طبقہ ابھرا، جو اب زمین سے بندھے ہوئے نہیں تھے، اور جاگیردارانہ پابندیوں سے تازہ تازہ آزاد ہوئے تھے۔ خاص طور پر یہ فیصلہ کن موڑ تھے، جو سقوط سلطنت روما سے پیدا ہوئے تھے، جو ایک مضبوط اداراتی حرکت پر منتج ہوئے جنہوں نے پورے یورپ کو اس طریقے سے متاثر کیا جس کی کوئی مثال زیریں صحارائی افریقہ، ایشیا یا امریکاؤں میں نہیں ہے۔

سولھویں صدی تک، یورپ اداراتی طور پر زیریں صحارائی افریقہ اور امریکاؤں سے بہت ممتاز تھا۔ اگرچہ یورپ ہندوستان اور چین کی انتہائی شاندار تہذیبوں کے مقابلے میں زیادہ امیر تو نہیں تھا، لیکن یہ ان ملکوں سے بعض بنیادی معاملات میں مختلف تھا۔ مثال کے طور پر اس نے ایک طرح کے نمائندہ ادارے بنا لئے تھے، جو وہاں معدوم تھے۔ یہ ادارے جامع اداروں کی تشکیل میں ایک بنیادی کردار ادا کرنے والے تھے۔ جیسا ہم اگلے دو ابواب میں دیکھیں گے، چھوٹے اداراتی

اختلافات وہ تھے جو یورپ کے اندر یقیناً اہمیت رکھتے تھے؛ اور یہ انگلستان کے حق میں تھے، کیونکہ یہ وہیں پر تھا کہ جاگیردارانہ نظام نے انتہائی جامع طور پر ان تاجرانہ ذہن والے کسانوں اور شہری مراکز کے لیے راہ ہموار کی تھی، جہاں تاجر اور صنعتکار پنپ سکتے تھے، یہ گروپ پہلی بار زیادہ محفوظ حقوق ملکیت، مختلف معاشی اداروں اور بادشاہوں سے سیاسی آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ پورا عمل سترھویں صدی میں انجام تک پہنچنے والا تھا۔

MashalBooks.org

7

فیصلہ کن موڑ

جُرابوں کے ساتھ مسئلہ

1583 میں ولیم لی (William Lee) کیمرج یونیورسٹی سے اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر کیلورٹن، انگلستان میں مقامی پادری بننے کے لئے واپس آیا۔ ایلزبتھ اول (1558 تا1603) نے حال ہی میں ایک حکم جاری کیا تھا کہ اس کے لوگوں کو ہر وقت ایک بنی ہوئی ٹوپی پہن کر رکھنی چاہئے۔ لی نے یہ بات ریکارڈ کی کہ ''بنائی کرنے والے ہی ایسے لباس کو تیار کرنے کا واحد ذریعہ تھے، لیکن ایک چیز کو تیار کرنے میں کافی وقت لگتا تھا۔ میں نے سوچنا شروع کر دیا۔ میں نے اپنی ماں اور اپنی بہنوں کو شام کے دھندلکے میں اپنی سوئیوں کو استعمال کرتے ہوئے دیکھا۔ اگر لباس دو سوئیوں اور دھاگے کی ایک تار سے بنائے جاتے ہیں، تو دھاگے کو لینے کے لئے ایک سے زیادہ زیادہ سوئیاں کیوں نہیں''

یہ بڑا خیال، ٹیکسٹائل پیداوار کو مشینی بنانے کا آغاز تھا۔ لی کے دماغ پر یہ خیال چھا گیا کہ وہ ایک مشین بنائے جو لوگوں کو غیر مختتم ہاتھ کی بنائی سے آزاد کر دے۔ اس نے اپنی یادداشت کو اکٹھا کرتے ہوئے لکھا، ''میں نے خاندان اور چرچ کے بارے میں اپنے فرائض کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ میری مشین اور اس کی تخلیق کا خیال میرے دل و دماغ کو کھا رہا تھا۔

آخر کار، 1589 میں، اس کا ''جُرابوں کا چوکھٹا بنائی کی مشین تیار تھی۔ وہ پر جوش ہو کر، ایلزبتھ اول کے ساتھ انٹرویو کی اجازت لینے اور اسے اپنی مشین دکھانے کہ یہ کس قدر مفید ہوگی، اور ایک

اجازت نامہ کی درخواست کرنے جو دوسرے لوگوں کو اس کے نمونے کی نقل کرنے سے روک دے، لندن گیا۔ اس نے مشین لگانے کے لئے ایک عمارت کرایہ پر لی، اور اپنے مقامی رکن پارلیمنٹ، رچرڈ پارکنز کی مدد سے ہنری کیری، لارڈ ہڈسن جو کہ ملکہ کی پریوکونسل کے رکن تھے، سے ملا۔ کیری نے ملکہ ایلزبتھ کے آنے اور مشین کو دیکھنے کا اہتمام کیا، لیکن ملکہ کا ردعمل تباہ کن تھا۔ اس نے لی کو اجازت نامہ دینے سے انکار کر دیا اور اس کی بجائے یہ رائے دی، ''تمہارا مقصد بلند ہے، جناب لی۔ آپ ذرا اس بات پر غور کریں کہ یہ ایجاد میری غریب رعایا کے ساتھ کیا کرے گی۔ یہ انہیں ملازمت سے محروم کر کے اور اس طرح انہیں بھکاری بنا کر تباہ کر دے گی''۔ اس جواب سے دل برداشتہ ہو کر لی اپنی قسمت آزمانے کے لئے فرانس گیا، جب وہ وہاں بھی ناکام ہو گیا تو دوبارہ انگلستان واپس آیا، جہاں اس نے جیمز اول(1603-1625)، ایلزبتھ کے جانشین سے اجازت نامے کی درخواست کی۔ جیمز نے بھی اسی بنیاد پر انکار کر دیا جس پر ایلزبتھ نے کیا تھا۔ دونوں خوفزدہ تھے کہ جرابوں کی مشینی پیداوار سیاسی طور پر غیر مستحکم کن تھی۔ یہ لوگوں کو کام سے فارغ کر دے گی بے روزگاری اور عدم استحکام پیدا کرے گی اور شاہی اقتدار کے لئے خطرہ بن جائے گی جرابوں کا چوکھٹا ایک ایسی ایجاد تھی جو پیداواریت میں زبردست اضافے کی نوید سناتی تھی۔ لیکن یہ تخلیقی تباہی کی بھی نوید سناتی تھی۔

لی کی شاندار ایجاد کے خلاف ردعمل اس کتاب کے بنیادی خیال کی وضاحت کرتا ہے۔ تخلیقی تباہی کا خوف وہ بنیادی وجہ ہے، کہ کیوں نوحجری انقلاب اور صنعتی انقلاب کے درمیانی عرصے میں معیارات زندگی میں کوئی پائیدار اضافہ نہیں ہوا۔ ٹیکنولوجیاتی جدت طرازی انسانی معاشروں کو خوشحال بناتی ہے، لیکن اس میں قدیم کی جگہ جدید کے آنے کا عمل شامل ہوتا ہے، اور کچھ لوگوں کی سیاسی طاقت اور معاشی مراعات کا خاتمہ بھی۔ پائیدار معاشی ترقی کے لئے ہمیں چیزوں کو کرنے کے نئے طریقوں کی ضرورت ہوتے ہے اور اکثر اوقات یہ چیزیں بھی نئے آنے والے لوگوں کے ساتھ آتی ہیں جیسا کہ لی۔ یہ معاشروں کو خوشحال تو کر سکتی ہیں، لیکن تخلیقی تباہی کا وہ عمل جسے یہ پیدا کرتی ہیں، ان لوگوں کے روزگار کے لئے خطرہ پیدا کر دیتا ہے جو پرانی ٹیکنولوجیوں کے ساتھ کام کرتے ہیں، جیسا کہ ہاتھ سے بنائی کرنے والے جو اپنے آپ کو لی کی ٹیکنولوجی کی وجہ سے بے روزگار پاتے۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایسی بڑی ایجادات، جیسا کہ لی کا جرابیں بنانے

MashalBooks.org

کی چوکھٹا مشین، سیاسی طاقت کی نئی صورت گری کا خطرہ بھی اپنے اندر رکھتی ہیں۔ آخر کار یہ ان لوگوں کے انجام کے بارے میں تشویش نہیں تھی جو لی کی مشین کے نتیجے کے طور پر بے روزگار ہو سکتے تھے، جس نے ایلزبتھ اول اور جیمز اول کو اس کے اجازت کی مخالفت پر اکسایا تھا؛ بلکہ ان کا یہ خوف تھا کہ وہ سیاسی طور پر نقصان اٹھائیں گے۔ ان کی تشویش یہ تھی کہ وہ لوگ جو اس ایجاد سے بیروزگار ہو جائیں گے، سیاسی عدم استحکام پیدا کریں گے، اور ان کے اپنے اقتدار کے لئے خطرہ بنیں گے۔ جیسا کہ ہم نے لڈائیٹوں کے بارے میں دیکھا بعض اوقات کارکنوں کی مزاحمت ہاتھ سے بنائی کرنے والے کارکنوں کی طرح کے کارکنوں کی مزاحمت کو نظرانداز کرنا ممکن ہوتا ہے۔ لیکن اشراف خاص طور پر جب ان کے سیاسی اقتدار کو خطرہ ہو، جدت طرازی کیلئے بہت خوفناک رکاوٹ تشکیل دیتے ہیں۔ اس حقیقت کا کہ تخلیقی تباہی سے انہیں بہت کچھ کھونا پڑے گا، مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ ایجادات کو متعارف کروانے والوں میں سے نہیں ہوں گے، بلکہ یہ بھی کہ اکثر اوقات وہ مزاحمت کریں گے اور ایسی ایجادات کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا معاشرے کو انتہائی انقلابی ایجادات کرنے کے لئے نئے آنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے، اور ان نئے آنے والوں اور اس تخلیقی تباہی کو جو وہ برپا کرتے ہیں، اکثر اوقات مزاحمت کے بہت سے ذرائع پر قابو پانا پڑتا ہے، بشمول اس کے جو طاقتور حکمرانوں اور اشراف کی طرف سے ہوتی ہے۔

سترھویں صدی کے انگلستان سے پہلے، استحصالی ادارے، پوری تاریخ میں عام تھے۔ بعض اوقات وہ معاشی ترقی پیدا کرنے کے قابل بھی ہوتے تھے، جیسا کہ پچھلے دو ابواب میں دکھایا گیا ہے، خاص طور پر اس وقت جب ان میں کچھ جامع عناصر ہوتے تھے، جیسا کہ وینس اور روم میں تھا۔ لیکن انہوں نے تخلیقی تباہی پیدا نہیں کی۔ وہ ترقی جو انہوں نے پیدا کی پائیدار نہیں تھی، اور نئی ایجادات کی غیر موجودگی کی وجہ سے ختم ہوگئی، اس سیاسی رسہ کشی کی وجہ سے استحصال سے فائدہ اٹھانے کی خواہش پیدا ہوتی تھی، یا اس وجہ سے کہ نوخیز جامع عناصر کو حتمی طور پر واپس پھیر دیا جاتا تھا، جیسا کہ وینس میں ہوا۔

ابو ہریرہ کے نطوفیان کے گاؤں کے ایک باسی کی اوسط عمر غالباً قدیم روم کے کسی شہری سے کوئی بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ ایک مخصوص رومی کی اوسط عمر سترھویں صدی کے انگلستان کے ایک اوسط باشندے کے برابر تھی۔ جہاں تک آمدنی کا سوال ہے، 301 عیسوی میں رومی بادشاہ

ڈایوکلشن نے زیادہ سے زیادہ قیمتوں پر ایک فرمان جاری کیا، جس نے ان معاضوں کا ایک شیڈول ترتیب دیا، جو مختلف قسم کے کارکنوں کو دی جائے گی۔ ہم ٹھیک ٹھیک یہ نہیں جانتے کہ ڈایوکلیشن کے معاوضہ جات اور قیمتیں کتنی اچھی طرح سے نافذ ہوئیں۔ لیکن جب معاشی تاریخ دان رابرٹ ایلن نے ایک مخصوص قسم کے غیر مہارت یافتہ کارکن کے معیارات زندگی کا اندازہ لگانے کے لئے اس کے فرمان کو استعمال کیا، تو اس نے دیکھا کہ وہ تقریباً ٹھیک ٹھیک وہی تھے، جو سترھویں صدی کے اٹلی کے غیر مہارت یافتہ کارکن کے تھے۔ مزید شمال انگلستان میں، معاوضہ جات زیادہ اور اضافہ پذیر تھے، اور حالات تبدیل ہو رہے تھے۔ ایسا کس طرح ہوا، یہ اس کتاب کا موضوع ہے۔

ہر وقت موجود سیاسی کشمکش

اداروں کے بارے میں اور وسائل کی تقسیم کے بارے میں کشمکش پوری تاریخ میں نفوذ پذیر رہی ہے۔ مثال کے طور پر، ہم نے دیکھا کہ کس طرح سیاسی کشمکش نے قدیم روم اور وینس کے ارتقا کی صورت گری کی، جہاں حتمی طور پر معاملہ اشراف کے حق میں فیصل ہوا، جو اقتدار پر اپنی گرفت بڑھانے میں کامیاب ہوگئے۔

انگریزی تاریخ بھی بادشاہت اور رعایا، کے درمیان اقتدار کی خاطر لڑنے والے مختلف دھڑوں کے درمیان، اور اشراف اور شہریوں کے درمیان کشمکش سے بھری ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کا نتیجہ ہمیشہ اقتدار پر قابض لوگوں کے اقتدار کو مضبوط کرنے کے حق میں نہیں نکلا، 1215 میں امرائے سلطنت، بادشاہ سے نیچے کا طبقہ اشراف، بادشاہ جان (King John) کے سامنے کھڑا ہو گیا، اور اسے میگنا کارٹا (عظیم منشور) پر مجبور کر دیا۔ اس دستاویز نے کچھ ایسے بنیادی اصول وضع کئے، جو بادشاہ کی حاکمیت کے لئے اہم چیلنج تھے۔ سب سے اہم بات یہ کہ اس نے یہ متعین کر دیا کہ بادشاہ کو ٹیکس عائد کرنے کے لئے امرائے سلطنت سے مشورہ کرنا پڑے گا۔ سب سے زیادہ متنازع شق نمبر 61 تھی جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ''یہ امرائے سلطنت کے کوئی سے پچیس امرائے سلطنت کو چنیں گے جنہیں وہ چاہیں گے، جو اپنی تمام طاقت کے ساتھ ان آزادیوں اور امن وامان کا مشاہدہ کریں گے، انہیں قائم کریں گے، اور ان کی پابندی کروائیں گے، جو ہم نے

MashalBooks.org

موجودہ منشور کے مطابق ان کو دی ہیں اور ان کی توثیق کی ہے۔'' خلاصہ یہ ہے کہ، امرائے سلطنت نے ایک کونسل قائم کی، یہ بات یقینی بنانے کے لئے کہ بادشاہ منشور پر عمل درآمد کرے، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا، تو ان امرا کو قلعوں، زمینوں اور املاک پر قبضہ کرنے کا حق ہوگا''۔ یہاں تک کہ ان کی رائے میں تلافی ہو چکی ہو''۔ بادشاہ جان نے میگنا کارٹا کو پسند نہ کیا، اور جوں ہی امرا منتشر ہوئے، تو اسے پوپ کے ہاتھوں ختم کرادیا۔ لیکن امرا کی سیاسی طاقت اور میگنا کارٹا کا اثر باقی رہا۔ انگلستان نے تکثیریت کی طرف اپنا پہلا مذبذب قدم اٹھالیا تھا۔

سیاسی اداروں پر کشمکش جاری رہی، اور بادشاہ کی طاقت پہلی منتخب شدہ پارلیمنٹ کے ہاتھوں 1265 میں مزید کم ہوگئی۔ روم کی پلیبین اسمبلی یا آج کل کی منتخب مقنّنہ کے برعکس، اس کے ارکان ابتدائی طور پر جاگیردار اشراف، اور بعد میں قوم کے نائٹ اور امیر ترین شرفا تھے۔ باوجود اشراف پر مشتمل ہونے کے انگلستان کی پارلیمنٹ نے دو امتیازی خصوصیات پیدا کیں۔ اول اس میں صرف ان اشراف کی نمائندگی نہیں تھی جو بادشاہ کے ساتھ اتحادی تھے بلکہ یہ وسیع دلچسپیوں والے لوگ تھے۔ بشمول ان چھوٹے شرفا کے جو زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے تھے، جیسا کہ صنعت و تجارت، اور بعد میں ''اشرافیہ'' تجارتی اور اوپر کو جانے والے متحرک کسانوں کے نئے طبقے کے۔ اس طرح پارلیمنٹ نے معاشرے کے ایک خاصے وسیع طبقے کو بااختیار بنا دیا۔ خاص طور پر اس وقت کے معیارات کے مطابق۔ دوم، اور بڑی حد تک پہلی خصوصیت کے ایک نتیجے کے طور پر، بہت سے ارکان پارلیمنٹ بادشاہ کے اپنی طاقت کو بڑھانے کی کوششوں کے مستقل طور پر مخالف تھے، اور ان لوگوں کا بنیادی سہارا بننے والے تھے، جو انگریزی خانہ جنگی اور بعد میں گلوریس ریوولیوشن (شاندار انقلاب) میں بادشاہت کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔

باوجود میگنا کارٹا اور پہلی منتخب پارلیمنٹ کے، بادشاہت کے اختیارات اور اس پر کہ کون بادشاہ بنے گا سیاسی کشمکش جاری رہی۔ اشراف کے اندر کی کشمکش گلابوں کی جنگ (The War of Roses) کے ساتھ ختم ہوگئی، جو کہ لینکاسٹر اور یارک کے گھرانوں کے درمیان ایک طویل کشتی تھی، جو کہ ایسے دو خاندان تھے جو بادشاہ بننے کے لئے مقابلے کی دوڑ میں تھے۔ فاتح لینکاسٹر کے لوگ تھے۔ جن کا امیدوار، ہنری ٹیوڈر (Henry Tudor) 1485 میں ہنری ہفتم بن گیا۔

دو دوسرے باہم مربوط مظاہر بھی واقع ہوئے۔ پہلا بڑھتی ہوئی سیاسی مرکزیت تھا، جسے

ٹیوڈروں نے تحریک دی تھی۔ 1485 کے بعد ہنری ہفتم نے اشرافیہ کو بے ہتھیار کر دیا، حقیقت میں انہیں غیر فوجی بنا کر اور اس طرح مرکزی ریاست کی طاقت کو بہت زیادہ بڑھا کر، اس کے بیٹے ہشتم نے، پھر اپنے وزیر اعلیٰ تھامس کرامویل (Thomas Cromwell) کے ذریعے حکومت میں ایک انقلاب نافذ کیا، 1530 کی دہائی میں، کرامویل نے ایک نوزائیدہ نوکر شاہانہ ریاست متعارف کروائی۔ حکومت کے محض بادشاہ کے ایک نجی امور خانہ ہونے کے، بجائے یہ مستقل اداروں کا ایک علیحدہ سیٹ بن سکتی تھی۔ اس کی تکمیل ہنری ہشتم کی رومن کیتھولک چرچ سے علیحدگی اور ''خانقاہوں کی تحلیل'' سے ہوگئی، جس میں ہنری نے چرچ کی تمام زمین غصب کر لی۔ چرچ کی طاقت کو ختم کرنا ریاست کو زیادہ مرکزی بنانے کا ایک حصہ تھا۔ ریاست کے اداروں کی اس مرکز گیری کا مقصد یہ تھا کہ پہلی مرتبہ اشتمالی سیاسی اداروں کا قیام ممکن ہوگیا۔ ہنری ہفتم اور ہنری ہشتم کی طرف سے شروع کئے ہوئے اس عمل نے نہ صرف ریاست کے اداروں کو مرکزی بنا دیا۔ بلکہ وسیع البنیاد سیاسی نمائندگی کے مطالبے میں بھی اضافہ کر دیا۔ سیاسی مرکز گیری کا عمل دراصل مطلق العنانیت کی ایک شکل پر منتج ہو سکتا ہے، کیونکہ بادشاہ اور اس کے حواری معاشرے میں دوسرے طاقتور گروپوں کو کچل سکتے ہیں، یہ یقیناً ایک وجہ ہے کہ ریاستی مرکز گیری کے خلاف مخالف کیوں ہوتی ہے، جیسا کہ ہم نے باب سوم میں دیکھا، تاہم اس جبر کی مخالفت میں، ریاستی اداروں کی مرکز گیری، تکثیریت کی ابتدائی شکل کے مطالبے کو متحرک کر سکتی ہے، جیسا کہ اس نے ٹیوڈر انگلستان میں کیا۔ جب امرا اور مقامی اشراف اس بات کو جان جاتے ہیں کہ سیاسی طاقت بڑھتے بڑھتے زیادہ مرکز گیر ہو جائے گی اور اس عمل کو روکنا مشکل ہے، تو وہ اس بات میں کہ یہ مرکزیت کی حامل طاقت کس طرح استعمال کی جائے گی اپنی آواز ہونے کا مطالبہ کریں گے۔ پندرھویں اور سولھویں صدیوں کے دوران، اس کا مطلب تھا ان گروپوں کی طر سے پارلیمنٹ کو بادشاہ کے خلاف یاسنگ کے طور پر رکھنے کی زیادہ بڑی کوششیں، اور اس طریقے کو جس پر ریاست کام کر رہی تھی جزوی طور پر کنٹرول کرنا۔ اس طرح ٹیوڈر منصوبے نے نہ صرف سیاسی مرکز گیری کو ابھارا جو کہ اشتمالی اداروں کا ایک ستون ہے، بلکہ بالواسطہ طور پر تکثیریت میں بھی اپنا حصہ ڈالا، جو کہ اشتمالی اداروں کا دوسرا ستون ہے۔

سیاسی اداروں میں یہ پیشرفتیں، معاشرے کی نوعیت میں دوسری بڑی تبدیلیوں کے تناظر

MashalBooks.org

میں ہوئیں۔خصوصی طور پر اہم سیاسی کشمکش کا وسیع ہونا تھا۔جو اس گروپ کے سیٹ کو بھی وسیع کر رہا تھا جو بادشاہ اور سیاسی اشراف کے آگے مطالبات رکھنے کے اہل تھے۔ 1381 کی کسانوں کی بغاوت 1381 مرکزی تھی۔جس کے بعد انگریز اشراف عوامی شورشوں کے ایک طویل سلسلے سے جھنجھوڑ دیئے گئے۔سیاسی طاقت کی تقسیم نو ہو رہی تھی۔نہ صرف بادشاہ سے نوابوں کی طرف، بلکہ اشراف سے عام لوگوں کی طرف ان تبدیلیوں نے، بادشاہ کی طاقت پر بڑھتی ہوئی پابندیاں کے ساتھ مطلق العنانیت کے خلاف ایک وسیع اتحاد کے ظہور کو ممکن بنایا۔اور اس طرح تکثیری سیاسی اداروں کی بنیادیں ڈالیں۔

وہ سیاسی اور معاشی ادارے جو ٹیوڈروں سے وراثت میں حاصل کئے، اور قائم رکھے گئے اگرچہ متنازعہ تھے، لیکن واضح طور پر استحصالی تھے۔1603 میں ہنری ہشتم کی بیٹی ایلزبتھ اول، جو 1553 میں انگلستان کے تخت پر بیٹھی۔بغیر بچوں کے مرگئی، اور ٹیوڈروں کی جگہ سٹوورٹ خاندان نے لے لی۔پہلے جیمز اول نے نہ صرف ادارے ورثے میں حاصل کئے بلکہ ان پر ہونے والی کشمکش بھی۔وہ ایک مطلق العنان حکمران بننے کی خواہش رکھتا تھا۔اگرچہ ریاست زیادہ مرکز گیر ہو گئی تھی اور سماجی تبدیلی اقتدار کو معاشرے میں دوبارہ تقسیم کر رہی تھی۔لیکن سیاسی ادارے ابھی تکثیری نہیں ہوئے تھے۔معیشت میں، استحصالی اداروں نے اپنا اظہار نہ صرف لی کی ایجاد کی مخالفت میں کیا، بلکہ اجارہ دار اور مزید اجارہ داریوں کی شکل میں کیا۔1601 میں ان اجارہ داریوں کی فہرست کو پارلیمنٹ میں پڑھ کر سنایا گیا، جس میں ایک رکن نے طنزاً یہ پوچھا ''کیا روٹی ان میں شامل نہیں ہے؟''۔ 1621 میں سات سو اجارہ داریاں تھیں۔ جیسا کہ انگریز مورخ کرسٹوفر ہل (Christopher Hill) نے تحریر کیا۔ایک آدمی زندہ رہتا تھا۔

اجارہ داری کو اینٹوں سے بنے ہوئے گھر میں، جس میں کھڑکیاں ۔۔۔اجارہ داری کے شیشے کی ہوتی تھیں؛ جو اجارہ داری کے کوئلے سے گرم ہوتا تھا۔(آئرلینڈ میں اجارہ داری کی لکڑی سے)، جو ایک ایسی انگیٹھی میں جلتا تھا۔جو اجارہ داری کے لوہے سے بنی ہوتی تھی۔۔۔وہ اجارہ داری کے صابن سے نہاتا دھوتا تھا۔اور اپنے کپڑوں کو اجارہ داری کے نشاستے سے کلف لگاتا تھا۔وہ اجارہ داری کی جھالروں، اجارہ داری کی لینن، اجاردداری کے چمڑے، اجارہ داری کے سنہری تاروں سے بنا ہوا لباس پہنتا تھا۔اس کے کپڑوں کو تھامنے کے لئے اجارہ داری کی پیٹیاں۔اجارہ

داری کے بٹن اور اجارہ داری کی پنیں ہوتی تھیں۔انہیں اجارہ داری کی کشمکش، اجارہ داری کی سرخ ہیرنگ (مچھلی) اجارہ داری کی سالمن (مچھلی) اور اجارہ دارے کے کیکٹ کھاتا تھا۔اس کی خوراک کو اجارہ داری کے نمک، اجارہ داری کی سیاہ مرچ اور اجارہ داری کے سرکے سے لذیذ بنایا جاتا تھا۔۔وہ اجارہ داری کے قلموں سے لکھتا تھا، اجارہ داری کے لکھنے والے کاغذ پر؛ (اجارہ داری کے چشموں کے ساتھ، اجارہ داری کی موم بتیوں کی روشنی میں) اجارہ داری سے چھپی ہوئی کتب پڑھتا تھا۔

یہ اور دوسری بہت سی اجارہ داریاں، اداروں یا افراد کو بہت سی اشیا کی پیداوار اور ان کا کنٹرول کرنے کے مکمل حقوق دیتی تھیں۔وہ اہلیتوں کی ایک طرح کی تقسیم کے راستے میں رکاوٹ بنتی تھیں، جو معاشی خوشحالی میں اتنی اہم چیز ہے۔

جیمز اول اور اس کا جانشین چارلس اول، دونوں بادشاہت کو مضبوط کرنے پارلیمان کے اثر کو کم کرنے، اور ہسپانیہ اور فرانس میں بننے والے اداروں کی مانند مطلق العنان ادارے بنانے کی خواہش رکھتے تھے۔اس طرح وہ اداروں کو زیادہ استحصالی بنا کر، معیشت پر اپنے اور اشرافیہ کے کنٹرول کو اور مضبوط بنانا چالتے تھے۔جیمز اول اور پارلیمان کے درمیان کشمکش 1620 کی دہائی میں انتہا کو پہنچ گئی۔اس کشمکش میں مرکزی چیز تجارت کا کنٹرول تھا، بیرون ملک میں اور جزائر برطانیہ کے اندر بھی۔بادشاہ کی اجارہ داریاں دینے کا اختیار، ریاست کے لئے محصولات کا بنیادی ذریعہ تھا۔اور اسے اکثر اوقات بادشاہ کے حامیوں کو کلی اختیارات دینے کے ذریعے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ، یہ نئے داخلے کو روکنے اور مارکیٹ کے کام کرنے میں رکاوٹ بننے والا استحصالی ادارہ معاشی سرگرمی اور پارلیمان کے بہت سے ارکان کے مفادات کے لئے بھی انتہائی تباہ کن تھا۔1623 میں پارلیمان نے اجارہ داریوں کو قانون منظور کروا کے ایک قابل ذکر کامیابی حاصل کرلی، جس نے جیمز اول کو ملک کے اندر نئی اجارداریاں بنانے سے روک دیا۔تاہم ابھی تک وہ بین الاقوامی تجارت پر اجارہ داریاں دینے کے قابل تھا۔پہلے سے موجود اجارہ داریوں کو، خواہ بین الاقوامی ہوں یا دوسری، نہیں چھیڑا گیا۔

پارلیمان باقاعدگی سے اجلاس نہیں کرتی تھی۔اور اس کا اجلاس بادشاہ کی طرف سے بلایا جاتا تھا۔میگنا کارٹا کے بعد جو روایت قائم ہوئی وہ یہ تھی کہ بادشاہ کو نئے ٹیکس عائد کرنے کی منظوری حاصل کرنے کے لئے پارلیمان کا اجلاس بلانے کی ضرورت ہوتی تھی۔چارلس اول 1625 میں

MashalBooks.org

تخت پر بیٹھا، 1629 کے بعد اس نے پارلیمان کو بلانے سے انکار کر دیا، اور زیادہ سختی سے مطلق العنان حکومت بنانے کے لئے جیمز اول کی کوششوں میں مزید شدت پیدا کر دی۔ اس نے جبری قرضے شروع کئے، جس کا مطلب ہے کہ لوگوں کو اسے رقم قرض پر دینا تھی، اور اس نے یک طرفہ طور پر قرضوں کی شرائط تبدیل کر دیں، اور اپنے قرض واپس کرنے سے انکار کر دیا، اس نے اس ایک سمت میں، جو اجارہ داریوں کے قانون نے اس کے لئے چھوڑی تھی، اجارہ داریاں پیدا کرنا اور بیچنا شروع کر دیں؛ بیرون ملک کے تجارتی کاروبار۔ اس نے عدلیہ کی آزادی کو بھی ختم کر دیا، اور قانونی مقدمات کے نتائج پر اثر انداز ہونے کے لئے مداخلت کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بہت سے جرمانے اور وجوبات عائد کر دیئے، جن میں سے سب سے متنازعہ ''جہاز کی رقم'' کی رقم تھی۔ 1634 میں، شاہی بحریہ ادائیگیوں میں مدد کے لئے ساحلی کاونیوں پر ٹیکس عائد کرتے ہوئے، اور 1635 میں اس ٹیکس کو اندروں ملک کاونٹیوں تک پھیلاتے ہوئے۔ جہاز کی رقم 1640 تک ہر سال عائد کی جاتی تھی۔

چارلس کے بڑھتے ہوئے مطلق العنانہ رویے اور استحصالی پالیسیوں نے پورے ملک میں ناراضگی اور مزاحمت پیدا کر دی۔ 1640 میں اسے سکاٹ لینڈ کے ساتھ کشمکش کا سامنا ہوا، اور میدان میں مناسب فوج اتارنے کے لئے کافی رقم کے بغیر، مزید ٹیکس لگانے کی درخواست کرنے کے لئے پارلیمان کو بلانے پر مجبور ہو گیا۔ مختصر پارلیمان کے نام سے یاد کی جانے والی یہ پارلیمان صرف تین ہفتے بیٹھی۔ ان ارکان پارلیمان نے جو لندن آئے ٹیکسوں کے بارے میں بات چیت کرنے سے انکار کر دیا، لیکن انہوں نے بہت سی شکایات کا اظہار کیا، یہاں تک کہ چارلس نے انہیں معزول کر دیا۔ سکاٹ باشندوں نے یہ محسوس کیا کہ چارلس کو قوم کی حمایت حاصل نہیں تھی اور انہوں نے انگلستان پر حملہ کر دیا اور سکاٹ باشندوں نے یہ مطالبہ کیا کہ پارلیمان اس میں شامل ہو۔ اس چیز نے چارلس کو اس پارلیمان کو بلانے پر آمادہ کیا، جسے اس وقت طویل پارلیمان کا نام دیا گیا۔ کیونکہ اس کا اجلاس 1648 تک جاری رہا، اس نے چارلس کے مطالبہ کرنے کے باوجود تحلیل ہونے سے انکار کر دیا۔ 1642 میں چارلس اور پارلیمان کے درمیان ایک خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اگرچہ پارلیمان میں بہت سے ایسے تھے جنہوں نے تاج کی طرفداری کی۔ کشمکشوں کے طرز نے معاشی اور سیاسی اداروں کے بارے میں رسہ کشی کی عکاسی کی۔ پارلیمان مطلق العنان

سیاسی اداروں کا خاتمہ چاہتی تھی۔ بادشاہ انہیں مضبوط بنانا چاہتا تھا۔ یہ ان کشمکشوں کی جڑیں معاشیات میں تھیں۔ بہت سے لوگوں نے بادشاہ کی اس وجہ سے حمایت کی کیونکہ انہیں منافع بخش اجارہ داریاں عطا کر دی گئی تھیں۔ مثال کے طور پر شریوزبری (Shrewsbury) اور اوسویسٹری (Oswestry) کے امیر اور طاقتور تاجروں کے کنٹرول میں مقامی اجارہ داریوں کو بادشاہ کی طرف سے لندن کے تاجروں کے ساتھ مقابلے سے تحفظ دیا گیا، ان تاجروں نے چارلس اول کی طرفداری کی۔ دوسری طرف، برمنگھم کے آس پاس دھات کی صنعت نے ترقی کی، کیونکہ وہاں اجارہ داریاں کمزور تھیں اور صنعت میں نئے آنے والوں کو سات سال کی پابندی نہیں کرنا پڑتی تھی، جیسا کہ ملک کے دوسرے حصوں میں انہیں کرنا پڑتا تھا۔ خانہ جنگی کے دوران وہ تلواریں بناتے تھے اور پارلیمان کے طرفداروں کے لئے رضا کار پیدا کرتے تھے۔ اسی طرح لنکا شائر کے دیہات میں تاجروں کی تنظیموں کے لئے قوانین کی کمی نے 1640 سے قبل ''نئے پارچہ جات'' ترقی کے لئے گنجائش پیدا کی، جو کہ زیادہ ہلکے کپڑے کا ایک انداز تھا۔ وہ علاقہ جہاں ان نئے کپڑوں کی پیداوار کا مرکز تھا، لنکا شائر کا صرف وہ حصہ تھا جو پارلیمان کی حمایت کرتا تھا۔

آلیور کرامویل کی قیادت میں ارکان پارلیمان۔ جنہیں Roundheads (گول سر) کہا جاتا تھا۔ نے بادشاہ کے طرفداروں کو جنہیں (Cavaliers) کیویلرز کہا جاتا تھا، کو شکست دے دی۔ چارلس پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے 1649 میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ تاہم اس کی شکست اور بادشاہت کا خاتمہ بہرحال اشتمالی اداروں پر منتج نہ ہوا۔ اس کی بجائے بادشاہت کی جگہ کرامویل کی آمریت نے لے لی۔ کرامویل کی موت کے بعد، 1660 میں بادشاہت بحال ہو گئی، اور ان مراعات میں سے جو 1649 میں اس سے چھین لی گئی تھیں بہت سے واپس ہو گئیں۔ چارلس کا بیٹا چارلس دوم پھر انگلستان میں مطلق العنانیت دوبارہ قائم کرنے کے پروگرام پر چل پڑا۔ ان کوششوں میں اس کے بھائی جیمز دوم کی طرف سے شدت ہی پیدا کی گئی، جو چارلس کی وفات کے بعد 1685 میں تخت نشین ہوا۔ 1688 میں مطلق العنانیت کو دوبارہ قائم کرنے کی جیمز کی کوشش نے ایک اور بحران اور ایک اور خانہ جنگی پیدا کر دی۔ اس مرتبہ پارلیمان زیادہ متحد اور منظم تھی۔ انہوں نے ہالینڈ کے قائم مقام ولیم آف اورینج (William of Orange) اور اس کی بیوی جیمز کی پروٹسٹنٹ بیٹی میری کو جیمز کی جگہ سنبھالنے کے لئے بلایا، ولیم ایک فوج لایا اور تخت پر دعویٰ

MashalBooks.org

کیا، ایک مطلق العنان بادشاہ کے طور پر حکومت کرنے کیلئے نہیں، بلکہ پارلیمان سے تشکیل شدہ ایک آئینی بادشاہت کے تحت۔ برطانوی جزائر میں ڈیون میں برکسہم کے مقام پر (دیکھئے نقشہ نمبر 9) ولیم کے اترنے کے دوبارہ بعد جیمز کی فوج منتشر ہوگئی اور وہ فرانس بھاگ گیا۔

شاندار انقلاب

شاندار انقلاب میں فتح کے بعد پارلیمان اور ولیم نے نئے آئین پر گفت وشنید کی۔ تبدیلیوں کا اشارہ تو پہلے سے ولیم کے اس ''اعلان'' سے ہوگیا تھا جو اس نے حملے سے پہلے کیا تھا۔ انہیں ''اعلان حقوق میں'' مزید پختہ کردیا گیا، جو فروری 1689 میں پارلیمان کی طرف سے تیار کیا گیا، یہ اعلان اسی اجلاس میں ولیم کو پڑھ کر سنایا گیا، جس میں اسے تاج کی پیش کش کی گئی۔ بہت حوالوں سے یہ اعلان جسے دستخط کرنے کے بعد قانون بننے کے بعد ''بل آف رائٹس''، ''حقوق کا قانون'' کہا جاتا تھا۔ غیر واضح تھا۔ تاہم اس نے بنیادی طور پر کچھ مرکزی آئینی اصولوں کو طے کر دیا۔ اس نے تخت نشینی کا تعین کر دیا، اور یہ ایسے طریقے سے کیا جو اس وقت تک کے موروثی طور پر چلے آنے والے اصولوں سے اہم طور پر الگ تھا۔ اگر پارلیمان کسی بادشاہ کو تبدیل کر کے اس کی جگہ اپنی پسند کا دوسرا ایک دفعہ لاسکتی ہے، تو دوبارہ کیوں نہیں؟ اعلان حقوق نے اس بات پر بھی زور دیا کہ بادشاہ قوانین کو نہ تو معطل کرسکتا ہے نہ ختم۔ اور اس نے پارلیمانی منظوری کے بغیر ٹیکس عائد کرنے کے لاقانونی ہونے کا بھی اعادہ کیا۔ علاوہ ازیں اس نے یہ بیان کیا کہ انگلستان میں پارلیمان کی منظوری کے بعد کوئی قائمہ فوج نہیں ہوگی۔ ایسی شقوں میں کچھ ابہام آگیا جیسا کہ شق نمبر 8 جس میں یہ بیان کیا گیا ''ارکان پارلیمان کا انتخاب ''آزادانہ'' ہونا چاہئے''، لیکن اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ ''آزادانہ'' کا تعین کیسے کیا جائے گا۔ اس سے بھی مبہم تر شق میں مزید وضاحت کو توقع کرنے میں حق بجانب ہے لیکن بہرحال اس مبہم لفظیات کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ شقوں کو لاگو ہونا ہوتا ہے۔ چارلس دوم کے عہد کے دوران، ایک (سہ سالہ قانون) (Triannual Act) موجود تھا جس میں زور دیا گیا تھا، کہ پارلیمانوں کا اجلاس کم از کم تین سال میں ایک مرتبہ بلانا ہوگا۔ لیکن چارلس نے اسے نظر انداز کیا، اور کچھ بھی نہ ہوا، کیونکہ اسے نافذ کرنے کا کوئی طریقہ ہی نہ تھا۔ 1688 کے بعد پارلیمان، اس شق کو لاگو کرنے کا طریق کار متعارف کرواسکتی تھی،

کیونکہ امرائے سلطنت نے، بادشاہ جان کے میگنا کارٹا پر دستخط کرنے کے بعد اپنی کونسل کو ختم کر دیا تھا۔ انہوں نے ایسا اس لئے کیا کہ انہیں اس کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ یہ اس وجہ سے تھا کہ 1688 کے بعد فیصلہ کرنے کی طاقت تبدیل ہوکر پارلیمان کے پاس پہنچ چکی تھی۔ مخصوص آئینی ضابطوں یا قوانین کے بغیر بھی ولیم نے سابقہ بادشاہوں کے بہت سے معمولات کو ترک کر دیا۔ اس نے قانونی فیصلوں میں مداخلت کرنا بند کر دی، اور سابقہ حقوق' جیسا کہ کسٹم کے محصولات کو لینا چھوڑ دیا۔ اگر انہیں مجموعی طور پر لیا جائے، تو سیاسی اداروں میں یہ تبدیلیاں پارلیمان کی بادشاہ پر فتح کی اور اس طرح انگلستان میں مطلق العنانیت کے اور بعد میں برطانیہ عظمیٰ میں خاتمے کی نمائندگی کرتی ہیں۔ کیونکہ انگلستان اور سکاٹ لینڈ 1707 میں ایکٹ آف یونین (اتحاد کا قانون) کے ذریعے متحد ہوگئے۔ اس وقت کے بعد سے پارلیمنٹ کا ریاستی پالیسی پر مضبوط کنٹرول ہے۔ یہ ایک بہت بڑا فرق تھا، کیونکہ پارلیمان کے مفادات سٹورٹ بادشاہوں کے مفادات سے بہت مختلف تھے، کیونکہ پارلیمان کے بہت سے لوگوں کی تجارت اور صنعت میں بہت اہم سرمایہ کاری تھی، لہٰذا ان کی حقوق ملکیت کے نفاذ میں بڑی مالی دلچسپی تھی۔ سٹوورٹوں نے اکثر اوقات حقوق ملکیت کو غصب کیا تھا؛ اب انہیں برقرار رکھا جائے گا۔ علاوہ ازیں، جب سٹوورٹوں نے حکومت کے رقم خرچ کرنے کو کنٹرول کیا تھا، تو پارلیمان نے زیادہ ٹیکسوں کی مخالفت کی، اور ریاست کی طاقت کو مضبوط کرنے میں رکاوٹ ڈالی تھی۔ اب جب پارلیمنٹ خود ہی خرچ کو کنٹرول کر رہی تھی، تو یہ ٹیکسوں کو بڑھا کر اور رقم کو ان سرگرمیوں پر خرچ کر کے جنہیں وہ اہم سمجھتی تھی، خوش تھی۔ اس میں سے سب سے بڑی سرگرمی بحریہ کو مضبوط بنانا تھی۔ جو پارلیمان کے ارکان میں سے بہت سوں کے بیرون ملک تجارتی مفادات کا تحفظ کرتی۔

ارکان پارلیمان کے مفاد سے زیادہ اہم بات سیاسی اداروں کی تکثیری نوعیت کا ابھرنا تھی۔ اب انگریز لوگوں کی پارلیمان تک اور پارلیمان میں بننے والی پالیسی اور معاشی اداروں کی دسترس تھی، ایک ایسے انداز کے یہ دسترس انہیں اس وقت حاصل نہیں تھی جب پالیسی بادشاہ کی طرف سے چلائی جاتی تھی۔ یقیناً جزوی طور پر ایسا اس لئے تھا، کہ پارلیمان کے ارکان منتخب تھے۔ لیکن کیونکہ اس دور میں انگلستان ابھی ایک جمہوریہ ہونے سے بہت دور تھا، لہٰذا اس دسترس نے جوابدہی کی بہت تھوڑی مقدار مہیا کی۔ اس کی بہت سی ناہمواریوں میں سے ایک یہ تھی کہ اٹھارویں

MashalBooks.org

صدی میں 2 فیصد سے بھی کم آبادی ووٹ دے سکتی تھی، اوران کا مرد ہونا ضروری تھا۔ ان شہروں کی، جہاں صنعتی انقلاب رونما ہوا تھا۔ برمنگھم لیڈز، مانچسٹر اور شیفیلڈ، کی پارلیمان میں کوئی آزادانہ نمائندگی نہیں تھی۔ اس کی بجائے دیہاتی علاقوں کی نمائندگی ضرورت سے زیادہ تھی۔ اتنی ہی بری یہ بات تھی، کہ دیہی علاقوں، کاونٹیوں، میں ووٹ کا حق زمین کی ملکیت پر مبنی تھا، اور بہت سے شہری علاقوں ''برا'' پر ایک چھوٹی سی اشرافیہ کا کنٹرول تھا، جو نئے صنعتکاروں کو ووت دینے یا کسی منصب کے لئے کھڑا ہونے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ مثال کے طور پر بکنگھم کے برا میں صرف تیرہ ''شہریوں'' (مکمل حقوق شہریت کے حامل افراد) کو ووت دینے کا حتمی حق حاصل تھا۔ ان میں سب سے اوپر ''بوسیدہ برا'' تھے، جنہیں تاریخی طور پر تو ووٹ دینے کا حق حاصل تھا۔ لیکن وہ ''بوسیدہ ہو چکے تھے'' یا تو اس وجہ سے کہ ان کی آبادی وقت کے ساتھ ساتھ کہیں منتقل ہو گئی تھی، یا ''ڈن وچ'' کی صورت میں جو کہ انگلستان کے مشرقی ساحل پر واقع تھا، واقعتاً ساحلی فرسودگی کے نتیجے میں سمندر میں گر چکا تھا۔ ان دونوں فرسودہ براؤں میں سے ہر ایک میں رائے دہندگان کی ایک تھوڑی سی تعداد دو ارکان پارلیمان کو منتخب کرتی تھی، قدیم سارم (Sarum) میں سات رائے دہندگان تھے، ڈن وچ میں تیس تھے۔ اوران سے ہر ایک دو ارکان پارلیمان کو منتخب کرتا تھا۔

لیکن پارلیمنٹ اور فلھذا معاشی اداروں کو متاثر کرنے کے اور بھی طریقے تھے، سب سے اہم درخواست گزاری کے ذریعے تھا، اور یہ شاندار انقلاب کے بعد تکثیریت کے ظہور کیلئے جمہوریت کی محدود حد سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ کوئی بھی شخص پارلیمان کو درخواست دے سکتا تھا، اور درخواستیں انہوں نے دیں۔ اہم بات یہ تھی کہ جب لوگ درخواستیں دیتے تھے تو پارلیمان ان کو سنتی تھی۔ یہ چیز کسی بھی اور چیز سے زیادہ مطلق العنانیت کی شکست، معاشرے کے خاصے بڑے حصے کو بااختیار بنانے، اور 1688 کے بعد انگلستان میں تکثیریت کے عروج کی عکاسی کرتی ہے۔ بے دھڑک درخواست گزاری کی سرگرمی یہ ظاہر کرتی ہے کہ معاشرے میں ایک بہت بڑا گروپ تھا، ان سے بھی کہیں زیادہ جو پارلیمان میں بیٹھے تھے یا نمائندگی کر رہے تھے، جن کے پاس اس طریقے کو متاثر کرنے کی طاقت تھی جس پر ریاست کام کرتی تھی۔ اور وہ اسے استعمال کرتے تھے۔

اجارہ داریوں کا معاملہ اس کی بہترین وضاحت کرتا ہے، ہم نے اوپر دیکھا کہ کس طرح اجارہ داریاں، سترھویں صدی میں استحصالی معاشی اداروں کی بنیاد میں تھی۔ وہ اجارہ داریوں کے

قانون 1623 کے ساتھ تنقید کی زد میں آئیں۔ اور انگریز خانہ جنگی کے دوران اختلاف کی بنیادی وجہ تھیں۔ طویل پارلیمان نے، ان تمام اندرونی اجارہ داریوں کو ختم کر دیا، جو لوگوں کی زندگیوں میں اتنا تجاوز کر رہی تھیں۔ اگرچہ چارلس دوم اور جیمز دو انہیں واپس تو نہ لا سکتے، لیکن وہ بیرون ملک کی اجارہ داریاں دینے کی اہلیت کو قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں سے ایک رائل افریقن کمپنی تھی، جس کا اجارہ داری کا اجازت نامہ 1660 میں چارلس دوم کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ اس کمپنی کی نفع بخش افریقی غلاموں کی تجارت پر اجارہ داری تھی، اور اس کا گورنر اور بڑا حصہ دار چارلس کا بھائی جیمز تھا۔ جو جلد ہی جیمز دوم بننے والا تھا۔ 1688 کے بعد اس کمپنی نے نہ صرف اپنے گورنر کو بلکہ اپنے بڑے حامی کو کھو دیا۔ جیمز نے بڑی تندہی سے، اس کمپنی کو ''گھس بیٹھوں''، یعنی ان آزاد تاجروں سے جنہوں نے مغربی افریقہ سے غلاموں کو خرید کر انہیں امریکاؤں میں بیچنے کی کوشش کی، تحفظ دیا۔ یہ بہت نفع بخش تجارت تھی، اور رائل افریقن کمپنی کو بہت سے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ بحراوقیانوس میں باقی ساری انگریزی تجارت آزاد تھی۔ 1689 میں اس کمپنی نے ایک گھس بیٹھے، نائیٹنگیل، کے سامان پر قبضہ کر لیا، نائٹنگیل نے کمپنی کے خلاف سامان کے غیر قانونی قبضے کے خلاف مقدمہ کر دیا، اور چیف جسٹس ہولٹ (Holt) نے یہ فیصلہ دیا کہ کمپنی کا قبضہ غیر قانونی تھا، کیونکہ یہ ایک ایسی اجارہ داری کو استعمال کر رہی تھی جو شاہی مراعات کی طرف سے ٹھیک طور پر بنائی گئی تھی۔ ہولٹ نے یہ استدلال کیا کہ اجارہ داری کی مراعات قانون کے ذریعے وضع کی جا سکتی تھیں، اور یہ چیز پارلیمان کی طرف سے ہونی چاہیے تھی۔ لہذا ہولٹ نے، نہ صرف افریقہ کمپنی کی، بلکہ تمام مستقبل کی اجارہ داریوں کو، پارلیمنٹ کے ہاتھوں میں دھکیل دیا۔ اگر 1688 سے پہلے ہوتا تو جیمز دوم نے بہت جلدی سے اس جج کو ہٹا دیا ہوتا جو ایسا فیصلہ دیتا؛ 1688 کے بعد معاملات مختلف تھے۔

اب پارلیمان کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ جارہ داری کے ساتھ کیا کرے، اور درخواستیں بہت زیادہ، تیزی سے آنے لگیں۔ ایک سو پینتیس درخواستیں گھس بیٹھوں کی طرسے آئیں، جو بحراوقیانوسی میں تجارت تک آزادنہ رسائی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اگرچہ رائل افریقن کمپنی نے اسی انداز میں جواب دیا، لیکن یہ ان درخواستوں کی تعداد یا دائرے کا مقابلہ کرنے کی توقع نہیں کر سکتی تھی جو اس کی موت کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ مداخلت کار گھس بیٹھے اپنی مخالفت کو مرتب کرنے میں،

MashalBooks.org

نہ صرف محدود ذاتی مفاد کے مفہوم میں، بلکہ قومی مفاد کے مفہوم میں کامیاب ہو گئے، جو کہ درحقیقت ایسا تھا بھی۔ نتیجے کے طور پر 135 درخواستوں میں صرف پانچ پر خود مداخلت کاروں کی طرف سے دستخط کئے گئے، اور مداخلت کاروں کی 73 درخواستیں لندن کے باہر کے صوبوں سے آئیں، ان آٹھ کے مقابلے میں جو کہ کمپنی کے حق میں آئیں۔ نوآبادیات میں سے، جہاں بھی درخواست گزاری کی اجازت تھی، مداخلت کاروں نے 27 درخواستیں جمع کیں، کمپنی نے 11۔ مداخلت کاروں نے اپنی درخواستوں کے لئے زیادہ کہیں زیادہ دستخط اکٹھے کئے، کل آٹھ ہزار بمقابلہ 2500 بحق کمپنی۔ یہ مقابلہ 1698 تک جاری رہا، جب رائل افریقن کمپنی ختم ہوگئی۔

1688 کے بعد، معاشی اداروں کے تعین اور نئے ردعمل کے لئے اس نئے نکتہ کے بعد، پارلیمان کے ارکان نے، حکومتی پالیسی اور معاشی اداروں میں بنیادی تبدیلیوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا، جو آخر کار صنعتی انقلاب کے لئے راستہ ہموار کرنے والا تھا۔ حقوق ملکیت جو سٹورٹوں کے ماتحت کم کر دیئے گئے تھے، مضبوط ہو گئے۔ پارلیمان نے معاشی اداروں میں صنعتکاری میں بجائے اس پر ٹیکس عائد کرنے اور رکاوٹ ڈالنے کے، اس کو پروان چڑھانے کے لئے معاشی اداروں میں اصلاح کا عمل شروع کیا۔ ''چولھا ٹیکس''۔ جو کہ ہر چولھے یا سٹوو پر لگنے والا ایک سالانہ ٹیکس تھا، جو کہ صنعتکاروں پر بہت بھاری محسوس ہوتا تھا۔ جو اس کے سختی سے خلاف تھے۔ ولیم اور میری کے تخت نشین ہونے کے جلد ہی بعد 1689 میں ختم کر دیا گیا، بجائے چولھوں پر ٹیکس لگانے کے، پارلیمان نے زمین پر ٹیکس لگانے کی طرف رخ کر لیا۔

ٹیکس کے بوجھ کی دوبارہ تقسیم ہی صرف واحد صنعت گری کی حامی پالیسی نہیں تھی جس کی پارلیمنٹ نے حمایت کی۔ اونی کپڑوں کی مارکیٹ اور نفع بخشی کو توسیع دینے والے ضوابط وقوانین کا پورا ایک سلسلہ منظور کیا گیا۔ اس سب کے اندر ایک سیاسی مفہوم تھا، کیونکہ بہت سے ارکان پارلیمان جنہوں نے جیمز کی مخالفت کی تھی ان نوزائندہ کاروباروں میں بھاری سرمایہ کاری کر رکھی تھی۔ پارلیمان نے ایسی قانون سازی بھی کی، جس نے زمین میں حقوق ملکیت کی مکمل تنظیم نو کی گنجائش پیدا کی، جس نے حقوق ملکیت وحقوق استعمال کی بہت سی قدیم شکلوں کے استحکام اور اختتام کی اجازت دی۔

پارلیمان کی ایک اور ترجیح مالیات کی اصلاح تھی۔ اگر چہ شاندار انقلاب کی طرف لے

MashalBooks.org

جانے والے دور میں بینکاری اور مالیات میں ایک توسیع ہوئی، لیکن اس عمل کو 1694 میں بینک آف انگلینڈ کی تخلیق سے صنعت کے لئے مال کی خاطر مزید پختہ کیا گیا۔ یہ شاندار انقلاب کا ایک اور براہ راست نتیجہ تھا۔ بینک آف انگلینڈ کی بنیاد نے ایک بہت زیادہ وسیع ''مالی انقلاب'' کی راہ ہموار کی، جو مالیاتی مارکیٹوں اور بینکاری کی عظیم توسیع پر منتج ہوا۔ اوائل اٹھارویں صدی تک قرض ہر اس شخص کو مہیا ہو سکتے تھے جو ضروری ضمانت مہیا کر سکتا تھا۔ لندن میں ایک نسبتاً چھوٹے بینک سی ہوری اینڈ کمپنی (C. Horae & Co.) کے ریکارڈ سے جو 1702 سے 1742 تک کے عرصے تک محفوظ بچ گیا ہے، اس نکتے کی وضاحت کرتا ہے۔ اگر چہ یہ بینک اشراف اور نوابوں کو قرض دیتا تھا، لیکن ہوری سے سب سے بڑے قرضہ حاصل کرنے والے افراد کی پوری دو تہائی تعداد مراعات یافتہ سماجی طبقات میں سے نہیں تھی۔ اسکی بجائے وہ کاروباری لوگ اور تاجر تھے، جن میں ایک جان سمتھ (John Smith) بھی تھا، جو کہ مورث اعلیٰ کا نام رکھنے والا ایک عام انگریز تھا، جس نے، 1715 اور 1719 کے درمیان بینک سے 2600 پاؤنڈ کا قرضہ لیا تھا۔

اب تک ہم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ شاندار انقلاب نے کس طرح انگریزی سیاسی اداروں کو تبدیل کیا، انہیں زیادہ تکثیری بنا کر، اور اشتمالی معاشی اداروں کی بنیادیں رکھیں، اداروں میں ایک اور اہم تبدیلی ایسی ہے، جس نے شاندار انقلاب سے جنم لیا، پارلیمان نے سیاسی مرکز گیری کے اس عمل کو جاری رکھا، جس کی ابتدا ٹیوڈروں نے کی تھی صرف ایسا نہیں تھا کہ پابندیاں بڑھ گئیں، یا یہ کہ ریاست نے معیشت کو ایک مختلف طریقے سے منضبط کیا، یا انگریزی ریاست نے رقم مختلف چیزوں پر خرچ کی، بلکہ یہ بھی تھا کہ ریاست کی اہلیت اور صلاحیت میں تمام سمتوں میں اضافہ ہوا۔ یہ چیز پھر سیاسی مرکزیت اور تکثریت کے درمیان تعلقات کی وضاحت کرتی ہے؛ پارلیمان نے 1688 سے پہلے ریاست کو زیادہ موثر اور بہتر وسائل کی حامل بنانے کی مخالفت کی، کیونکہ یہ اس پر کنٹرول نہیں کر سکتی تھی۔ 1688 کے بعد یہ مختلف کہانی تھی۔

ریاست نے پھیلنا شروع کر دیا، اس طرح کہ اس کے اخراجات جلد ہی قومی آمدنی کے 10 فیصد تک پہنچ گئے۔ اس چیز کو ٹیکس کی بنیاد کی توسیع سے سہارا ملا، خاص طور پر ایکسائز ٹیکس کے حوالے سے، جو ملک کے اندر پیدا ہونے والی اشیا کی ایک طویل فہرست کی پیداوار پر لگایا گیا، یہ اس وقت کے لئے بہت بڑا ریاستی بجٹ تھا، اور درحقیقت اس سے بھی بڑا ہے جو ہم آج دنیا کے

بہت سے حصوں میں دیکھتے ہیں، مثال کے طور پر کولمبیا کا ریاستی بجٹ اس اضافی حجم تک صرف 1980 کی دہائی میں پہنچا۔ زیریں صحارائی افریقہ کے بہت سے حصوں میں۔ مثال کے طور پر سیرالیون میں۔ آج بھی ریاستی بجٹ اس کی معیشت کے لحاظ سے کہیں چھوٹا ہوگا، بغیر غیر ملکی امداد کے ملک کے اندر بہاؤ کے۔

لیکن ریاست کے حجم کا پھیلاؤ، صرف سیاسی مرکز گیری کے عمل کا حصہ ہے۔ لیکن اس سے زیادہ اہم ریاست کے کام کرنے کا معیاری طریقہ تھا، اور ان لوگوں کا طرز عمل تھا جو اسے کنٹرول کرتے اور اس میں کام کرتے تھے۔ انگلستان میں ریاستی اداروں کی تعمیر واپس قرون وسطیٰ میں پہنچ گئی، لیکن جیسا کہ ہم نے دیکھا سیاسی مرکز گیری اور جدید نظم و نسق کے ارتقا کی طرف اقدامات فیصلہ کن انداز سے ہنری ہفتم اور ہنری ہشتم کی طرف سے اٹھائے گئے۔ لیکن ریاست ابھی تک جدید شکل سے بہت دور تھی جو 1688 کے بعد ظہور پذیر ہوئی۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگوں کا تقرر سیاسی بنیادوں پر کیا جاتا تھا، تا کہ اہلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر اور ریاست کے کے پاس ابھی تک ٹیکس عائد کرنے کی بہت محدود صلاحیت تھی۔

1688 کے بعد پارلیمان نے ٹیکسوں کے ذریعے محصولات جمع کرنے کی صلاحیت کو بہتر بنانے کی کوشش کی، جو کہ ایک ایسی پیشرفت ہے جس کی وضاحت ایکسائز ٹیکس کی نوکر شاہی سے ہوتی ہے، جو 1690 میں 1،211 لوگوں سے بڑھ کر 1780 اور 4,800 ہوگئی۔ ایکسائز ٹیکس انسپکٹر پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے، جن کی نگرانی کلیکٹر کرتے تھے، جو ایکسائز ٹیکس کے تابع روٹی، بیئر اور دوسری اشیا کی مقداروں کو ناپنے اور ان کی پڑتال کرنے کے لئے معائنے کے سفروں میں مصروف رہتے تھے۔

اس عمل کی وضاحت، سپروائزر جارج کاورتھویٹ (George Cowper Thwite) کے ایکسائز دوروں کے اعادے سے ہوتی ہے جو مورخ جان بریور (John Brewer) نے کیا ہے۔ 12 جون اور 5 جولائی 1710 کے درمیان سپروائزر کاورتھویٹ نے، یارک شائر کے ضلع رچمنڈ میں 290 میل سفر کیا۔ اسی دوران میں اس نے 263 ماکولات فروشوں، 71 سقیر سازوں، 20 پنساریوں، اور ایک عام شراب ساز کا معائنہ کیا۔ بطور کل، اس نے اشیا کی 81 مختلف پیمائشیں لیں اور 9 مختلف ایکسائز کے لوگوں کی پڑتال کی جو اس کام کے لئے کرتے تھے۔ آٹھ سال بعد بھی

ہم اسے اتنی ہی سخت محنت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، لیکن اس دفعہ ضلع ویک فیلڈ میں، جو کہ یارک شائر کا ایک مختلف حصہ ہے۔ ویک فیلڈ میں اس نے اوسطاً روزانہ انیس میل سے زیادہ سفر کیا اور ہفتے میں چھ دن کام کیا، معمول کے مطابق چار یا پانچ جگہوں کا معائنہ کرتے ہوئے۔ اپنی چھٹی کے دن، اتوار کو وہ اپنی کتب تیار کرتا تھا ہمارے پاس اس کی سرگرمیوں کا مکمل ریکارڈ موجود ہے۔ بلاشبہ ایکسائز ٹیکس کے نظام میں بہت مفصل ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ افسر تین مختلف قسم کے ریکارڈ رکھتے تھے، جن میں سے سب کا ایک دوسرے سے موازنہ کیا جاتا تھا، اور ان ریکارڈوں میں کسی قسم کی تحریف کرنا ایک بہت سنگین جرم تھا۔ معاشرے کی ریاستی نگرانی کا یہ نمایاں معیار، اس سے بڑھ کر ہے، جسے آج کل کے زیادہ تر غریب ممالک حاصل کر سکتے ہیں، اور یہ چیز 1710 میں تھی، علاوہ ازیں اہم بات یہ ہے کہ تقرریوں پر کم انحصار کرنا شروع کر دیا، اور ملک کو چلانے کے لئے ایک مضبوط بنیادی ڈھانچہ تعمیر کر لیا۔

صنعتی انقلاب

صنعتی انقلاب کی عکاسی انگریزی معیشت کے ہر میدان میں ہوتی تھی۔ نقل و حمل کے ذرائع، دھات سازی اور بھاپ کی طاقت میں بڑی بڑی ترقیاں ہوئیں۔ لیکن جدت طرازی کا اہم ترین شعبہ، پارچہ بانی کی مشینی پیداوار اور ان تیار شدہ پارچہ جات کے کارخانوں کی تعمیر کا شعبہ تھا، یہ حرکیاتی تبدیلی، اداراتی تبدیلیوں کی کوکھ سے پیدا ہوئی، جنہوں نے شاندار انقلاب سے جنم لیا، یہ انقلاب محض ملکی اجارہ داریوں کے خاتمے سے متعلق نہیں تھا، جو 1640 میں ہی حاصل کر لیا گیا تھا، یا مختلف ٹیکسوں یا مالیات تک رسائی سے متعلق نہیں تھا۔ یہ موجدوں اور کاروباری لوگوں کے حق میں معاشی اداروں کی بنیادی تنظیم نو سے متعلق تھا، جو زیادہ محفوظ اور موثر حقوق ملکیت کے ظہور پر مبنی تھی۔

حقوق ملکیت کے تحفظ اور موثرین میں بہتریوں نے، مثال کے طور پر ''نقل و حمل کے انقلاب'' میں ایک مرکزی کردار ادا کیا، جس نے صنعتی انقلاب کا راستہ ہموار کیا۔ نہروں اور سڑکوں پر کی جانے والی سرمایہ کاری، نام نہاد سڑک کا گزرانہ، 1688 کے بعد بہت زیادہ بڑھ گیا۔ ان سرمایہ کاریوں نے، نقل و حمل کے خرچ کو کم کرتے ہوئے، صنعتی انقلاب کے لئے ایک اہم مطلوبہ شرط پیدا کرنے میں مدد کی۔ 1688 سے پہلے اس قسم کے بنیادی ڈھانچوں میں سرمایہ کاری

MashalBooks.org

سٹورٹ بادشاہوں کے جابرانہ قوانین کے ذریعے روک لی گئی تھی۔ اس صورت حال میں 1688 کے بعد ہونے والی تبدیلی وورسیسٹر شائر، انگلستان میں دریائے سالورپ کے معاملے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ 1662 میں پارلیمان نے دریائے سالورپ کو قابل جہاز رانی بنانے کے لئے سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے ایک قانون بنایا، اور بالڈون خاندان نے اس مقصد کے لئے 6,000 پاونڈ کی سرمایہ کاری کی۔ اس کے صلے میں انہوں نے دریا پر جہاز رانی کے لئے لوگوں سے معاوضہ لینے کا حق حاصل کر لیا۔ 1693 میں، جہاز رانی کے لئے معاوضہ وصول کرنے کے حقوق کو ارل آف شریو بیری Earl of Shrewbury اور لارڈ کووینٹری (Lord Coventry) کو منتقل کرنے کے لئے، پارلیمان میں ایک بل متعارف کروایا گیا۔ اس قانون کو سرٹموتھی بالڈون (Sir Timothy Baldwin) کی طرف سے چیلنج کر دیا گیا، جس نے فوری طور پر پارلیمان میں ایک درخواست دائر کر دی جس میں یہ دعویٰ کیا کہ مجوزہ بل لازمی طور پر اس کے والد کا استحصال ہے، جس نے پہلے ہی دریا پر بہت زیادہ سرمایہ کاری کی تھی، ان واجبات کی پیش بینی کے طور پر جو بعد میں وہ وصول کر سکے گا، بالڈون نے یہ استدلال کیا کہ ''یہ نیا قانون، مذکورہ قانون کو کالعدم کرنے کا رجحان رکھتا ہے، اور ان تمام کاموں اور مواد کو چھیننے کا، جو اس کی پیروی میں کئے گئے''۔ حقوق کی دوبارہ تقسیم جیسا کہ یہ تھی، ٹھیک اس طرح کی چیز تھی جو سٹورٹ بادشاہ کیا کرتے تھے۔ بالڈون نے تحریر کیا ''کسی بھی شخص کے کسی ایسے حق کو جو پارلیمنٹ کے ایک قانون کے تحت خریدا گیا ہو، بغیر ان کی اجازت کے چھیننا خطرناک نتائج کا حامل ہے۔'' نتیجے کے طور پر نیا قانون ناکام ہو گیا اور بالڈون کے حقوق بحال ہو گئے۔ حقوق ملکیت 1688 کے بعد جزوی طور پر اس وجہ سے زیادہ محفوظ تھے کہ ان کا تحفظ کرنا پارلیمان کے مفادات کے ساتھ ہم آہنگ تھا، اور جزوی طور پر اس وجہ سے کہ تکثیری اداروں کو درخواست گزاری سے متاثر کیا جا سکتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ 1688 کے بعد سیاسی نظام معنی خیز طور پر زیادہ تکثیری ہو گیا اور اس نے انگلستان کے اندر نسبتاً ہموار میدان عمل پیدا کر دیا۔

نقل وحمل کے انقلاب، اور زیادہ عمومی طور پر زمین کی اس تنظیم نو جو اٹھارویں صدی میں واقع ہوئی، کہ تہہ میں وہ پارلیمانی قوانین تھے جنہوں نے حقوق ملکیت کی نوعیت کو بدل دیا تھا۔ 1688 تک تو یہاں تک کہ ایک قانونی افسانہ تھا کہ انگلستان میں تمام زمین تاج کی ملکیت ہے، جو

کہ معاشرے کی جاگیردارانہ تنظیم براہ راست ورثہ تھا۔ زمین کے بہت سے ٹکڑے حقوق ملکیت کی بہت سی قدیم شکلوں اور بہت سے ایک دوسرے کے خلاف دعووں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ بہت سی زمین نام نہاد منصفانہ جائیدادوں کی صورت میں موجود تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ مالک زمین، اس کو نہ رہن رکھ سکتا تھا، نہ پٹے پر دے سکتا تھا اور نہ ہی بیچ سکتا تھا۔ عام زمین اکثر اوقات صرف روایتی استعمالات کے لئے برتی جا سکتی تھی۔ زمین کو ایسے طریقوں پر استعمال کرنے میں، جو معاشی طور پر پسندیدہ ہو، بہت زیادہ رکاوٹیں تھیں، پارلیمان نے اسے تبدیل کرنا شروع کیا، لوگوں کے گروپوں کو یہ اجازت دی کہ وہ پارلیمان کو درخواست دیں کہ وہ حقوق ملکیت کو آسان بنائے اور ان کی تنظیم نو کرے۔ جو کہ ایسی تبدیلیاں تھیں جو بعد میں پارلیمان کے سینکڑوں قوانین کی شکل میں منضبط ہوئیں۔

معاشی اداروں کی تنظیم نو کا اظہار پارچہ بانی کی ملکی پیداوار کو غیر ملکی درآمدات کے مقابلے میں تحفظ دینے کے لئے ایک ایجنڈے کا ظہور بھی تھا۔ اس بات میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ممبران پارلیمان اور ان کے حلقوں کے لوگ ہر قسم کی داخلے کی پابندیوں اور اجارہ داریوں کے خلاف نہیں تھے۔ بلکہ وہ چیزیں جو ان کی اپنی مارکیٹ اور منافع جات کو بڑھائیں ان کو خوش آمدید کہا جاتا۔ بہرحال، تکثیری سیاسی اداروں کا بنیادی طور پر مطلب۔ یہ حقیقت کہ پارلیمان معاشرے کے وسیع طبقے کی نمائندگی کرتی تھی، انہیں، با اختیار بناتی تھی۔ اور انہیں سنتی تھی۔ یہ تھا کہ داخلے کی یہ پابندیاں دوسرے صنعتکاروں کے داخلے کو نہیں روکیں گی، یا نئے آنے والوں کو مکمل طور پر خارج نہیں کریں گی، جیسا کہ سیریٹا نے وینس میں کیا تھا۔ اون کے طاقتور صنعتکاروں نے جلد ہی یہ معلوم کر لیا۔

1688 میں انگلستان کی کچھ انتہائی اہم کپڑے کی مصنوعات، لٹھا اور سوتی ململ ہندوستان سے درآمد ہوتی تھیں،؛ جو تمام کپڑے برآمدات کا تقریباً ایک چوتھائی پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ چین سے آنے والے ریشمی ملبوسات بھی تھے۔ لٹھا اور ریشم ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے درآمد کیا جاتا تھا۔ جو 1688 سے پہلے ایشیا کے ساتھ حکومت کی منظور شدہ اجارہ داری رکھتی تھی۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری اور سیاسی طاقت، جیمز دوم کو بھاری رشوتیں دے کے قائم رکھی گئی تھیں۔ 1688 کے بعد کمپنی ایک ضرر پذیر حیثیت میں آ گئی اور جلد ہی حملے کی زد میں آ گئی۔ اس نے ان

MashalBooks.org

تاجروں کے ساتھ درخواستوں کی جنگ کی ایک شدید شکل اختیار کرلی، جو مشرق بعید میں تجارت کرنے کی امید رکھتے تھے۔اور پارلیمان سے یہ مطالبہ کررہے تھے کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے مقابلے کی اجازت دے، جبکہ کمپنی نے جوابی درخواستوں اور پارلیمان کو رقم مستعار دینے کی پیشکشوں سے جواب دیا۔کمپنی ہارگئی، اوراس کے ساتھ مقابلے کرنے کے لئے نئی کمپنی کی بنیاد رکھی گئی۔لیکن پارچہ جات کے پیداکار، محض تجارت میں ہندوستان سے زیادہ مقابلہ نہیں چاہتے تھے۔وہ چاہتے تھے کہ ہندوستانی سستے کپڑوں (لٹھا) کی برآمدات پرٹیکس لگایا جائے یا اس پر پابندی لگائی جائے۔ان پیداکاروں کو ان سستی ہندوستانی برآمدات سے شدید مقابلے کا سامنا تھا۔اس موقع پر اہم ترین ملکی صنعتکاروں نے اونی پارچہ جات پیدا کئے، لیکن سوتی کپڑے کے پیداکار معاشی طور پر زیادہ اہم اور سیاسی طور پر زیادہ مضبوط ہورہے تھے۔

اون کی صنعت نے اپنے آپ کو بچانے کی کوششوں کو اتنا عرصہ پہلے بڑھانا شروع کردیا تھا جتنا کہ 1660 کی دہائی۔اس نے ''اخراجات کم کرنے کے قوانین'' کو پروان چڑھایا، جنہوں نے باقی چیزوں کے ساتھ ساتھ ہلکے کپڑوں کے پہننے کو ممنوع قرار دے دیا۔اس نے پارلیمان پر اثر ڈالنے کی بھی کوشش کی 1660 اور 1678 میں ایسا قانون منظور کرنے کے لئے اثر ڈالنے کی کوشش کی، جو کسی شخص کے لئے اونی کفن کے سوا کسی اور کپڑے کے کفن میں دفن ہونے کو غیرضروری قرار دے۔دونوں اقدامات نے اونی اشیا کی مارکیٹ کو تحفظ دیا اور اس مقابلے کو کم کردیا جس کا انگریز صنعتکاروں کو ایشیا سے سامنا تھا، تاہم اس عرصے کے دوران ایسٹ انڈیا کمپنی ایشیائی کپڑوں کی برآمدات روکنے کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ثابت ہوئی۔یہ لہر 1688 کے بعد تبدیل ہوگئی۔ 1696 اور 1698 کے درمیان، ایسٹ اینگلیا اور ملک کے مغرب سے، اونی صنعتکاروں نے، برآمدات کو روکنے کے لئے، لندن اور کینٹربری کے ریشمی پارچہ بافوں اور لیوانٹ کمپنی کے ساتھ اتحاد کرلیا۔لیوانٹ کے ریشم کے برآمدکنندگان اگرچہ حال ہی میں انہوں نے اپنی اجارہ داری کھوئی تھی، سلطنت عثمانیہ سے آنے والے ریشم کیلئے ایک گوشہ پیدا کرنے کیلئے ایشیائی ریشم کو خارج کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔اس اتحاد نے، ایشیائی کپاس اور ریشم پہننے پر پابندی عائد کرنے، اور ساتھ ہی ساتھ انگلستان میں ایشیائی کپڑوں کے رنگ کرنے اور چھپائی کرنے پر پابندی عائد کرنے کے لئے، پارلیمان میں بل پیش کرنے شروع کردیئے۔اس کے جواب میں

1701 میں پارلیمان نے آخرکار ''اس سلطنت کے صنعتکاروں کو حوصلہ افزائی کر کے، غریبوں کو زیادہ موثر انداز سے ملازمتیں دینے کیلئے ایک قانون'' منظور کیا۔ستمبر 1701 سے اس نے یہ حکم جاری کیا: ''تمام کام والے ریشمی کپڑے، سوت سے بنے ہوئے کپڑے، جو ہربا کے ریشم کے ساتھ مخلوط ہوں'' جو ایران، چین یا مشرقی ہندوستان کے بنے ہوئے ہوں، تمام لٹھے جو وہاں مصور رنگ، یا چھپائی کئے گئے ہوں، جو اس سلطنت میں درآمد کئے جاتے ہیں یا کئے جائیں گے، نہیں پہنے جائیں گے۔''

اب انگلستان میں ایشیائی ریشم اور لٹھے پہننا غیرقانونی تھا۔لیکن اب بھی انہیں یورپ یا کسی اور جگہ پر خاص طور پر امریکی نوآبادیات میں، دوبارہ برآمد کرنے کیلئے درآمد کیا جانا ممکن تھا۔مزید برآں صاف لٹھا درآمد کیا جاسکتا تھا اور اس کی چمک دمک انگلستان میں کی جاسکتی تھی، اور ململ پابندی سے مستثنٰی تھی۔بڑی جدوجہد کے بعد، یہ رخنے، جیسا کہ اونی کپڑوں کے صنعتکار انہیں دیکھتے تھے، 1721 کے کیلیکو ایکٹ سے بند کردیئے گئے: ''25 دسمبر 1722 کے بعد، کسی شخص اشخاص جو کوئی بھی وہ برطانیہ عظمٰی میں کسی لباس، پوشاک یا کسی چیز میں، کوئی چھپا ہوا، مصور کیا ہوا، دھبہ کاری کیا ہوا، یا رنگا ہوا لٹھا استعمال کرنا یا پہننا غیرقانونی ہوگا'' اگرچہ اس قانون نے انگریزی اونی کپڑوں کا ایشیا سے مقابلہ ختم کردیا، لیکن ابھی تک ملکی فعال سوتی کپڑے اور لینن کی صنعت کا اونی کپڑوں کے ساتھ مقابلہ باقی تھا۔سوت اور لینن کو ملاکر ایک مقبول عام کپڑا بنایا گیا جسے دوسوتی کہا جاتا ہے ایشیائی مقابلے کو خارج کردینے کے بعد، اب اونی صنعت نے لینن کو دبانا شروع کردیا۔ لینن بنیادی طور پر سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ میں بنایا جاتا تھا، جنہوں نے انگریز اتحاد کو، ان ممالک کو انگریزی منڈیوں سے خارج کرنے کا مطالبہ کرنے کے لئے کچھ گنجائش مہیا کردی۔تاہم اون کے صنعتکاروں کے اختیارات کے لئے کچھ حدود تھیں۔ان کی نئی کوششوں کو مانچسٹر، لینکاسٹر، اور لیورپول کے پنپتے ہوئے صنعتی مراکز کے دوسوتی کے پیداکاروں کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔تکثیری سیاسی اداروں کا مطلب یہ تھا کہ اب ان تمام مختلف گروپوں کی رائے دہندگی کے ذریعے پارلیمان میں پالیسی کے عمل تک رسائی تھی اور زیادہ اہم درخواست گزاری کے ذریعے۔اگرچہ درخواستیں دونوں اطراف کے قلموں سے دھڑا دھڑ نکلنے لگیں، جنہوں نے حق میں اور خلاف دستخطوں کے انبار لگا دیئے لیکن اس کشمکش کا نتیجہ، اونی صنعت کے خلاف نئی

MashalBooks.org

دلچسپیوں کے حق میں نکلا، 1736 کے مانچسٹر ایکٹ نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ''لینن کے ریشے اور کچی کپاس سے بننے والی اشیا کی بہت زیادہ مقداریں، گزشتہ کئی سالوں سے سلطنت برطانیہ عظمیٰ میں پیدا کی جاتی، چھپائی کی جاتی اور مصور کی جاتی رہی ہیں۔'' بعد میں اس نے اس بات پر زور دیا کہ ''بیان کردہ قانون [1721 کے ایکٹ] میں کوئی بھی چیز، کسی بھی طرح خواہ اسے طول دیا جائے یا اس سے استنباط کیا جائے، کسی بھی چیز کے، جو کسی قسم کے مواد، مثلاً لینن کے ریشے یا کچی روئی سے، کسی بھی طرح کے رنگوں میں، برطانیہ عظمیٰ کی سلطنت کے اندر تیار کی گئی، یا اس پر چھپائی کی گئی، یا اس پر مصوری کی گئی، بطور پوشاک پہننے، یا گھریلو اشیا، فرنیچر میں یا کسی اور طرح سے استعمال کرنے کی ممانعت نہیں کرے گی۔''

مانچسٹر ایکٹ نوخیز سوتی کپڑے کے صنعتکاروں کے لئے اہم فتح تھی۔ لیکن اس کی تاریخی اور معاشی اہمیت درحقیقت بہت زیادہ تھی۔ اول اس نے داخلے کی ان پابندیوں کا عملی اظہار کر دیا، جن کی اجازت پارلیمانی انگلستان کے تکثیری سیاسی ادارے دیں گے۔ دوم، اگلی نصف صدی کے دوران سوتی کپڑے کی تیاری میں ٹیکنولوجیاتی جدت طرازیاں صنعتی انقلاب میں مرکزی کردار ادا کریں گی، اور کارخانے کا نظام متعارف کروا کر معاشرے کو بنیادی طور پر تبدیل کر دیں گی۔

1688 کے بعد، اگرچہ ملکی طور پر ایک ہموار میدان عمل ابھر آیا، لیکن بین الاقوامی طور پر پارلیمان نے سے ایک طرف جھکانے کی کوشش کی۔ یہ چیز نہ صرف کیلیکو ایکٹ سے، بلکہ نیویگیشن ایکٹوں سے بھی واضح تھی، جن میں پہلا ایکٹ 1651 میں منظور ہوا، اور یہ باری باری سے گلے دوسو سال تک لاگو رہے۔ ان قوانین کا مقصد بین الاقوامی تجارت پر انگلستان کی اجارہ داری میں سہولت پیدا کرنا تھا۔ اگرچہ حقیقتاً! یہ اجارہ داری ریاست کی طرف سے نہیں بلکہ نجی شعبے کی طرف سے تھی۔ بنیادی اصول یہ تھا کہ انگریزی تجارت انگریزی جہازوں کے ذریعے کی جائے۔ ان قوانین نے اس بات کو غیر قانونی بنا دیا کہ غیر ملکی جہاز یورپ کے باہر سے اشیا کو انگلستان یا اس کی نوآبادیات میں منتقل کریں، اور اسی طرح کسی تیسرے فریق کے ممالک کے جہازوں کے لئے یہ غیر قانونی تھا کہ یورپ کے کسی اور ملک سے انگلستان سامان جہازوں پر لائیں۔ انگریزی تاجروں اور صنعتکاروں کے لئے اس ترجیح نے فطری طور پر ان کے منافع جات میں اضافہ کر دیا اور ان نئ اور انتہائی منافع بخش سرگرمیوں میں جدت کاری کی مزید حوصلہ افزائی کی ہوگی۔

1760 تک ان تمام عوامل کا مجموعہ۔ ترمیم شدہ اور نئے حقوق ملکیت، ترمیم شدہ بنیادی ڈھانچہ، ایک تبدیل شدہ مالی نظام، مالیات تک زیادہ رسائی، اور تاجروں اور صنعتکاروں کا جارحانہ تحفظ۔ اپنا اثر دکھانا شروع کر رہا تھا۔ اس تاریخ کے بعد اجازت یافتہ ایجادات کی تعداد میں ایک زقند پیدا ہوئی، اور ٹیکنولوجیاتی تبدیلی کا زبردست ابھار، جو صنعتی انقلاب کی بنیاد بنتا تھا، واضح ہونا شروع ہو گیا۔ جدت کاریاں بہت سے محاذوں پر شروع ہو گئیں، ایک اہم شعبہ توانائی کا تھا، زیادہ مشہور انداز سے بھاپ کے انجن کے استعمال میں تبدیلیاں تھیں جو 1760 کی دہائی میں جیمز واٹ کے تصورات کا نتیجہ تھیں۔

واٹ کی ابتدائی انقلابی تبدیلی، بھاپ کے لئے ایک علیحدہ انجمادی خلا تھی، تاکہ سلنڈر جس میں پسٹن کو سمویا ہوا ہوتا تھا، مسلسل گرم رکھا جا سکے، بجائے اس کے کہ اسے بار بار گرم اور ٹھنڈا کیا جائے۔ بعد میں اس نے بہت سے دوسرے نئے خیالات پیش کئے، بشمول بھاپ کے انجن کی حرکت کو مفید طاقت میں تبدیل کرنے کے بہت زیادہ موثر طریقوں کے، قابل ذکر طور پر اس کے ''سورج اور چاند'' گیئر کے نظام کے۔ ان تمام شعبوں میں ٹیکنولوجیاتی جدت کاریاں، دوسروں کی طرف سے پہلے سے کئے ہوئے کام کی بنیاد پر تعمیر کی گئیں۔ بھاپ کے انجن کے حوالے سے اس میں انگریز موجد تھامس نیوکومین (Thomas Newcomen) کا ابتدائی کام شامل تھا، اور ڈایونیسیس پاپن (Dionysius Papin) کا بھی جو کہ ایک فرانسیسی ماہر طبیعیات اور موجد تھا۔

پپین کی ایجاد کی کہانی، اس بات کی ایک اور مثال ہے، کہ کس طرح استحصالی اداروں کے تحت، تخلیقی تباہی کے خطرے نے ٹیکنولوجیاتی تبدیلی کی راہیں بند کیں۔ پپین نے 1679 میں (Steam digester) کا ایک خاکہ تیار کیا اور 1690 میں اس نے اسے ایک پسٹن انجن میں توسیع دے دی، 1705 میں اس نے اس ابتدائی انجن کو دنیا کی پہلی دُخانی کشتی بنانے کے لئے استعمال کیا۔ اس وقت کے پپین ماربرگ (Marburg) کی یونیورسٹی میں ریاضی کا پروفیسر تھا، جرمنی کی ریاست کاسل میں، اس نے کشتی کو بھاپ کے ذریعے دریائے فلڈا سے دریائے ویسر تک چلانے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح کا سفر کرنے والی کسی بھی کشتی کو منڈن (Munden) کے شہر پر رکنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اس وقت دریائے فلڈا اور ویسر پر دریائی آمدورفت پر کشتی بانوں کی ایک انجمن کی اجارہ داری تھی۔ پپین کو سمجھنا چاہیئے تھا کہ وہاں مشکل پیش آ سکتی ہے۔ اس کے دوست اور رہنما، مشہور

MashalBooks.org

جرمن ماہر طبیعیات گوٹ فرائیڈ لائینز (Gottfried Leibniz) نے کاسل کے الیکٹر (شاہی خاندان کے فرد) جو کہ سربراہ ریاست تھا، کو لکھا، جس میں درخواست کی کہ پیپن کو ''۔۔بغیر نقصان پہنچائے۔۔۔کاسل سے گزرنے'' کی اجازت دی جائے۔ لیکن لائینز کی درخواست رد کر دی گئی، اور اس نے یہ تیکھا جواب موصول کیا؛ ''الیکٹورل کونسلروں نے مذکورہ درخواست کو منظور کرنے میں شدید مشکلات پائی ہیں، اور اپنے وجوہات بتائے بغیر، مجھے یہ ہدایت کی ہے کہ میں آپ کو ان کے فیصلے سے آگاہ کروں، اور یہ کہ نتیجہ یہ درخواست عزت مآب الیکٹر کی طرف سے منظور نہیں کی گئی۔'' بغیر رکے، پیپن نے بہر حال یہ سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب اس کی کشتی منڈن پہنچی، تو کشتی بانوں کی انجمن نے، پہلے کشتی کو ضبط کرنے کے لئے ایک مقامی جج تک پہنچنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہی۔ پھر کشتی بان پیپن کی کشتی پر پل پڑے اور کشتی اور دخانی انجن کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پیپن ایک مفلس آدمی کے طور مرا اور بغیر نشان کی قبر میں دفن ہو گیا۔ ٹیوڈر یا سٹورٹ انگلستان میں، پیپن کو ایسا ہی مخالفانہ سلوک ملا ہوتا، لیکن 1688 کے بعد یہ سب کچھ تبدیل ہو گیا۔ بلاشبہ پیپن اپنی کشتی کے تباہ ہونے سے پہلے اسے لندن تک چلانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

دھاتی علم کے سلسلے میں، بنیادی خدمات 1780 میں ہنری کورٹ کی طرف سے پیش کی گئیں، جس نے لوہے میں ناخالص اجزا کے ساتھ نمٹنے میں نئی ٹیکنولوجیاں متعارف کروائیں، اور اس طرح بہت بہتر صاف شدہ لوہے کو پیدا کرنے کی گنجائش پیدا کی۔ یہ چیز مشین کے پرزے بنانے، کیلیبن اوزار بنانے کے لئے انتہائی اہم تھی۔ کورٹ کی تکنیکوں کو استعمال کرتے ہوئے صاف شدہ لوہے کی بہت بڑی بڑی مقداریں پیدا کرنے میں، ابراہام ڈاربی (Abraham Darby) اور اس کے بیٹوں نے بہت سہولت بہم پہنچائی، جنہوں نے 1709 سے شروع کرتے ہوئے کوئلے کو لوہے کے پگھلانے کے لئے استعمال کرنے میں پہل کی۔ اس عمل کو 1762 میں، جان سمیٹن (John Smeaton) کی طرف سے، کوئلہ بنانے میں دھونکنی والے سلنڈروں کو چلانے کے لئے پانی کی طاقت کے ساتھ عمل توافق کرتے ہوئے، مزید بڑھایا گیا۔ اس کے بعد لوہے کی پیداوار میں چارکول کی جگہ کوئلے نے لے لی، جو کہ بہت سستا اور آسانی سے دستیاب تھا۔

اگر چہ جدت کاری ایک رفتہ رفتہ ہونے والا عمل ہے، لیکن اٹھارویں صدی کے وسط میں اس میں واضح سرعت پذیری نظر آئی۔ یہ چیز پارچہ جات کی پیداوار کے علاوہ کسی اور چیز میں زیادہ

نمایاں نہ تھی۔ پارچہ جات کی تیاری میں سب سے بنیادی عمل کاتنے کا ہے، جس میں پودوں یا جانوروں کے ریشوں جیسا کہ کپاس یا اون ہے، لے کر دھاگہ بنانے کی خاطر انہیں آپس میں بٹنا شامل ہے۔ اس دھاگے کو پھر کپڑے بنانے کے لئے بنا جاتا ہے۔ ازمنہ وسطیٰ کی عظیم ٹیکنولوجیاتی جدت کاریوں میں سے ایک چرخہ تھی، جس نے ہاتھ سے کاتنے کی جگہ لی۔ یہ ایجاد یورپ میں 1280 میں نمودار ہوئی، غالباً شرق اوسط سے پھیلتے ہوئے۔ کاتنے کے طریقے اٹھارویں صدی تک تبدیل نہ ہوئے۔ اہم جدت کاریاں 1738 میں شروع ہوئیں۔ جب لیوس پال (Lewis Paul) نے کاتنے کے ایک نئے طریقے کا اجازت نامہ حاصل کیا، جس میں کاتے جانے والے ریشوں کو باہر نکالنے کے لئے انسانی ہاتھوں کی جگہ رولر استعمال کئے۔ تاہم اس مشین نے اچھی طرح کام نہ کیا اور یہ رچرڈ آرک رائیٹ اور جیمز ہارگریوز کی ایجادات تھیں جنہوں نے حقیقی طور پر کاتنے میں انقلاب پیدا کیا۔

1769 میں، صنعتی انقلاب کی غالب شخصیات میں سے ایک، آرک رائیٹ نے، اپنے، ''پانی کے چوکھٹے'' کا اجازت نامہ حاصل کیا، جو لیوس کی مشین کی بہت بڑی ترمیم تھی۔ اس نے جیڈیڈیا سٹرٹ (Jedediah Strutt) اور سیموئیل نیڈ کے ساتھ ایک شراکت تشکیل دی، جو ہوزری کے صنعتکار تھے۔ 1771 میں انہوں نے کرام فورڈ میں دنیا کا پہلا کارخانہ تعمیر کیا۔ ان نئی مشینوں کو تو توانائی پانی سے ملتی تھی، لیکن بعد میں آرک رائیٹ نے بنیادی تبدیلی کر کے اسے بھاپ پر منتقل کر دیا، 1774 تک اس کی فرم نے چھ سو کارکنوں کو ملازم رکھا'' اور وہ بہت تیزی سے پھیلتا گیا، اور آخر کار اس نے مانچسٹر، میٹلاک، باتھ، اور نیو لینارک سکاٹ لینڈ میں کارخانے قائم کئے۔ آرک رائیٹ کی یا ایجادات کی تکمیل 1764 میں ہارگریوز کی ایجاد، کاتنے کی مشین (Spinning Jenny) سے کی گئی، جسے بعد میں سیموئیل کرامپٹن کی طرف سے 1779 میں ''میول'' کاتنے کی بڑی مشین کی شکل میں ترقی دے دی گئی، اور بعد میں رچرڈ رابرٹس کی طرف سے ''خود کار میول'' میں ترقی دے دی گئی۔ ان ایجادات کے اثرات حقیقتاً انقلابی تھے؛ اس صدی میں پہلے ایک سو پاونڈ کو کاتنے والوں کے ہاتھوں سے کاتنے میں 50,000 گھنٹے لگتے تھے۔ آرک رائیٹ کا پنی کا چوکھٹا اسے 300 گھنٹوں میں کر سکتا تھا اور خود کار میول 135 گھنٹوں میں۔

کاتنے کو مشینی بنانے کے ساتھ بنائی کو مشینی بنانا بھی شروع ہو گیا۔ ایک اہم پہلا قدم جان

MashalBooks.org

کے (John Kay) کے ہاتھوں 1733 میں تیز رفتار چرخی (Flying Shuttle) کی ایجاد تھی۔ اگرچہ ابتدائی طور پر اس نے صرف ہاتھ سے بننے والوں کی پیداواریت کو بڑھایا، لیکن اس کا دیرپا اثر مشینی بنائی کا راستہ ہموار کرنا تھا۔ تیز چرخی پر بنیاد رکھتے ہوئے ایڈمنڈ کارٹ رائیٹ (Edmund Cartwright) نے 1785 میں برقی کھڈی متعارف کروائی، جو کہ ایجادات کے ایک سلسلے کا پہلا قدم تھا، جو بنائی میں دستی مہارتوں کی جگہ مشینوں کی طرف رہنمائی کرنے والا تھا، جیسا کہ وہ کاتنے میں بھی کررہی تھیں۔

انگریز کپڑے کی صفت نہ صرف صنعتی انقلاب کے پیچھے قوت محرکہ تھی، بلکہ اس نے دنیا کی معیشت میں انقلاب پیدا کر دیا، سوتی کپڑوں سے شروع ہونے والی انگلستانی برآمدات 1780 اور 1800 کے درمیان دگنی ہوگئیں۔ اس شعبے میں یہی ترقی تھی جس نے پوری معیشت کو آگے کی طرف کھینچا۔ ٹیکنولوجیاتی اور تنظیمی جدت کاریوں کا یہ امتزاج معاشی ترقی کا وہ نمونہ مہیا کرتا ہے، جس نے دنیا کی ان معیشتوں کو تبدیل کیا جو امیر ہوگئیں۔

اس تبدیلی کے لئے نئے خیالات رکھنے والے نئے لوگ بہت اہم تھے۔ نقل وحمل میں جدت طرازی پر غور کریں۔ انگلستان میں ایسی جدت طرازیوں کی متعدد لہریں آئیں؛ پہلے نہریں پھر سڑکیں، اور آخر میں کار ریلوے۔ ان میں سے ہر لہر میں جدت طراز نئے لوگ تھے۔ انگلستان میں نہروں نے 1770 کے بعد ترقی کرنا شروع کی، اور 1810 تک انہوں نے صنعتی علاقوں کے انتہائی اہم مقامات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا تھا۔ جوں جوں صنعتی انقلاب کی تہیں کھلتی گئیں، توں توں نہروں نے، بھاری نئی مکمل شدہ صنعتی اشیا جیسا کہ سوتی پارچہ جات، اور ان کے اندر استعمال ہونے والا مواد، خاص طور پر روئی اور دخانی انجنوں میں بہت اہم کردار ادا کیا، نہریں بنانے میں ابتدائی موجود جیمز برنڈلے (James Brindley) جیسے لوگ تھے، جسے ڈیوک آف برج واٹر (Duke of Bridge Water) نے برج واٹر نہر بنانے کے لئے ملازم رکھا، جس نے اختتام کار بنیادی صنعتی شہر مانچسٹر کو لیورپول کی بندرگاہ کے ساتھ ملایا۔ دیہاتی ڈربی شائر میں پیدا ہونے والا برنڈلے پیشے کے لحاظ سے ایک چکی کے پاٹ بنانے والا تھا۔ انجنیر نگ کے مسائل کا تخلیقی حل تلاش کرنے کے لئے اس کی شہرت ڈیوک کی توجہ میں آگئی۔ اس کا نقل وحمل کے مسائل کا پہلے سے کوئی تجربہ نہیں تھا، اور یہی بات دوسرے بڑے بڑے نہروں کے انجنیروں جیسا کہ تھامس

ٹیلفورڈ، جس نے زندگی کا آغاز ایک سنگ تراش کے طور پر کیا تھا، یا جان سمیٹن، جو کہ ایک آلات ساز اور انجنیر تھا، کے بارے میں بھی ٹھیک تھی۔

جیسے عظیم نہری انجنیروں کا نقل وحمل سے، پہلے کوئی تعلق نہیں تھا، بالکل اسی طرح سڑکوں اور ریلوے کے عظیم انجنیروں کا بھی اپنے پیشوں سے پہلے سے کوئی تعلق نہیں تھا، میک ایڈیم (Mc Adam) جس نے 1816 میں تارکول ایجاد کیا، ایک چھوٹے اشراف کا دوسرا بیٹا تھا۔ پہلی دُخانی گاڑی 1804 میں رچرڈ ٹریوتھک (Richard Trevithick) کے ہاتھوں تعمیر کی گئی۔ ٹریوی تھک کا باپ کارنوال میں کان کنی میں مصرف تھا، اور رچرڈ چھوٹی عمر میں اسی کاروبار میں داخل ہوگیا، اور ان دخانی انجنوں سے مسحور ہوگیا جو کانوں کو باہر نکالنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ زیادہ اہم ایجادات جارج سٹیفنسن (George Stephenson) کی تھیں، جو ان پڑھ والدین کا بیٹا تھا اور مشہور گاڑی ''دی راکٹ'' کا موجد تھا، جس نے ایک کوئلے کی کان میں ایک انجن چلانے والے کے طور پر کام شروع کیا۔

نئے لوگوں نے اہم سوتی کپڑے کی صنعت کو بھی چلایا۔ اس نئی صنعت کے ہراول دستے کے کچھ لوگ ایسے لوگ تھے، جو اس سے پہلے اونی کپڑے کی پیداوار اور تجارت میں بہت بھرپور طریقے سے مصروف تھے۔ مثال کے طور پر جان فاسٹر (John Foster) نے، اس وقت جب اس نے سوتی کپڑے کی صنعت کی طرف تبدیلی کی، اور 1835 میں بلیک ڈائیک ملز کھولی، تو اونی صنعت میں سات سو ہتھ کھڈی کے بنت کار ملازم رکھے۔ لیکن فاسٹر جیسے لوگ ایک اقلیت تھے۔ اس وقت سرکردہ صنعتکاروں کا صرف پانچواں حصہ ایسا تھا جو اس نے پہلے صنعتکاری جیسی کسی سرگرمی میں مصروف تھے۔ یہ چیز حیران کن نہیں ہے۔ ایک ہی بات ہے کہ، سوتی صنعت انگلستان کے شمال میں نئے قصبات میں پروان چڑھی، کارخانے پیداوار کو منظم کرنے کا بالکل ایک نیا طریقہ تھے۔ اونی صنعت ایک بالکل مختلف طریقے پر منظّم کی گئی تھی، افراد کو ان کے گھروں پر سامان ''مہیا کرتے ہوئے'' جو اپنے طور پر کاتتے اور بنتے تھے۔ لہٰذا اونی صنعت میں زیادہ تر لوگ سوتی صنعت کی طرف تبدیلی کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، جیسا کہ فاسٹر تھا۔ نئے آنے والوں کی، نئی ٹیکنولوجیوں کو پروان چڑھانے اور استعمال کرنے کے لئے ضرورت تھی۔ سوتی صنعت کے پھیلاؤ نے اونی صنعت کو صفر کر دیا۔ تخلیقی تباہی روبہ عمل تھی۔

MashalBooks.org

تخلیقی تباہی، نہ صرف آمدنی اور دولت کی دوبارہ تقسیم کرتی ہے، بلکہ سیاسی طاقت کی بھی، جیسا کہ ولیم لی کو علم ہوا۔ جب اس نے حکام کو اپنی ایجاد کے بارے میں غیر رضا مند پایا، کیونکہ وہ سیاسی نتائج سے خوفزدہ تھے۔ جب یہ صنعتی معیشت مانچسٹر اور برمنگھم میں پھیلی، تو نئے کارخانہ داروں اوران کے اردگرد اکٹھے ہونے والے متوسط طبقے کے گروہوں نے اپنے اجازت ناموں کی منسوخی، اوران کے مفادات کے خلاف حکومتی پالیسیوں کے خلاف احتجاج کرنا شروع کر دیا، ان کا سب سے بڑا نشانہ غلہ کے قوانین تھے۔ جنہوں نے ''غلہ'' کی درآمد کو ممنوع کر دیا۔ تمام غلّوں اور بیجوں کو، لیکن سب سے زیادہ گندم کو۔ اگر ان کی قیمت بہت کم ہوگئی تو، اور اس طرح اس بات کو یقینی بنایا کہ بڑے زمینداروں کے منافع جات کو زیادہ رکھا جائے۔ یہ پالیسی بڑے زمینداروں کے لئے تو اچھی تھی جو گندم پیدا کرتے تھے، لیکن صنعتکاروں کے لئے بری تھی، کیونکہ انہیں اپنی روئی کی قیمت کی تلافی کے لئے بہت اونچے معاوضہ جات ادا کرنے پڑتے تھے۔

جب کارکنوں کا نئے کارخانوں اور صنعتی مراکز میں اجتماع ہوگیا، تو منظم ہونا اور ہنگامہ کرنا آسان ہوگیا۔ 1820 کی دہائی تک، نئے کارخانہ داروں اور صنعتی مراکز کو سیاسی نظام اور حکومت کی پالیسیوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ایک اجلاس کا منصوبہ بنایا گیا، جو کہ مانچسٹر میں سینٹ پیٹرز فیلڈز میں منعقد ہونا تھا۔ اس کا منتظم جوزف جانسن تھا، جو کہ برش ساز اور انقلابی اخبار دا مانچسٹر آبزرور (The Manchester Observer) کے بانیوں میں سے ایک تھا۔ دوسرے منتظمین میں جان نائٹ (John Knight)، ایک سوتی کپڑے کے صنعتکار اور ایک مصلح، اور جان تھیکر سیکسٹن (John Thacker Saxton) ایڈیٹر دا مانچسٹر آبزرور، شامل تھے۔ ساٹھ ہزار احتجاج کار جمع ہوگئے، جن میں سے بہت سے بینر اٹھائے ہوئے تھے، جیسا کہ ''غلّے کے قوانین نہیں چاہئیں'' ''سب کے لئے حق رائے دہی'' اور ''خفیہ رائے دہی کے ذریعے ووٹ'' (جس کا مطلب تھا کہ ووٹ دینے کا عمل خفیہ طریقے سے ہو، نہ کہ کھلے طور پر جیسا کہ 1819 میں ہوا)۔ حکام اس اجلاس کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ اور پندرھویں چابک سواروں میں سے چھ سو گھڑ سوار جمع ہو گئے تھے۔ جب تقاریر شروع ہوئیں تو، ایک مقامی مجسٹریٹ نے، مقررین کی گرفتاری کیلئے ایک وارنٹ جاری کرنے کا فیصلہ کیا، جب پولیس نے اس وارنٹ پر عملدرآمد کرنے کی کوشش کی، تو انہیں ہجوم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، اور لڑائی شروع ہوگئی۔ اس مرحلے پر چابک سواروں نے مجمع

پر حملہ کیا۔ انتشار کے چند منٹوں میں گیارہ لوگ مارے گئے اور غالباً چھ سو زخمی ہو گئے۔ دا مانچسٹر آبزرور نے اسے پیٹرلو قتل عام کا نام دیا۔

لیکن ان تبدیلیوں کے پیش نظر، جو معاشی اور سیاسی اداروں میں واقع ہو چکی تھیں، انگلستان میں اب طویل المدت جبر کوئی حل نہیں تھا۔ پیٹرلو قتل عام ایک علیحدہ واقع کے طور پر رہ جائے گا۔ اس ہنگامے کے بعد، اور اس سے کہیں زیادہ اس وسیع پیمانے کی بے چینی کے بعد، جو خاص طور پر فرانس میں 1830 کے چارلس دہم کے خلاف انقلاب کے بعد پیدا ہوئی، وہ چارلس دہم جس نے مطلق العنانیت کو بحال کرنے کی کوشش کی، جسے 1789 کے انقلاب فرانس نے ناکام بنا دیا۔ انگلستان کے سیاسی اداروں نے دباؤ کے آگے شکست تسلیم کر لی۔ 1832 میں حکومت نے پہلا ریفارم ایکٹ منظور کیا۔ اس نے برمنگھم، لیڈز، مانچسٹر، اور شیفیلڈ کو پارلیمان کی رکنیت کا حق دیا، اور رائے دہی کی بنیاد کو وسیع کیا، تاکہ صنعتکاروں کو پارلیمان میں نمائندگی دی جا سکے۔ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سیاسی طاقت کی تبدیلی نے پالیسی کو اس سمت میں حرکت دی جس کی حمایت ان نئے نمائندوں کے مفادات نے کی؛ 1846 میں انہوں نے نفرت زدہ غلّے کے قوانین کو واپس کروالیا، جو ایک مرتبہ پھر اس بات کا ثبوت ہے کہ تخلیقی تباہی کا مقصد محض آمدنی کی تقسیم تو نہیں ہے، بلکہ سیاسی طاقت کی تقسیم نو بھی۔ اور فطری طور پر، سیاسی طاقت کی تقسیم میں تبدیلیاں وقت کے ساتھ ساتھ آمدنی کی مزید تقسیم نو پر منتج ہوں گی، یہ انگریزی اداروں کی اشتمالی نوعیت تھی جس نے اس عمل کو واقع ہونے کی اجازت دی، وہ لوگ جو تخلیقی تباہی سے تکلیف کا شکار ہوئے یا اس سے خوف زدہ ہوئے، اب مزید اسے روکنے کے قابل نہ تھے۔

انگلستان میں کیوں؟

صنعتی انقلاب انگلستان میں شروع ہوا اس نے اور اپنے سب سے بڑے قدم انگلستان میں لئے، کیونکہ یہاں منفرد اشتمالی معاشی ادارے تھے۔ انہوں نے جوابی طور پر اپنی تعمیر ان بنیادوں پر اٹھائی جو اشتمالی سیاسی اداروں نے رکھی، جس کا سبب شاندار انقلاب بنا۔ یہ شاندار انقلاب ہی تھا جس نے حقوق ملکیت کو مضبوط اور منطقی بنایا، مالی منڈیوں کو بہتر بنایا، غیر ملکی تجارت میں ریاست کی طرف منظور شدہ اجارہ داریوں کو ختم کیا، اور صنعت کے پھیلاؤ میں رکاوٹوں کو دور

MashalBooks.org

کیا، یہ شاندار انقلاب ہی تھا جس نے سیاسی نظام کو آزاد اور معاشرے کی معاشی ضروریات اور خواہشات کے لئے موافق بنایا، ان اشتمالی معاشی اداروں نے جیمز واٹ جیسے اہلیت اور بصیرت رکھنے والے لوگوں کو اپنی مہارتوں اور تصورات کو پروان چڑھانے کا موقع اور محرک دیا، اور نظام کو اس انداز سے متاثر کیا کہ اس نے انہیں اور قوم دونوں کو فائدہ پہنچایا۔ فطری طور پر، ان انسانوں کی بھی، ایک دفعہ کامیاب ہو جانے کے بعد وہی خواہشات تھیں جو کسی بھی اور شخص کی تھیں۔ وہ دوسروں کا اپنے کاروبار میں داخلہ بند کرنا اور ان کے خلاف مقابلہ کرنا بند کرنا چاہتے تھے۔ اور اس تخلیقی تباہی سے ڈرتے تھے جو انہیں کاروبار سے باہر کر دے، جیسا کہ انہوں نے اس سے پہلے دوسروں کو دیوالیہ بنایا تھا۔ لیکن 1688 کے بعد اس کو تکمیل تک پہنچانا زیادہ مشکل ہو گیا۔ 1775 میں رچرڈ آرک رائیٹ نے ایک جامع اجازت نامہ جاری کروایا جس کے بارے میں اسے توقع تھی کہ وہ اسے مستقبل میں تیزی سے پھیلتی ہوئی سوتی صنعت پر اجارہ داری دے دے گا۔ لیکن وہ عدالتوں کے ذریعے اسے لاگو نہ کروا سکا۔

یہ منفرد عمل انگلستان میں شروع ہوا اور کیوں سترھویں صدی میں انگلستان نے کیوں تکثیری سیاسی ادارے پروان چڑھائے اور استحصالی اداروں سے کیوں قطع تعلق کیا؟ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، شاندار انقلاب پر منتج ہونے والی سیاسی پیشرفتوں کی صورت گری متعدد باہمی طور پر مربوط مظاہر سے ہوئی۔ بنیادی چیز مطلق العنانیت اور اس کے مخالفین کے درمیان سیاسی رسہ کشی تھی۔ اس کشمکش کے نتیجے نے نہ صرف انگلستان میں ایک تازہ دم اور زیادہ مضبوط مطلق العنانیت پیدا کرنے کی کوششوں کو لگام دی، بلکہ ان لوگوں کو طاقت عطا کی، جو معاشرے کے اداروں کو بنیادی طور پر تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ مطلق العنانیت کو تعمیر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ جنگ گلاب میں محض ہاؤس آف لینکاسٹر، ہاؤس آف یارک کو شکست نے دے رہا تھا۔ اس کی بجائے شاندار انقلاب نے، آئینی حکمرانی اور تکثیریت کی بنیاد پر مبنی ایک نئی حکومت کے ظہور کا احاطہ کیا۔

یہ نتیجہ انگریز اداروں میں تبدیلی اور اس طریقے کا نتیجہ تھا جس میں انہوں نے فیصلہ کن موڑوں کے ساتھ باہمی تعامل کیا۔ ہم نے پچھلے باب میں دیکھا کہ مغربی سلطنت روما کی تباہی کے بعد مغربی یورپ میں کس طرح جاگیردارانہ ادارے پیدا ہو گئے۔ جاگیرداری پورے یورپ مشرقی یا مغربی، میں پھیل گئی۔ لیکن جیسا کہ باب چہارم میں دیکھا گیا کہ کالی موت کے بعد مشرقی اور مغربی کی

راہیں جدا ہونے لگیں۔ سیاسی اور معاشی اداروں میں چھوٹے چھوٹے اختلافات کا مقصد یہ تھا کہ مغرب میں طاقت کا توازن ادارہ جاتی بہتری کی طرف لے گیا؛ مشرق میں ادارہ جاتی زوال کی طرف ۔ لیکن یہ وہ راستہ نہیں تھا جو لازمی طور پر اور سختی سے اشتمالی اداروں پر منتج ہوتا۔ راستے میں بہت سے دوسرے اہم موڑ بھی لئے جاتے تھے۔ اگرچہ میگنا کارٹا نے، آئینی حکمرانی کے لئے کچھ بنیادی ادارہ جاتی بنیادیں قایم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یورپ کے دوسرے بہت سے حصول، یہاں تک کہ مشرقی یورپ نے بھی ایسی ہی دستاویزات کے ساتھ ایسی ہی کوششوں کا مشاہدہ کیا۔ لیکن کالی موت کے بعد مغربی یورپ اہم طریقے سے مشرق سے علیحدہ ہو گیا۔ میگنا کارٹا جیسی دستاویزات کی مغرب میں زیادہ گرفت کی۔ مشرق میں ان کا مفہوم کچھ نہیں تھا۔ انگلستان سترھویں صدی کی کشمکشوں سے پہلے ہی، یہ اصول قائم ہو گیا تھا کہ بادشاہ پارلیمان کی منظوری کے بغیر نئے ٹیکس عائد نہیں کر سکتا تھا۔ طاقت کی اشراف سے عوام کی طرف اضافہ پذیر آہستہ زیادہ عمومی طور پر تبدیلی، جیسا کہ اس کی مثالیں دیہی معاشروں کی سیاسی تحرک پذیری میں نظر آئیں۔ جنہیں انگلستان میں ایسے لمحات کے اندر دیکھا گیا جیسا کہ 1381 کی کسانوں کی بغاوت بھی کچھ کم اہم نہ تھی۔

اب اس ادارہ جاتی تبدیلی نے ایک اور فیصلہ کن موڑ کے ساتھ باہمی تعامل کیا، جس کا سبب بحر اوقیانوس میں تجارت کی بڑے پیمانے پر توسیع تھی۔ جیسا کہ ہم نے باب چہارم میں دیکھا، ایک اہم طریقہ جس پر اس نے مستقبل کی ادارہ جاتی حرکیات کو متاثر کیا، اس بات پر منحصر تھا کہ آیا بادشاہ تجارت پر اجارہ داری کرنے کے قابل تھا یا نہیں۔ انگلستان میں پارلیمان کی قدرے زیادہ طاقت کا مطلب یہ تھا کہ ٹیودر اور سٹورٹ بادشاہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے تاجروں اور کاروباری لوگوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا، جنہوں نے انگلستان میں مطلق العنانیت پیدا کرنے کے منصوبے کی جارحانہ طور پر مخالفت کی، مثال کے طور پر 1686 تک لندن میں، 702 تاجر ایسے تھے جو کریبین کو برآمدات کر رہے تھے، اور 1,283 درآمد کر رہے تھے۔ شمالی امریکہ میں 691 برآمدات کرنے والے اور 626 درآمدات کرنے والے تاجر تھے۔ وہ گوداموں میں کام کرنے والے مزدوروں جہاز رانوں، کپتانوں، گودی میں کام کرنے والے مزدوروں اور کلرکوں کو ملازم رکھتے تھے۔ جن میں سے سب کے سب اپنے مفادات میں اشتراک رکھتے تھے۔ دوسری مصروف بندرگاہیں، جیسا کہ برسٹل، لیور پول اور پورٹس ماؤتھ، بھی اسی طرح سے ایسے تاجروں سے بھری

MashalBooks.org

ہوئی تھیں۔ یہ نئے لوگ مختلف معاشی اداروں کی خواہش رکھتے تھے اوران کا مطالعہ کرتے تھے،اور جوں جوں وہ تجارت کے ذریعے زیادہ امیر ہوتے گئے توں توں وہ زیادہ طاقتور ہوتے گئے۔ یہی قوتیں فرانس، سپین اور پرتگال میں برسرکار تھیں۔لیکن وہاں بادشاہ تجارت اور منافع جات کو کنڑول کرنے کے کہیں زیادہ قابل تھے۔اس طرح کا نیا گروپ جس نے انگلستان کو تبدیل کیا، ان ممالک میں بھی ابھرا، کہیں وہ خاصی حدتک چھوٹا اور کمزور تھا۔

جب 1642 میں طویل پارلیمان بیٹھی اور خانہ جنگی شروع ہوئی تو ان تاجروں نے بنیادی طور پر پارلیمان کے مقصد کا ساتھ دیا۔ 1670 کی دہائی میں وہ وہگ پارٹی کی تشکیل میں مصروف تھے، سٹورٹ کی مطلق العنانیت کو روکنے کے لئے، اور 1688 میں وہ جیمز دوم کو تخت سے اتارنے میں مرکزی کردار ادا کر رہے تھے۔ لہذا امریکاؤں کی طرف سے پیش کئے گئے، پھیلتے ہوئے تجارتی مواقع اس تجارت میں انگریز تاجروں کا بڑے پیمانے پر داخلہ،اورنوآبادیات کی اقتصادی ترقی،اور ان مقدرات نے جوانہوں نے اس عمل میں بنائے، مطلق العنانیت اوران لوگوں کے درمیان جو مطلق العنانیت کی مخالفت کررہے تھے کی کشمکش میں طاقت کے توازن کی طرف جھکا دیا۔

غالباً اہم ترین طور پر، مختلف انوع مفادات کے ظہور اوران کی تقویت۔ طبقہ شرفا سے لے کر (جوکہ تجارتی کسانوں کا ایسا طبقہ تھا جو ٹیوڈر دور میں ظہور پذیر ہوا) صنعتکاروں کی مختلف اقسام سے لے کر، اوقیانوسی تاجروں تک کا مطلب تھا کہ سٹوورٹ مطلق العنانیت کے خلاف اتحاد نہ صرف مضبوط تھا، بلکہ وسیع بھی تھا۔ یہ اتحاد 1670 کی دہائی میں ویگ پارٹی کی تشکیل سے مزید مضبوط ہوا، جس نے اس کے مفادات کو آگے بڑھانے کے لئے ایک تنظیم مہیا کردی۔ یہ اس کی تقویت ہی تھی جس نے شاندار انقلاب کے بعد کی تکثیریت کو سہارا دیا۔ اگر وہ تمام لوگ جو سٹورٹوں کے خلاف لڑ رہے تھے، ایک ہی مفادات اور ایک ہی پس منظر رکھتے ہوتے، تو سٹوورٹ بادشاہی کی شکست بہت امکانی طور پر ہاؤس آف لینکاسٹر بمقابلہ ہاوس آف یارک کا ایک اعادہ ہوتی۔جس میں کہ ایک گروہ دوسرے کے خلاف محدود مفادات کا ایک سیٹ رکھتا تھا۔اور استحصالی اداروں کی اس یا مختلف شکل کی جگہ پر لے آتا تھا یا اسے دوبارہ جنم دے دیتا تھا۔ایک وسیع اتحاد کا مطلب تھا کہ تکثیری سیاسی اداروں کے لئے اور زیادہ مطالبات ہوں گے۔ کسی نہ کسی قسم کی تکثیریت کے بغیر، ایک خطرہ ہوتا کہ متنوع مفادات میں سے کوئی ایک باقی ماندہ کی قیمت پر

طاقت غصب کرلیتا۔ یہ حقیقت کہ 1688 کے بعد پارلیمان اتنے وسیع اتحاد کی نمائندگی کرتی تھی۔ پارلیمان کے ارکان کو درخواستوں کی سماعت کرنے مجبور کرنے میں ایک بنیادی عامل تھا، اگرچہ وہ پارلیمان باہر سے ہوں یا ان لوگوں کی طرف سے ہوں جن کا ایک بھی ووٹ نہ ہو، یہ ایک گروپ کو، دوسرے کی باقی ماندہ کی قیمت پر اجارہ داری قائم کرنے کی کوششوں کو روکنے میں ایک اہم عامل تھا۔جیسا کہ مانچسٹر ا یکٹ سے پہلے اون کے مفادات نے کرنے کی کوشش کی۔

شاندار انقلاب ایک بہت اہم واقعہ تھا، ٹھیک اس وجہ سے کہ اس کی قیادت ایک حوصلہ مند اور وسیع اتحاد کی، اور پھر اس اتحاد کو مزید تقویت دی، جس نے ایک آئینی حکومت بنانے کو ممکن بنایا، جس میں انتظامیہ اور مساوی طور پر اہم، اس کے کسی رکن دونوں کے اختیار پر پابندیاں عائد کی گئیں، مثال کے طور پر یہی پابندیاں ہی تھیں جنہوں نے اون کے پیداکاروں کو سوتی کپڑے اور دوسوتی کے صنعتکاروں کے ساتھ اہم مقابلے کے کچلنے کے قابل ہونے سے روکا۔لہذا یہ وسیع اتحاد 1688 کے بعد ایک مضبوط پارلیمان کی پیشرفت کے لئے اہم تھا، لیکن اس کا یہ بھی مطلب تھا کہ پارلیمان کے اندر بھی، کسی واحد گروپ کے بہت زیادہ طاقتور ہوجانے اور اپنی طاقت کا غلط استعمال کرنے پر بھی رکاوٹیں تھیں۔ یہ چیز تکثیری سیاسی اداروں کے ظہور میں ایک اہم عامل تھیں۔ اس طرح کے وسیع اتحاد کی تقویت نے، ان اشتمالی معاشی اور سیاسی اداروں کے بقا اور استحکام میں بھی اہم کردار ادا کیا، جیسا کہ ہم باب پانزدہم میں دیکھیں گے۔

لیکن ان میں سے کسی بھی چیز نے ایک حقیقی تکثیری حکومت کو ناگزیر نہیں بنایا، اور اس کا ظہور جزوی طور پر تاریخ کے حادثاتی راستے کا نتیجہ تھا ایک اور اتحاد جو کہ اس زیادہ مختلف نہیں تھا، سٹوورٹوں کے خلاف انگریزی خانہ جنگی میں فتح یاب ہونے کے قابل ہوا، لیکن یہ صرف آلیور کراموویل کی آمریت پر منتج ہوا۔اس اتحاد کی طاقت بھی اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ مطلق العنانیت کو شکست ہوگی۔ جیمز دوم، ولیم آف اورینج کو شکست دے سکتا تھا۔ بڑی آئینی تبدیلی کا راستہ، معمول کے مطابق، دوسری سیاسی کشمکشوں کے نتیجے کی نسبت کچھ کم اتفاقی نہیں تھا۔ ایسا ادارہ جاتی تبدیلی کے اس مخصوص راستے کے باوجود تھا، جس نے مطلق العنانیت کے مخالف وسیع اتحاد پیدا کیا، اوقیانوسی تجارتی مواقع کے اس فیصلہ کن موڑ کے باوجود جس نے سٹوورٹوں کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ لہذا، اس مثال میں اتفاقیت اور وسیع اتحاد وہ فیصلہ کن عوامل تھے جنہوں نے تکثیریت اور اشتمالی اداروں کے ظہور کو سہارا دیا۔

MashalBooks.org

8

ہمارے میدان پر نہیں

ترقی کے راستے میں رُکاوٹیں

کسی قسم کی چھپائی کی اجازت نہیں

1445 میں جرمنی کے شہر مینز میں جوہانس گٹن برگ نے ایک ایجاد کی نقاب کشائی کی، جس کے بعد معاشی تاریخ پر بڑے گہرے اثرات پڑنے والے تھے؛ حرکت پذیر ٹائپ پر مبنی چھاپہ خانہ۔ اس وقت کتابیں یا تو کاتبوں کے ہاتھوں نقل کی جاتی تھیں، جو کہ سست اور محنت طلب عمل تھا، یا انہیں، ہر صفحہ کو چھاپنے کیلئے لکڑی کے مخصوص کئے ہوئے ٹکڑوں کے ذریعے چھاپا جاتا تھا۔ کتابیں بہت کم اور خال خال ہوتی تھیں اور بہت مہنگی تھیں، گٹن برک کی ایجاد کے بعد معاملات تبدیل ہونے لگے۔ کتابیں چھاپی جاتیں تھیں اور بہت آسانی سے دستیاب ہوتی تھیں، اس ایجاد کے بغیر عام خواندگی اور تعلیم ناممکن ہوتیں۔

مغربی یورپ میں چھاپہ خانہ کی اہمیت کو جلد ہی تسلیم کرلیا گیا، 1460 میں، سرحد کے پار، سٹراس برگ، فرانس میں چھاپہ خانہ موجود تھا۔ 1460 کی دہائی تک یہ ٹیکنولوجی پورے اٹلی میں پھیل چکی تھی، اور روم اور وینس میں چھاپہ خانے موجود تھے، اور جلد ہی اس کی پیروی فلورنس، میلان اور ٹور بن نے کی۔ 1446 تک ولیم کیکسٹن نے لندن میں ایک چھاپہ خانہ قائم کیا، اور دوسال بعد آکسفرڈ میں بھی ایک چھاپہ خانہ قائم ہوگیا۔ اسی دوران میں چھپائی پورے زیریں

ممالک میں اور سپین میں پھیل گئی، بلکہ مشرقی یورپ میں بھی، جہاں 1443 میں بوڈاپسٹ میں اور ایک سال بعد کریکو میں چھاپہ خانے قائم ہوئے۔

ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص نے چھپائی کو ایک پسندیدہ ایجاد کے طور پر دیکھا۔ اتنا پہلے جتنا کہ 1485؛ عثمانی سلطان بایزید دوم نے ایک فرمان جاری کیا کہ مسلمانوں کو واضح طور پر عربی میں چھپائی سے منع کیا گیا ہے۔ اس قانون کو 1515 میں سلطان سلیم اول نے مزید پختہ کیا۔ ایسا 1727 تک ہی ہوا کہ عثمانی سرزمین میں پہلے چھاپہ خانے کی اجازت دی گئی۔ اس وقت سلطان احمد سوم نے ایک حکم جاری کیا جس میں ابراہیم متفرقہ کو ایک چھاپہ خانہ لگانے کی اجازت دی گئی۔ لیکن یہ دیر سے اٹھایا ہوا قدم بھی پابندیوں کے کانٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اگرچہ حکم میں یہ تحریر کیا گیا'' آج کے خوش قسمت دن اس مغربی تکنیک کی ایک دلہن کی طرح نقاب کشائی کی جائے گی اور دوبارہ کبھی روپوش نہیں ہوگی۔'' متفرقہ کی چھپائی کی بہت باریکی سے نگرانی کی جاتی تھی۔ اس حکم میں بیان کیا گیا:

تاکہ مطبوعہ کتابیں طباعت کی غلطیوں سے پاک ہوں، عقلمند، قابل احترام، حمیدہ صفات، مذہبی علما، جنہوں نے اسلامی قانون میں تخصص حاصل کیا ہوا ہے، استنبول کے شاندار قاضی، مولانا اسحاق، اور سیلانیکی کے قاضی مولٰنا صاحب، اور گیلاتا کے قاضی مولانا اسد، خدا ان کی صفات میں مزید اضافہ کرے، اور ممتاز مذہبی طبقات میں سے، نیک مذہبی علما کے ستون، قاسم پاشا معنوی ہیں کے شیخ، مولانا موسیٰ، خدا ان کے علم اور عقل میں برکت دے، مطبع کے اوراق کی تصیح کریں گے۔

متفرقہ کو چھاپہ خانہ لگانے کی اجازت تو دے دی گئی، لیکن جو کچھ وہ چھاپے گا، اس ناقدانہ جائزہ تین مذہبی اور قانونی علما، یعنی قاضی لیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ قاضیوں کی دانش اور علم، ہر دوسرے شخص کی طرح سے، بہت زیادہ جلدی سے بڑھتی، اگر چھاپہ خانہ زیادہ پہلے دستیاب ہوتا۔ لیکن ایسا ہونا نہیں لکھا تھا۔ یہاں تک کہ متفرقہ کو چھاپہ خانہ قائم کرنے کی اجازت ملنے کے بعد بھی۔

اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ متفرقہ نے آخرکار بہت ہی کم کتابیں چھاپیں، 1729؛ جب چھاپہ خانہ نے کام کرنا شروع کیا اور 1743 جب اس نے کام کرنا بند کردیا، کے درمیان کے عرصے میں صرف سترہ کتابیں، اس کے خاندان نے روایت کو جاری رکھنے کی کوشش کی، لیکن اس وقت تک جب تک انہوں نے آخرکار اسے چھوڑ دیا، 1790 تک وہ صرف سات کتابیں چھاپ سکے۔ ترکی میں سلطنت عثمانیہ کے مرکز سے باہر چھپائی مزید پیچھے رہ گئی۔

MashalBooks.org

مثال کے طور پر، مصر میں پہلا چھاپہ خانہ صرف 1795 میں جا کر قائم ہوا، وہ بھی فرانسیسی لوگوں کی طرف سے، جو نپولین بونا پارٹ کی ملک پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کا ایک حصہ تھے۔ انیسویں صدی کے اچھے خاصے دوسرے نصف تک، سلطنت عثمانیہ میں کتابوں کی تیاری بنیادی طور پر کاتبوں کے ہاتھوں ہوتی تھی، جو موجودہ کتابوں کی ہاتھ سے نقل کرتے تھے اٹھارویں صدی کے اوائل میں، ایسے اسّی ہزار کاتبوں کی استنبول میں فعال ہونے کی شہریت تھی۔

چھاپہ خانے کی اس مخالفت کے، خواندگی، تعلیم اور معاشی کامیابی پر واضح اثرات تھے۔ 1800 میں، انگلستان میں 60 فیصد بالغ مردوں اور 40 فیصد بالغ عورتوں میں خواندگی ہونے کے مقابلے میں سلطنت عثمانیہ میں صرف دو یا تین فیصد شہری خواندہ تھے۔ نیدرلینڈز اور جرمنی میں خواندگی کی شرحیں اس سے بھی زیادہ بلند تھیں۔ اس دور میں پست ترین تعلیمی معیار رکھنے والے یوروپی ممالک جیسا کہ پرتگال جہاں صرف بیس فیصد کے لگ بھگ بالغ لکھ اور پڑھ سکتے تھے، سے بھی سلطنت عثمانیہ کی سرزمین بہت پیچھے تھی۔

مطلق العنانیت کے حامل اور استحصالی عثمانی اداروں کے پیش نظر، چھاپہ خانے سے سلطان کی دشمنی کو سمجھنا آسان ہے، کتابیں نئے خیالات کو پھیلاتی ہیں اور آبادی کو کنٹرول کرنے کو زیادہ مشکل بناتی ہیں۔ ان میں سے کچھ نئے خیالات معاشی ترقی کو بڑھانے کے قیمتی نئے طریقے ہو سکتے ہیں، لیکن کچھ خیالات تباہ کن ہو سکتے ہیں اور سیاسی اور سماجی حالت موجودہ کے جمود کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ کتابیں ان لوگوں کی طاقت کو بھی ختم کر دیتی ہیں جو زبانی علم کو کنٹرول کرتے ہیں، کیونکہ وہ کسی بھی ایسے شخص کو آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں جو خواندگی پر عبور حاصل کر سکتے ہیں۔ اس چیز نے موجودہ صورت حال کے جمود کو تباہ کرنے کا خطرہ پیش کیا، جہاں علم پر اشراف کا کنٹرول تھا۔ عثمانی سلطان اور مذہبی حاکمیت اس تخلیقی تباہی سے ڈرتے تھے جو اس کے نتیجے میں پیدا ہوتی۔ ان کے لئے حل چھپائی کو ممنوع قرار دینا تھا۔

صنعتی انقلاب نے ایک ایسا فیصلہ کن موڑ پیدا کیا جس نے تقریباً ہر ملک کو متاثر کیا۔ کچھ ممالک جیسا کہ انگلستان نے تجارت صنعت اور کاروبار کی نہ صرف اجازت دی، بلکہ فعال طریقے سے ان کی حوصلہ افزائی کی اور تیزی سے ترقی کرنے لگے۔ بہت سے دوسروں نے جیسا کہ سلطنت عثمانیہ، چین اور دوسری مطلق العنان حکومتوں نے، صنعت کو روکا یا کم از کم اسے پھیلانے کے لئے

کچھ نہیں کیا اور وہ پیچھے رہ گئے۔ سیاسی اور معاشی اداروں نے، ٹیکنولوجیاتی جدت طرازی کے بارے میں ردعمل کی صورت گری کی، جنہوں نے ایک دفعہ پھر، موجودہ اداروں اور فیصلہ کن موڑوں کے درمیان باہمی تعامل کا معروف راستہ اختیار کیا، جس نے اداروں اور معاشی نتائج میں مختلف راستوں کی طرف رہنمائی کی۔

سلطنت عثمانیہ مطلق العنان رہی جب تک کہ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر یہ ٹوٹ گئی، اور لہٰذا یہ ایسی جدت طرازیوں جیسا کہ چھاپہ خانہ، اور اس سے پیدا ہونے والی تخلیقی تباہی کی کامیابی سے مخالفت کرنے یا اسے روکنے کے قابل تھی۔

اس کی وجہ کہ وہ معاشی تبدیلیاں جو انگلستان میں واقع ہوئیں وہ سلطنت عثمانیہ میں واقع نہ ہوئیں، استحصالی مطلق العنان سیاسی اداروں اور استحصالی معاشی اداروں کے درمیان فطری تعلق ہے۔ مطلق العنانی ایک ایسی حکمرانی ہے، جو قانون کا یا دوسروں کی خواہشات کا پابند نہیں ہوتا، اگرچہ درحقیقت مطلق العنان لوگ، کسی چھوٹے گروپ یا اشراف کی حمایت سے حکومت کرتے ہیں۔ انیسویں صدی کے روس میں، مثال کے طور پر زار مطلق العنان حکمران تھے، جن کی حمایت وہ اشرافیہ کرتی تھی، جو ساری آبادی کے تقریباً ایک فیصد کی نمائندگی کرتی تھی۔ یہ محدود گروپ اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے منظّم کرتا تھا۔ 1905 تک روسی معاشرے میں کوئی پارلیمان یا سیاسی نمائندگی نہیں تھی، جب زار نے ڈوما قائم کی، اگرچہ اس نے جو تھوڑے سے اختیارات اسے دیئے تھے، انہیں بہت جلد ختم کر دیا، بلا استعجاب، معاشی ادارے استحصالی تھے، جو زار اور اشرافیہ کو ممکنہ حد تک دولتمند بنانے کیلئے منظّم کئے گئے تھے۔ بہت سے استحصالی معاشی نظاموں کی طرح، اس کی بنیاد تھی بڑے پیمانے پر محنت پر جبر اور کنٹرول، جو کہ روسی، کسانوں کی غلامی کی مخصوص طور پر تباہ کن شکل تھی۔

مطلق العنانیت وہ واحد سیاسی ادارہ نہیں تھا جو صنعت کاری کے راستے میں رکاوٹ تھا۔ اگرچہ مطلق العنان حکومتیں تکثیریت پسند نہیں تھیں، اور تخلیقی تباہی سے خوفزدہ تھیں، لیکن بہت سی حکومتوں کے پاس مرکزیت کی حامل ریاستیں تھیں، یا کم از کم ایسی ریاستیں تھیں، جو اس حد تک مرکز گیر تھیں کہ وہ چھاپہ خانہ جیسی ایجادات پر پابندی عائد کر سکتی تھیں۔ آج بھی، افغانستان، ہیٹی، اور نیپال جیسے ممالک کے ہاں ایسی قومی ریاستیں ہیں، جس میں سیاسی مرکزیت کا فقدان ہے، زیریں

MashalBooks.org

صحارائی افریقہ میں صورت حال اس سے بھی خراب تر ہے، جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے استدلال کیا تھا، نظم وضبط مہیا کرنے اور قوانین اور حقوق ملکیت کو لاگو کرنے کے لئے ایک مرکز گیر ریاست کے بغیر اشتمالی معاشی ادارے ظہور پذیر نہیں ہو سکتے۔ ہم اس باب میں دیکھیں گے کہ زیریں صحارائی افریقہ کے بہت سے حصوں میں (مثال کے طور پر صومالیہ اور جنوبی سوڈان میں) صنعت کاری کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ کسی قسم کی سیاسی مرکزیت کی کمی تھی۔ ان فطری پیشگی تقاضوں کے بغیر صنعت کاری کا زمین سے اوپر اٹھنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

مطلق العنانی، اور سیاسی مرکزیت کی کمی یا کمزوری، صنعت کے پھیلاؤ میں دو مختلف رکاوٹیں ہیں۔ لیکن یہ دونوں بھی آپس میں مربوط ہیں؛ دونوں کو تخلیقی تباہی کے خوف سے ہی اپنی اپنی جگہ پر رکھا جاسکتا ہے، اور اس وجہ سے کہ سیاسی مرکز گیری کا عمل اکثر اوقات مطلق العنانیت کی طرف رجحان پیدا کرتا ہے۔ سیاسی مرکز گیری کے خلاف مزاحمت انہی وجوہات کی بنا پر تحریک پاتی ہے۔ سیاسی طاقت کو کھو دینے کا خوف، اس مرتبہ نئی مرکز گیر ہوتی ہوئی ریاست اور اس کو کنٹرول کرنے والوں کا خوف۔ ہم نے پچھلے باب میں دیکھا کہ انگلستان میں ٹیوڈر بادشاہت کے تحت، کس طرح سیاسی مرکز گیری کے عمل نے، مختلف مقامی اشراف کی طرف سے آواز اور قومی سیاسی اداروں میں نمائندگی کے مطالبات بڑھتے گئے، تاکہ اس سیاسی طاقت کے نقصان کو ٹالا جا سکے۔ ایک مضبوط تر پارلیمان وجود میں آگئی، جس نے آخر کار اشتمالی سیاسی اداروں کے ظہور کو ممکن بنایا۔

لیکن بہت سی دوسری صورتوں میں، اس کی عین ضد واقع ہو جاتی ہے، اور سیاسی مرکز گیری کا عمل ایک بدتر مطلق العنانیت کے دور کا نقیب بن جاتا ہے۔ یہ روسی مطلق العنانیت کی ابتدا سے واضح ہے، جو پیٹر اعظم کی طرف سے 1682 اور اسکی وفات 1725 کے درمیان تشکیل دی گئی، پیٹر نے سینٹ پیٹرز برگ کے مقام پر نیا دارالحکومت تعمیر کیا، پرانی نوکر شاہی بویاروں سے اختیارات چھیلتے ہوئے تاکہ وہ ایک جدید نوکر شاہانہ ریاست اور جدید فوج تیار کر سکے۔ یہاں تک کہ اس نے اس بویارڈوں کو بھی ختم کر دیا جس نے اسے زار بنایا تھا۔ پیٹر نے درجات کی جدول متعارف کروائی۔ جو کہ مکمل طور پر نئی افسر شاہی تھی، جس نے ملخص زار کی خدمت تھی۔ اس نے چرچ کا کنٹرول بھی سنبھال لیا، بالکل اسی طرح جس طرح ہنری ہشتم نے سنبھالا تھا، جب اس نے

انگلستان میں ریاست کو مرکز گیر بنایا، سیاسی مرکز گیری کے اس عمل کے ساتھ پیٹر دوسروں سے اختیار واپس لے رہا تھا اور اسے دوبارہ اپنی طرف منتقل کر رہا تھا۔ اس کی فوجی اصلاحات، روایتی شاہی دستوں، سٹریلٹسی، کی بغاوت پر منتج ہوئی۔ ان کی بغاوت کی تقلید دوسرے نے بھی کی، جیسا کہ وسطیٰ ایشیا میں بشکروں نے اور بلاون بغاوت بھی۔ لیکن کوئی بھی کامیاب نہ ہوا۔

اگرچہ پیٹر اعظم iii کا سیاسی مرکز گیری کا منصوبہ کامیاب ثابت ہوا، اور حزب اختلاف مغلوب ہوگئی۔ لیکن اس قسم کی طاقتیں جو ریاست کی مرکز گیری کی مخالفت کر رہی تھیں، جیسا کہ سٹریلٹسی جنہوں نے اپنی طاقت کو چیلنج ہوتے دیکھا، دنیا کے مختلف حصوں میں کامیاب ہوگئیں، اور اس کے نتیجے میں پیدا ہوانے والے ریاستی مرکز گیری کے فقدان کا مطلب ایک مختلف قسم کے استحصالی سیاسی اداروں کا تسلسل تھا۔

اس باب میں ہم یہ دیکھیں گے کہ کس طرح، صنعتی انقلاب سے پیدا کردہ فیصلہ کن موڑ کے دوران بہت سی اقوام نے موقع ضائع کر دیا، اور وہ صنعت کے پھیلاؤ سے فائدہ حاصل کرنے میں ناکام رہیں۔ یا تو ان کے ہاں استحصالی سیاسی اور معاشی ادارے تھے، جیسا کہ سلطنت عثمانیہ میں، یا ان میں سے سیاسی مرکزیت کی کمی تھی، جیسا کہ صومالیہ میں۔

ایک چھوٹا اختلاف جو اہم تھا

مطلق العنانیت انگلستان میں سترھویں صدی میں منہدم ہوگئی، لیکن سپین میں مضبوط تر ہوگئی۔ انگریزی پارلیمان کی ہسپانوی مترادف کورٹیز صرف نام کی حد تک باقی تھی۔ سپین کی تشکیل 1492 میں ملکہ ازبیلا (Queen Isabella) اور بادشاہ فردنینڈ (King Ferdinand) کی شادی کی وجہ سے کاسٹیل اور ایراگون کی بادشاہتوں کے انضمام سے ہوئی۔ یہ تاریخ ری کنکوئیسٹ (Reconquest) کے اختتام کے ساتھ، جو کہ عربوں کو باہر نکالنے کا ایک طویل عمل تھا'' جنہوں نے سپین کے جنوب پر قبضہ کر لیا تھا اور غرناطہ، قرطبہ اور اشبیلیہ جیسے عظیم شہر تعمیر کر لئے تھے، آٹھویں صدی سے لے کر، آئبیرین جزہ نما پر آخری عرب ریاست، غرناطہ، عین اس وقت ہسپانیہ کے ہاتھوں فتح ہوگئی، جب کرسٹوفر کولمبس امریکاؤں میں وارد ہوا، اور ان مما لک پر ملکہ ازابیلا، اور بادشاہ فردینڈ کی ملکیت کا دعویٰ کرنے لگا، جنہوں نے اس کے اس سفر کے اخراجات ادا کئے تھے۔

MashalBooks.org

کاسٹیل اور ایراگون کی بادشاہتوں کے انضمام اور بعد میں ہونے والی شاہی خاندانوں کی شادیوں اور وراثتوں نے ایک یورپی مہاریاست بنادی۔ ازابیلا 1504 میں فوت ہوئی، اور اس کی بیٹی جوانا (Joanna) کاسٹیل کی تاجپوش ملکہ بن گئی۔ جوانا کی شادی ہاؤس آف ہیبسرگ کے فلپ (Philip of the House of Habsburg) جو کہ ہولی رومن امپائر (مقدس سلطنت روما) کے شہنشاہ میکسملین اول (Maximilian 1) کا بیٹا تھا۔ 1516 میں جوانا اور فلپ کا بیٹا، چارلس، کاسٹیل اور ایراگون کا پہلا تاجپوش چارلس بنا۔ جب اس کا باپ فوت ہوا، تو چارلس کو نیدرلینڈز اور فرانچ کامٹے (Franche-Comte) وراثت میں پائے، جن کو اس نے آئبیریا اور امریکاؤں کی سرزمینوں میں شامل کرلیا، 1519 میں جب میکسیمیلین اول فوت ہوا، تو چارلس نے جرمنی میں ہیپسبرگ کے علاقے بھی وراثت میں حاصل کرلئے، اور ہولی رومن امپائر کا شہنشاہ چارلس پنجم بن گیا، وہ چیز جو 1492 میں دو ہسپانوی بادشاہتوں کا انضمام تھی۔ ایک بین البراعظمی سلطنت بن گئی، اور چارلس نے اس مطلق العنان سلطنت کو مضبوط بنانا جاری رکھا جو ازابیلا اور فردینینڈ نے شروع کی تھی۔ ہسپانیہ میں مطلق العنانیت کی تعمیر اور اس کو مستحکم کرنے کی کوشش، میں امریکاؤں میں قیمتی معدنیات کی دریافت نے بہت زیادہ اضافہ کیا۔ چاندی پہلے ہی گوانا جواتو، میکسیکو میں بہت بڑی مقداروں میں دریافت ہوچکی تھی، اور 1520 کی دہائی تک اور اس کے جلد ہی بعد زاکاٹیکاس میکسیکو میں بھی دریافت ہوگئے۔ 1532 کے بعد پیرو کی فتح نے بادشاہت کے لئے اور بھی زیادہ دولت پیدا کی۔ یہ فتح کے مال غنیمت میں ایک حصے "شاہی خمس کی شکل میں اور کانوں سے بھی آتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے باب اول میں دیکھا 1540 کی دہائی تک پٹوسی میں چاندی کا ایک پہاڑ دریافت ہوا تھا۔ جس نے ہسپانوی بادشاہ کی تجوریوں میں اور زیادہ دولت انڈیل دی۔

کاسٹیل اور ایراگون کے انضمام کے وقت، سپین یورپ کے معاشی طور پر انتہائی خوشحال حصوں میں سے ایک تھا۔ جب اس کا مطلق العنانیت کا حامل سیاسی نظام پختہ ہوگیا، تو یہ نسبتاً معاشی انحطاط میں اور پھر 1600 کے بعد میں مطلق معاشی انحطاط میں چلا گیا، ری کنکولسیٹ کے بعد ازابیلا اور فرڈینڈ کا پہلا کام یہودیوں کا استحصال تھا۔ تقریباً دو ہزار پانچ سو یہودیوں کو سپین چھوڑ کر جانے کے لئے صرف چار ماہ دیئے گئے۔ انہیں اپنی تمام جائیداد اور اثاثے بہت کم قیمتوں پر بیچنا پڑے اور کوئی سونا یا چاندی ملک سے باہر لے جانے کی جازت نہیں تھی۔ ایک ایسا ہی انسانی

المیہ صرف ایک سو سال بعد واقع ہوا۔ 1609 اور 1614 کے درمیان فلپ سوم نے، موریکوؤں کو، جو کہ جنوبی سپین میں سابقہ عرب ریاستوں کے شہریوں کی اولادیں تھیں نکال دیا۔ بالکل ویسے جیسے یہودیوں کے ساتھ ہوا، موریکوؤں کو بھی سونا اور چاندی ساتھ لے جانے کی اجازت نہ تھی، اور انہیں بھی صرف ان اشیا کے ساتھ نکلنا پڑا جو وہ اٹھا سکتے تھے۔ سپین میں ہیبسرگ راج کے تحت، حقوق ملکیت دوسری سمتوں میں غیر محفوظ تھے۔ فلپ دوم جو 1556 میں اپنے باپ چارلس پنجم کا جانشین ہوا، 1557 میں اور پھر 1560 میں اپنے قرضوں کا نادہندہ ہو گیا، اور فگر اینڈ ویلسر (Fugger and Welser) بینکار خاندانوں کو تباہ کردیا۔ جرمنی کے ان بینکار خاندانوں کا کردار بعد میں جینوا کے بینکار خاندانوں نے سنبھال لیا، جو بھی اپنی باری پر بعد میں ہونے والی، ہیپسبرگ کے دور حکومت کے دوران 1596, 1607, 1627, 1647, 1652, 1660, 1575 اور 1662 میں ہسپانوی نادہندگیوں سے تباہ ہوگئے۔

مطلق العنان سپین میں حقوق ملکیت کے عدم استحکام کی طرف اہم، ہسپانوی نوآبادیاتی سلطنت کے معاشی اداروں اور تجارت اور ترقی پر مطلق العنانیت کا اثر تھا۔ جیسا کہ ہم نے پچھلے باب میں دیکھا، انگلستان کی معاشی خوشحالی تیز تجارتی ترقی پر بنی تھی۔ اگرچہ، ہسپانیہ اور پرتگال کے مقابلے میں انگلستان اوقیانوسی تجارت میں دیر سے داخل ہوا، لیکن اس نے تجارت اور نوآبادیاتی مواقع میں نسبتاً وسیع البنیاد شراکت کی اجازت دی۔ جس چیز نے سپین میں بادشاہ کی تجوریوں کو بھرا، اس نے انگلستان میں ابھرنے والے طبقے کو امیر بنایا۔ یہ یہی تاجر طبقہ تھا جو انگلستان میں ابتدائی معاشی تحرک کی بنیاد بننے والا تھا اور جو مطلق العنانیت مخالف سیاسی اتحاد کی حفاظتی دیوار ثابت ہونے والا تھا۔

یہ مظاہر جو معاشی ترقی اور ادارہ جاتی تبدیلی پر منتج ہوئے، سپین میں واقع نہ ہوئے۔ امریکاؤں کے دریافت ہونے کے بعد، ازابیلا اور فرڈینینڈ نے اپنی نوآبادیات اور سپین کے درمیان تجارت، اشبیلیہ میں تاجروں کی ایک انجمن کے ذریعے منظم کیا۔ یہ تاجر ساری تجارت کو کنٹرول کرتے تھے اور اس بات کو یقینی بناتے تھے کہ بادشاہ کو امریکاؤں کی ساری دولت کا حصہ پہنچتا رہے۔ نوآبادیات میں سے کسی بھی نوآبادی کے ساتھ آزادانہ تجارت نہیں تھی، اور ہر سال جہازوں کا ایک بڑا بیڑا، امریکاؤں سے قیمتی دھاتوں اور قیمتی اشیا لے کر اشبیلیہ پہنچتا تھا۔ اس

MashalBooks.org

محدود، اور اجارہ داری والی تجارتی بنیاد کا مطلب یہ تھا کہ نوآبادیات کے ساتھ تجارتی مواقع کے ذریعے تاجروں کا کوئی وسیع طبقہ نہیں ابھر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ امریکاؤں کے اندر بھی تجارت بہت بھاری نظم وضبط کے ماتحت تھی۔ مثال کے طور پر، کسی نوآبادی مثلاً نئے سپین میں ایک تاجر، جو کہ تقریباً جدید میکسیکو ہے، نئے غرناطہ، جدید کولمبیا میں، کسی شخص کے ساتھ براہ راست تجارت نہیں کر سکتا تھا۔ ہسپانوی سلطنت کے اندر تجارت پر ان پابندیوں نے، اس کی خوشحالی کو کم کر دیا، اور ساتھ ہی ساتھ بالواسطہ طور پر ان باطنی فوائد کو بھی، جو ہسپانیہ، ایک اور زیادہ خوشحال سلطنت کے ساتھ تجارت کر کے حاصل کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود، وہ پرکشش تھیں کیونکہ وہ یہ ضمانت دیتی تھیں کہ سونا اور چاندی سپین میں ایسے ہی بہتے چلے آئیں گے۔

سپین کے استحصالی معاشی ادارے، مطلق العنانیت کی تعمیر اور انگلستان کے مقابلے میں اس کے مختلف راستے جو سیاسی اداروں کی طرف سے اپنایا گیا، کا براہ راست نتیجہ تھے۔ کاسٹیل اور ایراگون دونوں کی بادشاہتوں کی اپنی اپنی کورٹیز تھیں یعنی ایک پارلیمان جو مختلف گروہوں یا بادشاہت کی مختلف ''جاگیروں'' کی نمائندگی کرتی تھیں۔ جیسا کہ انگلستان کی پارلیمانی کا معاملہ تھا۔ کورٹیز کو بھی بلانے کی ضرورت نئے ٹیکسوں کی منظوری کے لئے پڑتی تھی، تاہم، کاسٹیل اور ایراگون میں کورٹیز بنیادی طور پر بڑے شہروں کی نمائندگی کرتی تھیں، نا کہ انگلستان کی پارلیمان کی طرح، شہری اور دیہاتی دونوں علاقوں کی، پندرھویں صدی تک یہ صرف اٹھارہ شہروں کی نمائندگی کرتی تھی، جن میں ہر ایک شہر دو نائب بھیجتا تھا۔ نتیجے کے طور پر کورٹیز اتنے وسیع گروپوں کی نمائندگی نہیں کرتی تھی، جتنی کہ انگریزی پارلیمان کرتی تھی، اور یہ کبھی بھی ان متنوع دلچسپیوں کا مرکز نہیں بنی، جو مطلق العنانیت پر پابندیاں لگانے کے لئے کوشش کرتیں۔ یہ قانون سازی نہیں کر سکتی تھی اور ٹیکس لگانے کے حوالے سے اس کے اختیارات کا دائرہ محدود تھا۔ اس سب نے ہسپانوی بادشاہت کے لئے اپنی مطلق العنانی کو مضبوط کرنے کے لئے کورٹیز کو استعمال کرنا آسان تر بنا دیا۔ اس کے باوجود کہ چاندی امریکاؤں سے آ رہی تھی۔ چارلس پنجم اور فلپ دوم کو مہنگی جنگوں کے ایک سلسلے کو رقم مہیا کرنے کیلئے مستقل بڑھتے ہوئے ٹیکس کے محصولات کی ضرورت ہوتی تھی۔ 1520 میں چارلس پنجم نے کورٹیز کے سامنے اضافہ شدہ ٹیکسوں کے مطالبات رکھنے کا فیصلہ کیا۔ شہری اشراف نے اس لمحے کو، کورٹیز اور اس کے اختیارات میں بہت وسیع پیمانے پر تبدیلیوں کے

لئے استعمال کیا۔ یہ مخالفت پرتشدد ہو گئی اور جلد ہی کومیونرو بغاوت (Comunero Rebellion) کے نام سے پکاری جانے لگی۔ چارلس وفادار فوجوں کی مدد سے اس بغاوت کو کچلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ باقی ماندہ پوری سولھویں صدی کے دوران ایک مسلسل جنگ جاری ہی، کیونکہ بادشاہ نے کورٹیز سے نئے ٹیکس لگانے اور قدیم ٹیکسوں میں اضافہ کرنے کے جو بھی اختیارات اس کے پاس تھے، چھیننے کی کوشش کی۔ اگرچہ اس جنگ میں اتار چڑھاؤ آتے رہے لیکن آخر کار یہ بادشاہ نے جیت لی، 1664 کے بعد اس کورٹیز کا دوبارہ اجلاس نہ ہوا جب تک کہ نپولین کی جنگوں کے دوران 150 سال بعد اس کی تعمیر نو نہ ہوگئی۔

انگلستان میں 1688 میں مطلق العنانی کی شکست نہ صرف تکثیری سیاسی اداروں پر منتج ہوئی بلکہ اس سے بڑھ کر ایک کہیں زیادہ موثر مرکز گیر ریاست کی تشکیل پر بھی۔ سپین میں جب مطلق العنانی کامیاب ہوگئی تو اس کی ضد واقع ہوئی۔ اگرچہ بادشاہت نے کورٹیز کو کمزور کر دیا تھا۔ اور اپنے رویوں پر کسی قسم کی مضبوط پابندیوں کو دور کر دیا تھا۔ لیکن ٹیکس لگانا مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا، حتیٰ کہ انفرادی طور پر شہروں کے ساتھ براہ راست گفت وشنید کی کوششوں کے باوجود بھی۔ جبکہ انگریزی ریاست ایک جدید اہل ٹیکس کی انتظامیہ پیدا کر رہی تھی۔ وہیں پر ہسپانوی ریاست متضاد سمت میں چل رہی تھی۔ بادشاہت نہ صرف کاروباری لوگوں کے لئے محفوظ حقوق ملکیت کو تحفظ دینے میں ناکام ہو رہی تھی اور تجارت پر اجارہ داری قائم کر رہی تھی، بلکہ یہ دفاتر کو بیچ رہی تھی۔ اکثر اوقات انہیں موروثی بنا کر ٹیکس کی وصولی کی ذمہ واری نجی لوگوں کے سپرد کرنے میں ملوث ہو رہی تھی، اور یہاں تک انصاف سے مامونیت کو بیچ رہی تھی۔

سپین میں ان استحصالی سیاسی اور معاشی اداروں کے نتائج قابل پیش بینی تھے۔ سترھویں صدی کے دوران، جب انگلستان تجارتی ترقی اور تیز رفتار صنعت کاری کی طرف حرکت پذیر تھا، تو سپین وسیع پیمانے کی معاشی زوال کی طرف نیچے آ رہا تھا۔ صدی کی ابتدا میں سپین میں پانچ میں سے ایک فرد شہری علاقوں میں رہ رہا تھا۔ اختتام صدی تک یہ تعداد نصف ہو کر دس میں سے ایک فرد تک آ گئی۔ ایک ایسے عمل میں جو ہسپانوی آبادی کی بڑھتی ہوئی غربت کے ساتھ متناسب تھا۔ ہسپانویوں کی آمدنیاں کم ہو گئیں، جبکہ انگلستان امیر ہو گیا۔

سپین میں مطلق العنانیت کا تسلسل اور اس کی مضبوطی، جبکہ یہ انگلستان میں جڑ سے اکھاڑا

MashalBooks.org

جارہا تھا، اس بات کی ایک اور مثال ہے کہ فیصلہ کن موڑوں کے دوران چھوٹے اختلافات اہمیت رکھتے ہیں۔ چھوٹے اختلافات نمائندہ اداروں کی مضبوطی اور نوعیت میں تھے، فیصلہ کن موڑ امریکاؤں کی دریافت تھا۔ ان کے باہمی اداروں کے راستے پر ڈال دیا۔ انگلستان میں نتیجہ کے طور پر پیدا ہونے والے نسبتاً اشتمالی معاشی اداروں نے بے مثال معاشی تحرک پیدا کیا، جو صنعتی انقلاب پر منتج ہوا، جبکہ سپین میں صنعتکاری کو کوئی موقع ہی نہ ملا۔ اس وقت تک جب تک کہ صنعتی ٹیکنولوجی دنیا کے بہت سے حصوں میں پھیل رہی تھی۔ ہسپانوی معیشت اس قدر زوال پذیر ہو چکی تھی کہ سپین میں صنعتکاری کو روکنے کے لئے بادشاہ یا زمیندار طبقے کی بھی ضرورت نہ تھی۔

صنعت کا خوف

1688 کے بعد انگلستان میں ابھرنے والی سیاسی طاقت اور سیاسی اداروں میں تبدیلی جیسی تبدیلیوں کے بغیر، مطلق العنان ممالک کے لئے، صنعتی انقلاب کی جدت طرازیوں اور نئی ٹیکنولوجیوں سے فائدہ اٹھانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مثال کے طور سپین میں محفوظ حقوق ملکیت کا فقدان اور وسیع پیمانے کے معاشی زوال کا مطلب تھا کہ لوگوں کیلئے ضروری سرمایہ کاری کرنے اور قربانیاں دینے کا جذبہ محرکہ ہی نہیں تھا۔ روس اور آسٹریا۔ ہنگری میں یہ محض اشراف کی لاپروائی اور بدانتظامی، اور استحصالی اداروں کے تحت چپکے چپکے بڑھنے والا معاشی تنزل نہ تھے، جنہوں نے صنعتکاری کو روکا؛ اس کی بجائے حکمرانوں نے ان ٹیکنولوجیوں کو متعارف کروانے اور ریل روڈ جیسے بنیادی ڈھانچے میں سرمایہ کاروں کی کسی بھی کوشش کو فعال طور پر روکا، جو ان گزرگاہوں کے طور کام کر سکتے تھے۔

اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی کے اوائل میں، صنعتی انقلاب کے وقت یورپ کا سیاسی نقشہ اس سے بالکل مختلف تھا جو یہ آج کل ہے۔ مقدس سلطنت رومانے، جو کہ چار سو سے زیادہ حکومتوں کی ایک رضائی تھی جن میں بہت سی آخر کار جرمنی میں متحد ہونے والی تھیں، وسطی یورپ کے بہت بڑے حصے پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ دا ہاؤس آف ہیبسبرگ (Habsburg) ابھی تک ایک بڑی سیاسی طاقت تھی، اور اس کی سلطنت، جسے ہیبسبرگ یا آسٹرو۔ ہنگرین سلطنت کے نام سے جانا جاتا تھا۔ 250,000 مربع میل کے ایک وسیع علاقے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اگرچہ اس میں بوربرنز کے

1700 میں ہسپانوی تخت پر قبضہ کر لینے کے بعد، ہسپانیہ شامل نہیں تھا۔ آبادی کے لحاظ سے یہ یورپ میں تیسری سب سے بڑی ریاست تھی، اور یورپ کی آبادی کے 1/7 حصے پر مشتمل تھی۔ اٹھارویں صدی کے اواخر میں، ہیبسبرگ کی سرزمین میں مغرب میں وہ علاقہ بھی شامل تھا جسے آجکل بلجیم کہا جاتا ہے۔ اور اس وقت آسٹرین نیدرلینڈز کہا جاتا تھا۔ تاہم اس کا سب سے بڑا حصہ ممالک کا وہ باہم متصل مجموعہ تھا، جو آسٹریا اور ہنگری کے آس پاس تھا، جس میں شمال میں جمہوریہ چیک اور سلوواکیا اور جنوب میں سلووینیا، کروشیا اور اٹلی اور سربیا کے بڑے حصے تھے۔ مشرق میں اس کے اندر آج کل کے رومانیہ اور پولینڈ کے بہت سے حصے شامل تھے۔

ہیبسبرگ کی حدود میں تاجر، انگلستان کے تاجروں کی نسبت کم اہم تھے، اور مشرقی یورپ کے ممالک میں کسانوں کی غلامی کا غلبہ تھا۔ جیسا کہ ہم نے باب چہارم میں دیکھا، مشرقی یورپ کی دوسری کسانوں کی غلامی کی بنیاد میں ہنگری اور پولینڈ تھے۔ سٹوورٹوں کے برخلاف، ہیبسبرگ مطلق العنان حکمرانی کو مضبوطی سے قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ فرانسس اول، جس نے 1792 اور 1806 کے درمیان مقدس سلطنت روما کے آخری شہنشاہ کے طور پر حکومت کی، اور پھر آسٹریا۔ ہنگری کے شہنشاہ کے طور پر اپنی وفات 1835 تک حکومت کی، ایک مکمل مطلق العنان تھا۔ وہ اپنی طاقت پر کسی قسم کی حدود کو تسلیم نہیں کرتا تھا، اور سب سے بڑھ کر وہ سیاسی جمود کی حالت کو قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی بنیادی حکمت عملی تبدیلی کی مخالفت کرنا تھی، کسی بھی قسم کی تبدیلی کی۔ 1821 میں اس نے، ایک ایسی تقریر میں اسے واضح کر دیا جو ہیبسبرگ حکمرانوں کا خاصہ تھا۔ جو اس نے لائباخ میں ایک اسکول کے اساتذہ کے سامنے کی۔ اس بات پر زور دیتے ہوئے: ''مجھے دانشوروں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اچھے دیانتدار شہریوں کی ضرورت ہے۔ آپ کا کام نوجوانوں کو یہ کچھ بنانا ہے۔ وہ شخص جو میری خدمت کرتا ہے اسے وہ کچھ لازماً پڑھانا چاہتے جس کا میں اسے حکم دوں، اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا، یا نئے نئے خیالات لے کر آتا ہے، تو وہ جا سکتا ہے۔ میں اسے ہٹا دوں گا۔''

ملکہ معظّمہ ماریا تھیریسا (Maria Theresa)، جس نے 1740 اور 1780 کے درمیان حکومت کی، ایسی تجاویز کہ اداروں کو کیسے بہتر بنایا یا تبدیل کیا جائے گا جواب میں اکثر یہ کہہ کر دیتی تھیں۔ ''ہر چیز کو جیسی وہ ہے ویسی چھوڑ دو''۔ تاہم، وہ اور اس کا بیٹا جوزف دوم، جو 1780 اور 1790 کے

MashalBooks.org

درمیان شہنشاہ تھا، ایک زیادہ طاقتور مرکزی ریاست اور ایک زیادہ موثر انتظامی نظام بنانے کی کوششوں کے ذمہ وار تھے۔لیکن انہوں نے ایسا ایک ایسے سیاسی نظام کے تناظر میں کیا جس میں ان کے اعمال پر کوئی قدغنیں نہ ہوں اور جس میں تکثیریت کے کوئی عناصر نہ ہوں۔

کوئی قومی پارلیمان نہ تھی، جو بادشاہ پر ذرہ برابر بھی کنٹرول کرتی، صرف علاقائی جاگیرداروں اور قانون ساز اداروں کا ایک نظام تھا، جس کے پاس تاریخی طور پر ٹیکسوں اور عسکری بھرتی کے سلسلے میں کچھ اختیارات تھے۔آسٹرو۔ہنگرین ہیپسبرگز کے اعمال پر اس سے کم تر کنٹرول تھے، جتنا کہ ہسپانوی بادشاہوں پر تھے، اور سیاسی طاقت بہت محدود دائرے میں مرکوز تھی۔

جوں جوں، اٹھارویں صدی میں ہیپسبرگ مطلق العنانیت مضبوط ہوتی گئی، توں توں تمام غیر شاہی ادارے مزید کمزور ہوتے گئے۔ جب آسٹریا کے صوبے ٹائرول سے شہریوں کے ایک وفد نے فرانسس سے ایک آئین کی درخواست کی، تو اس نے جواب دیا ''تو، آپ ایک آئین چاہتے ہیں۔۔اب دیکھئے میں اس کی پروا نہیں کرتا، میں آپ کو ایک آئین دوں گا، لیکن تمہیں یہ علم ہونا چاہئے کہ سپاہی میری اطاعت کرتے ہیں، اور اگر مجھے رقم کی ضرورت ہوئی تو میں ایک سے دوسری بار آپ سے نہیں کہوں گا۔۔بہر حال میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ جو کچھ کہنے جا رہے ہیں اس میں محتاط رہیں۔ یہ جواب دیئے جانے کے بعد ٹائلور کے قائدین نے جواب دیا ''آپ ایسا سمجھتے ہیں تو کسی آئین کا نہ ہونا بہتر ہے''، جس پر فرانسس نے جواب ''میری بھی یہی رائے ہے۔''

فرانسس نے اس ریاستی کونسل کو تحلیل کر دیا، جسے میریا تھیریسا نے اپنے وزرا کے ساتھ مشاورت کیلئے ایک فورم کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اس کے بعد سے، بادشاہ کے فیصلوں پر کوئی مشاورت یا عوامی بحث و مباحثہ نہیں ہوگا۔فرانسس نے ایک پولیس ریاست قائم کر دی، اور وہ کسی بھی ایسی چیز کا بے رحمی سے مقابلہ کرتا تھا جو ہلکے انداز سے بھی انقلابی محسوس ہوتی۔ اس کے حکمرانی کے فلسفے کو ایک طویل عرصہ تک مددگار رہنے والے کاونٹ ہارٹگ (Count Hartig) نے بطور ''حکمران کی حاکمیت کی بلاتخفیف دیکھ بھال، اور عوام کی طرف سے اس حاکمیت میں شراکت کے تمام دعاوی کی نفی'' نشاندہی کی۔ اس تمام معاملے میں اس کی مدد شہزادہ وان میٹرنک (Van Metternich) نے کی جسے 1809 میں اس کے وزیر خارجہ کے طور پر تعینات کیا گیا تھا۔ میٹرنک رہا،

اور وہ تقریباً اور اثر درحقیقت فرانسس کی طاقت اور اثر کے بہت بعد تک رہا، اور وہ تقریباً چالیس سال تک وزیر خارجہ رہا۔

ہیپسبرگ کے معاشی اداروں کے مرکز میں جاگیرداری اور کسانوں کی غلامی تھی۔ آدمی سلطنت کے اندر جوں جوں مشرق کی جانب سفر کرتا، تو جاگیرداری زیادہ شدید ہوتی جاتی۔ جوکہ معاشی اداروں میں زیادہ عمومی ڈھلاؤ کی عکاسی ہے، جو ہم نے باب چہارم میں دیکھا، جب آدمی مغربی یورپ سے مشرقی یورپ میں سفر کرتا۔ محنت کش طبقے کی حرکت پذیری انتہائی محدود تھی اور ہجرت غیر قانونی تھی۔ جب انگریز فلاح کار رابرٹ اوون (Robet Owen) نے آسٹریائی حکومت کو، غریب لوگوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے کچھ سماجی اصلاحات اختیار کرنے پر قائل کرنے کی کوشش کی، تو میٹرنک کے معاونین میں سے ایک فریڈرک وان گینٹز (Friedrich von Gentz) نے جواب دیا ''ہم یہ ہرگز خواہش نہیں رکھتے کہ بہت زیادہ عوام امیر اور آزاد ہوجائیں بصورت دیگر ہم ان پر کیسے حکومت کر سکیں گے؟''

MashalBooks.org

کسانوں کی غلامی سے مستزاد، جس نے محنت کی منڈی کے ظہور کو مکمل طور پر روک دیا، اور دیہی آبادی کے عوام سے معاشی محرکات یا جرات اقدام کو ختم کر دیا، ہیپسبرگ مطلق العنانیت نے اجارہ داریوں اور تجارت پر دوسری پابندیوں کی بنا پر نشوونما پائی، شہری معیشت پیشہ ور انجمنوں کے غلبے میں تھی جو پیشوں میں داخلے کو محدود کر دیتی تھیں، 1775 تک خود آسٹریا کے اندر اندرونی محصولات تھے اور ہنگری میں 1784 تک۔درآمد شدہ اشیا پر بہت زیادہ محصولات تھے اور ساتھ ہی ساتھ اشیا کی برآمد اور درآمد پر واضح پابندیاں تھیں۔

مارکیٹوں کو دبانا اور استحصالی معاشی اداروں کو تخلیق کرنا، بلاشبہ مطلق العنانی کی خصوصیات ہیں، لیکن فرانسس اس سے بھی آگے نکل گیا۔محض اتنا ہی نہیں کہ استحصالی اداروں نے افراد کے لئے جدت طرازی کرنے یا نئی ٹیکنولوجی کو اختیار کرنے کے محرک کو نکال دیا تھا۔ ہم نے باب دوم میں دیکھا کہ کانگو کی بادشاہت میں، ہلوں کے استعمال کو پروان چڑھانے کی کوششیں کس طرح ناکام ہوگئیں کیونکہ لوگوں کے اندر معاشی اداروں کی استحصالی نوعیت کے پیش نظر جذبہ محرکہ کی کمی تھی۔ کانگو کے بادشاہ نے یہ محسوس کیا کہ اگر وہ لوگوں کو ہل کے استعمال پر آمادہ کر سکے تو زرعی پیداوار زیادہ ہو جائیگی، جو زیادہ دولت پیدا کرے گی جس سے وہ فائدہ اٹھا سکے گا۔ یہ تمام

حکومتوں، یہاں تک کہ مطلق العنان حکومتوں کے لئے بھی ایک طاقتور محرک ہوتا ہے۔ کانگو میں مسئلہ یہ تھا کہ لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ جو کچھ وہ پیدا کریں گے وہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرف سے ضبط کر لیا جائے گا، لہذا ان کے لئے بہتر ٹیکنولوجی کو استعمال کرنے یا سرمایہ کاری کرنے کا کوئی جذبہ محرکہ نہیں تھا۔ ہیبسبرگ کے ممالک میں فرانسس نے شہریوں کی بہتر ٹیکنولوجی استعمال کرنے پر حوصلہ افزائی نہیں کی۔ اس کے برعکس درحقیقت اس نے اس کی مخالفت کی۔ اور ان ٹیکنولوجیوں کے پھیلاؤ کا راستہ روک دیا، جن کو لوگ بصورت دیگر موجودہ معاشی اداروں کے ساتھ ساتھ اختیار کرنے پر رضامند ہوتے۔

جدت طرازی کی مخالفت دو طرح سے ظاہر ہوتی تھی۔ اول فرانسس اول صنعت کی ترقی کے خلاف تھا۔ صنعت کارخانوں کی طرف لے جاتی تھی، اور کارخانے غریب کارکنوں کو شہروں میں اکٹھا کرتے تھے، خصوصاً دارالحکومتی شہر ویانا میں۔ وہ کارکن پھر مطلق العنانی کے مخالفین کے حمایت کار بن جاتے تھے۔ اس کی پالیسیوں کا ہدف روایتی اشراف کو اپنی جگہ پر محصور رکھنا اور سیاسی اور معاشی جمود کو برقرار رکھنا تھا۔ وہ معاشرے کو بنیادی طور پر زرعی رکھنا چاہتا تھا۔ فرانسس کے خیال میں ایسا کرنے کا بہترین طریقہ، پہلے مرحلے میں کارخانوں کی تعمیر کو روکنا تھا۔ ایسا اس نے براہ راست کیا۔ مثال کے طور پر 1802 میں ویانا میں نئے کارخانوں کی تعمیر پر پابندی لگا کر۔ بجائے نئی مشینری برآمد کرنے اور اسے اختیار کرنے کی حوصلہ افزائی کرنے کے، جو کہ صنعتکاری کی بنیاد تھی، اس نے 1811 تک اس پر پابندی لگا دی۔

دوم، اس نے ریلوے کی تعمیر کی بھی مخالفت کی، جو ان نئی بنیادی ٹیکنولوجیوں میں سے ایک تھی جو صنعتی انقلاب کے ساتھ آئیں۔ جب شمالی ریلوے بنانے کا منصوبہ فرانسس اول کے سامنے پیش کیا گیا، تو اس نے جواب دیا، ''نہیں نہیں، میرا اس سے کوئی سروکار نہیں، کہیں ایسا نہ ہو انقلاب اس ملک میں آ جائے۔''

کیونکہ حکومت ایک دُخانی ریلوے بنانے کی رعایت نہیں دیتی تھی۔ لہذا سلطنت میں بنائی جانے والی پہلی ریلوے کو گھوڑوں سے کھینچے جانے والے چھکڑے استعمال کرنا پڑے۔ وہ پٹڑی جو دریائے ڈینیوب کے کنارے لنز کے شہر اور دریائے مولڈاؤ کے کنارے بڈوائز کے بوہیمین شہر کے درمیان چلتی تھی، ڈھلاؤ اور کونوں کے ساتھ بنائی گئی، جس کا مطلب تھا کہ بعد میں اسے دُخانی

انجنوں میں تبدیل کرنا ناممکن تھا۔ لہذا 1860 کی دہائی تک اسے گھوڑوں کی طاقت سے چلایا جاتا رہا۔ سلطنت میں ریلوے کی ترقی کی خفیہ معاشی طاقت کا اندازہ سب سے پہلے بینکار سیلومون راتھس چائلد (Salomon Rothschild) نے لگا لیا تھا، جو کہ وی آنا میں عظیم بینکار خاندان کا نمائندہ تھا۔ سیلومون کا بھائی، ناتھن (Nathan)، جو انگلستان کا رہائشی تھا، جارج سٹیفنسن کے انجن ''دی راکٹ'' سے اور اس کے بھاپ سے حرکت کرنے کی خفیہ طاقت سے بہت متاثر تھا۔ اس نے آسٹریا میں ریلوے کو ترقی دینے کے لئے مواقع کی تلافی کی تلاش کی ترغیب دینے کیلئے اپنے بھائی سے رابطہ کیا، کیونکہ اس کا خیال تھا کہ یہ خاندان ریلوے کی ترقی کے لئے رقم مہیا کرنے سے بہت منافع کما سکتا ہے۔ ناتھن متفق ہو گیا لیکن یہ سکیم نہ چل سکی کیونکہ شہنشاہ فرانسس نے ایک مرتبہ پھر محض نہیں کہہ دیا۔

صنعت اور دخانی ریلوے کی مخالفت نے فرانسس کی تخلیقی تباہی کی تشویش سے جنم لیا، جو جدید معیشت کے ارتقا کے ہمراہ ہوتی ہے۔ اس کی بنیادی ترجیحات، ان استحصالی اداروں کے استحکام کو یقینی بنانا جس پر وہ حکومت کرتا تھا۔ اور ان روایتی اشراف کے مفادات کی حفاظت کرنا تھیں جو اس کی حمایت کرتے تھے۔ نا صرف یہ کہ اس صنعتکاری سے بہت کم فائدہ حاصل ہونا تھا، جو محنت کشوں کو دیہاتوں سے شہروں کی طرف کھینچ کر جاگیرداری کو ختم کر دیتی، بلکہ فرانسس اس خطرے کا بھی ادراک کر چکا تھا جو بڑی معاشی تبدیلیاں اس کے سیاسی اقتدار کے لئے پیدا کر سکتی تھیں، نتیجۃً اس نے صنعت اور معاشی ترقی کو روک دیا، معاشی پسماندگی کے محصور کرتے ہوئے، جس کا اظہار بہت سے طریقوں سے ہوا۔ مثال کے طور پر، 1883 تک کے بعد کے دور تک جب 90 فیصد لوہے کی پیداوار کوئلہ استعمال کر کے حاصل کی جاتی تھی۔ اس وقت ہیبسبرگ کے علاقوں میں نصف سے زیادہ پیداوار ابھی تک بہت کم توانائی والے کچے کوئلے کو استعمال کر کے حاصل کی جاتی تھی۔ اس طرح، ٹھیک پہلی جنگ عظیم تک، جب سلطنت تباہ ہو گئی، کپڑے کی بنائی کبھی مکمل طور پر مشینی نہیں تھی۔ بلکہ ابھی تک اسے ہاتھ سے ہی کیا جاتا تھا۔

صنعت کے خوف میں آسٹریا۔ ہنگری اکیلا مبتلا نہ تھا۔ مشرق بعید اور روس کے ہاں بھی مساوی طور پر سیاسی اداروں کا ایک مطلق العنان سیٹ تھا۔ جو پیٹر اعظم کی طرف سے تشکیل دیا گیا تھا، جیسا کہ ہم نے اس باب میں پہلے دیکھا، آسٹریا ہنگری کی مانند، روس کے معاشی ادارے بھی

MashalBooks.org

انتہائی استحصالی تھے۔ جو کہ کسانوں کی غلامی پر مبنی تھے، جنہوں نے کم از کم نصف آبادی کو زمین کے ساتھ باندھ کر رکھا ہوا تھا۔ غلام کسانوں کو، ہفتے میں تین دن، اپنے آقاؤں کی زمینوں پر بلا وجہ کام کرنا پڑتا تھا۔ وہ نقل مکانی نہیں کر سکتے تھے، انہیں پیشے کی آزادی نہیں تھی، اور انہیں اپنے آقا کی مرضی سے کسی دوسرے آقا کو بیچا جا سکتا تھا۔ انقلابی فلسفی، پیٹر کروپوٹکن (Peter Kropotkin) جو کہ جدید انارکی کے بانیوں میں سے ایک تھا، نے اس کسانوں کی غلامی کے کام کرنے کے طریقے کی واضح تصویر کشی ہے، جو زار نکولس اول کے دور میں تھی، جس نے روس پر 1825 سے 1855 تک حکومت کی۔ اس نے اپنی بچپن کی یادوں کو اس طرح تازہ کیا:

ان مردوں اور عورتوں کی کہانیاں، جنہیں اپنے خاندانوں اور اپنے گاؤں سے توڑ لیا گیا اور بیچ ڈالا گیا، جوئے میں ہار دیا گیا، یا شکاری کتوں کے ایک جوڑے کے عوض ادلہ بدلہ کر لیا گیا۔ اور روس کے کسی دور دراز حصے میں منتقل کر دیا گیا۔۔ بچوں کی کہانیاں، جنہیں اپنے والدین سے لے کے ظالم اور آقاؤں کے ہاتھوں بیچ دیا گیا: ''اصطبلوں میں'' کوڑے مارنے کی کہانیاں، جو ہر روز واقع ہوتی تھیں، جن کے ظلم کے بارے میں کوئی کچھ نہیں سنتا تھا؛ ایک لڑکی کہ کہانی جس نے اپنی نجات کا واحد راستہ اپنے آپ کو ڈبونے میں ڈھونڈا؛ ایک بوڑھے شخص کی کہانی جس کے بال اپنے آقا کی خدمت میں سفید ہو گئے تھے، اور آخر کار اس نے اپنے آپ کو اپنے آقا کی کھڑکی تلے پھانسی کے پھندے پر لٹکا لیا؛ اور غلام کسانوں کی بغاوتوں کی کہانیاں، جنہیں نکولس اول کے جرنیلوں کی طرف سے، عام سپاہیوں میں سے نکال کر ہر دسویں یا پانچویں سپاہی کو کوڑے مار کر موت کے گھاٹ اتار کر، دبا دیا گیا، اور گاؤں کو تباہ کر کے۔۔۔ جہاں تک غربت کا تعلق ہے، جو میں نے بعض گاؤں میں اپنے سفروں کے دوران دیکھی، خاص طور پر ان گاؤں میں، جو شاہی خاندان کی ملکیت تھے۔ کوئی بھی الفاظ ان قاریوں کے سامنے بیان کرنے کیلئے موزوں نہیں ہیں۔ جنہوں نے انہیں دیکھا نہیں ہے۔

بالکل ایسے ہی جیسا کہ آسٹریا ہنگری میں ہوا، مطلق العنانی نے محض ایسے معاشی اداروں کا سیٹ ہی پیدا نہیں کیا، جس نے معاشرے کی خوشحالی میں روڑے اٹکائے۔ اسی طرح کا تخلیقی تباہی کا ڈر تھا، اور اسی طرح کا صنعت اور ریلوے کا ڈر تھا۔ نکولس اول کے دور میں اس کی تہہ میں کاونٹ ایگور کینکرین (Count Egor Kankrin) تھا۔ جس نے 1823 اور 1844 کے درمیان وزیر خزانہ

کے طور پر کام کیا، اور معاشی خوشحالی کو پروان چڑھانے کیلئے معاشرے میں ضروری تبدیلیوں کی مخالفت کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

کینکرین کی پالیسیوں کا ہدف، حکومت کے روایتی سیاسی ستونوں کو مضبوط کرنا، خاص طور پر زمیندار اشرافیہ کو، اور معاشرے کو دیہاتی اور زراعتی رکھنا تھا، وزیر خزانہ بننے کے بعد، کینکرین نے صنعت کاروں کو قرضے دینے کیلئے ایک سرکاری ملکیت میں، تجارتی بینک قائم کرنے کی، سابقہ وزیر خانہ گوریو (Gureu) کی تجویز کی مخالفت کی اور اسے واپس کر دیا، اس کی بجائے کینکرین نے ریاستی قرضہ بینک (State Loan Bank) کو دوبارہ کھول دیا، جو نپولین کی جنگوں کے دوران بند کر دیا گیا تھا، یہ بینک بنیادی بڑے زمینداروں کو رعایتی شرحوں پر قرض دینے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ جو کہ وہ پالیسی تھی جسے کینکرین کی حمایت حاصل تھی۔ ان قرضوں کے لئے درخواست گزاروں کو ''ضمانت'' یا رہن کے طور پر کسان غلام پیش کرنا ضروری تھا، تاکہ صرف جاگیردار زمیندار ہی ایسے قرضے حاصل کر سکیں۔ سٹیٹ لون بینک کو رقم مہیا کرنے کے لئے کینکرین نے اثاثے تجارتی بینک سے اسے منتقل کر دیئے، اس طرح ایک تیر سے دو شکار کرتے ہوئے؛ اب صنعت کے لئے کوئی رقم باقی نہیں بچے گی۔

MashalBooks.org

کینکرین کے رویوں کے صورت گری دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اس خوف سے ہوئی تھی، کہ معاشی تبدیلی، سیاسی تبدیلی لائے گی، اور اس طرح زار نکولس کے رویوں کی صورت گری بھی۔ 1825 میں نکولس کے حصول اقتدار کی کوشش کو، فوجی افسران کی طرف سے ایک حملے سے تقریباً ناکام بنا دیا گیا، جو دسمبرسٹس (Decembrists) کے نام سے موسوم تھے، جن کے پاس انقلابی سماجی تبدیلی کا ایک پروگرام تھا۔ نکولس نے عظیم ڈیوک میخائیل کو لکھا؛ ''انقلاب روس کی دہلیز پر ہے، لیکن میں حلفاً کہتا ہوں کہ یہ اس وقت تک ملک کے اندر داخل نہیں ہوگا، جب تک کہ میرے سانس میں سانس ہے۔''

نکولس ان سماجی تبدیلیوں سے خوفزدہ تھا، جو ایک جدید معیشت کے نتیجے میں آئیں۔ جیسا کہ اس نے ایک تقریر میں کہا جو اس نے ماسکو میں ایک صنعتی نمائش میں صنعتکاروں کے ایک اجلاس میں کی:

ریاست اور صنعتکاروں دونوں کو اپنی توجہ ایک مسئلے کی طرف مبذول کرانی چاہیئے، جس

کے بغیر کارخانے بجائے ایک رحمت کے برائی بن جائیں گے؛ یہ چیز ہے کارکنوں کی دیکھ بھال جو ہرسال تعداد میں بڑھ جاتے ہیں۔انہیں ان کے اخلاق کی مضبوط اور پدرانہ دیکھ بھال کی ضرورت ہے؛اس کے بغیر لوگوں کا یہ ہجوم بتدریج بگڑ جائے گا اور آخر کار ایک ایسے طبقے میں تبدیل ہو جائے گا، اتنا ہی مصیبت زدہ ہوگا، جتنا کہ یہ اپنے آقاؤں کے لئے خطرناک ہے۔

بالکل جو معاملہ فرانسس اول کے ساتھ تھا۔نکولس بھی اس بات سے خوفزدہ تھا کہ جدید صنعتی معیشت سے پیدا شدہ تخلیقی تباہی، روس میں سیاسی جمود کو تباہ کر دے گی۔نکولس کی طرف سے شہہ دیئے جانے پر، کینکرین نے صنعت کی مخفی صلاحیت کو سست رفتار کرنے کے لئے مخصوص اقدامات کئے۔اس نے کئی ایسی صنعتی نمائشوں پر پابندی لگا دی، جو اس سے پہلے، نئی ٹیکنولوجی کی نمائش کرنے اور ٹیکنولوجی کے اختیار کرنے کی سہولت کاری کے لئے منعقد کی جاتی تھیں۔

1848 میں یورپ انقلابی غیض وغضب کے ایک سلسلے سے ہل کر رہ گیا۔اس کے جواب میں اے۔اے زکرے فسکی (A. A. Zakareuski) جو کہ ماسکو کا فوجی گورنر تھا، جو عوامی نظم ونسق برقرار رکھنے کا انچارج تھا، نے نکولس کو لکھا: ''اس سکون اور خوشحالی کو محفوظ بنانے کے لئے، جو اس موجودہ وقت میں صرف روس کو نصیب ہے، حکومت کو بے گھر اور آوارہ منش لوگوں کے اجتماع کی اجازت ہرگز نہیں دینی چاہئے، جو آسانی سے ہر تحریک، میں شامل ہو جائیں گے اور معاشرتی یا نجی امن کو تباہ کر دیں گے۔اس کے مشورے کو نکولس کے وزرا کے سامنے لایا گیا اور 1849 میں ایک نیا قانون منظور کیا گیا، جس میں ماسکو کے کسی علاقے میں کھولے جانے والے کارخانوں کی تعداد پر شدید پابندیاں عائد کی گئیں۔اس نے خاص طور پر نئے سوتی اور اونی کاتنے والے کارخانوں اور لوہے کے ڈھلائی کے کارخانوں کے کھولنے کے ممنوع قرار دیا۔دوسرے کارخانوں، جیسا کہ کپڑا بننے اور رنگ کرنے کے کارخانوں کو فوجی گورنر کو درخواست گزارنا پڑتی تھی، اگر وہ نئے کارخانے کھولنا چاہتے تھے تو۔آخر کار سوت کاتنے پر واضح طور پر پابندی عائد کر دی گئی۔اس قانون کا مقصد شہر میں مخفی طور پر باغی کارکنوں کے کسی مزید اجتماع کو روکنا تھا۔

ریلوے کی مخالفت بھی، آسٹریا ہنگری کی طرح صنعت کی مخالفت کے ہمراہ آئی۔ 1842 سے پہلے روس میں صرف ایک ریلوے تھی۔ یہ زارسکوسیلو ریلوے (Tasarskoe Selo Railway) تھی، جو سینٹ پیٹرز برگ سے زارسکوسیلو کی شاہی رہائش گاہوں تک صرف سترہ میل

تک چلتی تھی۔کینکرین نے جیسے صنعت کی مخالفت کی، بالکل ویسے ہی اسے ریلوے کو پروان چڑھانے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آئی، جس کے بارے میں اس کا استدلال تھا کہ وہ خطرناک حرکت پذیری پیدا کرلے گی۔اس نے تحریر کیا کہ ''ریلویز ہمیشہ فطری ضرورت کا نتیجہ ہوتیں، بلکہ زیادہ تر ایک مصنوعی ضرورت یا تعیش کی چیز ہوتی ہیں۔یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک غیر ضروری سفر کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں، جو کلی طور پر ہمارے دور کی خصوصیات ہے''

کینکرین نے، ریلوے تعمیر کرنے کی متعدد بولیوں کو مسترد کر دیا، ار یہ صرف 1851 میں تھا کہ ماسکو اور سینٹ پیٹرز برگ کو ملانے کے لئے ایک پٹڑی تعمیر کی گئی۔کینکرین کی پالیسی کو کاونٹ کلین مائیکل (Count Kleinmichel) نے جاری رکھا۔جسے نقل وحمل اور عوامی عمارات کے انتظام کا سربراہ بنا دیا گیا۔یہ ادارہ ریلوے کی تعمیر کا بڑا فیصلہ ساز بن گیا۔اور کلین مائیکل نے اس پلیٹ فارم کو تعمیر کی حوصلہ شکنی کے لئے استعمال کیا۔1849 کے بعد اس نے ریلوے کی ترقی کے بارے میں اخبارات میں کسی قسم کے بحث مباحثے کی جانچ پڑتال کے اختیارات کو بھی استعمال کیا۔

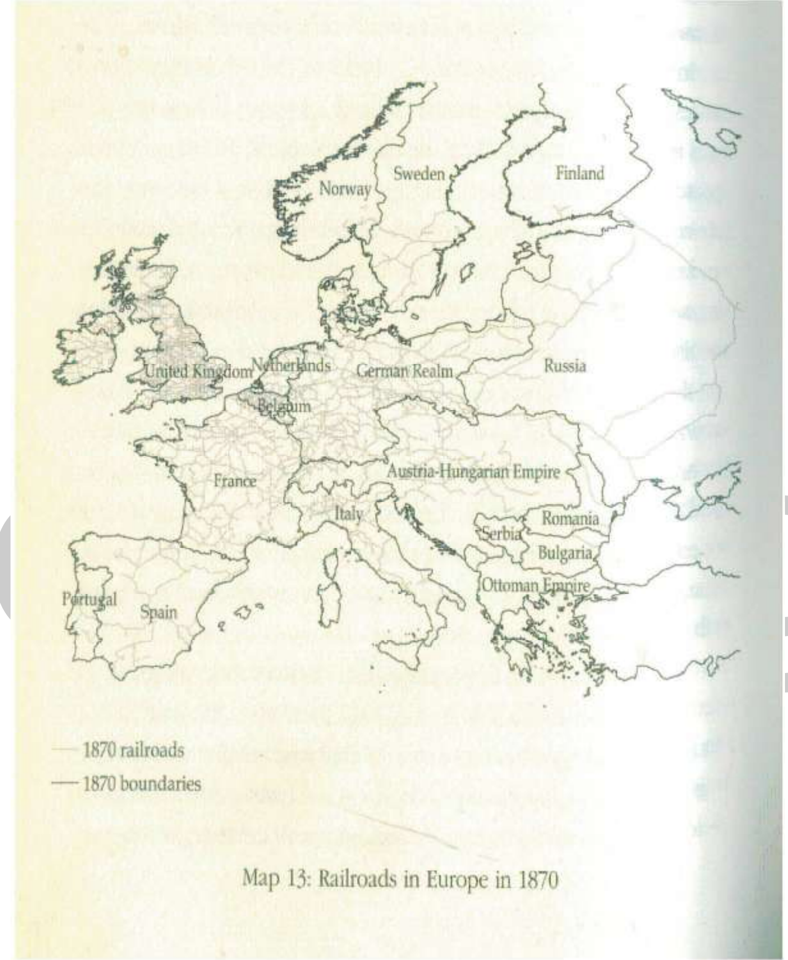
نقشہ نمبر 13 اس منطق کے نتائج کو ظاہر کرتا ہے جب برطانیہ اور شمالی مغربی یورپ کا بڑا علاقہ ریل کی آڑی ترچھی پٹڑیوں سے پٹا پڑا تھا، روس کی وسیع سرزمین میں بہت کم پٹڑیاں داخل ہوئیں، روس کی ریلوے مخالف پالیسی صرف اس وقت پیچھے کو موڑی گئی جب روس کو برطانیہ، فرانس اور عثمانی فوجوں سے، کریمیائی جنگ میں (56-1853) میں حتمی شکست ہوگئی، جب اس کے نقل وحمل کے نظام کی پسماندگی کو روسی سلامتی کے لئے ایک اہم ذمہ واری سمجھا گیا۔آسٹریا ہنگری میں، آسٹریا اور سلطنت کے مغربی حصوں سے باہر ریلوے کی ترقی نہیں تھی، اگرچہ 1848 کے انقلابات نے ان علاقوں میں تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں، خاص طور پر کسانوں کی غلامی کا خاتمہ کر دیا۔

جہاز سے سامان لانے لے جانے کی اجازت نہیں

مطلق العنانیت کا نہ صرف یورپ کے بہت سے علاقے میں راج تھا، بلکہ ایشیا میں بھی، اور اس نے ویسے ہی یہاں بھی، صنعتی انقلاب کے پیدا کردہ فیصلہ کن موڑ کے دوران صنعتکاری کو روکا۔چین کے منگ اور چنگ حکمران خاندان اور سلطنت عثمانیہ کی مطلق العنانیت اس نمونے کی

MashalBooks.org

وضاحت کرتے ہیں۔ سانگ خاندان کی حکومت کے تحت 960 اور 1279 کے درمیان، چین نے ٹیکنولوجیاتی جدت کاریوں میں دنیا کی قیادت کی۔ چینیوں نے کلاک، قطب نما، بارود، کاغذ،



Map 13: Railroads in Europe in 1870

کاغذی رقم، چینی اور لوہے کو ڈھالنے کے لئے دھونکنی سے دہکائی جانے والی بھٹی یورپ سے پہلے ایجاد کیں۔ انہوں نے آزادانہ طور پر کاتنے والے تکلے اور آبی طاقت تقریباً اسی وقت ایجاد کر لئے جب یہ یوریشیا کے دوسرے سرے پر نمودار ہوئے۔ نتیجے کے طور پر، 1500 میں چین میں بھی معیار ہائے زیست تقریباً اتنے ہی بلند تھے جتنے کہ یورپ میں۔ صدیوں تک چین میں ایک

مرکز گیر ریاست تھی، جس نے ایک استحصالی طور پر بھرتی شدہ افسر شاہی بھی تھی۔

لیکن چین ایک مطلق العنان ریاست تھی، اور سانگ خاندان کے تحت ہونے والی ترقی استحصالی اداروں کے تحت تھی۔ معاشرے میں بادشاہت کے علاوہ کسی قسم کے گروپوں کی کوئی نمائندگی نہیں تھی، نہ ہی پارلیمان یا کورٹیز سے مشابہ کوئی چیز تھی۔ چین میں تاجروں کا مرتبہ ہمیشہ غیر یقینی تھا، اور سانگ کی بڑی ایجادات منڈی کے محرکات سے نہیں اکسائی گئی تھیں۔ بلکہ یہ، حکومت کے زیر سایہ یا بلکہ احکامات کے تحت وجود میں لائی گئیں تھیں۔ اس میں سے کچھ بھی تجارتی نہیں تھا۔ ریاست کی گرفت منگ اور چنگ خاندانوں کی حکومت کے دوران، جو سانگ خاندان کے بعد آئے، مزید سخت ہو گئی۔ اس سب کی تہہ میں استحصالی اداروں کی معمول کی منطق تھی۔ استحصالی اداروں کے سر پر حکومت کرنے والے زیادہ تر حکمرانوں کی طرف چین کے مطلق العنان شہنشاہوں نے بھی تبدیلی کی مخالفت کی، استحکام کو تلاش کیا، اور حقیقت میں تخلیقی تباہی سے ڈرتے رہے۔

یہ چیز بین الاقوامی تجارت کی تاریخ سے بہترین طور پر واضح ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، امریکاؤں کی دریافت اور اس طریقے نے جس سے بین الاقوامی تجارت کی تنظیم ہوتی، نے ابتدائی جدید یورپ کی سیاسی کشمکشوں اور ادارہ جاتی تبدیلیوں میں بنیادی کردار ادا کیا۔ چین میں جہاں، نجی تاجر ملک کے اندر کی تجارت میں مصروف تھے، وہیں ریاست نے بیرون ملک کی تجارت پر اجارہ داری حاصل کر لی۔ جب 1368 میں میگ خاندان اقتدار میں آیا، تو یہ شہنشاہ ہانگ وو (Hongwu) تھا جس نے سب سے پہلے تیس سال حکومت کی۔ ہانگ وو کو اس بارے میں تشویش تھی کہ بین الاقوامی تجارت سیاسی اور سماجی طور پر استحکام شکن ہوگی اور اس نے صرف اس صورت میں بین الاقوامی تجارت کی اجازت دی اگر یہ حکومت کی طرف سے منظّم کی جائے اور صرف اگر اس میں خراج دینا شامل ہو اور یہ تجارتی سرگرمی نہ ہو، یہاں تک ہانگ وو نے سینکڑوں ایسے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، جن پر خراج کی مہمات کو تجارتی سفروں میں تبدیل کرنے کا الزام تھا۔ 1377 اور 1397 کے درمیان کسی قسم کی سمندری سفر کی خراج کی مہمات کی اجازت نہیں تھی۔ اس نے نجی افراد کے غیر ملکیوں کے ساتھ تجارت کرنے پر پابندی لگا دی اور چینیوں کو سمندر پار سفر کرنے کی اجازت نہ دی۔

1402 میں شہنشاہ یونگل (Yongle) تخت نشین ہوا، اور حکومت کی سرپرستی میں بڑے پیمانے

پر غیر ملکی تجارت کو دوبارہ شروع کرتے ہوئے چینی تاریخ کے ایک مشہور ترین دور کا آغاز کیا۔ یانگل نے ایڈمرل زینگ ہی(Zheng He) کو جنوب مشرق، جنوبی ایشیا، عرب اور افریقہ میں چھ بڑی مہمات پر مامور کیا۔ چینی ان مقامات کو، تاریخی تعلقات کی ایک طویل تاریخ سے جانتے تھے، لیکن اس سے پہلے اس پیمانے پر کبھی کوئی چیز واقع نہیں ہوئی تھی۔ پہلے بیڑے میں 27,800 لوگ، چھ بڑے خزانے کے جہاز، جن کے ہمراہ 190 چھوٹے جہاز تھے۔ بشمول ان جہازوں کے جو خاص طور پر تازہ پانی اٹھائے ہوئے تھے، دوسرے سامان رسد کے لئے اور دوسرے فوجیوں کے لئے، شامل تھے۔ لیکن شہنشاہ یانگل نے 1422 میں چھٹی مہم کے بعد ان مہمات پر عارضی روک لگا دی۔ یہ پابندی اس کے جانشین، ہانکسی کی طرف سے مستقل کر دی گئی، جس نے 1424 سے 1425 تک حکومت کی۔ ہانکسی کی قبل از وقت موت نے شہنشاہ زوانڈ (Xuande) کو تخت پر لا بٹھایا، جس نے پہلے، زانگ ہی کو، 1433 میں ایک آخری مہم کی جازت دی، لیکن اس کے بعد تمام غیر ملکی تجارت پر پابندی لگا دی گئی۔ 1436 تک سمندر پر جانے والے جہازوں کی ساخت ہی غیر قانونی قرار دے دی گئی۔ غیر ملکی تجارت پر پابندی 1567 تک نہ اٹھائی گئی۔

یہ واقعات، اگرچہ اس استحصالی برفانی تودے کا صرف ایک سرا تھے، جس نے ان بہت سی معاشی سرگرمیوں جنہیں مخفی طور پر استحکام شکن سمجھا جاتا تھا، کو روک دیا، لیکن ان کا چین کی اقتصادی ترقی پر گہرا اثر ہونے والا تھا۔ عین اس وقت جب بین الاقوامی تجارت اور امریکاؤں کی دریافت، انگلستان کے اداروں کو تبدیل کر رہے تھے، چین اپنے آپ کو اس فیصلہ کن موڑ سے علیحدہ کر رہا تھا اور اپنے اندر کی طرف رخ کر رہا تھا۔ یہ اندر کی طرف رخ 1567 میں ختم نہ ہوا۔ منگ خاندان پر 1644 میں جورچن (Jurchen) لوگوں نے چڑھائی کر دی، جو کہ اندرونی ایشیا کے مانکوس تھے، جنہوں نے چنگ خاندان کو تخلیق کیا۔ پھر سیاسی عدم استحکام کا دور شروع ہو گیا۔ چنگ جائیداد اور اثاثوں کی بڑے پیمانے کے استحصال میں مصروف ہو گئے۔ 1690 میں، تانگ چن، جو کہ ایک ریٹائرڈ چینی عالم اور ناکام تاجر تھا، نے لکھا:

''چنگ خاندان کی بنیاد رکھے ہوئے پچاس سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، اور سلطنت ہر روز غریب سے غریب تر ہوتی جا رہی ہے، کسان کنگال ہیں، کاریگر کنگال ہیں، تاجر کنگال ہیں اور ملازمین بھی کنگال ہیں۔ غلّہ سستا ہے لیکن آدمی کا پیٹ بھر کر کھانا کھانا مشکل ہے۔ کپڑا سستا

ہے لیکن آدمی کا اپنے جسم کو ڈھانپنا مشکل ہے۔ اشیا کی بھری ہوئی کشتیاں ایک منڈی سے دوسری منڈی تک سفر کرتی ہیں، لیکن سامان لازماً خسارے میں بکتا ہے۔ ملازمین کو اپنی ملازمتیں چھوڑنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کے پاس اپنے گھر بار کو سہارا دینے کے لئے کوئی روپیہ پیسہ نہیں ہے۔ بلاشبہ چاروں کے چاروں پیشے افلاس زدہ ہیں۔''

1661 میں شہنشاہ کانکسی (Kangxi) نے یہ حکم دیا کہ ویت نام سے لے کر چیکیانگ تک ساحل کے ساتھ ساتھ رہنے والے تمام لوگ۔ یقیناً پورا جنوبی ساحل، جو کبھی چین کا تجارتی لحاظ سے فعال ترین حصہ تھا، ۔ سترہ میل خشکی کے اندر تک منتقل ہو جائیں۔ اس اقدام کو لاگو کرنے کے لئے ساحل کا پہرہ فوجی دستے دینے لگے، اور 1693 تک ساحل پر ہر جگہ جہازوں پر سامان لانے لیجانے پر پابندی تھی۔ یہ پابندی کچھ عرصہ کے لئے اٹھارویں صدی میں دوبارہ لاگو کی گئی، جس نے چین کی بیرونی تجارت کے ظہور کو موثر طریقے سے روک دیا۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے ترقی کی، بہت کم ایسے تھے جو سرمایہ کاری کرنے کے لئے تیار تھے، جب شہنشاہ نے اچانک اپنا ذہن بدل لیا اور تجارت پر پابندی عائد کر دی، جہازوں، سامان، اور تجارتی تعلقات میں سرمایا کاری کرنے کو بے وقعت اس سے بھی بدتر کر دیا۔

چنگ اور منگ ریاستوں کا بین الاقوامی تجارت کی مخالفت کرنے کا استدلال اب واضح ہے: تخلیقی تباہی کا خوف۔ قائدین کا بنیادی مقصد سیاسی استحکام تھا۔ بین الاقوامی تجارت مخفی طور پر استحکام دشمن تھی، کیونکہ تاجر امیر اور جرأت مند ہو گئے تھے، جیسا کہ وہ انگلستان میں اوقیانوسی توسیع کے دوران ہو گئے تھے۔ یہ صرف منگ اور چنگ خاندانوں کی حکومت کے دوران حکمرانوں کے خیالات نہیں تھے۔ بلکہ سانگ خاندان کے حکمرانوں کا بھی یہی خیال تھا، اگرچہ وہ ٹیکنولوجیاتی جدت طرازیوں کی سرپرستی کرنے اور زیادہ تجارتی آزادی دینے پر رضامند تھے۔ بشرطیکہ یہ سب کچھ ان کے کنٹرول کے تحت ہو۔ منگ اور چنگ خاندانوں کے تحت معاملات زیادہ خراب ہو گئے، کیونکہ معاشی سرگرمیوں پر ریاستی کنٹرول مزید سخت ہو گیا اور بیرونی تجارت پر پابندی لگا دی گئی۔ یقیناً منگ اور چنگ کے چین میں منڈیاں اور تجارت تھیں، اور حکومت ملکی معیشت پر بہت ہلکے ٹیکس عائد کرتی تھی۔ تاہم، اس نے جدت طرازی کی مدد کرنے کے لئے کچھ نہ کیا، اور اس نے تجارتی اور صنعتی خوشحالی کا، سیاسی استحکام کے بدلے سودا کر لیا۔

MashalBooks.org

معیشت کے اس تمام مطلق العنانہ کنٹرول کا نتیجہ قابل پیش بنی تھی: چینی معیشت پوری انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل میں جامد رہی، جبکہ دوسری معیشتیں صنعتی ہو رہی تھیں، اس وقت تک جب 1949 میں ماؤ نے اپنی کمیونسٹ حکومت قائم کی، چین دنیا کی غریب ترین اقوام میں سے ایک بن چکا تھا۔

پریسٹر جان کی مطلق العنانیت

مطلق العنانیت بطور ایک سیاسی اداروں کے سیٹ کے، اور اس سے پیدا ہونے والے معاشی نتائج صرف یورپ اور ایشیا تک محدود نہ تھے۔ مثال کے طور پر یہ افریقہ میں بھی کانگو کی بادشاہت کے ساتھ موجود تھا، جیسا کہ ہم نے باب دوم میں دیکھا۔ افریقی مطلق العنانی کی اس سے بھی زیادہ دیرپا مثال ایتھوپیا یا حبشہ ہے، جس کی جڑوں سے ہم باب ششم میں آشنا ہو چکے ہیں، جب ہم نے ایکسم کے زوال کے بعد جاگیرداری کے ظہور پر بحث کر رہے تھے۔ حبشی مطلق العنانیت اپنے یورپی مثیلوں کی نسبت زیادہ طویل العمر تھی، کیونکہ اس کا سامنا بہت مختلف چیلنجوں اور فیصلہ کن موڑوں سے تھا۔

ایکسم کے بادشاہ کے عیسائیت قبول کرنے کے بعد ایتھوپیا عیسائی ہی رہے، اور چودھویں صدی تک وہ بادشاہ پریسٹر جان (King Prester John) کے اسطورے کا مرکزی نوحہ بن چکے تھے۔ پریسٹر جان ایک عیسائی بادشاہ تھا، جو مشرق اوسط میں اسلام کے عروج سے یورپ سے کٹ چکا تھا۔ ابتدائی طور پر اس کی بادشاہت کو ہندوستان میں واقع سمجھا جاتا تھا۔ تاہم جیسے جیسے یورپیوں کا ہندوستان کے بارے میں علم مزید بڑھا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ صحیح نہیں تھا۔ ایتھوپیا کا بادشاہ، کیونکہ وہ عیسائی تھا، پھر اس اسطورے کا قدرتی ہدف بن گیا۔ درحقیقت ایتھوپیائی بادشاہوں نے، یورپی بادشاہوں کے ساتھ عرب حملوں کے خلاف اتحاد بنانے کی سخت کوشش کی۔ 1300 کے بعد سے یورپ میں سفارتی مشن بھیجتے ہوئے، یہاں تک کہ انہوں نے پرتگیز بادشاہ کو سپاہی بھیجنے پر آمادہ کر لیا۔

ان سپاہیوں نے، سفارتکاروں، یسوعیوں، اور سیاحوں کے ساتھ جو پیٹر جان سے ملنے کے خواہشمند تھے، نے ایتھوپیا کے بہت سے احوال پیچھے چھوڑے، معاشی نقطہ نگاہ سے کچھ انتہائی

دلچسپ احوال فرانسسکو ایلویریز (Francisco Alvares) کی طرف سے ہیں، جو کہ ایک پرتگالی سفارتی مشن کے ہمراہ ایک پادری تھا۔ جو 1520 سے 1527 تک ایتھوپیا میں۔ مزید برآں، یسوعی مینوئیل ڈی المائیڈ (Manoel Almeida) جو 1624 سے ایتھوپیا میں رہا، اور جان بروس جو کہ ایک سیاح تھا جو 1768 سے 1773 تک ملک میں تھا کہ احوال ہیں۔ ان لوگوں کی تحریریں اس وقت کے ایتھوپیا کے سیاسی اور معاشی حالات کا بھرپور احوال پیش کرتی ہیں، اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں چھوڑتیں کہ ایتھوپیا مطلق العنانی کا ایک مکمل نمونہ تھا۔ کسی قسم کے تکثیری ادارے نہیں تھے، نہ ہی شہنشاہ کی طاقت پر کسی قسم کی رکاوٹیں یا پابندیاں تھیں، جو داستانی بادشاہ سلیمان اور ملکہ سبا کی مفروضہ نسل میں سے ہونے کی بنا پر حق حکمرانی کا دعویٰ کرتا تھا۔ مطلق العنانی کا نتیجہ حقوق ملکیت کا شدید عدم تحفظ تھا، جو شہنشاہ کی سیاسی حکمت عملی کے تابع تھا۔ مثال کے طور پر بروس نے یہ تحریر کیا کہ: ساری زمین بادشاہ کی ہی؛ وہ جس سے خوش ہوتا ہے، اپنی خوش کے دوران دے دیتا ہے، اور جب اس کی مرضی ہوتی ہے واپس لے لیتا ہے، جونہی وہ مر جاتا ہے تو سلطنت میں ساری زمین بادشاہ کی مرضی پر ہوتی ہے؛ صرف یہی نہیں بلکہ موجودہ مالک کی موت سے، اس کی املاک، خواہ اس نے جتنے لمبے عرصے تک ان سے فائدہ اٹھایا ہو، بادشاہ کے پاس واپس چلی جاتی ہیں، اور سب سے بڑے بیٹے کو نہیں ملتیں۔

ایلویریز نے یہ دعویٰ کیا کہ بہت زیادہ ''پھل اور کاشتکاری ہوگی، اگر یہ بڑے لوگ لوگوں کے ساتھ برا سلوک نہ کریں۔'' الامیڈا (Alameida) کا احوال کہ معاشرہ کس طرح کام کرتا تھا بھی بہت ہم آہنگ ہے۔ اس نے کہا:

بادشاہ کے لئے یہ بات اسقدر حسب معمول ہے کہ وہ ہر شخص کی مملوکہ زمین کو ہر دو یا تین سالوں میں، بعض اوقات ہر سال اور یہاں تک سال کے دوران ہی کئی مرتبہ تبادلہ کر دیتا ہے، تبدیل کر دیتا ہے، یا چھین لیتا ہے، کہ اس سے کسی کو کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ اکثر اوقات ایک آدمی زمین میں ہل چلاتا ہے، دوسرا بیج بوتا ہے، اور کوئی اور فصل کاٹتا ہے، لہٰذا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی بھی شخص اس زمین کی جس سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے، کوئی پرواہ نہیں کرتا: کوئی بھی شخص درخت لگانے کے لئے تیار نہیں ہوتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جو شخص درخت لگاتا ہے، شاذ و نادر ہی اس کا پھل کھاتا ہے۔ تاہم یہ بات بادشاہ کے حق میں مفید ہے کہ لوگ اس طرح اس پر انحصار کرتے رہیں۔

MashalBooks.org

یہ بیانات، ایتھوپیا اور یورپی مطلق العنانیت کے سیاسی اور معاشی ڈھانچوں کے درمیان بڑی مشابہتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اگرچہ یہ اس بات کو بھی واضح کرتے ہیں کہ ایتھوپیا میں مطلق العنانیت زیادہ شدید تھی اور معاشی ادارے زیادہ استحصالی تھے۔ علاوہ ازیں جیسا کہ ہم نے باب ششم میں زور دیا ایتھوپیا انہیں فیصلہ کن موڑوں سے نہیں گزرا۔ جنہوں نے انگلستان میں مطلق العنانیت کو ختم کرنے میں مدد دی۔ یہ ان بہت سے مظاہر سے کٹا ہوا تھا، جنہوں نے جدید دنیا کی صورت گری کی۔ خواہ یہ صورت حال نہ بھی ہوتی تو بھی اس کی شدید مطلق العنانیت مزید مطلق العنانیت پر منتج ہوئی۔ مثال کے طور پر، جیسا کہ سپین میں تھا، ایتھوپیا میں بین الاقوامی تجارت، بشمول نفع بخش غلاموں کی تجارت کے بادشاہ کے کنٹرول میں تھی۔ ایتھوپیا کلی طور پر الگ تھلگ بھی نہیں تھا؛ یورپیوں نے پریسٹر جان کی تلاش کی، اور اسے اردگرد کی اسلامی حکومتوں کے ساتھ جنگ بھی کرنا پڑی۔ تاہم، مورخ ایڈورڈ گبین (Edward Gibbon) نے قدرے صحت سے لکھا ''ہر طرف سے اپنے مذہب کے سے گھرے ہوئے ایتھوپیائی، ایک ہزار سال تک سوئے رہے، اس دنیا کو بھلائے ہوئے، جس نے انہیں بھلا دیا تھا۔''

جب انیسویں صدی میں افریقہ کی یورپیوں کے ہاتھوں نوآبادیات سازی شروع ہوئی، ایتھوپیا، راس (نواب) کاسا (Ras Kassa) کے تحت ایک آزاد بادشاہت تھا، جسے 1855 میں بطور ٹوڈراس دوم (Twedros II) شہنشاہی کا تاج پہنایا گیا۔ ٹوڈراس دوم نے ریاست کی جدت کاری شروع کی، ایک زیادہ مرکز گیر انتظامیہ اور عدلیہ قائم کرتے ہوئے، اور ایک فوج تیار کرتے ہوئے جو ملک کا کنٹرول سنبھالے اور غالباً یورپیوں سے لڑے گی۔ اس نے فوجی گورنر مقرر کیے، جو ٹیکسوں کو اکٹھا کرنے اور انہیں بادشاہ تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوں گے، جو تمام صوبوں کے انچارج ہوں گے، یورپی طاقتوں کے ساتھ اس کے مذاکرات بہت مشکل تھے، اور اشتعال میں آکر اس نے انگریز قونصل کو گرفتار کر لیا، 1868 میں انگریزوں نے ایک فوجی مہم بھیجی جس نے اس کے دارالخلافہ کو تہس نہس کر دیا۔ ٹوڈراس نے خودکشی کر لی۔

بہرحال، ٹوڈراس کی دوبارہ تشکیل دی ہوئی حکومت نے، اطالویوں کے خلاف، انیسویں صدی کی عظیم سامراج مخالف فتوحات میں سے ایک کو جیتنے کا اہتمام کر لیا۔ 1889 میں تخت مینیلک دوم (Menelik II) کے ہاتھ میں چلا گیا، جسے فوری طور پر اٹلی کی وہاں ایک نوآبادی قائم کرنے کی

دلچسپی کا سامنا کرنا پڑا۔ 1885 میں جرمن چانسلر بسمارک نے برلن میں ایک کانفرنس بلائی، جہاں یورپی طاقتوں نے ''افریقہ کے لئے مہم'' کا منصوبہ تیار کیا۔ یعنی، انہوں نے افریقہ کو دلچسپیوں کے مختلف دائروں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ کانفرنس میں اٹلی نے اریٹریا میں نوآبادیات کے اپنے حقوق حاصل کر لئے۔ ایتھوپیا اور صومالیہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ۔ ایتھوپیا، اگرچہ کانفرنس میں شریک نہیں تھا۔ لیکن بہرحال اس نے کسی نہ کسی طرح نقصان سے محفوظ رہنے کا اہتمام کر لیا۔ لیکن اٹلی ابھی تک عزائم رکھتا تھا، اور 1896 میں انہوں نے اریٹریا سے جنوب کی طرف ایک فوج روانہ کر دی۔ مینیلک کا جواب، قرون وسطیٰ کے کسی بادشاہ کے جواب کی مانند تھا؛ اس نے اشرافیہ کو اپنے مسلح آدمیوں کو بلانے کا حکم دے کر ایک فوج تشکیل دی۔ یہ طریقہ کار لمبے عرصے تک تو کوئی فوج میدان میں نہ رکھ سکا، لیکن اس نے ایک مختصر وقت اطالویوں کو شکست دینے کے لئے کافی تھا۔ جس کے 15 ہزار آدمی، 1896 میں جنگ ایڈووا میں مینیلک کے ایک سو ہزار آدمیوں سے مغلوب ہو گئے۔ یہ ایک انتہائی سنجیدہ قبل نوآبادیاتی دور کی ایک افریقی ملک کی طرف سے ایک یورپی طاقت کو دی جانے والی شکست تھی، اور اس نے مزید چالیس سال کے لئے ایتھوپیا کی آزادی کو محفوظ کر دیا۔

ایتھوپیا کا آخری شہنشاہ، راس ترافی، 1930 میں ہیل سیلاسی کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ ہیل سیلاسی نے اس وقت تک حکومت کی جب اس کا تختہ ایک دوسرے اطالوی حملے سے الٹ دیا گیا جو 1935 میں شروع ہوا۔ لیکن وہ 1941 میں انگریزوں کی مدد سے جلاوطنی سے واپس آ گیا۔ اس نے پھر اس وقت تک حکومت کی جب 1974 میں اس کا تختہ ''ڈرگ'' (Derg) ''کمیٹی'' کی طرف سے الٹ دیا گیا۔ جو مارکسی فوجی افسروں کا ایک گروپ تھا، جنہوں نے ملک کو مزید لوٹنا اور غریب کرنا شروع کر دیا۔ مطلق العنان استحصالی معاشی ادارے، جیسا کہ گلٹ (Gult) اور جاگیرداری، جو ایکسم کے زوال کے بعد پیدا ہوئی، اس وقت تک جاری رہے جبکہ وہ 1794 کے انقلاب کے بعد ختم کر دیئے گئے۔

آج ایتھوپیا دنیا کے غریب ترین ممالک میں سے ایک ہے، ایک عامی ایتھوپیائی کی اوسط آمدنی، انگلستان کے ایک عام شہری کی اوسط آمدنی کا چالیسواں حصہ ہے، زیادہ تر لوگ دیہاتی علاقوں میں رہتے ہیں اور گزارے کی کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ ان کے ہاں صاف پانی، بجلی

MashalBooks.org

اور مناسب سکولوں اور طبی دیکھ بھال تک رسائی کا فقدان ہے۔ اوسط عمر تقریباً پچپن سال ہے اور بالغ لوگوں میں صرف ایک تہائی لوگ خواندہ ہیں۔ انگلستان اور ایتھوپیا کے درمیان تقابل عالمی عدم مساوات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس بات کی وجہ کہ ایتھوپیاں وہاں کیوں ہے جہاں یہ آج ہے، یہ ہے کہ انگلستان کے برعکس، ایتھوپیا میں مطلق العنانیت ماضی قریب تک قائم رہی ہے۔ مطلق العنانیت کے ساتھ استحصالی ادارے اور ایتھوپیائی عوام کے لئے غربت آئی، اگرچہ، بلاشبہ شہنشاہوں اور اشرافیہ نے بہت زیادہ مفاد حاصل کئے۔ لیکن مطلق العنانیت کا سب سے دیرپا نتیجہ یہ تھا کہ ایتھوپیا کا معاشرہ، انیسویں اور ابتدائی بیسویں صدی میں صنعتکاری کے مواقع سے فائدہ نہ اٹھا سکا، جس نے آج کل کے شہریوں کی ذلت آمیز غربت کو سہارا دیا۔

صومالی کی ذُرّیّت

دنیا بھر میں مطلق العنان سیاسی اداروں نے صنعت کاری کو یا تو بالواسطہ طریقے سے روکا، یعنی اس طریقے سے جس پر انہوں نے معیشت کو منظّم کیا، یا براہ راست جیسا کہ ہم نے آسٹریا۔ہنگری اور روس میں دیکھا۔ لیکن مطلق العنانیت ہی اشتمالی اداروں کے ظہور میں واحد رکاوٹ نہ تھی۔ انیسویں صدی کے آغاز میں، دنیا کے بہت سے حصوں میں، خاص طور پر افریقہ میں، ایسی ریاست کی کمی تھی، ج نظم ونسق کی کم سے کم سطح بھی مہیا کرسکتی، جو جدید معیشت کے لئے ایک پیشگی تقاضا ہے۔ روس میں پیٹر اعظم کا کوئی ہم پلّہ نہیں تھا، جس نے سیاسی مرکز گیری کا عمل شروع کیا اور پھر روسی مطلق العنانیت کو تشکیل دیا، چہ جائیکہ انگلستان میں ٹیوڈروں کا، جنہوں نے ریاست کو مرکزیت دیئے بغیر۔ پالیمان کو اور اپنے اقتدار پر پابندیوں کو مکمل طور پر تباہ کئے۔ یا زیادہ موزوں طور پر بغیر مکمل طور پر اس کو تباہ کرنے کے قابل ہوئے۔ سیاسی مرکزیت کی کسی بھی سطح کے بغیر، خواہ ان افریقی ریاستوں کے اشراف صنعت کاری کو کھلے بازووں کے ساتھ خوش آمدید کہنے کی خواہش بھی رکھتے، تو وہ زیادہ کچھ نہ کر سکتے۔

صومالیہ جو افریقہ کے سینگ میں واقع ہے، سیاسی مرکزیت کے فقدان کے تباہ کن اثرات کی واضح مثال پیش کرتا ہے۔ صومالیہ تاریخی طور پر ایسے لوگوں کے غلبے میں ہے جو چھ قبائلی خاندانوں میں منظّم ہے۔ ان میں سے چار سب سے بڑے قبائل، ڈیر، ڈارود، ایساق، اور ہاویئے،

تمام اپنی حد کا کھوج تاریخ میں ایک اساطیری ابوآلا باسالی میں لگاتے ہیں۔ ان قبائلی خاندانوں کی ابتدا صومالیہ کے شمال میں ہوئی، اور وہ بتدریج جنوب اور مشرق میں پھیل گئے، اور آج بھی گلّہ بان لوگ ہیں، جو بکریوں، بھیڑوں، اور اونٹوں کے گلّوں کے ساتھ ساتھ ہجرت کرتے ہیں۔ جنوب میں ڈیگل اور راہن وین، مقیمی کاشتکار، قبائلی خاندانوں کے دو آخری خاندان ہیں۔ ان قبائل کے علاقے نقشہ نمبر 12 پر دکھائے گئے ہیں۔

صومالی سب سے پہلے اپنے قبائلی خاندان کے ساتھ اپنی شناخت ظاہر کرتے ہیں، لیکن یہ بہت بڑے ہیں اور ان میں کئی ذیلی گروہ ہیں، ان میں سے پہلے وہ قبائل ہیں جو اپنی اصل کی کھوج بڑے قبائلی خاندانوں میں کسی کے ساتھ لگاتے ہیں۔ قبائل کے اندر زیادہ اہم گروہ بندی کو ''دیا ادا کرنے والے گروہ'' کہتے ہیں، جو قریبی رشتہ دار لوگوں پر مشتمل ہے، جو ''دیا'' یا خون بہا ادا کرتے اور جمع کرتے ہیں، جو ان میں سے کسی ایک رکن کے قتل کی زرتلافی ہوتی ہے۔ صومالی قبائل اور ''دیا ادا کرنے والے گروپ'' اپنے ان قلیل وسائل پر جو ان کی ملکیت میں تھے۔ تقریباً مسلسل تصادم کی حالت میں جکڑے ہوئے تھے، خاص طور پر پانی کے وسائل اور اپنے جانوروں کے لئے اچھی چراگاہی زمین پر۔ وہ اپنے ہمسایہ قبائل اور دیا ادا کرنے والے گروپوں کے ریوڑوں پر مسلسل حملہ آور رہتے تھے۔ اگرچہ ان قبائل کے سردار بھی ہوتے تھے، لیکن ان لوگوں کے پاس کوئی حقیقی طاقت نہیں تھی۔ سیاسی طاقت بہت وسیع طور بکھری ہوئی تھی۔ اس طرح کہ ہر صومالی بالغ مرد ان تمام فیصلوں میں اپنی رائے دے سکتا تھا جو قبیلے یا گروپ کو متاثر کر سکتے تھے۔ یہ چیز ایک غیر رسمی کونسل کے ذریعے حاصل کی جاتی تھی جو تمام بالغ مردوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ کوئی تحریری قانون نہیں تھا، نہ کوئی پولیس تھی، نا ہی قابل ذکر قانونی نظام تھا، سوائے اس کے کہ شریعہ کا قانون ایک ایسے ڈھانچوں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، جس کے اندر غیر رسمی قونین سموئے جاتے تھے۔ یہ غیر رسمی قوانین ایک دیا ادا کرنے والے گروپ کے لئے ایک ''ہیر'' میں منضبط کئے جاتے تھے، جو کہ ان واضح طور تشکیل شدہ فرائض، حقوق اور ذمہ واریوں کا ایک مجموعہ ہوتا تھا، جن کا یہ گروپ کے ساتھ باہمی معاملہ کرتے تھے، نوآبادیاتی حکومت کے آغاز کے ساتھ یہ ''ہیر'' لکھی جانی شروع ہوگئیں۔ مثال کے طور پر حس اگاس خاندان نے ایک دیا ادا کرنے گروپ تشکیل دیا، جو تقریباً پندرہ سو افراد پر مشتمل تھا اور جو برطانوی صومالی لینڈ میں ڈیر قبیلے کا ایک ذیلی قبیلہ تھا۔ 8 مارچ

MashalBooks.org

1950 کوان کی ''ہیر'' کو برطانوی ضلعی کمشنر نے ریکارڈ کیا، جس کی پہلی تین شقیں یوں بیان کرتی تھیں:

1۔ جب حسن اُگاس کا کوئی فرد کسی باہر کے گروپ کی طرف سے قتل کیا جائے گا، تو اس کے خون بہا (100) کے بیس اونٹ، اس کے قریب ترین رشتہ دار سے لئے جائیں گے، اور باقیماندہ اسی اونٹ سارے حسن اُگاس میں تقسیم کئے جائیں گے۔

2۔ اگر حسن اُگاس کا کوئی آدمی کسی بیرونی آدمی کے ہاتھوں زخمی ہو جائے، اور اس کے زخموں کی قیمت 33 1/2 اونٹ لگائی جائے تو، دس اونٹ اس کے دیئے جائیں اور باقی ماندہ اس کے جفو گروپ (Jiffo Group) کو (دیا گروپ کا ایک ذیلی گروپ)۔

3۔ حسن اُگاس کے ارکان کے درمیان انسانی قتل 33 1/2 اونٹوں کی شرح سے تلافی کے تابع ہے، جو صرف مرنے والے کے قریب ترین رشتہ دار کو قابل ادائیگی ہوگا۔ اگر مجرم سارا یا اس کا کچھ حصہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہے، تو اس کے قبیلے کی طرف سے اس کی مدد کی جائے گی۔

''ہیر'' کا قتل اور زخمی کرنے پر اتنا زیادہ ارتکاز توجہ دیا ادا کرنے والے گروپوں اور قبیلوں کے مابین تقریباً مسلسل حالت جنگ کی عکاسی کرتا ہے۔ اس میں مرکزی چیز خون بہا اور خاندانوں کے خونی تنازعات تھے۔ کسی خاص شخص کے خلاف جرم، پورے دیا ادا کرنے والے گروپ کے خلاف جرم تھا، اور یہ اجتماعی تلافی، خون بہا کو ضروری بنا دیتا تھا۔ اگر ایسا خون بہا ادا نہ کیا جاتا، تو جرم کرنے والے شخص کے دیا ادا کرنے والے گروپ کو مقتول کے اجتماعی معاوضے کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جب جدید ذرائع نقل و حمل صومالیہ پہنچے، تو خون بہا کو ان لوگوں تک وسیع کر دیا گیا، جو موٹر حادثات میں مارے جاتے یا زخمی ہو جاتے۔ حسن اُگاسی کی ''ہیر'' صرف قتل کا حوالہ نہیں دیتی تھی؛ شق نمبر 6 یہ تھی ''اگر حسن اُگاس کا کوئی فرد حسن اُگاس کونسل میں کسی دوسرے کی بے عزتی کر دے گا، تو اسے متاثرہ فریق کو 150 شلنگ ادا کرنا پڑیں گے۔''

1955 کے اوائل میں، دو قبیلوں ہابر ٹول جالو (Habar Tol Jialo) اور ہابر یونس (Habar Yoonis) کے ریوڑ ڈوم بریلی (Dom berlly) کے علاقے میں ایک دوسرے کے مویشی قریب چر رہے تھے۔ یونس قبیلے نے فوری طور پر جواب دیا، ٹول جالو قبیلے کے ایک فرد کے ساتھ اونٹ چرانے پر جھگڑے کے بعد زخمی ہوگیا۔ یونس قبیلے نے فوری طور پر جواب دیا، ٹول جالو قبیلے پر حملہ کر دیا اور ان کے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ یہ موت، خون بہا کے ضابطے کے مطابق، یونس قبیلے کی

طرف ٹول جالو قبیلے کو تلافی کی پیش کش پر منتج ہوئی۔ جو قبول کر لی گئی۔ خون بہا شخصی طور پر حوالے کیا جانا تھا، معمول کے مطابق اونٹوں کی شکل میں۔ حوالے کرنے کی تقریب میں ٹول جالو کے ایک فرد نے یونس قبیلے کے ایک فرد کو، غلطی سے قاتل کے دیت ادا کرنے والے گروپ کا فرد سمجھ کر قتل کر دیا۔ یہ ایک مکمل جنگ پر منتج ہوا، اور اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں تیرہ یونس اور 26 ٹول جالو قتل ہو گئے۔ جنگ ایک اور سال دونوں قبیلوں کے بزرگوں کے سامنے جاری رہی، جنہیں انگریز سامراجی انتظامیہ کی طرف سے اکٹھا کیا گیا، ایک لین دین کرنے کے لئے ثالثی کا کام کیا، (خون بہا کی رقم کا تبادلہ) جس نے طرفین کو مطمئن کر دیا اور اگلے تین سالوں میں ادا کر دیا گیا۔

خون بہا کی ادائیگی طاقت اور خونی لڑائی کے سائے میں واقع ہوئی، اور جب یہ ادا بھی کر دیا گیا، تو پھر کشمکش لازمی طور پر نہ رکی۔ عام طور کشمکش ختم ہو جاتی اور پھر دوبارہ بھڑک اٹھتی۔ لہذا سیاسی طاقت صومالی معاشرے میں وسیع طور پر بکھری ہوئی تھی۔ تقریباً تکثیری انداز سے، لیکن ایک مرکز گیر ریاست کے بغیر جو نظم و ضبط نافذ کر سکتی، چہ جائیکہ حقوق ملکیت، یہ اشتمالی اداروں پر منتج نہ ہوئی۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا احترام نہیں کرتا تھا۔ اور کوئی شخص، بشمول برطانوی نو آبادیاتی ریاست کے جب یہ آخر کار وار ہوگئی، نظم و ضبط قائم کرنے کے قابل نہ تھا۔ سیاسی مرکزیت کے فقدان نے صومالیہ کے لئے صنعتی انقلاب سے فائدہ اٹھانا ناممکن بنا دیا۔ ایسے ماحول میں، برطانیہ سے پھیلنے والی ٹیکنولوجیوں میں سرمایہ کاری کرنا یا انہیں اختیار کرنا ناقابل تصور تھا۔ یا بلاشبہ اس قسم کی تنظیمیں بنانا جو ایسا کرنے کے لئے ضروری تھیں۔ صومالیہ کی پیچیدہ سیاست کے، معاشی ترقی کے لئے اس سے بھی زیادہ پیچیدہ نتائج تھے۔ اس سے پہلے ہم نے افریقی تاریخ کے کچھ بڑے بڑے ٹیکنولوجیاتی معمے دیکھیے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں نو آبادیاتی راج سے پہلے افریقی معاشرے پہیے والی نقل و حمل کو استعمال نہیں کرتے تھے نہ ہل چلا کر کھیتی باڑی کرتے تھے، اور بہت کم لوگ لکھنا جانتے تھے۔ ایتھوپیا یہ کچھ کرتا تھا، جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا ہے۔ صومالیوں کے پاس بھی تحریری رسم الخط تھا، لیکن وہ ایتھوپیائیوں کی طرف اسے استعمال نہیں کرتے تھے۔ ہم نے افریقی تاریخ میں پہلے ہی اس کی مثالیں دیکھی ہیں، افریقی معاشروں نے پہیوں اور ہلوں کا استعمال بھلے نہ کیا ہو، لیکن وہ ان کے بارے میں جانتے یقیناً تھے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ کانگو کی سلطنت کے معاملے میں، یہ چیز بنیادی طور پر اس حقیقت کی وجہ سے تھی معاشی اداروں نے، ان ٹیکنولوجیوں کو

MashalBooks.org

اختیار کرنے کے لئے کوئی محرکات ہی پیدا نہیں کئے تھے۔ کیا لکھائی کو اختیار کرنے کے معاملے میں بھی یہی مسائل پیدا ہو سکتے تھے؟

ہم نے اس کے بارے میں تھوڑا سا فہم تقالی کی بادشاہت سے حاصل کر سکتے ہیں جو صومالیہ سے شمال مشرق میں، جنوبی سوڈان کی ینوبا کی پہاڑیوں میں واقع تھی۔ تقالی کی سلطنت اٹھارویں صدی کے اواخر میں، اسماعیل نامی ایک شخص کی قیادت میں جنگجوؤں کے ایک جتھے کی طرف سے قائم کی گئی اور یہ اس وقت تک آزاد رہی جب تک کہ 1884 میں برطانوی سلطنت میں ضم نہ ہو گئی۔ تقالی بادشاہ اور لوگ عربی لکھائی تک دسترس رکھتے تھے، لیکن اسے استعمال نہیں کیا جاتا تھا سوائے بادشاہوں کے، دوسری حکومتوں کے ساتھ خارجی رابطے کے لئے اور سفارتی خط و کتابت کے۔ پہلے پہل یہ صورت حال خاصی پریشان کن لگتی ہے۔ میسوپوٹیمیا میں تحریر کی ابتدا کا روایتی احوال یہ ہے کہ اسے ریاستوں کی طرف سے، معلومات کو محفوظ کرنے، لوگوں کو کنٹرول کرنے، اور ٹیکس عائد کرنے کے لئے پروان چڑھایا گیا۔ کیا تقالی ریاست اس میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔

ان سوالوں کی تحقیق مورخ جینیٹ یوالڈ (Janet Ewald) سے 1970 کی دہائی کے اواخر میں کی گئی، جب اس نے تقالی ریاست کی تاریخ کو دوبارہ منظّم کرنے کی کوشش کی۔ اس کہانی کا ایک حصہ یہ ہے کہ شہریوں نے تحریر کے استعمال کی مزاحمت کی کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ اسے وسائل کو کنٹرول کرنے کے لئے استعمال کیا جائیگا، جیسا کہ قیمتی زمین کو، ریاست کو اس کی ملکیت کا دعویٰ کرنے کی جاازت دے کر۔ انہیں اس بات کا بھی ڈر تھا کہ یہ زیادہ منظّم ٹیکس لگانے پر منتج ہو گی۔ وہ خاندان جو اسماعیل نے شروع کیا اور طاقتور ریاست میں منتقل نہ ہوا۔ اگر ریاست چاہتی بھی تو اتنی مضبوط نہ تھی کہ اپنی مرضی کو شہریوں کے اعتراضات پر مسلط نہ کر سکتی تھی۔ لیکن دوسرے، زیادہ دقیق عوامل بھی کام کر رہے تھے۔ مختلف اشراف بھی سیاسی مرکزیت کی مخالفت کر رہے تھے۔ مثال کے طور پر وہ شہریوں کے ساتھ معاملات کرنے میں تحریری کی بجائے زبانی طریقے کو ترجیح دیتے تھے۔ کیونکہ یہ انہیں زیادہ سے زیادہ صوابدید مہیا کرتے تھے۔ تحریری احکامات کو واپس نہیں لیا جا سکتا تھا نہ ہی ان سے انکار کیا جا سکتا تھا اور انہیں تبدیل کرنا بھی زیادہ مشکل تھا؛ وہ ایسے حوالے کے نقطے چھوڑ جاتے تھے، جنہیں واپس کرنے کی خواہش اشراف کر سکتے تھے۔ لہذا نہ تقالی کے حکمران نہ ہی محکوم تحریر کے تعارف کو اپنے حق میں مفید سمجھتے تھے۔ محکوم اس بات سے ڈرتے کہ حاکم اسے

کیسے استعمال کریں گے۔ اور حاکم خود تحریر کی عدم موجودگی کو، طاقت پر اپنی ہنگامی گرفت کے لئے مفید سمجھتے تھے۔ یہ تقالی کی سیاست تھی جس نے تحریر کو متعارف نہ ہونے دیا۔ اگرچہ صومالیوں کے ہاں تقالی سلطنت کے مقابلے میں کم واضح اشراف تھے۔ لیکن یہ بات خاصی اچھی ہے کہ انہیں طاقتوں نے ان کے تحریر کے استعمال کو اور ان کی طرف سے دوسری بنیادی ٹیکنولوجیوں کے اختیار کرنے سے روکا۔

صومالیہ کی مثال معاشی ترقی کیلئے سیاسی مرکزیت کے فقدان کے نتائج کو ظاہر کرتی ہے۔ تاریخی ادب صومالیہ میں ایسی مرکزیت پیدا کرنے کی کوششوں کی مثالوں کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھتا۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ ایسا کرنا کیوں اتنا مشکل ہوگا۔ سیاسی طور پر مرتکز کرنے کا مطلب ہوتا کہ کچھ قبائل کو دوسروں کے کنٹرول کے تابع ہونا پڑتا۔ لیکن وہ ایسے غلبے کی کسی کوشش، اور اس کے نتیجے میں جو طاقت سے دستبرداری کو مسترد کر دیتے؛ معاشرے میں فوجی طاقت کے توازن بھی ایسے مرکز گیر اداروں کی تخلیق کو مشکل بنا دیا ہوگا۔ درحقیقت، یہ ممکن ہے کہ کسی بھی گروپ یا قبیلے کو، جو طاقت کو مرتکز کرنے کی کوشش کرتا، نہ صرف شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا بلکہ اپنی موجودہ طاقت اور مراعات سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا۔ سیاسی مرکزیت کا فقدان اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی انتہائی بنیادی حقوق ملکیت کی عدم موجودگی کے نتیجے میں صومالی معاشرے نے پیداواریت کو بڑھانے والی ٹیکنولوجیوں میں سرمایہ کاری کرنے کے لئے کوئی محرکات کبھی پیدا نہ کئے۔ جب انیسویں اور ابتدائی بیسویں صدیوں میں صنعتکاری کا عمل دنیا کے دوسرے حصوں میں جاری تھا، صومالی اپنی زندگیوں کو خونریزی اور خونریزی سے بچاؤ میں صرف کر رہے تھے، اور ان کی معاشی پسماندگی مزید پختہ ہو گئی۔

دیرپا پسماندگی

صنعتی انقلاب نے انیسویں صدی اور اس سے آگے کے دوران پوری دنیا کے لئے ایک کایا پلٹنے والا فیصلہ کن موڑ پیدا کیا؛ وہ معاشرے جنہوں نے اپنے شہریوں کو ان نئی ٹیکنولوجیوں میں سرمایہ کاری کرنے کی اجازت دی اور جذبہ محرکہ پیدا کیا، تیزی سے ترقی کرنے کے قابل ہو گئیں۔ لیکن دنیا بھر میں بہت سے معاشرے ایسا کرنے میں ناکام رہے۔ یا انہوں نے واضح طور پر ایسا نہ

MashalBooks.org

کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایسی قوم نے، جو سیاسی اور معاشی اداروں کی مطلق العنانہ گرفت میں تھے۔ ایسے محرکات پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ سپین اور ایتھوپیا ایسی مثالیں مہیا کرتے ہیں، جہاں سیاسی اداروں پر مطلق العنانیت کے کنٹرول اور اس سے پیدا شدہ استحصالی معاشی اداروں نے انیسویں صدی کے آغاز سے بہت پہلے ہی معاشی محرکات کا گلا گھونٹ دیا۔ دوسری مطلق العنان ریاستوں میں بھی نتیجہ یکساں تھا۔ مثال کے طور پر آسٹریا ہنگری، روس، سلطنت عثمانیہ اور چین، اگرچہ ان صورتوں میں حکمرانوں نے تخلیقی تباہی کے خوف سے، نہ صرف معاشی ترقی کی حوصلہ افزائی کرنے کو تباہی کے خوف سے، نہ صرف معاشی ترقی کی حوصلہ افزائی کرنے کو نظر انداز کیا، بلکہ انہوں نے صنعتی پھیلاؤ اور نئی ٹیکنولوجیوں کے متعارف کروانے کو روکنے کے لئے بغیر کسی تکلف کے قدم اٹھائے، جو صنعتکاری کو لا سکتی تھیں۔

مطلق العنانیت استحصالی سیاسی اداروں کی واحد شکل نہیں ہے، اور نہ ہی یہ صنعت کاری کو روکنے والا واحد عامل تھا۔ اشتمالی سیاسی اور معاشی ادارے، سیاسی مرکزیت کی کسی حد تک ضرورت پیدا کرتے ہیں، تاکہ ریاست نظم وضبط لاگو کر سکے، حقوق ملکیت کو برقرار رکھ سکے، اور جب ضروری ہو تو عوامی خدمات میں سرمایہ کاری کر کے معاشی سرگرمی کو بڑھاوا دے سکے۔ تاہم آج بھی، بہت سی اقوام، جیسا کہ افغانستان، ہیٹی، نیپال اور صومالیہ ایسی ریاستیں ہیں جو انتہائی بنیادی نظم ونسق بھی قائم کرنے کے قابل نہیں ہیں، اور وہاں معاشی محرکات صرف ضائع ہی ہوتے ہیں۔ صومالیہ کی مثال یہ واضح کرتی ہے کہ صنعتکاری کا عمل کس طرح ایسے معاشروں کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔ سیاسی مرکز گیری کی مزاحمت بھی انہی اسباب کی بنا پر کی جاتی ہے جن کی بنا پر مطلق العنان حکومتیں تبدیلی کی مزاحمت کرتی ہیں؛ اکثر اوقات خوب جاگزیں خوف کہ تبدیلی سیاسی طاقت کی دوبارہ تقسیم کرے گی، اور ان لوگوں سے جو آج غالب ہیں یہ طاقت لے کر نئے افراد یا گروہوں کو دے دے گی۔ لہذا جیسا کہ مطلق العنانیت، تکثیریت اور معاشی تبدیلی کی طرف تحریکات کا راستہ روکتی ہے، ایسا ہی وہ روایتی اشراف اور قبائل کرتے ہیں، جو بغیر مرکزی ریاست والے معاشروں میں چھائے ہوتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ معاشرے جو اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ابھی تک ایسی مرکزیت سے محروم تھے، وہ صنعت کے دور میں حقیقی طور پر خسارے میں رہے۔

جبکہ، مطلق العنانیت سے لے کر بغیر مرکزیت والی ریاستوں تک مختلف استحصالی ادارے، صنعت کے فروغ سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہے، تو صنعتی انقلاب کے فیصلہ کن موڑ نے دنیا کے دوسرے حصوں میں بہت مختلف اثرات پیدا کئے۔ جیسا کہ ہم باب دہم میں دیکھیں گے، کہ ان معاشروں نے جنہوں نے پہلے ہی اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں کی طرف قدم اٹھا لئے تھے جیسا کہ ریاستہائے متحدہ اور آسٹریلیا اور ان ممالک نے جہاں مطلق العنانیت کو زیادہ شدت سے چیلنج کیا گیا تھا، جیسا کہ فرانس اور جاپان نے ان نئے معاشی مواقع سے فائدہ اٹھایا، اور ایک تیز معاشی ترقی کا عمل شروع کر دیا۔ اس طرح، ایک فیصلہ کن موڑ اور موجودہ ادارہ جاتی اختلافات کے درمیان باہمی تعامل، جو مزید ادارہ جاتی اور معاشی تفریق کی طرف لے جاتا ہے، انیسویں صدی میں دوبارہ جاری رہا، اور اس مرتبہ ایک مزید زوردار دھماکے کے ساتھ اور اقوام کی غربت اور خوشحالی پر زیادہ گہرے اثرات کے ساتھ۔

MashalBooks.org

9

ترقی کو پیچھے موڑنا

گرم مِسالہ اور نسل کُشی

جدید انڈونیشیا میں ملاکا مجمع الجزائر، جزائر کے تین گروہوں پر مشتمل ہے۔ ابتدائی انیسویں صدی میں شمالی ملاکاؤں میں ٹیڈور، ٹرینٹ اور باکان سلطنتیں شامل تھیں۔ وسطی ملاکا ایمبون جزیرے کی سلطنت کا گھر تھا۔ جنوب میں بانڈا جزائر تھے، جو کہ ایک چھوٹا مجمع الجزائر تھا، جو ابھی تک سیاسی طور پر متحد نہیں تھے۔ اگرچہ آج وہ ہمیں دور دراز لگتے ہیں، لیکن ملاکا اس وقت عالمی تجارت کا مرکز تھا کیونکہ وہ قیمتی مسالوں، لونگ، جاوتری اور جائفل کے واحد پیدا کار تھے۔ ان میں سے جائفل اور جاوتری صرف بانڈا جزائر میں پیدا کرتے اور خوراک اور ان مصنوعات کے بدلے میں برآمد کرتے تھے، جو جاوا کے جزیرے سے، ملائشیائی جزیرہ نما میں ملاکا کے تجارتی مرکز سے، ہندوستان، چین اور عرب سے آتی تھیں۔

یہاں کے باشندوں کا یورپیوں کے ساتھ پہلا رابطہ سولھویں صدی میں ہوا، ان پرتگیزی جہاز رانوں کے ساتھ جو مسالے خریدنے کے لئے آئے تھے۔ اس سے پہلے مسالہ جات جہازوں کے ذریعے شرق اوسط میں سے ہو کر گزرتے تھے۔ جو ان تجارتی راستوں سے ہو کر جاتا تھا جن پر سلطنت عثمانیہ کا کنٹرول تھا۔ یورپیوں نے کسی ایسے راستے کی تلاش کی جو افریقہ کے گرد یا اوقیانوس کے آر پار ہو، تاکہ انہیں مسالوں کے جزیروں اور مسالوں کی تجارت تک براہ راست رسائی حاصل ہو سکے۔ دا کیپ آف گد ہوپ (The Cape of Good Hope) کا چکر پرتگیزی جہاز ران

بارٹولومیوڈیاس (Bartolomeu dias) نے 1488 میں لگایا، اور واسکوڈے گاما (Vasco da Gama) اسی راستے سے 1498 میں ہندوستان پہنچا۔ اب پہلی مرتبہ یورپیوں کے پاس مسالوں کے جزائر پہنچنے کا اپنا آزاد راستہ تھا۔

پرتگیزی فوری طور پر مسالوں کی تجارت پر کنٹرول کرنے کی کوششوں میں لگے گئے۔ انہوں نے 1511 میں ملاکا پر قبضہ کر لیا۔ تزویراتی طور پر ملائشیائی جزیرہ نما کی مغربی طرف ہونے کی وجہ سے، پورے جنوب مشرقی ایشیا سے تاجر وہاں آتے اور اپنے مسالوں کو دوسرے تاجروں کے ہاتھ بیچتے، ہندوستانیوں، چینیوں اور عربوں کے ہاتھ، جو پھر انہیں مغرب کی طرف جہازوں کے ذریعے بھیجتے۔ جیسا کہ پرتگیزی سیاح ٹوم پائرز (Tome Pires) نے 1515 میں لکھا ''مختلف قوموں کے درمیان ایک ہزار لیگوں (تین میل کا پیمانہ) تک تجارت اور کاروبار کو، ہر طرف سے ملاکا آنا پڑتا ہے جو کوئی بھی ملاکا کا سردار ہے، اس کے ہاتھ وینین کے گلے پر ہیں۔''

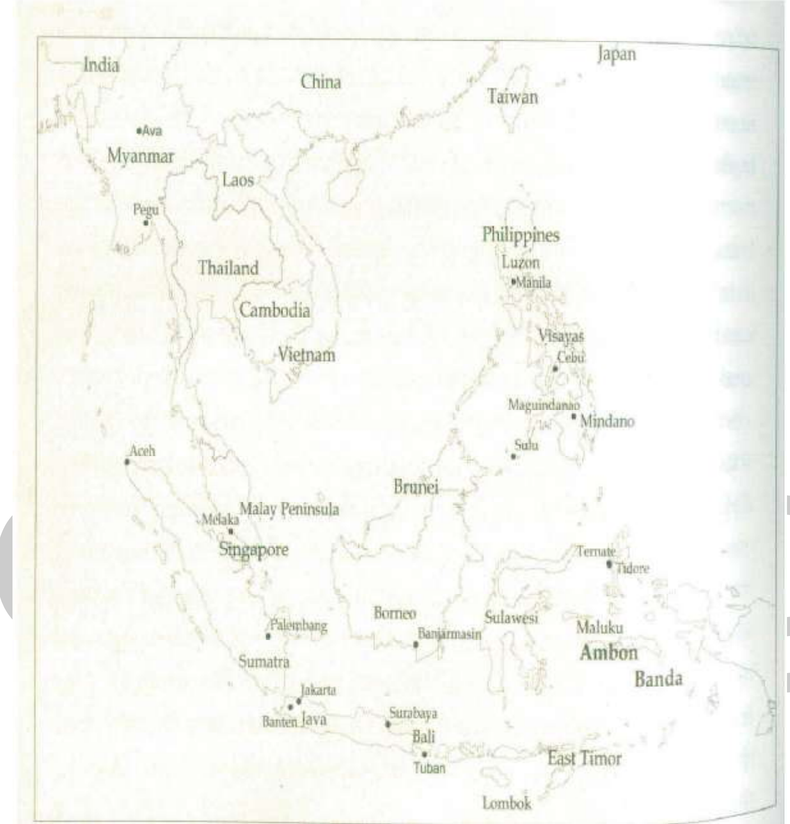
میلاکا کو اپنے ہاتھوں میں کرنے کے بعد پرتگیزوں نے منظم طریقے سے قیمتی مسالوں کی تجارت پر اجارہ داری حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ ناکام ہوئے۔

وہ مخالفین جن کا انہیں سامنا تھا، قابل نظر انداز نہیں تھے۔ چودھویں اور سولھویں صدیوں کے درمیان، جنوب مشرقی ایشیا میں مسالوں کی تجارت کی بنیاد پر، بہت زیادہ معاشی ترقی ہوئی۔ آچے، بینٹن، ملاکا، مکسر پیگو اور برونائی جیسی شہری ریاستیں مسالوں اور ساتھ ہی ساتھ دوسری اشیا جیسا کہ سخت لکڑی کو پیداوار اور برآمد کر کے۔ بہت تیزی سے فروغ پذیر ہوئیں۔

ان ریاستوں کے ہاں بھی اسی عہد کے دوران یورپ کی طرح مطلق العنان حکومتیں تھیں۔ سیاسی اداروں کی ترقی انہیں طریقہ ہائے کار سے تحرک پذیر ہوئی، بشمول جنگی حالات اور بین الاقوامی تجارت کے طریقوں میں ٹیکنولوجیاتی تبدیلی کے۔ ریاستی ادارے زیادہ مرکز گیر ہو گئے۔ اس طرح کہ مرکز میں بادشاہ تھا جو مطلق العنان بادشاہوں کی طرح، جنوب مشرقی ایشائی بادشاہ بھی، تجارت سے حاصل ہونے والے محصولات پر انحصار کرتے تھے، اس میں خود شریک ہو کر اور مقامی اور غیر ملکی اشراف کو اجارہ داریاں عطا کر کے۔ جیسا کہ مطلق العنان یورپ میں تھا۔ اس چیز نے کچھ معاشی ترقی پیدا کی۔ لیکن معاشی خوشحالی کے لئے یہ کوئی مثالی معاشی اداروں کا سیٹ نہ تھا، جس میں خاصی داخلے کی، رکاوٹیں تھیں اور زیادہ تر لوگوں کے لئے غیر محفوظ حقوق ملکیت

MashalBooks.org

تھے۔لیکن تجارتی بننے کا عمل جاری تھا، اس وقت بھی جب پرتگیزی بحر ہند میں اپنا غلبہ قائم کرنے کے کوشش کر رہے تھے۔



Map 14: Southeast Asia, the Spice Islands, Ambon, and Banda in 1600

ولندیزیوں کی آمد کے ساتھ، یورپیوں کا وجود اور بڑھ گیا اور ان کا اثر بہت زیادہ ہو گیا۔ ولندیزیوں نے بہت جلد اس بات کو محسوس کر لیا کہ ملاکاز کے قیمتی مسالوں کی رسد پر اجارہ داری حاصل کرنا، مقامی یا دوسرے یورپی تاجروں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی نسبت بہت زیادہ نفع بخش ہوگا۔ 1600 میں انہوں نے امبان کے کے حکمران کو ترغیب دی کہ وہ ایک حتمی معاہدے پر دستخط

کرے جو انہیں امبان میں لونگ کی تجارت پر اجارہ داری دے دے۔ 1620 میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے ساتھ ہی، ولندیزیوں کی مسالوں کی تمام تجارت پر قبضہ کرنے اور اپنے مقابلہ کاروں کو جائز یا ناجائز طور پر ختم کرنے کی کوششوں نے ایک ایسا موڑ لیا جو ولندیزیوں کے حق میں بہتر اور جنوبی مشرقی ایشیا کے حق میں بدتر تھا۔ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی یورپی مشترکہ سرمایے سے جاری کردہ دوسری کمپنی تھی، جو انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نقش قدم پر تھی، جو جدید کارپوریشن کے ارتقا میں بڑے تاریخی موڑ تھے'' جو بعد میں یورپی صنعتی ترقی میں ایک بڑا کردار ادا کرنے والے تھے۔ نیز یہ دوسری کمپنی تھی جس کی اپنی فوج تھی اور جس کے پاس جنگ شروع کرنے اور غیر ملکی زمینوں کو نوآبادیات بنانے کی طاقت تھی۔ کمپنی کی فوجی طاقت کے ساتھ، جو اب مجتمع ہو گئی تھی، ولندیزیوں نے اب تمام مخفی گھس بیٹھوں کو ملیامیٹ کرنے کا آغاز کیا تاکہ وہ امبان کے حکمران کے ساتھ اپنے معاہدے کو نافذ کر سکیں۔ انہوں نے ایک اہم قلعے پر قبضہ کر لیا، جس پر 1605 میں پرتگیزوں کا قبضہ تھا، اور بزور دوسرے تمام تاجروں کو وہاں سے نکال دیا۔ اب وہ شمالی ملاکاز تک پھیل گئے، ٹیڈور، ٹرنیٹ، اور باکان کے حکمرانوں کو بزور یہ معاہدہ کرنے پر مجبور کرتے ہوئے کہ ان کے علاقوں میں کوئی لونگ نہ پیدا ہوں گے نہ ہی ان کی تجارت ہو گی۔ اس معاہدے نے جو انہوں نے ٹرنیٹ پر عائد کیا، ولندیزیوں کو آ کر ان لونگ کے ان درختوں کو تباہ کرنے کی بھی اجازت دے دی جو وہ وہاں پائیں۔

امبان کی حکومت کا طرز بھی، اس وقت کے دوران زیادہ تر یورپ اور امریکاؤں کی حکومتوں کے طرف کی مانند تھا۔ امبان کے شہری بھی بادشاہ کو خراج دیتے تھے اور جبری مشقت کے تابع تھے۔ ولندیزیوں نے یہ نظام اپنے ہاتھ میں لے لئے اور ان کو مزید سخت کر دیا تاکہ وہ زیادہ مشقت اور جزیرے سے زیادہ لونگ حاصل کر سکیں۔ ولندیزوں کی آمد سے پہلے بڑے کنبے لوگوں کی شکل میں ایمبان کے اشراف کو خراج ادا کرتے تھے۔ اب ولندیزیوں نے یہ شرط لگا دی کہ ہر گھرانہ زمین کے ساتھ بندھا ہوا ہے، اور اسے ایک خاص تعداد میں لونگ کے درخت اگانا ہوں گے۔ گھرانوں کو اس بات پر بھی مجبور کیا گیا کہ وہ ولندیزیوں کو جبری مشقت بھی مہیا کریں۔

ولندیزیوں نے بانڈا اجزائر کا کنٹرول بھی سنبھال لیا، اس مرتبہ جاوتری اور جائفل کی اجارہ داری کا ارادہ کرتے ہوئے۔ لیکن بانڈا اجزائر کی تنظیم امبان سے بہت مختلف تھی۔ وہ بہت سی چھوٹی

چھوٹی خودمختار شہری ریاستوں سے مل کر بنے ہوئے تھے۔ اور وہاں کوئی انتظامی، سماجی یا سیاسی ڈھانچہ نہیں تھا۔ درحقیقت یہ چھوٹی ریاستیں جو چھوٹے قصبوں سے زیادہ بڑی نہیں تھیں، شہریوں کے گاؤں کے اجلاسوں سے چلائی جاتی تھیں، کوئی ایسی مرکزی ہیئت حاکمہ نہیں تھی، جسے ولندیزی کسی اجارہ داری کے معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور کر سکتے اور نہ ہی خراج کا کوئی ایسا نظام تھا، جس پر قبضہ کر سکتے۔ اول اول اس کا مطلب تھا کہ ولندیزیوں کو انگریز، پرتگیز، ہندوستانی، اور چینی تاجروں کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑے گا، اور جب انہوں نے زیادہ قیمت ادا نہ کی تو انہیں گرم مسالوں کو اپنے مقابلہ کاروں کے لئے چھوڑنا پڑے گا۔ جب، جاوتری اور جائفل کی اجارہ داری قائم کرنے کے ان کے ابتدائی منصوبے ناکام ہو گئے، تو بٹاویا کا ولندیزی گورنر جان پیٹرزون کوئن (Jan Pieterszoon Coen) ایک متبادل منصوبے لے کر آ گیا۔ کوئن نے 1618 میں، جاوا کے جزیرے میں، بٹاوا کی، بطور ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نئے دارالحکومت کے، بنیاد رکھی۔ 1621 میں وہ بانڈا کی طرف ایک بحری بیڑے کے ساتھ روانہ ہوا، اور جزائر کی تقریباً کل آبادی کا قتل عام شروع کر دیا، جو غالباً تقریباً 15 ہزار لوگ تھے۔ باقی لوگوں کے ساتھ ساتھ ان کے رہنماؤں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اور صرف چند لوگوں کو زندہ چھوڑ دیا گیا، جو جاوتری اور جائفل کی پیداوار کے لئے ضروری علم رکھنے کیلئے کافی تھی۔ جب یہ نسل کشی مکمل ہو گئی تو، کوئن نے اپنے منصوبے کے لئے ضروری سیاسی اور معاشی ڈھانچہ بنانے کا آغاز کیا؛ یعنی ایک شجر کاری کی تنظیم۔ ان جزائر کو 68 قطعات میں تقسیم کر دیا گیا، جو 68 ولندیزیوں کو دے دیئے گئے، جن میں سے زیادہ تر ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سابقہ یا حاضر ملازم تھے۔ ان نئے شجر کاری کے مالکان کو، باقی بچ جانے والے بانڈا کے لوگوں کی طرف سے گرم مسالے اگانا سکھایا گیا، اور وہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے، نئے خالی جزائر میں بسانے اور مسالہ جات اگانے کے لئے، غلام خرید سکتے تھے، اور یہ مسالہ جات دوبارہ کمپنی کو مقرر قیمتوں پر فروخت کئے جاتے تھے۔

ولندیزیوں کی طرف سے مسالہ جات والے جزائر میں پیدا کئے گئے استحصالی اداروں کے مطلوبہ نتائج سامنے آئے۔ اگرچہ بانڈا میں یہ چیز پندرہ ہزار معصوم جانوں، اور سیاسی اور معاشی اداروں کے ایک ایسے سیٹ کے قیام کی قیمت پر ہوئی، جنہوں نے ان جزائر کو پسماندگی کے گڑھے میں ڈال دیا، سترھویں صدی کے اختتام تک، ولندیزیوں نے ان مسالہ جات کی عالمی رسد کو تقریبا

60 فیصد تک کم کر دیا اور جائفل کی قیمت دوگنی ہو گئی۔

ولندیزیوں نے اس پالیسی کو جو انہوں نے ملاکاز میں مکمل کی تھی، پورے علاقے میں پھیلا دیا، جس کے باقی ماندہ جنوب مشرقی ایشیا کے معاشی اور سیاسی اداروں پر گہرے اثرات پڑے۔ اس علاقے میں متعدد ریاستوں کا تجارتی فروغ جو چودھویں صدی میں شروع ہوا تھا، معکوس سمت میں چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ریاستیں بھی، جو ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی سے نوآبادی نہیں بنائی گئی تھیں اور ختم نہیں کی گئی تھیں دروں بیں ہو گئیں اور انہوں نے تجارت چھوڑ دی۔ جنوب مشرقی ایشیا میں پیدا ہونے والی نوزائیدہ معاشی اور سیاسی تبدیلی راستے میں ہی رک گئی۔

ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے خطرے سے بچنے کے لئے، بہت سی ریاستوں نے برآمد کے لئے فصلیں اگانا ترک کر دیں اور کاروباری سرگرمیوں کو بند کر دیا۔ 1620 میں بینٹن کی ریاست نے، جاوا کے جزیرے میں، اپنے سیاہ مرچوں کے درختوں کو اس امید پر کاٹ دیا کہ یہ چیز ولندیزیوں کو انہیں امن سے رہنے کے لئے چھوڑ دینے پر آمادہ کرے گی۔ جب ایک ولندیزی تاجر 1686 میں میگونڈاناؤ آیا۔ جو کہ جنوبی فلپائن میں ہے، تو اسے بتایا گیا: ''جائفل اور لونگ اور یہاں بھی ویسے ہی اگائے جا سکتے ہیں جیسے کہ ملاکا میں۔ اس وقت وہ یہاں نظر نہیں آتے کیونکہ راجا نے اپنی وفات سے پہلے انہیں تباہ کروا ڈالا تھا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ ولندیزی کمپنی اس کے بارے میں ان کے ساتھ لڑائی کرے گی۔'' جو کچھ ایک تاجر نے 1699 میں میگونڈاناؤ کے حکمران کے بارے میں سنا وہ بھی اس کے مماثل تھا: ''اس نے سیاہ مرچ کے پودے مسلسل لگانے کی اس لئے ممانعت کر دی تھی کیونکہ اس طرح وہ (ولندیزی) کمپنی یا کسی بھی اور حکمران سے جنگ میں نہیں الجھنا چاہتا تھا۔'' وہاں شہروں سے آبادی کا انخلا اور بلکہ آبادی میں انحطاط تھا۔ 1635 میں برمی اپنا دارالحکومت سمندر کے ساحل، پیگو سے اٹھا کر ایوا لے گئے جو بہت دور ملک کے اندر، دریائے اڑاوادی کے کنارے تھا۔

ہم نہیں جانتے کہ ولندیزی جارحیت کے بغیر جنوب مشرقی ایشیائی ریاستوں کی سیاسی اور معاشی ترقی کی راہ کیا ہوتی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مطلق العنانیت کا کوئی اپنا مارکہ بنا لیتے۔ ہوسکتا ہے وہ اسی حالت میں رہ جاتے جس میں وہ سولھویں صدی کے اواخر میں تھے، یا ہوسکتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ استحصالی اداروں کو اپنا کر اپنی تجارت کا عمل جاری رکھتے۔ لیکن جیسا کہ ملاکاز میں ہوا، ولندیزی سامراج نے بنیادی طور پر ان کے معاشی اور سیاسی ارتقا کو تبدیل کر دیا۔ جنوب مشرقی

MashalBooks.org

ایشیا میں لوگوں نے تجارت کرنا بند کر دی، دروں بیں اور زیادہ مطلق العنانی کا شکار ہو گئے۔ اگلی دو صدیوں میں، وہ ان جدت کاریوں کا فائدہ اٹھانے کے قابل نہیں رہے، جو صنعتی انقلاب میں پیدا ہونے والی تھیں۔ اور آخری بات یہ کہ تجارت سے ان کی پسپائی انہیں یورپیوں سے نہ بچا سکی؛ اٹھارویں صدی کے اواخر تک، تقریباً سب کے سب یورپی نوآبادیاتی سلطنت کا حصہ تھے۔

ہم نے باب ہفتم میں دیکھا کہ کس طرح بحراوقیانوس میں یورپیوں کے پھیلاؤ نے، برطانیہ میں اشتمالی اداروں کے فروغ کو تیز کیا۔ لیکن جیسا کہ ملاکاز میں ولندیزیوں کے تحت تجربے سے واضح ہوا، اس توسیع نے دنیا کے بہت سے مختلف گوشوں میں، موجودہ استحصالی اداروں کو نافذ کر کے یا انہیں مزید مضبوط بنا کر، پسماندگی کے بیج بوئے۔ انہوں نے براہ راست یا بالواسطہ طور پر پورے کرہ ارض پر نوزائیدہ تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کو تباہ کر دیا یا انہوں ے ایسے اداروں کو دوام بخشا جنہوں نے صنعتکاری کو روک دیا، نتیجۂ جب دنیا کے بعض حصوں میں صنعتکاری پھیل رہی تھی، ان مقامات کے لئے جو یورپی سامراجی سلطنتوں کا حصہ تھے، ان نئی ٹیکنولوجیوں سے فائدہ اٹھانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

بہت ہی زیادہ معمول کا ادارہ

جنوب مشرقی ایشیا میں، جدید دور کی ابتدا میں، یورپی بحری اور تجارتی طاقت کے پھیلاؤ نے معاشی فروغ اور صنعتی تبدیلی کے ایک نوخیز عہد کو مختصر کر دیا۔ اسی دور میں جب ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی پھیل رہی تھی۔ افریقہ میں ایک مختلف قسم کی تجارت فروغ پا رہی تھی؛ غلاموں کی تجارت۔

ریاستہائے متحدہ میں، جنوبی غلامی کا حوالہ اکثر ''عجیب ادارہ'' کے طور پر دیا جاتا تھا۔ لیکن تاریخی طور پر، جیسا کہ عظیم کلاسیکی عالم موزز فنلے (Moses Finley) نے وضاحت کی، غلامی قطعاً عجیب نہیں تھی، یہ تقریباً ہر معاشرے میں موجود ہوتی تھی، جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا، یہ قدیم روم اور افریقہ میں مخصوص بیماری کے طور پر موجود تھی جو طویل عرصے تک یورپ کے لئے غلاموں کا ایک ذریعہ تھی، اگرچہ واحد ذریعہ نہیں تھی۔ رومی عہد میں غلام سلاوک لوگوں سے آتے تھے، جو بحیرہ اسود کے آس پاس سے تعلق رکھتے تھے، یا مشرق اوسط سے اور شمالی یورپ سے آتے تھے، لیکن 1400 تک یورپیوں نے ایک دوسرے کو غلام بنانا بند کر دیا۔ تاہم جیسا کہ ہم نے باب ششم میں

دیکھا افریقہ غلامی سے کسانوں کی غلامی تک کی کایا پلٹ سے نہیں گزرہ، جیسا کہ قرون وسطیٰ کا یورپ گزرا تھا۔ جدید دور کے آغاز سے پہلے، مشرقی افریقہ میں غلاموں کی بہت بھرپور تجارت ہوتی تھی، اور صحارا کے ساتھ ساتھ عرب جزیرنما کی طرف غلاموں کی بہت بڑی تعداد منتقل کی جاتی تھی۔ مزید برآں، مالی، گھانا، اور سونگائی مغربی افریقی ریاستیں حکومت میں، فوج میں اور زراعت میں، مسلم شمالی افریقی ریاستوں، جن کے ساتھ وہ تجارت کرتی تھیں، کے تنظیمی نمونوں کو اختیار کرتے ہوئے غلاموں کا بھرپور استعمال کرتی تھیں۔

یہ گنے کی پودا کاری کا، کریبین میں، نوآبادیات کا رتقا تھا جو سترھویں صدی کی ابتدا میں شروع ہوا جو بین الاقوامی غلاموں کی تجارت کے ڈرامائی اضافے، اور افریقہ کے اندر غلامی کی اہمیت میں بے مثال اضافے پر منتج ہوا۔ سولھویں صدی میں بحراوقیانوس میں غالباً 300,000 غلاموں کی تجارت ہوئی۔ وہ زیادہ تر وسطیٰ افریقہ سے، جس میں کانگو بہت زیادہ ملوث تھا، اور مزید جنوب میں پرتگیزیوں کی آبادی پر مبنی لوانڈا سے، جو کہ اب انگولا کا دارالخلافہ ہے، آئے تھے۔ اس عرصے کے دوران بین الصحارائی غلاموں کی تجارت اور ابھی زیادہ تھی، جس میں غالباً 550,000 افریقی غلاموں کے طور پر شمالی کی طرف نقل مکانی کر رہے تھے۔ سترھویں صدی میں صورت حال برعکس ہوگئی۔ تقریباً 1,350,000 افریقی اوقیانوسی تجارت میں غلاموں کے طور پر بیچے گئے۔ جن میں سے اب اکثریت امریکاؤں میں بھیجی گئی۔ صحارائی تجارت میں مستعمل تعداد نسبتاً غیر تبدیل شدہ رہی۔ اٹھارویں صدی میں ایک اور ڈرامائی اضافہ دیکھنے میں آیا، اس طرح کہ تقریباً 6,000,000 غلام بحراوقیانوس کے پار بھیجے جا رہے تھے، اور غالباً 700,000 صحارا کے پار۔ مختلف ادوار اور افریقہ کے مختلف حصوں کے اعداد شمار کو جمع کیا جائے تو 10,000,000 سے اور افریقی، غلاموں کے طور پر براعظم سے باہر بھیجے گئے۔

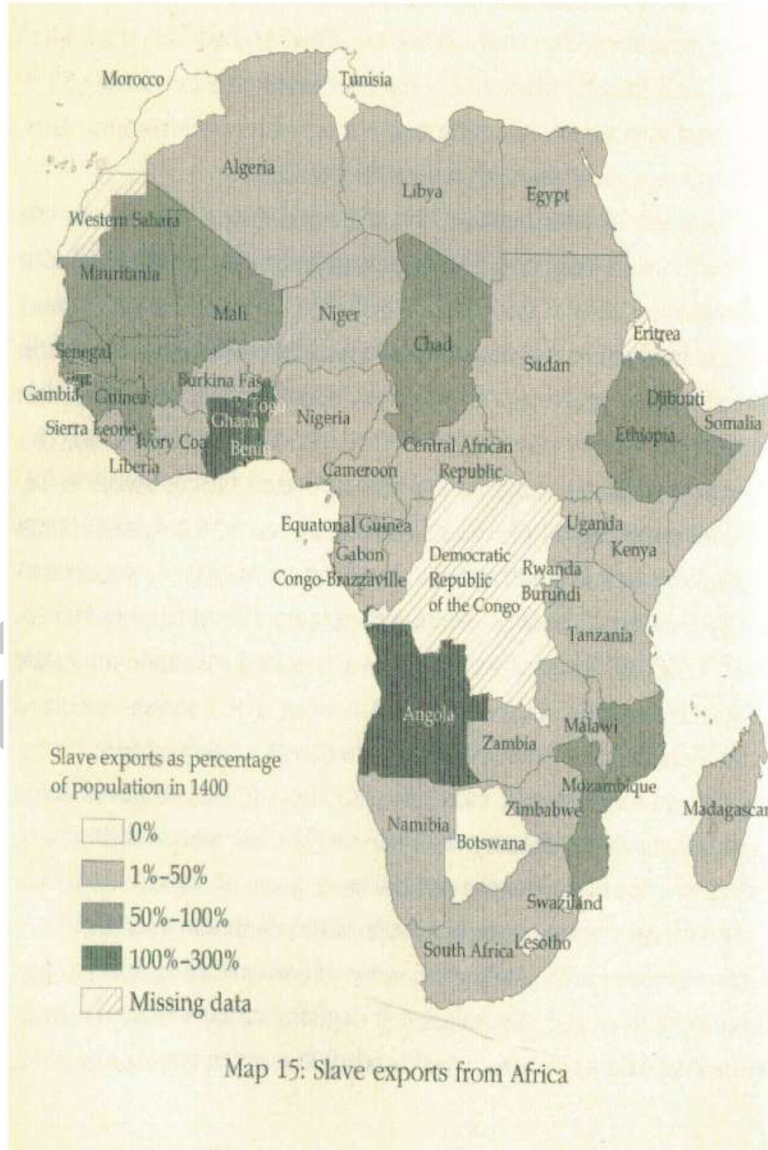
نقشہ نمبر 15 غلاموں کی تجارت کے پیمانے کا کچھ فہم دیتا ہے۔ موجودہ ملکوں کی سرحدوں کو استعمال کرتے ہوئے، یہ 1400 اور 1900 کے درمیان 1400 میں آبادی کے فیصد کے حساب سے غلاموں کی مجموعی حد کے تخمینوں کی تصویر پیش کرتا ہے۔ زیادہ سیادہ رنگ زیادہ شدید غلامی کو دکھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر انگولا، بینن، گھانا اور ٹوگو میں۔ 1400 میں کل غلاموں کی برآمدات مجموعی طور پر ملک کی پوری آبادی سے زیادہ تھیں۔

MashalBooks.org

یورپیوں کے اچانک مغربی اور وسطیٰ افریقہ کے چاروں طرف ظہور کا، جو غلاموں کو خریدنے کے لئے بیتاب تھے، افریقی معاشروں پر کوئی کایا پلٹنے کا اثر نہیں ہوسکتا تھا۔ امریکاؤں کو بھیجے گئے زیادہ غلام جنگی قیدی تھے جنہیں بعد میں ساحل کا طرف بھیج دیا گیا۔ جنگ جوئی میں اضافہ مزید تیل، بندوقوں اور اسلحہ کی بڑی بڑی درآمدات سے ہوا، جو یورپیوں نے غلاموں کے بدلے میں دیں۔

1730 تک تقریباً 180,000 بندوقیں ہر سال، صرف مغربی افریقی ساحل کے ساتھ ساتھ درآمد کی جارہی تھیں، اور 1750 اور ابتدائی انیسویں صدی کے درمیان صرف برطانیہ نے 283,000 اور 394,000 کے درمیان ہر سال بیچیں۔ 1750 اور 1807 کے درمیان برطانیہ نے بارود کے غیر معمولی 22000 ٹن بیچے، جو تقریباً 384,000 کلوگرام سالانہ بنتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ 91,000 کلوگرام سیسہ سالانہ۔ مزید جنوب کی طرف بھی تجارت ایسی ہی پرزور تھی، لوآنگو ساحل پر، سلطنت کانگو کے شمال میں یورپیوں نے تقریباً 50,000 بندوقیں سالانہ بیچیں۔

یہ تمام جنگجوئی اور کشمکش افریقہ میں نہ صرف جانوں کے بڑے نقصان اور انسان مصیبتوں کا سبب بنی بلکہ اس نے افریقہ میں ادارہ جاتی ارتقا کے ایک مخصوص راستے کو جنم دیا۔ جدید دور کے آغاز سے پہلے افریقی معاشرے سیاسی طور پر یوریشیا کے معاشروں کی نسبت کم مرکز گیر تھے۔ بہت سی ریاستیں چھوٹے پیمانے کی تھیں، جن میں قبائلی سردار اور غالباً بادشاہ زمین اور وسائل پر کنٹرول رکھتے تھے۔ بہت سے ممالک جیسا کہ ہم نے صومالیہ کے بارے میں دکھایا، کہ ہاں سیاسی حاکمیت ہم نے کے سلسلہ مراتب کا کوئی ڈھانچہ سرے سے نہیں تھا۔ غلاموں کی تجارت نے دو خراب سیاسی مظاہر کی ابتدا کی۔ اول، بہت سی ریاستیں ابتدائی طور پر زیادہ مطلق العنانیت پسند ہوگئیں، جو ایک ہی مقصد کے گرد منظّم ہوگئے؛ دوسروں کو غلام بنانا اور یورپ کے غلام سازوں کے ہاں بیچنا۔ دوم، پہلے عمل کے نتیجے کے طور پر، لیکن متضاد طور پر پہلے عمل کے مخالف، جنگوں اور غلام بنانے کے عمل نے زیریں صحارائی افریقہ میں باقی ماندہ تھوڑے بہت نظم وضبط اور ریاست کی جائزہ حاکمیت کو ختم کردیا۔ جنگجوئی کے علاوہ، غلاموں کو اغوا کیا جاتا اور انہیں پکڑ لیا جاتا، چھوٹے درجے کے حملے کر کے۔ قانون بھی غلام سازی کا ایک ہتھیار بن کے رہ گیا۔ آپ نے خواہ کوئی بھی جرم کیا ہوا اس کی سزا غلامی تھی۔ انگریز تاجر فرانسس مور (Francis Moore) نے مغربی افریقہ کے



Map 15: Slave exports from Africa

سینیگیمبیا (Senegambia) کے ساحل کے ساتھ ساتھ 1730 کی دہائی میں اس کے نتائج کا مشاہدہ کیا:

”جب سے یہ غلاموں کی تجارت استعمال میں آئی ہے، تمام سزائیں غلامی میں تبدیل ہو گئی ہیں؛ کیونکہ ایسی سزاؤں میں ایک فائدہ ہے، لہذا لوگ جرائم کے لئے بہت سخت کوشش کرتے

ManyBooks.org

ہیں، مجرم کو بیچنے کا فائدہ حاصل کرنے کی خاطر۔ نہ صرف قتل، چوری اور زنا کی سزا مجرم کو غلام کے طور پر بیچنے سے دی جاتی ہے، بلکہ ہر معمولی معالے کی سزا اس طریقے سے دی جاتی ہے۔''

غلاموں کو پکڑنے اور بیچنے کی خواہش سے ادارے، یہاں تک کہ مذہبی ادارے بھی بگڑ گئے۔ اس کی ایک مثال اروچکوا، مشرقی نائیجیریا میں ایک مشہور فال گھر ہے۔ اس فال گھر کے بارے میں وسیع پیمانے پر یہ یقین کیا جاتا تھا کہ یہ اس علاقے کی ایک نمایاں دیوی کی طرف سے بولتا تھا۔ جس کا احترام بڑے مقامی نسلی گروپ، ایجا، ایبی بو، اور اگبو کرتے تھے۔ اس فال گھر پر لوگ تنازعات کو طے کرنے اور اختلافات کا فیصلہ کروانے کے لئے آروچکوا کا سفر کرتے تھے، شہر سے دریائے کراس کی ایک گھاٹی میں اترنا پڑتا تھا، جس کے سامنے والے حصے پر ان کھوپڑیوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ اس فال گھر کے پادری، آرو غلام سازوں اور تاجروں کی ملی بھگت سے اس فال گھر کے فیصلوں کو آگے پہنچاتے تھے۔ اکثر اوقات یہ چیز لوگوں کو اس فال گھر کی طرف سے نگل لئے جانے'' میں الجھا دیتی تھی، جس کا اصل میں مطلب یہ ہوتا تھا کہ جب ایک دفعہ وہ غار سے گزر جاتے تھے، تو انہیں دریائے کراس کے پار یورپ کے انتظار کرنے والے جہازوں کی طرف لے جایا جاتا تھا۔ اس عمل کے، جس میں غلاموں اور مزید غلاموں کو پکڑنے کے لئے قوانین اور روایات کو توڑ دیا جاتا تھا۔ سیاسی مرکز گیری پر تباہ کن اثرات ہوتے تھے۔ اگرچہ بعض مقامات پر یہ چیز طاقتور ریاستوں کے عروج پر منتج ہوتی تھی۔ جن کی بڑی علت نمائی حملے کرنا اور غلام بنانا تھی۔ کانگو کی سلطنت خود، غالباً غلام ساز ریاست میں کایا کلپ ہونے کا تجربہ کرنے والی پہلی افریقی ریاست تھی، یہاں تک کہ یہ خانہ جنگی سے تباہ ہوگئی۔ دوسری غلام ساز ریاستیں زیادہ نمایاں طور پر مغربی افریقہ میں ابھریں اور ان میں شامل تھیں نائیجیریا میں اویو، بینن میں ڈھومی، اور بعد میں گھانا میں آسانٹ۔

مثال کے طور پر، سترھویں صدی کے وسط میں ریاست اویو کو توسیع، ساحل پر غلاموں کی تجارت میں اضافے کے ساتھ براہ راست متعلق ہے۔ ریاست کی طاقت اس فوجی انقلاب کا نتیجہ تھی، جس میں شمال سے گھوڑوں کی اور ایک طاقتور گھڑ سوار فوج کی درآمد ملوث تھی۔ جو مخالف فوجوں کو ملیا میٹ کرسکتی تھی۔ اویو کی سلطنت جوں جوں جنوب میں ساحل کی طرف پھیلی، تو اس نے درمیان میں آنے والی ریاستوں کو کچل دیا، اور ان کے بہت سے باشندوں کو غلاموں کے طور

پر بیچ دیا۔ 1690 اور 1740 کے عرصے کے دوران اویو نے اس خطے کے اندرون پر اپنی اجارہ داری قائم کرلی، جو 'غلاموں کا ساحل' (Slave Cast) کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ساحل پر بیچے جانے والے غلاموں کا 80 سے 90 فی صد تک انہی فتوحات کا نتیجہ تھا۔ جنگجوئی اور غلاموں کی رسد کے درمیان ایک اسی طرح کا ڈرامائی تعلق، اٹھارویں صدی میں مزید مغرب کی طرف آ گیا، سنرہی ساحل پر، وہ علاقہ جواب گھانا ہے۔ 1700 کے بعد آسانٹ کی ریاست اندر سے پھیلنے لگی، زیادہ تر اسی طریقے سے جس سے، اس سے پہلے اویو کی ریاست پھیلی تھی۔ اٹھارویں صدی کے پہلے نصف کے دوران اس پھیلاؤ نے آکان نامی جنگوں کا آغاز کیا، جس آسانٹ نے ایک آزاد ریاست کے بعد دوسری کو شکست دی، آخری ریاست گیامین 1747 میں فتح ہوئی۔ 375,000 غلاموں کی بھاری تعداد، جو 1700 سے 1750 کے دوران، سنہری ساحل سے برآمد کی گئی، ان سارے جنگوں کے قیدیوں پر مشتمل تھی۔

غالباً انسانوں کے اس بھاری استحصال کا سب سے واضح اثر آبادیاتی تھا۔ کسی طرح بھی یقینی طور پر یہ جاننا مشکل ہے کہ جدید دور سے پہلے افریقہ کی آبادی کیا تھی، لیکن دانشوروں نے آبادی پر غلاموں کی تجارت کے اثر کے مختلف، بظاہر معقول تخمینے لگائے ہیں۔ مورخ پیٹرک میننگ (Patrick Manning) اندازہ لگاتا ہے کہ مغربی اور مغربی وسطیٰ افریقہ کے ان علاقوں کی آبادی، جنہوں نے برآمدگی کیلئے غلام مہیا کئے، ابتدائی اٹھارویں صدی میں بائیس سے پچیس ملین کے لگ بھگ تھی، ایک معتدل مفروضے کے مطابق، کہ اٹھارویں اور اوائل انیسویں صدی کے دوران ان علاقوں نے آبادی کے اضافے کے شرح نصف فیصد سالانہ کے حساب سے حاصل کی ہوگی، بغیر غلاموں کی تجارت کے، میننگ نے یہ اندازہ لگایا کہ ان علاقوں کی آبادی 1850 میں کم از کم چھیالیس سے ترپین ملین ہونی چاہئے تھی۔ درحقیقت یہ تقریباً اس کے نصف برابر تھی۔

یہ بھاری فرق صرف اس وجہ سے نہیں تھا کہ تقریباً 8 ملین لوگ، 1700 اور 1850 کے درمیان اس علاقے سے غلاموں کے طور پر برآمد کردیئے گئے تھے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ لاکھوں لوگ غلاموں کو پکڑنے کے مقصد سے مسلسل اندرونی جنگجوئی کی وجہ سے ممکنہ طور پر مارے گئے۔ افریقہ میں غلامی اور غلاموں کی تجارت نے خاندان اور شادی کے ڈھانچوں کو مزید گڑبڑ کردیا، اور اس نے بارآوری کو بھی کم کردیا ہوگا۔

MashalBooks.org

اٹھارویں صدی کے اواخر میں شروع ہونے والی غلاموں کی تجارت کو ختم کرنے کے لئے ایک زوردار تحریک نے برطانیہ میں تیزی حاصل کرنا شروع کردی، جس کی قیادت کرشماتی شخصیت ، ولیم وائبرفورس(William Wiberforce) نے کی۔ بار بار کی ناکامیوں کے بعد 1807 میں غلامی کے خاتمے کے حامیوں نے برطانوی پرلیمان کو، غلاموں کی تجارت کو غیر قانونی قرار دینے کے لئے، ایک بل کو منظور کرنے پر آمادہ کرلیا، ریاستہائے متحدہ نے اگلے سال اسی طرح کے اقدام کی پیروی کی۔ اگرچہ برطانوی حکومت اس سے بھی آگے گئی؛ اس نے اس اقدام کو عملاً نافذ کرنے کے لئے بحراوقیانوس میں بحری سکواڈرن تعینات کردیئے تاکہ غلاموں کی تجارت کو روکا جاسکے۔ اگرچہ ان اقدامات نے صحیح طور پر موثر ہونے کے لئے کچھ وقت لیا، اور 1834 سے پہلے سلطنت برطانیہ میں غلامی کا وجود ختم نہ ہوسکا، لیکن بحراوقیانوس کی غلاموں کی تجارت کے دن، جو بڑی حد تک اس تجارت کا سب سے بڑا حصہ تھا۔ گنے جاچکے تھے۔

اگرچہ 1807 کے بعد غلاموں کی تجارت کے اختتام نے افریقہ سے غلاموں کی بیرونی طلب میں کمی کردی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ افریقی معاشروں اور اداروں پر غلامی کا اثر جادوئی طور پر غائب ہوگیا، بہت سی افریقی ریاستیں غلام سازی کے گرد منظّم ہوگئی تھیں، اور برطانیہ کی طرف سے اس تجارت کو ختم کرنے اس حقیقت کو تبدیل نہ کیا، مزید برآں، غلامی خود افریقہ کے اندر بہت زیادہ حاوی ہوگئی تھی۔ ان عوامل نے آخرکار افریقہ میں ترقی کے راستے کی صورت گری، نہ صرف 1807 سے پہلے بلکہ اس کے بعد بھی۔

غلامی کی جگہ ''جائز تجارت'' آگئی، جو کہ ایک ایسی ترکیب ہے جو افریقہ سے ان اجناس کی برآمد کے لئے وضع کی گئی جو غلاموں کی تجارت کے ساتھ منسلک نہیں ہے۔ ان اشیا میں شامل تھیں، پام کا تیل اور مغزیات، مونگ پھلی، ہاتھی دانت، ربڑ، اور ببول کا گوند۔ جوں جوں شمالی امریکیوں اور یورپیوں کی آمدنیاں، صنعتی انقلاب سے بڑھیں، تو منطقہ حارہ کی ان بہت سی اشیا کی طلب تیزی سے بڑھنے لگی۔ جیسا کہ افریقی معاشروں نے غلاموں کی تجارت کے پیش کردہ معاشی مواقع سے بڑھ چڑھ کر فائدہ اٹھایا، ایسے ہی انہوں نے جائز تجارت سے بھی اٹھایا۔ لیکن انہوں نے ایسا ایک انوکھے پس منظر میں کیا، ایک ایسا تناظر جس میں غلامی ایک طرز زندگی تھا، لیکن غلاموں کی بیرونی طلب اچانک ہی ختم ہوگئی تھی۔ اب یہ غلام، جب یہ یورپیوں کے ہاتھ نہیں بیچے

جاسکتے تھے، تو یہ کس کام کے تھے؟ اس کا جواب سادہ سا تھا؛ انہیں افریقہ میں، جبر کے تحت نفع بخش طریقے سے کام پر لگایا جاسکتا تھا، جائز تجارت کی نئی اشیا پیدا کرنے کے لیے۔

بہترین دستاویز بند مثالوں میں سے ایک اسانٹ میں جدید گھانا میں تھی۔ 1807 سے پہلے سلطنت اسانٹ غلاموں کو پکڑنے اور ان کی برآمد کرنے میں شدید طور پر ملوث تھی، اس طرح کہ وہ غلاموں کو بکنے کے لئے ساحل تک لے آتی تھی۔ کیپ کوسٹ اور المینا کے غلام بنانے والے عظیم قلعوں میں۔ 1807 کے بعد اس امکان کے بند ہوجانے کے بعد، اسانٹ کے سیاسی اشراف نے اپنی معیشت کو از سرنو منظّم کیا۔ تاہم غلام سازی اور غلامی ختم نہ ہوئیں۔ بلکہ، غلاموں کو پہلے شجر کاری کے قطعات پر بسایا گیا، ابتدائی طور پر دارالحکومتی شہر کومیس (Kumase) کے آس پاس، لیکن بعد میں پوری سلطنت میں پھیل گئے، (گھانا کے زیادہ تر اندرونی حصے کے مماثل) وہ سونے اور کولانٹوں کی برآمد کے لئے پیداوار میں ملازم رکھ لئے گئے، بلکہ انہوں نے خوراک، کی بھی بڑی بڑی مقداریں پیدا کیں، اور انہیں بطور قلیوں کے بہت زیادہ استعمال کیا گیا، کیونکہ اسانٹ میں پہیے والے ذرائع نقل وحمل استعمال نہیں کئے جاتے تھے۔ مزید مشرق میں، ایسی ہی آہستہ رو تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ مثال کے طور پر ڈاہومی میں وہائیڈا اور پورٹونوو کی ساحلی بندرگاہوں کے ساتھ بادشاہ کے پام کے تیل کے شجرکاری کے قطعات تھے، جو سب غلاموں کی محنت پر مبنی تھے۔ پس غلاموں کی تجارت کا خاتمہ، بجائے غلامی کو افریقہ میں کمزور کرنے کے، محض غلاموں کی دوبارہ برے بندی پر منتج ہوا، جنہیں امریکاؤں کی بجائے افریقہ کے اندر ہی استعمال کیا جاتا تھا۔

مزید برآں، ان اداروں میں سے بہت سے، جو غلاموں کی تجارت نے پچھلی دوصدیوں میں بنائے تھے، غیر تبدیل شدہ تھے اور طرز عمل کے نمونے اپنی جگہ قائم تھے۔ مثال کے طور پر نائیجیریا میں۔ 1820 اور 1830 کی دہائیوں میں کسی دور کی عظیم سلطنت اویو منہدم ہوگئی۔ یہ خانہ جنگیوں اور یوروبا ایورین اور اباداں جیسی شہری ریاستوں کے عروج کی وجہ سے تباہ ہوئی۔ جو اس کے جنوب میں غلاموں کی تجارت میں براہ راست ملوث تھی۔ 1830 کی دہائی میں اویو کا دارالخلافہ تباہ کردیا گیا، اور اس کے بعد یوروبا کے شہروں نے علاقائی غلبے کے لئے داہومی کے ساتھ طاقت آزمائی کی۔ انہوں نے صدی کے پہلے نصف میں تقریباً جنگوں کا ایک طویل سلسلہ لڑا، جس نے غلاموں کی ایک بھاری رسد پیدا کی، اس کے ساتھ اغوا کاری، خال گھروں کی طرف سے سزاؤں، اور

MashalBooks.org

چھوٹے پیمانے کے حملوں کے معمول کے دور بھی چلتے رہے۔ نائیجریا کے کچھ حصوں میں اغوا کاری اتنا بڑا مسئلہ تھا، کہ والدین اپنے بچوں کو باہر کھیلنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، اس خوف کی وجہ سے کہ انہیں اٹھا لیا جائے گا اور غلاموں کے طور پر بیچ دیا جائے گا۔

نتیجے کے طور پر، پوری انیسویں صدی میں، کاروباری معاہدوں کی بجائے غلامی ہی فروغ پاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اگرچہ بالکل ٹھیک ٹھیک اعداد و شمار حاصل کرنا تو مشکل ہے، لیکن سیاحوں اور تاجروں کی طرف سے لکھے گئے موجودہ متعدد احوال اس طرح اشارہ کرتے ہیں کہ اسانٹ اور داہومی کی سلطنتوں اور یوروبا کی شہری ریاستوں میں نصف سے زیادہ آبادہ غلاموں کی تھی۔ مغربی سوڈان، مغربی افریقہ کے ایک بڑے قطعے، جو سینیگال سے لے کر۔ مالی اور برکینیا فاسو سے ہوتا ہوا نائیجریا اور چاڈ تک جاتا ہے، کے بارے میں ابتدائی فرانسیسی نوآبادیاتی ریکارڈوں سے، زیادہ صحیح اعداد و شمار موجود ہیں۔ اس علاقے میں آبادی کے تیس فیصد کو 1900 میں غلام بنا لیا گیا۔

بالکل ایسے ہی جیسے جائز تجارت کے ظہور کے ساتھ ہوا، ویسے ہی افریقہ پر قبضہ کرنے کے لئے جدوجہد کے بعد ہونے والی رسمی نوآبادی کاری کا آغاز بھی افریقہ میں غلامی کو ختم کرنے میں ناکام رہا۔ اگرچہ افریقہ میں یورپ کے بیشتر نفوذ کو ان بنیادوں پر جواز بخشا گیا کہ غلامی کا مقابلہ کرنا اور اسے ختم کرنا ہے، لیکن حقیقت اس سے مختلف تھی۔ نوآبادیاتی افریقہ کے بیشتر حصوں میں، غلامی بیسویں صدی کے اندر بھی جاری رہی، مثال کے طور پر سیرا الیون میں صرف 1928 میں ایسا ہوا کہ غلامی کا حتمی خاتمہ ہوا، اگرفری ٹاؤن کے دارالحکومتی شہر کو اٹھارویں صدی میں بنیادی طور پر ان غلاموں کی ایک پناہ گاہ کے طور پر قائم کیا گیا تھا جو امریکاؤں سے وطن واپس آئے تھے۔ تو بعد میں یہ برطانوی، غلامی مخالف سکواڈرن کی ایک اہم بنیاد، اور برطانوی بحریہ کی طرف گرفتار کردہ ان نئے جو جہازوں سے حفاظت میں لئے گئے اور آزاد کئے گئے تھے، ایک نیا گھر بن گیا۔ اس علامیت کے باوجود، غلامی سیرا الیون میں ایک سو تیس سال تک قائم رہی، لائبیریا، جو سیرا الیون کے بالکل جنوب میں ہے، کی بنیاد بھی اسی طرح، 1840 کی دہائی میں امریکہ کے آزاد شدہ غلاموں کے لئے رکھی گئی تھی۔ لیکن وہاں بھی غلامی بیسویں صدی تک باقی رہی؛ اتنا بعد میں جتنا کہ 1960 کی دہائی تلک۔ یہ تخمینہ لگایا گیا کہ محنت کشوں کا ایک چوتھائی، جبری مزدور تھے۔ جو ایسے حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے اور کام کر رہے تھے جو غلامی کے بہت قریب تھے۔ غلاموں کی

تجارت پر مبنی استحصالی معاشی اور سیاسی اداروں کے پیش نظر، صنعتکاری زیریں صحارائی افریقہ تک نہ پھیلی، جو جامد ہوئے یا معاشی ترقی میں خلل ڈالے جانے کے تجربے سے گزرے جبکہ دوسرے حصے اپنی معیشتوں کی کایا پلٹ رہے تھے۔

دوغلی معیشت بنانا

ابتدائی طور پر آرتھر لیوس(Arthur Lewis) کی طرف سے 1955 میں پیش کیا جانے والا ''دوغلی معیشت'' کا مثالی نمونہ، ابھی تک اس طریقے کی صورت گری کرتا ہے، جس پر بہت سے سماجی سائنسدان کم ترقی یافتہ ممالک کے معاشی مسائل کے بارے میں سوچتے ہیں۔ لیوس کے مطابق، بہت ہی کم ترقی یافتہ یا پسماندہ معیشتوں کی دوغلی ساخت ہے، اور وہ جدید شعبہ اور روایتی شعبہ میں تقسیم شدہ ہیں۔ جدید شعبہ، جو معیشت کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ حصے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے، شہری زندگی، جدید صنعت، اور ترقی یافتہ ٹیکنولوجیوں کے استعمال کے ساتھ وابستہ ہے۔ روایتی شعبہ، دیہاتی زندگی، زراعت، اور ''پسماندہ'' اداروں اور ٹیکنولوجیوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ پسماندہ زرعی اداروں میں زمینوں کی طبقاتی ملکیت شامل ہے، جس کا مطلب زمین پر نجی حقوق ملکیت کا فقدان ہے۔ لیوس کے مطابق، روایتی شعبے میں محنت کو اس قدر نااہلی سے استعمال کیا جاتا تھا، کہ اسے جدید شعبے کو دوبارہ دے دینے دے پیداوار کی مقدار اس سے کم نہیں ہوتی تھی جو دیہی شعبہ پیدا کر سکتا تھا۔ ترقی کے معیشت دانوں کی ان نسلوں کے لئے جنہوں نے لیوس کی بصیرت پر اپنی بنیاد رکھی، ''ترقی کے مسئلے'' کا مطلب ہو گیا ہے لوگوں اور وسائل کو روایتی شعبے، زراعت، اور دیہات سے باہر لانا اور جدید شعبے، صنعت اور شہروں میں داخل کرنا، 1979 میں لیوس کو معاشی ترقی پر ان کے کام کے صلے میں نوبیل انعام دیا گیا۔

لیوس اور اس کے کام پر اپنی بنیاد رکھنے والے ترقیاتی معیشت دان، دوغلی معیشتوں کو شناخت کرنے میں یقیناً صحیح تھے۔ جنوبی افریقہ واضح ترین مثالوں میں سے ایک تھا، جو روایتی شعبے، جو کہ پسماندہ اور غریب تھا، اور جدید شعبے جو متحرک اور خوشحال تھا میں تقسیم شدہ تھا، یہاں تک آج بھی لیوس کی شناخت کردہ دوغلی معیشت جنوبی افریقہ میں ہر جگہ موجود ہے۔ اس چیز کا مشاہدہ کرنے کا ایک انتہائی ڈرامائی طریقہ یہ ہے کہ کواز ولو نیٹال کی ریاست، جو کہ سابقہ نیٹال تھی۔ اور

MashalBooks.org

ریاست ٹرانسکی کے درمیان سرحد کے ساتھ ساتھ سفر کیا جائے تو یہ سرحد عظیم دریائے کالی کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ دریا کے مشرق کی جانب نیٹال میں، ساحل کے ساتھ ساتھ اور ساحل کے سامنے اہل ثروت کی جائیدادیں ہیں، شاندار ریتلے ساحلوں کی وسیع پہنائیوں پر۔ اندرون کا علاقہ گنے کے سرسبز قطعات سے ڈھکا ہوا ہے، سڑکیں خوبصورت ہیں؛ پورا علاقہ خوشحالی کی عکاسی کرتا ہے۔ دریا کے پار ایسے ہے گویا کہ یہ کوئی مختلف وقت اور مختلف ملک ہو۔ علاقہ بڑے پیمانے پر تباہ شدہ ہے۔ زمین سرسبز نہیں ہے، بلکہ بھورے رنگ کی اور بہت زیادہ جنگلات سے صاف کی ہوئی ہے۔ امیرانہ جدید گھروں کی بجائے، جن میں بہتا ہوا پانی، بیت الخلا اور تمام جدید سہولیات ہوں، لوگ عارضی قسم کی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اور کھلی آگ پر کھانا پکاتے ہیں۔ دریا کے مشرق میں زندگی یقیناً روایتی ہے جو جدید زندگی سے کافی دور ہے۔ اب آپ کو حیرت نہیں ہوگی کہ ان اختلافات کا تعلق، دریا کے دونوں جانب کے معاشی اداروں میں بڑے بڑے اختلافات کے ساتھ ہے۔

مشرق میں، نیٹال میں، ہم نجی حقوق ملکیت، کام کرنے والے قانونی نظام، مارکیٹیں، تجارتی زراعت، اور صنعت دیکھتے ہیں، مغرب میں، ٹرانسکی میں زمین میں میں طبقاتی ملکیت، اور حال ہی تک انتہائی طاقتور روایتی سردار تھے۔ لیوس کی دوغلی معیشت کے نظریئے کی عینک سے دیکھا جائے، تو ٹرانسکی کی مانند تھا، قبل جدید دور کے غریب معاشی ادارے، پسماندہ ٹیکنالوجی، اور سردار کا راج رکھنے والا۔ لہذا، اس تناظر کے مطابق، معاشی ترقی کا مطلب محض اس بات کی یقین دہانی ہونا چاہئے کہ ٹرانسکی آخر کار نیٹال میں تبدیل ہو جائے۔

اس تناظر میں بہت زیادہ سچائی ہے، لیکن یہ اس تمام منطق کو چھوڑ دیتا ہے کہ دوغلی معیشت کیسے وجود میں آئی، اور جدید معیشت کے ساتھ اس کے تعلق کو بھی۔ ٹرانسکی کی پسماندگی افریقہ کی فطری پسماندگی کا محض ایک باقی ماندہ حصہ نہیں ہے۔ ٹرانسکی اور نیٹال کے درمیان دوغلی معیشت درحقیقت بہت حال کی بات ہے اور ہرگز فطری نہیں ہے۔ یہ جنوبی امریکہ کے سفید فام اشراف کی پیدا کردہ ہے، جو اپنے کاروبار کے لئے سستی محنت کا ایک ذخیرہ جمع کرنا چاہتے تھے۔ دوغلی معیشت تخلیق کردہ پسماندگی کی ایک اور مثال ہے، نہ کہ فطری طور پر ظہور پذیر ہونے اور صدیوں تک قائم رہنے والی پسماندگی کی۔

جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، جنوبی افریقہ اور بوٹسوانا نے غلاموں کی تجارت اور اس سے پیدا ہونے والی جنگوں کے بہت سے برے اثرات سے اپنے آپ کو بچایا۔ جنوبی افریقہ کے لوگوں کا یورپیوں سے پہلا بڑا باہمی تعامل اس وقت ہوا، جب ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی بنیاد ٹیبل بے (Table Bay) میں 1652 میں رکھی، جو اب کیپ ٹاون کی بندرگاہ ہے۔ اس وقت جنوبی افریقہ کے مغربی حصہ کی آبادی بکھری ہوئی تھی، زیادہ تر شکاریوں سے جنہیں خوئی خوئی لوگ کہا جاتا تھا۔ مزید مشرق میں، جو آج کل سسکی اور ٹرانسکی کہلاتا ہے، افریقی معاشروں کی گھنی آبادیاں تھیں جو زراعت میں تخصص رکھتے تھے، انہوں نے ابتدائی طور پر ولندیزیوں کی نئی نوآبادی کے ساتھ بہت زیادہ باہمی تعامل نہ کیا، نہ ہی وہ غلام بنانے میں ملوث ہوئے۔ جنوبی افریقہ کا ساحل غلاموں کی مارکیٹوں سے بہت دور تھا، اور سسکی اور ٹرانسکی کے باشندے جنہیں زوسا کہا جاتا تھا، بھی کافی دور ملک کے اندر تھے، اور کسی کی توجہ اپنی طرف نہیں کھینچتے تھے۔ نتیجتاً ان معاشروں نے ان بہت سی خراب لہروں کا اثر محسوس نہ کیا جنہوں نے مغربی اور وسطی افریقہ کو متاثر کیا۔

ان مقامات کی تنہائی انیسویں صدی میں تبدیل ہوگئی۔ یورپیوں کے لئے، جنوبی افریقہ کی آب و ہوا اور بیماریوں کے ماحول میں کچھ بہت دلکش تھا۔ مغربی افریقہ کے برعکس، مثال کے طور پر، جنوبی افریقہ کی آب و ہوا معتدل تھی۔ جو کہ ملیریا اور زرد بخار جیسی منطقہ حارہ کی بیماریوں سے آزاد تھا، جنہوں نے زیادہ تر افریقہ کو گوروں کے قبرستان'' میں تبدیل کر دیا تھا، اور یورپیوں کو آباد ہونے اور بلکہ اپنی دور دراز کی مستقل چوکیاں قائم کرنے سے بھی روکے رکھا۔ جنوبی افریقہ یورپیوں کی رہائش کے لئے ایک بہت بہتر امکان کا حامل تھا۔ افریقہ کے اندروں میں یورپیوں کا پھیلاؤ اس کے جلد ہی بعد شروع ہوا جب برطانیہ نے، نپولیائی جنگوں کے اور کیپ ٹاون ولندیزیوں کے ہاتھوں سے لے لیا۔ اس نے زوسا جنگوں کے سلسلے کو تیز رفتار کر دیا جب آبادی کی سرحد مزید اندرون ملک چلی گئی۔ جنوبی افریقہ کے اندر نفوذ 1835 میں مزید شدید ہو گیا، جب ولندیزی نسل کے باقی ماندہ یورپی، جنہیں افریقانرز نے بعد میں، افریقہ کے اندرون میں دو خود مختار ریاستوں اورینج فری سٹیٹ اور ٹرانسوال کی بنیاد رکھی۔

جنوبی افریقہ کی ترقی میں ایک دوسرا مرحلہ اس وقت آیا جب 1867 میں کمبرلی میں ہیرے کے وسیع ذخائر، اور 1886 میں جوہانسبرگ میں سونے کی بھرپور کانیں دریافت ہوئیں۔ اندرون

MashalBooks.org

میں اس عظیم معدنی دولت نے فوری طور پر برطانویوں کو اس بات کا قائل کر دیا کہ وہ پورے جنوبی افریقہ پر اپنے کنٹرول کو پھیلائیں۔ اورینج فری سٹیٹ اور ٹرانسوال کی مزاحمت، 1880 سے 1881 اور 1899 سے 1902 تک کی مشہور بوئر جنگوں پر منتج ہوئی۔ ابتدائی متوقع شکست کے بعد برطانیہ نے، 1910 میں یونین آف ساوتھ افریقہ کی بنیاد رکھنے کے لئے افریقانرز کی ریاست کی کیپ پراونس اور نیٹال کے ساتھ ضم کرنے کا اہتمام کرلیا۔ افریقانرز اور برطانویوں کے درمیان جنگ سے آگے، کان کنی کی معیشت کی ترقی اور یورپی آبادکاری کے پھیلاؤ کے، اس علاقے کی ترقی کے لئے اور بھی نتائج برآمد ہوئے۔ زیادہ قابل ذکر یہ ہے کہ انہوں نے خوراک اور دوسری زرعی اشیا کی طلب پیدا کی اور مقامی افریقیوں کیلئے زراعت اور تجارت دونوں شعبوں میں نئے معاشی مواقع پیدا کئے۔

زوسا نے، سسکی اور ٹرانسکی میں، ان معاشی مواقع کا بہت تیزی سے جواب دیا، جیسا کہ مورخ کولین بنڈی (Colin Bendy) نے تحریر کیا۔ اتنا پہلے جتنا کہ 1832، کان کنی میں اچانک تیزی سے بھی پہلے، ٹرانسکی میں ایک موراوی مبلغ نے، ان علاقوں میں نئی معاشی حرکیات کا مشاہدہ کیا اور افریقیوں کی طرف سے ان نئی اشیائے صرف کی طلب کو دیکھا، جن کا ان پر انکشاف یورپیوں کے پھیلاؤں سے ہوا تھا۔ اس نے لکھا؛

''ان اشیا کو حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے مزدوروں کی محنت سے رقم حاصل کرنے کی طرف دیکھتے ہیں، اور کپڑے، بیلچے، ہل، ویگنیں اور دوسری مفید اشیا خریدتے ہیں''۔

سول کمشنر جان ہیمنگ (John Hemming) کا سسکی میں فنگو لینڈ کے اپنے 1876 کے دورے کا بیان بھی مساوی طور پر چشم کشا ہے۔ اس نے لکھا کہ وہ ''اس عظیم ترقی کو دیکھ کر، جو فنگوز نے چند سالوں میں کی، بہت حیران ہوا۔۔۔ میں جہاں کہیں بھی گیا میں نے اینٹوں یا پتھروں کے مضبوط گھروں کی شکل میں رہائش گاہیں دیکھیں۔ بہت سی صورتوں میں مضبوط اینٹوں کے مکانات تعمیر ہو چکے تھے، اور پھلوں کے درخت لگائے جا چکے تھے؛ جہاں کہیں بھی پانی کی کوئی ندی مہیا کی جاسکتی تھی، یہ وہاں تک لائی گئی تھی، اور جہاں تک آب پاشی کی جاسکتی تھی زمین میں کاشتکاری کی گئی تھی؛ جہاں کہیں بھی ہم پہنچایا جا سکتا تھا، وہاں پر کاشتکاری کی گئی تھی، یہاں تک کہ پہاڑیوں کی ڈھلوانوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی۔ ہل چلائی ہوئی زمینوں کی وسعت نے مجھے حیران کر دیا؛

میں کاشت شدہ زمینوں کا اتنا علاقہ کئی سالوں سے نہیں دیکھا۔''

جیسا کہ زیریں صحارائی افریقہ کے دوسرے حصوں میں تھا، زراعت کا استعمال ایک نئی چیز تھی۔ لیکن جب موقع ملا، تو افریقی کسان اس نئی ٹیکنولوجی کو اپنانے پر بالکل آمادہ نظر آئے۔ وہ ویگنوں اور آب پاشی کے کاموں میں سرمایہ کاری کرنے پر بھی آمادہ نظر آئے۔

جوں جوں زرعی معیشت ترقی کرتی گئی، تو جامد قبائلی اداروں نے ٹوٹنا پھوٹنا شروع کر دیا۔ اس بات کی بہت زیادہ شہادت موجود ہے کہ حقوق ملکیت میں تبدیلیاں واقع ہونا شروع ہو گئیں۔ 1879 میں، ٹرانسکی میں، گریکوالینڈ شرقی کے ام زم کولو قصبے کے مجسٹریٹ نے تحریر کیا'' مقامی لوگوں کی طرف سے زمین کے مالک بننے کی خواہش بڑھتی جارہی ہے۔ انہوں نے 38,000 ایکڑ خریدے ہیں''۔ تین سال بعد اس نے لکھا کہ ضلع میں آٹھ ہزار افریقی کسانوں نے نوے ہزار ایکڑ زمین خرید لی ہے اور اس پر کام شروع کر دیا ہے۔

افریقہ یقیناً کسی صنعتی انقلاب کے دہانے پر نہیں تھا۔ لیکن حقیقی تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔ زمین پر نجی ملکیت نے قبائلی سرداروں کو کمزور کر دیا تھا، اور نئے لوگوں کو زمین خریدنے اور دولت بنانے کے قابل بنا دیا تھا، جو کہ ایک ایسی چیز تھی جو محض چند دہائیاں پیشتر سوچی بھی نہیں جاسکتی تھی، یہ چیز اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ استحصالی اداروں اور مطلق العنان کنٹرول کے نظام کی کمزوری کتنی جلدی نئی دریافت شدہ معاشی حرکیات کی طرف راہنمائی کرسکتی ہے۔ کامیابی کی ایسی ہی ایک کہانی سسکی کے سٹیفن سونجیکا (Stephen Sonjica) کی ہے، جو کہ ایک کمزور پس منظر رکھنے والا خودساز کسان تھا۔ 1911 میں ایک خطاب میں سونجیکا نے بیان کیا، کہ کس طرح، جب اس نے اپنے والد سے پہلی دفعہ زمین خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس کے والد نے جواب دیا'' زمین خریدنا چاہتے ہو؟ تم زمین خریدنے کی خواہش کیسے کر سکتے ہو؟ تم جانتے نہیں ہو کہ تمام زمین خدا کی ہے، اور اس نے یہ صرف قبائلی سرداروں کو دی ہے؟'' سونجیکا کے باپ کا ردعمل قابل فہم تھا۔ لیکن سونجیکا باز نہ آیا۔ اس نے کنگ ولیم کے قصبے میں ایک ملازمت حاصل کر لی اور لکھا:

میں نے ہوشیاری سے ایک بینک اکاؤنٹ کھولا جس میں میں نے اپنی بچت کا ایک حصہ منتقل کر دیا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک میں نے اسی پاؤنڈ بچا لئے۔۔۔ [میں نے خریدا] بیلوں کی ایک جوڑی جوئے سمیت، گیئر، ہل اور باقی کے زرعی لوازمات۔۔۔ اب میں

MashalBooks.org

نے ایک چھوٹا سا قطعہ زمین خرید لیا۔۔۔ میں اپنے ساتھیوں کو [کاشتکاری] کے پیشے کی بہت زیادہ زوردار سفارش نہیں کرسکتا۔۔تاہم انہیں منافع کمانے کے جدید ذرائع اختیار کرنے چاہئیں''

اس دور میں افریقی کسانوں کی معاشی حرکیات اور خوشحالی کی حمایت میں ایک غیر معمولی شہادت ایک خط سے ملتی ہے، جو 1869 میں میتھوڈسٹ مبلغ ڈبلیو۔جے ڈیوس (W. J. Davis) کی طرف سے انگلستان کو بھیجا گیا۔اس نے بڑی خوشی سے اس بات کو ریکارڈ کیا کہ اس نے ''لنکاشائر کاٹن ریلیف فنڈ کیلئے'' چھیالیس پاونڈ کی نقد رقم جمع کرلی تھی۔اس دور میں خوشحال افریقی کسان کپڑے کی صنعت غریب انگریز مزدوروں کی امداد کیلئے رقم عطیہ کررہے تھے۔

یہ نئی معاشی حرکیات، بلا حیرت، روایتی قبائلی سرداروں کو پسند نہ آئی۔ جنھوں نے اسی نمونے پر جس سے اب تک ہم اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں اسے اس طرح سے دیکھا کہ گویا یہ ان کی دولت اور طاقت کو کم کر رہی ہے۔ 1879 میں، ٹرانسکی کے چیف مجسٹریٹ، میتھو بلتھ (Mathew Blyth) نے یہ مشاہدہ کیا کہ زمین کو نجی ملکیت میں تقسیم کئے جانے کیلئے، زمین کے سروے کرنے کی مخالفت کی گئی۔اس نے ریکارڈ کیا کہ'' کچھ قبائلی سرداروں نے۔۔۔اعتراض کیا، لیکن زیادہ تر لوگ خوش تھے۔۔۔سردار یہ سمجھتے ہیں کہ انفرادی طور پر حقوق ملکیت دینے سے قبیلے کے بڑے سرداروں کے ہاں ان کا اثر ورسوخ ختم ہو جائے گا۔''

سرداروں نے زمینوں پر کی جانے والی ترامیم کی بھی مزاحمت کی جیسا کہ آبپاشی کے گڑھوں کی کھدائی یا باڑوں کی تعمیر کی۔ وہ سمجھ چکے تھے یہ ترمیم زمین کے انفرادی حقوق ملکیت کا ایک ابتدائیہ تھیں، ان کے لئے انجام کا آغاز۔ یورپ کے مشاہدہ کاروں نے یہ بھی دیکھا کہ سرداروں اور دوسرے روایتی حاکموں نے جیسا کہ قبیلے کے جادوگروں نے کوشش کی کہ وہ ان تمام ''یورپی طور طریقوں'' کی مخالفت کریں جن میں نئی فصلیں، آلات جیسا کہ ہل، اور تجارت کی اشیا شامل تھیں۔لیکن سسکی اور ٹرانسکی کے برطانوی نوآبادیاتی ریاست کے ساتھ الحاق نے سرداروں اور روایتی حاکموں کی طاقت کو کمزور کردیا اور ان کی مزاحمت جنوبی افریقہ میں نئی معاشی حرکیت کو روکنے کے لئے کافی نہ تھی۔ 1884 میں فنگو لینڈ میں ایک یورپی مشاہدہ کار نے مشاہدہ کیا کہ، لوگوں نے؛

اپنی وفاداری کو ہماری طرف منتقل کر دیا ہے۔ان کے سردار ایک طرح کے حقوق ملکیت

رکھنے والے زمینداروں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔۔بغیر سیاسی اختیار کے۔اب وہ سردار یا زہریلے ہتھیار۔۔۔قبیلے کے جادوگر، کے حسد سے خوفزدہ نہیں ہیں، جو مویشیوں کے دولت مند مالک، قابل وکیل، نئی روایات کے تعارف، ماہر زراعت کو چت کر دیتا ہے، اور ان سب کا درجہ کم کر کے عام آدمی کی سطح پر لے آتا ہے۔فنگو قبائلی، اب اس سے خوفزدہ ہوئے بغیر۔۔۔ایک ترقی پسند آدمی ہے۔اگرچہ ابھی تک وہ ایک کسان کاشتکار ہے۔۔۔لیکن وہ ویگنوں اور ہلوں کا مالک ہے؛ وہ آبپاشی کے لئے پانی کی نالیاں کھولتا ہے؛ وہ بھیڑوں کے ایک ریوڑ کا بھی مالک ہے۔

اشتمالی اداروں کا ایک کرشمہ اور سرداروں کے اختیارات میں کمی اور ان پر پابندیاں ایک توانا اور بھرپور افریقی معاشی ترقی کا آغاز کرنے کے لئے کافی تھے۔لیکن افسوس کہ اس کی عمر بہت کم تھی۔ 1890 اور 1913 کے درمیان اسے اچانک اختتام کو پہنچنا اور پچھلے پیروں لوٹ جانا تھا۔اس عرصے کے دوران، اس دیہی خوشحالی اور حرکیات کو تباہ کرنے کے لئے، جو افریقیوں کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے۔کامیاب افریقی کسانوں نے ان فصلوں کی قیمتوں کو بھی گرا دیا تھا، جو یورپی پیدا کرتے تھے۔یورپیوں کا جواب، افریقیوں کو کاروبار سے نکالنے کی کوشش کی شکل میں تھا، دوسری طاقت اور بھی زیادہ شر آمیز تھی۔یورپیوں کو اپنی ابھرتی ہوئی کان کنی کی معیشت میں ملازم رکھنے کے لئے سستے محنت کشوں کی نفری کی ضرورت تھی۔اور وہ اس سستی رسد کی یقین دہانی محض افریقیوں کو غریب بنا کر ہی حاصل کر سکتے تھے۔وہ کئی دہائیوں تک یہ کام بڑے طریقے سے کرتے رہے۔

کانوں کی ایسوسی ایشن کے چیئرمین، جارج البو (George Albu) کی تحقیقاتی کمشن کو پیش کی گئی شہادت بڑے پر مغز طریقے سے، سستی مزدوری حاصل کرنے کے لئے افریقیوں کو غریب بنانے کی منطق کو بیان کرتی ہے، اس نے وضاحت کی کہ اس نے کس طرح ''محض لڑکوں کو یہ بتا کر کہ ان کے معاوضے کم کئے جا رہے ہیں'' مزدوری کو سستی کرنے کی تجویز پیش کی۔اس کی شہادت درج ذیل ہے:

کمشن: فرض کریں کافر (سیاہ فام افریقی) اپنے کرال (مویشیوں کے باڑے) میں واپس چلے جاتے ہیں۔تو کیا آپ حکومت کو جبری مشقت کے لئے کہنے کے حق میں ہوں گے؟

البو: یقیناً۔۔۔میں اسے لازمی بناؤں گا۔۔۔ایک کالے آدمی کو کیوں یہ اجازت دی جائے کہ وہ کچھ نہ کرے؟ میں سمجھتا ہوں کہ ایک کافر کو اپنی روزی کمانے کے لئے کام کرنا چاہئے۔ کمشن: اگر

MashalBooks.org

ایک آدمی بغیر کام کیئے زندہ رہ سکتا ہے تو آپ اسے کس طرح کام کرنے پر مجبور کریں گے؟

ایلبو: پھر اس پر ٹیکس لگائیں گے۔۔۔

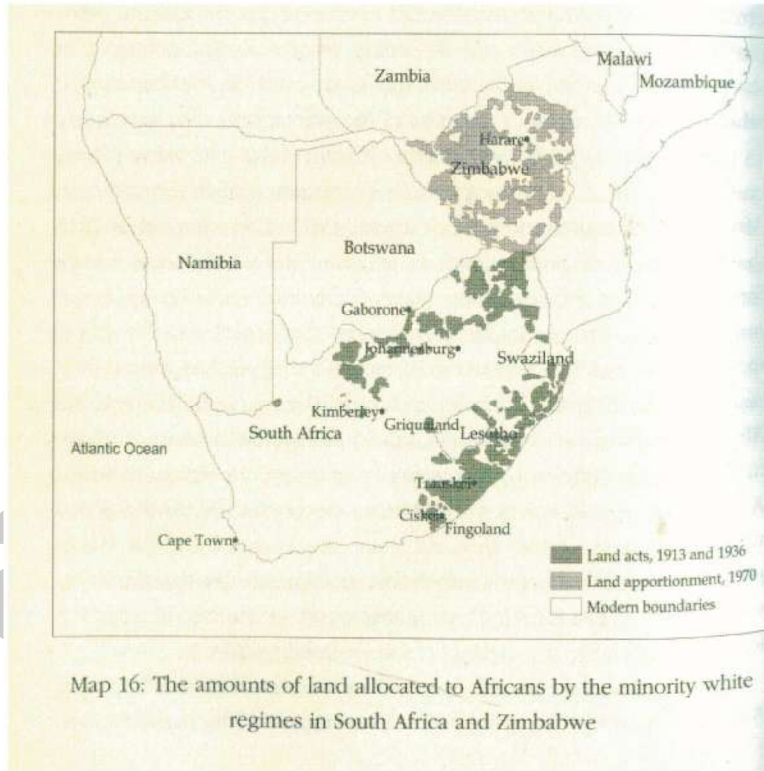
کمشن: تو پھر آپ کافر کو ملک میں زمین رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے، لیکن اسے گورے کو امیر بنانے کے لئے اس کے لئے کام کرنا چاہئے؟

ایلبو: اسے اپنے پڑوسیوں کی مدد کے لئے اپنے حصے کا کام کرنا چاہیے۔

1913 کے نیٹو لینڈ ایکٹ کے ذریعے، گورے کسانوں کے ساتھ مقابلے کو ختم کرنے، اور ایک بڑی کم اجرت والی مزدوروں کی نفری پیدا کرنے کے دونوں مقاصد بہ یک وقت حاصل کر لئے گئے۔ اس ایکٹ نے لیوس کے دوغلی معیشت کے تصور کی پیش بینی کرتے ہوئے جنوبی افریقہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک جدید خوشحال حصہ اور ایک روایتی غریب حصہ۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ خوشحالی اور غربت خود اس ایکٹ کے ذریعے پیدا کی جا رہی تھی۔ اس میں بیان کیا گیا کہ زمین کا 87 فیصد حصہ یورپیوں کو دیا جائے گا، جو آبادی کے صرف 20 فیصد کی نمائندگی کرتے تھے، باقی ماندہ 13 فیصد افریقیوں کو جانا تھا۔ بلاشبہ لینڈ ایکٹ کے بہت سے پیشرو بھی تھے۔ کیونکہ آہستہ آہستہ یورپی افریقیوں کو چھوٹے سے چھوٹے ذخائر تک محدود کرتے جا رہے تھے۔ لیکن یہ 1913 کا ایکٹ تھا جس نے متعین طور پر صورت حال کو دستوری بنا دیا، اور جنوبی افریقہ کی نسلی امتیاز پر مبنی حکومت کی تشکیل کیلئے میدان کو تیار کیا، جس میں سفید فام اقلیت سیاسی اور معاشی دونوں حقوق رکھتی تھی اور سیاہ فام اکثریت کو دونوں قسم کے حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اس ایکٹ نے مخصوص کر دیا کہ متعدد زمینوں کے ذخائر، بشمول ٹرانسکی اور سسکی کے، افریقیوں کے ''وطن'' بننے جا رہے تھے۔ بعد میں انہیں بنٹسٹانز کہا جانے لگا۔ جو جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز والی حکومت پر تکلف پیرایہ بیان کا ایک اور حصہ بننے جا رہا تھا، کیونکہ اس کا دعویٰ تھا کہ جنوبی افریقہ کے افریقی لوگ اس علاقے کے اصلی باشندے نہیں ہیں، بلکہ وہ بنتو لوگوں کی آل تھے، جنہوں نے ایک ہزار سال قبل مشرقی نائیجیریا سے ہجرت کی تھی۔ لہٰذا ان کا اب اس سرزمین پر یورپیوں کی نسبت کوئی زیادہ حق نہیں تھا، اور بلاشبہ عملی طور پر کم تھا۔

نقشہ نمبر 16 زمین کی اس مضحکہ خیز مقدار کو ظاہر کرتا ہے، جو 1913 کے لینڈ ایکٹ اور اس کے جانشین 1936 کے ایکٹ کے ذریعے افریقیوں کو تقسیم کی گئی۔ یہ 1970 سے، اسی طرح کی

زمین کی تقسیم کی حد پر بھی معلومات کو ریکارڈ کرتا ہے، جو زمبابوے میں ایک اور دوغلی معیشت کی تعمیر کے دوران واقع ہوئی، جس پر ہم باب 13 میں بحث کریں گے۔



Map 16: The amounts of land allocated to Africans by the minority white regimes in South Africa and Zimbabwe

1913 کی قانون سازی میں ایسی شقیں بھی شامل تھیں جن کا مقصد سیاہ فام بٹائی داروں اور ناجائز قابضین کو محنت کش مزارعوں کے علاوہ کسی بھی حیثیت میں سفید فاموں کی مملوکہ زمین پر کاشتکاری سے روکنا تھا۔ جیسا کہ مقامی معاملات کے سیکرٹری نے وضاحت کی: ''اس ایکٹ کا نتیجہ، مستقبل کے لئے، ان تمام سودوں کو روکنا تھا، جن میں یورپیوں اور مقامی لوگوں کے درمیان، زمین اور زمین کے ثمرات کے سلسلے میں شراکت کی نوعیت کی کوئی بھی چیز ملوث ہو۔ مقامی لوگوں کے ساتھ تمام معاہدات خدمت کے معاہدات ہونے چاہیں۔ بشرطیکہ اس نوعیت کا کوئی حقیقی معاہدہ موجود ہو، تو پھر ایک آجر کو، کس مقامی، جنس کی شکل میں یا کسی مقررہ زمین کے ٹکڑے کو کاشت کرنے کی رعایت دینے کی شکل میں، ادائیگی سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔۔۔ لیکن مقامی

شخص اپنے آقا کو زمین پر قابض ہونے کے حق (کو لینے) کیلئے کوئی ادائیگی نہیں کرسکتا۔''

ان ترقیاتی معیشت دانوں کے نزدیک، جنہوں نے 1950اور1960 کی دہائیوں میں جنوبی افریقہ کا دورہ کیا، جب نظریاتی نظم ونسق تشکیل پار ہا تھا، اور آرتھر لیوس کے خیالات فروغ پار ہے تھے، ان مقامی لوگوں کی بستیوں اور خوشحال جدید سفید فام یورپی معیشت کے درمیان تقابل بالکل ٹھیک ویسا ہی محسوس ہوتا تھا، جس کے بارے میں دوغلی معیشت کا نظریہ ہے۔ معیشت کا یورپی حصہ شہری اور تعلیم یافتہ تھا، اور جدید ٹیکنولوجی کو استعمال کرتا تھا۔ مقامی بستیاں غریب دیہاتی اور پسماندہ تھیں؛ وہاں محنت بہت غیر پیداواری تھی؛ لوگ، غیر تعلیم یافتہ تھے۔ یہ وقت سے متاثر نہ ہونے والے پسماندہ افریقہ کا ملخص محسوس ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ دوغلی معیشت فطری یا ناگزیر نہ تھی۔ یہ یورپی سامراجیت سے پیدا کی گئی تھی۔ ہاں، مقامی بستیاں غریب اور ٹیکنولوجی کے لحاظ سے پسماندہ تھیں، اور لوگ غیر تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن یہ سب کچھ حکومتی پالیسی کا نتیجہ تھا، جس نے جبری طور پر افریقی معاشی ترقی کو روک دیا تھا، اور یورپی کنٹرول والے علاقوں اور کانوں میں ملازم رکھے جانے کے لئے ایک سستی غیر تعلیم یافتہ مزدوروں کا ذخیرہ پیدا کیا۔ 1913 کے بعد افریقیوں کی بڑی تعداد کو اپنی سرزمین سے بے دخل کر دیا گیا، جو سفید فام لوگوں کی طرف سے ہتھیالی گئی اور یہ لوگ مقامی بستیوں میں جمع ہوگئے، جو اتنی چھوٹی تھیں کہ وہ اس میں سے ایک آزادانہ روزی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ لہذا جیسا کہ مقصود تھا، وہ لوگ سفید فام معیشت میں اپنی روزی تلاش کرنے پر مجبور تھے، اس طرح کہ وہ اپنی محنت سستے داموں مہیا کرتے تھے۔ جوں ہی ان کے معاشی محرکات ختم ہوئے، وہ تمام ترقیاں جو گزشتہ پچاس سال میں ہوئی تھیں پچھلے قدموں لوٹ گئیں، لوگوں نے اپنے ہل ترک کر دیئے اور کھرپوں کے ساتھ کاشتکاری کی طرف لوٹ گئے۔ یعنی اگر وہ کاشتکاری کرتے تھی تو۔ اکثر اوقات وہ سستی مزدوری کے لئے دستیاب ہوتے تھے، جس چیز کو یقینی بنانے کے لئے مقامی بستیاں بنائی گئی تھیں۔

یہ صرف معاشی محرکات ہی نہیں تھے جو تباہ ہوئے۔ سیاسی تبدیلیاں جو واقع ہونا شروع ہوئی تھیں، وہ بھی پچھلے قدموں واپس چلی گئیں۔ قبائلی سرداروں اور روایتی حکمرانوں کی طاقت جو اس سے پہلے زوال پذیر ہوگئی تھی، اب مضبوط ہوگئی، کیونکہ سستی مزدوری پیدا کرنے کے منصوبے کا ایک حصہ ملک میں نجی ملکیت کو ختم کرنا بھی تھا۔ لہذا قانون پر قبائلی سرداروں کا کنٹرول دوبارہ پختہ

ہوگیا۔ یہ اقدامات 1951 میں اپنی انتہا کو پہنچ گئے، جب حکومت نے بنٹو اتھارٹیز ایکٹ منظور کیا، اتنا پہلے جتنا کہ 1940، جی فنڈلے (G. Findlay) نے اپنی انگلی مسئلے کے ٹھیک اوپر رکھی:

''قبائلی قبضہ کی شرائط اس بات کی ضمانت ہیں کہ زمین پر کبھی صحیح طریقے سے ہل نہیں چلائے جائیں گے، اور یہ کبھی مقامی لوگوں کی حقیقی ملکیت نہیں بنے گی۔ سستی مزدوری کی افزائش نسل کی ایک سستی جگہ ہونی چاہئے، اور یہ افریقیوں کو ان کے اپنے خرچ پر مہیا کر دی گئی ہے۔''

افریقی کسانوں کی بے دخلی، وسیع پیمانے پر ان کی غربت پر منتج ہوئی۔ اس نے نہ صرف پسماندہ معیشت کی ادارہ جاتی بنیادیں پیدا کیں، بلکہ اس کو ذخیرہ کرنے کے لئے غریب لوگ بھی۔

دستیاب شہادت، مقامی آبادیوں کے معیار زندگی میں 1913 کے نیٹو لینڈ ایکٹ کے بعد پسپائی کو ظاہر کرتی ہے، ٹرانسکی اور سسکی ایک طویل معاشی انحطاط میں چلے گئے۔ فرانسس ولسن (Francis Wilson) کی طرف سے سونے کی کان کنی کرنے والی کمپنیوں کے ریکارڈ سے حاصل شدہ ملازمتوں کے ریکارڈوں کے مطابق، یہ انحطاط پورے جنوبی افریقہ کی معیشت میں بطور کل تھا۔ نیٹو لینڈ ایکٹ اور دوسری قانون سازیوں کے بعد، 1911اور1921 کے درمیان کان کنوں کی اجرتیں تیس فیصد تک گر گئیں۔ 1961 میں، جنوبی افریقہ کی معیشت میں نسبتاً مستحکم ترقی کے باوجود یہ اجرتیں، ابھی بھی 1911 کی اجرتوں کے مقابلے میں 12 فیصد کم تھیں۔ اس میں کوئی حیرت نہیں کہ اس عرصے کے دوران جنوبی افریقہ دنیا میں سب سے زیادہ عدم مساوات والا ملک بن گیا۔

لیکن کیا ان حالات کے باوجود بھی، سیاہ فام افریقی یورپی جدید معیشت میں اپنی راہ نہیں بنا سکتے تھے، ایک کاروبار شروع نہیں کرسکتے تھے۔ یا تعلیم یافتہ ہو کر اپنا مستقبل شروع نہیں کرسکتے تھے؟ حکومت نے اس بات کو یقینی بنا دیا کہ ایسی چیزیں واقع نہ ہوسکیں۔ کسی افریقی کو معیشت کے یورپی حصے میں یعنی ملک کے 87 فیصد حصے میں جائیداد کا مالک بننے یا کاروبار شروع کرنے کی اجازت نہیں تھی، نسل پرست حکومت نے یہ محسوس کرلیا کہ تعلیم یافتہ افریقی، کانوں اور سفید فام کی مملوکہ زمینوں کو سستی مزدوری مہیا کرنے کی بجائے، سفید فاموں کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے۔

اتنا پہلے جتنا کہ 1904، کان کنی کی معیشت میں یورپیوں کے لئے ملازمتوں کی تخصیص کا ایک نظام متعارف کروایا گیا، کوئی بھی افریقی ایک دھاتوں کا آمیزکار، ایک پارکھ، ایک بینکار، ایک آہن گر، ایک جوش دان ساز، ایک پیتل کو چمکانے والا، ایک پیتل کو ڈھالنے والا، ایک راج

MashalBooks.org

بننے کا مجاز نہیں تھا۔۔۔۔اور یہ فہرست مزید آگے سے آگے چلی جاتی تھی حتیٰ کہ ایک مشینی چوب ساز تک پہنچ جاتی تھی۔ایک ہی ہلے میں افریقیوں کو کان کنی کے شعبے میں کسی بھی مہارت یافتہ کام کو اختیار کرنے سے روک دیا گیا، یہ مشہور زمانہ ''رنگ کی پابندی'' کی پہلی مجسم شکل تھی، جو کہ جنوبی افریقہ کی حکومت کی متعدد نسل پرستانہ ایجادات میں سے ایک تھی۔''رنگ کی پابندی'' کو 1926 تک پوری معیشت تک پھیلا دیا گیا اور یہ 1980 کی دہائی تک باقی رہی۔ یہ بات قطعی حیرت انگیز نہیں ہے کہ سیاہ فام افریقی غیر تعلیم یافتہ تھے؛ جنوبی افریقہ کی ریاست نے نہ صرف افریقیوں کے کسی تعلیم سے معاشی طور پر فائدہ اٹھانے کے امکان کو ختم کر دیا، بلکہ سیاہ فاموں کے اسکولوں میں سرمایہ کاری کرنے سے انکار کر دیا اور سیاہ فاموں کی تعلیم کی حوصلہ شکنی کی۔ یہ پالیسی 1950 کی دہائی میں اپنے عروج پر پہنچ گئی، جب ہنرک وروویرڈ (Henrick Verwoerd)، جو کہ اس نسل پرست حکومت کے معماروں میں سے ایک تھا، جو 1994 تک رہنے والی تھی، کی سربراہی میں حکومت نے بنتو ایجوکیشن ایکٹ منظور کیا۔اس ایکٹ کے پیچھے فلسفے کا دوٹوک طریقے سے اظہار خود وروویرڈ کی طرف سے 1954 میں اس کی تقریر میں اس طرح سے کیا گیا:

بنتو لوگوں کو، ہر لحاظ سے اپنے طبقے کی خدمت کرنے کی طرف رہنمائی کی جانی چاہئے۔ان کے لئے یورپی معاشرے میں محنت کشی کی چند صورتوں کی سطح سے اوپر کوئی جگہ نہیں ہے۔۔۔اس وجہ سے اس کیلئے کوئی ایسی تربیت حاصل کرنا جس کا مقصد یورپی معاشرے میں جذب ہونا ہے، بیکار ہے، کیونکہ وہ وہاں نہ جذب ہو سکتا ہے نہ ہی جذب ہوگا۔

فطری طور پر، وروویرڈ کی تقریر میں بیان کی گئی دوغلی معیشت کی قسم لیوس کی دوغلی معیشت کے نظریے سے مختلف ہے، جنوبی افریقہ میں دوغلی معیشت ترقی کے عمل کا ناگزیر نتیجہ نہیں تھی، یہ ریاست کی طرف سے پیدا کی گئی تھی۔جنوبی افریقہ میں غریب لوگوں کے لئے پسماندہ سے جدید شعبے کی طرف معیشت کی ترقی کے ساتھ ساتھ، آگے بڑھنے کا کوئی بلا رکاوٹ راستہ نہیں تھا۔اس کے برعکس، جدید شعبے کی کامیابی، پسماندگی کے وجود پر منحصر تھی، جس نے سفید فام آجروں کو اس قابل بنایا کہ وہ سیاہ غیر تربیت یافتہ کارکنوں کو بہت کم اجرتیں دے کر بڑے بڑے منافع جات کمائیں جنوبی افریقہ میں غیر تربیت یافتہ کارکنوں کے لئے روایتی شعبے سے بتدریج تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہونے کے لئے کوئی طریق کار نہیں تھا، جس طرح کہ لیوس کے نقطہ نظر میں تصور کیا گیا

تھا۔درحقیقت، سیاہ فام کارکنوں کو ارادی طور پر غیر تربیت یافتہ رکھا جاتا تھا، اور اعلیٰ مہارت والے پیشوں سے باہر رکھا جاتا تھا، تاکہ تربیت یافتہ سفید فام کارکن مقابلے کا سامنا نہ کریں اور اعلیٰ معاوضوں سے لطف اندوز نہ ہوسکیں۔جنوبی افریقہ میں بلاشبہ سیاہ فام افریقیوں کو، مقامی بستیوں میں روایتی معیشت کے جال میں پھنسایا گیا تھا۔لیکن یہ ارتقا کا ایسا مسئلہ نہیں تھا جسے ترقی ٹھیک کر سکتی۔مقامی بستیاں ہی وہ چیز تھیں جنہوں نے سفید فام معیشت کی ترقی کو ممکن بنایا۔

اس میں بھی کوئی حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ معاشی ترقی کی وہ قسم جو سفید فام جنوبی افریقہ حاصل کر رہا تھا، آخر کار محدود تھی، کیونکہ یہ ان استحصالی اداروں پر مبنی تھی، جو سفید فاموں نے سیاہ فاموں کا استحصال کرنے کے لئے بنائے تھے۔جنوبی افریقی سفید فاموں کو حقوق ملکیت حاصل تھے۔وہ تعلیم میں سرمایہ کاری کرتے تھے، اور وہ سونے اور ہیروں کا استحصال کرنے کے بھی قابل تھے اور انہیں عالمی منڈی میں فروخت کر سکتے تھے۔لیکن اس فیصد سے سے زیادہ جنوبی افریقی آبادی کو کمزور کر دیا گیا تھا، اور پسندیدہ معاشی سرگرمیوں کی عظیم اکثریت سے خارج کر دیا گیا تھا۔ سیاہ فام اپنی صلاحیتوں کا استعمال نہیں کر سکتے تھے؛ وہ تربیت یافتہ مزدور، کاروباری، تاجر، انجینئر، یا سائنسدان نہیں بن سکتے تھے۔معاشی ادارے استحصالی تھے؛ سفید فام جنوبی افریقی مغربی یورپی ممالک کے لوگوں کے معیار ہائے زندگی میں شریک تھے، جبکہ سیاہ فام جنوبی افریقی باقی ماندہ زیریں صحارائی افریقیوں کی نسبت بمشکل ہی زیادہ امیر تھے۔بغیر تخلیقی تباہی کے یہ معاشی ترقی، جس سے صرف سفید فاموں نے فائدہ اٹھایا، اس وقت تک جاری رہی جب تک سونے اور ہیرے سے محصولات بڑھتے رہے۔تاہم 1970 کی دہائی تک، اس معیشت کا بڑھنا رک گیا تھا۔

اور دوبارہ اس میں کوئی حیرت نہیں ہوگی کہ استحصالی اداروں کے اس سیٹ کی تعمیر انتہائی استحصالی سیاسی اداروں کی ڈالی ہوئی بنیاد پر اٹھائی گئی۔جنوبی افریقی سیاسی نظام نے، 1994 میں اپنی شکست سے پہلے تمام اختیارات سفید فاموں میں سمو دیئے تھے۔جو وہ واحد لوگ تھے، جنہیں ووٹ ڈالنے اور انتخاب لڑنے کی اجازت تھی۔سفید فام، پولیس کے نظام، فوج، اور تمام سیاسی اداروں پر غالب تھے۔یہ ادارے سفید فام آبادکاروں کے فوجی غلبے کے تحت تشکیل دیئے گئے تھے۔1910 میں یونین آف ساؤتھ افریقہ کی بنیاد رکھنے کے وقت، اورینج فری سٹیٹ اور ٹرانسوال کی افریکانرز کی ریاستوں کے ہاں نسلی حقوق رائے دہی رائج تھے، جنہوں نے سیاہ فام لوگوں کی

MashalBooks.org

سیاسی شراکت سے مکمل طور پر باہر رکھا ہوا تھا۔ نیٹال اور کیپ کالونی سیاہ فام لوگوں کو ووٹ دینے کی اجازت دیتی تھیں بشرطیکہ ان کے پاس خاصی جائیداد ہو، جو خصوصی طور پر ان کے پاس نہیں ہوتی تھی۔ نیٹال اور کیپ کالونی کا جمود 1910 تک قائم رکھا گیا، لیکن 1930 کی دہائی تک سیاہ فاموں کو جنوبی افریقہ میں ہر جگہ سختی سے ووٹ کے حق سے محروم کر دیا گیا۔

جنوبی افریقہ کی دوعملی معیشت 1994 کے اختتام پر بلاشبہ ختم ہوگئی۔ لیکن ان اسباب کی بنا پر نہیں، جن کے بارے میں سر آرتھر لیوس نے نظریہ پیش کیا، یہ معاشی ترقی کا فطری راستہ نہیں تھا جس نے رنگ کی رکاوٹ اور افریقیوں کی مقامی بستیوں کو ختم کیا، سیاہ فام جنوبی افریقیوں نے احتجاج کیا اور اس حکومت کے خلاف کھڑے ہوگئے، جس نے ان کے بنیادی حقوق کو تسلیم نہ کیا، اور معاشی ترقی کے ثمرات میں انہیں شریک نہ کیا۔ 1976 کی سویٹو بغاوت کے بعد، احتجاج زیادہ شدید اور منظم ہوگئے، جنہوں نے آخر کار نسلی تعصب والی، ریاست کو گرا دیا۔ یہ سیاہ فام لوگوں کو طاقت ملنے کی وجہ تھی، کہ انہوں نے منظم ہونا اور بغاوت کرنا شروع کیا، جس نے آخر کار جنوبی افریقہ کی دوعملی معیشت کو بالکل اسی طرح طاقت نے پہلی مرتبہ اسے تخلیق کیا تھا۔

ترقی الٹے پاؤں واپس ہوگئی

آج عالمی عدم مساوات کا وجود اس لئے قائم ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدیوں کے دوران کچھ اقوام میں یہ صلاحیت تھی کہ انہوں نے صنعتی انقلاب اور اس کی لائی ہوئی ٹیکنولوجیوں، اور تنظیم کے طریقوں سے فائدہ اٹھایا جبکہ دوسری اقوام اس قابل نہ ہوسکیں، ٹیکنولوجیاتی تبدیلی، خوشحالی کے محرکات میں سے صرف ایک محرک ہے، لیکن غالباً سب سے اہم محرک ہے۔ وہ ممالک جنہوں نے، نئی ٹیکنولوجیوں سے فائدہ نہیں اٹھایا، وہ خوشحالی کے دوسرے محرکات سے فائدہ اٹھانے کے قابل بھی نہیں ہوسکے، جیسا کہ ہم نے اس باب اور پچھلے باب میں ثابت کیا ہے یہ ناکامی ان کے استحصالی اداروں کی وجہ سے تھی، یا تو ان کی مطلق العنان حکومتوں کے تسلسل کی وجہ سے، یا اس وجہ سے کہ ان کے ہاں مرکز گیر ریاستوں کا فقدان تھا۔ لیکن اس باب میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ، بہت سی صورتوں میں وہ استحصالی اداروں کے جنہوں نے ان اقوام کی غربت کو سہارا دیا، عائد کردہ تھے۔ یا کم از کم، اسی عمل کے ذریعے جس نے یورپی ترقی کو ایندھن مہیا کیا، اور زیادہ مضبوط ہو

گئے؛ یعنی یورپی تجارتی اور سامراجی توسیع، درحقیقت، یورپی نوآبادیاتی سلطنتوں کی فائدہ رسانی عام طور پر آزاد ریاستوں اور دنیا بھر میں مقامی معیشتوں کی تباہی پر مبنی تھی، یا ایسے استحصالی اداروں کی تخلیق پر جو بنیادی طور پر زمین سے پیدا ہوتے تھے، جیسا کہ کریبین جزائر کے سلسلے میں، جہاں مقامی آبادی کی تقریباً مکمل تباہی کے بعد یورپیوں نے افریقی غلاموں کو درآمد کیا، اور شجر کاری کے نظام بنائے۔ ہم کبھی یہ بات نہیں جان سکیں گے کہ، آزاد شہری ریاستوں، جیسا کہ بنڈا جزائر میں، آچے میں یا برما (میانمار) میں، یورپی مداخلت کے بغیر ترقی کی کیا قوسیں ہوتیں۔ ہوسکتا ہے ان کا اپنا شاندار انقلاب ہوتا، یا انہوں نے آہستہ آہستہ ایسے اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں کی طرف پیش رفت کی ہوتی، جو گرم مسالوں اور دوسری قیمتی اجناس کی بڑھتی ہوئی تجارت پر مبنی ہوتے۔ لیکن ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی توسیع سے یہ امکان ختم ہوگیا، کمپنی نے بنڈا جزائر میں مقامی ترقی کی کسی بھی امید کو، نسل کشی کو روبہ عمل لا کر ختم کر دیا، اس کے خطرے نے جنوب مشرقی ایشیا کے دوسرے حصوں میں بہت سی شہری ریاستوں کو بھی تجارت سے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

ایشیا میں قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک ہندوستان، کی کہانی، بھی یکساں ہے، اگرچہ ترقی کی پسپائی ولندیزیوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ انگریزوں کے ہاتھوں ہوئی۔ ہندوستان اٹھارویں صدی میں دنیا کا کپڑوں کا سب سے بڑا پیداکار اور برآمد کنندہ تھا۔ ہندوستانی لٹھے اور ململ یورپ کی منڈیوں میں اُمڈے چلے آتے تھے اور ان کی تجارت پورے ایشیا اور بلکہ مشرقی افریقہ تک ہوتی تھی سب سے بڑا گماشتہ جو انہیں جزائر برطانیہ تک لے جاتا تھا، وہ انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ 1600 عیسوی میں اپنے ڈچ مماثل سے دو سال پہلے وجود میں آنے والی، انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی نے سترھویں صدی، ہندوستان سے آنے والی قیمتی برآمدات پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش میں صرف کی۔ اسے پرتگیزوں سے مقابلہ کرنا تھا، جن کے اڈے گوا، چٹاگانگ، اور بمبئی میں تھے، اور فرانسیسیوں سے جن کے اڈے پانڈی چری، چندرنگر، ینام، اور کرائیکل میں تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے مزید شاندار انقلاب تھا، جیسا کہ نے باب ہفتم میں دیکھا، ایسٹ انڈیا کمپنی کو اجارہ داری سٹورٹ بادشاہوں نے دی تھی۔ اور 1688 کے بعد فوراً اسے چیلنج کر دیا گیا، اور بلکہ ایک دہائی سے زیادہ کے لئے ختم کر دیا گیا، طاقت کا نقصان اہم تھا، جیسا کہ ہم نے اس

MashalBooks.org

سے پہلے دیکھا کیونکہ برطانوی کپڑے کے صنعتکار، پارلیمان کو لٹھے کی درآمد پر پابندی لگانے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ جوکہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی حکمت عملیوں کو بدلا، اور ایک براعظمی سلطنت قائم کرنا شروع کردی۔ اس وقت ہندوستان بہت سی باہم متقابل حکومتوں میں تقسیم شدہ تھا، اگرچہ بہت ساری ابھی تک نام کی حد تک دہلی کے مغل بادشاہ کے کنٹرول کے تحت تھیں، ایسٹ انڈیا کمپنی پہلے مشرق میں بنگال تک پھیلی، مقامی طاقتوں کو پلاسی کی جنگ میں 1757 میں اور بکسر کی جنگ میں 1764 میں شکست دیتے ہوئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مقامی دولت کولوٹا، اور غالباً ہندوستان کے مغل حکمرانوں کے استحصالی ٹیکس کے اداروں کو اور بھی سخت کردیا۔ یہ پھیلاؤ، ہندستانی کپڑے کی صنعت کے زبردست سکڑاؤ کے ساتھ بیک وقت واقع ہوا، کیونکہ بہرحال ان اشیا کی برطانیہ میں اب کوئی مارکیٹ نہ رہی، یہ سکڑاؤ شہروں سے آبادی کے انخلا کے ساتھ ساتھ چلا، اور اس نے غربت کو بڑھادیا۔ اس نے ہندوستان میں معکوس ترقی کے ایک طویل دور کو جنم دیا۔ جلد ہی، ہندوستانی بجائے کپڑے پیدا کرنے کے، انہیں برطانیہ سے خرید رہے تھے، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے افیون پیدا کررہے تھے تاکہ وہ اسے چین کو بیچ سکے۔

بحراوقیانوس کی غلاموں کی تجارت نے افریقہ میں بھی وہی طرز اختیار کیا، اگرچہ جنوب مشرقی ایشیا اور ہندوستان کی نسبت کم ترقی یافتہ حالات سے آغاز کرتے ہوئے۔ بہت سی افریقی ریاستیں جنگ کی مشینوں میں تبدیل ہوگئیں جن کا واحد مقصد غلاموں کو پکڑنا اور یورپیوں کو فروخت کرنا تھا۔ جب مختلف حکومتوں اور ریاستوں کے درمیان کشمکش ایک مسلسل جنگی حالت میں تبدیل ہوگئی، تو ریاستی ادارے، جنہوں نے بہت سی صورتوں میں ابھی کسی بھی طرح زیادہ سیاسی مرکزیت حاصل نہیں کی تھی ایشیا کے بڑے حصوں میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئے، مستقل یا استحصالی اداروں اور آج کی ناکام ریاستوں کیلئے راہ ہموار کرتے ہوئے جن کا مطالعہ ہم بعد میں کریں گے۔ افریقہ کے چند حصوں میں جو غلاموں کی تجارت سے بچ گئے، جیسا کہ جنوبی افریقہ، یورپیوں نے اداروں کا ایک مختلف سیٹ عائد کیا، اس دفعہ یہ ان کی کانوں اور زمینوں کے لئے سستی مزدوری کا ذخیرہ پیدا کرنے کے مقصد سے بنائے گئے تھے۔ جنوبی افریقہ کی ریاست نے دوغلی معیشت پیدا کی، جس

نے آبادی کے 80 فیصد کو، تربیت یافتہ پیشوں، تجارتی کاشتکاری، اور کاروبار میں حصہ لینے سے روک دیا۔ یہ سب، نہ صرف اس بات کی وضاحت کرتا ہے، کہ صنعتکاری کیوں دنیا کے بڑے حصوں کے پاس سے ہوگزرگئی، بلکہ اس بات کا خلاصہ بھی بیان کرتا ہے کہ کس طرح بعض اوقات ترقی، اپنے ملکی یا عالمی معیشت کی پسماندگی پر پلتی ہے بلکہ اسے پیدا کرتی ہے۔

MashalBooks.org

10

خوشحالی کا پھیلاؤ

چوروں کے درمیان عزت

اٹھارویں صدی کے انگلستان۔یا زیادہ صحیح طور پر، برطانیہ عظمیٰ، 1707 کے انگلستان، ویلز اور سکاٹ لینڈ کے اتحاد کے بعد۔کے پاس مجرموں سے نمٹنے کا ایک سادہ ساحل تھا: آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل، یا کم از کم تکلیف اوجھل۔ وہ بہت سوں کو سلطنت کی عقوبتی نوآبادیات میں بھیج دیتے تھے۔ جنگ آزادی سے قبل فرد جرم عائد کئے گئے جرائم پیشہ، مجرموں، کو ابتدائی طور پر امریکی نوآبادیات میں بھیجا جاتا تھا۔1783 کے بعد کا آزاد ریاستہائے متحدہ امریکہ، برطانوی مجرموں کے لئے زیادہ آمادہ قبول نہ رہا، اور برطانیہ کے حکام کو ان کے لئے کوئی اور جائے پناہ ڈھونڈنا پڑی۔ پہلے انہوں نے مغربی افریقہ کے بارے میں سوچا۔لیکن آب وہوا، جو اپنے اندر علاقے کی مخصوص بیماریاں جیسا کہ ملیریا اور زرد بخار رکھتی تھی۔جن کے خلاف یورپیوں کے اندر مامونیت نہیں رکھتی تھی۔ اس قدر تباہ کن تھی۔کہ حکام نے فیصلہ کیا، کہ مجرمین کو بھی ''گورے آدمی کے قبرستان'' میں بھیجنا ناقابل قبول ہوگا۔ان کا دوسرا انتخاب آسٹریلیا تھا۔اس کے مشرقی خط ساحل کو عظیم بحری سیاح کیپٹن جیمز کک (Captain James Cook) کی طرف سے دریافت کیا جا چکا تھا۔29 اپریل 1770 میں کک ایک حیرت انگیز آبنائے پر اترا، جسے اس نے، ان بھرپور انواع کے اعزاز میں جو وہاں، اس کے ساتھ سفر کرنے والے ماہرین فطرت کی طرف سے دریافت کی گئیں، خلیج نباتات کا نام دیا۔ یہ برطانوی سرکاری ملازمین کو ایک مثالی مقام لگا۔ یہاں کی آب وہوا

معتدل تھی، اور یہ جگہ آنکھوں اور ذہنوں سے اتنی دور تھی۔ جتنا کہ تصور کیا جا سکتا ہے۔

جنوری 1788 میں، کیپٹن آرتھر فلپ(Captain Arthur Philip) کی زیر کمان، مجرموں سے بھرا ہوا گیارہ جہازروں کا ایک بیڑا باٹنی بے (خلیج نباتات) کی طرف رواں دواں تھا۔ 26 جنوری کو، جسے اب یوم آسٹریلیا کے طور پر منایا جاتا ہے، انہوں نے سڈنی کو میں، جو جدید سڈنی شہر کا دل ہے، خیمہ لگایا۔ انہوں نے اس نوآبادی کو نیو ساوتھ ویلز کا نام دیا۔ ایک جہاز الگزینڈر میں سوار، جس کا کپتان ڈنکن سنکلیئر (Duncan Sinclair) تھا۔ مجرموں کا ایک شادی شدہ جوڑا ہنری اور سوزانا کیبل (Henry and Susannah Kable) تھا۔سوزانا کو چوری کا مرتکب پایا گیا تھا اور ابتدائی طور پر اسے موت کی سزا دی گئی تھی۔ بعد میں اس سزا میں تخفیف کر کے چودہ سال اور امریکی نوآبادیات میں جلاوطنی کر دی گئی۔ یہ منصوبہ ریاستہائے متحدہ کی آزادی کی وجہ سے ناکام ہو گیا، اسی دوران میں، ناروچ کیسل جیل میں، سوزانا کی ملاقات ہنری، ایک ساتھی مجرم سے ہوئی اور وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ 1787 میں اسے اٹھا کر آسٹریلیا کی نئی مجرموں کی کالونی میں، اس طرف جا رہے پہلے بیڑے کے ساتھ روانہ کر دیا گیا۔لیکن ہنری کو نہ بھیجا گیا۔اس وقت تک سوزانا اور ہنری کا ایک چھوٹا بیٹا تھا، جس کا نام بھی ہنری تھا۔اس فیصلے کا مطلب تھا کہ خاندان میں جدائی ہو رہی تھی۔سوزانا کو قید کی کشتی میں بھیج دیا گیا جو دریائے ٹیمز پر لنگر انداز تھی، لیکن اس دلگداز واقعے کے بارے میں بات باہر نکل گئی اور انسان دوست، لیڈی کیڈوگن (Lady Cadogan) کے کانوں تک پہنچ گئی۔لیڈی کیڈوگن نے کیبل خاندان کو دوبارہ ملانے کے لئے ایک کامیاب مہم چلائی۔اب ان دونوں کو چھوٹے ہنری سمیت آسٹریلیا میں ملنی تھیں۔ وہ الگزینڈر سے روانہ ہوئے، لیکن جب وہ باٹنی بے پہنچے، تو اشیا کا وہ پارسل غائب تھا، یا کم، کم از کم کیپٹن سنکلیر کا دعویٰ یہی تھا۔

کیبل خاندان کیا کر سکتا تھا؟ انگریزی یا برطانوی قانون کے مطابق زیادہ کچھ نہیں۔ اگرچہ 1787 میں برطانیہ کے ہاں اشتمالی سیاسی اور معاشی ادارے تھے، لیکن یہ اشتمالیت مجرموں تک نہیں پہنچی، جن کے عملاً کوئی حقوق نہیں تھے۔ وہ جائیداد کے مالک نہیں بن سکتے تھے۔ وہ یقیناً کسی شخص کے خلاف عدالت نہیں جا سکتے تھے۔ درحقیقت وہ کسی کے خلاف عدالت میں گواہی بھی نہیں دے سکتے تھے۔ سنیکلئر یہ جانتا تھا، اور غالباً اس نے پارسل چرا لیا تھا۔ اگرچہ اس نے کبھی

MashalBooks.org

اس کا اعتراف نہیں کیا، لیکن وہ ہمیشہ یہ شیخی بگھارتا تھا کہ کیبل خاندان اس کے خلاف عدالت نہیں جا سکتا۔ برطانوی قانون کے مطابق وہ ٹھیک تھا۔ اور برطانیہ میں سارا معاملہ وہیں ختم ہو گیا ہوتا۔ لیکن آسٹریلیا میں ایسا نہیں تھا۔ ایک فرمان وہاں کے عدالتوں کے نگران افسر، ڈیوڈ کالنز (David Collins) کے نام جاری کیا گیا، درج ذیل طریقے پر:

''ہرگاہ کے ہنری کیبل اور اس کی بیوی، جو کہ اس جگہ کے نئے رہائشی ہیں، کے پاس انگلستان چھوڑنے سے پہلے ایک خاص پارسل تھا، الگزینڈر ٹرانسپورٹ میں لادا گیا جس کا کپتان ڈنکن سنکلیئر تھا، جس میں کپڑے اور دوسری متعدد چیزیں تھیں جو ان کی موجودہ صورت حال کے لئے موزوں تھیں، جو بہت سے مخیّر ذہن کے لوگوں سے جمع کی ہوئی رقم سے مذکورہ ہنری کیبل اس کی بیوی اور بچے کے استعمال کے لئے خریدی گئی تھیں۔ مذکورہ پارسل کو الگزینڈر کے کیپٹن، جو کہ اب اس بندرگاہ پر موجود ہے، سے حاصل کرنے کے لئے متعدد درخواستیں کی جا چکی ہیں، اور وہ سب بے اثر رہی ہیں، (سوائے اور باستثنا) مذکورہ پارسل کے ایک چھوٹے سے حصے کے، جس میں چند کتابیں ہیں، اور باقی ماندہ، جو کہ زیادہ قابل ذکر قیمت کا ہے، ابھی تک مذکورہ جہاز الگزینڈر پر موجود ہے، جس کا ماسٹر بہت غفلت شعار آدمی محسوس ہوتا ہے، جو کہ اسے اس کے متعلقہ مالکوں کو، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے پہنچانے کا اہتمام نہیں کر رہا۔''

ہنری اور سوزانا، چونکہ دونوں ان پڑھ تھے، لہذا وہ فرمان پر دستخط نہ کر سکے، اور انہوں نے اس کے نیچے اپنے ''کاٹے'' کے نشان لگا دیئے۔ بعد میں، ''اس جگہ کے نئے رہائشی'' کے الفاظ کاٹ دیا گیا، لیکن یہ انتہائی معنی خیز تھے۔ کسی شخص نے یہ پیشگوئی کر دی کہ اگر ہنری کیبل اور اس کی بیوی کو مجرموں کے طور پر بیان کیا گیا، تو اس مقدمے کی کارروائی ہونے کی کوئی امید نہیں ہے، کوئی شخص اس کی بجائے اس خیال کے ساتھ نمودار ہوا کہ انہیں ''نئے رہائشی'' کہا جائے۔ یہ چیز غالباً جج کالنز کے لئے قبول کرنا مشکل تھا، اور زیادہ امکان یہی ہے کہ وہی وہ شخص تھا جس نے ان الفاظ کو کٹوا دیا۔ لیکن یہ فرمان کام کر گیا۔ کالنز نے مقدمے کو نظر انداز نہ کیا اور عدالت کا اجلاس بلایا، جس میں ججوں کی جماعت کلی طور پر سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ سنکلیئر کو عدالت کے سامنے بلایا گیا، اگرچہ کالنز اس مقدمے کے بارے میں زیادہ پرجوش نہیں تھا، اور جیوری ان لوگوں پر مشتمل تھی جنہیں کیبلز جیسے مجرموں کی حفاظت کے لئے آسٹریلیا بھیجا گیا تھا، لیکن کیبلز جیت گئے۔

سنکلیئر نے پورا مقدمہ اس بنیاد پر لڑا کہ کیبلز مجرم تھے، لیکن فیصلہ برقرار رہا اور اسے پندرہ پاؤنڈ ادا کرنا پڑے۔ اس فیصلے پر پہنچنے کے لئے کالنز نے برطانوی قانون کا اطلاق نہ کیا؛ اس نے اسے نظر انداز کیا، یہ پہلا دیوانی مقدمہ تھا جس کا فیصلہ آسٹریلیا میں ہوا۔ پہلا فوجداری مقدمہ بھی برطانیہ کے لوگوں کو اتنا ہی عجیب محسوس ہوتا۔ ایک مجرم ایک دوسرے مجرم کی روٹی چرانے کا قصوروار پایا گیا، جس کی قیمت صرف دو پنس تھی۔ اس وقت ایسا مقدمہ عدالت میں آیا ہی نہ ہوتا، کیونکہ مجرموں کو کسی چیز کی ملکیت کی اجازت نہیں تھی، آسٹریلیا برطانیہ نہیں تھا، اور اس کا قانون بھی عین برطانوی نہیں تھا۔ اور آسٹریلیا جلد ہی برطانیہ سے، فوجداری اور دیوانی قانون میں اور ساتھ ہی ساتھ بہت سے معاشی اور سیاسی اداروں میں بھی، راہیں جدا کرنے والا تھا۔

نیوساؤتھ ویلز عقوبتی کالونی ابتدائی طور پر مجرموں اور ان کے محافظوں پر مشتمل تھی جو زیادہ تر سپاہی تھے۔ 1820 کی دہائی تک آسٹریلیا میں بہت کم ''آزاد آبادکار'' تھے، اور مجرموں کی نقل و حمل، اگرچہ نیوساؤتھ ویلز میں 1840 میں رک گئی تھی، لیکن یہ مغربی آسٹریلیا میں 1868 تک جاری رہی۔ مجرموں کو ''لازمی کام'' کرنا پڑتا تھا، جو جبری مشقت کا ایک دوسرا نام تھا، اور محافظ اس سے پیسہ بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ابتدائی طور پر مجرموں کی کوئی تنخواہ نہیں تھی۔ انہیں اس محنت کے بدلے جو وہ انجام دیتے تھے صرف خوراک دی جاتی تھی۔ محافظین ہی وہ سب کچھ رکھ لیتے تھے جو وہ پیدا کرتے تھے۔ لیکن ان نظاموں کی طرح جن کو تجربہ ورجینیا کمپنی نے جیمز ٹاؤن میں کیا تھا، اس نظام نے بھی اچھی طرح کام نہ کیا، کیونکہ مجرموں کے اندر بھی محنت کرنے یا اچھا کام کرنے کا کوئی محرک نہ تھا، انہیں کوڑے مارے گئے یا نورفوک جزیرے میں جلاوطن کر دیا گیا، جو کہ صرف 13 کلومیٹر مربع کا علاقہ تھا اور بحرالکاہل میں، ایک ہزار میل سے زیادہ فاصلے پر مشرق میں واقع تھا۔ لیکن کیونکہ نہ تو کوڑے مارنے اور نہ ہی جلاوطن کرنے سے کام بنا، لہذا اس کا متبادل انہیں محرکات دینا تھا، یہ تصور سپاہیوں اور محافظوں کے لئے فطری نہیں تھا۔ مجرم، مجرم ہی تھے اور انہیں اپنی محنت بیچنے یا جائیداد کا مالک بننے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن آسٹریلیا کے قدیم باشندے، جو نیوساؤتھ ویلز کی بنیاد رکھے جانے کے وقت غالباً دس لاکھ کے قریب تھے۔ لیکن وہ وسیع براعظم پر پھیلے ہوئے تھے، اور نیوساؤتھ ویلز میں ان کا مقدار ان کے استحصال پر مبنی کسی معیشت کی تخلیق کے لئے کافی نہ تھا۔ آسٹریلیا میں لاطینی امریکہ والا انتخاب نہ تھا۔ لہذا اب محافظین ایک ایسے راستے پر چل

MashalBooks.org

نکلے جو بالآخر ایسے اداروں پر منتج ہونا تھا، جو پیچھے برطانیہ کے اداروں کی نسبت بھی زیادہ اشتمالی تھے۔ مجرموں کو کرنے کیلئے کاموں کا ایک سیٹ دے دیا جاتا تھا، اور اگر ان کے پاس زائد وقت ہوتا تو وہ اپنی خاطر کام کر سکتے تھے، اور جو کچھ وہ پیدا کرتے اسے بیچ سکتے تھے۔

محافظوں نے بھی مجرمین کی ان نئی معاشی آزادیوں سے فائدہ اٹھایا۔ پیداوار بڑھ گئی اور محافظوں نے مجرمین کو اشیا بیچنے کی اجارہ داریاں قائم کرلیں ان میں سے سب سے زیادہ منافع بخش اجارہ داری گنے کی شراب کی تھی۔ اس وقت نیو ساؤتھ ویلز پر دوسری برطانوی نوآبادیات کی طرح برطانوی حکومت کی طرف سے بھیجے ہوئے گورنر حکومت کرتے تھے۔ 1806 میں برطانیہ نے ولیم بلائٹ (William Blight) کا تقرر کیا، وہ شخص جو سترہ سال پیشتر 1789 میں، ''باونٹی پر مشہور بغاوت'' کے دوران ایچ ایم ایس باونٹی کا کپتان رہا تھا۔ بلائیٹ ایک سخت گیر منتظم تھا، جو کہ ایسی خصوصیت تھی جو غالباً بڑی حد تک بغاوت کی ذمہ وار تھی۔ اس کے طور طریقے تبدیل نہ ہوئے، اور اس نے فوری طور پر گنے کی شراب کے اجارہ داروں کو چیلنج کر دیا۔ یہ چیز ایک اور بغاوت پر منتج ہوئی، اس مرتبہ اجارہ داروں کی بغاوت پر، جس کی قیادت ایک سابقہ سپاہی، جان میکارتھر (John MacArthur) نے کی۔ یہ واقعات جو (Rum Rebellion) ''گنے کی شراب کی بغاوت'' کے نام مشہور ہوئے، ایک دفعہ پھر بلائیٹ کے باغیوں سے شکست کھانے پر منتج ہوئے، اس مرتبہ باونٹی جہاز کی بجائے زمین پر، میکارتھر نے بلائیٹ کو جیل میں ڈال دیا۔ بعد میں برطانوی حکام نے اس بغاوت سے نمٹنے کیلئے مزید سپاہی بھیجے۔ میکارتھر کو گرفتار کرلیا گیا اور جہاز پر واپس برطانیہ بھیج دیا گیا، لیکن وہ جلد ہی رہا ہو گیا، اور وہ آسٹریلیا کی سیاست اور معاشیات میں ایک بڑا کردار ادا کرنے کے لئے نوآبادی میں واپس آگیا۔

شراب کی بغاوت کے اسباب معاشی تھے۔ مجرموں کو محرکات دینے کی حکمت عملی، میکارتھر جیسے لوگوں کے لئے بہت زیادہ دولت بنا رہی تھی، جو آسٹریلیا میں بطور سپاہی کے جہازوں کے دوسرے گروپ میں آیا جو 1790 میں لنگر انداز ہوا۔ 1796 میں اس نے کاروبار پر توجہ مرکوز کرنے کے لئے فوج سے استعفیٰ دے دیا۔ اس وقت تک وہ اپنی پہلی بھیڑ حاصل کر چکا تھا، اور یہ سمجھ چکا تھا کہ بھیڑوں کے پالنے اور اون کی برآمد میں بہت زیادہ دولت تھی۔ سڈنی سے ملک کے اندر کی طرف نیلے پہاڑ تھے، جنہیں آخر کار 1813 میں عبور کرلیا گیا، جس سے دوسری طرف گھاس کے

میدانوں کی وسیع پہنائیاں تھیں، یہ بھیڑوں کی جنت تھی۔ میکارتھر جلد ہی آسٹریلیا کا امیر ترین آدمی بن گیا۔ وہ اور اس کے ساتھ بھیڑوں کے مہاسیٹھ (Squalters) گھس بیٹھے مشہور ہو گئے، کیونکہ وہ زمین جس پر وہ اپنی بھڑوں کو چراتے تھے، ان کی اپنی نہیں تھیں، یہ حکومت برطانیہ کی ملکیت تھی۔ لیکن پہلے پہل یہ بہت چھوٹی سی جزوی چیز تھی۔ گھس بیٹھے آسٹریلیا کے اشراف تھے۔ یا زیادہ موزوں طور پر، گھس بیٹھوں کی حکومت تھی۔

گھس بیٹھوں کی حکومت کے باوجود، نیو ساؤتھ ویلز، مشرقی یورپ یا جنوبی امریکہ کی آبادیات کے جیسی استحصالی حکومتوں کی طرح کوئی چیز نظر نہیں آتا تھا۔ وہاں نہ آسٹریا ہنگری اور روس کی طرح کے غلام کسان تھے، اور نہ ہی میکسیکو اور پیرو کی طرح، بڑی بڑی مقامی آبادیاں تھیں جن کا استحصال کیا جاتا۔ اس کی بجائے نیو ساوتھ ویلز، کئی لحاظ سے جیمز ٹاؤن ورجینیا کی مانند تھا: اشراف نے بالآخر اس بات کو اپنے مفاد میں پایا کہ وہ ایسے معاشی ادارے تخلیق کریں جو آسٹریا۔ ہنگری، روس، میکسیکو اور پیرو کے اداروں کی نسبت واضح طور پر زیادہ اشتمالی ہوں۔ مجرم ہی واحد محنت کش نفری تھی، اور انہیں محرکات دینے کا واحد طریقہ انہیں ان کاموں کا معاوضہ ادا کرنا تھا جو وہ کر رہے تھے۔

مجرمین کو جلد ہی کاروباری بننے اور دوسرے مجرمین کو کرایے پر حاصل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ انہیں اپنی سزا کی مدت پوری کرنے کے بعد زمین بھی دی جاتی تھی اور ان کے تمام حقوق بحال کر دیئے جاتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ امیر ہونا شروع ہو گئے، یہاں تک کہ ان پڑھ ہنری کیبل بھی، 1798 تک وہ ریمپنگ ہارس نامی ایک ہوٹل کا مالک بن گیا، اور اس کے پاس ایک دکان بھی تھی۔ اس نے ایک جہاز خرید لیا اور وہ دریائی بچھڑوں کی کھالوں کی تجارت میں شامل ہو گیا۔ 1809 تک وہ 470 ایکڑ کے کم از کم نو فارموں کا اور سڈنی میں متعدد دکانوں اور مکانوں کا مالک بن گیا۔

نیو ساوتھ ویلز میں، اگلی کشمکش، اشراف اور باقی ماندہ معاشرے، جو مجرمین، سابقہ مجرمین، اور ان کے خاندانوں پر مشتمل تھا، کے درمیان تھی۔ ان اشراف میں، جن کی قیادت سابقہ محافظین اور سپاہی کر رہے تھے۔ کچھ ایسے آزاد آبادکار بھی شامل تھے، جو اون کی معیشت میں اچانک برتری کی وجہ سے اس نوآبادی کی کشش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ زیادہ تر جائیداد ابھی تک اشراف کے

MashalBooks.org

ہاتھوں میں تھی، اور سابقہ مجرمین اور ان کی اولادیں نقل وحمل کا خاتمہ اپنے ہم پلہ لوگوں کی جیوری میں مقدمات کی سماعت کا موقع۔ اور آزاد زمین تک رسائی چاہتے تھے۔ اشراف ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں چاہتے تھے۔ ان کا بنیادی مسئلہ، ان زمینوں پر جن پر وہ غیر قانونی طور پر قابض تھے، قانونی حق ملکیت تھا۔ یہ صورت حال ایک مرتبہ پھر ان واقعات کے مشابہ تھی، جو دو صدیاں پیشتر شمالی امریکہ میں پیش آئے تھے۔ جیسا کہ ہم نے باب اول میں دیکھا، معاہدے میں شامل ملازمین کی ورجینیا کمپنی کے مقابلے میں فتوحات کی پیروی میری لینڈ اور کیرولیناؤں میں ہونے والی کشاکشوں میں کی گئی۔ نیو ساؤتھ ویلز میں لارڈ بالٹی مور اور انتھونی ایشلے کوپر کا کردار میکارتھر اور گھس بیٹھوں کی طرف سے ادا کیا گیا۔ برطانوی حکومت ایک مرتبہ پھر اشراف کے حق میں تھی، اگرچہ وہ اس بات سے خوفزدہ تھے کہ ایک نہ ایک دن میکارتھر اور گھس بیٹھے آزادی کا اعلان کرنے پر بھی مائل ہوسکتے ہیں۔

برطانوی حکومت نے 1819 میں جان بگ (John Bigge) کو، وہاں ہونے والی پیشرفتوں کی تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمشن کے سربراہ کے طور پر نوآبادی میں بھیجا۔ بگ کے لئے ان حقوق کو دیکھنا جو مجرمین کو یہاں حاصل تھے شاق گزرا، اور اسے اس عقوبتی نوآبادی میں اشتمالی نوعیت کے معاشی اداروں کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اس نے انقلابی اصلاحات کی سفارش کی؛ مجرمین زمین کے مالک نہیں ہوسکتے، کسی بھی شخص کو اب مجرمین کو کسی قسم کی اجرت دینے کی اجازت نہیں ہوگی، معافی ناموں کو محدود کرنا ہوگا، سابقہ مجرمین کو زمین نہیں دی جائے گی، اور سزاؤں کو مزید ظالمانہ بنانا ہوگا۔ بگ گھس بیٹھوں کو آسٹریلیا کی فطری اشرافیہ سمجھتا تھا اور اس کے ذہن میں ان کے غلبے والے مطلق العنانیت کے حامل معاشرے کا تصور موجود تھا۔ ایسا نہیں ہونے والا تھا۔

جب بگ گھڑیال کو پیچھے کی طرف موڑنے کی کوشش کر رہا تھا، تو سابقہ مجرمین ان کے بیٹے اور بیٹیاں زیادہ حقوق کے مطالبات پیش کر رہے تھے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ ایک دفعہ پھر ریاستہائے متحدہ کی مانند، ان کو اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ ان کے معاشی اور سیاسی حقوق کو مکمل طور پر مستحکم کرنے کیلئے، انہیں ایسے سیاسی اداروں کی ضرورت تھی جو انہیں فیصلہ سازی کے عمل میں ایسے سیاسی اداروں کی ضرورت تھی جو انہیں فیصلہ کا مطالبہ کیا جن میں وہ مساوی طور پر

MashalBooks.org

حصہ لے سکیں، اور ایسے نمائندہ اداروں اور اسمبلیوں کا مطالبہ کیا، جن میں وہ عہدے دار بن سکیں۔

سابقہ مجرمین اور ان بیٹوں، بیٹیوں کی قیادت ایک خوش بیان لکھاری، مہم جو اور صحافی ولیم وینٹورتھ کر رہا تھا۔ وینٹورتھ اس پہلی مہم کے رہنماؤں میں سے ایک تھا جنہوں نے نیلے پہاڑوں کو عبور کیا، جنہوں نے گھس بیٹھوں کے لئے وسیع گھاس کے میدان کھول دیئے؛ اس کے پہاڑوں کے اوپر ایک قصبہ ابھی تک اس کے نام پر موجود ہے۔ اس کی ہمدردیاں مجرمین کے ساتھ تھیں، غالبًا اپنے باپ کی وجہ سے، جس پر شاہراہ پر ایک ڈکیتی کا الزام تھا، اور جسے ممکنہ مقدمے کی کارروائی اور مجرم قرار دینے والے سے بچنے کیلئے آسٹریلیا بھیجے جانے کی سزا قبول کرنی پڑی، اس وقت وینٹورتھ، زیادہ اشتمالی اداروں اور منتخب اسمبلی مجرمین اور ان کے خاندانوں کے لئے جیوری کے ذریعے قانون کارروائی، اور نیو ساؤتھ ویلز میں جلاوطنی کے خاتمے کا زبردست حامی تھا۔ اس نے ایک اخبار ''آسٹریلین'' (Australian) شروع کیا، جو اس وقت کے بعد سے، اس وقت کے موجود سیاسی اداروں پر تنقید کی قیادت کرتا رہا۔ میکارتھر وینٹورتھ کو پسند نہیں کرتا تھا، اور یقیناً ان چیزوں کو بھی جن کی وہ طلب کر رہا تھا۔ اس نے وینٹورتھ کے حامیوں کی ایک فہرست کا بھی بغور جائزہ لیا، اور درج ذیل طریقے سے ان کی خصوصیات بیان کیں:

اسے موت کی سزا دی گئی کیونکہ وہ چھکڑے میں سب سے پیچھے بار بار چابک مارا جاتا ہوا یہاں پہنچا،

ایک لندن کا یہودی

ایک یہودی ہوٹل کا مالک جو حال ہی میں اپنے لائسنس سے محروم ہوا تھا،

نیلام کنندہ جسے یہاں غلاموں کی تجارت کرنے کی وجہ سے جلاوطن کیا گیا۔

جسے اکثر کوڑے مارے جاتے تھے،

دو مجرموں کا بیٹا

ایک دھوکے باز۔ قرض میں بہت زیادہ ڈوبا ہوا

ایک امریکی مہم جو

ایک وکیل جو بے وقعت کردار کا مالک ہے

ایک اجنبی جو کچھ عرصہ پہلے یہاں ایک موسیقی کی دکان میں ناکام ہوا

جس نے دومجرموں کی بیٹی سے شادی کی

جس نے ایک مجرم سے شادی کی جو اس سے پہلے ایک طنبورہ نوز لڑکی تھی۔

تاہم آسٹریلیا میں، اس لہر کو میکارتھر اور گھُس بیٹھوں کی شدید مخالفت بھی نہ روک سکی۔ نمائندہ اداروں کی طلب بہت شدید تھی اور دبائی نہ جاسکی۔ 1823 تک گورنر نے نیوساؤتھ ویلز کو کم و بیش اپنی مرضی سے چلایا تھا، اس سال اس کے اختیارات کو، برطانوی حکومت کی طرف سے قائم کی جانے والی ایک کونسل کے ذریعے محدود کردیا گیا، ابتدائی طور پر تقرر کئے جانے والے لوگ گھُس بیٹھوں اور مجرم اشرافیہ میں سے تھے، بشمول میکارتھر کے، لیکن یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ 1831 میں گورنر رچرڈ بورک (Richard Bourke) دباؤ کے سامنے جھک گیا اور اس نے پہلی مرتبہ سابقہ مجرمین کو جیوری میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ سابقہ مجرمین اور حقیقتاً بہت سے نئے آزاد آبادکار بھی برطانیہ سے مجرمین کی ملک بدری کو روکنا چاہتے تھے، کیونکہ اس نے مزدوری کی مارکیٹ میں مقابلہ پیدا کردیا اور اجرتوں کو کم کردیا۔ گھُس بیٹھے کم اجرتوں کے خواہشمند تھے لیکن وہ ہار گئے۔ 1840 میں نیوساؤتھ ویلز کی طرف ملک بدری رک گئی، اور 1842 میں مجلس قانون ساز بنادی گئی، جن کے دوتہائی ارکان منتخب کئے جاتے تھے (باقی ماندہ کی تعیناتی کی جاتی تھی) سابقہ مجرمین انتخاب میں کھڑے ہوسکتے تھے اور ووٹ دے سکتے تھے، اگر ان کے پاس کافی دولت ہوتی، اور بہت سوں نے ایسے ہی کیا۔

1850 کی دہائی تک آسٹریلیا نے سفید فام بالغ مردوں کا حق رائے دہی متعارف کروایا۔ اب شہریوں، سابقہ مجرمین اور ان کے خاندانوں کے مطالبات اس سے کہیں زیادہ تھے جن کا تصور ولیم وینٹورتھ نے پہلے پہل کیا تھا۔ درحقیقت اس وقت تک وہ قدامت پسندوں کے حق میں ہوچکا تھا، اور غیر منتخب مجلس قانون ساز پر اصرار کررہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے میکارتھر کی طرح۔ وینٹورتھ بھی زیادہ اشتمالی اداروں کی طرف لہر کو نہ روسکا۔ 1856 میں وکٹوریہ کی ریاست، جو 1851 میں نیوساؤتھ ویلز کی کوکھ سے پیدا ہوئی تھی، اور ریاست تسمانیہ دنیا میں پہلے ایسے مقامات تھے، جہاں موثر خفیہ ووٹنگ متعارف ہوئی، جس نے ووٹ خریدنے اور جبر کو ختم کردیا۔ آج ہم رائے انتخابات میں رائے شماری میں اخفا حاصل کرنے کے معیاری طریق کار کو ''آسٹریلین بلٹ'' کہتے ہیں۔

سڈنی، نیوساؤتھ ویلز میں ابتدائی حالات، 181 سال پہلے، جیمز ٹاؤن، ورجینیا کے حالات

کے بہت زیادہ مشابہ تھے، اگرچہ جیمز ٹاؤن میں آبادکار زیادہ تر معاہدہ والے مزدور تھے، بجائے مجرمین کے۔ دونوں صورتوں میں ابتدائی حالات استحصالی نوآبادیاتی اداروں کی تخلیق کی گنجائش نہیں رکھتے تھے۔ دونوں میں سے کسی نوآبادی کے ہاں مقامی لوگوں کی گنجان آبادیاں نہیں تھیں جن کا استحصال کیا جاتا، نہ ہی سونے اور چاندی جیسی قیمتی دھاتوں تک فوری رسائی تھی، نہ ہی زمین اور فصلیں تھیں جو غلاموں کی لگائی ہوئی شجرکاریوں کو معاشی طور پر مفید بناتیں۔ غلاموں کی تجارت 1780 کی دہائی میں ابھی تک زوروں پر تھی، اور اگر یہ مفید ہوتی تو نیوساؤتھ ویلز غلاموں سے بھر چکا ہوتا۔ لیکن یہ مفید نہ تھی۔ ورجینیا کمپنی اور سپاہی اور آزاد آبادکار دونوں، جو نیوساؤتھ ویلز کو چلا رہے تھے۔ دباؤ کے آگے جھک گئے، جنہوں نے بتدریج اشتمالی معاشی ادارے پیدا کئے، جو اشتمالی سیاسی اداروں کے ساتھ جڑواں طور پر ارتقاپذیر ہوئے۔ یہ چیز ساؤتھ ویلز میں اس سے بھی کم جدوجہد میں واقع ہوگئی، جتنی جدوجہد میں یہ ورجینیا میں واقع ہوئی تھی، اور بعد میں اس رجحان کو پیچھے موڑنے والی کوششیں ناکام ہوگئیں۔

ریاستہائے متحدہ کی طرح، آسٹریلیا نے بھی اشتمالی اداروں کی طرف انگلستان کی طرف سے اختیار کئے جانے والے راستے سے مختلف راستہ اختیار کیا۔ ریاست ہائے متحدہ اور آسٹریلیا میں ویسے انقلابات کی ضرورت نہیں تھی، جنہوں نے انگلستان کو سول وار اور پھر شاندار انقلاب میں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کیونکہ جن حالات میں ان ممالک کی بنیادیں رکھی گئی تھیں وہ بالکل مختلف تھے۔ اگرچہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اشتمالی ادارے بغیر کسی کشمکش کے قائم ہوگئے تھے، اور اس عمل میں ریاستہائے متحدہ کو برطانوی سامراج کو پھینک دینا پڑا۔ انگلستان میں مطلق العنانیت کی ایک طویل تاریخ تھی۔ جو مضبوطی سے قدم جمائے ہوئے تھی، اور اسے ختم کرنے کے لئے انقلاب کی ضرورت تھی۔ ریاستہائے متحدہ اور آسٹریلیا میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اگرچہ ہو سکتا ہے کہ میری لینڈ میں بالٹی مورنے اور نیوساؤتھ ویلز میں میکارتھر نے ایسا ہی کردار ادا کرنے کی خواہش کی ہو، لیکن انہوں نے اپنے منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے معاشرے پر اتنی مضبوط گرفت حاصل نہ ہوسکی، ریاستہائے متحدہ اور آسٹریلیا میں قائم ہونے والے اشتمالی اداروں کا مطلب تھا کہ صنعتی انقلاب ان ممالک میں تیزی سے پھیلا اور وہ امیر ہونے لگے۔ اس راستے کی پیروی جوان ممالک نے اختیار کیا، کینڈا اور نیوزی لینڈ جیسے ممالک نے کی۔

MashalBooks.org

اشتمالی اداروں کی طرف جانے والے اور بھی راستے تھے۔ مغربی یورپ کے بڑے حصوں نے ایک مزید تیسرا راستہ اختیار کیا، جو کہ انقلاب فرانس کے محرک کے تحت تھا، جس نے فرانس میں مطلق العنانی کو شکست دی، اور پھر بین الریاستی کشمکشوں کے ایک سلسلے کو جنم دیا اور ادارہ جاتی اصلاح کو مغربی یورپ کے بڑے حصے تک پھیلا دیا۔ ان اصلاحات کا معاشی نتیجہ بیشتر مغربی یورپ میں اشتمالی اداروں کا ظہور، صنعتی انقلاب، اور معاشی ترقی تھا۔

انقلابِ فرانس

1789 سے پہلے تین صدیوں تک، فرانس مطلق العنان بادشاہت کے زیرنگیں تھا۔ فرانسیسی معاشرہ تین حصوں، یا جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے عناصر ثلاثہ میں تقسیم شدہ تھا۔ پہلا طبقہ اشرافیہ تھا، دوسرا اہل کلیسا، اور تیسرا اس کے علاوہ ہر شخص پر مشتمل تھا۔ مختلف طبقات کیلئے مختلف قوانین تھے اور پہلے دو طبقات کو وہ حقوق حاصل تھے جو باقی ماندہ آبادی کو نہیں تھے۔ اشرافیہ اور اہل کلیسا کوئی ٹیکس نہیں دیتے تھے، جبکہ شہریوں کو مختلف ٹیکس ادا کرنا پڑتے تھے جیسا کہ ہم ایک ایسی حکومت سے توقع رکھیں گے جو اونچے طبقے کی استحصالی ہو۔ درحقیقت چرچ نہ صرف ٹیکسوں سے مبرا تھا، بلکہ اس کے پاس زمین کے بڑے بڑے قطعات تھے، اور یہ کسانوں پر اپنے ٹیکس عائد کر سکتا تھا۔ بادشاہ، اشرافیہ اور اہل کلیسا ایک پرتعیش انداز زیست رکھتے تھے، جبکہ تیسرے طبقے کا بہت بڑا حصہ شدید غربت میں زندگی بسر کرتا تھا۔ مختلف قوانین نہ صرف اشرافیہ اور اہل کلیسا کو انتہائی برتر معاشی حیثیت کی ضمانت دیتے تھے۔ بلکہ یہ انہیں سیاسی طاقت بھی عطا کرتے تھے۔

اٹھارویں صدی میں فرانس کے شہروں میں زندگی بڑی سخت اور غیر صحت مند تھی۔ صنعتکاری کو چند طاقتور پیشہ ورانجمنیں منضبط کرتی تھیں، جو اپنے ارکان کیلئے تو اچھی آمدنیاں پیدا کرتی تھیں لیکن دوسروں کو ان پیشوں میں داخل ہونے یا نئے کاروبار شروع کرنے سے روکتی تھیں۔ نام نہاد آن شاں رژیجم (Ancien Regime) اپنے تسلسل اور استحکام پر فخر کرتی تھی۔ کاروباری لوگوں اور باصلاحیت افراد کا نئے پیشوں میں داخلہ عدم استحکام پیدا کر دیتا اور لہذا برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر شہروں میں زندگی سخت تھی تو دیہاتوں میں غالباً اس سے بھی خراب تر تھی۔ جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا ہے، اس وقت تک کسانوں کی غلامی کی انتہائی شکل، جو لوگوں کو

زمین سے باندھ دیتی تھی، اور انہیں جاگیردار سرداروں کے لئے کام کرنے اور محاصل انہیں کو ادا کرنے پر مجبور کرتی تھی، فرانس میں کافی عرصے سے زوال پذیر تھی۔ اس کے باوجود، نقل و حرکت پر پابندیاں تھیں، اور جاگیردارانہ محاصل کی کثرت تھی جن کا تقاضا کسان سے کیا جاتا تھا کہ وہ بادشاہ، اشرافیہ اور چرچ کو ادا کرے۔

اس پس منظر کی موجودگی میں، انقلاب فرانس ایک انقلابی معاملہ تھا، 4 اگست 1789 کو قومی آئین ساز اسمبلی نے فرانسیسی قوانین کو کلی طور پر تبدیل کر دیا اور ایک نیا آئین تجویز کیا۔ اس کی پہلی دفعہ میں یہ بیان کیا گیا:

بذریعہ ہذا، قومی اسمبلی، جاگیردارانہ نظام کو مکمل طور پر ختم کرتی ہے۔ یہ حکم صادر کرتی ہے کہ، موجودہ حقوق و مراعات کے جاگیردارانہ اور انتخابی دونوں کے اندر، وہ تمام حقوق و مراعات Consuel انتخابی؟ جو حقیقی یا ذاتی غلامی سے پیدا ہوتے ہیں یا ان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بغیر کسی تلافی کے ختم ہو جائیں گے۔

اس کی نوویں دفعہ میں پھر یہ بات کہی گئی:-

ٹیکسوں کی ادائیگی میں مالی مراعات، ذاتی، یا حقیقی، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کی جاتی ہیں۔ ٹیکس تمام شہریوں سے، تمام جائیداد پر، ایک ہی طریقے سے اور ایک ہی شکل میں وصول کئے جائیں گے۔ ایسے منصوبوں پر غور کیا جائے گا، جن سے ٹیکس متناسب طور پر سب سے وصول کئے جائیں، یہاں تک کہ جاری سال کے آخری چھ ماہ کے ٹیکس بھی وصول کئے جائیں گے۔

اس طرح، انقلاب فرانس نے ایک ہی ہلے میں جاگیردارانہ نظام اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تمام حقوق و مراعات کو ختم کر دیا، اور اس نے اشرافیہ اور اہل کلیسا کے ٹیکس سے تمام استثنا کلی طور پر ختم کر دیئے۔ لیکن غالباً جو چیز سب سے زیادہ انقلابی تھی، بلکہ اس وقت کے لحاظ سے ناقابل تصور تھی، وہ گیارھویں دفعہ تھی، جس میں بیان کیا گیا:

تمام شہری، بغیر پیدائشی امتیاز کے، کسی بھی منصب یا وقار کے اہل ہیں، خواہ وہ کلیسائی ہو، شہری ہو یا فوجی؛ اور کسی پیشے کا مطلب کسی قسم کی توہین نہیں ہوگا۔

لہٰذا، اب سب لوگوں کے لئے قانون کی نظر میں مساوات تھی، نہ صرف روزمرہ زندگی اور کاروبار میں بلکہ سیاست میں بھی، انقلاب کی اصلاحات 4 اگست کے بعد بھی جاری رہیں۔ اس نے

MashalBooks.org

بعد میں، خصوصی ٹیکس عائد کرنے کے چرچ کے اختیار کو ختم کر دیا اور اہل کلیسا کو ریاست کے ملازمین میں تبدیل کر دیا۔ سخت سیاسی اور سماجی کرداروں کو بھی ختم کر دیا گیا۔ پیشہ ورانہ انجمنیں اور تمام پیشہ ورانہ پابندیاں ختم کر دی گئیں اور اس طرح شہروں میں ایک زیادہ ہموار میدان عمل تخلیق کیا گیا۔

یہ اصلاحات مطلق العنان فرانسیسی بادشاہوں کے عہد حکومت کے خاتمے کی طرف ایک پہلا قدم تھے۔ 4 اگست کے اعلانات کے بعد عدم استحکام اور جنگ کی کئی دہائیاں آئیں۔ لیکن مطلق العنانی اور استحصالی اداروں سے دور اور اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں کی طرف ایک ناقابل واپسی قدم اٹھایا جا چکا تھا۔ ان تبدیلیوں کی پیروی معیشت اور سیاست میں دوسری اصلاحات سے کی جانی تھی، جو بالآخر 1870 میں تیسری جمہوریہ پر ختم ہونا تھی، جس نے فرانس میں اسی طرز کا پارلیمانی نظام لانا تھا، جس طرز کے نظام کو شاندار انقلاب نے انگلستان میں تحریک دی تھی۔ انقلاب فرانس نے بہت زیادہ تشدد، مصائب اور عدم استحکام اور جنگ پیدا کی۔ پھر بھی، اس کی وجہ سے، فرانسیسی ان استحصالی اداروں کے پھندے میں نہیں آئے، جو معاشی ترقی اور خوشحالی کو روک دیتے ہیں، جیسا کہ مشرقی یورپ کی آسٹریا۔ ہنگری اور روس جیسی ریاستوں نے کیا۔

مطلق العنان فرانسیسی بادشاہت 1789 کے انقلاب کے دہانے پر کیسے آئی؟ ہم نے دیکھا ہے کہ بہر حال بہت سی مطلق العنان ریاستیں، معاشی جمود اور سماجی شورشوں کے باوجود لمبے عرصوں تک زندہ رہنے میں کامیاب رہیں، جیسا کہ انقلاب اور انقلابی تبدیلیوں کی بہت سی مثالوں میں ہوتا ہے، یہ بہت سے عوامل کا اتحاد تھا، جس نے انقلاب فرانس کا راستہ کھولا۔ اور یہ عوامل اس حقیقت سے گہرے طور پر متعلق تھے کہ برطانیہ تیزی سے صنعت کو اختیار کر رہا تھا۔ اور بلاشبہ یہ راستہ معمول کی طرح اتفاقی تھا، کیونکہ بادشاہت کی طرف سے ریاست کو مستحکم کرنے کی بہت سی کوششیں ناکام ہو گئیں، اور انقلاب فرانس اور یورپ میں دوسرے مقامات پر اداروں کو تبدیل کرنے میں اس کی نسبت زیادہ کامیاب رہا، جتنا بہت سے لوگ 1789 میں تصور کر سکتے تھے۔

فرانس میں بہت سے قوانین اور مراعات قرون وسطیٰ کی باقیات تھیں، یہ نہ صرف آبادی کی اکثریت کی نسبت پہلے اور دوسرے طبقات کے حق میں تھے۔ بلکہ انہیں تاج کے مقابلے میں بھی مراعات دیتے تھے۔ لوئی چودہ، جو کہ سورج بادشاہ تھا، نے فرانس پر پچاس سال حکومت کی، 1661 سے لے کر اس کی وفات 1715 تک، اگرچہ وہ دراصل 1643 میں پانچ سال کی عمر میں تخت

پر بیٹھا۔ اس نے اس عمل کو زیادہ مطلق العنانی کی طرف بڑھاتے ہوئے۔ جو صدیوں پہلے شروع ہوا بادشاہ کی طاقت کو مستحکم کیا۔ بہت سے بادشاہ نام نہاد اہم لوگوں کی اسمبلی سے اکثر اوقات مشورہ کرتے تھے، جو ان اہم اشراف پر مشتمل ہوئی تھی۔ جنہیں بادشاہ خاص طور پر چنتا تھا۔ اگرچہ یہ اسمبلی بڑی حد تک مشاورتی تھی، لیکن پھر بھی یہ بادشاہ کے اختیارات پر ہلکی سی پابندی کے طور پر کام کرتی تھی۔ اس کے عہد میں فرانس نے کچھ معاشی ترقی حاصل کی۔ مثال کے طور پر، بحراوقیانوس کی اور نو آبادی تجارت میں شرکت کے ذریعے۔ لوئی کا قابل وزیر خزانہ، ژاں بیپٹسٹ کولبرٹ (Jean-Baptiste Colbert) حکومتی سرپرستی اور حکومت کے اختیار صنعت، جو کہ ایک طرح کی استحصالی ترقی تھی، کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ترقی کی یہ محدود مقدار تقریباً کلی طور پر پہلے اور دوسرے طبقات کو فائدہ پہنچاتی تھی۔ لوئی xiv فرانس کے ٹیکس کے نظام کو بھی معقول بنانا چاہتا تھا، کیونکہ ریاست کو اکثر اوقات اپنی بار بار کی جنگوں اس کی بڑی قائمہ فوج اور بادشاہ کے اپنے پر تعیش خدم و حشم، اخراجات اور محلات کے لئے مالی مشکلات درپیش ہوتی تھیں۔ ایک چھوٹی سی اشرافیہ پر بھی ٹیکس عائد کرنے میں اس کی نااہلیت اس کے محصولات پر شدید قسم کی پابندیاں عائد کر دیتی تھی۔

اگرچہ معاشی ترقی نہ ہونے کے برابر تھی، لیکن اس وقت تک جب لوئی سولہ 1774 میں اقتدار میں آیا، معاشرے میں اس کے باوجود بڑی تبدیلیاں آئیں۔ مزید برآں پہلے والے مالی مسائل ایک مالی بحران میں تبدیل ہو گئے، اور 1756 اور 1763 کے درمیان برطانیہ کے ساتھ سات سالہ جنگ، جس میں کینیڈا فرانس کے ہاتھوں سے نکل گیا خاص طور پر مہنگی تھی۔ متعدد اہم شخصیات نے قرضوں کی تشکیل نو کر کے اور ٹیکسوں کو بڑھا کر شاہی بجٹ کو متوازن کرنے کی کوشش کی؛ ان میں شامل تھے، این رابرٹ جیکوئس ٹرگاٹ (Anne-Robert Jacques Turgot) جو کہ اپنے وقت کا مشہور ترین ماہر معاشیات تھا؛ جیکوئس نیکر (Jacques Necker) جو بھی انقلاب کے بعد ایک اہم کردار ادا کرنے والا تھا؛ اور چارلس الیگزینڈر ڈی کیلون (Charles Alexander de Calonne)۔ لیکن کوئی بھی کامیاب نہ ہوا۔ کیلون نے اپنی حکمت عملی کے ایک حصے کے طور پر لوئی xvi کو معززین کی اسمبلی بلانے پر آمادہ کیا۔ بادشاہ اور اس کے مشیر اسمبلی سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ ان کی اصلاحات کی توثیق کر دے گی، بہت حد تک اسی طریقے سے جیسا کہ چارلس اول نے انگریزی پارلیمان سے یہ توقع رکھی کہ، جب 1640 میں اس نے اس کا اجلاس بلایا، کہ وہ سکاٹش

MashalBooks.org

لوگوں سے لڑنے کیلئے فوج کو ادائیگی کرنے پر محض اتفاق کرلے گی۔ اسمبلی نے ایک غیر متوقع قدم اٹھایا اور یہ فیصلہ سنا دیا کہ محض ایک نمائندہ ادارہ اسٹیٹس جنرل، (Estates General) ہی ایسی اصلاحات کی توثیق کرسکتا ہے۔

اسٹیٹس جنرل، معززین کی اسمبلی سے بالکل مختلف ادارہ تھا۔ جہاں موخرالذکر اشرافیہ پر مشتمل تھی اور بڑی حد تک شاہ کی طرف سے بطور خاص بڑے بڑے اشراف میں سے منتخب کی جاتی تھی۔ وہیں موخرالذکر میں تینوں طبقات کے نمائندے شامل ہوتے تھے۔ اس کا اجلاس آخری بار 1614 میں منعقد کیا گیا۔ جب اسٹیٹس جنرل کا 1789 میں ورسیلز میں اجتماع ہوا، تو یہ بات فوری طور پر واضح ہوگئی کہ کوئی معاہدہ نہیں ہوگا۔ وہاں ناقابل مفاہمت اختلافات تھے، کیونکہ تیسرے طبقے نے، اسے اپنی سیاسی طاقت کو بڑھانے کے ایک موقع کے طور پر دیکھا، اور اس نے اسٹیٹس جنرل میں زیادہ ووٹوں کی خواہش کی، جس کی اشرافیہ اور اہل کلیسا نے ڈٹ کر مخالفت کی۔ اجلاس 5 مئی 1789 کو ختم ہوا، بغیر کسی فیصلے کے، سوائے ایک اور زیادہ طاقتور ادارے نیشنل اسمبلی کا اجلاس بلانے کے فیصلے کے، جس نے سیاسی بحران کو اور گہرا کردیا، تیسرے طبقے خاص طور پر تاجروں، کاروباری لوگوں، پیشہ وروں اور کاریگروں نے، جن سب کا مطالبہ مزید طاقت کا تھا، ان پیشرفتوں کو اپنے بڑھتے ہوئے اثر کی ایک شہادت کے طور پر دیکھا، لہذا انہوں نے نیشنل اسمبلی میں کاروائی میں اپنی زیادہ آواز کا اور عمومی طور پر بھی زیادہ حقوق کا مطالبہ کیا۔ پورے ملک میں گلیوں میں ان شہریوں کی طرف سے حمایت، جو ان پیشرفتوں سے جرأتمند ہوچکے تھے، 9 جولائی کو اس اسمبلی کی بطور نیشنل کانسٹی چوئنٹ اسمبلی کی تشکیل نو پر منتج ہوئی۔

اسی دوران میں پورے ملک میں جذبی کیفیت، خاص طور پر پیرس میں زیادہ انقلابی ہوتی جارہی تھی۔ اس کے ردعمل میں لوئی xvi کو اردگرد کے حلقوں نے اسے نیکر کو، جو کہ اصلاح پسند وزیر خزانہ تھا، ہٹانے پر اکسایا، یہ چیز گلیوں میں مزید انقلابیت پر منتج ہوئی۔ اس کا نتیجہ، 14 جولائی 1789 کو باسٹیل کی مشہور یورش تھا۔ اس مقام سے بعد تک انقلاب حقیقی معنوں میں شروع ہوگیا، نیکر کو بحال کردیا گیا، اور انقلابی مارکوئس ڈی لا فائیٹ (Marquis de Lafayette) کو پیرس کی نیشنل گارڈ کے انچارج کے طور پر لگا دیا گیا۔

باسٹیل پر دھاوے سے بھی زیادہ قابل ذکر نیشنل کانسٹی چوئنٹ اسمبلی کی حرکیات تھیں، جس

نے 4 اگست 1789 کو اپنے نو دریافت شدہ اعتماد کے ساتھ نئے آئین کو منظور کرلیا۔ اور جاگیرداری اور پہلے اور دوسرے طبقے کی خصوصی مراعات کو ختم کردیا۔ لیکن اس انقلابیت نے اسمبلی کے اندر تفرقہ پیدا کردیا، کیونکہ اس بارے میں کہ معاشرہ کیا شکل اختیار کرے بہت سے متصادم نظریات تھے، پہلا قدم مقامی کلبوں کی تشکیل تھا، زیادہ نمایاں انقلابی جیکو بن کلب تھا، جو بعد میں انقلاب کا کنٹرول سنبھالنے والا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اشراف بڑی تعداد میں ملک سے بھاگ رہے تھے۔ جو نام نہاد ایمگرے (emigres) تارکین وطن کہلائے۔ بہت سے بادشاہ کو اسمبلی کے ساتھ تعلق توڑنے اور کاروائی کرنے کی حوصلہ افزائی کررہے تھے، یا خود سے یا غیر ملکی طاقتوں کی مدد سے، جیسا کہ آسٹریا، جو کہ ملکہ میری اینٹوئنیٹ (Mary Antoinette) کا آبائی وطن تھا اور جہاں زیادہ تر ایمیگری بھاگ گئے تھے۔ جب گلیوں میں بہت سوں نے پچھلے دوسالوں میں انقلاب کی کامیابیوں کے لئے خطرہ محسوس کیا، تو انقلابیت کی رفتار تیز ہوگئی۔ قومی آئین ساز اسمبلی نے 29 ستمبر 1791 کو آئین کا حتمی متن منظور کیا، جس میں فرانس کو ایک آئینی بادشاہت میں تبدیل کردیا گیا، جس میں تمام انسانوں کے لئے حقوق کی برابری تھی، کوئی جاگیردارانہ حقوق و فرائض نہیں تھے۔ اور پیشہ ورانجمنوں کی طرف سے تمام تجارتی پابندیوں کا خاتمہ تھا۔ فرانس ابھی تک ایک بادشاہت تھا، لیکن اب بادشاہ کا کردار بہت کم تھا، اور درحقیقت اس کے پاس اپنی آزادی بھی نہ تھی۔

لیکن اس وقت انقلاب کی حرکیات اس جنگ سے جو 1792 میں فرانس اور آسٹریا کی قیادت میں ''پہلے اتحاد'' کے درمیان شروع ہوئی، ناقابل واپسی حد تک تبدیل ہوگئیں۔ اس جنگ نے انقلابیوں اور عوام کے عزم اور انقلابیت کو بڑھا دیا (عوام کو ساں کولوٹس کا نام دیا گیا، جس کا ترجمہ ''بغیر گھٹنے والے جھانگیئے کے'' کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ اس طرز کے ٹراوزر پہننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، جو اس وقت فیشن میں تھے)۔ اس عمل کا نتیجہ وہ دور تھا جسے دہشت (Terror) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جو جیکو بن دھڑے کی کمان میں تھا، جس کی قیادت روبزپیئر (Robespierre) اور سینٹ جسٹ (Saint-Just) کررہے تھے، جو لوئی xvi اور میری اینٹوئنیٹ کی پھانسیوں کے بعد آزاد ہوئے تھے۔ یہ چیز نہ صرف بیسیوں اشراف اور انقلاب مخالف لوگوں کی پھانسیوں پر منتج ہوئی، بلکہ بعض، انقلاب کی بڑی بڑی شخصیتوں کی پھانسیوں

MashalBooks.org

پر بھی، جن میں سابقہ مقبول رہنما برسات (Brissot) ڈانٹن (Danton) اور ڈسمولینز (Desmoulins) بھی شامل تھے۔

لیکن دہشت جلد ہی کنٹرول سے باہر ہوگئی اور بالآخر جولائی 1794 میں اپنے ہی رہنماؤں بشمول روبزپئر اور سینٹ جسٹ کی موت کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہوگئی۔ اس کے بعد ایک نسبتاً استحکام کا دور آیا، پہلے 1795 اور 1799 کے درمیان قدرے غیر موثر ڈائریکٹری (Directory) (فرانس کی مجلس منتظمہ جو پانچ افراد پر مشتمل تھی) کے تحت، اور بعد میں زیادہ مرتکز طاقت کے ساتھ تین افراد پر مشتمل کانسولیٹ (Consulate) (فرانس میں تین قنصلوں کی حکومت۔م) کی شکل میں جو ڈیوکوس، (Ducos) سیئس (Sieyes) اور نپولین بونا پارٹ (Napoleon Bonaparte) پر مشتمل تھی۔ ڈائریکٹری کے دوران ہی، نوجوان جنرل بونا پارٹ اپنی فوجی کامیابیوں کی وجہ سے مشہور ہو چکا تھا، اور 1799 کے بعد اس کے اثر کو بڑھنا ہی بڑھنا تھا۔ کانسولیٹ جلد ہی نپولین کی ذاتی حکومت بن گئی۔

1799 اور نپولین کے عہد کے خاتمے 1815، کے درمیان کے سالوں نے فرانس کے لئے عظیم فوجی فتوحات کا مشاہدہ کیا۔ بشمول آسٹرلیز، جینا آورسٹیٹ اور ویگرام کی فتوحات کے جنہوں نے یورپ کو فرانس کے قدموں میں ڈال دیا۔ ان فتوحات نے نپولین کو ایک وسیع قطعہ زمین پر اپنی مرضی اپنی اصلاحات اور اپنے قانونی ضابطے نافذ کرنے کی اجازت دے دی، 1815 میں اپنی آخری شکست کے بعد نپولین کا سقوط معاشی تخفیف، زیادہ محدود سیاسی حقوق اور لوئی xviii کے تحت فرانسیسی بادشاہت کی بحالی کے ایک دور کے لے آیا، لیکن یہ تمام چیزیں اشتمالی سیاسی اداروں کے حتمی ظہور کو محض سست کر رہی تھیں۔

1789 کے انقلاب سے آزاد کردہ قوتوں نے فرانسیسی مطلق العنانی کا خاتمہ کر دیا، اور یہ ناگزیر طور پر، خواہ آہستہ ہی سہی اشتمالی اداروں کے ظہور کی طرف لے جانے والی تھیں۔ اس طرح فرانس اور یورپ کے وہ حصے جہاں انقلابی اصلاحات برآمد ہو چکی تھیں، صنعتکاری کے اس عمل میں حصہ لینے والے تھے، جو انیسویں صدی میں پہلے ہی جاری تھا۔

انقلاب کو برآمد کرنا

1789 میں انقلاب فرانس کے موقع پر، یہودیوں پر پورے یورپ میں شدید پابندیاں لگا دی گئیں۔ مثال کے طور پر جرمنی کے شہر فرینکفرٹ میں۔ ان کی زندگیاں ان ضابطوں کے ماتحت تھیں جو ایک قانون میں متعین کئے گئے تھے جن کی تاریخ قرون وسطیٰ تک جاتی تھی۔ فرینکفرٹ میں پانچ سو یہودی خاندانوں سے زیادہ نہیں رہ سکتے تھے، اور ان سب کو ایک چھوٹے سے شہر کے ایک چھوٹے سے دیوار سے محدود حصے میں رہنا ہوتا تھا، جس کا نام جوڈن گاس (Juden gasse) یعنی یہودی اقلیتی بستی تھا۔ وہ اس بستی کو رات کے وقت اتوار کے دن اور کسی بھی عیسائی تہوار کے دوران نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

جوڈن گاس ناقابل یقین طور پر جکڑا ہوا تھا۔ یہ ایک چوتھائی میل لمبا تھا۔ لیکن 12 فٹ سے چوڑا نہیں تھا، اور بعض جگہوں پر دس فٹ سے بھی کم چوڑا تھا۔ یہودی ایک مسلسل دباؤ میں اور ضابطے کے تحت رہتے تھے۔ ہر سال زیادہ سے زیادہ دو نئے خاندانوں کو بستی میں داخلہ دیا جاتا تھا، اور زیادہ سے زیادہ بارہ یہودی جوڑے شادی کر سکتے تھے، اور وہ بھی صرف اس صورت میں اگر ان کی عمریں پچیس سال سے زیادہ ہوتیں۔ یہودی کھیتی باڑی نہیں کر سکتے تھے؛ وہ ہتھیاروں، مسالوں، شراب اور غلے میں تجارت نہیں کر سکتے تھے۔ 1726 تک انہیں مخصوص نشان پہننا ہوتے تھے، مردوں کے لئے دو ہم مرکز دائروں والے پیلے کپڑے اور عورتوں کے لئے دھاری دار برقعے۔ تمام یہودیوں کو ایک مخصوص ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔

جب انقلاب فرانس کا آغاز ہوا، تو ایک نوجوان کاروباری آدمی میئر ایمشل روتھس چائلڈ (Mayer Amschel Rothchild) فرینکفرٹ جوڈن گاس میں رہتا تھا۔ 1780 کی دہائی میں روتھس چائلڈ نے سکوں، دھاتوں اور قدیم اشیا کے ایک سرکردہ بیوپاری کے طور پر فرینکفرٹ میں اپنے قدم جما لئے تھے۔ لیکن شہر میں تمام یہودیوں کی طرح وہ بستی سے باہر اپنے کاروبار کو نہیں چلا سکتا تھا، یا یہاں تک کہ اس سے باہر رہ بھی نہیں سکتا تھا۔

یہ سب کچھ جلد ہی تبدیل ہونے والا تھا۔ 1791 میں فرانسیسی نیشنل اسمبلی نے فرانسیسی یہودیوں کی قوم کو آزاد کر دیا، بلکہ اب فرانسیسی فوجیں رہائن لینڈ پر بھی قبضہ کر رہی تھیں اور مغربی

MashalBooks.org

جرمنی کے یہودیوں کو بھی آزاد کر رہی تھیں۔ فرینکفرٹ میں ان کا اثر زیادہ اچانک اور غالباً قدرے غیر ارادی ہونے والا تھا۔ 1796 میں فرانسیسیوں نے فرینکفرٹ پر بمباری کی اور اس عمل میں جوڈن گاس کے آدھے شہر کو تباہ کر دیا۔ تقریباً دو ہزار یہودی بے گھر ہو گئے اور انہیں بستی سے باہر نقل مکانی کرنی پڑی۔ روتھس چائلڈ کا خاندان ان میں شامل تھا۔ جب ایک مرتبہ وہ بستی سے باہر آ گئے اور اب ضابطوں کے ایک بھاری پہاڑ سے آزاد ہو گئے، جنہوں نے انہیں کاروبار سے روکا ہوا تھا، تو وہ کاروبار کے نئے مواقع سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اس میں آسٹریائی فوج کو غلہ مہیا کرنے کا ایک ٹھیکہ بھی شامل تھا، جو کہ ایک ایسی چیز تھی، جس کی اس پہلے انہیں اجازت نہیں تھی۔

دہائی کے اختتام تک، روتھس چائلڈ فرینکفرٹ میں امیر ترین یہودیوں میں سے ایک تھا، اور ایک خوب جما ہوا کاروباری آدمی بھی تھا۔ مکمل آزادی کو ابھی 1811 تک انتظار کرنا تھا؛ یہ بالآخر، نپولین کی 1806 کی جرمنی کی تنظیم نو میں کارل فان ڈالبرگ (Karl von Dalgerg) جو کہ فرینکفرٹ کا گرینڈ ڈیوک بنا دیا گیا تھا، کے ہاتھوں نافذ کی گئی۔ میئر ایمشل نے اپنے بیٹے کو بتایا، ''اب آپ ایک شہری ہو''۔

ایسے واقعات نے یہودیوں کی آزادی کی جدوجہد کو ختم نہ کیا، کیونکہ بعد میں بہت سی پسپائیاں ہوئیں، خاص طور پر 1815 میں ویانا کی کانگریس میں، جس نے نپولین کے بعد سیاسی سمجھوتہ تشکیل دیا۔ لیکن اب روتھس چائلڈز کو بستی میں واپس نہیں جانا تھا۔ میئر ایمشل اور اس کے بیٹے عنقریب انیسویں صدی کے یورپ میں سب سے بڑے بینک کے مالک بننے والے تھے، جس کی شاخیں فرینکفرٹ، لندن، پیرس، نیپلز اور وی آنا میں تھیں۔

یہ کوئی علیحدہ واقعہ نہیں تھا۔ پہلے فرانس کی انقلابی فوجوں اور بعد میں نپولین کی فوجوں نے براعظم یورپ، کے بڑے بڑے حصوں پر یلغار کی، اس وقت کے ادارے قرون وسطیٰ کی باقیات تھے، جو بادشاہوں، شہزادوں اور اشراف کو تقویت پہنچاتے، اور شہرون اور دیہاتوں دونوں جگہ پر تجارت کو روکتے تھے۔ غلامی اور جاگیرداری، خود فرانس کی نسبت ان بہت سے علاقوں میں کہیں زیادہ اہم تھیں۔ مشرقی یورپ میں، بشمول پروشیا اور آسٹریا ہنگری کے ہنگری والے حصے میں، غلام کسان زمین سے بندھے ہوئے تھے۔ مغرب میں غلام کی یہ کڑی شکل پہلے ہی ختم ہو چکی تھی، لیکن کسان مختلف قسم کی جاگیرداروں کی فیس ٹیکس اور محنت کے معاوضہ جات ادا کرنے پر مجبور

تھے۔ مثال کے طور پر، ناسو یوسنجن کی ریاست میں، کسان 230 مختلف قسم کی ادائیگیوں، واجبات اور خدمات پر مجبور تھے۔ واجبات میں ایک ایسا واجب بھی تھا، جو کسی جانور کے ذبح کیے جانے پر ادا کرنا ہوتا تھا، جسے خون کا عشر کہتے تھے؛ اسی طرح ایک شہد کی مکھی کا عشر اور موم کا عشر بھی تھا۔ اگر جائیداد کا کوئی ٹکڑا خریدا یا بیچا جاتا تھا تو آقا کو فیس دینا ہوتی تھی۔ وہ پیشہ وروں کی انجمنیں جو شہروں میں ان تمام قسم کی معاشی سرگرمیوں کو کنٹرول کرتی تھیں، ان جگہوں پر فرانس کی نسبت خصوصی طور پر زیادہ طاقتور تھیں۔ مغربی جرمنی کے شہروں کولون اور آچن میں کاتنے اور کپڑا بننے کی مشینوں کو ان پیشہ ور انجمنوں کی طرف سے روک دیا گیا۔ سوئزرلینڈ میں برن سے اور اٹلی میں فلورنس تک صرف چند خاندانوں سے کنٹرول کیے جاتے تھے۔

انقلاب فرانس کے رہنما، اور بعد میں نپولین نے انقلاب کو ان ممالک میں برآمد کیا، مطلق العنانیت کو تباہ کرتے ہوئے، جاگیرداروں کے زمین کے ساتھ تعلق کو ختم کرتے ہوئے، پیشہ وروں کی انجمنوں کو ختم کرتے ہوئے اور قانون کے سامنے مساوات عائد کرتے ہوئے۔ یہ قانون کی حکمرانی کا اہم ترین تصور تھا، جس پر ہم اگلے باب میں زیادہ تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔ اس طرح انقلاب فرانس نے نہ صرف فرانس، بلکہ باقی ماندہ یورپ کے بھی بہت سے حصے کو اشتمالی اداروں اور اس معاشی ترقی کے لئے تیار کیا، جس کو یہ لوگ آگے بڑھانے والے تھے۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا، فرانس میں ہونے والی پیشرفتوں سے خوف زدہ ہو کر، متعدد یورپی طاقتیں، 1792 میں فرانس پر حملہ کرنے کے لئے آسٹریا کے گرد منظم ہو گئیں، بظاہر بادشاہ لوئی xvi کو آزاد کرانے کے لئے، لیکن حقیقت میں انقلاب فرانس کو کچلنے کے لئے، توقع یہ تھی کہ انقلاب کی طرف سے میدان میں اتاری ہوئی عارضی فوجیں جلد ہی ناکام ہو جائیں گی۔ لیکن کچھ ابتدائی شکستوں کے بعد، نئی فرانسیسی جمہوریہ کی فوجیں، ابتدائی دفاعی جنگ میں فاتح قرار پائیں۔ ابھی بہت سے شدید تنظیمی مسائل تھے جن پر قابو پانا تھا۔ لیکن فرانسیسی ایک بڑی جدت کاری میں دوسرے ممالک سے آگے تھے؛ عوامی جبری بھرتی میں۔ اجتماعی جبری بھرتی نے، جو اگست 1793 میں متعارف کروائی گئی، فرانس کے لئے بڑی بڑی فوجیں میدان میں اتارنے اور ایک فوجی برتری قائم کرنے کی گنجائش پیدا کی، جو اس سے بھی پہلے کہ نپولین کی مشہور فوجی مہارتیں منظر پر آتیں، برتری کے کنارے پر تھی۔

MashalBooks.org



Map 17: Napoleon's empire

ابتدائی فوجی کامیابی نے جمہوریہ کی قیادت کی فرانس کی سرحدوں کی توسیع ساتھ ہی ساتھ، نئی جمہوریہ اور پرشیا اور آسٹریائی نیدرلینڈز پر اور متحدہ صوبوں پر قبضہ کرلیا، جو آج کل کے بلجیم اور نیدرلینڈز کا لازمی حصہ ہیں۔ فرانسیسیوں نے جدید دور کے سوئٹزرلینڈ کے بھی بہت بڑے حصے پر قبضہ کرلیا۔ ان تینوں مقامات پر 1790 کی دہائی کے دوران، فرانسیسیوں کا مضبوط کنٹرول تھا۔

جرمنی کا مقابلہ شروع شروع میں بہت شدومد سے کیا گیا۔ لیکن 1795 تک فرانسیسیوں نے رہائین لینڈ پر مضبوط قبضہ حاصل کرلیا تھا، جوکہ جرمنی کا مغربی حصہ ہے جوکہ دریائے رہائن کے بائیں کنارے پر ہے۔ پرشیا کو، معاہدہ باسل کے تحت اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا گیا۔ 1795 اور 1802 کے درمیان، رہائن لینڈ فرانسیسیوں کے پاس تھا لیکن جرمنی کا کوئی اور حصہ نہیں تھا۔ 1802 میں رہائن لینڈ کو سرکاری طور پر فرانس میں شامل کرلیا گیا۔

اٹلی، 1790 کی دہائی کے دوسرے نصف میں جنگ کا بنیادی مقام رہا، جبکہ آسٹریائی

مقابلے میں تھے۔ سیوائے کو فرانس نے 1792 میں اپنے اندر شامل کرلیا، اور ایک جمود آ گیا، یہاں تک کہ اپریل 1796 میں نپولین نے حملہ کر دیا۔ 1797 میں ابتدا تک، اپنی پہلی بڑی براعظمی مہم میں، نپولین نے تقریباً پورے شمالی اٹلی کو فتح کرلیا تھا، سوائے وینس کے جس پر آسٹریاؤں نے قبضہ کرلیا، کیمپوفورموں کے معاہدے نے، جس پر اکتوبر 1797 میں آسٹریاؤں کے ساتھ دستخط ہوئے، پہلے اتحاد کی جنگ کا خاتمہ کر دیا، اور شمالی اٹلی میں فرانس کے زیرنگیں متعدد جمہوریتوں کو تسلیم کرلیا، تاہم، فرانسیسیوں نے اس معاہدے کے بعد بھی اٹلی پر اپنے کنٹرول کو توسیع دینا جاری رکھا، پاپائی ریاستوں پر حملہ کرتے ہوئے، اور مارچ 1798 میں (رومن ری پبلک) جمہوریہ روما قائم کرتے ہوئے، جنوری 1799 میں، نیپلز فتح ہوگیا، اور جمہوریہ پارتھی نوپیا وجود میں آ گئی۔ سوائے وینس کے، جو آسٹریا کی ملکیت میں رہا۔ فرانسیسیوں نے اب پورے جزیرہ نمائے اٹلی پر کنٹرول حاصل کرلیا، یا تو براہ راست، جیسا کہ سیوائے کی صورت میں تھا، یا ذیلی ریاستوں کے ذریعے، جیسا کہ سسلپائن، لیکوریائی، رومی، اور پارتھینو پیائی جمہوریتوں کے ذریعے۔

1798 اور 1801 کے درمیان، دوسرے اتحاد کی جنگ میں مزید آگے جانے اور پیچھے ہٹنے کا معاملہ تھا، لیکن اس کا اختتام اس طرح ہوا کہ فرانسیسی لازماً معاملات کو سنبھالے ہوئے تھے۔

فرانسیسی انقلابی فوجوں نے، ان ممالک میں جنہیں انہوں نے فتح کیا تیزی سے اصلاحات کا ایک انقلابی عمل جاری کیا، باقی ماندہ کسانوں کی غلامی کے اثرات کو ختم کرتے ہوئے، اور جاگیرداری اور زمین کے تعلق کو ختم کرتے ہوئے اور قانون کے سامنے برابری کو لاگو کرتے ہوئے۔ اہل کلیسا کو ان کے خصوصی مرتبے اور طاقت سے محروم کر دیا گیا اور شہری علاقوں میں پیشہ وروں کی تنظیموں کو نابود کر دیا گیا یا کم از کم کمزور کر دیا گیا۔ یہ چیز نیدرلینڈز میں 1795 میں فرانسیسی حملے کے فوراً بعد ہوئی۔ اور صوبہ جات متحدہ میں جہاں فرانسیسیوں نے بٹاوین جمہوریہ (Batavian Republic) کی بنیاد رکھی، ان سیاسی اداروں کے ساتھ واقع ہوئی جو فرانس کے اداروں سے مشابہ تھے۔ سوئٹزرلینڈ میں بھی صورت حال یکساں تھی، اور پیشہ وروں کی انجمنوں، ساتھ ہی ساتھ جاگیرداروں سرداروں اور چرچ کو شکست ہوئی، جاگیردارانہ مراعات ختم کر دی گئیں، اور پیشہ وروں کی انجمنوں کو ختم کر دیا گیا اور انہیں عضب کرلیا گیا۔

جو کچھ فرانسیسی انقلابی فوجوں کی طرف سے شروع کیا گیا تھا۔ اسے نپولین نے ایک یا

MashalBooks

دوسری شکل میں جاری رکھا۔نپولین سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر ان علاقوں پر اپنا مضبوط کنٹرول قائم کرنے میں دلچسپی رکھتا تھا، جنہیں اس نے فتح کیا تھا۔بعض اوقات اس چیز میں، مقامی اشراف سے سمجھوتے کرنا یا اپنے خاندان اور لواحقین کو ان کا انتظام سنبھالنے میں لگانا ضروری ہو جاتا تھا، جیسا کہ سپین اور پولینڈ کے اس کے مختصر قبضے کے دوران ہوا۔لیکن نپولین کو، انقلاب کی اصلاحات کو جاری رکھنے اور انہیں مزید پختہ کرنے کی حقیقی خواہش بھی تھی۔اہم ترین بات یہ ہے کہ اس نے رومی قانون کو اور قانون کی نظر میں برابری کے خیالات کو ایک قانونی نظام میں منضبط کیا، جو ''کوڈ نپولین'' کے نام سے موسوم ہوا۔نپولین اس ضابطے کو اپنا سب سے بڑا ورثہ سمجھتا تھا اور یہ خواہش رکھتا کہ وہ اسے ہر اس علاقے میں نافذ کرے جو اس کے کنٹرول میں ہے۔

بلاشبہ، وہ اصلاحات جو انقلاب فرانس اور نپولین کی طرف سے لاگو کی گئیں ناقابل واپسی نہیں تھیں۔بعض مقامات پر جیسا کہ ہینوور جرمنی میں نپولین کی شکست کے تھوڑے عرصے بعد پرانے اشراف پھر بحال ہو گئے، اور بہت کچھ جو فرانسیسیوں نے حاصل کیا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ضائع ہو گیا۔لیکن بہت سے دوسرے مقامات پر جاگیرداری، پیشہ وروں کی انجمنیں اور اشرافیہ مستقل طور پر ختم ہو گئیں یا کمزور ہو گئیں۔مثال کے طور پر، فرانسیسیوں کے چلے جانے کے بعد بھی، بہت سی صورتوں میں نپولین کا ضابطہ موثر رہا۔

الغرض، فرانسیسی فوجوں نے یورپ میں بہت مصائب پیدا کئے، لیکن انہوں نے انقلابی طور پر زمین کے خط و خال کو بھی تبدیل کر دیا۔یورپ کے بہت سے حصے میں، جاگیردارانہ تعلقات ختم ہو گئے؛ پیشہ ور لوگوں کی انجمنوں کی طاقت ناپید ہو گئی؛ بادشاہوں اور شہزادوں کے مطلق العنانی والے اختیارات نابود ہو گئے؛ اہل کلیسا کی معاشی، سماجی اور سیاسی طاقت پر گرفت ہوا ہو گئی؛ اور آن شان ریاست (قدیم ریاست) کی وہ بنیاد جو مختلف لوگوں کے ساتھ ان کی پیدائش کے درجے پر مبنی غیر مساوی مختلف سلوک روا رکھتی تھی منہدم ہو گئی۔ان تبدیلیوں نے اس طرح کے معاشی اشتمالی اداروں کو جنم دیا۔جنہوں نے بعد میں ان مقامات پر صنعتکاری کے جڑ پکڑنے کی گنجائش پیدا کی۔انیسویں صدی کے وسط تک، تقریباً ان تمام جگہوں پر جہاں فرانسیسیوں کا کنٹرول تھا، صنعتکاری جاری تھی۔جبکہ وہ جگہیں، جیسا کہ آسٹریا ہنگری اور روس، جنہیں فرانسیسیوں نے فتح نہیں کیا، یا پولینڈ اور سپین، جہاں فرانسیسی اقتدار عارضی اور محدود تھا، بڑی حد

تک ابھی تک جامد تھیں۔

جدت تلاش کرنا۔جاپان

1867 کے موسم خزاں میں، اوکوبوٹوشی میچی، جو کہ جاگیردار جاپان کی سٹسوما عملداری کا ایک سرکردہ درباری تھا، نے ایڈو، موجودہ ٹوکیو، کے دارالحکومت سے یاماگوچی کے علاقائی شہر کا سفر کیا۔14 اکتوبر کو وہ چوشو عملداری کے رہنماؤں سے ملا۔اس کی تجویز بڑی سادہ تھی؛ وہ مل جائیں، اپنی فوجوں کو ایڈو کی طرف مارچ کروائیں، اور جاپان کے حکمران، شوگن کو تخت سے اتاریں۔اس وقت تک اوکوبوٹوشی میچی نے پہلے ہی ٹوسا اور آکی عملداریوں کے قائدین کو اعتماد میں لیا ہوا تھا۔جب ایک مرتبہ طاقتور چوشو کے قائدین رضامند ہو گئے، تو ایک خفیہ سچو اتحاد تشکیل پا گیا۔

1868 میں جاپان معاشی طور پر ایک پسماندہ ملک تھا جس پر 1600 سے ٹوکوگاوا خاندان کی حکومت تھی، جس کے حکمران نے 1603 میں شوگن (کمانڈر) کا لقب اختیار کر لیا تھا۔جاپانی شہنشاہ ایک طرف ہو گیا اور اس نے ایک رسمی کردار اختیار کر لیا، ٹوکوگاوا کے شوگن، جاگیردار سرداروں کے طبقے کے غالب افراد تھے، جو اپنی اپنی عملداریوں پر حکومت کرتے تھے اور ان پر ٹیکس لگاتے تھے۔ان میں سٹ سوما کے سردار بھی تھے، جس پر شمازو خاندان کی حکومت تھی۔یہ سردار، اور ان کے ساتھ ان کے فوجی مصاحب مشہور فوجی افسران، ایک ایسے معاشرے کی مانند تھی، جس میں سخت پیشہ ورانہ اقسام تھیں، تجارت پر پابندیاں تھیں، اور کسانوں پر ٹیکسوں کی بہت اونچی شرح تھی۔شوگن ایڈو سے حکومت کرتا تھا، جہاں غیر ملکی تجارت پر کنٹرول کرتا تھا اور اس کی اجارہ داری تھی۔اور غیر ملکیوں کو اس نے ملک بدر کر دیا تھا۔سیاسی اور معاشی ادارے استحصالی تھے اور جاپان غریب تھا۔

لیکن شوگن کا غلبہ مکمل نہیں تھا۔یہاں تک کہ جب ٹوگوگاوا خاندان نے 1600 میں حکومت سنبھالی تو وہ ہر ایک پر کنٹرول قائم نہیں کر سکتے تھے۔ملک کے جنوب میں، سٹ سوما کی عملداری بالکل خود مختار رہی، بلکہ اسے رویوکویو جزائر کے ذریعے باہر کی دنیا کے ساتھ آزادانہ تجارت کرنے کی بھی اجازت تھی۔یہ سٹ سوما کا دارالحکومت کاگوشیما تھا۔جہاں 1830 میں اوکوبوٹوشی میچی پیدا ہوا۔ایک فوجی افسر کا بیٹا ہونے کے ناتے وہ بھی فوجی افسر بن گیا۔اس کی قابلیت کو جلد ہی شمازو

MashalBooks.org

ناریا کیرا نے پہچان لیا، جو کہ سٹ سوما کا سردار تھا، جس نے اسے جلد ہی افسر شاہی میں ترقی دے دی۔ اس وقت شمازو ناریا کیرا نے، پہلے ہی سٹ سوما کے فوجی دستوں کو شوگن کا تختہ الٹنے کے لئے استعمال کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ وہ تجارت کو ایشیا اور یورپ تک توسیع دینا؛ پرانے جاگیردارانہ معاشی اداروں کو ختم کرنا، اور جاپان میں ایک جدید ریاست قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کا نوخیز منصوبہ 1858 میں اسکی وفات سے ختم ہو گیا، اس کا جانشین، شمازو ہیسامتسو (Shimazu Hisamitsu) زیادہ محتاط تھا، کم از کم ابتدائی طور پر۔

اوکوبوٹوشی میچی، اب تک زیادہ سے زیادہ اس بات کا قائل ہو چکا تھا کہ جاپان کو جاگیردارانہ شوگن کو حکومت کو ختم کرنے کی ضرورت ہے، اور اس نے آخر کار شمازو ہیسامیتسو کو قائل کر لیا۔ اپنے مقصد کی حمایت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اسے بادشاہ کو کونے میں لگانے کو نشانہ بنانے کے پردے میں لپیٹ دیا۔ وہ معاہدہ جس پر اوکوبوتوشی میچی نے ٹوسا عملداری کے ساتھ دستخط کئے تھے، اس بات پر زور دیتا تھا کہ: ''ایک ملک کے دو بادشاہ نہیں ہوتے،'' ایک گھر کے دو مالک نہیں ہوتے؛ حکومت کسی ایک حکمران کو ہی وراثتاً منتقل ہوتی ہے۔'' لیکن حقیقی مقصد محض شہنشاہ کو اقتدار میں واپس لانا نہیں بلکہ سیاسی اور معاشی اداروں کو مکمل طور پر تبدیل کرنا تھا۔ ٹوسا کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کرنے والوں میں سے ایک سا کا موٹو ریوما تھا۔ جب سٹ سوما اور چوشو نے اپنی فوجوں کو متحرک کیا، تو سا کا موٹو ریوما نے شوگن کو ایک آٹھ نکاتی منصوبہ پیش کیا، اس پر زور دیتے ہوئے کہ وہ خانہ جنگی سے بچنے کے لئے استعفیٰ دے دے۔ یہ منصوبہ انقلابی تھا اور اگرچہ پہلی شق میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ''ملک کی سیاسی طاقت شاہی دربار کو واپس کر دی جائے، اور تمام احکامات شاہی دربار سے جاری ہوں'' لیکن اس میں محض شہنشاہ کی بحالی سے کہیں زیادہ چیزیں شامل تھیں۔ شق 2,3,4 اور 5 میں بیان کیا گیا:

2۔ دو قانون ساز ادارے، ایک ایوان بالا اور ایک ایوان زیریں، قائم کئے جائیں، اور حکومت کے تمام اقدامات کا فیصلہ عمومی رائے کی بنیاد پر کیا جائے۔

3۔ سرداروں، اشراف اور بڑے پیمانے پر لوگوں میں سے قابلیت والے لوگوں کو کونسلروں کے طور پر مقرر کیا جائے، اور ماضی کے روایتی عہدوں کو، جو اپنا مقصد کھو چکے ہیں، ختم کر دیا جائے۔

4۔ خارجہ معاملات کو موزوں ضابطوں کے تحت چلایا جائے، جنہیں عمومی رائے کی بنیاد پر تیار کیا جائے۔

5۔ پہلے وقتوں کے قوانین اور ضابطوں کو ایک طرف رکھ دیا جائے اور نیا اور موزوں ضابطہ منتخب کیا جائے۔

شوگن یوشی نوبو استعفیٰ دینے پر رضامند ہو گیا اور 3 جنوری 1868 کو، میجی کی بحالی کا اعلان کر دیا گیا۔ شہنشاہ کولے اور کومے کے فوت ہونے کے ایک ماہ بعد میجی اقتدار میں بحال ہو گئے۔ اگرچہ سیٹ سوما اور چوشو کی فوجوں نے اب ایڈو پر اور شاہی دارالحکومت کیوٹو پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن انہیں خطرہ تھا کہ ٹوکوگاوا دوبارہ اقتدار حاصل اور شوگن کی حکومت کو بحال کرنے کی کوشش کریں گے۔ اوکوبوٹوشی میچی چاہتا تھا کہ ٹوکوگاوا ہمیشہ کے لئے کچلے جائیں۔ اس نے شہنشاہ کو ترغیب دی کہ وہ ٹوکوگاوا کی عملداری کو ختم کر دے اور ان کی زمینوں کو ضبط کر لے۔ 27 جنوری کو سابقہ شوگن یوشی نوبو نے سٹ سوما اور چوشو افواج پر حملہ کر دیا، اور خانہ جنگی شروع ہو گئی؛ یہ موسم گرما تک جاری رہی، جب بالآخر ٹوکوگاوا شکست کھا گئے۔

میجی بحالی کے بعد، جاپان میں تبدیلی والی ادارہ جاتی اصلاحات کا عمل شروع ہوا۔ 1869 میں جاگیرداری کو ختم کر دیا گیا، اور تین سو مقبوضہ جاگیریں حکومت کے حوالے کر دی گئیں، اور انتظامی افسروں کے ماتحت کر دی گئیں، جو ایک مقرر شدہ گورنر کے کنٹرول میں ہوتے تھے۔ ٹیکس کے نظام کو مرکز گیر بنا دیا گیا، اور قدیم جاگیردارانہ ریاست کی جگہ ایک جدید افسر شاہانہ ریاست نے لے لی۔ 1869 میں تمام سماجی طبقات کی قانون کے سامنے برابری کو متعارف کروایا گیا، اور داخلی ہجرت اور تجارت پر پابندیوں کو ختم کر دیا گیا۔ سیمورائی طبقے (فوج طبقے) کو ختم کر دیا گیا، اگرچہ کچھ بغاوتوں کو فرد کر چکنے کے بغیر نہیں۔ زمین پر انفرادی حقوق ملکیت متعارف کروائے گئے، اور لوگوں کو کسی بھی تجارت میں داخل ہونے اور چلانے کی آزادی دی گئی۔ ریاست بنیادی ڈھانچے کی تعمیر میں بھرپور طریقے سے شامل ہو گئی۔ ریلوے کے بارے میں مطلق العنان حکومتوں کے رویوں کے مقابلے میں، 1869 میں جاپانی حکومت نے ٹوکیو اور یوکوہاما کے درمیان پہلی ریلوے تعمیر کی۔ اس نے ایک پیداواری صنعت کو بھی ترقی دی اور اوکوبوٹوشی میچی نے، بطور وزیر خزانہ، صنعتکاری کی کوششوں کے آغاز کی نگرانی کی۔ سٹ سوما عملداری کا سردار اس میں پیش پیش

MashalBooks.org

تھا۔جس نے برتن سازی، گولیوں اور سوتی ریشے کے کارخانے تعمیر کیے،اور جاپاں میں 1861 میں پہلی جدید سوت کاتنے کی مشین تعمیر کرنے کے لئے انگلستان سے کپڑوں کی مشینری درآمد کی۔اس نے دو جدید جہازوں کے کارخانے بھی تعمیر کئے۔1890 تک جاپان پہلا ایشیائی ملک تھا جس نے تحریری آئین اپنایا،اوراس نے ایک آئینی بادشاہت اوراس کے ساتھ ایک منتخب پارلیمان ڈائٹ اورآزاد عدلیہ بھی تخلیق کی۔تبدیلیاں، جاپان کو ایشیا میں صنعتی انقلاب کا پہلا نفع یاب بننے کے قابل ہونے میں فیصلہ کن عوامل تھیں۔

انیسویں صدی کے وسط میں چین اور جاپان، دونوں غریب اقوام تھیں، جو مطلق العنان حکومت تلے رینگ رہی تھیں۔چین کی مطلق العنان حکومت صدیوں تک تبدیلی کے بارے میں شکوک کا شکار تھی۔اگرچہ چین اور جاپان کے درمیان بہت سی مشابہتیں تھیں۔ٹوکوگاوا شوگن راج نے بھی سترھویں صدی میں غیر ملکی تجارت پر پابندی لگا دی تھی۔جیسا کہ چینی شہنشاہوں نے اس سے پہلے کیا تھا،اور وہ معاشی اور سیاسی تبدیلی کے مخالف تھے۔لیکن کچھ قابل ذکر سیاسی فرق بھی تھے۔چین ایک مرکز گیر افسر شاہانہ سلطنت تھی جس پر ایک مطلق العنان شہنشاہ حکومت کرتا تھا۔ شہنشاہ کو یقیناً اپنے اختیارات پر قدغنوں کا سامنا تھا۔جن میں سے اہم ترین بغاوت کا خطرہ تھا۔ 1850 اور 1864 کے دوران، پورے جنوبی چین میں تائی پنگ بغاوت کی وجہ سے تباہی مچ گئی،جس میں لاکھوں انسان مر گئے، یا کشمکش میں یا وسیع پیمانے کی فاقہ زدگی کی وجہ سے،لیکن شہنشاہ کی مخالفت ادارہ جاتی نہ بن سکی۔

جاپان کے سیاسی اداروں کی ساخت مختلف تھی،شوگن راج نے شہنشاہ کو کنارے لگا دیا تھا، لیکن جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، کہ ٹوکوگاوا کا اقتدار مطلق نہیں تھا۔اور سٹ سوما کے جیسی عملداریاں اپنی آزادی برقرار رکھے ہوئے تھیں، یہاں تک کہ خود ہی غیر ملکی تجارت بھی کرتی تھیں۔

جیسا کہ فرانس کے ساتھ تھا،چین اور جاپان کے لئے بھی برطانوی صنعتی انقلاب کا یک اہم نتیجہ فوجی لحاظ سے نہتا پن تھا۔1839 اور 1842 کے دوران پہلی جنگ افیون کے دوران، برطانیہ کی بحری طاقت نے چین کی تذلیل کی،اور بالکل یہی خطرہ جاپانیوں کے لئے بھی بالکل حقیقی بن گیا، جب ریاستہائے متحدہ کے جنگی جہاز، کموڈور میتھو پیری (Commodore Mathew Perry) کی زیر قیادت، 1853 میں خلیج ایڈو میں داخل ہو گئے۔شماز ونار یانا کے شوگن راج کا تختہ

الٹنے اور ایسی تبدیلیاں لانے، جو آخر کار میجی کی بحالی پر منتج ہوئیں، کے منصوبے کے پیچھے جذبہ محرکہ یہ حقیقت تھی کہ معاشی پسماندگی فوجی پسماندگی پیدا کرتی ہے،سٹ سوما عملداری کے قائدین نے یہ محسوس کرلیا کہ معاشی ترقی۔ بلکہ غالباً جاپان کی بقا۔صرف ادارہ جاتی اصلاحات کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔لیکن شوگن اس کی مخالفت اس لئے کرتا تھا کہ اس کی طاقت اس وقت کے اداروں کے سیٹ کے ساتھ وابستہ تھی۔اصلاحات کو لاگو کرنے کیلئے شوگن کا تختہ الٹنا ضروری تھا اوراس کا تختہ الٹا گیا۔چین میں بھی یہی صورت حال یکساں تھی،لیکن مختلف ابتدائی سیاسی اداروں نے شہنشاہ کے تختہ الٹنے کو بہت زیادہ مشکل بنا دیا،ایک ایسی چیز جو کہیں 1911 میں واقع ہوئی۔ اداروں کی اصلاح کرنے کی بجائے چینیوں نے برطانیہ کا فوجی لحاظ سے مقابلہ کرنے کی کوشش جدید ہتھیاروں کو درآمد کر کے کی۔جاپانیوں نے اپنی اسلحہ کی صنعت قائم کرلی۔

ان ابتدائی اختلافات کے نتیجے میں، دونوں ملکوں نے انیسویں صدی کے چیلنجوں کا جواب مختلف انداز سے دیا،اور چین اور جاپان، صنعتی انقلاب کے پیدا کردہ فیصلہ کن موڑ کا سامنا کرتے ہوئے ڈرامائی طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔جہاں جاپانی اداروں کی کایا پلٹ ہو رہی تھی اور معیشت تیز ترقی کے راستے پر گامزن ہو رہی تھی، وہیں،چین کی ادارہ جاتی تبدیلی کے لئے زور لگانے والی قوتیں زیادہ مضبوط نہیں تھیں،اور استحصالی ادارے بڑی حد تک بال بیکا ہوئے بغیر قائم رہے۔یہاں تک کہ انہوں نے 1949 میں ماؤ کے کمیونسٹ انقلاب کے ساتھ ایک مزید خرابی کی طرف رخ موڑ لیا۔

عالمی عدم مساوات کی جڑیں

اس باب اور گزشتہ تین ابواب نے یہ کہانی سنائی ہے کہ صنعتی انقلاب کو ممکن بنانے کے لئے، انگلستان میں کس طرح اشتمالی معاشی اور سیاسی اداروں کا ظہور ہوا،اور کیوں بعض ممالک نے صنعتی انقلاب سے فائدہ اٹھایا اور ترقی کے راستے پر گامزن ہوئے،جبکہ دوسروں نے ایسا نہ کیا یا درحقیقت شدت سے صنعتکاری کے آغاز کی اجازت دینے سے ہی انکار کر دیا۔آیا کسی ملک نے صنعتکاری کا راستہ اختیار کیا، بڑی حد تک اس کے اداروں کا نام تھا۔ریاستہائے متحدہ امریکہ، جو انگریزی شاندار انقلاب کی مانند ایک کایا پلٹ کے مرحلے سے گزرا، نے اٹھارویں صدی کے اواخر

MashalBooks.org

تک اپنے ہی اشتمالی معاشی اور سیاسی اداروں کو پروان چڑھایا۔اس طرح یہ پہلا ملک بنا جس نے جزائر برطانیہ سے آنے والی ٹیکنولوجیوں سے فائدہ اٹھایا، اور جلد ہی برطانیہ سے آگے نکل جانے والا تھا اور صنعتکاری اور ٹیکنولوجیاتی تبدیلی میں میں پیشرو بننے والا تھا۔ آسٹریلیا نے بھی اشتمالی اداروں کے سلسلے میں یہی راستہ اختیار کیا۔ اگرچہ قدرے دیر سے اور قدرے غیر محسوس انداز سے۔ اس کے شہریوں کو بھی انگلستان اور ریاستہائے متحدہ کے شہریوں کی طرح اشتمالی ادارے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا پڑی، جب ایک مرتبہ یہ اپنی جگہ پر آ گئے تو آسٹریلیا نے معاشی ترقی کا اپنا عمل شروع کر دیا۔ آسٹریلیا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ صنعتی بننے اور تیزی سے ترقی کرنے کے قابل اس لئے ہوئے کہ ان کے نسبتاً اشتمالی ادارے نئی ٹیکنولوجیوں، جدت طرازی یا تخلیقی تباہی کیلئے رکاوٹ نہیں بنے۔

دوسری یوری نوآبادیات میں ایسا نہیں ہوا، ان کی حرکیات آسٹریلیا اور ریاست ہائے متحدہ کی حرکیات کے بالکل برعکس تھیں۔ آسٹریلیا اور ریاست ہائے متحدہ میں ایسی مقامی آبادی اور وسائل جن کا استحصال کیا جا سکتا، کی کمی نے ان ممالک میں ایک بالکل مختلف معاملہ بنا دیا۔ اگرچہ ان کے شہریوں کو اپنے سیاسی حقوق اور اشتمالی اداروں کیلئے بڑی جدوجہد کرنا پڑی۔ مولوکار میں جیسا کہ ان دوسرے بہت سے مقامات پر جنہیں یورپیوں نے نوآبادیات بنایا، ایشیا میں، کریبین میں، اور جنوبی امریکہ میں، شہریوں کے ایسی جنگ کے جیتنے کا امکان بہت کم تھا۔ ان مقامات پر، یورپی نوآبادکاروں نے استحصالی اداروں کا ایک نیا مارکہ عائد کیا، یا ان استحصال کر سکیں جن کی حدود مسالوں اور چینی سے لے کر چاندی اور سونے تک تھیں۔ ان میں سے بہت سے مقامات پر انہوں نے ایسی ادارہ جاتی تبدیلیوں کے ایک سیٹ کو تحریک دی، جو اشتمالی اداروں کے ظہور کو ناممکن بنا دینے والے تھے۔ ان میں سے بعض مقامات پر انہوں نے سختی سے ہر اس چیز کو ختم کر دیا، جو کچھ ایک ابھرتی ہوئی صنعت یا اشتمالی معاشی اداروں کی شکل میں موجود تھا۔ ان میں سے بیشتر مقامات، انیسویں یا بلکہ بیسویں صدیوں میں بھی صنعتکاری سے استفادہ کرنے کے حالت میں نہیں تھے۔

باقی ماندہ یورپ میں بھی حرکیات آسٹریلیا اور ریاستہائے متحدہ کی حرکیات سے بالکل مختلف تھیں۔ جب اٹھارویں صدی کے اختتام پر انگلستان میں صنعتی انقلاب رفتار پکڑ رہا تھا، بہت سے یورپی ممالک میں مطلق العنان حکومتیں تھیں، جن پر بادشاہوں یا اشرافیہ کا کنٹرول تھا، جن کا بڑا

MashalBooks.org

آمدنی کا ذریعہ ان کی زمینداریاں تھیں، یا وہ تجارتی مراعات، جو انہیں دوسروں کے داخلے کی رکاوٹوں کی وجہ سے حاصل تھیں۔ وہ تخلیقی تباہی جو صنعتکاری کے عمل سے پیدا ہوتی، ان قائدین کے تجارتی منافع جات میں کمی کر دیتی اور ان کے ممالک سے وسائل اور مزدوری کو دور لے جاتی۔ اشرافیہ صنعتکاری سے معاشی خسارہ اٹھاتیں۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ سیاسی اعتبار سے بھی خسارہ میں رہتیں، کیونکہ صنعتکاری کا عمل یقیناً عدم استحکام اور ان کی سیاسی طاقت کی اجارہ داری کے لئے چیلنج پیدا کرتا۔

لیکن برطانیہ میں ادارہ جاتی تبدیلیوں اور صنعتی انقلاب نے یورپی ریاستوں کیلئے نئے مواقع اور نئے چیلنج پیدا کر دیئے۔ اگرچہ مغربی یورپ ریاستوں کیلئے نئے مواقع اور نئے چیلنج پیدا کر دیئے، اگرچہ مغربی یورپ مطلق العنانی تھی، لیکن اس علاقے نے اس ادارہ جاتی تبدیلی کے بہت سے حصے میں بھی شرکت کی، جس نے پچھلی ہزاری میں برطانیہ کو متاثر کیا تھا۔ لیکن مشرقی یورپ، سلطنت عثمانیہ اور چین میں صورت حال بہت مختلف تھی۔ یہ اختلافات صنعتی انقلاب کے پھیلاؤ کیلئے اہم تھے۔ کالی موت یا بحراوقیانوس کی تجارت کے ابھار کی طرح، صنعتکاری سے پیدا شدہ فیصلہ کن موڑ نے، بہت سی یورپی اقوام میں اداروں پر ہمیشہ سے موجود کشمکش کو اور شدید کر دیا۔ ایک بڑا عامل 1789 کا فرانسیسی انقلاب تھا۔ فرانس میں مطلق العنانی کے خاتمے نے اشتمالی اداروں کے لئے راستہ کھول دیا، اور فرانسیسی تیزی سے صنعتکاری اور تیز معاشی ترقی کی طرف بڑھنے لگے۔ درحقیقت فرانسیسی انقلاب نے اس سے بھی زیادہ کچھ کیا۔ اس نے کئی ہمسایہ ممالک پر حملے کر کے اور وہاں کے استحصالی اداروں کی جبری اصلاح کر کے اپنے اداروں کو برآمد کیا۔ اس طرح اس نے صنعتی ترقی کا راستہ نہ صرف فرانس کیلئے بلکہ بلجیم، نیدرلینڈز، سوئٹزرلینڈ اور جرمنی اور اٹلی کے کچھ حصوں کیلئے بھی کھول دیا، مزید مشرقی یورپ میں ردعمل ویسا ہی تھا جیسا کہ کالی موت کے بعد تھا، جب مطلق العنانی بجائے ناکام ہونے اور بھی طاقتور ہو گئی۔ آسٹریا۔ ہنگری، روس اور سلطنت عثمانیہ، معاشی طور پر مزید پیچھے چلے گئے، لیکن ان کی بادشاہتوں نے پہلی جنگ عظیم تک بھی اپنی جگہ پر جمے رہنے بندوبست کر لیا۔

دنیا کے باقی مقامات پر مطلق العنانیت اتنی ہی لچکدار تھی جتنی مشرقی یورپ میں، یہ چیز چین میں خاص طور پر ٹھیک تھی، جہاں منگ چنگ تبدیلی نے ایک ایسی ریاست کی طرح رہنمائی

کی، جوایک مستحکم زرعی معاشرہ تعمیر کرنے کا عہد کئے ہوئے تھی، اور بین الاقوامی تجارت کے مخالف تھی۔ لیکن ایشیا میں ایسے ادارہ جاتی اختلافات تھے جو اہمیت رکھتے تھے۔ اگرچین نے صنعتی انقلاب کے لئے ویسے ہی ردعمل کا اظہار کیا جیسا کہ مشرقی یورپ نے کیا، تو جاپان نے ویسا ردعمل ظاہر کیا جیسا کہ مغربی یورپ نے کیا، جیسا کہ فرانس میں ہوا، اس نے انقلاب کو نظام کو تبدیل کرنے کے لئے استعمال کیا، اس مرتبہ ایسے انقلاب سے جس کی قیادت سٹ سوما، ٹوسا، اورآ کی عملداریوں کے باغی سرداروں نے کی۔ ان سرداروں نے شوگن کو تخت سے اتارا، میجی بحالی کو عمل میں لائے، اور جاپان کوادارہ جاتی اصلاحات اور معاشی ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ مطلق العنانی الگ تھلگ ایتھوپیا میں بھی لچکدار تھی۔ براعظم میں باقی معاملات پر بین الاقوامی تجارت کی اس طاقت نے، جس نے سترھویں صدی میں انگریزی اداروں کو تبدیل کرنے میں مدد دی تھی، مغربی اور وسطی افریقہ کے بڑے بڑے حصوں کو غلاموں کی تجارت کے ذریعے استحصالی اداروں میں جکڑ دیا۔ اس نے بعض مقامات پر معاشروں کو تباہ کر دیا، اور دوسرے مقامات پر، استحصالی غلام ساز ریاستوں کی تخلیق کی طرف دھکیل دیا۔

ان ادارہ جاتی حرکیات نے جن کا اہم نے ذکر کیا ہے، بالآخر یہ متعین کیا کہ کون سے ممالک نے، انیسویں صدی میں موجود بڑے مواقع سے بعد تک فائدہ اٹھایا، اور کون سے ممالک ایسا کرنے میں ناکام رہے۔ عالمی ناہمواری جسے ہم آج دیکھتے ہیں، کی جڑیں اس اختلاف میں دیکھی جانی چاہئیں، چند مستثنیات کے علاوہ، آج کے امیر ممالک وہ ہیں، جو انیسویں صدی میں شروع ہونے والی صنعتکاری اور ٹیکنولوجیاتی تبدیلی کی راہ پر گامزن ہوئے، اور غریب ممالک وہ ہیں جو اس راہ پر گامزن نہیں ہوئے۔

11

دائرۃ الخیر

کالا قانون

قلعہ ونڈسر، جو لندن کے بالکل مغرب میں واقع ہے، انگلستان میں عظیم شاہی رہائش گاہوں میں سے ایک ہے۔ اٹھارویں صدی کے اوائل میں، یہ قلعہ ایک بڑے جنگل سے گھرا ہوا تھا، جو کہ ہرنوں سے بھرپور تھا، اگرچہ آج اس کا کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ 1722 میں اس جنگل کے رکھوالوں میں سے ایک، بپٹسٹ نن (Baptist Nunn) ایک پرتشدد کشمکش میں پھنس گیا۔ 27 جون کو اس نے لکھا،

سیاہ فام رات کو آئے، میرے اوپر تین مرتبہ میرے کمرے کی کھڑکی میں سے دو دو گولیاں برسائیں۔ اور میں نے 30 تاریخ کو کروتھورن کے مقام پر انہیں 5 گنی دینے کی حامی بھر لی۔

نن کی ڈائری میں ایک دوسرا اندراج یوں ہے، ’’ایک تازہ حیرت ایک آدمی بھیس بدلے ہوئے تباہی کے پیغام کے ساتھ نمودار ہوا۔‘‘

یہ پراسرار ’’کالے‘‘ لوگ کون تھے، جنہوں نے دھمکیاں دیں، نن پر گولیاں برسائیں، اور رقم کا مطالبہ کیا؟ یہ سیاہ فام مقامی لوگوں کے گروہ تھے۔ جنہوں نے اپنے چہروں کو، رات کے وقت اپنی شناخت چھپانے کے لئے کالا کر لیا تھا۔ وہ اس عرصے میں جنوبی انگلستان کے وسیع علاقے کے ساتھ ساتھ نمودار ہوئے۔ قتل کرتے ہوئے اور ہرنوں اور دوسرے جانوروں کے اعضا کاٹتے ہوئے، گھاس کے ڈھیروں کو اور غلے کے گوداموں کو جلاتے ہوئے، اور باڑوں اور مچھلی کے

MashalBooks.org

فارمون کو تباہ کرتے ہوئے۔ بظاہر یہ محض لاقانونیت تھی، لیکن ایسا نہیں تھا۔ بادشاہ اور اشرافیہ کے دوسرے ارکان کی مملوکہ زمینوں میں ہرنوں کا غیر قانونی شکار بڑے عرصے سے جاری تھا۔ 1640 کی دہائی میں، خانہ جنگی کے دوران، قلعہ ونڈسر میں ہرنوں کی کل آبادی کو قتل کر دیا گیا۔ 1660 میں شاہ چارلس دوم کی تخت پر بحالی کے بعد، جب چارلس دوم تخت پر بیٹھا، اس ہرنوں کے پارک میں دوبارہ جانور ڈالے گئے سیاہ فام ہرنوں کو غیر قانونی طور پر چرا رہے تھے، لیکن کھانے کے لئے نہیں؛ وہ بھی کھلنڈرے پن کی تباہی میں مصروف تھے۔ کس مقصد کے لئے؟

1688 کے شاندار انقلاب کی تعمیر کا ایک اہم پتھر، ان مفادات کی تکثیری نوعیت تھی، جن کی نمائندگی پارلیمان میں تھی۔ ولیم آف اورینج، اور بعد میں ہنور کے ان بادشاہوں کے ساتھ وابستہ جو 1714 میں ملکہ این کے جانشین بنے، تاجروں، صنعتکاروں، اور اشرافیہ میں سے کوئی بھی اس قدر طاقتور نہیں تھا کہ وہ اپنی مرضی یک طرفہ طور پر نافذ کرسکتا۔

سٹورٹ بادشاہی کو بحال کرنے کی کوشش اٹھارویں صدی کے بہت عرصے میں جاری رہیں۔ 1701 میں جیمز دوم کی وفات کے بعد، اس کے بیٹے جیمز فرانسس ایڈورڈ سٹورٹ (James Francis Edward Stuart)، ''پرانا بہانہ ساز'' کو فرانس، سپین، پوپ اور انگلستان اور سکاٹ لینڈ میں سٹورٹ بادشاہت کے حامیوں، جو ''جیکو بائیس'' کہلاتے تھے، کی طرف سے انگریزی تاج کے قانونی وارث کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ 1708 میں ''پرانے بہانہ ساز'' نے فرانسیسی دستوں کی مدد سے تخت واپس لینے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ آنے والی دہائیوں میں بہت سی (جیکو بائٹ) چارلس دوم کے حامیوں کی طرف سے بغاوتیں ہوئیں، جن میں 1715 اور 1719 کی بڑی بغاوتیں بھی شامل تھیں۔ 46-1745 میں پرانے بہانہ ساز کے بیٹے چارلس ایڈورڈ سٹورٹ (Charles Edward Stuart) ''نوجوان بہانہ ساز'' نے تخت کو واپس لینے کی کوشش کی، لیکن اس کی فوجوں کو برطانوی فوج کی طرف سے شکست ہوئی۔

وِگ سیاسی جماعت، جس کی بنیاد، جیسا کہ ہم نے دیکھا 1670 میں، نئے تجارتی اور معاشی مفادات کی نمائندگی کرنے کے لئے رکھی گئی، شاندار انقلاب کے پیچھے بنیادی تنظیم تھی، اور وِگز نے 1714 سے 1760 تک پارلیمنٹ پر اپنا غلبہ برقرار رکھا۔ ایک دفعہ اقتدار میں آنے کے بعد انہیں اپنی نو دریافت شدہ حیثیت کو دوسروں کے حقوق کا شکار کرنے کی ترغیب ہوئی۔ یعنی اپنا کیک

کھانے کی بھی اور بچا کر رکھنے کی بھی۔ وہ سٹورٹ بادشاہوں سے بالکل مختلف نہیں تھے۔ لیکن ان کی طاقت مطلق ہونے سے کوسوں دور تھی۔ اسے روکا گیا، پارلیمنٹ میں مقابلہ کار گروپوں کی طرف سے بھی، خاص طور پر ٹوری پارٹی سے جو وِگز کی مخالفت کرنے کے لئے تشکیل دی گئی تھی۔ اور انہی اداروں سے بھی، جن کے لئے انہوں نے پارلیمنٹ کو مضبوط بنانے، اور نئی مطلق العنانیت اور سٹورٹوں کی واپسی کو روکنے کے لئے جدوجہد کی تھی۔ معاشرے کی تکثیری نوعیت جو شاندار انقلاب سے ظہور پذیر ہوئی تھی، کا یہ بھی مطلب تھا کہ بڑے پیمانے پر عوام، وہ بھی جن کی پارلیمان میں کوئی رسمی نمائندگی نہ تھی۔ اب طاقتور ہو چکے تھے، اور ''سیاہ کرتا'' عام آدمی کا ٹھیک ردعمل تھا کہ وِگز ان کی حیثیت کا استحصال کر رہے تھے۔

ولیم کیڈوگن، جو کہ 1701 اور 1714 کے درمیان ہسپانوی تخت نشینی کی جنگی اور چارلس دوم کے حامیوں کی بغاوت کو کچلنے، میں ایک کامیاب جرنیل تھا، کا معاملہ وِگز کی طرف سے عام لوگوں کے حقوق کے غصب کرنے کے طریقے کی وضاحت کرتا ہے، جو سیاہی ملنے پر منتج ہوا۔ جارج اول نے کیڈوگن کو 1716 میں ایک بیرن اور پھر 1718 میں ارل بنایا۔ وہ ایجنسی کونسل آف لارڈز جسٹسز کا ایک بااثر رکن تھا، جو ریاست کے بڑے بڑے معاملات کی صدارت کرتی تھی، اور وہ قائم مقام کمانڈر انچیف کی خدمات انجام دیتا تھا۔ اس نے ونڈسر سے تقریباً بیس میل مغرب میں، کیورشام میں تقریباً ایک ہزار ایکڑ کی ایک بڑی جائیداد خریدی۔ وہاں اس نے ایک عظیم الشان گھر بنایا اور سجے ہوئے باغات بنائے اور 240 ایکڑ کا ہرنوں کا پارک بنایا۔ لیکن یہ جائیداد اس جائیداد کے ارد گرد کے لوگوں کے حقوق کے غصب کر کے بنائی گئی۔ لوگوں کو بیدخل کر دیا گیا، اور جانوروں کو چرانے اور وہاں سے کوئلہ اور جلانے والی لکڑی اکٹھی کرنے کے ان کے حقوق ختم کر دیئے گئے۔ کیڈوگن کو سیاہ فاموں کے غصے کا سامنا کرنا پڑا۔ یکم جنوری 1722 کو اور دوبارہ جولائی میں اس پارک پر مسلح گھوڑا سوار سیاہ فاموں کی طرف سے حملہ کر دیا گیا، پہلے حملے میں سولہ ہرن ہلاک ہو گئے۔ ارل کیڈوگن اکیلا نہیں تھا۔ بہت سے سرکردہ زمینداروں اور سیاستدانوں کی جائیدادوں پر سیاہ فاموں کی طرف سے حملہ کیا گیا۔

وِگ حکومت اس معاملے کو کمزوری سے لینے والی نہ تھی۔ مئی 1723 میں پارلیمان نے سیاہ فاموں کا قانون (Black Act) منظور کیا، جس میں غیر معمولی پچاس جرائم ایسے پیدا کئے گئے جن کی

MashalBooks.org

سزا پھانسی تھی۔ بلیک ایکٹ نے نہ صرف ہتھیار اٹھانے کو بلکہ چہرے کو سیاہ کرنے کو بھی ایک جرم بنا دیا درحقیقت اس قانون میں جلد ہی ترمیم کر دی گئی اور چہرا سیاہ کرنے کی سزا بھی پھانسی دینا بنا دی گئی۔ وہگ اشراف اس قانون کو جوش و جذبے سے نافذ کرنے میں سرگرم ہو گئے۔ بپٹسٹ نن نے مخبروں کا ایک مربوط جال بنا دیا۔ جسے ونڈسر جنگل میں ان سیاہ فاموں کی شناخت کا پتہ لگانا تھا۔ جلد ہی کئی لوگ گرفتار ہو گئے۔ گرفتاری سے پھانسی پر لٹکانا ایک سیدھا سادا معاملہ ہونا چاہئے تھا۔ بہر حال، بلیک ایکٹ قانون بنایا جا چکا تھا۔ وہگ پارلیمان کے منتظم تھے۔ پارلیمان ملک کی منتظم تھی۔ اور سیاہ فام براہ راست کچھ طاقتور وہگز کے مفادات کے برعکس کام کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ سر رابرٹ والپول (Sir Robert Walpole)، سیکریٹری آف سٹیٹ، پھر وزیر اعظم۔ اور کیڈوگن کی طرح ایجنسی کونسل آف دالارڈز جسٹسز کے ایک اور بااثر رکن۔ بھی ملوث تھا۔ اس کا، لندن کے جنوب مغرب میں رچمنڈ پارک میں مخصوص مفاد تھا، جو چارلس اول کی طرف سے عام زمین میں سے بنایا گیا تھا۔ اس پارک نے بھی مقامی لوگوں کے، اپنے جانور چرانے، ہرنوں اور خرگوش کا شکار کرنے، اور جلانے والی لکڑی جمع کرنے کے روایتی حقوق پر ڈاکہ ڈالا۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ حقوق کے خاتمے کو قدرے ڈھیلے ڈھالے انداز سے نافذ کیا گیا تھا۔ اور جانور چرانے اور شکار کرنے کا کام جاری رہا، یہاں تک کہ والپول نے اپنے بیٹے کے پارک کا رکھوالا بننے کا اہتمام کیا۔ اس مرتبہ، پارک کو بند کر دیا گیا، ایک نئی دیوار تعمیر کی گئی، اور آدمیوں کے پھندے لگائے گئے۔ وال پول ہرنوں کا شکار کرنا پسند کرتا تھا، اور اس نے ہوفٹن پر پارک کے اندر اپنے رہائش رکھی۔ جلد ہی مقامی سیاہ فاموں کی دشمنی بھڑک اٹھی۔

10 نومبر 1724 کو، پارک سے باہر ایک مقامی مکین، جان ہنٹرج (John Huntridge) پر ہرن چوروں کی مدد کرنے اور جانے پہچانے سیاہ فاموں کی ساتھ تعاون کرنے کا الزام لگایا گیا، جن دونوں جرائم کی سزا پھانسی تھی۔ ہنٹرج کی استغاثے کی کاروائی اوپر سے ہوئی، جس کا آغاز ایجنسی کونسل آف لارڈز جسٹسز کی طرف ہوئی۔ جس پر کیڈگن اور وال پول کا غلبہ تھا۔ والپول اس حد تک چلا گیا کہ اس نے ہنٹرج کے جرم کے بارے میں شہادت خود ایک مخبر رچرڈ بلیک برن (Richard Blackburn) سے اکٹھی کی۔ اثبات جرم ایک ظاہر نتیجہ ہونا چاہئے تھا، لیکن ایسا نہیں تھا۔ آٹھ یا نو گھنٹے کی مقدمے کی کاروائی کے بعد، جیوری نے ہنٹرج کو بے گناہ

پایا، جزوی طور پر طریق کار کی بنیاد پر، کیونکہ اس طریقے میں جس سے شہادت اکٹھی کی گئی تھی بے ضابطگیاں تھیں۔

تمام سیاہ فام یا وہ لوگ جو ان سے ہمدردی رکھتے تھے اتنے خوش قسمت نہ تھے جتنا کہ ہنٹرج۔ اگرچہ کچھ دوسرے لوگوں کو بھی چھوڑ دیا گیا تھا یا ان کی سزاؤں میں تخفیف کر دی گئی تھی، لیکن بہت سے لوگوں کو پھانسی دے دی گئی تھی، یا منتخب کردہ عقوبتی نو آبادی میں جلاوطن کر دیا گیا جو اس وقت شمالی امریکہ تھا؛ درحقیقت یہ قانون، قانون کی کتابوں میں رہا، یہاں تک کہ اسے 1824 میں واپس لے لیا گیا۔ لیکن ہنٹرج کی کامیابی نمایاں ہے۔ جنوری ہنٹرج کے ہمسر لوگوں پر مشتمل نہیں تھی، بلکہ بڑے زمینداروں اور شرفا پر مشتمل تھی، جنہیں وال پول کے ساتھ ہمدردی ہونی چاہئے تھی۔ لیکن اب سترھویں صدی نہیں تھی۔ جہاں کورٹ آف سٹار چیمبر محض سٹورٹ بادشاہوں کی خواہشات کی پیروی کرتی، اور ان کے مخالفین کے خلاف جبر کے ایک کھلے ہتھیار کے طور پر کام کرتی۔ اور جہاں بادشاہ ان ججوں کے ہٹا سکتے جن کے فیصلوں کو وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ اب وہگز کو بھی قانون کی حکمرانی کو تسلیم کرنا تھا، اس اصول کو کہ قوانین کا اطلاق چنیدہ طریقے سے اور من مرضی سے نہیں ہونا چاہئے اور یہ کہ کوئی شخص بھی قانون سے بالا نہیں ہے۔

بلیک ایکٹ کے ساتھ منسلک واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ شاندار انقلاب نے قانون کی حکمرانی کو پیدا کیا تھا، اور یہ کہ یہ تصور انگلستان اور برطانیہ میں زیادہ مضبوط تھا، اور یہ کہ اشراف اس کے ذریعے اس سے کہیں زیادہ محدود ہو گئے تھے، جتنا وہ خود تصور کرتے تھے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ قانون کی حکمرانی وہی چیز نہیں ہے جو کہ قانون کے ذریعے حکمرانی ہے۔ اگرچہ وہگز ایک سخت جبری قانون، عوام کے راستے سے مشکلات ہٹانے کے لئے منظور کر سکتے تھے، لیکن قانون کی حکمرانی کی وجہ سے انہیں اضافی پابندیوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ان کے قانون نے ان حقوق کو پامال کیا۔ جو شاندار انقلاب اور اس سے پیدا ہونے والی سیاسی اداروں کے اندر تبدیلیوں نے، بادشاہوں کے ''الوہی'' حقوق اور اشراف کی مراعات کو تہس نہس کرتے ہوئے، ہر شخص کے لئے متعین کئے تھے۔ اس وقت قانون کی حکمرانی کا مفہوم یہ تھا کہ اشراف اور غیر اشراف دونوں نے اس کے نفاذ کے خلاف مزاحمت کی۔

قانون کی حکمرانی اس وقت ایک عجیب تصور ہوتا ہے، جب آپ اس کے بارے میں

MashalBooks.org

تاریخی تناظر میں سوچیں۔قوانین کا اطلاق سب پر یکساں کیوں ہو؟ اگر بادشاہ اور اشرافیہ کے پاس سیاسی طاقت ہے اور باقی لوگوں کے پاس نہیں ہے، تو یہ بات فطری ہے کہ جو کچھ ایک بادشاہ اور اشرافیہ کے لئے ایک جائز کھیل ہے، وہ دوسرے لوگوں کے لئے قابل سزا اور ممنوع ہونا چاہئے۔ بلاشبہ قانون کی حکمرانی، مطلق العنان اداروں کے ماتحت قابل تصور نہیں ہے۔ یہ ان تکثیری سیاسی اداروں اور وسیع اتحادوں کی تخلیق ہے جو تکثیریت کی تائید کرتے ہیں۔ یہ صرف اس وقت ہوتا ہے، جب بہت سے افراد اور گروہوں کو فیصلوں میں اہمیت حاصل ہو، اور میز پر نشست حاصل کرنے کے لئے سیاسی طاقت ہو، تو پھر یہ تصور کہ سب کے ساتھ جائز سلوک ہو کچھ مفہوم رکھنا شروع کرتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں، برطانیہ کافی طور پر تکثیریت پسند ہو رہا تھا، اور وہگز کے اشراف کو یہ احساس ہوا کہ، جیسا کہ قانون کی حکمرانی کے تصور میں یہ چیز موجود ہے، قوانین اور ادارے ان پر بھی حدود عائد کریں گے۔

لیکن وہگز اور ارکان پارلیمان نے ان حدود کی پابندی کیوں کی؟ انہوں نے پارلیمان اور ریاست اپنے کنٹرول کو بلیک ایکٹ کے بے لچک اطلاق پر مجبور کرنے کے لئے اور عدالتوں کو الٹانے کے لئے کیوں استعمال نہ کیا جب فیصلے ان کی مرضی کے مطابق نہیں آرہے تھے اس کا جواب، شاندار انقلاب کی نوعیت کے بارے میں بہت سے انکشاف کرتا ہے۔ اس نے پرانی مطلق العنانی کی جگہ محض ایک نئی مطلق العنانی کو کیوں نہ لا کھڑا کیا؟۔ یعنی تکثیریٹ اور قانون کی حکمرانی کے درمیان تعلق اور دائرالخیر کی حرکیات کے بارے میں۔ جیسا کہ ہم نے باب ہفتم میں دیکھا، شاندار انقلاب ایک اشرافیہ کے ہاتھوں سے دوسری اشرافیہ کی شکست نہیں تھا، بلکہ ایک وسیع اتحاد جو شرفا، تاجروں، صنعتکاروں اور ساتھ ہی ساتھ وہگز اور ٹوریز کی دھڑے بندیوں پر مشتمل تھا۔ کی طرف سے، مطلق العنانی کے خلاف ایک انقلاب تھا۔ تکثیری سیاسی اداروں کا ظہور اس انقلاب کا ایک نتیجہ تھا۔ قانون کی حکمرانی اس عمل کے ایک ضمنی نتیجے کے طور پر پیدا ہوئی۔ جب اقتدار میں شریک بہت سے فریق میز پر موجود تھے۔ تو یہ فطری بات تھی کہ قوانین اور پابندیوں کا اطلاق ان سب پر ہو، ایسا نہ ہو کہ ایک فریق بہت زیادہ طاقت جمع کر لے، اور بالآخر تکثیریت کی بنیادوں کو ہی منہدم کر دے۔ لہذا یہ تصور کہ حکمرانوں پر حدود اور پابندیاں ہیں، جو کہ قانون کی حکمرانی کا لب لباب ہے، اس تکثیریت کی منطق کا ایک حصہ تھا، جو ایک وسیع اتحاد سے پیدا کیا گیا،

MashalBooks.org

جو سٹورٹ مطلق العنانی کی مخالفت پر مشتمل تھا۔ اس روشنی میں، اس میں کوئی حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ قانون کی حکمرانی کا اصول جمع یہ تصور کہ بادشاہوں کو الوہی حقوق حاصل نہیں ہیں، درحقیقت سٹورٹ مطلق العنانی کے خلاف بنیادی دلیل تھی، جیسا کہ برطانوی مورخ ای پی تھامپسن (E. P. Thompson) نے بیان کیا، سٹورٹ بادشاہوں کے خلاف جدوجہد میں:

> بہت زیادہ کوششیں کی گئیں۔۔ ایک ایسے حکمران طبقے کو بڑھاوا دینے کے لئے جو خود قانون کی حکمرانی کے تابع تھا، اور جن کی جائزیت کا دارومدار انصاف، اور ان قانونی شکلوں کی ہمہ گیریت پر تھا۔ اور حکمران، سنجیدہ مفاہیم میں، خواہی نخواہی، اپنے ہی بیانیہ کے اسیر تھے؛ وہ اقتدار کے کھیل ان ضابطوں کے مطابق کھیلتے تھے جو ان کی موافقت میں ہوتے تھے، لیکن وہ ان ضابطوں کو نہیں توڑ سکتے تھے، ورنہ پورا کھیل ختم ہو جاتا۔

کھیل کو ختم کرنا، نظام کو غیر مستحکم کر دیتا اور وسیع اتحاد کے ایک ذیلی سیٹ کی طرف سے مطلق العنانی کا راستہ کھول دیتا، یا بلکہ سٹورٹوں کی واپسی کا خطرہ پیدا کرتا دیتا۔ تھامپسن کے انحطاط میں، جس چیز نے پارلیمان کو ایک نئی مطلق العنانی پیدا کرنے سے روکا، وہ یہ تھی کہ

> قانون کو منہا کر دو، اور شاہی مراعات۔۔
> ان کی جائیدادوں اور زندگیوں پر واپسی یلغار کر دیں گی۔

مزید برآں،

> یہ چیز اس ذریعے کی فطرت میں ہی موجود تھی، جو انہوں نے [ان اشراف، تاجروں وغیرہ نے جو بادشاہ سے لڑ رہے تھے] اپنے دفاع کے لئے منتخب کیا تھا، کہ اسے صرف ان کے طبقے کے کلی استعمال کے لئے مختص نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ قانون، اپنی شکلوں اور روایات میں، انصاف اور ہمہ گیریت کے اصولوں پر منتج ہوتا تھا،۔۔ جنہیں ہر قسم اور ہر درجے کے لوگوں تک پھیلانا ہوتا تھا۔

جب ایک مرتبہ اپنی جگہ جم گیا، تو قانون کی حکمرانی کے تصور نے نہ صرف مطلق العنانی کو فاصلے پر رکھا، بلکہ ایک طرح کا دائرہ الخیر پیدا کر دیا؛ اگر قوانین ہر شخص پر مساوی طور پر لاگو ہوں۔ تو پھر کوئی شخص یا گروہ، نہ ہی کیدوگن یا وال پول، قانون سے بلند نہیں ہو سکتے، اور ان عام لوگوں کو جن پر نجی ملکیت پر قبضہ کرنے کا الزام تھا، ابھی تک منصفانہ قانونی کاروائی کا حق حاصل تھا۔

ہم نے دیکھا کہ اشتمالی سیاسی اور معاشی ادارے کس طرح ظہور میں آتے ہیں۔ لیکن وہ

لمبے عرصے تک کیسے قائم رہتے ہیں؟ بلیک ایکٹ اور اس کے نفاذ کی حدود کی تاریخ، ایک دائرۃ الخیر کی وضاحت کرتی ہے، جو کہ مثبت ردعمل کا ایک طاقتور عمل ہے، جو ان اداروں کو، ان کو تباہ کرنے کی کوششوں کے باوجود تحفظ دیتا ہے، اور درحقیقت ایسی قوتوں کو متحرک کرتا ہے جو زیادہ اشتمالیت پر منتج ہوتی ہیں۔ دائرۃ الخیر کی منطق جزوی طور پر اس حقیقت سے جنم لیتی ہے، کہ اشتمالی ادارے، طاقت کے استعمال پر پابندیوں اور معاشرے میں سیاسی طاقت کی تکثیری تقسیم پر مبنی ہوتے ہیں، جو قانون کی حکمرانی میں محفوظ ہے۔ کسی ذیلی سیٹ کی، اپنی مرضی کو دوسروں پر بغیر کسی رکاوٹ کے مسلط کرنے کی صلاحیت، خواہ وہ دوسرے ہنٹرج کی طرح عام شہری ہی کیوں نہ ہوں، اس توازن کے لئے خطرہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر یہ توازن کسانوں کے معاملے میں جو ان کی مشترکہ زمینوں پر قبضہ کر رہے تھے، عارضی طور پر معطل کر دیا جاتا، تو اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ یہ دوبارہ معطل نہیں کیا جائے گا؟ اور اگر یہ دوسری بار معطل ہو جاتا، تو بادشاہ اور اشرافیہ کو، وہ چیز واپس لے لینے سے کیا چیز روکتی، جو تاجروں، کاروباری لوگوں، اور شرفا نے درمیان کی نصف صدی میں حاصل کیا تھا؟ درحقیقت، جب یہ دوسری مرتبہ معطل کیا جاتا تو غالباً تکثیریت کا پورا منصوبہ ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑتا، کیونکہ مفادات کا ایک محدود سیٹ، وسیع اتحاد کی قیمت پر کنٹرول حاصل کر لیتا۔ سیاسی نظام اس کا خطرہ مول نہ لیتا۔ لیکن اس نے تکثیریت کو اور اس قانون کی حکمرانی کو جو اس کا نتیجہ تھا، برطانوی سیاسی اداروں کی مستقل خصوصیت بنا دیا۔ اور ہم یہ دیکھیں گے کہ جب ایک مرتبہ تکثیریت اور قانون کی حکمرانی قائم ہو جائے، تو اور زیادہ تکثیریت اور سیاسی عمل میں اور زیادہ شرکت کی طلب ہوتی۔

دائرۃ الخیر نہ صرف تکثیریت اور قانون کی حکمرانی کی فطری منطق سے ابھرتا ہے، بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اشتمالی سیاسی ادارے، اشتمالی معاشی اداروں کی مدد کرنے کا رجحان رکھتے ہیں۔ یہ چیز پھر آمدنی کی زیادہ مساوی تقسیم پر منتج ہوتی ہے، جو معاشرے کے وسیع حصے کو طاقتور بناتی ہے اور سیاسی کھیل کے میدان کو اور بھی زیادہ ہموار کرتی ہے۔ یہ اس چیز کو محدود کرتی ہے جو ایک شخص سیاسی طاقت کو غصب کر کے حاصل کر سکتا ہے، اور استحصالی سیاسی اداروں کو دوبارہ تخلیق کرنے کے محرکات کو کم کرتی ہے۔ یہ عوامل برطانیہ میں حقیقی جمہوری اداروں کے ظہور میں اہم تھے۔

تکثیریت ایک زیادہ کھلا نظام تخلیق کرتی ہے اور آزاد ذرائع ابلاغ کو نشوونما پانے کی اجازت دیتی ہے، اور اس طرح ان گروپوں کے لئے جو اشتمالی اداروں کے تسلسل میں دلچسپی

رکھتے ہیں، باخبر ہونے اور ان اداروں کو درپیش خطرات کے خلاف منظم ہونے کو آسان بناتی ہے۔ یہ بات انتہائی اہم ہے کہ ریاست انگلیشیہ نے 1688 کے بعد ذرائع ابلاغ کی نگرانی کرنا بند کر دیا۔ آبادی کو وسیع پیمانے پر طاقتور بنانے اور ادارہ جاتی ترقی میں دائرۃ الخیر کے تسلسل میں ایک اہم کردار ادا کیا جیسا کہ ہم اس باب میں دیکھیں گے۔

اگرچہ دائرۃ الخیر، اشتمالی اداروں کے قائم رہنے کا رجحان پیدا کرتا ہے، لیکن یہ نہ تو ناگزیر ہے نا ہی ناقابل تنسیخ برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ دونوں میں، اشتمالی معاشی اور سیاسی ادارے بہت سے چیلنجوں کی زد میں رہے ہیں، 1745 میں نوجوان بہانہ ساز ایک فوج لے کر سفر کرتا ہوا ڈربی پہنچا، جو لندن سے صرف ایک سو میل دور ہے، تاکہ ان سیاسی اداروں کو گرا سکے، جو شاندار انقلاب کے دوران تشکیل ہوئے تھے۔ لیکن اسے شکست ہوئی۔ باہر کے چیلنجوں سے زیادہ اہم اندر سے خفیہ چیلنج تھے، جو اشتمالی اداروں کی ناکامی پر بھی منتج ہو سکتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے، مانچسٹر میں 1819 میں پیٹرلو قتل عام کے تناظر میں دیکھا، اور جیسا کہ ہم مزید تفصیل سے آگے دیکھیں گے، برطانوی سیاسی اشراف نے، سیاسی نظام کو مزید کھولنے سے احتراز کرنے کے لئے جبر کو استعمال کرنے کے بارے میں سوچا، لیکن وہ کنارے پر پہنچ کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس طرح، ریاست ہائے متحدہ میں اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں کو بھی شدید چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا، جو ممکنہ طور پر کامیاب ہو سکتے تھے، لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ اور یقیناً یہ بات مقدر نہیں تھی کہ چیلنجوں کا کامیاب نہیں ہونا چاہئے۔ یہ نہ صرف دائرۃ الخیر کی وجہ سے تھا، بلکہ تاریخ کے حادثاتی راستے کے ادراک کی وجہ سے بھی تھا کہ برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ کے اشتمالی ادارے باقی رہے۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ پختہ اور مضبوط ہوتے گئے۔

جمہوریت کی آہستہ چال

بلیک ایکٹ کے ردعمل نے عام انگریز لوگوں کو یہ دکھایا کہ ان کے حقوق اس سے زیادہ تھے جو اس سے پہلے انہوں نے سمجھے تھے۔ وہ اپنے روایتی حقوق اور معاشی مفادات کا تحفظ عدالتوں میں اور پارلیمان میں درخواستوں اور ارکان کو متاثر کرنے کے استعمال کے ذریعے سے کر سکتے ہین۔ لیکن اس تکثیریت نے ابھی تک موثر جمہوریت کو جنم نہیں دیا تھا۔ زیادہ تر بالغ مرد ووٹ نہیں

MashalBooks.org

دے سکتے تھے؛ نا ہی عورتیں دے سکتی تھیں؛ اور موجودہ جمہوری ڈھانچوں میں بہت سے ناہمواریاں تھیں۔ اس سب کچھ کو تبدیل ہونا تھا۔ اشتمالی اداروں کا دائرۃ الخیر نہ صرف اس کو محفوظ کرتا ہے جو پہلے ہی حاصل کیا جا چکا ہو، بلکہ زیادہ اشتمالیت کی طرف دروازہ کھولتا ہے۔ امکانات اٹھارویں صدی کے ان برطانوی اشراف کے خلاف تھے، جو سیاسی طاقت پر بغیر سنجیدہ چیلنجوں کے اپنی گرفت قائم رکھے ہوئے تھے۔ یہ اشرافیہ، بادشاہوں کے الوہی حقوق کو چیلنج کر کے اور لوگوں کے سیاست میں شراکت کا دروازہ کھول کر اقتدار میں آئی تھی۔ لیکن بعد میں انہوں نے یہ حقوق صرف ایک چھوٹی سی اقلیت کو دیئے۔ یہ صرف وقت کا معاملہ تھا یہاں تک کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں نے، سیاسی عمل میں شرکت کے حق کا مطالبہ کیا، اور 1831 تک کے سالوں میں انہوں نے ایسا کر دیا۔

انیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں نے برطانیہ میں بڑھتی ہوئی سماجی بے چینی کا مشاہدہ کیا، زیادہ تر بڑھتی ہوئی معاشی ناانصافیوں کے ردعمل میں، اور حق رائے دہی سے محروم عوام کے زیادہ سیاسی نمائندگی کے مطالبے کے نتیجے میں، 1811-16 کے لڈائیٹس کے فسادات کے بعد، جہاں کارکنوں نے نئی ٹیکنالوجیوں کے خلاف احتجاج کیا جو وہ سمجھتے تھے کہ ان کی اجرتوں کو کم کر دیں گی، وہ فسادات ہوئے جن میں سختی سے سیاسی حقوق کا مطالبہ کیا گیا، لندن میں 1816 میں سپافیلڈز رائیٹس، اور 1919 میں مانچسٹر پیٹرلو قتل عام۔ 1830 کے سونگ فسادات میں زرعی کارکنوں نے گرتے ہوئے معیار زندگی اور ساتھ ہی ساتھ نئی ٹیکنولوجی کے متعارف ہونے کے خلاف احتجاج کیا۔ اسی دوران میں پیرس میں جولائی 1830 کا انقلاب پڑا۔ اشراف کے درمیان ایک اتفاق رائے تشکیل پانا شروع ہو چکا تھا، کہ یہ چینی نقطہ ابال تک پہنچ رہی تھی۔ اور اس سماجی بے چینی کو بے اثر کرنا اور پارلیمانی اصلاحات کا بیڑا اٹھانا تھا۔

اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ 1831 کے انتخابات زیادہ تر ایک واحد مسئلے پر تھے: سیاسی اصلاحات وہگز سر رابرٹ وال پول کے تقریباً ایک سو سال بعد عام آدمی کی خواہشات کے بارے میں زیادہ آمادہ تسلیم تھے، اور انہوں نے رائے دہی کے حقوق کو وسیع کرنے کی مہم چلائی۔ لیکن اس کے نتیجے میں حلقہ انتخاب میں معمولی سا اضافہ ہوا۔ عمومی حق رائے دہی، صرف مردوں کے لئے ہی سہی، میز پر ہی نہیں تھا۔

وہگز الیکشن جیت گئے اور ان کا قائد، ارل گرے (Earl Grey) وزیراعظم بن گیا، ارل گرے کوئی انقلابی نہیں تھا۔ اس سے کوسوں دور تھا۔ اس نے اور وہگز نے اصلاح کے لئے اس وجہ سے زور نہیں لگایا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وسیع تر حق رائے کا استعمال زیادہ منصفانہ تھا، یا یہ کہ وہ طاقت کو تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ برطانوی جمہوریت اشرافیہ کی طرف سے عطا نہیں کی گئی۔ یہ زیادہ تر عوام کی طرف سے چھینی گئی جنہیں ان سیاسی مظاہر سے، جو پچھلی کئی صدیوں سے انگلستان اور باقی ماندہ برطانیہ میں جاری تھے۔ قوت حاصل ہوئی تھی، وہ سیاسی اداروں کی نوعیت میں ان تبدیلیوں سے جرأت مند ہو گئے تھے۔ جو شاندار انقلاب نے پیدا کی تھیں۔ اصلاحات کو اس لئے تسلیم کیا گیا کیونکہ اشراف یہ سمجھتے تھے کہ اصلاح ہی، ان کے اقتدار کو جاری رکھنے کا واحد ذریعہ تھا، اگرچہ قدرے تخفیف شدہ شکل میں ہی سہی۔ ارل گرے نے، سیاسی اصلاح کے حق میں پارلیمان میں کی گئی اپنی مشہور تقریر میں واضح طور پر کہا:

کوئی بھی شخص، سالانہ پارلیمانی اجلاسوں، عمومی حق رائے دہی اور ووٹ کے خلاف مجھ سے زیادہ فیصلہ کن رائے کا حامل نہیں ہے۔ میرا مقصد ایسی امیدوں اور منصوبوں کی حمایت کرنا نہیں، بلکہ ان کو ختم کرنا ہے۔۔۔ میری اصلاح کا اصول یہ ہے کہ انقلاب کی ضرورت کو روکا جائے۔۔ محفوظ کرنے کے لئے اصلاح نہ کہ تختہ الٹنے کیلئے۔

عوام ووٹ محض برائے ووٹ نہیں بلکہ میز پر نشست حاصل کرنے کے لئے تاکہ وہ اپنے مفادات کا دفاع کر سکیں چاہتے تھے۔ یہ چیز "چارٹسٹ تحریک" والے اچھی طرح سمجھ چکے تھے، جنہوں نے 1836 کے بعد عمومی حق رائے دہی کے لئے ایک مہم کی قیادت کی، جنہوں نے یہ نام، میگنا کارٹا کی یاد دلانے کیلئے اس کے متوازی رکھا۔ چارٹسٹ جے۔ آر۔ سٹیفنز (J. R. Stephens) نے واضح کیا کہ عمومی حق رائے دہی، اور تمام شہریوں کے لئے ووت، کیوں عوام کے لئے بنیادی چیز ہے:

عمومی حق رائے دہی کا سوال۔۔ چھری اور کانٹے کا سوال ہے، روٹی اور پنیر کا سوال ہے۔۔۔ عمومی حق رائے دہی کے بارے میں میری یہ رائے ہے کہ ملک میں ہر کام کرنے والے شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی پیٹھ پر اچھا کوٹ ہو، اس کے سر پر ایک اچھا ہیٹ ہو، اس کے افراد خانہ کیلئے ایک اچھی چھت ہو، اور اس کی میز پر ایک اچھا کھانا ہو۔

MashalBooks.org

سٹیفنز نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ عمومی حق رائے دہی، برطانوی عوام کو مزید طاقتور بنانے کا مستحکم ترین طریقہ ہے، اور یہ کوٹ، ہیٹ، چھت، اور اچھے کھانے کی، کام کرنے والی آدمی کے لئے ضمانت دیتا ہے۔

آخر کار، ارل گے فرسٹ ریفارم ایکٹ، کی منظوری کی ضمانت دینے اور بغیر عمومی عوامی حق رائے دہی کی طرف کوئی بڑا قدم اٹھائے، انقلاب کی لہروں کو ٹھنڈا کرنے دونوں میں کامیاب رہا۔ 1832 کی اصلاحات ہلکی پھلکی تھیں، جنہوں نے ووٹ دینے کے حق کو صرف دگنا کر دیا، یعنی بالغ مردوں کی آبادی کے لئے 8 فیصد سے 16 فیصد (ساری آبادی کے لئے 2 سے لے کر 4 فیصد تک) کر دیا۔ انہوں نے براز (وہ شہر جسے دارالعوام میں نمائندگی حاصل ہو) کے قدیم گلے سڑے نظام سے نجات پالی، اور نئے صنعتی بننے والے شہروں کو آزادانہ نمائندگی دی، جیسا کہ مانچسٹر، لیڈز، اور شیفیلڈ۔ لیکن اس نے ابھی بہت سے مسائل کو غیر حل شدہ چھوڑ دیا۔ لہذا جلد ہی ووٹ دینے کے زیادہ حقوق کے مطالبے ہوئے اور مزید سماجی بے چینی پیدا ہوئی۔ اس کے ردعمل میں مزید اصلاحات ہونا تھیں۔

برطانوی اشراف نے کیوں مطالبات کے آگے ہار مان لی؟ ارل گرے نے کیوں یہ محسوس کیا کہ جزوی بلاشبہ بہت جزوی۔ اصلاح ہی نظام کو بچانے کا واحد راستہ تھا؟ انہیں کیوں دونوں برائیوں میں سے کم تر برائی کے ساتھ گزارہ کرنا پڑا۔ اصلاح یا انقلاب۔ بجائے بغیر کسی اصلاح کے اپنی طاقت کر برقرار رکھنے کے؟ کیا وہ وہی کچھ نہیں کر سکتے تھے، جو ہسپانوی فاتحین نے جنوبی امریکہ میں کیا، جو کچھ آسٹریا۔ ہنگری اور روس کے بادشاہوں نے کرنا تھا۔ چند دہائیوں میں کرنا تھا، جب اصلاح کا مطالبہ ان کے ممالک میں پہنچا، اور جو کچھ خود برطانویوں نے کریبین اور ہندوستان میں کہا: یعنی مطالبات کو رد کرنے کے لئے طاقت کا استعمال؟ اس سوال کا جواب دائرۃ الخیر سے ملتا ہے۔ ان معاشی اور سیاسی تبدیلیوں نے جو برطانیہ میں پہلے ہی واقع ہو چکی تھیں، ان مطالبات کے دبانے کیلئے طاقت استعمال کرنے کو اشراف کیلئے بے کشش اور زیادہ سے زیادہ غیر ممکن العمل بنا دیا تھا۔ اے۔ ای تھامپسن نے لکھا:

جب 1790-1832 کی جنگوں نے یہ اشارہ دے دیا کہ یہ توازن تبدیل ہو چکا ہے، تو انگلستان کے حکمرانوں کو چونکا دینے والے متبادلات کو سامنا کرنا پڑا۔ وہ یا تو قانون کی حکمرانی کو

ترک کر سکتے تھے، اپنے محنت سے بنائے ہوئے آئینی ڈھانچوں کو ڈھا سکتے تھے، اپنے بیانیے کو واپس لے سکتے تھے، اور طاقت کے ذریعے حکومت کر سکتے تھے: یا وہ اپنے ہی قواعد کے سامنے جھک سکتے تھے اور اپنی بالادستی کو چھوڑ سکتے تھے۔۔۔۔ انہوں نے پہلی سمت میں لڑکھڑاتے ہوئے قدم اٹھائے، لیکن اخیر میں، بجائے اپنی ذاتی تصویر کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور آئینی جائزیت کے 150 سالوں کو ترک کیے، انہوں نے قانون کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس کی مختلف انداز سے بیان کیا جائے تو یوں ہے کہ انہیں طاقتوں نے جنہوں نے برطانوی اشراف میں بلیک ایکٹ کے دوران قانون کی حکمرانی کی عمارت نہ گرانے کی خواہش پیدا کی، جبر اور طاقت کے ذریعے حکمرانی کرنے کو دھتکارنے پر اکسایا، جو ایک دفعہ پھر پورے نظام کو خطرے میں ڈال دیتے۔ بلکی ایکٹ کو نافذ کرنے کی کوشش میں قانون کو توڑنا اس نظام کو کمزور کر دیتا، جو تاجروں، کاروباری لوگوں اور شرفا نے شاندار انقلاب میں بنایا تھا، اور 1832 میں ایک جبری آمریت قائم کرنا اس کو بالکل منہدم کر دیتا۔ درحقیقت، پارلیمانی اصلاح کے لئے احتجاج کے منتظمین، قانون کی حکمرانی کی اہمیت اور اس عرصے میں برطانوی سیاسی اداروں کیلئے اس کی علامتیت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ وہ اس نکتے کو سمجھانے کیلئے اس بیانیے کو استعمال کرتے تھے، پارلیمانی اصلاح کا مطالبہ کرنے والی پہلی تنظیموں میں سے ایک ہیمپڈن کلب کہلاتی تھی، یہ نام ایک پارلیمان کے رکن کے نام پر تھا، جس نے پہلے پہل، جہاز کی رقم پر ٹیکس کے مسئلے پر چارلس اول کے سامنے مزاحمت کی تھی، جو کہ سٹورٹ مطلق العنانی کے خلاف پہلی بڑی شورش پر فتح ہونے والا اہم واقعہ تھا، جیسا کہ ہم نے باب ہفتم میں دیکھا۔

اشتمالی معاشی اور سیاسی اداروں کے درمیان حرکیاتی مثبت ردعمل بھی تھا جو اس راہ عمل کو دلکش بنا رہی تھیں، اشتمالی معاشی اداروں نے اشتمالی منڈیوں کی ترقی کی طرف رہنمائی کی اور اس طرح وسائل کی زیادہ مستعد تقسیم، تعلیم اور مہارتوں کے حاصل کرنے کے لئے زیادہ حوصلہ افزائی، اور ٹیکنولوجی میں مزید جدت کاریوں کی ترغیب دی۔ برطانیہ میں یہ ساری قوتیں 1831 میں برسر عمل تھیں، مقبول عام مطالبات کو بزور دبانا اور اشتمالی سیاسی اداروں پر حملے کا بیڑا اٹھانا، ان فوائد کو بھی ختم کر دیتا، اور زیادہ جمہوریت سازی اور زیادہ اشتمالیت کی مخالفت کرنے والے اشراف ہوسکتا تھا، اپنے آپ کو ان لوگوں میں پاتے جو اس تباہی میں اپنا مقدر رہار دیتے۔

MashalBooks.org

اس مثبت ردعمل کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اشتمالی معاشی اور سیاسی اداروں کے تحت، اقتدار کی طاقت کم اہم ہوگئی۔ جیسا کہ ہم نے باب ہشتم میں دیکھا، آسٹریا۔ ہنگری اور روس میں، بادشاہوں اور اشراف کو صنعتکاری اور اصلاح سے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے مقابلے میں برطانیہ میں، انیسویں صدی کے آغاز میں اشتمالی معاشی اداروں کے ارتقا کی وجہ سے، یہ کم ہی کچھ داؤ پر لگا: کوئی غلام کسان نہیں تھے؛ مزدوری کی مارکیٹ میں نسبتاً کم جبر تھا؛ اور بہت کم اجارہ داریاں تھیں جنہیں داخلے کی پابندیوں سے تحفظ دیا جاتا۔ لہذا برطانوی اشراف کے لئے اقتدار کے ساتھ چمٹنا بہت کم نفع بخش تھا۔

دائرۃ الخیر کی منطق کا یہ بھی مطلب تھا کہ ایسے جبری اقدامات زیادہ سے زیادہ ناممکن العمل ہو تے جائیں گے، ایک دفعہ پھر، اشتمالی معاشی اور سیاسی اداروں کے درمیان مثبت ردعمل کی وجہ سے۔ اشتمالی معاشی ادارے، استحصالی اداروں کی نسبت وسائل کی زیادہ منصفانہ تقسیم پر منتج ہوتے ہیں، اس طرح، وہ شہریوں کو بڑے پیمانے پر طاقت بہم پہنچاتے ہیں، اور اس طرح زیادہ ہموار میدان عمل تیار کرتے ہیں۔ اس وقت بھی جب اقتدار کے لئے لڑائی کا موقع آجائے، چھوٹی اشرافیہ کے لئے عوام کو ان مطالبات کو ماننے، یا کم از کم ان میں کچھ کو ماننے کی نسبت بہت مشکل بنا دیتا ہے۔ برطانوی اشتمالی اداروں نے پہلی ہی صنعتی انقلاب کو آزادی دی تھی۔ اور برطانیہ شہروں سے بھرپور تھا۔ شہری لوگوں کو جو ایک جگہ پر مرتکز، جزوی طور پر منظّم اور طاقتور گروہ ہوتے ہیں، کے خلاف جبر کا استعمال کسانوں کی جماعت یا ماتحت غلام کسانوں پر جبر کرنے کی نسبت بہت مشکل ہوتا۔

اس طرح، دائرۃ الخیر نے 1832 میں برطانیہ میں فرسٹ ریفارم ایکٹ کو رد کیا۔ لیکن یہ محض آغاز تھا۔ حقیقی جمہوریت کی طرف سفر کرنے کے لئے ابھی ایک لمبا راستہ طے کرنا تھا، کیونکہ 1832 میں اشرافیہ نے ابھی صرف اس چیز کی پیشکش کی تھی۔ جو وہ سمجھتے تھے کہ انہیں کرنا تھی، اور بس۔ پارلیمانی اصلاح کے مسئلے کو چارٹسٹ تحریک نے اٹھا لیا تھا، جن کے 1838 کے عوامی منشور میں یہ شقیں شامل تھیں۔

ہر اکیس سال کی عمر کے شخص کے لئے ایک ووٹ ہو، جو صحت مند ذہن، رکھتا ہو، اور کسی جرم کی سزا نہ بھگت رہا ہو۔

ووٹ کی پرچی۔ منتخب کنندہ کو اس کے ووٹ کے استعمال میں تحفظ دینے کے لئے

پارلیمان کے ارکان کے لئے جائیداد کی کوئی اہلیت نہ ہو۔ اس طرح حلقہ ہائے انتخاب کو اپنی پسند کے آدمی کا انتخاب کرنے کے قابل ہو جانا چاہئے، خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔

ارکان کو ادائیگی۔ اس طرح ایک دیانتدار تاجر، کارکن یا دوسرے شخص کو ایک حلقے کی خدمت کرنے کے قابل بنایا جائے، جب اسے اپنے کاروبار سے نکال کر ملک کے مفادات کی طرف توجہ دینی ہو۔ برابر حلقہ ہائے انتخاب، انتخاب کنندگان کی ایک جیسی تعداد کے لئے ایک ہی مقدار کی نمائندگی کو محفوظ بنایا جائے، بجائے چھوٹے حلقوں میں نمائندگی کی زیادہ مقدار، زیادہ ووٹوں کے ٹھونسنے کے۔ سالانہ پارلیمان، اس طرح رشوت اور ڈرانے دھمکانے پر انتہائی موثر روک لگائی جائے، کیونکہ اگرچہ ایک حلقے کو سات سال میں ایک دفعہ خریدا جا سکتا ہے (ووٹ کی پرچی کے ساتھ بھی) لیکن کوئی بھی بٹوہ (عمومی حق رائے کے نظام کے تحت) ہر آنے والے بارہ میں ایک حلقے کو نہیں خرید سکتا؛ اور کیونکہ ارکان جب وہ صرف ایک سال کے لئے منتخب ہوں گے تو وہ اپنے حلقے کے لوگوں سے نہ سرکشی کر سکیں گے، نہ ہی دھوکہ جیسا کہ وہ اب کرتے ہیں۔

"ووٹ کی پرچی" سے ان کی مراد خفیہ ووٹ تھا، اور کھلے ووٹ کا خاتمہ، جس نے ووٹ کی خریداری اور ووٹروں پر جبر کو آسان بنا دیا تھا۔

چارٹسٹ تحریک نے عوامی مظاہروں کا ایک سلسلہ ترتیب دیا اور اس پورے عرصے میں پارلیمان مسلسل مزید اصلاحات کے امکان پر غور کرتی رہی۔ اگرچہ چارٹسٹ 1848 کے بعد منتشر ہوگئے، لیکن ان کے بعد ریفارم لیگ آگئی جس کی بنیاد 1865 میں رکھی گئی۔ جولائی 1866 میں، ہائیڈ پارک میں اصلاح کے حامی بڑے فسادات، اصلاح کے حق کو ایک دفعہ پھر سیاسی ایجنڈے میں چوٹی پر لے آئے۔ اس دباؤ نے اپنے منافع سیکنڈ ریفارم ایکٹ 1867 کی شکل میں دیا۔ جس میں کل رائے دہندگان دوگنے ہوگئے، اور تمام شہری حلقہ ہائے انتخاب میں کارکن طبقے کے ووٹر اکثریت میں ہوگئے۔ اس کے کچھ ہی عصہ بعد خفیہ رائے شماری متعارف کروائی گئی، اور غلط انتخابی طریقوں جیسا کہ "ٹریٹنگ" (دعوتیں دینا) (بنیادی طور پر خریدنا جس کے بدلے میں ووٹر کو "دعوت" ملتی تھی، جو عموماً رقم خوراک یا الکوحل کی شکل میں ہوتی تھی) کو ختم کرنے کے لئے پیشرفتیں کی گئیں، رائے دہندگان کی تعداد ایک دفعہ پھر، تھرڈ ریفارم ایکٹ 1884 کے ذریعے دوگنی ہوگئی، جب 60 فیصد بالغ مردوں کو حق رائے دہی حاصل ہو گیا، پہلی جنگ عظیم کے بعد، 1918 کے

MashalBooks.org

ریپریزنٹیشن آف پیپل ایکٹ نے، 21 سال سے زیادہ عمر کے تمام بالغ مردوں کو اور تیس سال کی عمر سے زیادہ تمام عورتوں کو، جو ٹیکس دہندگان تھیں یا ٹیکس دہندگان کے عورتیں تھیں، ووٹ کا حق دے دیا، بالآخر 1928 میں، تمام عورتوں کو انہی شرائط پر ووٹ کا حق مل گیا جن شرائط پر مردوں کو حاصل تھا 1918 کے اقدامات پر جنگ کے دوران گفت وشنید کی گئی، اور اس نے حکومت اور کارکن طبقات کے درمیان کچھ لو کچھ دو کے اصول کی عکاسی کی۔ کارکن طبقے کی لڑنے اور سامان رسد وغیرہ پیدا کرنے کیلئے ضرورت تھی۔ حکومت نے روسی انقلاب کے انقلابی جذبے پر بھی غور کیا ہو گا۔ زیادہ اشتمالی سیاسی اداروں کی بتدریج ترقی کے متوازی ایک اور تحریک تھی جو اس سے بھی زیادہ اشتمالی معاشی اداروں کی حامی تھی۔ فرسٹ ریفارم ایکٹ کا ایک بڑا نتیجہ، 1846 میں کارن لاز کی واپسی تھی۔ جیسا کہ ہم نے باب ہفتم میں دیکھا، کارن لاز (غلے کے قوانین) نے غلے اور دالوں کی درآمد پر پابندی عائد کر دی ان کی قیمتیں زیادہ رکھ کر، اور بڑے زمینداروں کے لئے بڑے بڑے منافع جات کو یقینی بناتے ہوئے۔ مانچسٹر اور برمنگھم سے آنے والے نئے ارکان پارلیمان سستا غلہ اور کم اجرتیں چاہتے تھے۔ وہ جیت گئے اور زمینداروں کے مفادات کو بڑی شکست ہوئی۔

رائے دہندگان کے حلقے میں تبدیلیوں اور سیاسی اداروں کی دوسری سمتوں میں، انیسویں صدی کے دوران ہونے والے تبدیلیوں کے پیچھے مزید اصلاحات آئیں۔ 1871 میں لبرل وزیراعظم گلیڈسٹون نے سول سروس کو عوامی امتحانات کے لئے کھول دیا۔ اس کا استحقاقی بناتے ہوئے اور اس طرح سیاسی مرکز گیری کے عمل کو جاری رکھتے ہوئے اور ان ریاستی اداروں کی تعمیر کرتے ہوئے جو ٹیوڈر دور میں شروع ہوئے تھے۔ اس عرصے کے دوران لبرل اور ٹوری حکومتوں نے مزدوری کی مارکیٹ کے بارے میں اچھی خاصی قانون سازی کی۔ مثال کے طور پر ماسٹرز اینڈ سرونٹس ایکٹ (مالکوں اور ملازموں کا قانون)، جس نے آجروں کو کارکنوں کی نقل وحرکت کو کم کرنے کے لئے اس قانون کو استعمال کرنے کی اجازت دی واپس لے لیا گیا۔ جس نے مزدوری کے تعلقات کو مزدوروں کے حق میں تبدیل کر دیا۔ 1906-1914 کے درمیان لبرل پارٹی نے، ایچ ایچ ایسکوتھ (H. H. Asquth) اور ڈیوڈ لائیڈ جارج (David Lloyd George) کے زیر قیادت، ریاست کو کہیں زیادہ خدمات مہیا کرنے کے لئے استعمال کیا، جس میں صحت اور بے روزگاری کا

بیمہ حکومت کی طرف سے مالیات مہیا کی جانے والی پنشنیں، کم از کم اجرتیں، اور دوبارہ تقسیم کئے جانے والے ٹیکسوں کا وعدہ، شامل تھے۔ ان مالی تبدیلیوں کے نتیجے میں، ٹیکس بطور قومی پیداوار کے تناسب کے، انیسویں صدی کی آخری تین دہائیوں میں دگنے سے زیادہ ہو گئے، اور پھر بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں میں دوبارہ دگنے ہو گئے۔ ٹیکس کا نظام زیادہ ترقی پسندانہ، بھی ہو گیا، اس طرح کہ زیادہ امیر لوگوں نے زیادہ بوجھ اٹھایا۔

اسی دوران میں، تعلیمی نظام، جو اس سے پہلے یا تو بنیادی طور پر اشراف کے لئے تھا، یا وہ غریب لوگوں سے فیس ادا کرنے کا مطالبہ کرتا تھا، عوام کی زیادہ دسترس میں کر دیا تھا؛ 1870 کے تعلیمی ایکٹ نے حکومت کو، پہلی مرتبہ ہمہ گیر تعلیم کیلئے پابند کر دیا۔ تعلیم 1891 میں بلا معاوضہ ہو گئی۔ 1893 میں سکول چھوڑنے کی عمر گیارہ سال مقرر کی گئی۔ 1899 میں یہ بڑھا کر بارہ سال کر دی گئی، اور ضرورت مند خاندانوں کے بچوں کے لئے خصوصی مراعات متعارف کروائی گئیں۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے میں، اسکول میں دس سال کی عمر کے بچوں کا اسکول میں داخلے کا تناسب، جو کہ 1870 میں 40 فیصد کے مایوس کن تناسب پر تھا، 1900 میں بڑھ کر 100 فیصد ہو گیا۔ آخر کار 1902 کے تعلیمی ایکٹ نے اسکولوں کے لئے بڑی توسیع کی طرف رہنمائی کی اور گرامر سکول متعارف کروائے، جو بعد میں برطانیہ میں ثانوی درجے کی تعلیم کے لئے بنیاد ثابت ہوئے۔

درحقیقت، برطانیہ کی مثال، جو کہ اشتمالی اداروں کے دائرۃ الخیر کی ایک وضاحت ہے، ''بتدریج دائرۃ الخیر'' کی ایک مثال پیش کرتی ہے۔ سیاسی تبدیلیوں کا رخ بلا مبالغہ زیادہ اشتمالی سیاسی اداروں کی طرف تھا، اور یہ قوت یافتہ عوام کی طرف سے مطالبات کا نتیجہ تھیں۔ لیکن وہ بتدریج بھی تھیں۔ ہر دہائی میں ایک نیا قدم، کبھی چھوٹا، کبھی بڑا، جمہوریت کی طرف لیا گیا ہر قدم پر کشمکش تھی، اور ہر ایک کا نتیجہ اتفاقی تھا۔ لیکن اس دائرۃ الخیر نے ایسی قوتیں پیدا کیں، جنھوں نے طاقت کے ساتھ چمٹنے میں پوشیدہ مالی دلچسپی کو کم کر دیا، اس نے قانون کی حکمرانی کو بھی مہمیز دی۔ جس نے ان لوگوں کے خلاف طاقت کے استعمال کو مشکل بنا دیا جو اس چیز کا مطالبہ کر رہے تھے، جس نے یہ اشراف سٹوورٹ بادشاہوں سے کرتے رہے تھے۔ اس بات کا امکان کم تھا کہ یہ کشمکش ایک مکمل انقلاب میں تبدیل ہو گی، اور اس بات کا امکان زیادہ تھا کہ اس کا حل زیادہ اشتمالیت کے حق میں نکلے گا۔ اس قسم کی بتدریج تبدیلی میں ایک بڑی خوبی ہے۔ یہ اشراف کیلئے نظام کے

MashalBooks.org

ایک مکمل تختہ الٹنے کی نسبت کم خطرناک ہے۔ ہر قدم چھوٹا ہوتا ہے۔اور ایک چھوٹے مطالبے کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا، ایک بڑے فیصلہ کن مقابلے کے پیدا کرنے کی نسبت زیادہ معقول لگتا ہے۔ یہ چیز جزوی طور پر اس کی وضاحت کرتی ہے کہ کس طرح غلے کے قوانین کو، بغیر کسی زیادہ سنجیدہ کشمکش کے واپس سے لیا گیا، 1846 تک زمیندار پارلیمان میں قانون سازی کو کنٹرول نہیں کر سکتے تھے۔ یہ پہلے اصلاحی ایکٹ (فرسٹ ریفارم ایکٹ) کا نتیجہ تھا۔ تاہم، اگر 1832 میں، رائے دہندگان کی تعداد میں توسیع، گلے سڑے براز(Borgouhs) کی اصلاح اور غلے کے قوانین (کارن لاز) کی واپسی تمام چیزیں میز پر ہوتیں، تو زمیندار نے بہت زیادہ مزاحمت کا اظہار کیا ہوتا۔ اس حقیقت نے، کہ پہلے محدود سیاسی اصلاحات ہوئیں اور یہ کہ غلے کے قوانین ایجنڈے پر بعد میں آئے۔ کشمکش کے دباؤ کو دور کر دیا۔

کسی نظام کی پرتشدد شکست کا مطلب ہوتا ہے کہ، جو کچھ ختم کیا گیا ہے، اس کی جگہ پر کوئی بالکل نئی چیز تعمیر ہونا ہے۔ انقلاب فرانس کے ساتھ یہی معاملہ تھا، جب جمہوریت کا پہلا تجربہ دہشت کی طرف لے گیا اور پھر دو مرتبہ بادشاہت کی طرف، اس سے پہلے کہ یہ بالآخر 1870 میں فرانسیسی تیسری جمہوریت پر منتج ہوئی۔ یہی معاملہ روسی انقلاب کے ساتھ بھی تھا، جہاں بہت سے لوگوں کی، روسی سلطنت کی بجائے زیادہ مساوی نظام کی خواہشات، ایک جماعتی آمریت کی طرف لے گئیں، جو کہ اس سے کہیں زیادہ پرتشدد، خونی اور بدتھی، بہ نسبت اس کے جس کی جگہ اس نے لی تھی۔ ان معاشروں میں بتدریج اصلاح ٹھیک اس وجہ سے مشکل تھی، کہ ان کے ہاں تکثیریت کی کمی تھی، اور وہ انتہا درجے کے استحصالی تھے۔ یہ شاندار انقلاب سے پیدا ہونے والی تکثیریت تھی، اور وہ قانون کی حکمرانی تھی جو اس نے متعارف کروائی، جس نے برطانیہ میں بتدریج تبدیلی کو قابل عمل اور پسندیدہ بنایا۔

قدامت پسند انگریز مبصر ایڈمنڈ برک(Edmund Burke) جس نے بڑی مستقل مزاجی سے انقلاب فرانس کی مخالفت کی، نے 1790 میں لکھا، ''کسی بھی شخص کو بے انتہا احتیاط کے ساتھ کسی ایسی عمارت کو ڈھانا چاہئے، جس نے معاشرے کے مشترک مقاصد کا کئی زمانوں تک ایک قابل برداشت درجے میں، جواب دیا ہے، یا اسے دوبارہ تعمیر کرنے میں، بغیر اس کے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے مسلمہ افادیت کے نمونے یا طریقے موجود ہوں'' برک بڑی تصویر پر غلط تھا،

انقلاب فرانس نے ایک بوسیدہ عمارت کی جگہ لی تھی، اور اشتمالی اداروں کے لئے راستہ کھولا تھا، نہ صرف فرانس میں، بلکہ مغربی یورپ کے زیادہ تر حصے میں۔ لیکن برک کا انتباہ یکسر نشانے سے ہٹکر نہیں تھا۔ برطانوی سیاسی اصلاح کا بتدریج عمل، جو 1688 میں شروع ہوا، اور جس نے برک کی وفات کی تین دہائیوں کے بعد رفتار پکڑی، زیادہ موثر ثابت ہوتا، کیونکہ اس کی بتدریج نوعیت نے اسے زیادہ طاقتور، مزاحمت کے لئے زیادہ مشکل اور بالآخر زیادہ پائیدار بنا دیا۔

اعتمادوں کا ٹوٹنا

ریاست ہائے متحدہ میں اشتمالی اداروں کی جڑیں، ورجینیا، میری لینڈ، اور کیرولیناؤں میں نو آبادیاتی دور میں ہونے والی جنگوں میں تھیں ان اداروں کو ریاستہائے متحدہ کے آئین نے تقویت دی، اس کے پابندیوں کے نظام اور اختیارات کی علیحدگی کے ساتھ۔ لیکن آئین نے، استحصالی اداروں کی ترقی کے انجام کی نشاندہی نہیں کی۔ جیسا کہ برطانیہ میں ہوا۔ ان کو مثبت ردعمل سے تقویت پہنچائی گئی، جو دائرۃ الخیر پر مبنی تھا۔

انیسویں صدی کے وسط تک، تمام سفید فام مرد، اگرچہ عورتیں اور سیاہ فام نہیں، ریاستہائے متحدہ میں ووٹ دے سکتے تھے۔ معاشی ادارے مزید اشتمالی ہوئے۔ مثال کے طور پر 1862 میں منظور ہونے والے(Hemestead Act) آبادکاروں کو دی جانے والی زمین کے قانون کے ساتھ، جس نے سرحدی زمین، کو بجائے سیاسی اشراف کے نام کرنے کے امکانی آبادکاروں کیلئے دستیاب کر دیا۔ لیکن جیسا کہ برطانیہ میں تھا، یہاں بھی اشتمالی اداروں کو درپیش چیلنج کبھی بھی کلی طور پر ناپید نہیں تھے۔ ریاستہائے متحدہ کی خانہ جنگی کے اختتام نے شمال میں معاشی ترقی ے ایک اچانک تیز دھارے کا آغاز کیا۔ جب ریلوے، صنعت اور تجارت نے فروغ پایا، تو چند لوگوں نے خوب اپنی قسمتیں سنواریں۔ اپنی معاشی کامیابی سے جرأت پا کر یہ لوگ اور ان کی کمپنیاں زیادہ سے زیادہ بے اصول ہوتی گئیں، ان کے پختہ کاروباری رویوں کی وجہ سے، جن کا مقصد اجارہ داریوں کو مستحکم کرنا، اور کسی بھی باصلاحیت مقابلہ کار کو مارکیٹ میں داخل ہونے سے یا مساویانہ بنیادوں پر کاروبار کرنے سے روکنا تھا۔ انہیں لٹیرے نواب کہا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک بدنام ترین شخص کارنیلیس وینڈربلٹ(Cornelius Vanderbilt) تھا، جس کی یہ بات مشہور ہے

MashalBooks.org

کہ اس نے کہا "مجھے قانون کی کیا پرواہے؟ کیا میرے پاس طاقت نہیں ہے؟"

ایک اور شخص جان ڈی راک فیلر (John D. Rockefeller) تھا، جس نے 1870 میں سٹینڈرڈ آئل کمپنی کا آغاز کیا۔ اس نے تیزی سے کلیولینڈ میں اپنے مخالفین کو ختم کیا، اور نقل وحمل اور تیل اور تیل کی مصنوعات کی پرچون فروخت پر اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش کی۔ 1882 تک اس نے ایک بھاری اجارہ داری اپنے وقت کی زبان میں، ایک ٹرسٹ ۔۔ قائم کرلیا تھا۔ 1890 تک سٹینڈرڈ آئل نے ریاستہائے متحدہ میں صاف شدہ تیل کے 88 فیصد ذخائر پر کنٹرول حاصل کرلیا تھا، اور 1916 میں راک فیلر دنیا کا پہلا ارب پتی بن گیا۔ اس کے ہم عصر کارٹون سٹینڈرڈ آئل کی تصویر ایک آکٹوپس کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں، جو اپنے اردگرد کی چیزوں کو لپیٹ میں لے رہا ہے، نہ صرف تیل کی صنعت کو بلکہ کیپٹال کی پہاڑی کو بھی۔

تقریباً اتنا ہی رسوائے زمانہ جان پیئر پانٹ مورگن (John Pierpont Morgan) تھا جو کہ جدید بینکاری کی کمپنیوں کے مجموعے جے پی مورگن کا بانی تھا، جو بعد میں کئی دہائیوں میں ہونے والے ادغامات کے بعد، آخرکار جے پی مورگن چیز بن گیا۔ اینڈریو کارنیگی (Andrew Carnegie) کے ساتھ مل کر مورگن نے 1901 میں یو ایس سٹیل کمپنی کی بنیاد رکھی، جو کہ ایک ارب ڈالر سے زیادہ سرمایہ رکھنے والی پہلی کارپوریشن تھی، اور دنیا بھر میں سب سے بڑی سٹیل کارپوریشن تھی۔ 1890 کی دہائی میں، معیشت کے تقریباً ہر شعبے میں بڑے بڑے ٹرسٹ ابھرنے لگے، اور ان میں سے بہت سوں نے اپنے شعبے میں 70 فیصد سے زیادہ مارکیٹ پر قبضہ کرلیا۔ ان میں سے بہت سے گھریلو نام بھی شامل تھے، جیسا کہ ڈیو پونٹ، ایسٹ مین کوڈک، اور بین الاقوامی ہارویسٹر۔ تاریخی طور پر ریاستہائے متحدہ، کم از کم شمالی اور وسط مغربی ریاستہائے متحدہ کے ہاں نسبتاً تقابلی مارکیٹیں تھیں، اور وہ ملک کے دوسرے حصوں کی نسبت، خاص طور پر جنوب کی نسبت زیادہ مساوات پسند تھیں۔ لیکن اسی عرصے کے دوران، مقابلے نے اجارہ داری کے آگے ہار مان لی تھی، اور دولت کی ناہمواری تیزی سے بڑھنے لگی۔

ریاستہائے متحدہ کے تکثیری سیاسی نظام نے پہلے ہی معاشرے کے ایک بڑے حصے کو طاقتور بنا دیا تھا، جو اس قسم کے تجاوزات کے خلاف کھڑا ہوسکتا تھا۔ ان لوگوں نے جو لٹیرے نوابوں کے اجارہ دارانہ رویوں کا شکار تھے، یا جنہیں ان کے صنعتوں پر بے اصولانہ غلبے پر

اعتراض تھا، ان کے خلاف منظّم ہونا شروع کردیا، ان نے عوام کی حامی اور پھر بعد میں ترقی پسند تحریکیں تشکیل دیں۔

حامی عوامیت تحریک ایک طویل عرصے سے چلنے والے زرعی بحران سے ابھری، جس نے 1860 کی دہائی کے اواخر بعد سے وسط مغربی علاقے کو متاثر کیا تھا۔ دی نیشنل گرینج آف دی آرڈر آف پیٹرنز آف ہسبینڈری (The National Grange of the Order of Patrons of Husbandry) جنہیں گرینجرز کے نام سے جانا جاتا تھا، 1867 میں تشکیل دی گئی، اور اس نے ناجائز اور امتیازی کاروباری رویوں کے خلاف کسانوں کو متحرک کیا۔ 1873 اور 1874 میں گرینجرز نے گیارہ وسط مغربی ریاستی مجالس قانون ساز میں کنٹرول حاصل کرلیا، اور دیہاتی بے اطمینانی بڑھ کر 1892 میں پیپلز میں پارٹی کی تشکیل میں ظاہر ہوئی، جس نے 1892 کے صدارتی انتخاب میں 8.5 فیصد عوامی حمایت حاصل کرلی۔ اگلے دو انتخابات میں، حامیان عوامیت، ولیم جیننگز بریان (William Jennings Bryan) کی طرف سے چلائی گئی دو ناکام جمہوری مہمات کے پیچھے لگے تھے، جس نے ان کے بہت سے مسائل کو اپنا بنالیا۔ اب ٹرسٹوں کے پھیلنے کے خلاف عوامی مخالفت منظّم ہوگئی، اس اثر رسوخ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے، جو راک فیلر اور دوسرے لٹیرے نواب قومی سیاست پر ڈال رہے تھے۔

ان سیاسی تحریکوں نے آہستہ آہستہ، سیاسی رویوں اور پھر قانون سازی پر اثر ڈالنا شروع کیا، خاص طور پر اس قانون سازی پر جو اجارہ داری کو منضبط کرنے میں ریاست کے کردار سے متعلق تھی۔ پہلی اہم قانون سازی، 1887 کا انٹرسٹیٹ کامرس ایکٹ تھا، جس نے انٹرسٹیٹ کامرس کمیشن بنایا، اور صنعت کے وفاقی انضباط کی ترقی کا آغاز کیا۔ اس کے فوراً بعد 1890 کا شرمن اینٹی ٹرسٹ ایکٹ آیا۔ شرمن ایکٹ، جواب بھی ریاستہائے متحدہ کی ٹرسٹ مخالفت ضابطہ بندی کا بڑا حصہ ہے، لٹیرے نوابوں کے ٹرسٹوں پر تنقیدوں کی بنیاد بننے والا تھا۔ ان ٹرسٹوں کے خلاف بڑی کاروائی ان صدور کے انتخابات کے بعد ہوئی، جو اصلاح کرنے اور لٹیرے نوابوں کی طاقت کو محدود کرنے کا عہد کئے ہوئے تھے: تھیوڈور روز ویلٹ (Theodore Roosevelt) 1901 تا 1909؛ ولیم ٹافت (William Taft) 1913 تا 1921۔ ٹرسٹ مخالف تحریک اور صنعت پر وفاقی ضابطہ بندی عائد کرنے کی تحریک کے پیچھے کارفرما قوت، ایک دفعہ پھر، کسانوں

MashalBooks.org

کا ووٹ تھا۔ ریل کی پٹڑیوں کو ضابطے میں لانے کی، 1870 کی دہائی میں ریاستوں کی ابتدائی انفرادی کوششوں کے پیچھے بھی کسانوں کی تنظیمیں تھیں۔ بلاشبہ وہ انسٹھ درخواستیں جو ٹرسٹوں سے متعلق تھیں، جو شرمن ایکٹ کے قانون بننے سے پہلے کانگریس کو بھیجی گئیں، کسان ریاستوں سے آئیں، اور ایسی تنظیموں سے ابھریں، جیسا کہ فارمرز یونین، فارمرز الائنس، فارمرز میوچول بینیفٹس ایسوسی ایشن، اور پیٹرنز آف انیمل ہسبنڈری۔ کسانوں کو صنعت کی اجارہ دارانہ سرگرمیوں کی مخالفت کرنے میں ایک اجتماعی مفاد ملا۔

عوامیت کے حامیوں، جو ڈیموکریٹس کے پیچھے اپنا وزن ڈالنے کے بعد شدید طور پر زوال کا شکار ہو گئے، کی راکھ میں سے ترقی پسند (Progressives) برآمد ہوئے، جو کہ ایک مختلف الاجزا اصلاحی تحریک تھی، جو کہ انہی مسائل میں سے بہت سوں کے ساتھ منسلک تھی۔ ترقی پسند تحریک ابتدائی طور پر ٹیڈی روز ویلٹ کی شخصیت کے گرد جمع ہو گئی، جو ولیم میکن لے (William McKin ley) کا نائب صدر تھا، اور جس نے 1901 میں میکن لے کے قتل کے بعد صدارت سنبھالی۔ قومی عہدے پر ترقی حاصل کرنے سے پہلے روز ویلٹ نیویارک کا مفاہمت نہ کرنے والا گورنر تھا، اور اس نے سیاسی بدعنوانی اور ''مشینی سیاست'' کو ختم کرنے کے لئے سخت جدوجہد کی تھی۔ کانگریس سے اپنے پہلے خطاب میں روز ویلٹ نے ٹرسٹوں کی طرف توجہ مبذول کی۔ اس نے استدلال کیا کہ ریاستہائے متحدہ کی خوشحالی کا دارومدار منڈی کی معیشت پر اور کاروباری لوگوں کی اختراع کی قدرت پر ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حقیقی اور سنجیدہ برائیاں موجود ہیں۔۔۔ اور امریکی لوگوں کے ذہنوں میں وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا یقین کہ بڑی کارپوریشن جنہیں ٹرسٹ کے نام سے جانا جاتا ہے، اپنی بعض خصوصیات اور رجحانات کے حوالے سے عمومی فلاح و بہبود کے لئے نقصان دہ ہیں، یہ یقین حسد کے یا خست کے کسی جذبے سے، یا ان عظیم صنعتی کامیابیوں میں، جو ہمارے ملک نے ان لوگوں کے بڑے کے طور پر جو تجارتی برتری کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں حاصل کی ہیں، فخر کی کمی سے، جنم نہیں لیتا۔ یہ اس وجہ سے پیدا نہیں ہوا کہ ہمارے عوام ذہانت سے اس بات کو نہیں سمجھتے کہ تبدیل ہونے اور تبدیل شدہ تجارت کے حالات کا مقابلہ نئے طریقوں سے کیا جا سکتا ہے، نا ہی اس حقیقت سے بے خبری ہے کہ جب دنیا کی ترقی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بڑے بڑے کام کئے جائیں تو سرمائے کا ملاپ بڑے بڑے کام کرنے کے لئے ضروری ہے۔ یہ اس

پر خلوص یقین پر مبنی ہے کہ ملاپ اور ارتکاز کی ممانعت نہیں کرنی چاہئے، البتہ اس کی نگرانی کی جانی چاہئے اور اس کو معقول حدود میں کنٹرول کرنا چاہئے، اور میری رائے میں یہ یقین صحیح ہے۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''یہ ان لوگوں کا بھی اتنا ہی مقصد ہونا چاہئے، جو سماجی بہتری کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں، کہ کاروبار کی دنیا کو چالاکی کے جرائم سے نجات دلائی جائے۔ اسی طرح جس طرح کہ پوری ریاست کو تشدد کے جرائم سے پاک کیا جائے''۔ اس کا نکالا ہوا نتیجہ یہ تھا کہ:

> پوری قوم کے مفاد میں، قوم کو چاہئے کہ، اس معاملے میں ریاستوں کے اختیار میں مداخلت کئے بغیر، ان تمام کارپوریشنوں پر جو بین الریاستی کاروبار کرتی ہیں، نگرانی اور ضابطہ بندی کا اختیار بھی حاصل کرے، یہ بات خاص طور پر وہاں صحیح ہے جہاں کارپوریشن اپنی دولت کا حصہ کسی قسم کی اجارہ داری کے عنصر سے یا اس کے کاروبار میں اس کے رجحان سے حاصل کرتی ہو۔

روز ویلٹ نے یہ تجویز پیش کی کہ کانگریس ایک وفاقی ایجنسی قائم کرے، جسے یہ اختیار ہو کہ وہ بڑی کارپوریشنوں کے معاملات کی تفتیش کر سکے، اور اگر ضرورت ہو تو ایسی ایجنسی قائم کرنے کے لئے آئینی ترمیم بھی کی جا سکتی ہے۔ 1902 تک روز ویلٹ نے نادرن سیکورٹیز کمپنی کو توڑنے کے لئے شرمین ایکٹ کو استعمال کیا، جس نے جے پی مورگن کے مفادات کو متاثر کیا، اور بعد میں ڈیوپونٹ، دا امریکن ٹوبیکو کمپنی اور سٹینڈرڈ آئل کمپنی کے خلاف بھی مقدمات لائے گئے۔ روز ویلٹ نے انٹرسٹیٹ کامرس ایکٹ کو 1906 کے ہیپ برن ایکٹ سے تقویت دی، جس نے انٹرسٹیٹ کامرس کمشن کے اختیارات کو بڑھا دیا، خاص طور پر اسے اس بات کی اجازت دیتے ہوئے کہ یہ ریلوے کے مالی حسابات کا جائزہ لے سکے اور اس کے اختیارات کو نئے حلقوں تک توسیع دے سکے۔ روز ویلٹ کے جانشین، ولیم ٹافٹ نے ٹرسٹوں کے خلاف مزید سختی سے قانونی کارروائی کی، جس کا سب سے بڑا مقصد 1911 میں سٹینڈرڈ آئل کمپنی کو توڑنا تھا۔ ٹافٹ نے دوسری اہم اصلاحات بھی کیں، جیسا کہ وفاقی انکم ٹیکس کا متعارف کروانا، جو 1913 میں سولھویں ترمیم کی توثیق سے حاصل ہوا۔

ترقی پسندانہ اصلاحات کا نقطہ عروج، 1912 میں ووڈرو ولسن کے انتخاب کے ساتھ آیا، ولسن نے اپنی 1913 کی کتاب The New Freedom (نئی آزادی) میں تحریر کیا، ''اگر اجارہ داری رہتی ہے تو ہمیشہ اجارہ داری حکومت کا کنٹرول سنبھالے گی۔ میں یہ توقع نہیں رکھتا کہ اجارہ داری

MashalBooks.org

اپنے آپ پر قابو رکھے گی۔ اگر ملک میں اتنے بڑے لوگ موجود ہوں گے جو ریاست ہائے متحدہ کی حکومت کو سنبھالنے کے قابل ہوں، تو وہ اسے ضرور سنبھال لیں گے''۔

ولسن نے 1914 میں کلیٹن اینٹی ٹرسٹ ایکٹ کو منظور کروانے کے لئے کام کیا، جس نے شرمین ایکٹ کو تقویت دی، اور اس نے فیڈرل ٹریڈ کمشن تشکیل دیا جس نے کلیٹن ایکٹ کو نافذ کیا۔ مزید برآں، لوزیانا کے کانگریس کے رکن آرسین پوجو (Arsene Pujo) کی سربراہی میں قائم، پوجو کمیٹی کی ''منی ٹرسٹ'' مالی صنعت میں اجارہ داری کے پھیلاؤں کی تحقیقات سے تحریک پا کر ولسن کو مالی شعبے کی تنظیم کو بڑھانے کی طرف مائل ہوا۔ اس نے 1913 میں فیڈرل ریزرو بورڈ تشکیل دیا، جو مالی شعبے میں اجارہ دارانہ سرگرمیوں کی تنظیم کرے گا۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں لٹیرے نوابوں اور ان کے اجارہ دارانہ ٹرسٹوں کا عروج اس بات کو نمایاں کرتا ہے، جیسا کہ ہم نے باب سوم میں زور دیا، کہ مارکیٹوں کا وجود بذاتِ خود اشتمالی اداروں کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ مارکیٹوں پر چند فرموں کا غلبہ ہو سکتا ہے، جو ناجائز قیمتیں وصول کر سکتی ہیں اور دوسرے اہل مقابلہ کاروں کا داخلہ اور نئی ٹیکنولوجیوں کی آمد کو روک سکتی ہیں، مارکیٹوں کو اگر ان کے اپنے طور طریقوں پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اشتمالی نہیں رہتیں، کیونکہ ان پر زیادہ سے زیادہ معاشی اور سیاسی طور پر طاقتور لوگوں کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اشتمالی معاشی اداروں کو صرف مارکیٹوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ اشتمالی مارکیٹوں کی ضرورت ہوتی ہے، جو لوگوں کی اکثریت کے لئے ہموار میدان عمل اور معاشی مواقع پیدا کریں، وسیع پیمانے کی اجارہ داری، جس کی پشت پر اشراف کی سیاسی طاقت ہو، اس کی نفی کرتی ہے۔ لیکن ان اجارہ دارانہ ٹرسٹوں کے خلاف ردعمل اس بات کی وضاحت بھی کرتا ہے، کہ جب سیاسی ادارے اشتمالی ہوں تو ان تحریکات کا توڑ کرتے ہیں، جو اشتمالی مارکیٹوں سے دور لے جانے والی ہوں۔ یہ خیر کا دائرہ ہوتا ہے جو روبہ عمل ہوتا ہے۔ اشتمالی معاشی ادارے وہ بنیادیں مہیا کرتے ہیں جن پر سیاسی ادارے پھل پھول سکتے ہیں، جبکہ اشتمالی کو روکتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ میں اعتماد کی شکست بمقابلہ اس کے جو ہم نے میکسیکو میں دیکھا، دائرۃ الخیر کے اس پہلو کی وضاحت کرتا ہے، جہاں میکسیکو میں کارلوس سلم کی اجارہ داری کو روکنے کے لئے کوئی سیاسی ادارہ نہیں ہے، وہیں پر شرمین ایکٹ اور کلیٹن ایکٹ کو پچھلی صدی میں۔ ٹرسٹوں اجارہ داریوں اور

صنعت کاروں کے گٹھ جوڑوں کو روکنے کے لئے بار بار استعمال کیا گیا، اس بات کو یقینی بنانے کیلئے مارکیٹیں اشتمالی رہیں۔

بیسویں صدی کے پہلے نصف میں ریاست ہائے متحدہ کا تجربہ آزاد ذرائع ابلاغ کے معاشرے کے وسیع طبقات کو تقویت دینے اور اس طرح دائرۃ الخیر میں مد ہونے میں اس کے اہم کردار پر زور دیتا ہے۔ 1906 میں روزویلٹ نے muckraker (بڑے لوگوں کے راز فاش کرنے والا) کی اصلاح ایجاد کی، جو کہ ایک ادبی کردار پر مبنی تھی، بنین (Bunyan) کے Pilgrims Progress (پلگرمز پراگریس) میں ایک شخص پر جس نے گند صاف کرنے والا پھاوڑا اٹھایا ہوا ہوتا ہے، اس چیز کو بیان کرنے کے لئے جسے وہ مداخلت کارانہ صحافت سمجھتا تھا۔ یہ اصطلاح جم گئی اور ان صحافیوں کے لئے علامتی طور پر استعمال ہونے لگی، جو مداخلت کارانہ انداز سے لیکن موثر طور پر، لٹیرے نوابوں کی زیادتیوں اور ساتھ ہی ساتھ مقامی اور وفاقی سیاست میں بدعنوانی سے پردہ اٹھاتے تھے، غالباً سب سے زیادہ پردہ فاش کرنے والا ایڈا ٹاربیل (Ida Tarbell) تھا، جس کی 1904 کی کتاب History of the Standard oil Company (سٹینڈرڈ آئل کمپنی کی تاریخ) نے راک فیلر اور اس کے کاروباری مفادات کیخلاف رائے عامہ کو متحرک کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا، جو 1911 میں سٹینڈرڈ آئل کے ٹوٹنے پر منتج ہوئی۔ ایک اور راز فاش کرنے والا ایک وکیل اور مصنف لوئی برینڈیز (Louis Brandeis) تھا، جسے بعد میں صدر ولسن نے سپریم کورٹ کے جسٹس کے طور پر نامزد کیا۔ برینڈیز نے مالی سکینڈلوں کے ایک سلسلے کا خاکہ پیش کیا اپنی کتاب Other Peoples Money and How Bankers use it (دوسرے لوگوں کی رقم اور کس طرح بینک کار اسے استعمال کرتے ہیں) میں، اور پوجو کمیٹی میں بھی وہ بہت بااثر تھا، اخبارات کے نواب ولیم رینڈولف ہرسٹ (William Randolph Hearst) نے بھی ایک راس فاش کرنے والے کے طور پر اہم کردار ادا کیا۔ اس کے میگزین (The Cosmopolitan) دا کاسموپولیٹن میں 1906 میں چھپنے والے ڈیوڈ گراہم فلپس (David Graham Phillips) کے مضامین کے سلسلے نے، جس کا عنوان The Treason of the Senate (سینیٹ کی بغاوت) تھا، سینیٹ کے لئے براہ راست انتخاب کو متعارف کروانے کی مہم کو متحرک کیا، جو کہ ایک اور بنیادی طور پر ترقی پسندانہ اصلاح تھی، جو 1913 میں امریکی آئین میں سترھویں ترمیم کے منظور ہونے کے ساتھ واقع ہوئی۔

MashalBooks.org

راز فاش کرنے والوں نے سیاستدانوں کو ٹرسٹوں کے خلاف کاروائی کرنے پر آمادہ کرنے میں ایک بڑا کردار ادا کیا۔ لٹیرے نواب راز فاش کرنے والوں کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن ریاست متحدہ کے سیاسی اداروں نے ان کے لئے انہیں ختم یا خاموش کرانے کو ناممکن بنا دیا۔ اشتمالی سیاسی ادارے آزاد ذرائع ابلاغ اس بات کو زیادہ ممکن بناتے ہیں کہ اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں کو درپیش خطرات کا وسیع پیمانے پر علم ہو اور ان کی مزاحمت کی جائے۔ اس کے مقابلے میں، استحصالی سیاسی اداروں مطلق العنانی، یا آمریتوں کے تحت یہ آزادی ناممکن ہوتی ہیں، جو استحصالی حکومتوں کی مدد کرتی ہے کہ وہ سنجیدہ مخالفت کو تشکیل پانے سے پہلے ہی روک سکیں، ریاستہائے متحدہ میں بیسویں صدی کے پہلے نصف میں، آزاد ذرائع ابلاغ کی مہیا کردہ معلومات واضح طور پر بنیادی تھیں، اس معلومات کے بغیر ریاستہائے متحدہ کے عوام لٹیرے نوابوں کی طاقت اور ان کی زیادتیوں کی حقیقی وسعت کے بارے میں نہ جان پائے اور ان کے ٹرسٹوں کے خلاف متحرک نہ ہوتے۔

ڈیموکریٹک پارٹی کا امیدوار، اور ٹیڈی روز ویلٹ کا چچا زاد فرینکلن ڈی روز ویلٹ 1932 میں معاشی زوال کے طویل دور (Great Depression) کے درمیان صدر منتخب ہوا۔ وہ عظیم معاشی زوال کا مقابلہ کرنے کے لئے پالیسیوں کے ایک پرجوش سیٹ کو نافذ کرنے کے عوامی تفویض کردہ اختیار کے ساتھ اقتدار میں آیا، 1933 کے آغاز میں اس کے عہدہ سنبھالنے کے وقت، مزدوروں کی ایک چوتھائی بے روزگار تھی، جن میں سے بہت سے غربت کے گڑھے میں گر چکے تھے۔ 1929 میں معاشی زوال کے شروع ہونے سے لے کر اب تک صنعتی پیداوار گر چکی تھی اور سرمایہ کاری ختم ہو چکی تھی۔ ان پالیسیوں کو جو روز ویلٹ نے اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تجویز کی تھیں مجموعی طور پر New Deal (نیا تصفیہ) کہا جاتا تھا۔ روز ویلٹ ایک ٹھوس فتح حاصل کی تھی، جس میں عوامی ووٹوں کا 57 فیصد حاصل کیا تھا، اور ڈیموکریٹک پارٹی کی کانگریس اور سینٹ دونوں میں اکثریت تھی۔ جو نیوڈیل کی قانون سازی کو منظور کرنے کے لئے کافی تھی۔ تاہم کچھ قانون سازی نے آئینی مسائل کھڑے کر دیئے، اور اس کا اختتام سپریم کورٹ میں ہوا، جہاں روز ویلٹ کا انتخابی اختیار کم ہی اثر کر سکا۔

نئے تصفیے (نیوڈیل) کے بنیادی ستونوں میں سے ایک نیشنل انڈسٹریل ریکوری ایکٹ تھا؛ پہلے عنوان نے صنعتی بحالی پر توجہ مرکوز کی۔ صدر روز ویلٹ اور اس کے شرکائے کار یہ مانتے تھے کہ

صنعتی مقابلے کو روکنا، کارکنوں کو یونین بنانے کے زیادہ حقوق دینا، اور کام کرنے کے معیارات کو منضبط کرنا، بازیابی کی کوشش میں بہت اہم تھے۔ عنوان دوم نے پبلک ورکس ایڈمنسٹریشن قائم کی، جس کے بنیادی ڈھانچے کے کاموں میں ایسے تاریخی کام شامل ہیں جیسا کہ فلاڈلفیا میں تیسویں گلی کا ریلوے سٹیشن، ٹرائی بورو پل، عظیم کاولی ڈیم اور کی ویسٹ، فلوریڈا کو ملک سے ملانے والا اور سیز ہائے وے۔ صدر روز ویلٹ نے 16 جون 1933 کو اس بل پر دستخط کر کے اسے قانون بنا دیا اور نیشنل انڈسٹریل ریکوری ایکٹ کو فعال بنا دیا گیا، تاہم اسے فوری طور پر عدالتوں میں چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ 27 مئی 1935 کو سپریم کورٹ نے متفقہ فیصلہ دیا کہ ایکٹ کا عنوان اول غیر آئینی ہے۔ ان کے فیصلے میں زوردار طریقے سے یہ تحریر کیا گیا ''غیر معمولی حالات غیر معمولی اصلاحات کا تقاضا کرتے ہیں۔ لیکن غیر معمولی حالات آئینی اختیار کو تخلیق یا اس میں توسیع نہیں کرتے''۔

اس سے پہلے کہ عدالت کا فیصلہ آتا، روز ویلٹ اپنے ایجنڈے کے اگلے قدم کی طرف بڑھ گیا، اور سوشل سیکورٹی ایکٹ پر دستخط کر دیئے، جس نے ریاستہائے متحدہ میں ایک جدید ویلفیر سٹیٹ (بہبودی ریاست) متعارف کروائی: ریٹائرمنٹ پر پنشن، بے روزگاری کے فوائد، خاندانوں کو ان کے دست نگر افراد سمیت امداد، اور کچھ عوامی صحت اور معذوری کے فوائد۔ اس نے نیشنل لیبر ریلیشنز ایکٹ پر بھی دستخط کئے، جس نے کارکنوں کے یونینوں کو منظم کرنے، اجتماعی سودا کاری میں شریک ہونے، اور اپنے آجروں کے خلاف ہڑتالیں منظم کرنے کے حقوق کو مزید مستحکم کیا، ان اقدامات کو بھی سپریم کورٹ میں چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ چیلنج عدلیہ کے راستے سے ہی آ رہے تھے، لہٰذا روز ویلٹ 1936 میں ایک مضبوط مفوضہ اختیار کے ساتھ دوبارہ منتخب ہو گیا، عوامی ووٹ کا 61 فیصد حاصل کر کے۔

اپنی مقبولیت کے ریکارڈ بلندی پر ہونے کی وجہ سے، روز ویلٹ کا، اپنے پالیسی ایجنڈے کو سپریم کورٹ کو دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنے منصوبوں کو اپنی ایک باقاعدہ بے تکلف گپ سپ میں واضح کر دیا، جو 9 مارچ 1937 کو ریڈیو سے براہ راست نشر کی گئی۔ اس نے اس بات کی طرف اشارہ کرنے سے آغاز کیا کہ اس کی پہلی مدت میں، بہت زیادہ مطلوب پالیسیاں سپریم کورٹ سے بال برابر فرق سے منظور ہو گئیں۔ اس نے مزید کہا:

مجھے، چار سال پہلے کی مارچ کی وہ شام یاد آ رہی ہے۔ جب میں نے اپنی پہلی ریڈیو

MashalBooks.org

رپورٹ آپ کو پیش کی۔ اس وقت ہم بینکاری کے عظیم بحران میں تھے۔ جلد ہی بعد، کانگریس کی اجازت سے ہم نے قوم سے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے سارے نجی طور پر رکھے ہوئے سونے کو اگل دے، ایک ایک ڈالر، اور ریاستہائے متحدہ کے حوالے کر دے۔ آج کی بازیابی یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ پالیسی کتنی صحیح تھی۔ لیکن جب تقریباً دو سال بعد، یہ سپریم کورٹ کے سامنے پیش ہوئی تو اس کی آئینی حیثیت کو، صرف چار کے مقابلے میں پانچ ووٹ سے برقرار رکھا گیا۔ ایک ووٹ کی تبدیلی اس قوم کے سارے معاملات کو ایک مایوس کن خلا میں پھینک دیتی۔ درحقیقت، چار ججوں نے یہ قرار دیا کہ ٹھیک ایک نجی معاہدے کے تحت، گوشت کے ایک پاؤنڈ کی وصولی زیادہ مقدس تھی، بہ نسبت آئین کے ایک پائندہ قوم کو قائم کرنے کے آئین کے بنیادی مقاصد کے۔

واضح بات ہے کہ اس کا خطرہ دوبارہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ روز ویلٹ نے اپنی بات جاری رکھی:

> پچھلے جمعرات کو میں نے امریکی طرز حکومت کو ایک تین گھوڑوں والی ٹیم کے طور پر بیان کیا تھا، جو آئین کی طرف سے امریکی قوم کو دی گئی ہے، تاکہ ان کی کھیت میں ہل چلایا جا سکے۔ یہ تین گھوڑے، بلاشبہ حکومت کی تین شاخیں ہیں۔ کانگریس، انتظامیہ اور عدالتیں۔ آج ان گھوڑوں میں سے دو، کانگریس اور انتظامیہ باہمی تعاون سے ہل کھینچ رہے ہیں: تیسرا گھوڑا نہیں۔

پھر روز ویلٹ نے بتایا کہ ریاستہائے متحدہ کے آئین نے حقیقتاً سپریم کورٹ کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ قانون سازی کی آئینی حیثیت کو چیلنج کرے، لیکن یہ کہ اس نے 1803 میں یہ کردار اپنا لیا، اس وقت، جسٹس بشراڈ واشنگٹن (Bushrod Washington) نے شرط کے طور پر یہ قرار دیا تھا کہ سپریم کورٹ کو "[کسی قانون] کے صحیح ہونے کے حق میں فرض کرنا چاہیئے، جب تک کہ اس کی آئین کی خلاف ورزی تمام معقول شک وشبہ سے بالاتر نہ ہو" پھر روز ویلٹ نے الزام لگایا۔

> پچھلے چار سالوں میں پارلیمان کے پاس شدہ قوانین کو پورے معقول کا فائدہ دینے کے پختہ اصول کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ عدالت ایک عدالتی ادارے کے طور پر نہیں، بلکہ ایک پالیسی ساز ادارے کے طور پر کام کر رہی ہے۔

روز ویلٹ نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس ایک انتخابی اختیار تھا کہ وہ صورت حال کو تبدیل کرے اور یہ کہ "اس بات پر غور وفکر کرنے کے بعد کہ ایک واحد طریقے کے طور پر جو واضح

طور پر آئینی ہو کیا اصلاح تجویز کی جائے۔۔۔۔ وہ ہماری تمام عدالتوں میں نیا خون داخل کرنا تھا۔" اس نے یہ استدلال بھی کیا کہ سپریم کورٹ کے ججوں پر کام کا بہت زیادہ بوجھ تھا، اور یہ بوجھ زیادہ بوڑھے جسٹسوں پر بہت زیادہ تھا۔ جو اتفاق سے وہی جج تھے جو اس کی قانون سازی کو مسترد کر رہے تھے۔ پھر اس نے تجویز پیش کی کہ تمام ججوں کو ستر سال کی عمر میں لازمی ریٹائرمنٹ کا سامنا کرنا چاہیئے، اور اسے چھ نئے ججوں تک کی تقرری کی اجازت ہونی چاہیئے۔ یہ منصوبہ جو روز ویلٹ نے Judiciary Reorganisation Bill (عدلیہ کی تنظیم نو کا بل) کے طور پر پیش کیا، ان جسٹسوں کو ہٹانے کے لئے کافی ہوتا، جو اس سے پہلے زیادہ قدامت پرست انتظامیہ کی طرف سے تعینات کئے گئے تھے اور جنہوں نے بہت محنت سے نیوڈیل کی مخالفت کی تھی۔

اگرچہ روز ویلٹ نے بڑی مہارت سے اس اقدام کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن رائے عامہ کے جائزوں نے یہ ظاہر کیا کہ آبادی کا صرف 40 فیصد اس منصوبے کے حق میں تھا۔ اب لوئی برینڈیز سپریم کورٹ کا جسٹس تھا۔ اگرچہ برینڈیز کو روز ویلٹ کی قانون سازی سے ہمدردی تھی، لیکن وہ صدر کی سپریم کورت کے اختیار کو کم کرنے کی کوششوں، اور اس کے اس الزام کے جسٹس کام کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں کے خلاف بولتا تھا۔ روز ویلٹ کی ڈیموکریٹک پارٹی کی کانگریس کے دونوں ایوانوں میں بڑی اکثریت تھی۔ لیکن ایوان نمائندگان نے روز ویلٹ نے سینیٹ کو آزمایا۔ بل سینیٹ کی عدلیہ کی کمیٹی میں بھیج دیا گیا، جس نے پھر انتہائی متنازعہ اجلاس کئے، اس بل پر مختلف قسم کی آرا وصول کرتے ہوئے۔ انہوں نے بالآخر اسے سینیٹ کے ایوانوں میں واپس بھیج دیا، ایک منفی رپورٹ کے ساتھ، یہ استدلال کرتے ہوئے کہ یہ بل "بلاضرورت، بے فائدہ، اور آئینی اصول سے مکمل طور پر خطرناک انحراف تھا۔۔۔۔ بغیر کسی نظریئے کے یا جواز کے" سینیٹ نے 20 کے مقابلے میں 70 ووٹوں سے اسے دوبارہ لکھے جانے کے لئے کمیٹی کو واپس بھجوا دیا۔ "عدالت کی چھٹی کرانے" کے تمام عناصر اس میں سے نکال دیئے گئے۔ روز ویلٹ اپنے اختیار پر سپریم کورٹ کی طرف ہوئی پابندیوں کو ہٹانے میں ناکام رہا۔ اگرچہ روز ویلٹ کے اختیارات پر پابندیاں لگی رہیں، لیکن مفاہمتیں ہوئیں اور سوشل سیکورٹی اور نیشنل لیبر ریلیشنز ایکٹ، دونوں عدالت کی طرف سے آئینی قرار دیئے گئے۔

ان دونوں ایکٹوں کے انجام سے زیادہ اہم وہ عام سبق ہے جو اس واقعہ سے حاصل

MashalBooks.org

ہوتا ہے۔اشتمالی سیاسی ادارے نہ صرف اشتمالی معاشی اداروں سے بڑے بڑے انحرافات کو روکتے ہیں، بلکہ وہ ان کے اپنے تسلسل کو تباہ کرنے کی کوششوں کی بھی مزاحمت کرتے ہیں۔ یہ چیز ڈیموکریٹک کانگریس اور سینیٹ کے فوری مفاد میں تھی وہ عدالت کی چھٹی کرادیتے اور نیوڈیل پر ہونے والی ساری قانون سازی کو بچالیتے۔لیکن جس طرح برطانوی سیاسی اشراف نے، اٹھارویں صدی کے آغاز میں یہ سمجھ لیا تھا کہ قانون کی حکمرانی کو معطل کرنا ان مفادات کو خطرے میں ڈال دے گا جو انہوں نے بادشاہ سے چھینے تھے، بالکل اسی طرح کانگریس کے ارکان اور سینیٹروں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ اگر صدر عدلیہ کی آزادی کو ختم کرسکتا ہے، تو یہ چیز نظام توازن اقتدار کو ختم کردے گی، جس نے انہیں صدر سے بچایا ہوا تھا، اور تکثیری سیاسی اداروں کی ضمانت دی ہوئی تھی۔

غالباً روز ویلٹ اس کے بعد یہ فیصلہ کرتا کہ قانون سازی میں اکثریتیں حاصل کرنا بہت زیادہ مفاہمتوں اور وقت کا تقاضا کرتا ہے، اور یہ کہ اس کی بجائے وہ حکم کے ذریعے حکومت کرلے گا، تکثیریت اور ریاستہائے متحدہ کے سیاسی نظام کو یکسر تباہ کرتے ہوئے۔ کانگریس یقیناً اس کی منظوری نہ دیتی، لیکن پھر روز ویلٹ قوم سے اپیل کرسکتا تھا۔اس بات پر زور دے کر کہ کانگریس معاشی انحطاط کا مقابلہ کرنے کیلئے ضروری اقدامات کرنے کے راستے میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ کیا یہ چیز دور از کار لگتی ہے؟ یہ ٹھیک وہی چیز ہے جو 1990 کی دہائی میں پیرو اور وینزویلا میں واقع ہوئی۔صدور فیوجی موری (Fujimori) اور شاویز (Chavez) نے اپنے عوام سے جنہوں نے انہیں ووٹ دیا تھا، سے غیر معاون کانگریسیوں کو بند کرنے کی اپیل کی اور بعد میں نئے سرے سے آئین لکھے تاکہ وہ صدر کے اختیارات کو بہت بھاری مضبوطی عطا کرے۔تکثیری سیاسی اداروں کے تحت طاقت میں شراکت داروں کو اسی پھسلن دار ڈھلوان کا یہی خوف تھا، جس نے والپول کو 1720 کی دہائی میں برطانوی عدالتوں کو ''سیدھا کرنے'' سے روکا۔اور یہی وہ خوف ہے جس نے یو ایس کی کانگریس کو روز ویلٹ کی عدالتوں کی چھٹی کرانے کے منصوبے کی حمایت کرنے سے روکا۔ روز ویلٹ نے دائرۃ الخیر کی طاقت سے ٹکر لی تھی۔

لیکن یہ منطق ہمیشہ نہیں چلتی، خاص طور پر ان معاشروں میں جن کے ہوسکتا ہے کچھ اشتمالی پہلو ہوں لیکن جو وسیع طور پر استحصالی ہوتے ہیں۔ہم ان حرکیات کو روم اور وینس میں پہلے ہی دیکھ

چکے ہیں۔ایک دوسری وضاحت ہمیں روز ویلٹ کی عدالت کو چھٹی کرانے کی ناکام کوشش کے ارجنٹینا میں ایسی ہی کوشش کے ساتھ موازنہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے، جہاں بنیادی طور پر، غالب طور پر استحصالی معاشی اور سیاسی اداروں کے تناظر میں ایسی ہی کوششیں کی گئیں۔

ارجنٹینا کے 1853 کے آئین نے ایک سپریم کورٹ تشکیل دی۔جس کے فرائض یو ایس کی سپریم کورٹ کے فرائض سے مشابہ تھے۔1887 کے ایک فیصلے نے ارجنٹائن کی عدالت کو وہی کردار ادا کرنے کی اجازت دی، جو کہ یو ایس کی سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ کرنے میں ادا کیا کہ آیا کوئی مخصوص قوانین آئینی ہیں یا نہیں۔نظریاتی طور پر سپریم کورٹ کو ارجنٹینا میں اشتمالی سیاسی اداروں کے ایک اہم عنصر کے طور پر ترقی کرنا چاہتے تھی، لیکن باقی ماندہ سیاسی اور معاشی نظام انتہا درجے کا استحصالی رہا۔اور ارجنٹینا میں نہ تو معاشرے کے وسیع طبقات کو طاقتور بنایا گیا تھا، نہ ہی وہاں تکثیریت تھی۔جیسا کہ ریاستہائے متحدہ میں ہوا، ارجنٹینا میں بھی سپریم کورٹ کے آئینی کردار کو چیلنج کیا گیا، 1946 میں جوان ڈومنگو پیرون (Juan Dmingo Peron) ارجنٹینا کا جمہوری طریقے سے صدر منتخب ہوا۔ پیرون ایک سابق کرنل تھا، اور 1943 میں ایک فوجی انقلاب کے بعد قومی سطح پر نمایاں ہوا تھا، جس نے اسے محنت کا وزیر مقرر کیا۔اس عہدے پر، اس نے ٹریڈ یونینوں اور محنت کشوں کی تحریک کے ساتھ ایک سیاسی اتحاد بنایا، جو اس کی صدارتی آزمائی کیلئے اہم ہوگا۔

پیرون کی کامیابی کے تھوڑے عرصے بعد ایوان نمائندگان میں اس کے حامیوں نے، عدالت کے پانچ میں سے چار ارکان کے مواخذے کی تجویز پیش کی۔عدالت کے خلاف لگائے جانے والے الزامات کئی تھے۔ان میں سے ایک الزام یہ بھی شامل تھا کہ عدالت نے دو فوجی حکومتوں، 1930 اور 1943 میں، کی قانونی حیثیت کو آئینی طور پر تسلیم کیا تھا۔ جو کہ قدرے ستم ظریفانہ تھا، کیونکہ پیرون نے دوسرے انقلاب میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ دوسرے الزام کا محور وہ قانون سازی تھی جسے عدالت نے مسترد کردیا تھا، بالکل اسی طرح جس طرح اس کے یو ایس کے مثنیٰ نے کیا تھا۔خاص طور پر پیرون کے بطور صدر انتخاب سے فوراً پہلے، عدالت نے ایک فیصلہ صادر کیا تھا، یہ کہتے ہوئے کہ پیرون کا نیا قومی محنت کے تعلقات کا بورڈ غیر آئینی تھا۔ جیسے روز ویلٹ نے 1936 میں اپنی دوبارہ انتخاب کی مہم میں بالکل ویسے ہی کیا۔مواخذے کے عمل کے شروع ہونے کے نو ماہ بعد، ایوان نمائندگان نے ججوں میں سے تین کا مواخذہ کیا، جبکہ چوتھے نے

MashalBooks.org

پہلے ہی استعفیٰ دے دیا تھا، سینیٹ نے تحریک کو منظور کرلیا، پیرون نے پھر چار نئے جسٹسوں کا تقرر کیا۔ عدالت کی تباہی نے واضح طور پر پیرون کو سیاسی پابندیوں سے آزاد کرنے کا اثر لیا۔ اب وہ بلا رکاوٹ طاقت کا استعمال کرسکتا تھا، بڑی حد تک اسی انداز سے، جیسا کہ ارجنٹائن میں فوجی حکومتیں اس کی صدارت سے پہلے اور بعد میں کرتیں تھیں، مثال کے طور پر اس کے نئے تقرر شدہ ججوں نے رکارڈو بالبن (Ricardo Balbin) کے، جو کہ پیرون کی بڑی مخالف پارٹی کا قائد تھا۔ جو کہ انقلابی پارٹی تھی، پیرون کا احترام نہ کرنے پر، اسے مجرم قرار دینے کو آئینی قرار دے دیا، پیرون موثر طریقے سے بطور آمر کے حکومت کرسکتا تھا۔

جب سے پیرون نے عدالت کی کامیابی سے چھٹی کرائی، تو ارجنٹائن میں یہ معمول بن گیا کہ ہر نیا صدر سپریم کورٹ کے اپنے جسٹس خصوصی طور پر خود چنتا تھا۔ لہذا ایک ایسا سیاسی ادارہ جو انتظامیہ کی طاقت پر کچھ پابندیاں لگا سکتا تھا۔ چلا گیا، پیرون کی حکومت 1955 میں ایک انقلاب سے اقتدار سے محروم کردی گئی، اور اس کے بعد فوج اور شہری حکومتوں کی تبدیلیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ نئی فوجی اور شہری حکومتیں اپنے اپنے جسٹس خود چنتی تھیں، لیکن ارجنٹائن میں سپریم کورٹ کے جسٹسوں کو چننے کا عمل فوجی اور شہری حکومت کے درمیان تبدیلیوں تک محدود نہ تھا۔ 1990 میں ارجنٹائن نے حتمی طور پر، جمہوری طور پر منتخب حکومتوں کے درمیان تبدیلیوں کا تجربہ کیا۔ ایک جمہوری حکومت کے بعد دوسری آئی، لیکن اس وقت تک جمہوری حکومتوں نے، سپریم کورٹ کے معاملے میں کوئی زیادہ مختلف طرز عمل کا مظاہرہ نہ کیا۔ آنے والا صدر پرونسٹ پارٹی کا کارلوس ساول مینم (Carlos Savl Menem) تھا۔ موجودہ سپریم کورٹ کا تقرر، 1983 میں جمہوریت کی طرف تبدیلی کے بعد ریڈیکل پارٹی کے صدر راؤل الفانسن (Raul Alfonsin) کی طرف سے کیا گیا، کیونکہ یہ جمہوری تبدیلی تھی، لہذا مینم کے لئے اپنی عدالت کا تقرر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہئے تھی۔ لیکن انتخابات سے فوراً پہلے، مینم نے اپنا رنگ دکھا دیا تھا۔ اس نے مسلسل، اگرچہ کامیابی سے نہیں، عدالت کے ارکان کو استعفیٰ دینے پر آمادہ کیا (بلکہ دھمکایا)۔ مشہور بات ہے کہ اس نے جسٹس کارلوس فائٹ (Justice Carlos Fayt) کو ایک سفارت پیش کی۔ لیکن اسے ڈانٹ پڑی، اور فائٹ نے اسے اپنی کتاب (Law and Ethics) (قانون اور اخلاقیات) کا ایک نسخہ بھیج کر اس کی پیشکش کا جواب دیا، اس نوٹ کے ساتھ ''ہوشیار رہئے، یہ میں نے لکھی ہے''۔

بغیر باز آئے، اپنا منصب سنبھالنے کے تین ماہ کے اندر مینم نے ایوان نمائندگان میں ایک قانون بھیجا، جس میں عدالت کو پانچ سے نو ارکان تک توسیع دینے کی تجویز پیش کی گئی۔ ایک دلیل وہی تھی جو روز ویلٹ نے 1937 میں استعمال کی تھی: عدالت پر کام کا بوجھ زیادہ تھا۔ قانون تیزی سے سینیٹ اور چیمبر سے منظور ہوگیا، اور اس نے مینم کو چار نئے جج نامزد کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے اپنی اکثریت حاصل کرلی۔

مینم کی سپریم کورٹ کے خلاف فتح نے اس تباہ کن حرکیات کو متحرک کردیا جس کا ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا، اس کا اگلا قدم مدت کی حد کو ختم کرنے کے لئے نیا آئین لکھنا تھا، لہذا وہ ایک مرتبہ پھر صدر کا الیکشن لڑنے کے قابل ہوگیا۔ دوبارہ منتخب ہونے کے بعد مینم نے آئین کو دوبارہ لکھنے کی تحریک کی، لیکن اسے ارجنٹائن کے سیاسی اداروں کی طرف سے نہیں، بلکہ اس کی اپنی پیرونسٹ پارٹی کے اندر دھڑوں کی طرف سے روک دیا گیا، جنہوں نے اس کے ذاتی غلبے کو روکنے کے لئے پلٹ کر مقابلہ کیا۔

آزادی سے لے کر اب تک، ارجنٹائن ان بہت سے ادارہ جاتی مسائل کا شکار رہا ہے، جنہوں نے لاطینی امریکا میں تباہی مچائی ہے۔ یہ اس دائرۃ الخیر نہیں بلکہ دائرۃ السوء کے جال میں پھنس گیا ہے۔ نتیجے کے طور پر مثبت ترقیاں، جیسا کہ ایک آزاد سپریم کورٹ کی طرف پہلا قدم کبھی اپنے پاؤں نہ جما سکیں۔ تکثیریت میں، کوئی گروپ کسی دوسرے گروپ کی طاقت کو الٹنے کی خواہش یا جرأت نہیں کرتا، اس خوف سے کہ بعد میں اس کی اپنی طاقت کو چیلنج کردیا جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ طاقت کی وسیع تقسیم ایسی شکست کو مشکل بنا دیتی ہے۔ ایک سپریم کورٹ اس وقت طاقت حاصل کرسکتی ہے، اگر یہ معاشرے کے وسیع طبقات سے اہم حمایت حاصل کرتی ہے، ان طبقات سے جو عدالت کی آزادی کو غیر موثر کرنے کی کوششوں کو روکنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال ریاستہائے متحدہ میں تو تھی، لیکن ارجنٹائن میں نہیں، وہاں کے قانون ساز عدالت کو تباہ کرکے خوش تھے، اگرچہ وہ پہلے سے سمجھ چکے تھے کہ یہ ان کی اپنی حیثیت بھی خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ استحصالی اداروں کی صورت میں، سپریم کورٹ کو شکست دینے سے بہت فائدہ حاصل ہوسکتا ہے، اور اس میں پوشیدہ مفادات اتنے ہوتے ہیں کہ ان کی خاطر خطرات مول لئے جاسکتے ہیں۔

MashalBooks.org

مثبت ردعمل اور نیکی کے دائرے

اشتمالی معاشی اور سیاسی ادارے اپنے آپ پیدا نہیں ہوتے۔ وہ اکثر اوقات، معاشی ترقی اور سیاسی تبدیلی کو روکنے والی اشرافیہ اور ان لوگوں کے درمیان جو موجودہ اشراف کی معاشی اور سیاسی طاقت کو محدود کرنا چاہئے ہیں، اہم کشمکش کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اشتمالی ادارے فیصلہ کن موڑوں کے دوران ظہور پذیر ہوتے ہیں، جیسا کہ انگلستان میں شاندار انقلاب کے دوران یا شمالی امریکہ میں جیمز ٹاؤن کی نوآبادی کی بنیاد سازی کے دوران، جب عوامل کا ایک سلسلہ برسراقتدار اشراف کی گرفت کو کمزور کر دیتا ہے، ان کے مخالفین کو طاقتور بنا دیتا ہے اور تکثیری معاشرے کی تشکیل کے لئے محرکات پیدا کرتا ہے۔ سیاسی کشمکش کا نتیجہ کبھی یقینی نہیں ہوتا، اور اگر ہم پیچھے بھی دیکھیں، تو ہم بہت سے تاریخی واقعات کو ناگزیر دیکھتے ہیں، لیکن تاریخ کا راستہ حادثاتی ہے۔ تاہم اگر ایک دفعہ اشتمالی سیاسی اور معاشی ادارے اپنی جگہ پر آ جائیں، تو یہ ایک دائرۃ الخیر پیدا کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، یعنی مثبت ردعمل کا ایک عمل اس چیز کو زیادہ امکانی بناتے ہوئے کہ یہ ادارے قائم رہیں گے اور بلکہ فروغ پائیں گے۔

نیکی کا دائرہ کئی طریقوں سے کام کرتا ہے۔ اول تکثیری سیاسی اداروں کی منطق، کسی آمر، حکومت کے اندر کسی دھڑے، یا بلکہ ایک اچھی نیت والے صدر کے لئے طاقت کے غصب کرنے کو بہت زیادہ مشکل بنا دیتی ہے، جیسا کہ فرینکلن روزویلٹ پر انکشاف ہوا، جب اس نے اپنے اختیارات پر سپریم کورٹ کی طرف سے لگائی ہوئی رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کی، اور جیسا کہ سر رابرٹ والپول کو معلوم ہوا جب اس نے جلدی سے بلیک ایکٹ کو نافذ کرنے کی کوشش کی۔ ان دونوں مثالوں میں طاقت کا ایک فرد یا ایک محدود گروپ کے ہاتھوں میں ارتکاز، تکثیری سیاسی اداروں کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیتا، اور تکثیریت کا صحیح پیمانہ ٹھیک اسی کوششوں کی مزاحمت کی صلاحیت ہے۔ تکثیریت قانون کی حکمرانی کے تصور کا بھی احاطہ کرتی ہے، یعنی اس اصول کی کہ قوانین کا اطلاق ہر شخص پر یکساں ہونا چاہئے۔ ایک ایسی چیز جو مطلق العنان بادشاہت کے تحت فطری طور پر ناممکن ہے۔ لیکن جوابی طور پر قانون کی حکمرانی کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے، کہ قوانین کا اطلاق محض ایک گروپ کی جانب سے کسی دوسرے گروپ کے حقوق میں تجاوز کے لئے استعمال

نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں، قانون کی حکمرانی اصول سیاسی عمل میں شرکت کا دروازہ کھولتا ہے اور زیادہ اشتمالیت کا بھی، کیونکہ یہ اس تصور کو زوردار طریقے سے متعارف کرواتا ہے کہ لوگوں کو نہ صرف قانون کی نگاہ میں برابر ہونا چاہئے بلکہ سیاسی نظام میں بھی۔ یہی ایک اصول تھا جس نے برطانوی سیاسی نظام کے لئے، پوری انیسویں صدی کے دوران، زیادہ جمہوریت کے پرزور مطالبات کی مزاحمت کرنے کو مشکل بنا دیا، اور اس طرح، تمام بالغوں کے لئے حق رائے دہی کی بتدریج توسیع کا راستہ ہموار کیا۔

دوم، جیسا کہ ہم نے متعدد مرتبہ پہلے دیکھا ہے، کہ اشتمالی سیاسی ادارے اشتمالی معاشی اداروں کی مدد کرتے ہیں اور ان سے مدد کے لئے جاتے ہیں۔ یہ چیز دائرۃ الخیر کا ایک اور میکانیہ تخلیق کرتی ہے۔ اشتمالی معاشی ادارے انتہائی قبیح استحصالی معاشی تعلقات کو ختم کرتے ہیں، جیسا کہ غلامی، کسانوں کی غلامی، اجارہ داری کی اہمیت کو کم کرتے ہیں، اور ایک متحرک معیشت کو جنم دیتے ہیں، جو سب کا سب ان معاشی مفادات کو کم کر دیتا ہے۔ جسے آدمی حاصل کر سکتا ہے، کم از کم بہت تھوڑے عرصے میں، سیاسی طاقت کو غصب کر کے، کیونکہ اٹھارویں صدی تک برطانیہ میں معاشی ادارے پہلے ہی خاصے اشتمالی ہو چکے تھے، لہذا اشراف کے لئے طاقت کے ساتھ چمٹنے میں کم فائدہ تھا، اور درحقیقت ان لوگوں کے خلاف جبر کا وسیع استقبال کر کے جو زیادہ جمہوریت کا تقاضا کر رہے تھے، بہت زیادہ نقصان تھا۔ دائرۃ الخیر کے اس پہلو نے انیسویں صدی کے انگلستان میں جمہوریت کی بتدریج چال کو اشراف کے لئے کم ہولناک اور کامیابی کے امکان کو زیادہ پختہ کر دیا۔ یہ چیز، آسٹرو ہنگرین اور روسی سلطنت جیسی مطلق العنان حکومتوں کی صورت حال سے قابل موازنہ ہے، جہاں معاشی ادارے ابھی تک انتہائی استحصالی تھے، اور اس کے نتیجے میں بعد میں انیسویں صدی میں زیادہ سیاسی اشتمال کے تقاضوں کا مقابلہ جبر سے کیا گیا، کیونکہ اقتدار کی شراکت سے اشراف کو بہت کچھ کھونا پڑتا تھا۔

آخری بات یہ کہ اشتمالی سیاسی ادارے آزاد ذرائع ابلاغ کو پھلنے پھولنے کی اجازت دیتے ہیں، اور آزاد ذرائع ابلاغ اکثر اشتمالی اداروں کی درپیش خطرات کے خلاف مخالفت کے بارے میں اطلاع بھی دیتے ہیں اور اسے متحرک بھی کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے، انیسویں صدی کے آخری ربع اور بیسویں صدی کے پہلے ربع کے دوران کیا، جب ریاستہائے

MashalBooks.org

متحدہ امریکہ میں، لٹیرے نوابوں کا بڑھتا ہوا غلبہ اشتمالی معاشی اداروں کے جوہر کے لئے خطرہ بن رہا تھا۔

اگرچہ دائم موجود کشمکشوں کا نتیجہ اب تک اتفاقی ہے، لیکن ان میکانیوں کے ذریعے دائرۃ الخیر، اشتمالی اداروں کے لئے قائم رہنے کے، چیلنجوں کا مقابلہ کرنے، اور فروغ پانے، کے طاقتور رجحان کو جنم دیتا ہے۔ بدقسمتی سے، جیسا کہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے، استحصالی ادارے اپنے تسلسل کے لئے مساوی طور پر طاقتور طاقتوں کو جنم دیتے ہیں۔ دائرۃ السوء کے عمل کو۔

12

دائرۃ السوء

آپ ٹرین کو اب بو کی طرف اور نہیں لے جا سکتے

سیرالیون کی ساری مغربی افریقی قوم 1896 میں ایک برطانوی نوآبادی بن گئی، دارالحکومت فری ٹاؤن کی بنیاد پر اٹھارویں صدی کے اواخر میں ملک میں واپس آنے والے اور آزاد کردہ غلاموں کے گھر کے طور پر رکھی گئی۔ لیکن جب فری ٹاؤن ایک برطانوی نوآبادی بن گیا، تو اندرون سیرالیون ابھی تک بہت سی چھوٹی افریقی بادشاہتوں پر مشتمل تھا۔ آہستہ آہستہ، انیسویں صدی کے نصف آخر میں برطانویوں نے اندرون ملک اپنے اقتدار کو افریقی حکمرانوں کے ساتھ، معاہدوں کے ایک سلسلے کے ذریعے توسیع دی۔ 31 اگست 1896 کو برطانوی حکومت نے، ان معاہدوں کی بنیاد پر اس نوآبادی کو زیر تحفظ ملک کا درجہ دے دیا۔ برطانویوں نے اہم حکمرانوں کو شناخت کیا، اور انہیں ایک نیا خطاب حاکم اعلیٰ دیا۔ مثال کے طور پر مشرقی سیرالیون میں، کونو کے جدید ہیرے کی کانوں والے ضلع میں، ان کا آمنا سامنا سولوکو سے ہوا، جو ایک طاقت ور جنگجو بادشاہ تھا۔ بادشاہ سولوکو کو حاکم اعلیٰ سولوکو بنا دیا گیا، اور پروٹیکٹوریٹ میں سینڈ ور کی سردار کی عملداری کے ایک انتظامی اکائی کے طور پر تخلیق کیا گیا۔

اگرچہ سولوکو جیسے بادشاہوں نے ایک برطانوی منتظم کے ساتھ معاہدوں پر دستخط تو کر دیئے، لیکن ان کو اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ ان معاہدوں کی تعبیر، ایک نوآبادی قائم کرنے کے کلی اختیار کے طور پر کی جائے گی۔ جب برطانویوں نے ایک جھونپڑی ٹیکس لگانے کی کوشش کی۔

MashalBooks.org

پانچ شلنگ کا ایک ٹیکس جو ہر گھر سے وصول کیا جاتا تھا۔ جنوری 1898 میں سردار ایک خانہ جنگی کی شکل میں کھڑے ہو گئے، جسے جھونپڑی ٹیکس کی بغاوت کا نام دیا گیا۔ یہ شمال میں شروع ہوئی لیکن یہ جنوب میں شدید ترین تھی اور زیادہ دیر تک قائم رہی، خاص طور پر منڈی لینڈ میں، جس پر مینڈی کا نسلی گروہ حاوی تھا۔ جھونپڑی ٹیکس کی بغاوت جلد ہی شکست کھا گئی، لیکن اس نے برطانویوں کو، سیرالونین مضافاتی علاقوں کو کنٹرول کرنے کے چیلنجوں سے متنبہ کر دیا۔ برطانویوں نے پہلے ہی فری ٹاؤن سے ملک کے اندروں تک ایک ریلوے کی تعمیر شروع کر دی تھی، کام مارچ 1896 میں شروع ہوا، اور لائن دسمبر 1898 میں سانگو ٹاؤن پہنچ گئی، جھونپڑی ٹیکس بغاوت کے عین درمیان میں، 1904 سے بعد کی برطانوی پارلیمانی دستاویزات نے یہ ریکارڈ کیا کہ:

''سیرالیون ریلویز کے معاملے میں وہ مقامی بغاوت جو فروری 1889 میں پھوٹی، کا کچھ عرصے تک کاموں کو مکمل طور پر روکنے اور عملے کے غیر منظم کرنے کا اثر تھا۔ باغی ریلوے پر پل پڑے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عملے کو فری ٹاؤن واپس جانا پڑا۔۔۔۔ روئی خنک، جواب ریلوے پر فری ٹاؤن سے پچپنویں میل پر واقع ہے، اس وقت مکمل طور پر باغیوں کے قبضے میں تھا۔

درحقیقت، روئی خنک 1894 میں ریلوے کی منصوبہ بند لائین پر نہیں تھا۔ اس راستے کو بغاوت کے آغاز کے بعد تبدیل کر دیا گیا تھا، اس طرح کہ بجائے شمال مشرق میں جانے کے یہ جنوب کی طرف روئی خنک کے راستے بو کی طرف مینڈی لینڈ کے اندر چلا گیا، برطانوی منڈی لینڈ تک، جو کہ بغاوت کر گڑھ تھا، اور مضافات کے دوسرے مضبوط انتشار انگیز حصوں تک تا کہ کوئی اور بغاوت تیزی سے آگے نہ بڑھے۔

جب 1961 میں سیرالیون آزاد ہوا، تو برطانویوں نے اقتدار سر ملٹن مارگائی (Sir Milton Margai) اور اس کی سیرالیون پیپلز پارٹی (ایس ایل پی پی) کو سونپ دیا، جس نے بنیادی طور پر جنوب میں خاص طور پر مینڈی لینڈ اور مشرق میں حمایت حاصل کر لی۔ سر ملٹن کے بعد اس کا بھائی سر البرٹ مارگائی 1964 میں وزیر اعظم بنا۔ 1967 میں، ایس ایل پی پی نے ایک کانٹے دار الیکشن حزب مخالف کے ہاتھوں ہار دیا، آل پیپلز کانگریس (اے پی سی) کے ہاتھوں، جس کی قیادت سیا کا سٹیونز کر رہا تھا۔ سٹیونز شمال سے تعلق رکھنے والا لمبا تھا، اور اپنے پی سی نے اپنی زیادہ تر حمایت شمالی لسانی گروہوں، لیمبا، ٹیمنے اور لوکو سے حاصل کی۔

اگرچہ جنوب کی طرف ریلوے کا منصوبہ بنیادی طور پر سیرالیون پر حکومت کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا، لیکن 1967 تک اس کا کردار معاشی ہو گیا، جو ملک کی زیادہ تر برآمدات کی نقل و حرکت کا کام دے رہا تھا؛ کافی، کوکو اور ہیروں کی۔ وہ کسان جو کافی اور کوکو پیدا کرتے تھے، مینڈی تھے۔ اور ریلوے دنیا کیلئے مینڈی لینڈ کی کھڑکی تھی۔ مینڈی لینڈ نے 1967 کے الیکشن میں البرٹ مارگائی کو بہت بھاری ووٹ دیئے تھے۔ سٹیونز اقتدار پر اپنی گرفت قائم رکھنے میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا، بہ نسبت مینڈی لینڈ کی برآمدات کو بڑھاوا دینے کے ان کا استدلال بڑا سادہ تھا: جو کچھ بھی مینڈی کیلئے اچھا تھا، وہ ایس ایل پی پی کیلئے اچھا تھا، اور سٹیونز کے لئے برا تھا۔ لہذا اس نے مینڈی لینڈ کو جانے والی ریلوے لائین کو اکھاڑ دیا۔ پھر وہ اس سے آگے بڑھا اور اس نے ریلوے کی پٹری اور انجن ڈبے وغیرہ بیچ ڈالے تا کہ وہ اس تبدیلی کو اس حد تک ناقابل تنسیخ بنا دے جس حد تک ممکن ہو۔ اب جب آپ فری ٹاؤن سے باہر نکل کر مشرق کی طرف گاڑی چلاتے ہیں، تو آپ ہیسٹنگز اور واٹرلو کے خستہ حال ریلوے سٹیشنوں کے پاس سے گزرتے ہیں، اب بو کی طرف جانے والی کوئی گاریاں نہیں ہیں۔ بلاشبہ سٹیونز کے اقدام نے سیرالیون کی معیشت کے بعض انتہائی ترقی یافتہ شعبوں کو تباہ کن حد تک نقصان پہنچایا۔ لیک افریقہ کے بہت سے بعد از آزادی کے رہنماؤں کی طرح، جب اقتدار کو مستحکم کرنے اور معاشی ترقی کی حوصلہ افزائی کرنے کے درمیان چناؤ کرنے کا موقع آیا، تو سٹیونز نے اقتدار کو مضبوط کرنے کا راستہ چنا، اور اس نے کبھی مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا۔ آج آپ بو کی طرف جانے والی گاڑی کو نہیں پکڑ سکتے، کیونکہ زار نکولس کی طرح، جو اس بات سے خوفزدہ تھا کہ ریلوے روس میں انقلاب لے آئے گی، سٹیونز بھی یہ یقین رکھتا تھا کہ وہ اس کے مخالفین کو مضبوط کرے گی۔ استحصالی اداروں کو کنٹرول کرنے والے دیگر بہت سے حکمرانوں کی مانند، وہ اپنی سیاسی طاقت کو درپیش چیلنجوں سے خوفزدہ تھا، اور ان چیلنجوں کو ناکام بنانے کے لئے معاشی ترقی کو قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔

پہلی نظر میں سٹیونز کی حکمت عملی برطانویوں کی عملی سے متضاد نظر آتی ہے۔ لیکن درحقیقت، برطانویوں کے راج اور سٹیونز کی حکومت کے درمیان بہت سا اہم تسلسل نظر آتا ہے جو بدی کے دائروں کی منطق کی وضاحت کرتا ہے، سٹیونز نے بھی وہی طریقے استعمال کر کے سیرالیون کے لوگوں کے وسائل کا استحصال کر کے ان پر حکومت کی۔ وہ 1985 تک بھی ابھی تک اقتدار میں تھا،

MashalBooks.org

اس وجہ سے نہیں کہ اسے اس کی مقبولیت کی وجہ سے دوبارہ منتخب کیا گیا تھا، بلکہ اس لئے کہ 1967 کے بعد اس نے ایک پرتشدد آمریت قائم کرلی تھی۔ جس نے اس کے مخالفین کو ہراساں اور قتل کرنا شروع کردیا، خاص طور پر ایس ایل پی پی کے ارکان کو۔ اس نے 1971 میں اپنے آپ کو صدر بنالیا، اور 1978 کے بعد سیرالیون میں صرف ایک سیاسی جماعت تھی، سٹیونز کی اے پی سی۔ اس طرح سٹیونز نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرلیا، اگرچہ اس کی قیمت مضافاتی علاقوں کے بہت بڑے حصوں کو غریب بنانا تھی۔

سامراجی دور میں، برطانوی نے سیرالیون پر حکومت کرنے کے لئے بالواسطہ حکومت کا نظام اختیار کیا، جیسا کہ انہوں نے اپنی بہت سی افریقی نوآبادیوں میں اختیار کیا تھا۔ اس نظام میں بنیاد کے طور پر پیراماونٹ چیفس (حاکمان اعلیٰ) تھے، جو ٹیکس اکٹھا کرتے تھے، انصاف مہیا کرتے تھے، اور نظم وضبط قائم رکھتے تھے۔

سامراجی دور میں، برطانوی نے سیرالیون پر حکومت کرنے کے لئے بالواسطہ حکومت کا نظام اختیار کیا، جیسا کہ انہوں نے اپنی بہت سی افریقی نوآبادیوں میں اختیار کیا تھا۔ اس نظام بنیاد کے طور پر پیراماؤنٹ چیفس (حاکمان اعلیٰ) تھے، جو ٹیکس اکٹھا کرتے تھے، انصاف مہیا کرتے تھے، اور نظم وضبط قاءم رکھتے تھے۔

برطانویوں نے کوکوا اور کافی کے کسانوں کے ساتھ ایسے نمٹا کہ انہیں الگ تھلگ نہیں کیا، بلکہ انہیں اپنی تمام پیداوار کو ایک فروخت کنندہ بورڈ کے ہاتھ بیچنے پر مجبور کیا، جو نوآبادیاتی دفتر کی طرف سے قائم کیا گیا، جس کا مطلب بظاہر کسانوں کی مدد کرنا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ زرعی اجناس کی قیمتیں بہت زیادہ گھٹتی بڑھتی رہتی تھیں۔ کوکو کی قیمتیں ایک سال زیادہ ہوتی تھیں لیکن دوسرے سال کم ہوجاتی تھیں، کسانوں کی آمدنیاں باری باری سے گھٹتی بڑھتی رہتی تھیں۔ فروخت کنندہ بورڈوں کا جواز یہ تھا کہ اتار چڑھاؤ کو کسان نہیں بلکہ وہ بورڈ جذب کریں گے، جب عالمی بھاؤ زیادہ ہوتے تو بورڈ سیرالیون میں کسانوں کو عالمی بھاؤ سے کم دیتا، لیکن جب عالمی بھاؤ کم ہوتے تو وہ اس کے برعکس کرتے۔ یہ اصولاً ایک اچھا تصور لگتا تھا، تاہم اس کی حقیقت بہت مختلف تھی، سیرالیون کی پیداوار کی فروخت کا بورڈ 1949 میں قائم ہوا۔ بلاشبہ بورڈ کو کام کرنے کیلئے محصولات کے ایک ذریعے کی ضرورت تھی۔ ان کو حاصل کرنے کا فطری طریقہ یہی تھا کہ کسانوں

کو ان قیمتوں سے قدرے کم ادائیگی کی جائے جو انہوں نے اچھے یا برے سالوں میں وصول کی ہوں۔ ان محصولات کو پھر بالائی اخراجات اور انتظام وانصرام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ جلد ہی یہ تھوڑا سا کم بہت سا کم ہوگیا سامراجی ریاست مارکیٹنگ بورڈ کو، کسانوں پر بھاری ٹیکس لگانے کے لئے استعمال کررہا تھا۔

بہت سے لوگوں کو یہ توقع تھی کہ آزادی کے بعد زیریں صحارائی افریقہ میں سامراجی حکومت کے بدترین معمولات، اور مارکیٹنگ بورڈوں کا کسانوں پر حد سے زیادہ ٹیکس لگانے کے لئے استعمال اپنے اختتام کو پہنچ جائیں گے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی چیز واقع نہ ہوئی، درحقیقت مارکیٹنگ بورڈوں کو کسانوں کا استحصال کرنے کے لئے استعمال خراب ہوگیا، 1960 کی دہائی کے وسط تک پالم کے مغز کے کاشتکار عالمی قیمتوں کا 56 فیصد، مارکیٹنگ بورڈ (فروخت کنندہ بورڈ) سے وصول کررہے تھے؛ کوکو کے کسان 48 فیصد؛ اور کافی کے کسان 49 فیصد وصول کررہے تھے۔ اس وقت تک جب سٹیونز نے 1985 میں اقتدار چھوڑا۔ استعفیٰ دیتے ہوئے تاکہ وہ اپنے خصوصی طور پر منتخب شدہ جانشین جوزف مومو (Joseph Momoh) کو صدر بننے کی اجازت دے سکے۔ تو یہ اعداد بالترتیب 19,37 اور 27 فیصد تھے۔ یہ رقوم چاہئے کتنی ہی تکلیف دہ محسوس ہوں، لیکن یہ ان سے بہتر تھیں، جو کچھ کسان سٹیونز کے دور میں حاصل کررہے تھے، جو اکثر اوقات اتنی کم ہوتی تھیں جتنا کہ 10 فیصد۔ یعنی کسانوں کی 90 فیصد آمدنی سٹیونز کی حکومت کی طرف سے غصب کرلی جاتی تھی، اور وہ بھی کسی قسم کی عوامی خدمات مہیا کرنے کے لئے نہیں، جیسا کہ سڑکیں اور تعلیم، بلکہ اپنے آپ یاران خاص کو دولتمند بنانے اور سیاسی حمایت خریدنے کیلئے۔

اپنی بالواسطہ حکومت کے ایک حصے کے طور پر، برطانویوں نے یہ شرط بھی لگادی تھی، کہ پیراماؤنٹ چیف (حاکم اعلیٰ) کا عہدہ زندگی بھر کے لئے ہوگا۔ ایک حاکم بننے کا اہل ہونے کے لئے آدمی کو کسی تسلیم شدہ، ''حکمران گھر'' کا فرد ہونا ضروری تھا۔ ایک عملداری میں حکمران گھرانوں کی شناخت، وقت کے ساتھ ساتھ ارتقاپذیر ہوئی، لیکن یہ لازمی طور پر کسی خاص علاقے میں بادشاہوں کے شجرہ نسب پر اور ان اشراف خاندانوں پر مبنی تھی، جنہوں نے انیسویں صدی کے اواخر برطانویوں کے ساتھ معاہدوں پر دستخط کئے تھے۔ سرداروں کا انتخاب ہونا تھا لیکن جمہوری طریقے پر نہیں۔ ایک ادارہ جسے قبائلی اتھارٹی کہا جاتا تھا، جس کے ارکان کم تر درجے کے گاؤں

MashalBooks.org

کے سردار ہوتے تھے۔ یا جنہیں پیراماونٹ چیفس کی طرف سے منتخب کیا جاتا تھا، گاؤں کے سردار، یا برطانوی حکام یہ فیصلہ کرتے تھے کہ کون پیراماؤنٹ چیف بنے گا۔ آدمی تصور کرتا ہے کہ یہ سامراجی ادارہ بھی، آزادی کے بعد ختم ہو گیا ہو گا یا کم از کم اس کی اصلاح ہو گئی ہو گی، لیکن مارکیٹنگ بورڈ کی طرح، یہ بھی ختم نہیں ہوا اور غیر مبدل چل رہا ہے۔ آج بھی پیراماونٹ چیفس ٹیکس اکٹھا کرنے کے انچارج ہیں، اب یہ جھونپڑی کا ٹیکس نہیں ہے، بلکہ اس کا قریبی خلف پول ٹیکس (ہر بالغ فرد پر عائد ہونے والا ٹیکس) ہے۔ 2005 میں سینڈور میں ٹرائیل اتھارٹی نے ایک نیا پیراماؤنٹ چیف منتخب کرلیا۔ صرف فاسولوکو کے حکمران گھر کے امیدوار ہی، جو کہ واحد حکمران گھر ہے، امیدوار کھڑے ہوسکتے تھے۔ کامیاب امیدوار شیکو فاسولوکو تھا، جو بادشاہ سولوکو کا پڑپوتا ہے۔

مارکیٹنگ بورڈوں کا رویہ اور زمین کی ملکیت کے روایتی طریقے اس بات کی وضاحت کرنے میں کافی رہنمائی کرتے ہیں کہ سیرالیون اور زیریں صحارائی افریقہ کے بہت بڑے حصے میں زرعی پیداواریت اتنی کم کیوں ہے۔ سیاسی سائنسدان رابرٹ بیٹس (Robert Bates) 1980 کی دہائی میں یہ سمجھنے کے لئے روانہ ہوا کہ افریقہ میں زرعی پیداواریت اتنی غیر پیداواری کیوں ہے اگرچہ نصابی کتابوں کی معاشیات کے مطابق یہ انتہائی متحرک معاشی شعبہ ہونا چاہئے تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ اس چیز کا جغرافیے یا اس قسم کے عوامل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جن پر باب دوم میں بحث کی گئی، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ زرعی پیداواریت اندرونی وجوہات کی وجہ سے کم ہے۔ بلکہ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ مارکیٹنگ بورڈوں کی قیمتیں مقرر کرنے کی پالیسیاں کسانوں سے یہ محرکات چھین لیتی ہیں کہ وہ سرمایہ کاری کریں، کھادوں کا استعمال کریں یا زمین کو محفوظ کریں۔

اس بات کی وجہ، کہ مارکیٹنگ بورڈوں کی پالیسیاں دیہی مفادات کے اتنا خلاف تھیں، یہ تھی کہ ان مفادات کے پیچھے کوئی سیاسی طاقت نہیں تھی۔ ان قیمتیں مقرر کرنے کی پالیسیوں کا اثر دوسرے بنیادی عوامل پر ہوا، جنہوں نے مدت کو غیر محفوظ بنا دیا، اور سرمایہ کاری کے محرکات کو مزید تباہ کر دیا۔ سیرالیون میں، پیراماؤنٹ چیفس نہ صرف نظم وضبط مہیا کرتے ہیں، اور عدالتی خدمات مہیا کرتے ہیں، اور ٹیکس وصول کرتے ہیں، بلکہ وہ ''زمین کے محافظ بھی ہیں''۔ اگرچہ خاندانوں، قبیلوں اور حکمرانوں خاندانوں کو استعمال کرنے کے حقوق حاصل ہیں، اور زمین پر روایتی حقوق حاصل ہیں؛ لیکن آخرکار سرداروں کو اس بات کا صرف حق حاصل ہے کہ کون کہاں کھیتی باڑی

کرے گا، آپ کے زمین پر حقوق ملکیت صرف اسی وقت محفوظ ہیں اگر آپ سردار سے منسلک ہیں، اور غالباً اگر آپ اسی حکمران خاندان سے ہیں، زمین نہ تو بیچی جاسکتی ہے نہ خریدی جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی قرض کیلئے ضمانت کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہے، اور اگر آپ سرداری کے حلقے سے باہر پیدا ہوتے ہیں، تو آپ کوئی سدابہار فصل جیسا کہ کافی کو کوا یا پام نہیں لگا سکتے، مبادا کہ یہ آپ کو فی الواقعہ حقوق ملکیت دے دے۔

وہ فرق، جو سیرالیون میں برطانویوں سے تشکیل شدہ استحصالی اداروں، اور ان اشتمالی کے درمیان تھا، جو دوسری نوآبادیوں جیسا کہ آسٹریلیا میں پروان چڑھے، اس طریقے سے ظاہر ہوتا ہے، جس طریقے سے معدنی وسائل کا انتظام کیا گیا، جنوری 1930 میں مشرقی سیرالیون میں کونو میں، ہیرے دریافت ہوئے۔ ہیرے سیلابی مٹی میں پائے جاتے تھے، یعنی کانوں میں گہرائی میں نہیں تھے، لہذا انہوں نے کانوں سے نکالنے کا ابتدائی طریقہ دریاؤں کی ریت کو دھونے کا تھا، بعض سماجی سائنسدان انہیں، جمہوری ہیرے'' کہتے ہیں، کیونکہ یہ بہت سے لوگوں کو کان کنی میں شرکت کا موقع دیتے ہیں، اور اس طرح بنیادی طور پر اشتمالی مواقع پیدا کرتے ہیں۔ لیکن سیرالیون میں ایسا نہیں ہوا۔ پرمسرت طریقے سے ہیروں کو زمین سے نکالنے کی فطری طور پر جمہوری نوعیت کو نظر انداز کرتے ہوئے، برطانوی حکومت نے، پوری پروٹیکٹوریٹ (زیر تحفظ ریاست سیرالیون) کے لئے ایک اجارہ داری، سیرالیون سیلیکشن ٹرسٹ قائم کردی اور اسے ڈی بیرز (De Beers) کے حوالے کردیا، جو کہ جنوبی افریقہ کی بہت بڑی کمپنی تھی۔ اسے ہیروں کی حفاظت کی جمعیت قائم کرنے کا حق بھی دے دیا گیا، جو کہ ایک نجی فوج تھی جو سیرالیون میں سامراجی حکومت سے بھی بڑی ہوجاتی تھی۔ اس کے باوجود بھی سیلابی مٹی میں پائے جانے والے ہیروں کی بکثرت دستیابی نے پولیس کے لئے بھی صورت حال مشکل بنادی، 1950 کی دہائی میں ڈائمنڈ پروٹیکشن فورس، غیر قانونی ہیروں کے ہزاروں کان کنوں سے مغلوب ہوگئی، جو کہ کشمکش اور انتشار کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا۔ 1955 میں برطانوی حکومت نے بعض ہیروں کے میدانوں کو سیرالیون سیلیکشن ٹرسٹ سے باہر کے لائسنس یافتہ کان کنوں کے لئے کھلا کردیا۔ اگرچہ کمپنی کے پاس ابھی تک ینگیما، کوئڈو اور ٹونگو کے زرخیز ترین ذخائر تھے۔ آزادی کے بعد معاملات اور بھی خراب ہوگئے۔ 1970 میں سیا کاسٹیونز نے موثر طور پر سیرالیون سیلیکشن ٹرسٹ کو قومیالیا اور نیشنل

MashalBooks.org

ڈائمنڈ مائننگ کمپنی (سیرالیون) لمیٹڈ تشکیل دے دی، جس میں حکومت کا، جس کا درحقیقت مطلب سٹیونز تھا، 51 فیصد حصہ تھا۔ یہ سٹیونز کے، ملک میں ہیروں کی کان کنی کو اپنی تحویل میں لینے کے منصوبے کا ابتدائی مرحلہ تھا۔

انیسویں صدی 1851 میں، نیوساؤتھ ویلز، آسٹریلیا میں اور نئی تشکیل شدہ ریاست وکٹوریا میں، ہیرے نہیں بلکہ سونا دریافت ہوا، جس نے ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔ سیرالیون میں ہیروں کی طرح، یہ سونا بھی سیلابی مٹی میں پایا جانے والا تھا، اور یہ فیصلہ ابھی کیا جانا تھا کہ اسے کیسے نکالا جائے۔ کچھ لوگوں جیسا کہ جان میکارتھر کے بیٹے، جیمز میکارتھر نے، جو کہ ناجائز قابضین کا رہنما تھا، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، یہ تجویز پیش کی کہ کان کنی کے علاقوں کے اردگرد باڑیں لگائی جائیں، اور اجارہ داری کے حقوق کی نیلامی کی جائے۔ وہ سیرالیون سلیکشن ٹرسٹ کی آسٹریلوی نقل چاہتے تھے۔ لیکن آسٹریلیا میں بہت سے لوگ سونے کی کانوں کے علاقے تک آزادانہ رسائی چاہتے تھے۔ اشتمالی نمونہ کامیاب ہو گیا اور بجائے اجارہ داری قائم کرنے کے، آسٹریلوی حکام نے کسی بھی شخص کو، جو سالانہ لائسنس فیس ادا کردے، سونے کو کھودنے اور اس کی تلاش کرنے کی اجازت دے دی۔ جلد ہی یہ کھدائی کرنے والے، آسٹریلوی سیاست میں خصوصاً وکٹوریہ میں ایک مضبوط قوت بن گئے۔ انہوں نے عمومی حق رائے دہی اور خفیہ رائے شماری کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ہم نے افریقہ یورپی توسیع اور سامراجی حکومت کے دو تباہ کن اثرات پہلے ہی دیکھے ہیں: بحراوقیانوس کے آر پار غلاموں کی تجارت کو متعارف کروانا، جس نے افریقی سیاسی اور معاشی اداروں کے ارتقا کو استحصالی رخ کو پر موڑ دیا، اور افریقی تاجرانہ زراعت کی ترقی جو یورپیوں کا مقابلہ کرسکتی تھی، ختم کرنے کے لئے سامراجی قانون سازی اور اداروں کا استعمال غلامی، سیرالیوں میں یقیناً ایک قوت تھی۔ نوآبادیات سازی کے وقت، اندرون ملک میں کوئی مرکزگیر مضبوط ریاست نہ تھی، صرف بہت سی چھوٹی چھوٹی، باہمی طور پر مخالفت آمیز بادشاہیاں تھیں، جو مسلسل ایک دوسرے پر حملے کرتی اور ایک دوسرے کے مردوں اور عورتوں کو پکڑتی رہتی تھیں، غلامی اس خطے سے مخصوص تھی، اور ممکنہ طور پر 50 فیصد آبادی غلاموں کے طور پر کام کرتی تھی، بیماری کے ماحول کا مطلب تھا کہ سیرالیون میں بڑے پیمانے پر گوروں کی آبادکاری ممکن نہ تھی، جیسا کہ جنوبی

افریقہ میں تھا۔ لہٰذا افریقیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے والے کوئی گورے نہ تھے۔ مزید برآں، جوہانسبرگ کی سطح کی کان کنی کی معیشت کے فقدان، کا مطلب تھا، کہ گوروں کے فارموں پر افریقی مزدوروں کی طلب کی کمی تھی اور اس کے علاوہ ایسا کوئی متحرک موجود نہیں تھا، جو نسلی امتیاز والے جنوبی افریقہ جیسی خصوصیت والی استحصالی مزدوروں کی مارکیٹ پیدا کرتا۔

لیکن دوسرے میکانئے بھی روبہ عمل تھے۔ سیرالیون کے کوکوا اور کافی کے کسان گوروں کا مقابلہ نہیں کرتے تھے، اگرچہ ان کی آمدنیاں ایک حکومتی اجارہ داری، مارکیٹنگ بورڈوں کے ذریعے غصب کر لی جاتی تھی۔ سیرالیون بالواسطہ حکومت کا بھی شکار تھا، افریقہ کے بہت سے حصوں میں، جہاں برطانوی حکام بالواسطہ حکومت کو استعمال کرنا چاہتے تھے، وہ ایسی اقوام کو تلاش کرتے تھے جن کے ہاں کوئی مرکزی حاکمیت کا نظام نہیں ہوتا تھا، جن پر غلبہ حاصل کیا جاسکتا تھا، مثال کے طور پر مشرقی نائیجیریا میں، جب برطانویوں کا انیسویں صدی میں ان سے آمنا سامنا ہوا، اگبو اقوام کے ہاں کوئی سردار نہیں تھے۔ پھر برطانویوں نے سردار پیدا کئے۔ وارنٹ چیفس (مختار سردار) سیرالیون میں، برطانویوں نے، موجودہ مقامی اداروں اور حاکمیت کے نظاموں پر بالواسطہ حکومت کی بنیاد رکھی۔

بہرحال، ان افراد کی جنہیں 1896 میں پیراماؤنٹ چیف کے طور پر پہنچایا گیا، تاریخی بنیاد سے قطع نظر، بالواسطہ حکومت اور وہ اختیارات جو اس نے پیراماونٹ چفس کو تفویض کئے، نے سیرالیون کی اپنے وقت کی سیاست کو کلی طور پر تبدیل کر دیا۔ ایک بات یہ کہ اس نے سماجی طبقہ بندی کے نظام کو متعارف کروایا۔ حکمران گھرانوں کو۔ جبکہ اس سے پہلے اس قسم کی کوئی چیز وجود نہیں رکھتی تھی، ایک ایسی صورت حال کی جگہ جو بہت زیادہ تغیر پذیر تھی، اور جہاں سرداروں کی عوامی حمایت کی ضرورت پڑتی تھی، ایک موروثی افسرشاہی آگئی۔ اس کی بجائے جو کچھ ابھرا وہ جامد نظام تھا، جہاں سردار پوری زندگی تک منصب سنبھالتے تھے، جوفری ٹاؤن یا برطانیہ میں اپنے سرپرستوں کے ممنون احسان ہوتے تھے، اور ان لوگوں کے آگے جن پر وہ حکومت کرتے تھے، بہت کم جواب دہ ہوتے تھے۔ برطانوی اداروں کو ایک اور طریقے سے اکھاڑ پھینکنے پر بھی خوش تھے۔ مثال کے طور پر جائز سرداروں کی جگہ ان لوگوں کو لانے پر جو ان کے ساتھ زیادہ تعاون کرنے والے تھے۔ بلاشبہ وہ مارگئی خاندان، جس نے آزاد سیرالیون کو پہلے دو وزیراعظم مہیا کئے، لوئر بنٹا عملداری میں، حکمران سردار

MashalBooks.org

نیاما کے خلاف جھونپڑی ٹیکس بغاوت میں انگریزوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے اقتدار میں آیا۔ نیاما کا تختہ الٹا گیا اور مارگائی سردار بن گئے اور انہوں نے یہ منصب 2010 تک سنبھالے رکھا۔

جو چیز قابل ذکر ہے، وہ سامراجی اور آزاد سیرالیون کے درمیان تسلسل کی وسعت ہے، برطانویوں نے مارکیٹنگ بورڈ تخلیق کئے اور کسانوں پر ٹیکس لگانے کے لئے انہیں استعمال کیا۔ بعد از سامراج کی حکومتوں نے بالکل یہی کیا، بلکہ مزید زیادہ شرحوں کے ساتھ استحصال کیا، برطانویوں نے پیراماونٹ چیفس کے ذریعے بالواسطہ حکومت کا نظام تخلیق کیا۔ ان حکومتوں نے جو آزادی کے بعد آئین اس سامراجی ادارے کو مسترد نہٰں؛ بلکہ انہوں نے اسے دیہاتوں پر حکومت کرنے کیلئے بھی اسے استعمال کیا، برطانویوں نے ہیروں پر اجارہ داری قائم کی اور افریقی کان کنوں کو باہر رکھنے کی کوشش کی۔ بعد از آزادی کی حکومتوں نے بھی یہی کیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ برطانویوں نے یہ سوچا کہ ریلوے کی تعمیر مینڈی لینڈ پر حکومت کرنے کا اچھا طریقہ تھا، جبکہ سیاکا سٹیونز نے اس کے برعکس سوچا۔ برطانوی اپنی فوج پر اعتماد کر سکتے تھے، اور جانتے تھے کہ اگر بغاوت ہوئی تو اسے مینڈی لینڈ بھیجا جا سکتا تھا۔ دوسری طرف سٹیونز ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ جیسا کہ دوسری بہت سی افریقی اقوام میں تھا۔ ایک مضبوط فوج سٹیونز کی حکومت کے لئے خطرہ بن سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے فوج کو کمزور کیا، اس کے حجم کو ختم کرتے ہوئے اور تشدد کو، خصوصی طور پر تشکیل شدہ نیم فوجی یونٹوں کے ذریعے جو صرف اسی کے وفادار تھے، نجی بنا دیا، اور اس عمل میں اس نے، سیرالیون میں موجود تھوڑی بہت ریاستی حاکمیت کے زوال کو تیز کر دیا، فوج کی بجائے پہلے داخلی سلامتی یونٹ (انٹرنل سیکورٹی یونٹ) آئی یونی آئی ایس یو، جسے سیرالیون کیر صے سے مصائب کا شکار عوام I Shoot u (میں تمہیں گولی مارتا ہوں) کے نام سے پہچانتے تھے۔ پھر سپیشل سیکورٹی ڈویژن (Special Security Division) آئی، جسے لوگ (Siak Stevens's Dogs) ''سیاکا سٹیونز کے کتے'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔ آخر کار، حکومت کی مدد کرنے والی فوج کی عدم موجودگی ہی اس کا خاتمہ ثابت ہونے والی تھی۔ یہ صرف تیس سپاہیوں کا ایک گروپ تھا، جس کی سربراہی کیپٹن ویلنٹائن سٹراسر (Captain Valentne Strasser) کر رہا تھا، جس نے 29 اپریل 1992 کو اے پی سی کی حکومت کو اقتدار سے اکھاڑ پھینکا۔

سیرالیون کی ترقی، یا اس کی کمی کو، بدی کے دائرے کے نتیجے کے طور پر، بہتر طور پر سمجھا جا

سکتا ہے۔ برطانوی حکام نے سامراجی استحصالی ادارے پہلی مرتبہ قائم کئے، اور بعد از آزادی کے افریقی رہنما، اس ڈنڈے کو خود سنبھالنے میں بہت خوش تھے۔ نمونہ پورے زیریں صحارائی افریقہ میں پر اسرار طور پر یکساں تھا۔ گھانا، کینیا، زیمبیا اور دوسرے بہت سے افریقی ممالک کے لئے آزادی کے بعد ایسی ہی امیدیں تھیں، لیکن ان تمام مثالوں میں، استحصالی اداروں کو دوبارہ ایک ایسے نمونے پر زندہ کیا گیا، جس کی پیش گوئی بد کے دائرے سے کی گئی تھی، صرف یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ مزید برے ہو گئے تھے۔ مثال کے طور پر، ان تمام ممالک میں مارکیٹنگ بورڈوں کی برطانوی تخلیق اور بالواسطہ حکومت قائم رہیں۔

اس بدی کے دائرے کی فطری وجوہات ہیں۔ استحصالی سیاسی ادارے استحصالی معاشی اداروں پر منتج ہوتے ہیں، جو کہ زیادہ لوگوں کی قیمت پر چند کو مالا مال کرتے ہیں، لہذا ان لوگوں کے پاس جو ان استحصالی اداروں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ایسے وسائل ہوتے ہیں کہ وہ اپنی (نجی) فوجیں بناتے ہیں۔ اور کرایے کے سپاہی حاصل کرتے ہیں، اپنے ججوں کو خریدتے ہیں اور اپنے انتخابات میں دھاندلی کرواتے ہیں تاکہ وہ حکومت میں رہیں۔ انہیں اس نظام کا دفاع کرنے میں ہر قسم کی دلچسپی ہوتی ہے، لہذا استحصالی معاشی ادارے، استحصالی سیاسی اداروں کے لئے قائم رہنے کے لئے پلیٹ فارم تخلیق کرتے ہیں۔ طاقت حکومتوں میں استحصالی سیاسی ادارون کے ساتھ قیمتی ہوتی ہے، کیونکہ طاقت پابندیوں سے آزاد ہوتی ہے اور معاشی دولت لاتی ہے۔

استحصالی سیاسی ادارے اختیارات کے ناجائز استعمال پر کوئی روک نہیں لگاتے۔ آیا طاقت بگاڑتی ہے قابل بحث ہے، لیکن لارڈ ایکٹن بالکل ٹھیک تھا جب اس نے یہ استدلال کیا کہ مطلق طاقت مطلق طور پر بگاڑتی ہے، ہم نے پچھلے باب میں دیکھا کہ جب فرینکلن روزویلٹ نے بھی یہ چاہا کہ اپنے صدارتی اختیارات کو ایک ایسے طریقے سے استعمال کرے جسے وہ سمجھتا تھا کہ معاشرے کے لئے فائدہ مند ہوگا، ان پابندیوں کے بوجھ سے آزاد ہو کر جو سپریم کورٹ نے لگائی تھیں، تو اشتمالی ریاستہائے متحدہ کے سیاسی اداروں نے اسے اپنی طاقت پر لگائی جانے والی پابندیوں کو پس پشت ڈالنے سے منع کیا، استحصالی سیاسی اداروں کے تحت، طاقت کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں ہوتی، خواہ یہ کسی قدر مسخ شدہ اور جارحانہ طور پر سماج مخالف کیوں نہ ہو جائے۔

1980 میں سام بینگورا (Sam Bangura) نے، جو اس وقت سیرالیون میں مرکزی بینک کا گورنر تھا،

MashalBooks.org

سیاکاسٹیونز کی پالیسیوں پر عیاش ہونے کی وجہ سے تنقید کرتا تھا۔ اسے جلد ہی قتل کر دیا گیا اور سینٹرل بینک کی عمارت سب سے اوپر والے منزل سے اس گلی میں پھینکا جسے بجا طور پر سیا کاسٹیونز سٹریٹ کا نام دیا گیا تھا۔ اس طرح استحصالی سیاسی ادارے بدی کا دائرہ پیدا کرنے کا رجحان اس وجہ سے بھی رکھتے ہیں، کیونکہ وہ ان لوگوں کے خلاف کوئی دفاعی لکیر مہیا نہیں کرتے، جو ریاست کی طاقت کو مزید غصب کرنا اور اس کا غلط استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

بدی کے دائرے کے لئے مزید ایک میکانیہ یہ ہے کہ استحصالی ادارے، بلا حدود وقیود طاقت اور بہت زیادہ آمدنیوں کی ناہمواری پیدا کر کے، سیاسی کھیل کے خفیہ مفادات کا بڑا دیتے ہیں۔ کیونکہ جو کوئی بھی ریاست کو کنٹرول کرتا ہے وہ اس حد سے زیادہ طاقت کا اور اس دولت کا جو یہ پیدا کرتی ہے فیض یاب بن جاتا ہے، لہٰذا استحصالی ادارے خانہ جنگی کے لئے محرکات پیدا کرتے ہیں تاکہ وہ طاقت اور اس کے مفادات پر کنٹرول کر سکیں، جو کہ ایک ایسا حرکیہ ہے جسے ہم نے مایا کی شہری ریاستوں اور قدیم روم میں کام کرتے دیکھا ہے۔ اس روشنی میں یہ حرکت کی کوئی بات نہیں ہے کہ ان استحصالی اداروں نے جو بہت سے افریقی ملکوں نے سامراجی طاقتوں سے وراثت میں پائے ہیں، اقتدار کی جنگوں اور خانہ جنگیوں کے بیج بوئے ہیں۔ یہ جنگیں، انگریزی خانہ جنگی اور شاندار انقلاب جیسی کشمکشوں سے بہت مختلف تھیں۔ یہ سیاسی اداروں کو تبدیل کرنے، طاقت کے استعمال پر پابندیاں لگانے، یا تکثیریت پیدا کرنے کیلئے نہیں لڑی گئیں، بلکہ یہ طاقت پر قبضہ کرنے اور کسی ایک گروپ کو دوسروں کی قیمت پر مالدار بنانے کے لئے لڑی گئیں، انگولا، برونڈی، چاڈ، کوٹ دی آئیوری، ریاست جمہوریہ کانگو، برازاول، روانڈا، صومالیہ، سوڈان اور یوگنڈا، اور بلاشبہ سیرالیون میں بھی، جیسا کہ جنگیوں میں تبدیل ہوگئیں، اور انہوں نے معاشی تباہی اور بے مثال انسانی مصائب پیدا کئے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ریاستوں کی ناکامی کا سبب بھی بنے۔

خراج اور جبری مشقت اجازت نامے سے لے کر زمینوں کی چھینا جھپٹی تک

14 جنوری 1993 کو ریماٹرو ڈی لیوں کاریو (Ramiro De Leon Cario) نے گوئٹے مالا کے صدر کے طور پر حلف اٹھایا، اس نے رچرڈ ایٹکن ہیڈ کاسٹیلو (Richard Aitkenhead Castilo) کو اپنے وزیر خزانہ کے طور پر اور رکارڈو کاسٹیلو سینی بالدی (Ricardo Castilo

Sinibaldi) کو اپنے وزیر ترقیات کے طور پر نامزد کیا۔ ان تینوں آدمیوں میں کچھ نہ کچھ مشترک تھا: سب کے سب ہسپانوی فاتحین کے براہ راست اخلاف تھے، جو گوئٹے مالا میں سولھویں صدی کے آغاز میں آئے تھے۔ ڈی لیون کو مشہور معروف جد جوان ڈی لیوں کارڈونا (Juan De Leon Cardona) تھا۔ جبکہ کاسٹیو برنل ڈیاز ڈیل کاسٹیلو (Bernal Diaz del Castilo) کے رشتہ دار تھے، جو کہ وہ شخص تھا جس نے میکسیکو کی فتح کے مشہور آنکھوں دیکھے حالات لکھے تھے۔ ہرمن کورٹیز (Herman Cortez) کے لئے اپنی خدمات کے معاوضے میں ڈیاز ڈیل کاسٹیلو کو سانٹیا گو ڈی لوس کیبلیر اس کا گورنر مقرر کر دیا گیا، جو آج کل گوئٹے مالا میں اینٹی گوا کا شہر ہے۔ کاسٹیلو اور ڈی لیون نے، دوسرے فاتحین جیسا کہ پیڈرو ڈی ایلویراڈ کے ساتھ ساتھ حکمران خاندانوں کی بنیاد رکھی۔ گوئٹے مالا کی ماہر عمرانیات مارٹا کساوس آرزو نے گوئٹے مالا میں بائیس خاندانوں کا ایک بنیادی گروپ شناخت کیا، جس کے اس بنیادی گروپ سے باہر شادیوں کے ذریعے اور چھبیس خاندانوں کے ساتھ تعلقات تھے۔ اس کے سلسلہ نسب کے اور سیاسی مطالعے نے اس طرف اشارہ کیا کہ ان خاندانوں نے گوئٹے مالا میں 1531 سے لے کر اب تک معاشی اور سیاسی طاقت پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ ان خاندانوں کی جو اس اشرافیہ کا ایک حصہ تھے ایک مزید وسیع تعریف نے اس طرح اشارہ کیا کہ وہ 1990 کی دہائی کی میں آبادی کے صرف ایک فیصد سے کچھ اوپر کا جزو تھے۔

سیرالیون اور زیادہ تر زیریں صحارائی افریقہ میں، بدی کے دائرے نے، استحصالی اداروں کی شکل اختیار کی، جو سامراجی طاقتوں نے قائم کئے تھے، جو بعد از آزادی کے رہنماؤں نے اپنی تحویل میں لے لئے تھے۔ گوئٹے مالا میں، جیسا کہ زیادہ تر وسطی امریکا میں، ہم بدی کے دائرے کی زیادہ سادہ اور زیادہ ننگی شکل دیکھتے ہیں: وہ لوگ جن کے پاس معاشی اور سیاسی طاقت ہے ایسے ادارے بناتے ہیں جو ان کی طاقت کے تسلسل کو یقینی بناتے ہیں، اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کا بدی کا دائرہ استحصالی اداروں کے تسلسل پر منتج ہوتا ہے اور ایک ہی اشراف کے اقتدار میں رہنے اور پسماندگی کے تسلسل ساتھ رہنے پر منتج ہوتا ہے۔ فتح کے وقت، گوئٹے مالا گنجان آباد تھا، غالباً 20 لاکھ مایاز کی آبادی کے ساتھ۔ بیماری اور استحصال جانوں کے بھاری نقصان کا سبب بنے، جیسا کہ امریکاؤں میں باقی ہر جگہ پر ہوئے تھے۔ 1920 کی دہائی تک ایسا ہوا کہ اس کی کل آبادی دوبارہ اس سطح تک پہنچی۔ جیسا کہ ہسپانوی سلطنت میں باقی ہر جگہ پر

MashalBooks.org

تھا، یہاں بھی مقامی لوگ اینکومینڈا (جبری مشقت کرنے کا پروانہ) کے عطیات میں ہسپانوی فاتحین کوتقسیم کر دیئے گئے۔ جیسا کہ ہم نے میکسیکو اور پیرو میں نوآبادکاری کے تناظر میں دیکھا، اینکو مینڈا ایک جبری مشقت کا نظام تھا، جس نے بعد میں دوسرے ایسے ہی جبری اداروں کے لئے جگہ خالی کر دی، خاص طور پر ا پارٹی مینڈو کے لئے جسے گوئٹے مالا میں مینڈا میٹو بھی کہا جاتا تھا، ہسپانوی فاتحین کے اخلاف اور چند مقامی عناصر پر مشتمل اشرافیہ نے نا صرف جبری مشقت کے مختلف نظاموں سے فائدہ اٹھایا، بلکہ ایک تجارتی تنظیم کانسولیڈو دی کمرشیو (Consulado de Comercio) کے ذریعے تجارت پر قبضہ کر کے اس پر اجارہ داری قائم کر لی۔ گوئٹے مالا کی زیادہ تر آبادی بلندیوں پر پہاڑوں میں ساحل سے دور تھی۔ نقل و حمل کے اونچے اخراجات نے، برآمدات کی معیشت کو گھٹا دیا، اور ابتدائی طور پر زمین زیادہ قیمتی نہیں تھی۔ اس کا زیادہ تر حصہ ابھی تک مقامی لوگوں کے ہاتھوں میں تھا جن کے ہاں بڑی بڑی طبقاتی زمینداریاں تھیں جنہیں ایجیڈوس (Ejidos) کہا جاتا تھا۔ باقی ماندہ زمین زیادہ تر غیر مقبوضہ تھی اور اصولی طور پر حکومت کی ملکیت تھی۔ جیسا کہ حالات تھے تجارت، پر کنٹرول کرنے اور اس پر ٹیکس لگانے میں، زمین پر کنٹرول کرنے کی نسبت زیادہ پیسہ تھا۔

جیسا کہ میکسیکو میں تھا، گوئٹے مالا کی اشرافیہ نے بھی کیڈیز آئین کو مخالفت کی نظر سے دیکھا، جس نے انہیں آزادی کا اعلان کرنے کی جرأت دلائی، بالکل ویسے ہی جیسا کہ میکسیکو کی اشرافیہ نے کیا تھا۔ میکسیکو اور وسطی امریکہ کے وفاق کے ساتھ ایک مختصر اتحاد کے بعد، سامراجی اشرافیہ نے ریفائیل کیریرا کی آمریت میں، گوئٹے مالا پر 1839 سے لے کر 1871 تک حکومت کی۔ اس عرصے کے دوران ہسپانوی فاتحین اور مقامی اشرافیہ کے اخلاف نے، سامراجی دور کے استحصالی معاشی اداروں کو بڑی حد تک غیر مبدل رکھا۔ یہاں تک کہ کانسولیڈو کی تنظیم بھی آزادی کے ساتھ تبدیل نہ ہوئی۔ اگرچہ یہ ایک شاہی ادارہ تھا، لیکن اس نے ایک جمہوری حکومت کے تحت بھی تسلسل خوشی سے جاری رکھا۔

اس وقت آزادی سے پہلے سے موجود مقامی اشرافیہ کی طرف سے ایک حملہ تھا، جیسا کہ میکسیکو میں تھا؛ انہوں نے معمول کے مطابق استحصالی معاشی اداروں کو جاری رکھا، جن سے انہوں نے اس قدر فائدہ اٹھایا تھا۔ بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ اس عرصے کے دوران کانسی لیڈو ملک

کی معاشی ترقی کی انچارج رہی۔ لیکن جیسا کہ آزادی سے پہلے معاملہ تھا، کانسولیڈو کو اپنے مفادات عزیز تھے نا کہ ملک کے۔ جزوی طور پر اس کی ذمہ واری بنیادی ڈھانچے کی ترقی تھی۔ جیسا کہ بندرگاہیں اور سڑکیں، لیکن جیسا کہ آسٹریا۔ہنگری، روس اور سیرالیون میں تھا، اس نے اکثر تخلیقی تباہی کے لئے خطرہ پیدا کیا، اور ہوسکتا تھا کہ یہ نظام کو غیر مستحکم کر دیتی۔ لہذا، بنیادی ڈھانچے کی ترقی، بجائے لاگو ہونے کے اکثر اوقات مزاحمت کا شکار ہوئی۔ مثال کے طور پر سوچائیٹ پیکوئیز کے ساحل کی ترقی جو کہ بحرالکاہل کے کنارے پر تھا، تجویز شدہ منصوبوں میں سے ایک منصوبہ تھا۔ اس وقت موزوں بندرگاہیں صرف کریبین ساحل پر تھیں، اور یہ کانسولیڈو کے کنٹرول میں تھیں۔ کانسولیڈو نے بحرالکاہل کی سمت کچھ نہیں کیا تھا، کیونکہ اس علاقے میں ایک بندرگاہ، مازا ٹیننگو اور کوئیز الٹیننگو کے پہاڑی شہروں سے اشیا کے لئے ایک آسان نکاسی مہیا کر دیتی، اور ان اشیا کے لئے ایک دوسری بندرگاہ کی فراہمی کانسولیڈو کی غیر ملکی تجارت پر اجارہ داری کو ختم کر دیتی، یہی منطق سڑکوں پر لاگو ہوتی تھی، جہاں پھر پورے ملک کے لئے کانسولیڈو کی ذمہ واری تھی۔ پیش بنی کے مطابق اس نے سڑکیں بنانے سے بھی انکار کر دیا، جو مقابلہ گروپوں کو اور مضبوط کر دیتیں، یا خفیہ طریقے سے اس کی اجارہ داری کو ختم کر دیتیں، ایسا کرنے کا دباؤ ایک مرتبہ پھر مغربی گوئٹے مالا اور کوئیز ایٹیننگو، جو کہ لاس ایلٹاس اور سوچیت پیکوئیز کے ساحل کے درمیان سڑک بہتر ہو جاتی، تو اس سے ایک تاجر طبقہ پیدا ہو جاتا، جو دارالحکومت میں کانسولیڈو کے تاجروں کے مقابلے میں آجاتا۔ لہذا یہ سڑک بہتر نہ بنائی گئی۔

اشرافیہ کے اس غلبے کے نتیجے کے طور پر، گوئٹے مالا انیسویں صدی کے وسط میں ایک وقت کے تانے میں پھنس گیا، جبکہ باقی ماندہ دنیا تیزی سے تبدیلی ہو رہی تھی۔ لیکن ان تبدیلیوں کو بالآخر گوئٹے مالا کو متاثر کرنا تھا۔ دُخانی گاڑی، ریلوے اور جہازوں کی نئی زیادہ تیز رفتار اقسام جیسی ٹیکنولوجیاتی ایجادات کی وجہ سے نقل و حمل کے اخراجات کم ہو رہے تھے۔ مزید برآں، مغربی یورپ اور شمالی امریکہ میں لوگوں کی بڑھتی ہوئی آمدنیاں، ان بہت سی پیداواروں کیلئے وسیع پیمانے پر طلب کر رہی تھیں، جو گوئٹے مالا جیسے ممالک پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

صدی کے آغاز میں کچھ تیل اور پھر قرمزی رنگ، جو کہ دونوں قدرتی رنگ ہیں، برآمد کے لئے پیدا کئے گئے، لیکن زیادہ منافع بخش چیز کافی کی پیداوار تھی۔ گوئٹے مالا کے پاس کافی کے لئے

MashalBooks.org

موزوں بہت زمین تھی، اوراس کی کاشت پھیلنے لگی۔ کانسولیڈو کی طرف سے کسی بھی معاونت کے بغیر۔ جب کافی کی عالمی قیمت میں اضافہ ہوا اور بین الاقوامی تجارت پھیلی، تو بڑے بڑے منافع جات بنائے جانے لگے، اور گوئٹے مالا کے اشراف کافی دلچسپی لینے لگے۔ 1871 میں، آمر کیریرا کی طویل العمر حکومت کا تختہ آخرکار، لوگوں ے ایک ایسے گروپ کی طرف سے الٹ دیا گیا، جو اپنے آپ کو لبرل (Liberals) کہتے تھے، اسی نام کی ایک عالمی تحریک کے نام پر، لبرل ازم کا مطلب وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوگیا ہے۔ لیکن انیسویں صدی میں، ریاست ہائے متحدہ اور یورپ میں یہ اس کے مترادف تھا، جسے آج کل لبرٹیریزم کہا جاتا ہے۔ اور یہ افراد کی آزادی، محدود حکومت اور آزاد تجارت کی نمائندگی کرتا تھا، گوئٹے مالا میں حالات نے ایک مختلف انداز سے کام کیا۔ گوئٹے مالا کے لبرل (آزادی پسند) جن کی قیادت ابتدائی طور پر مگوئیل گاشیا گرینا دوز (Miguel Garcia Granados) اور 1873 کے بعد جسٹو روفینو باریوس (Justo Rufino Barrios) نے کی، زیادہ تر، آزادی پسندی کے تصورات رکھنے والے نئے لوگ نہیں تھے۔ کم و بیش وہی خاندان صاحب اختیار رہے، انہوں نے استحصالی سیاسی اداروں کو برقرار رکھا، اور کافی کا استحصال کرنے کے لئے معیشت کی پوری تنظیم نو کو لاگو کردیا۔ انہوں نے 1871 کو کانسولیڈو کو ختم کردیا، لیکن معاشی حالات تبدیل ہو چکے تھے۔ اب استحصالی معاشی اداروں کا مرکز توجہ کافی کی پیداوار اور اس کی برآمد ہوگیا۔ کافی کی پیداوار کے لئے زمین اور مزدوری کی ضرورت تھی۔ کافی کے کھیتوں کے لئے زمین پیدا کرنے کے لئے لبرلز نے جلدی سے زمین کی نجی ملکیت میں تحویل کو جلد منظور کرا لیا، جو کہ درحقیقت زمین کی ایک چھینا جھپٹی تھی، جس میں وہ پہلے معاشرے یا حکومت کی ملکیتی زمین پر قبضہ کرنے کے قابل ہوگئے۔ اگرچہ ان کی کوشش کا مقابلہ شدت سے کیا گیا۔ لیکن انتہائی استحصالی سیاسی اداروں اور گوئٹے مالا میں طاقت کے ارتکاز کے پیش نظر، اشراف بالآخر کامیاب ہوگئے۔ 1871 اور 1883 کے درمیان تقریباً دس لاکھ ایکڑ زمین، جو زیادہ تر مقامی لوگوں کی اور سرحدی زمین تھی، اشراف کے ہاتھوں میں منتقل ہوگئی، اور صرف اس وقت ہی کافی تیزی سے ترقی کرنے لگی، مقصد بڑی بڑی جائیدادوں کی تشکیل تھا۔ نجی ملکیت میں آئی ہوئی زمین کا خاص طریقے سے نیلام کیا گیا، جو صرف اشراف اوران کے لواحقین کے نام تھا۔ پھر جبری مشقت کے مختلف نظاموں کو اختیار کرکے اوران میں شدت پیدا کرکے، بڑے زمینداروں کی مزدوروں تک رسائی حاصل

کرنے میں ان کی مدد کرنے کے لئے لبرل ریاست کی جبری طاقت کو استعمال کیا گیا۔ نومبر 1876 میں صدر باریوس نے گوئٹے مالا کے تمام گورنروں کو متوجہ کرتے ہوئے لکھا کہ کیونکہ ملک میں ایسی زمین کے بڑے بڑے خطے موجود ہیں، جن کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے، کارکنوں کے ان جتھوں کو استعمال کرتے ہوئے، جو کہ آج کل، قوم کے پیداواری عناصر کی ترقی کی تحریک سے باہر ہیں، آپ کو زراعت کو برآمد کرنے کے لئے ہر قسم کی مدد دینا ہوگی:

1۔ آپ کے دائرہ اختیار میں موجود انڈین لوگوں کے قصبات سے، اس محکمے کے فارم کے مالکان، کو جو آپ سے مزدور مانگیں گے، انہیں جتنی تعداد میں مزدور درکار ہوں، خواہ پچاس ہوں یا ایک سو، وہ انہیں مہیا کیجئے۔

ریپارٹی مینٹو، جبری مشقت کا مسودہ، آزادی کے بعد کبھی ختم نہ ہوا، بلکہ اب اس کے دائرہ کار اور دورانیے میں اضافہ ہوگیا۔ اسے 1877 میں حکم 177 کے ذریعے ادارے کی شکل دی گئی۔ جس نے یہ تخصیص کی کہ آجر حکومت سے درخواست کرکے کارکن حاصل کرسکتے ہیں، اگر جائیداد اس محکمے میں ہو تو 60 کارکن پندرہ دنوں کے کام کے لئے، اور اگر جائیداد اس سے باہر ہو تو تیس دنوں کے لئے۔ ان کارکنوں کو جبری طور پر بھرتی کیا جاسکتا تھا، جب تک کہ وہ اپنی ذاتی کام کی کتاب سے یہ ثابت نہ کرسکیں کہ انہوں نے حال ہی میں ایسی خدمت تسلی بخش طریقے سے انجام دے چکے ہیں۔ تمام دیہاتی کارکنوں کو ایک کام کی کتاب ساتھ رکھنے پر مجبور کیا گیا تھا، جسے لبریٹا (Libreta) کہا جاتا تھا۔ جس میں یہ تفصیل شامل ہوتی تھی کہ وہ کس کے لئے کام کررہے تھے اور اگر کسی قسم کے قرضے ہوں تو ان کا ریکارڈ بھی۔ بہت سے دیہاتی کارکن اپنے آجروں کے مقروض تھے، اور ایک مقروض کارکن اپنے موجودہ آجر کو بغیر اجازت کے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ حکم 177 میں مزید یہ شرط رکھی گئی تھی کہ ریپارٹی مینٹو میں بھرتی کئے جانے سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ثابت کرنا تھا کہ اس وقت آپ کسی آجر کے مقروض ہیں۔ کارکنوں کو پھنسایا جاتا تھا، ان قوانین کے علاوہ، متعدد آوارہ گردی کے قوانین بھی منظور کئے گئے۔ تاکہ کوئی بھی شخص جو یہ ثابت نہ کرسکے کہ اس کی کوئی ملازمت ہے، اسے فوری طور پر یا تو ریپارٹی مینٹو میں، یا سڑکوں پر کسی قسم کی جبری مشقت میں بھرتی کرلیا جائے گا یا اسے کسی فارم پر ملازمت قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ جیسا کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے جنوبی افریقہ میں تھا، 1871 کے بعد زمین کی پالیسیاں بھی اس طرح

MashalBooks.org

ترتیب دی گئی تھیں جو مقامی لوگوں کی گزارے کی معیشت کو تباہ کر دیتیں، تاکہ انہیں کم اجرتوں پر کام کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔ ریپارٹی مینٹو 1920 کی دہائی تک قائم رہا؛ لبیٹا کا نظام اور آوارہ گردی کے قوانین کا مکمل دائرہ 1945 تک موثر رہا، جب گوئٹے مالا کو جمہوریت کے پھوٹنے کے پہلے مختصر عرصے کا تجربہ ہوا۔

گوئٹے مالا کی اشرافیہ نے، عین 1871 سے پہلے کی طرح، فوج کے مضبوط لوگوں کے ذریعے حکومت کی۔ انہوں نے، کافی کے کامیاب ہونے کے بعد بھی ایسا کرنا جاری رکھا۔ جارج اوبیکو (Jorge Ubico) جو 1931 اور 1944 کے درمیان صدر تھا، نے سب سے لمبے عرصے تک حکومت کی۔ اوبیکو نے 1931 میں صدارتی انتخاب بلا مقابلہ جیت لیا، کیونکہ کوئی بھی شخص اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ اس کے خلاف الیکشن لڑتا۔ کانسولیڈو کی طرح، وہ بھی ایسے کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا، جو تخلیقی تباہی پیدا کرتے اور اس کی سیاسی طاقت اور اس کے اور اس کی اشرافیہ کے مفادات کے لئے خطرہ بنتے۔ لہذا، اس نے بھی انہی وجوہات کی بنا پر صنعت کی مخالفت کی جن بنیادوں پر فرانسس اول نے آسٹریا-ہنگری میں اور نکولس اول نے روس میں کی: صنعتی مزدور گڑبڑ کرتے۔ ایک ایسی قانون سازی میں جو اپنے خوف کے ضبط میں بے مثال ہے، اوبیکو نے ایسے الفاظ کے استعمال کی ممانعت کر دی جیسا کہ اوبریروس (Oberros) (کارکن) سنڈیکیٹوس (Sindicatos) (مزدور یونین) اور ہویلگاس (Huelgas) (ہڑتالیں)۔

ان میں سے کسی لفظ کے استعمال پر آپ جیل جا سکتے تھے۔ اگرچہ اوبیکو طاقتور تھا، لیکن اشرافیہ تار کھینچتی تھی۔ اسکی حکومت کی مخالفت 1944 میں عروج پر پہنچ گئی، جس کی سربراہی سرکش یونیورسٹی کے طلبا کر رہے تھے، جنہوں نے مظاہرے منظم کرنے شروع کر دیئے۔ عوامی بے اطمینانی بڑھتی گئی، اور 24 جون کو 311 لوگوں نے جن میں سے زیادہ تر اشرافیہ میں سے تھے، میموریل ڈی لوس 311 پر دستخط کئے، جو کہ ایک کھلا خط تھا، جس میں حکومت کی مذمت کی گئی تھی۔ اوبیکو نے یکم جولائی کو استعفیٰ دے دیا۔ اگرچہ اس کے بعد 1945 کو ایک جمہوری حکومت آئی، لیکن اسے 1954 کے انقلاب میں گرا دیا گیا، جو چیز خونی خانہ جنگی پر منتج ہوئی۔ گوئٹے مالا دوبارہ صرف 1986 کے بعد جا کے جمہوری بنا۔

ہسپانوی فاتحین کے ضمیر پر ایک استحصالی سیاسی اور معاشی نظام قائم کرنے کے بارے میں

کوئی خلش نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اتنا لمبا سفر کر کے نئی دنیا میں آئے تھے۔ لیکن زیادہ تر ادارے جو انہوں نے قائم کئے عارضی نوعیت کے تھے۔ مثال کے طور پر اینکومینڈا، مزدوروں پر حقوق کا ایک عارضی عطیہ تھا۔ ان کا اس بارے میں کوئی مکمل طے شدہ منصوبہ نہ تھا کہ وہ ایک ایسا نظام کس طرح قائم کریں گے، جو اگلے چار سو سال تک قائم رہے گا۔ درحقیقت وہ ادارے جو انہوں نے قائم کئے وقت کے ساتھ ساتھ خاصی حد تک تبدیل ہوتے رہے، لیکن ایک چیز تبدیل نہ ہوئی: اداروں کی استحصالی نوعیت، بدی کے دائرے کا نتیجہ، استحصال کی شکل تبدیل ہو گئی، لیکن نہ تو اداروں کی استحصالی نوعیت اور نہ ہی اشرافیہ کی شناخت تبدیل ہوئی۔ گوئٹے مالا میں اینکومینڈا، ریپارٹی مینٹو، تجارت کی اجارہ داری نے لبریٹا اور زمین کی چھینا جھپٹی کو جگہ دے دی، لیکن مقامی مایا کی اکثریت کم تعلیم کے ساتھ کم اجرت والے مزدوروں کے طور پر کام کرتی رہی۔ جن کے کوئی حقوق نہ تھے اور جنہیں کوئی عوامی خدمات میسر نہیں تھیں۔

گوئٹے مالا میں، جیسا کہ زیادہ تر وسطی امریکہ میں، بدی کے دائرے کے ایک مخصوص نمونے پر، استحصالی سیاسی اداروں نے استحصالی معاشی اداروں کی مدد کی، جنہوں نے جوابی طور پر استحصالی سیاسی اداروں کے لئے اور ایک ہی اشرافیہ کی طاقت کے تسلسل کے لئے بنیاد مہیا کی۔

گوئٹے مالا میں، استحصالی ادارے سامراجی دور سے لے کر جدید دور تک ایک اشراف خاندان کے کنٹرول میں رہے۔ اداروں میں کوئی تبدیلی، تبدیل ہوتے ہوئے ماحول کے ساتھ مطابقتوں کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ جیسا کہ کافی کے جوبن سے تحرک یافتہ اشراف کے زمین کی چھینا جھپٹی کے معاملے میں تھا۔ ریاستہائے متحدہ کے جنوب میں بھی ادارے اسی طرح خانہ جنگی کے آغاز تک استحصالی تھے، معاشیات اور سیاست پر جنوبی اشراف کا غلبہ تھا، جو کہ بڑی بڑی زمینداریوں اور غلاموں کی فوجوں کے ساتھ شجرکاریوں کے مالک تھے۔ غلاموں کو نہ تو سیاسی اور نہ ہی معاشی حقوق حاصل تھے؛ درحقیقت انہیں کسی بھی قسم کے حقوق حاصل نہ تھے۔

جنوب کے استحصالی معاشی اور سیاسی اداروں نے انیسویں صدی کے وسط تک شمال کی نسبت خاصا غریب بنا دیا، جنوب میں صفت کا فقدان تھا، اور اس نے بنیادی ڈھانچے میں کوئی سرمایہ کاری نہ کی۔ 1860 میں اس کی کل صنعتی پیداوار، پنسلوانیا، نیو یارک، یا میساچوسٹس کی صنعتی پیداوار بھی کم تھی۔ جنوبی ریاستوں کی صرف نو فیصد آبادی شہری علاقوں میں رہتی تھی، بمقابلہ شمال

MashalBooks.org

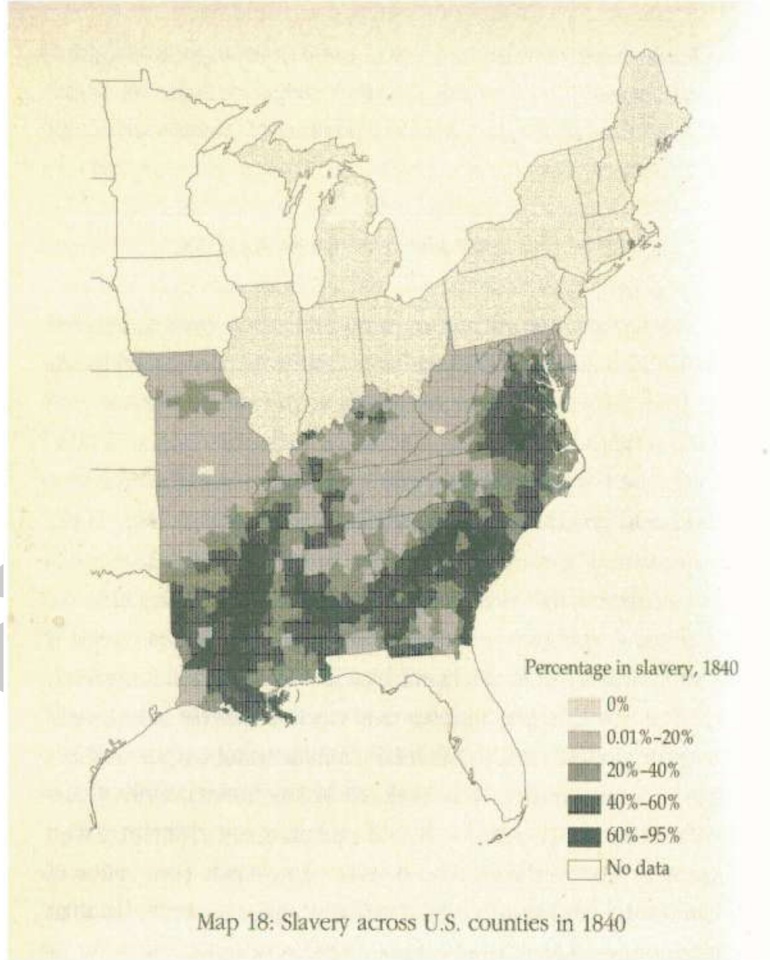
مشرق کی 35 فیصد کے۔ ریلوے کی پٹریوں کی گنجائی (یعنی پٹڑی کے میلوں کو زمین کے رقبے پر تقسیم کرکے) شمال میں جنوبی ریاستوں کی نسبت تین گنا زیادہ تھی۔ نہروں کی لمبائی بھی میلوں کے حساب سے اسی طرح تھی۔

نقشہ 18، 1840 میں ریاستہائے متحدہ کی کاونٹیوں میں غلام آبادی کے فیصد کا نقشہ بنا کر غلامی کی حد کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ واضح ہے کہ جنوب میں بعض کاونٹیوں میں غلامی کا غلبہ تھا، مثال کے طور پر، دریائے مسی سپی کے آس پاس غلامی کی آبادی 95 فیصد تھی۔ پھر نقشہ 19 اس کے نتائج میں سے ایک نتیجے کو ظاہر کرتا ہے، 1880 میں صنعتی پیداوار کے شعبے میں کام کرنے والی مزدوروں کی جمعیت کا تناسب۔ اگرچہ یہ بیسویں صدی کے معیارات کے مطابق کسی جگہ بھی زیادہ نہ تھا، لیکن جنوب اور شمال کے درمیان نمایاں فرق ہیں۔ شمال مشرق کے بہت سے حصے میں مزدوروں کی جمعیت کا 10 فیصد سے زیادہ صنعتی پیداوار کے صنعتی پیداوار کے شعبے میں کام کرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں جنوب کے بہت بڑے حصے میں، خاص طور پر وہ علاقے جہاں غلاموں کا بہت زیادہ ارتکاز ہے، یہ تناسب بنیادی طور پر صفر تھا۔

جنوب ان شعبوں میں بھی جدت کار نہیں تھا جن میں اس کو تخصص حاصل تھا؛ 1837 سے 1859 تک غلے اور گندم سے متعلق ایجادات کے سالانہ جاری ہونے والے (Patents) اجازت ناموں کی اوسط تعداد بالترتیب بارہ اور دس تھی؛ جنوب کی اہم ترین فصل، کپاس، کے لئے صرف ایک اجازت نامہ سالانہ تھا۔ اس بات کی کوئی علامت نہیں تھی کہ صنعتکاری اور معاشی ترقی کسی وقت شروع ہوگی۔ لیکن خانہ جنگی میں شکست کے بعد بنیادی معاشی اور سیاسی اصلاحات سنگینوں کے زور پر شروع ہوگئی۔ غلامی کو ختم کر دیا گیا اور سیاہ فاموں کو ووٹ دینے کی اجازت مل گئی۔

چاہیئے تھا کہ یہ بڑی تبدیلیاں، جنوبی استحصالی اداروں کیلئے اشتمالی اداروں میں تبدیلی کا راستہ کھول دیتیں، اور جنوب کو معاشی خوشحالی کی راہ پر ڈال دیتیں۔ لیکن بدی کے دائرے کے ایک مزید مظاہرے میں اس قسم کی کوئی چیز واقع نہ ہوئی۔ استحصالی اداروں کا تسلسل، اس مرتبہ غلامی کی بجائے جم کرو (نسلی امتیاز) قسم کا، جنوب میں نمودار ہوا۔ جم کرو (Jim Crow) کی ترکیب جو مفروضہ طور پر (Jump Jim Crow) ’’جم کرو، اچھلو‘ سے شروع ہوئی، جو کہ سیاہ فام لوگوں کی

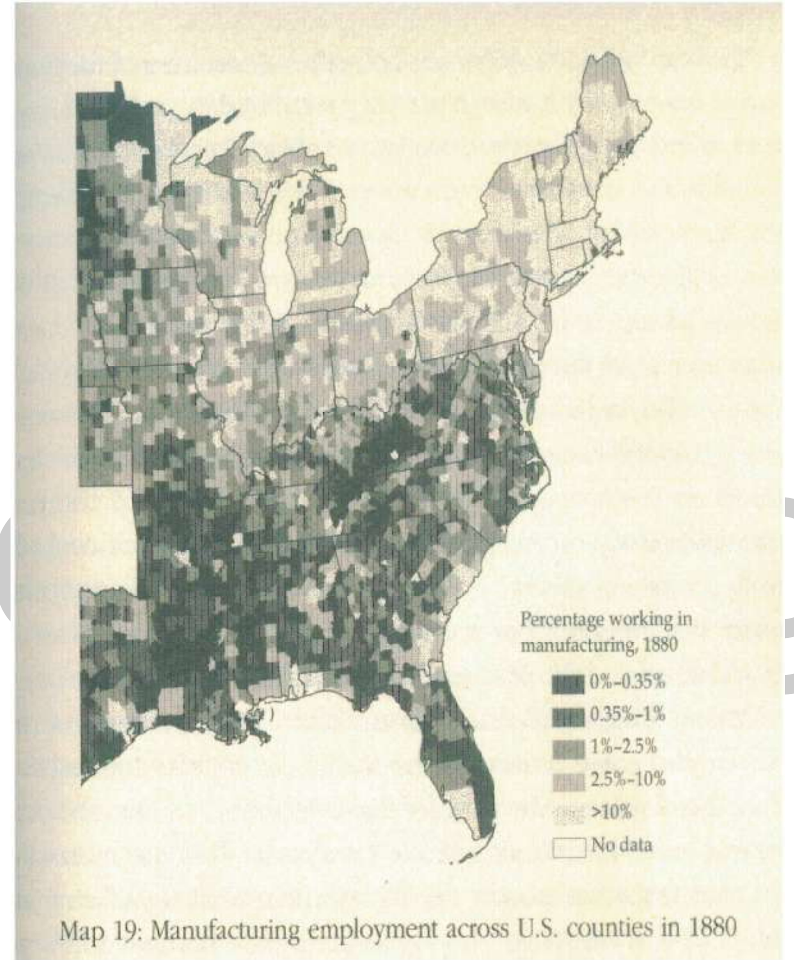
انیسویں صدی کی ابتدا میں، سیاہ فام لوگوں کی ہجو جیسے سفید فام اداکاروں نے "Black face"



Map 18: Slavery across U.S. counties in 1840

(سیاہ چہرہ) میں ادا کیا، 1865 کے بعد جنوب میں کی جانے والی نسلی تفریق کی حامل قانون سازی کے پورے دائرے کا حوالہ بن گئی۔ یہ ادارے تقریباً ایک صدی مزید ایک اور بڑے انقلاب، شہری حقوق کی تحریک، تک قائم رہے۔ اس اثنا میں سیاہ فام لوگ اقتدار سے باہر رہے اور جبر کا شکار رہے۔ شجرکاری کی طرح کی زراعت جو کہ کم معاوضوں پر مبنی کم تعلیم یافتہ مزدوروں پر مبنی تھی، جاری رہی اور جنوب کی آمدنیاں ریاستہائے متحدہ کے مقابلے میں مزید

گر گئیں، استحصالی اداروں کا بدی کا دائرہ اس سے زیادہ مضبوط ثابت ہوا جتنا کہ اس وقت توقع کی جا رہی تھی۔



Map 19: Manufacturing employment across U.S. counties in 1880

اس بات کا سبب کہ جنوب کی معاشی اور سیاسی قوس کبھی تبدیل نہ ہوئی، اگرچہ وہاں غلام ختم ہو گئی اور سیاہ فاموں کو ووٹ کا حق بھی مل گیا، یہ تھی کہ سیاہ فاموں کی سیاسی طاقت اور معاشی آزادی کمزور تھیں۔ جنوب کے شجرکاروں نے جنگ ہار دی لیکن امن جیت لیا۔ وہ ابھی تک منظّم تھے اور ابھی تک ان کے پاس زمینوں کی ملکیت تھی۔ جنگ کے دوران، غلامی کے ختم ہونے کے

بعد، آزاد شدہ غلاموں کو چالیس ایکڑ زمین اور ایک خچر کے وعدے کی پیش کش کی گئی، بلکہ بعض لوگوں نے جنرل ولیم ٹی شیرمین کی مشہور مہمات کے دوران یہ حاصل بھی کر لئے۔ لیکن 1865 میں صدر اینڈریو جانسن (Andrew Johnson) نے شیرمین کے احکامات کو واپس لے لیا، اور متوقع زمین کی دوبارہ تقسیم کبھی واقع نہ ہوئی۔ کانگریس میں اس مسئلے پر بحث کے دوران کانگریس کے رکن جارج واشنگٹن جولیان(George Washington Julian) نے دور اندیشانہ طور پر تحریر کیا'' کانگریس کے غلامی کو کلی طور پر ختم کرنے کے قانون کا کیا فائدہ ہوگا۔۔اگر اشرافیہ کی طاقت کی قدیم زرعی بنیاد قائم رہے گی؟'' یہ قدیم جنوب کی ''نجات'' کا آغاز اور قدیم جنوبی زمیندار اشرافیہ کا تسلسل تھا۔

جنوبی ماہر عمرانیات جوناتھن وائنر (Jonathan Wainer) نے الاباما کے بڑے کپاس کے علاقے بلیک بیلٹ کی پانچ کاونٹیوں میں شجرکار اشرافیہ کے تسلسل کا مطالعہ کیا۔ یو ایس کی مردم شماری سے خاندانوں کا کھوج لگاتے ہوئے، اور ان خاندانوں کو زیرِ غور لاتے ہوئے جن کے پاس کم از کم 10,000 ڈالر کی زمین کی ملکیت تھی، اس نے دیکھا کہ 1850 میں شجرکار اشرافیہ کے 236 ارکان میں سے 101 نے 1876 میں اپنی حیثیت کو برقرار رکھا ہوا تھا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ تسلسل کی یہ شرح اس کے ساتھ مماثل تھی جو خانہ جنگی کے دور سے پہلے تجربہ کی گئی تھی؛ 1850 کے 236 امیر ترین خاندانوں میں سے، ایک دہائی بعد صرف 110 باقی رہ گئے تھے۔ تاہم، 1870 میں 25 شجرکاروں جو سب سے زیادہ زمینداریاں رکھتے تھے، میں سے 18 (72 فیصد) 1860 میں بھی اشرافیہ کے گروپ میں شامل تھے۔ جبکہ خانہ جنگی میں 600,000 سے زیادہ لوگ مارے گئے، شجرکار اشرافیہ کا بہت تھوڑا جانی نقصان ہوا۔ شجرکاروں کی طرف سے شجرکاروں کے لئے بنائے گئے قانون نے، رکھے ہوئے بیس غلاموں کے بدلے میں غلاموں کے ایک مالک کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ کیا۔ جب ہزاروں لاکھوں لوگ جنوبی شجرکاری کی معیشت کو محفوظ کرنے کے لئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، تو بہت سے بڑے بڑے بردہ دار اور ان کے بیٹے جنگ سے باہر اپنے برآمدوں میں بیٹھے تھے، اور اس طرح شجرکاری کی معیشت کے تسلسل کو یقینی بنانے کے قابل تھے۔

جنگ کے اختتام پر، اشرافیہ کا شجرکار جو زمین پر قابض تھی، مزدوروں کی جمعیت پر اپنا کنٹرول دوبارہ قائم کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ اگرچہ غلامی کا معاشی ادارہ ختم ہو چکا تھا، لیکن

شہادت یہ ظاہر کرتی ہے کہ جنوب کے معاشی نظام میں تسلسل کا ایک واضح خط موجود تھا، جو کہ سستی مزدوری کے ساتھ شجر کاری کی قسم کی زراعت پر مبنی تھا۔ یہ معاشی نظام مختلف قسم کے ذرائع سے قائم رکھا گیا تھا، جس میں مقامی سیاست کا کنٹرول اور تشدد کا استعمال دونوں شامل تھے۔ افریقی امریکی دانشور ڈبلیو ای بی ڈو بوئس (W. E.B. Du Bois) کے الفاظ میں، نتیجے کے طور پر جنوب ''ڈرانے والے سیاہ فام لوگوں کے لئے محض ایک مسلح کیمپ'' بن گیا۔

1865 میں الاباما کی ریاستی مقنّنہ نے ''بلیک کوڈ'' (سیاہ فاموں کے بارے میں قانون) منظور کیا، جو کہ سیاہ فام مزدوروں کے جبر کے بارے میں ایک تاریخی اقدام تھا۔ گوئٹے مالا میں فرمان 177 کی طرح، الاباما کا بلیک کوڈ بھی ایک آوارہ گردی کے قانون اور محنت کشوں کی ''ترغیب وتحریص'' کے خلاف ایک قانون پر مشتمل تھا۔ اس کا مقصد مزدوروں کی نقل وحرکت اور مزدور مارکیٹ میں مقابلے بازی کو روکنا تھا، اور اس نے اس بات کو یقینی بنایا کہ جنوب کے شجر کاروں کو اب بھی ایک قابل اعتماد کم قیمت مزدوروں کا گروہ مہیا ہو۔

خانہ جنگی کے بعد، وہ دورجے تعمیر (Reconstruction) کہا جاتا ہے، 1865 سے 1877 تک رہا، شمالی سیاستدانوں نے یونین آرمی کی مدد سے، جنوب میں کچھ سماجی تبدیلیوں کا نقشہ بنایا۔ لیکن جنوبی اشرافیہ کی طرف سے، نام نہاد نجات دہندگان کی مدد کے بھیس میں، جو کہ جنوب کی نجات طلب کر رہے تھے، ایک شدید ردعمل نے، پرانے نظام کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ 1877 کے صدارتی انتخابات میں، ردرفورڈ ہیز (Rutherford Hayes) کو انتخابی نمائندگان میں جنوب کی حمایت کی ضرورت پڑی۔ یہ حلقہ انتخابات، جسے آج کل بھی استعمال کیا جاتا ہے، یو ایس کے آئین کی طرف سے تخلیق شدہ، صدر کے بالواسطہ انتخابات کیلئے بنیادی چیز ہے۔ شہریوں کے ووٹ براہ راست صدر کا انتخاب نہیں کرتے، بلکہ اس کی بجائے وہ انتخاب کنندگان کا انتخاب کرتے ہیں، جو پھر حلقہ انتخاب میں صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔ حلقہ انتخاب میں ان کی حمایت کے تبادلے میں، جنوب کے لوگوں نے یہ مطالبہ کیا کہ جنوب سے یونین کے سپاہیوں کو نکالا جائے، اور اس علاقے کو اس کے اپنے طور طریقوں پر چھوڑ دیا جائے۔ ہیز رضامند ہوگیا۔ جنوب والوں کی حمایت سے ہیز انتخاب جیت گیا اور اس نے فوجی واپس بلا لئے۔ پھر 1877 کے بعد کا زمانہ، خانہ جنگی سے پہلے کی شجر کار اشرافیہ کے دوبارہ ظہور کی علامت بنا۔ جنوب کی نجات میں، نئے

MashalBooks.org

بالغ ٹیکسوں اور ووٹ دینے کے لئے خواندگی کی آزمائشوں کا متعارف کروانا بھی شامل تھا، جس نے منظّم طریقے سے سیاہ فاموں اور اکثر اوقات غریب سفید فام آبادی کو بھی ووٹ سے محروم کر دیا۔ یہ کوششیں کامیاب ہوگئیں اور انہوں نے ایک جماعتی حکومت کو جنم دیا، ڈیموکریٹک پارٹی کے تحت، جس میں زیادہ سیاسی طاقت شجر کار اشرافیہ کے ہاتھ میں دے گئے۔

نسلی امتیاز کے قوانین نے علیحدہ اور جیسا کہ پیش بینی کی جاسکتی ہے، کم تر اسکول تخلیق کئے۔ مثال کے طور پر الاباما نے 1901 میں اس چیز کو حاصل کرنے کیلئے اپنے آئین کو دوبارہ لکھا۔ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ، آج بھی الاباما کے آئین کی دفعہ 256، اگرچہ وہ مزید نافذ نہیں ہے، لیکن بھی تک یہ بیان کرتی ہے:

مقنّنہ کی، پبلک سکول سسٹم کو قائم کرنے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کی ذمہ داری؛ پبلک سکول کے مالی وسائل کی تقسیم؛ سفید فام اور رنگدار بچوں کے لئے علیحدہ اسکول۔

مقنّنہ، پوری ریاست میں وہاں کے بچوں کے لئے، جن کی عمریں سات سال اور اکیس سال کے درمیان ہوں پبلک سکولوں کا آزادانہ نظام قائم کرے گی، منظّم کرے گی اور اس کی دیکھ بھال کرے گی۔ پبلک سکول کے مالی وسائل، مختلف کاونٹیوں کو وہاں کے اسکول جانے کی عمر کے بچوں کے مطابق تقسیم کئے جائیں گے اور ضلعوں قصبوں اور کاونٹیوں میں موجود اسکولوں کو اس طرح تقسیم کئے جائیں گے، جس حد تک قابل عمل ہو، ایسے سکول کے ضلعوں یا قصبوں میں برابر برابر دورانیے کی مدتیں مہیا کی جاسکیں، سفید فام اور رنگدار بچوں کے لئے علیحدہ علیحدہ اسکول ہوں، اور دونوں میں سے کسی بھی نسل کا کوئی بچہ، دوسری نسل کے اسکول میں جانے کا مجاز نہیں ہوگا۔

دفعہ 256 کو آئین سے خارج کرنے کے لئے ایک ترمیم 2004 میں ریاستی مقنّنہ میں معمولی اکثریت سے ناکام ہوگئی۔

حق رائے دہی سے محرومی، آوارہ گردی کے قوانین جیسا الاباما کا بلیک کوڈ، مختلف نسلی امتیاز کے قوانین، اور کوکلکس کلان (Ku Klux Klan) کے اقدامات جن کو اکثر اشرافیہ کی حمایت اور مالی مدد حاصل ہوتی تھی نے خانہ جنگی کے بعد کے جنوب کو ایک موثر نسلی امتیاز کے معاشرے میں تبدیل کر دیا، جہاں سیاہ فام اور سفید فام مختلف زندگیاں بسر کرتے تھے، جیسا کہ جنوبی افریقہ میں تھا، ان قوانین اور طریقوں کا مقصد سیاہ فام آبادی اور اس کی محنت پر کنٹرول کرنا تھا۔

واشنگٹن میں جنوب کے سیاستدانوں نے بھی اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کام کیا کہ جنوب کے استحصالی ادارے قائم رہ سکیں۔مثال کے طور پر، انہوں نے یہ یقین دہانی حاصل کی کہ ایسے کوئی وفاقی منصوبے یا عوامی کام، جو سیاہ فام کارکنوں کی جمعیت پر جنوب کی اشرافیہ کے کنٹرول کو خطرے میں ڈال دے، منظور نہ ہونے پائیں۔ نتیجے کے طور پر جنوب، بیسویں صدی میں اس طرح داخل ہوا کہ وہ ایک بڑی حد تک دیہی معاشرہ تھا، جن کے ہاں تعلیم کی سطح بہت کم اور پسماندہ ٹیکنولوجی تھی، جو ابھی تک ہاتھ سے اور خچروں کی طاقت سے کام کرتے تھے، جن کے پاس حقیقت میں کسی قسم کے میکانکی آلات کی مدد نہیں تھی۔ اگرچہ شہری علاقوں میں لوگوں کا تناسب بڑھا، لیکن یہ شمال کی نسبت بہت ہی کم تھا، مثال کے طور پر 1900 میں جنوب کے 13.5 فیصد آبادی شہری تھی، بمقابلہ شمال مشرق کی 60 فیصد آبادی کے۔

الغرض، جنوبی ریاستہائے متحدہ میں، زمیندار اشرافیہ کی طاقت، شجرکاری کی زراعت، اور کم اجرت والے کم تعلیم یافتہ مزدوروں پر مبنی استحصالی ادارے بیسویں صدی میں بھی خوب قائم رہے۔ یہ ادارے صرف دوسری جنگ عظیم کے بعد ٹوٹنے لگے اور پھر صحیح معنوں میں اس کے بعد جب شہری حقوق کی تحریک نے اس نظام کی سیاسی بنیادی کو تباہ کر دیا۔اور یہ 1950 اور 1960 کی دہائیوں میں ان اداروں کی موت کے بعد ہی تھا کہ جنوب نے شمال کے ساتھ ملنے کا اپنا عمل شروع کیا۔

ریاستہائے متحدہ کا جنوب، بدی کے دائرے کے ایک اور زیادہ لچکدار پہلو کو بھی نمایاں کرتا ہے، جیسا کہ گوئٹے مالا میں تھا، جنوبی شجرکاری اشرافیہ اقتدار میں رہی اور معاشی اور سیاسی اداروں کی تشکیل اس مقصد سے کی کہ اس کے اقتدار کا تسلسل یقینی ہو جائے۔ لیکن گوئٹے مالا سے مختلف انداز سے، خانہ جنگی میں اس کی شکستوں کے بعد اسے اہم چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جس نے غلامی کو ختم کر دیا اور سیاہ فاموں کے سیاسی شراکت سے مکمل، آئینی اخراج کو الٹ دیا، لیکن بلّی کی کھال اتارنے کے ایک سے زیادہ طریقے ہیں: اس وقت تک جب تک کہ شجرکار اشرافیہ اپنی بڑی بڑی زمینداریوں پر قابض تھی اور منظّم رہی، یہ اداروں کا ایک نیا سیٹ تشکیل دینے میں کامیاب رہی، غلامی کی جگہ نسلی امتیاز، اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے۔ بدی کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ مضبوط ثابت ہوا، جتنا کہ بہت سے لوگوں نے، بشمول ابراہام لنکن نے سوچا تھا۔ بدی کے دائرے کی بنیاد استحصالی سیاسی اداروں پر ہوتی ہے، جو سیاسی اداروں کی حمایت کرتے ہیں، کیونکہ معاشی

دولت اور طاقت، سیاسی طاقت کو خرید لیتے ہیں۔ جب چالیس ایکڑ اور خچر میز پر سے ہٹ گئے، تو جنوبی شجرکار اشرافیہ کی معاشی طاقت پوری آب و تاب سے قائم رہی۔اور بلا حیرت اور بدقسمتی سے جنوب کی سیاہ فام آبادی اور جنوب کی ترقی کیلئے نتائج وہی رہے۔

اُمراشاہی کا آہنی قانون

ایتھوپیا میں سولومونک خاندان اس وقت تک رہا، جب تک کہ اسے 1974 میں ایک فوجی انقلاب کے ذریعے اقتدار سے باہر نہیں کر دیا گیا۔ یہ انقلاب ڈرگ (Derg) کی طرف سے برپا کیا گیا، جو کہ مارکسی فوجی افسران کا ایک گروپ تھا، وہ حکومت جسے ڈرگ نے اقتدار سے اکھاڑا، یوں لگتی تھی جیسا یہ کسی ابتدائی صدی میں منجمد ہو چکی ہو، ایک خطائے تاریخی۔ شہنشاہ ہیل سیلاسی (Haile Selassie) دن کا آغاز اس عظیم محل کے صحن میں آمد سے کرتا تھا، جس کی تعمیر شہنشاہ مینیلیک دوم (Menelik II) کی طرف سے انیسویں صدی کے اواخر میں کی گئی تھی۔ محل کے باہر معززین کی ہجوم ہوتا تھا، جس اس کی آمد کی پیش گوئی کرتے تھے، کورنش بجالاتے ہوئے اور اس کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے۔ شہنشاہ سامعین کے ہال میں اپنا دربار لگاتا، شاہی تخت پر بیٹھ کر (دیلاسی ایک کوتاہ قد آدمی تھا؛ تاکہ اس کی ٹانگیں ہوا میں نہ لہراتی رہیں، ایک خصوصی تکیہ بردار کا یہ فریضہ تھا کہ جہاں کہیں وہ جائے وہ اس کے ساتھ ساتھ رہے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ اس کے قدموں کے نیچے رکھنے کے لئے کوئی مناسب تکیہ موجود ہو۔ تکیہ بردار کسی بھی قسم کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے باون تکیوں کا ذخیرہ اپنے پاس رکھتا تھا) سیلاسی استحصالی اداروں کے ایک انتہا درجے کے سیٹ پر حکومت کرتا تھا، اور ملک کو اپنی ذاتی جائیداد کی طرح چلاتا تھا، نوازشات اور سرپرستی بانٹتے ہوئے اور وفاداری کی کمی کی سزا ظالمانہ طور پر دیتے ہوئے۔ سولومونک خاندان کے زیرحکومت ایتھوپیا میں کوئی قابل ذکر معاشی ترقی نہیں تھی۔

بنیادی طور پر ڈرگ پورے ملک سے مختلف فوج یونٹوں سے 108 نمائندوں پر مشتمل تھی۔ صوبہ ہرار میں تیسرے ڈویژن کا نمائندہ ایک میجر تھا، جس کا نام مینجسٹو ہیل مریم (Mengistu Haile Mariam) تھا۔ اگرچہ 4 جولائی 1974 کے اپنے پہلے اعلامیہ میں ڈرگ کے افسروں نے شہنشاہ کے ساتھ اپنی وفاداری کا اعلان کیا، لیکن انہوں نے جلد ہی حکومتی ارکان کو قید کرنا شروع

MashalBooks.org

کر دیا، یہ آزمائش کرتے ہوئے کہ اس سے کتنی مخالفت پیدا ہوگی۔ جب انہیں زیادہ یقین ہو گیا، کہ سیلاسی کی حکومت کیلئے حمایت کھوکھلی ہے، تو وہ خود شہنشاہ پر پل پڑے اور اسے 12 ستمبر کو گرفتار کر لیا۔ پھر سزائیں شروع ہو گئیں۔ پچھلی حکومت کے مرکز کے بہت سے سیاستدانوں کو تیزی سے قتل کر دیا گیا۔ دسمبر تک، ڈرگ نے یہ اعلان کیا کہ ایتھوپیا ایک اشتراکی ریاست ہو گی۔ سیلاسی 27 اگست 1975 کو مر گیا، غالباً قتل کر دیا گیا، 1975 میں ڈرگ نے املاک کو قومی تحویل میں لینا شروع کر دیا، بشمول تمام شہری اور دیہی زمین کو اور بہت سی اقسام کی نجی املاک کو۔ اس حکومت کے بڑھتے ہوئے آمرانہ رویے نے ملک کے طول و عرض میں مخالفت کی چنگاری بھڑکا دی۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں یورپی سامراجی توسیع کے دوران، شہنشاہ مینیلیک دوم کی پالیسیوں سے، ایتھوپیا کے بڑے بڑے حصوں کو اکٹھا کر دیا گیا۔ شہنشاہ مینیلیک دوم جنگ اڈووا کا فاتح تھا، جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا۔ ان میں شمال میں اریٹریا اور ٹگرے اور مشرق میں اوگاڈن شامل تھے۔ ڈاگ کی ظالمانہ حکومت کے ردعمل میں ارئیریا اور ٹگرے میں آزادی کی تحاریک نمودار ہو گئیں، جبکہ صومالی فوج نے صومالی بولنے والے اوگاڈن پر حملہ کر دیا۔ خود ڈرگ ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور دھڑوں میں تقسیم ہونے لگی۔ میجر مینجستو ان سب میں سے زیادہ ہوشیار اور بے رحم ثابت ہوا۔ 1977 کے وسط تک ان اپنے تمام مخالفین کو ملیامیٹ کر دیا تھا اور حکومت کا موثر طور پر انتظام سنبھال لیا تھا، جو اس سال کے اواخر نومبر میں سوویٹ یونین اور کیوبا کی طرف سے بہت زیادہ ہتھیاروں اور فوجوں کی آمد سے ہی تباہی سے بچ سکی تھی۔

1987 سے لے کر، حکومت نے ایک قومی تقریب منعقد کی۔ ہیل سیلاسی کے تختہ الٹنے کی چوتھی برسی کی یاد مناتے ہوئے۔ اس وقت تک مینجستو ڈرگ کا متفقہ رہنما تھا۔ اس نے اپنی رہائش کے طور پر، جہاں سے وہ ایتھوپیا پر حکومت کرتا تھا، سیلاسی عظیم محل کو منتخب کیا، جو بادشاہت کے ختم ہونے کے بعد خالی پڑا تھا۔ تقریب میں وہ پرانے شہنشاہوں کی طرح ایک سنہری آرام کرسی پر بیٹھا تھا، اور بیٹھے ہوئے پریڈ کو دیکھ رہا تھا۔ اب سرکاری تقاریب بھی ایک مرتبہ پھر عظیم محل میں منعقد ہونے لگی تھیں، اس طرح کہ مینجستو ہیل سیلاسی کے تخت پر بیٹھا ہوا ہوتا تھا۔ مینجستو نے اب اپنے آپ کو شہنشاہ ٹیوودراس (Tewdros) کے ساتھ تشبیہ دینے لگا تھا جس نے انیسویں صدی کے وسط میں، انحطاط کے دور کے بعد سولومونک خاندان کی دوبارہ بنیاد رکھی تھی۔

اس کے وزرا میں سے ایک ڈیوٹ وولڈ جارجس (Dawit Wolde-Giorgis) نے اپنی یادداشتوں میں دہرایا:

انقلاب کے آغاز میں سب نے، ماضی کے ساتھ کسی قسم کے تعلق کو مسترد کر دیا تھا۔ ہمیں مزید کاریں نہیں چلانی تھیں نہ ہی سوٹ پہننے تھے؛ نکٹائیوں کو مجرمانہ سمجھا جاتا تھا، کوئی بھی چیز جس سے آپ کھاتے پیتے یا بورژوا نظر آتے، کوئی بھی چیز جو دولت مندی یا نفاست کا پتی دیتی، اس سے قدیم نظام کے ایک حصے کے طور پر نفرت کی جاتی۔ پھر 1978 کے لگ بھگ یہ سب کچھ تبدیل ہونے لگا۔ آہستہ آہستہ مادہ پرستی قبول کی جانے لگی، اور بعد میں ضرورت بن گئی، بہترین یورپی لباس سازوں کے ڈیزائن کئے ہوئے لباس تمام بڑے سرکاری ملازمین اور ملٹری کونسل کے اراکین کی وردی بن گئے۔ ہمارے پاس ہر چیز بہترین قسم کی تھی: بہترین گھر، بہترین کاریں، بہترین وہسکی شیمپین، خوراک۔ یہ انقلاب کے نصب العینوں کی مکمل مراجعت تھی۔

جارجس نے یہ بھی واضح طور پر تحریر کیا کہ مینجستو ایک مرتبہ حکمران بننے کے بعد کس طرح تبدیل ہو گیا۔

حقیقی منجسٹو برآمد ہو گیا؛ انتقام جو، ظالم اور آمر۔۔۔۔ ہم میں سے بہت سوں نے، جو اس کے ساتھ اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے گفتگو کرتے تھے، گویا کہ وہ ہم میں سے ایک ہو، اپنے آپ کو سیدھے کھڑے ہو کر اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے پایا، اس کی موجودگی میں محتاط انداز سے مودب۔ اس سے مخاطب ہوتے ہوئے ہم ہمیشہ "You" کی مانوس شکل آنٹ (ante) استعمال کرتے تھے؛ اب ہم نے اپنے آپ کو زیادہ رسمی "You" ایرسائیو (ersiwo) کی طرف تبدیل ہوتے ہوئے پایا۔ وہ مینیلیک کے محل میں ایک زیادہ بڑے، زیادہ آراستہ دفتر میں منتقل ہو گیا۔۔ اس نے شہنشاہ کی کار استعمال کرنا شروع کر دی۔۔ ہم سے یہ توقع کی گئی تھی کہ ہم مساوات کا انقلاب لائیں گے؛ اب وہ ایک نیا شہنشاہ بن گیا تھا۔

بدی کے دائرے کا نمونہ جس کی تصویر ہیل سیلاسی اور مینجستو کے درمیان، اور سیرالیون کے برطانوی سامراجی گورنروں اور سیاکا سٹیونز کے درمیان تبدیلی میں نظر آتی ہے، اس قدر انتہائی اور ایک سطح پر اس قدر عجیب ہے کہ یہ ایک علیحدہ خصوصی نام کا تقاضا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے باب چہارم میں ذکر کیا، جرمن ماہر عمرانیات رابرٹ مچلز نے اسے امراشاہی کا آہنی قانون قرار دیا۔

MashalBooks.org

امراشاہیوں کا اور درحقیقت تمام سلسلہ مراتب والی تنظیموں کی داخلی منطق یہ ہے کہ، مچلز نے استدلال کیا، وہ نہ صرف اس وقت اپنا دوبارہ احیا کریں گے جب کہ ابھی وہی گروپ برسر اقتدار ہو بلکہ، اس کے بعد بھی جب کوئی نیا گروپ کنٹرول سنبھال لے۔ جس چیز کی پیش بینی مچلز نے نہیں کی، غالباً وہ کارل مارکس کی رائے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، پہلی مرتبہ ایک المیے کے طور پر، دوسری دفعہ مضحکہ خیز تمثیل کے طور پر۔

صرف اتنا نہیں ہے کہ بعد از آزادی کے بہت سے افریقی رہنماؤں نے انہی رہائش گاہوں میں قیام کیا، سرپرستی کے انہی جالوں کا استعمال کیا، اور مارکیٹوں اور استحصالی وسائل کو ہتھیانے کے وہی طریقے استعمال کئے، جو کہ وہ حکومتوں اور شہنشاہ کرتے تھے، جن کی جگہ انہوں نے سنبھالی؛ بلکہ انہوں نے معاملات کو اور بھی خراب کر دیا، یہ واقعی ایک مزاحیہ تمثیل تھی کہ متشدد سامراج مخالف سٹیونز، انہی لوگوں، مینڈی کو کنٹرول کرنے سے غرض رکھتا ہو، جنہیں برطانوی کنٹرول کرنا چاہتے تھے؛ یہ کہ وہ سرداروں پر بھروسہ کرے جنہیں برطانویوں نے طاقتور بنایا اور مضافات کے لوگوں کو کنٹرول کرنے کے لئے استعمال کیا؛ یہ کہ وہ معیشت کو اسی طرح چلائے، کسانوں کا انہیں مارکیٹنگ بورڈوں کے ساتھ استحصال کرے، اور اسی جارہ داری کے تحت ہیروں پر قبضہ کرے۔ یہ واقعی ایک مزاحیہ تمثیل تھی، یقیناً بہت ہی افسوسناک مزاحیہ تمثیل، کہ لارنٹ کبیلہ (Laurent Kabila) جس نے موبوتو کی آمریت کے خلاف اس وعدے کے ساتھ فوج کشی کی، کہ وہ لوگوں کو آزاد کرے گا اور موبوتو کے زائر کے جبر، اور گلا گھونٹنے والی اور غربت پیدا کرنے والی بدعنوانی کو ختم کرے گا، بعد میں ایک ایسی حکومت قائم کرے، جو اتنی ہی بدعنوان اور غالباً زیادہ تباہ کن ہو۔ یہ بات یقیناً مضحکہ خیز تھی کہ اس نے ایک موبوتو کے جیسی شخصیت پرستی کا آغاز کرنے کی کوشش کی جس میں مدد اور تعاون، موبوتو کے سابقہ وزیر اطلاعات، ڈومینیک سیکومبی انونگو (Dominique Sakombi Inongo) نے کیا اور یہ کہ موبوتو کی حکومت خود بھی عوام کے استحصال کے اسی نمونے پر استوار ہوئی تھی، جو ایک صدی پیشتر کنگ لیوپولڈ کی کانگو آزاد ریاست کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ یہ بلاشبہ ایک مزاحیہ تمثیل تھی کہ مارکسی افسر مینجسٹو محل میں رہنا شروع کر گئے، اپنے آپ کو شہنشاہ تصور کرتے ہوئے، اور اپنے آپ کو اور اپنے مصاحبین کو اسی طرح دولت مند بنانا شروع کر دے جس طرح اس سے پہلے ہیل سیلاسی اور دوسرے شہنشاہوں نے کیا تھا۔

یہ سب ایک مزاحیہ تمثیل تھی لیکن اصل المیئے سے بھی زیادہ المناک اور صرف خاک شدہ آرزوؤں کے لئے ہی نہیں۔ سٹیونز اور کبیلہ نے، افریقہ میں بہت سے حکمرانوں کی طرح، اپنے مخالفین کو اور بعد میں عام معصوم شہریوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ مینجسٹو اور ڈرگ کی پالیسیاں ایتھوپیا کی زرخیز زمین میں بار بار قحط لے کر آئیں۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی، لیکن بہت مسخ شدہ شکل میں۔ یہ 1973 میں وولو کے صوبے میں ایک قحط ہی تھا، جس سے ہیل سیلاسی بظاہر لاتعلق رہا، جس نے آخر کار اس کی حکومت کے خلاف مخالفت کو مضبوط کر دیا۔ سیلاسی کم از کم صرف لاتعلق ہی تھا۔ اس کی بجائے مینجسٹو نے تو قحط کو اپنے مخالفین کی طاقت کو توڑنے کے لئے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا، تاریخ، ایتھوپیا کے شہریوں اور زیریں صحارائی افریقہ کے بہت سے حصے کے لئے نہ صرف مضحکہ خیز اور المناک تھی بلکہ ظالم بھی تھی۔

اُمراشاہی کے آہنی قانون کا لب لباب، بدی کے دائرے کا مخصوص پہلو یہ ہے کہ نئے رہنما جو پرانے رہنماؤں کو ان وعدوں کے ساتھ شکست دیتے ہیں کہ وہ انقلابی تبدیلی لائیں گے، بجائے اسی چیز میں اضافہ کے اور کچھ نہیں لاتے۔ ایک سطح پر، امراشاہی کے آہنی قانون کو، بدی کے قانون کی دوسری شکلوں کو سمجھنے کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے جنوب اور گوئٹے مالا میں استحصالی اداروں کے تسلسل کی ایک واضح منطق ہے۔ انہی گروپوں نے صدیوں تک معیشت اور سیاست پر اپنا غلبہ برقرار رکھا۔ اگر انہیں چیلنج بھی کیا گیا، جیسا کہ خانہ جنگی کے بعد ریاستہائے متحدہ کے جنوب کے شجر کاروں کو، تو ان کی طاقت صحیح وسالم رہی اور وہ اسی طرح کے استحصالی اداروں کا سیٹ دوبارہ تخلیق کرنے اور رکھنے میں کامیاب ہو گئے جس سے انہوں نے دوبارہ فائدہ اٹھایا۔ لیکن ہم انہیں کیسے سمجھ سکتے ہیں جو انقلابی تبدیلی کے نام پر اقتدار میں آتے ہیں اور اسی نظام کو دوبارہ زندہ کرتے ہیں؟ اس سوال کا جواب ایک مرتبہ پھر یہ واضح کرتا ہے کہ بدی کا دائرہ اس سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے، جیسا کہ یہ پہلے پہل نظر آتا ہے۔

تمام انقلابی تبدیلیوں کا مقدر ناکامی بھی نہیں ہوتا۔ شاندار انقلاب بھی ایک انقلابی تبدیلی تھی اور یہ غالباً پچھلی دو ہزاریوں کے اہم ترین انقلاب پر منتج ہوئی۔ انقلاب فرانس اس سے بھی زیادہ انقلابی تھا، اپنے انتشار، انتہائی تشدد اور نپولین بوناپارٹ کی تخت نشینی کے ساتھ، لیکن اس نے قدیم حکومت (Ancien regime) کو دوبارہ زندہ نہ کیا۔

MashalBooks.org

شاندار انقلاب اور انقلاب فرانس کے بعد تین عوامل نے زیادہ اشتمالی اداروں کے ظہور کی بہت زیادہ سہولت کاری کی۔ پہلا عامل نئے تاجر اور کاروباری لوگ تھے، جو تخلیقی تباہی کی طاقت کو آزاد کرنے کی خواہش رکھتے تھے، جس سے خود انہوں نے فائدہ اٹھانا تھا؛ یہ نئے لوگ انقلابی اتحادوں کے بنیادی ارکان میں سے تھے، اور یہ استحصالی اداروں کے مزید کسی اور سیٹ کی ترقی دیکھنا نہیں چاہتے تھے جو دوبارہ ان پر حملہ آور ہو۔

دوسرا عامل وہ وسیع اتحاد تھا، جو دونوں صورتوں میں تشکیل پا گیا تھا۔ مثال کے طور پر، شاندار انقلاب کسی محدود گروپ یا مخصوص محدود مفاد کی طرف سے انقلاب نہیں تھا، بلکہ ایک ایسی تحریک تھی جس کی پشت پر تاجر صنعتکار، شرفا اور متنوع سیاسی گروپ تھے۔ یہی بات انقلاب فرانس کے بارے میں بڑی حد تک صحیح تھی۔

تیسرا عامل انگریزی اور فرانسیسی سیاسی اداروں کی تاریخ سے متعلق ہے۔ انہوں نے ایک ایسا پس منظر تخلیق کیا، جس میں نئے اور زیادہ اشتمالی ادارے پروان چڑھ سکتے تھے۔ دونوں ممالک میں پارلیمانوں اور شراکت اقتدار کی ایک روایت تھی، جو انگلستان میں میگنا کارٹا اور فرانس میں اسمبلی آف نوٹیبلز (اہم لوگوں کی اسمبلی) تک جاتی تھی۔ مزید برآں، دونوں انقلاب ایک ایسے عمل کے دوران واقع ہوئے، جس نے مطلق العنان، یا مطلق العنانی کی خواہشمند حکومتوں کو پہلی ہی کمزور کر دیا تھا۔ ان دونوں میں سے کسی صورت میں بھی، یہ سیاسی ادارے حکمرانوں کے کسی نئے سیٹ یا محدود گروپ کے لئے اس بات کو آسان بنانے والے نہیں تھے۔ کہ وہ ریاست کا کنٹرول سنبھال لیں، موجودہ معاشی دولت کو غصب کر لیں، اور کوئی بلا رکاوٹ اور پائیدار سیاسی اقتدار قائم کر لیں۔ انقلاب فرانس کے نتیجے میں ایک محدود گروپ نے روبزپیئر اور سینٹ جسٹ کی قیادت میں کنٹرول حاصل کیا، جس کے تباہ کن نتائج نکلے، لیکن یہ عارضی تھا اور اس نے زیادہ اشتمالی اداروں کی طرف جانے والی گاڑی کو پٹڑی سے نہیں ہٹایا۔ یہ سب کچھ ان معاشروں کی صورت حال کے برعکس ہے جن کی استحصالی معاشی اور سیاسی اداروں اور حکمرانوں کی طاقت پر کسی قسم کی پابندیاں نہ ہونے کی طویل تاریخیں ہیں۔ ان معاشروں میں، کوئی نئے مضبوط تاجر یا کاروباری لوگ نہیں تھے، جو جزوی طور پر زیادہ اشتمالی معاشی اداروں کو محفوظ بنانے کے لئے موجودہ حکومت کی مزاحمت کرنے کی حمایت یا مالی مدد کرتے۔ کوئی وسیع اتحاد نہیں تھے جو ان

میں اپنے میں سے ہر ایک رکن کی طاقت کے خلاف پابندیوں کی متعارف کرواتے؛ کوئی سیاسی ادارے نہیں حکمرانوں کی راہ روکتے۔

نتیجۃً، سیرالیون، ایتھوپیا اور کانگو میں، بدی کے چکر کی مزاحمت کرنا کہیں زیادہ مشکل ہوگا، اور اشتمالی اداروں کی طرف پیشرفتوں کی کامیابی کہیں زیادہ ناممکن ہوگی۔ کوئی تاریخی یا روایتی ادارے بھی ایسے نہیں تھے، جو ان کی طاقت کو روک سکتے جو ریاست کا کنٹرول سنبھال لیتے تھے۔ ایسے ادارے، افریقہ کے کچھ حصوں میں وجود رکھتے تھے، اور بعض، جیسا کہ بوٹسوانا میں، سامراجی ادوار کے بعد بھی زندہ رہے۔ لیکن سیرالیون کی پوری تاریخ میں یہ بہت کم جانے پہچانے تھے، اور جس حد تک وہ موجود بھی تھے۔ تو وہ بالواسطہ حکومت کے ذریعے توڑ مروڑ دیئے گئے تھے۔ یہی بات افریقہ میں دوسری برطانوی نوآبادیات مثلاً کینیا اور نائیجیریا کے بارے میں بھی صحیح تھی۔ ایتھوپیا کی مطلق العنان ریاست میں وہ کبھی وجود ہی نہیں رکھتے تھے۔ کانگو میں مقامی اداروں کو بلجیم کی سامراجی حکومت کی طرف سے اور موبوتو کی آمرانہ پالیسیوں سے کمزور کر دیا گیا تھا۔ ان تمام معاشروں میں کوئی نئے تاجر، کاروباری لوگ یا تجارتی مہم جو نہیں تھے، جو نئی حکومت کی حمایت کرتے اور محفوظ حقوق ملکیت کا مطالبہ کرتے اور سابقہ استحصالی اداروں کے خاتمے کا مطالبہ کرتے۔ درحقیقت سامراجی دور کے استحصالی معاشی اداروں کا مطلب تھا کہ اب کوئی زیادہ کاروباری مہم جوئی یا کاروباری باقی نہیں رہ گیا تھا۔

بین الاقوامی برداری کا خیال تھا کی بعد از سامراجیت افریقی آزادی، ریاستی منصوبہ بندی اور نجی شعبے کو فروغ دے کر، معاشی ترقی کی طرف لے جائے گی، لیکن نجی شعبہ تو وہاں تھا ہی نہیں۔ سوائے دیہاتی علاقوں کے، جن کی نئی حکومتوں میں کوئی نمائندگی نہیں تھی، لہٰذا وہ ان کا پہلا شکار تھے۔ غالباً اہم ترین بات یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر صورتوں میں، اقتدار پر قابض ہونے سے بہت ہی زیادہ فوائد وابستہ تھے۔ یہ فوائد ایک تو سب سے زیاہ بے ضمیر انسانوں کی کشش کرتے تھے، جیسا کہ سٹیونز تھا، جو اس طاقت پر اجارہ داری قائم کرنا چاہتا تھا، اور دوسرے جب وہ اقتدار میں آتے تھے تو ان میں سے ان کی بدترین خصوصیات ظاہر ہو جاتی تھیں، بدی کے دائرے کو توڑنے والی کوئی چیز نہ تھی۔

MashalBooks.org

منفی ردِّعمل اور بدی کے دائرے

امیر اقوام زیادہ تر اس وجہ سے امیر ہیں کہ انہوں نے پچھلے تین سو سالوں کے دوران کسی نہ کسی مقام پر اشتمالی اداروں کو پروان چڑھانے کا اہتمام کرلیا۔ یہ ادارے نیکی کے دائروں کے عمل کے ذریعے قائم رہے ہیں۔ اگرچہ ابتدا میں صرف ایک محدود مفہوم میں ہی اشتمالی سہی، اور بعض اوقات بالکل نازک، لیکن انہوں نے ایسی حرکیت پیدا کیں، جنہوں نے مثبت ردعمل کا عمل پیدا کیا، اس طرح ان کی اشتمالیت میں بتدریج اضافہ ہوا، انگلستان 1688 کے شاندار انقلاب کے بعد ایک جمہوریہ نہیں بنا۔ بلکہ وہ اس سے بہت دور تھا۔ محض آبادی کے ایک چھوٹے سے حصے کو رسمی نمائندگی حاصل ہوئی، لیکن بنیادی طور پر وہ تکثیری تھا۔ جب ایک مرتبہ تکثیریت محفوظ ہوگئی، تو اداروں کے اندر وقت کے ساتھ ساتھ مزید اشتمالی ہونے کا رجحان پیدا ہوگیا، اگرچہ یہ مشکل اور غیر یقینی عمل تھا۔

اس سلسلے میں انگلستان، نیکی کے دائروں کی ایک مخصوص مثال تھا: اشتمالی سیاسی ادارے، اقتدار کے سلب ونہب اور اس کے استعمال کے خلاف پابندیاں پیدا کرتے ہیں۔ وہ اشتمالی معاشی ادارے پیدا کرنے کا رجحان بھی رکھتے ہیں، جو کہ جوابی طور پر اشتمالی سیاسی اداروں کے تسلسل کا زیادہ امکان پیدا کردیتے ہیں۔

اشتمالی اداروں کے تحت، دولت ایک چھوٹے گروپ کے ہاتھ میں مرتکز نہیں ہوتی۔ جو پھر اپنی معاشی طاقت کو اپنی سیاسی طاقت کو غیر متوازن طور پر بڑھانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مزید برآں، اشتمالی معاشی اداروں کے تحت، سیاسی طاقت پر قبضہ رکھنے سے اور کم فوائد حاصل ہوتے ہیں، لہذا ہر گروہ اور نو دولتیے فرد کے لئے ریاست کا کنٹرول حاصل کرنے کے لئے کمزور تر محرک ہوتا ہے ایک فیصلہ کن موڑ پر عوامل کا اتحادِ عمل، بشمول فیصلہ کن موڑ کے پیدا کردہ موجودہ اداروں اور مواقع اور چیلنجوں کے درمیان باہمی تعامل کے، عام طور پر اشتمالی اداروں کی شروعات کا ذمہ دار ہوتا ہے، جیسا کہ انگلستان کی مثال ظاہر کرتی ہے، لیکن جب ایک مرتبہ یہ اشتمالی ادارے اپنی جگہ پر آجاتے ہیں، تو ہمیں ان کے لئے انہی عوامل کے اتحادِ عمل کے باقی رہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیکی کے دائرے کے تسلسل کو ممکن بناتے ہیں، اور بلکہ اکثر اوقات ایسی

حرکیات کو متحرک کردیتے ہیں، جو معاشرے کو زیادہ اشتمالیت کی طرف لے جاتے ہیں۔

جس طرح نیکی کے دائرے اشتمالی اداروں کو برقرار رکھتے ہیں، اسی طرح بدی کے دائرے ناقابلِ شکست نہیں ہیں، جیسا کہ ہم آگے باب 14 میں دیکھیں گے، لیکن یہ لچکدار ہیں۔ یہ منفی ردعمل کا ایک طاقتور عمل تخلیق کرتے ہیں، جس میں استحصالی سیاسی ادارے، استحصالی معاشی اداروں کو تشکیل دیتے ہیں، جو، جوابی طور پر استحصالی سیاسی اداروں کے تسلسل کی بنیاد بناتے ہیں۔ ہم نے یہ چیز گوئٹے مالا کے معاملے میں انتہائی واضح طور پر دیکھی، جہاں ایک ہی اشرافیہ اقتدار پر قابض رہی، پہلے سامراجی حکومت کے تحت، پھر آزاد گوئٹے مالا میں، چار صدیوں سے زیادہ عرصے تک، استحصالی ادارے اشرافیہ کو مالا مال کررہے ہیں، اور ان کی دولت ان کے غلبے کے تسلسل کی بنیاد بناتی ہے۔

بدی کے دائرے کا یہی عمل، ریاستہائے متحدہ کے جنوب میں شجرکاری کی معیشت کے تسلسل میں بھی واضح ہے، سوائے اس کے کہ یہ بدی کے دائرے کی بہت بڑے چیلنجوں کے ہوئے ہوئے، زبردست لچک کا مظاہرہ بھی کرتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے جنوب کے شجرکاروں کا رسمی کنٹرول معاشی اور سیاسی اداروں پر، خانہ جنگی میں ان کی شکست کے بعد ختم ہوگیا۔ غلامی، جو کہ شجرکاری کی معیشت کی بنیاد تھی، ختم ہوگئی، اور سیاہ فاموں کو برابر سیاسی اور معاشی حقوق حاصل ہو گئے۔ لیکن خانہ جنگی نے، شجرکار اشرافیہ کی سیاسی طاقت یا اس کی معاشی بنیاد کو ختم نہ کیا، اور وہ نظام کو ایک دوسرے بھیس میں دوبارہ تشکیل دینے میں کامیاب ہوگئے، لیکن اب بھی ان کے پاس مقامی کنٹرول کے تحت، اور اسی مقصد کو حاصل کرنے میں؛ شجرکاریوں کے لئے کم اجرت والے مزدوروں کی کثرت۔

بدی کے دائرے کی یہ شکل، جہاں استحصالی ادارے اس وجہ سے قائم رہتے ہیں کہ ان کو کنٹرول کرنے والے اور ان سے فائدہ اٹھانے والے اشراف باقی رہتے ہیں، اس کی واحد شکل نہیں ہے، پہلے پہل ایک زیادہ پریشان کن، لیکن اتنی ہی حقیقی اور اتنی ہی بد، منفی ردعمل کی شکل نے بہت سی اقوام کی معاشی اور سیاسی ترقی کی صورت گری کی۔ اس کی مثال بہت سے زیریں صحارائی افریقہ کے بہت سے ممالک، خاص طور پر، سیرالیون اور ایتھوپیا کے تجربات میں ملتی ہے۔ ایک ایسی شکل میں جسے ماہر عمرانیات رابرٹ مچلز امراشاہی کا آہنی قانون کہے گا، ایسی حکومت کی شکست

MashalBooks.org

جواستحصالی اداروں پرحکومت کررہی ہو،آقاؤں کے ایک نئے سیٹ کی آمد کی پیشگوئی کرتی ہے، جو تباہ کن استحصالی اداورن کے اسی سیٹ کواستعمال کرتے ہیں۔

اس طرح کے بدی کے دائرے کی منطق کو بھی، بعد میں دیکھ کر سمجھنا سادہ سی بات ہے؛ استحصالی سیاسی ادارے طاقت کے استعمال پرکوئی قدغن نہیں لگاتے، لہذا ان لوگوں کی طرف سے، جوسابقہ اداروں کوگرکر ریاست کا کنٹرول سنبھالتے ہیں، طاقت کے استعمال اور غلط استعمال کو روکنے والا بنیادی طور پرکوئی ادارہ نہیں ہوتا؛ اور استحصالی معاشی ادارے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ محض طاقت پر قبضہ کر لینے سے زبردست فوائد اور دولت بنائی جاسکتی ہے، دوسروں کے اثاثوں کوغصب کر کے اور جارہ داریاں قائم کر کے۔

بلاشبہ امراشاہی کا آہنی قانون کوئی صحیح قانون نہیں ہے۔اس مفہوم میں جس میں طبیعات کے قوانین ہیں۔ یہ کسی ناگزیر راستے کا نقشہ پیش نہیں کرتا۔جیسا کہ انگلستان میں شاندار انقلاب اور جاپان میں میجی کی بحالی کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے۔

ان واقعات میں ایک بنیادی عامل، جس نے اشتمالی اداروں کی طرف ایک بڑے موڑ کا مشاہدہ کیا، ایک وسیع تر اتحاد کو طاقت بہم پہنچانا تھا، جو مطلق العنانی کے خلاف کھڑا ہوسکتا تھا۔اور جس نے مطلق العنان اداروں کی جگہ پرزیادہ اشتمالی ارتکثیری ادارے کھڑے کیے۔ایک وسیع تر اتحاد کی طرف سے انقلاب تکثیری اداروں کے ظہور کو بہت زیادہ ممکن بنا دیتا ہے۔سیرالیون اور ایتھوپیا میں، امراشاہی کے آہنی قانون زیادہ ممکن اس وجہ سے نہیں بنا کہ موجودہ ادارے بہت زیادہ استحصالی تھے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اول الذکر میں تحریک آزادی (Independence Movement) اور ثانی الذکر میں ڈرگ (Derg) کے انقلاب وسیع تر اتحادوں کی قیادت میں لائے جانے والے انقلاب نہیں تھے۔ بلکہ ان افراد اور گروہوں کی طرف سے لائے ہوئے تھے، جواس وجہ سے اقتدار کے متلاشی تھے تا کہ استحصال کرسکیں۔

بدی کے دائرے کا ابھی ایک اور، زیادہ تباہ کن رخ بھی ہے، جس کی پیشگوئی باب پنجم میں مایا کی شہری ریاستوں کی ہماری بحث میں کی گئی تھی۔ جب استحصالی ادارے معاشرے بہت زیادہ معاشی ناہمواری پیدا کردیتے ہیں، اور ان لوگوں کے لئے جن کے پاس کنٹرول ہو بہت زیادہ دولت اور بلا روک ٹوک طاقت پیدا کر دیتے ہیں، تو پھر بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو

MashalBooks.org

ریاست اور اداروں کا کنٹرول سنبھالنے کے لئے لڑنے مرنے پر تیارہ ہوتے ہیں پھر استحصالی ادارے، نہ صرف اگلی حکومت کے لئے جواس سے زیادہ استحصالی ہوگی، راہ ہموار کرتے ہیں، یہ خانہ جنگیاں پھر مزید انسانی مصائب کا سبب بنتی ، اور اس تھوڑی سی ریاست کی مرکز گیری کو بھی تباہ کردیتی ہیں، جوان معاشروں نے حاصل کی ہوتی ہیں۔ یہ چیز اکثر اوقات، لاقانونیت، ریاست کی ناکامی، اور سیاسی انتشار کا بھی آغاز کردیتی ہے، جو معاشی خوشحالی کی تمام امیدوں کو خاک میں ملادیتے ہیں، جیسا کہ اگلا باب وضاحت کرے گا۔

13

آج قومیں کیوں ناکام ہوتی ہیں

زمبابوے میں لاٹری کیسے جیتی جائے

یہ ہرارے، زمبابوے میں، جنوری 2000 کا مہینہ تھا۔ تقریبات کا مہتم فلیٹ جواوا (Fallot Chawawa) قومی لاٹری، جو کہ جزوی طور پر ریاستی ملکیت کے بینک زمبابوے بینکنگ کارپوریشن (زمبینک کی طرف سے منظّم کی گئی تھی، سے جیتنے والا ٹکٹ نکالنے کا انچارج تھا۔ یہ لاٹری ان تمام موکلان کے لیے کھلی تھی، جنھوں نے دسمبر 1999 کے دوران، اپنے اکاؤنٹ میں پانچ ہزار یا اس سے زیادہ زمبابوے کے ڈالر رکھے ہوئے تھے۔ جب چواوا نے ٹکٹ نکالا تو وہ حیرت سے گنگ ہ وگیا۔ زمبینگ کے عوامی بیان میں یوں کہا گیا ''تقریبات کے مہتم فلیٹ چواوا اپنی آنکھوں پر بمشکل ہی یقین کر سکے، جب ایک لاکھ زمبابوے کے ڈالروں کے لئے نکالے گئے ٹکٹ کا انعام اس کے حوالے کیا گیا اور اس نے اس پر عزت مآب آر جی موگابے لکھا ہوا دیکھا''۔

صدر، رابرٹ موگابے نے، جس نے زمبابوے پر غلط یا صحیح طریقے سے حکومت کی تھی، اور عموماً ایک آہنی مکے کے ساتھ کی تھی، 1980 سے لے کر لاٹری جیت لی تھی، جو ایک سو ہزار زمبابوے ڈالروں کے برابر تھی، جو کہ ملک کی فی کس آمدنی کے کا پانچ گنا تھی۔ زمبینک نے یہ دعویٰ کیا کہ موگابے کا نام ہزاروں، اہل صارفین کے ناموں سے نکالا گیا تھا۔ کتنا خوش قسمت انسان تھا! یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسے حقیقتاً رقم کی ضرورت نہیں تھی۔ موگابے نے درحقیقت حال ہی میں اپنی کابینہ کے ساتھ ساتھ اپنی تنخواہ میں دوسو فیصد کا اضافہ کیا تھا۔

لاٹری ٹکٹ زمبابوے کے استحصالی اداروں کی محض ایک اور نشانہ ہی تھا۔ آدمی اسے بدعنوانی کہہ سکتا ہے، لیکن یہ زمبابوے میں ادارہ جاتی ہیجان کی ایک اور علامت تھی۔ اس حقیقت نے کہ موگابے اگر چاہتا تو لاٹری بھی جیت سکتا تھا، اس بات کا اظہار کیا کہ اسے زمبابوے میں معاملات پر کس قدر کنٹرول حاصل تھا، اور دنیا کو اس بات کی ایک جھلک دکھائی کہ ملک میں استحصالی اداروں کی حدود کتنی وسیع ہیں۔

آج قومیں کیوں ناکام ہوتی ہیں کی ایک سب سے عام وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں استحصالی ادارے ہوتے ہیں۔ زمبابوے موگابے کی حکومت کے تحت واضح طور پر اس کے معاشی اور سماجی نتائج کی وضاحت کرتا ہے۔ اگرچہ زمبابوے میں قومی شماریات بہت ناقابل اعتبار ہے، لیکن بہترین تخمینہ یہ ہے کہ 2008 تک زمبابوے کی فی کس آمدنی تقریباً اس سے نصف تھی جو کچھ یہ اس وقت تک جب ملک نے 1980 میں آزادی حاصل کی۔ یہ چیز جس طرح ڈرامائی لگتی ہے، لیکن اس نے درحقیقت زمبابوے میں معیار زندگی کے زوال کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ریاست ناکام ہوگئی ہے، اور اس نے کسی قسم کی بنیادی عوامی خدمات مہیا کرنا کم و بیش بند کر دیا ہے۔ 2009-2008 میں صحت کے نظام میں انحطاط، پورے ملک میں ہیضہ کے پھوٹ پڑنے پر منتج ہوا۔ 10 جنوری 2010 سے، 98741 مریض رپورٹ ہو چکے ہیں، اور 4293 اموات واقع ہو چکی ہیں، جنھوں نے اسے پچھلے ہندرہ سالوں میں افریقہ خوفناک ترین ہیضے کی وبا بنا دیا ہے، اس دوران میں بے روزگاری بھی بے مثال حدوں تک پہنچ چکی ہے۔ 2009 کے آغاز یو این کے (Coordination of Humanitarian affairs) انسانی امور کے باہمی تعاون کے دفتر نے یہ دعویٰ کیا کہ بے روزگاری کی شرح 94 فیصد کی ناقابل یقین سطح کو چھو چکی ہے۔

زمبابوے میں بہت سے معاشی اور سیاسی اداروں کی جڑوں جیسا کہ زیریں صحارائی افریقہ کے بہت سے ملکوں کی صورت حال ہے، کا کھوج سامراجی دور میں لگایا جا سکتا ہے، 1890 میں (Cecil Rhodes British South Africa Company) سیسل روڈز برٹش ساؤتھ افریقہ کمپنی نے اس وقت کی نیڈ بیلیل کی بادشاہت جس کی بنیاد میٹابی لینڈ، اور ساتھ ہی ساتھ پڑوسی میشورا لینڈ میں تھی، کی طرف ایک فوجی مہم بھیجی۔ ان کے برتر ہتھیاروں نے افریقی مزاحمت کو تیزی سے دبا دیا'' اور 1901 تک جنوبی روڈیشیا کی نو آبادیات، جس کا نام روڈز کے نام پر رکھا گیا تھا۔ کی تشکیل اس

MashalBooks.org

علاقے میں ہو چکی تھی جو موجودہ زمبابوے ہے۔ اب کیونکہ یہ علاقہ برٹش ساؤتھ افریقہ کی کمپنی کی نجی مملوکہ رعایت تھی۔ روڈ نے وہاں قیمتی معدنیات کی تلاش کے لئے کھدائی اور کان کنی کے ذریعے پیسہ بنانے کی پیش بینی کی۔ ان کی کوشش کبھی کامیاب نہ ہوئی، لیکن بہت زرخیز کاشتکاری کی زمینوں نے گوروں کی ہجرت کو کشش کرنا شروع کر دیا۔ ان آبادکاروں نے بہت ساری زمین پر قبضہ کر لیا۔ 1923 تک انہوں نے اپنے آپ کو برٹش ساؤتھ افریقہ کمپنی سے آزاد کروا لیا اور برطانوی حکومت کو انہیں خود مختار حکومت دینے پر مائل کیا۔ پھر جو کچھ واقع ہوا، اس سے بہت زیادہ مشابہہ ہے جو ایک دہائی یا اس کے لگ بھگ پیشتر جنوبی افریقہ میں واقع ہوا تھا۔ 1913 کے نیٹو لینڈ ایکٹ نے جنوبی افریقہ میں ایک دوغلی معیشت کو جنم دیا، روڈیشیا نے بالکل ویسے ہی قوانین منظور کئے، اور جنوبی افریقہ کے نمونہ سے متاثر ہو کر 1923 کے فوری بعد ایک صرف سفید فاموں کی نسلی امتیاز کی ریاست تعمیر کر لی گئی۔

جب 1950 کی دہائی کے اواخر اور 1960 کی دہائی کے اوائل میں یورپی سامراجی سلطنتیں ناکام ہوئیں، تو روڈیشیا میں سفید فام اشراف نے، ایان سمتھ کی قیادت میں، غالباً 5 فیصد آبادی پر مشتمل لوگوں نے، 1965 میں برطانیہ سے آزادی کا اعلان کر دیا۔ بہت کم بین الاقوامی حکومتوں نے روڈیشیا کی آزادی کو تسلیم کیا اور یونائٹڈ نیشنز نے اس کے خلاف پابندیاں عائد کر دیں۔ سیاہ فام شہریوں نے، موزمبیق اور زیمبیا کے ہمسایہ ممالک میں بنا کر گوریلا جنگ شروع کر دی۔ بین الاقوامی دباؤ اور بنیادی گروپوں، موگابے کی ZANU (دا زمبابوے افریقن نیشنل یونین، اور زاپو (دا زمبابوے افریقن پیپلز یونین) جس کی قیادت جوشوا نکومو (Joshua Nkomo) کر رہے تھے، کی طرف سے شروع کی گئی بغاوت، سفید فام حکومت کے گفت و شنید کے ساتھ خاتمے پر منتج ہوئی۔ زمبابوے کی حکومت ریاست 1980 میں تخلیق ہوئی۔

آزادی کے بعد، موگابے نے اپنا ذاتی اقتدار قائم کر لیا۔ اس نے اپنے مخالفین کو یا تو تشدد سے ختم کر دیا یا انہیں اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ مٹابی لینڈ تشدد کے نہایت ذلت آمیز اقدامات کئے گئے، جو کہ (ZAPU) کی حمایت کا مرکز تھا، جہاں 1980 کی دہائی اوائل میں بیس ہزار لوگوں تک قتل کر دیئے گئے۔ 1987 تک زیپو زینو (ZANU) کے ساتھ ضم ہو کر زینو پی ایف بن گئی، اور جوشوا نکومو کو سیاسی طور پر کنارے لگا دیا گیا۔ موگابے اس آئین کو دوبارہ تحریر کرنے کے قابل ہو گیا، جو

اس نے آزادی کے مذاکرات کے حصے کے طور پر وراثت میں لیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو صدر بنا لیا (اس نے بطور وزیر اعظم آغاز کیا تھا) سفید فاموں کی ووٹر فہرستوں کو ختم کر دیا جو کہ آزادی کے معاہدے کا حصہ تھا۔ اور آخر کار 1990 میں اس نے سینٹ سے بالکل ہی خلاصی حاصل کر لی اور مقنّنہ میں وہ عہدے متعارف کروائے جن پر وہ نامزد گیا کر سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ امر واقع میں یک جماعتی ریاست تھی جس کا سربراہ موگابے تھا۔

آزادی پر، موگابے نے، سفید فام حکومت کی طرف سے تخلیق شدہ استحصالی معاشی اداروں کے ایک سیٹ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ ان میں، قیمتوں اور بین الاقوامی تجارت پر ریاست سے چلائی جانے والی صنعتوں اور جبری زرعی مارکیٹنگ بورڈوں پر قوانین کا ایک پلندہ شامل تھا۔ ریاستی ملازمتیں تیزی سے پھیلنے لگیں، جس میں ملازمتیں زینو پی ایف اشراف کے لئے موزوں تھا۔ کیونکہ اس نے افریقی کاروباری لوگوں کے آزاد طبقے کے ابھرنے کو مشکل بنا دیا جو اس وقت اول الذکر کی سیاسی اجارہ داری کو چیلنج کر سکتا تھا۔ یہ اس صورت حال سے بہت مشابہہ تھا، جو ہم نے باب دوم میں 1960 کی دہائی میں گھانا میں دیکھی۔ بلا شبہ ستم ظریفانہ طور پر اس نے صرف سفید فاموں کو بڑے کاروباری طبقے کے طور پر چھوڑا۔ اس عرصے کے دوران سفید فاموں کی معیشت کی بڑی مضبوطیوں کو، خاص طور پر انتہائی پیداواری زرعی برآمدات کے شعبے کو ہاتھ لگائے بغیر چھوڑ دیا گیا، لیکن یہ صورت حال صرف اس وقت تک رہتی تھی جب تک کہ موگابے غیر مقبول ہو گیا۔

آہستہ آہستہ قانون سازی اور مارکیٹ کی مداخلت کا نمونہ نا قابل برداشت ہو گیا، اور ورلڈ بینک اور انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ کی مدد سے ادارہ جاتی تبدیلی کا ایک عمل، 1991 میں ایک شدید مالی بحران کے بعد شروع ہوا۔ آخر کار انحطاط پذیر معاشی کارکردگی، زینو پی ایف کے یک جماعتی اقتدار کی شدید سیاسی مخالفت کے ظہور پر منتج ہوئی؛ The Movement for Democratic Change)، جمہوری تبدیلی کی تحریک (MDC) 1995 کے پارلیمانی انتخابات مقابلاتی بالکل نہیں تھے۔ زینو پی ایف نے 81 فیصد ووٹ حاصل کئے اور 120 میں سے 118 نشستیں حاصل کیں۔ ان ارکان پارلیمان میں سے پچپن ارکان بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔ آنے والے سال کے صدارتی انتخاب نے بے ضابطگیوں اور فراڈ کی اور زیادہ علامات ظاہر کیں۔ موگابے نے 93 فیصد ووٹ حاصل کئے، لیکن اس کے دو مخالفین ابیل موزوریوا (Abel Muzorewa) اور نڈابانجی

MashalBooks.org

سِتھولے (Ndabaningi Sithole) نے، حکومت پر جبر اور فراڈ کا الزام لگاتے ہوئے انتخاب سے پہلے ہی اپنی امیدواری واپس لے لی تھی۔

2000 کے بعد، ہرقسمی بدعنوانی کے باوجود، زینو پی ایف کی گرفت کمزور پڑ رہی تھی۔ اس نے صرف 49 فیصد عوامی ووٹ حاصل کئے اور صرف 63 نشستیں حاصل کیں۔ ایم ڈی سی نے تمام نشستوں پر انتخاب لڑا تھا۔ جس نے دارالحکومت ہرارے میں تمام نشستیں جیت لی تھیں، 2002 کے صدارتی انتخاب میں، موگابے نے، صرف 56 فیصد ووٹوں سے، بڑی مشکل سے کامیابی حاصل کی۔ انتخابات کے دونوں سیٹ زینو پی ایف کے حق میں، صرف تشدد اور دھمکیوں اور ساتھ ہی ساتھ انتخابی دھوکہ بازی سے چلے گئے۔

موگابے کا اپنے سیاسی کنٹرول کی ناکامی کے بارے میں ردعمل، جبر اور حمایت حاصل کرنے کے لئے حکومتی پالیسیوں کے استعمال دونوں کو مزید شدید بنانا تھا۔ اس نے سفید فام زمینداروں پر مکمل حملہ شروع کر دیا۔ 2000 میں آغاز کرتے ہوئے، اس نے زمین پر قبضوں اور سلب ونہب کے ایک وسیع سلسلے کی حوصلہ افزائی اور حمایت کی۔ ان کی قیادت اکثر اوقات آزمودہ کار جنگجوؤں کی انجمنوں نے کی، جو ایسے گروپ تھے، جن کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ جنگ آزادی کے سابقہ جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ غصب شدہ زمین کا کچھ حصہ ان گروپوں کو دیا جاتا تھا، لیکن اس سے زیادہ تر حصہ زینو پی ایف کے اشراف کے پاس جاتا تھا۔ موگابے اور زینو پی ایف کی طرف سے پیدا کیا گیا حقوق ملکیت کا عدم تحفظ، زرعی پیداوار اور پیداواریت کے خاتمے پر منتج ہوا۔ جب معیشت بیٹھ گئی، تو جو چیز باقی بچی وہ یہ تھی کہ حمایت حاصل کرنے کے لئے نوٹ چھاپے جائیں، جو انتہائی افراط زر پر منتج ہوا۔ جنوری 2009 میں دوسری کرنسیوں کو استعمال کرنا قانونی ہو گیا، جیسا کہ جنوبی افریقہ کا رینڈ، اور زمبابوے کا ڈالر کاغذ کا ایک بیکار ٹکڑا بن کر، گردش سے غائب ہو گیا۔

جو کچھ زمبابوے میں 1980 میں واقع ہوا، زیریں صحارائی افریقہ میں آزادی سے لے کر اب تک ایک عام سی بات تھی۔ زمبابوے کو 1980 میں استحصالی سیاسی اور معاشی اداروں کا ایک سیٹ، وراثت میں ملا، ایک دہائی اور اگلی نصف دہائی تک انہیں نسبتاً بغیر ہاتھ لگائے قائم رکھا گیا۔ جب انتخابات ہوئے تو سیاسی ادارے بالکل اشتمالی نہیں تھے۔ معاشی ادارے کسی حد تک تبدیل ہو گئے؛ مثال کے طور پر اب سیاہ فاموں کے خلاف کڑا امتیاز نہیں تھا۔ لیکن مجموعی طور پر ادارے استحصالی

رہے، صرف اس فرق کے ساتھ کہ اب استحصال کرنے والی ایان سمتھ اور گوروں کی بجائے رابرٹ موگابے اور زینو پی ایف کے اشراف تھے جو اپنی جیبیں بھر رہے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ادارے مزید استحصالی ہوتے گئے اور زمبابوے میں آمدنیاں گر گئیں۔ زمبابوے میں سیاسی اور معاشی ناکامی، امراشاہی کے آہنی قانون کا مزید ایک اور مظاہرہ ہے۔ اس مثال میں اس طرح ہے کہ ایان سمتھ کی استحصالی اور جابر حکومت کی جگہ رابرٹ موگابے کی استحصالی۔ بدعنوان اور جابر حکومت نے لے لی۔ لہذا 2000 میں موگابے کا جعلی طور پر لاٹری جیتنا محض ایک بہت ہی بدعنوان اور تاریخی طور پر تشکیل پائے ہوئے برف کے تودے کا محض ایک سرا تھا۔

آج قومیں اس لئے ناکام ہوتی ہیں، کیونکہ ان کے استحصالی معاشی ادارے وہ محرکات پیدا نہیں کرتے جو لوگوں کے لئے بچت کرنے، سرمایہ کاری کرنے اور ایجادات کرنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں استحصالی سیاسی ادارے، ان لوگوں کی طاقت کو مضبوط بنا کر جو استحصال سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان معاشی اداروں کی مدد کرتے ہیں استحصالی اور معاشی ادارے اگرچہ ان کی تفاصیل مختلف حالات کے تحت ہوتی ہیں، اس ناکامی کی تہہ میں ہوتے ہیں، مثال کے طور پر بہت سی صورتوں میں جیسا کہ ہم دیکھیں گے ارجنٹائن میں، کولمبیا میں اور مصر میں، یہ ناکامی کافی معاشی سرگرمی کے فقدان کی شکل اختیار کرتی ہے۔ کیونکہ سیاستدان وسائل کا استعمال کرنے یا کسی قسم کی آزادانہ معاشی سرگرمی کو دبانے میں بہت زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں، جو ان کے اپنے لئے یا ان کے معاشی اشراف کے لئے خطرے کا باعث بن سکے۔ بعض انتہائی صورتوں میں، جیسا کہ زمبابوے اور سیرالیون، جس پر ہم آگے بحث کریں گے، استحصالی ادارے ریاست کی مکمل ناکامی کی راہ ہموار کرنے میں، نہ صرف امن وامان کو تباہ کرتے ہوئے بلکہ انتہائی بنیادی معاشی محرکات کو بھی۔ اس کا نتیجہ معاشی جمود ہوتا ہے۔ جیسا کہ انگولا، کیمرون، چاڈ، مملکت جمہوریہ کانگو، ہیٹی، لائبیریا، نیپال، سیرالیون، سوڈان، اور زمبابوے کی حالیہ تاریخ ظاہر کرتی ہے۔ خانہ جنگیاں، بڑے پیمانے پر بے دخلیاں، قحط، اور وبائیں آج ان ممالک کو اس سے زیادہ غریب بنا رہے ہیں، جتنا کہ وہ 1960 کی دہائی میں تھے۔

بچوں کا جہاد؟

13 مارچ 1991 کو، فوڈے سانکو کی قیادت میں مسلح آدمیوں کے ایک گروہ نے، لائبیریا

MashalBooks.org

سے سیرالیون میں سرحد پار کی اور کہلاہن کے جنوبی سرحدی شہر پر حملہ کر دیا۔ سانکوہ، جو کہ اس سے پہلے سیرالیون کی فوج میں ایک کارپورل تھا، 1971 میں سیاکا سٹیونز کی حکومت کے خلاف ایک ناکام بغاوت میں حصہ لینے کے بعد جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ رہا ہونے کے بعد اس نے آخر کار لیبیا میں اختتام کیا، جہاں وہ ایک تربیتی کیمپ میں داخل ہو گیا، جسے لیبیا کے آمر کرنل قذافی افریقی انقلابیوں کی خاطر چلاتے تھے۔ وہاں اس کی ملاقات چارلس ٹیلر سے ہوئی، جو لائبیریا کی حکومت کو گرانے کی سازش تیار کر رہا تھا۔ جب تیلر نے 1989 میں کرسمس کے موقع پر لائبیریا پر حملہ کیا، تو سانکوہ اس کے ساتھ تھا، اور ٹیلر کے جوانوں کے ساتھ ہی، جو کہ زیادہ تر لائبیریائی اور برکینیبسز (برکینیا فاسو کے شہری) تھے، سانکوہ نے سیرالیون پر حملہ کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو آر یو ایف (The Revolutionary United Front) کہتے تھے۔ اور انہوں نے یہ اعلان کیا کہ وہ وہاں اے پی سی کی بدعنوان اور ظالمانہ حکومت کو ختم کرنے کے لئے آئے تھے۔

جیسا کہ ہم نے پچھلے باب میں دیکھا، سیاکا سٹیونز اور اس کی آل پیپلز کانگریس، اے پی سی، نے سیرالیون سامراجی حکومت کے استحصالی اداروں کو تحویل میں لے لیا اور ان میں شدت پیدا کی، جیسا کہ موگابے اور زینو پی ایف نے زمبابوے میں کیا۔ 1985 تک، جب سٹیونز جو کہ کینسر کا مریض تھا، جوزف موموہ (Joseph Momoh) کو اپنی جگہ سنبھالنے کے لئے لے آیا، تو معیشت بیٹھ رہی تھی۔ سٹیونز، بظاہر کسی طنز کے بغیر اس حکیمانہ قول کا حوالہ دے کر لطف اندوز ہوتا تھا'' گائے جہاں باندھی جاتی ہے وہیں پر کھاتی ہے'' اور جہاں ایک مرتبہ سٹیونز نے کھایا تھا، اب وہاں موموہ ہڑپ کر رہا تھا، سڑکیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور اسکول انتشار کا شکار ہو گئے۔ قومی ٹیلیویژن کی نشریات 1987 میں اس وقت بند ہو گئیں، جب ٹرانسمیٹر، وزیر اطلاعات کی طرف سے بیچ دیا گیا، اور 1989 میں ایک ریڈیو ٹاور جو فری ٹاؤن سے باہر ریڈیو کے سگنلز کو بھیجتا تھا، گر گیا اور دارالحکومت سے باہر نشریات بند ہو گئیں۔ 1995 میں فری ٹاون کے دارالحکومتی شہر میں ایک اخبار میں شائع شدہ تجزیہ بڑا صحیح لگتا ہے:

''موموہ حکمرانی کے اختتام تک اس نے ملازمین، اساتذہ اور یہاں تک کہ پیراماؤنٹ چیفس کو بھی ادائیگی روک دی۔ مرکزی حکومت ختم ہو چکی تھی، اور پھر بلاشبہ ہمارے ہاں سرحدی مداخلتیں ہوئیں'' باغی'' اور تمام خود کار ہتھیار لائبیریا سے سرحد پار کر کے امڈے چلے آ رہے تھے۔

این پی آر سی، '' باغی'' اور '' سوبلز'' (Soldiers turned rebels) (باغی ہو جانے والے سپاہی) سب مل کر افراتفری پیدا کرتے ہیں، جن کی آدمی اس وقت توقع کرتا ہے جب حکومت غالب ہو جاتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارے مسائل کی وجہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ علامات ہیں۔

موموہ کے تحت ریاست کے انہدام، جو ایک مرتبہ پھر بدی کے دائرے کا ایک نتیجہ تھا، جو سٹیونز کے تحت استحصالی اداروں کے پیدا کردہ تھے، کا مطلب یہ تھا کہ آر یو ایف کے، 1991 میں سرحد کے پار آنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی۔ ریاست کے اندر اس کے مزاحمت کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں تھی۔ سٹیونز نے فوج کو پہلے ہی اس خطرے کے پیش نظر کمزور کر دیا تھا کہ کہیں وہ اس کا تختہ نہ الٹ دے، لہٰذا اب کسی تھوڑے مسلح آدمیوں کے گروہ کے لئے بھی ملک کے زیادہ تر حصے میں انتشار پیدا کرنا آسان تھا، یہاں تک کہ ان کا ایک منشور بھی تھا جسے'' جمہوریت کی طرف پگڈنڈیاں'' کہا جاتا تھا، جو ایک سیاہ فام دانش ور فرانز فینن (Franz Fanon) کے ایک قول سے شروع ہوتا تھا۔ '' ہر نسل کو نسبتاً دھندلے پن سے اپنے مشن کو دریافت کرنا چاہئے خواہ وہ اسے پورا کرے یا اس سے دھوکہ کرے'' اس کی شق '' ہم کس لئے لڑ رہے ہیں؟'' یوں شروع ہوتی ہے:

'' ہم نے لڑائی اس لئے جاری رکھی ہوئی ہے، کیونکہ ہم ریاست کی سرپرستی میں غربت اور انسانی تذلیل، جو ہمارے اوپر سالوں کے آمرانہ راج اور عسکریت کی طرف سے نازل کی گئی ہے، کا مستقبل شکار بننے سے تنگ آ گئے ہیں۔ لیکن ہم ضبط کا مظاہرہ کریں گے، اور امن کی بجائے ملاقات پر صبر سے انتظار کریں گے۔۔ جہاں ہم سب لوگ فاتح ہوں گے۔ ہم کسی قسم کے بھی ناگزیر ذرائع سے، امن کے عہد پر قائم ہیں۔ لیکن جس کے عہد پر ہم قائم نہیں ہیں وہ ہے امن کا شکار بننا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا مقصد صحیح ہے اور خدا/اللہ، ایک نیا سیرالیون بنانے کیلئے ہماری جدوجہد میں ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گا''۔

اگرچہ، ہوسکتا، سانکوہ اور آر یو ایف کے رہنماؤں نے سیاسی شکایات کے ساتھ آغاز کیا ہو، اور ہوسکتا ہے اے پی سی کے استحصالی اداروں کے تحت لوگوں کے مصائب کی شکایات نے انہیں ابتدا میں تحریک میں شمولیت پر آمادہ کیا ہو، لیکن صورت حال تیزی سے تبدیل ہوئی اور کنٹرول سے باہر ہو گئی۔ آر یو ایف کے '' مشن'' نے ملک کو عذاب میں دھکیل دیا، جیسا کہ گیوما جو کہ سیرالیون کے جنوب میں ہے، کے ایک نابالغ شخص کی شہادت سے ظاہر ہے:

MashalBooks.org

انہوں نے ہم میں سے کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا۔۔۔انہوں نے ہمارے کچھ دوستوں کو چنا اور انہیں قتل کر دیا، ان میں سے دو کو۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے باپ سردار تھے، اور ان کے گھروں میں سپاہیوں کے بوٹ اور جائیداد تھی۔ انہیں گولی ماردی گئی، کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ ان پر سپاہیوں کو پناہ دینے کا الزام تھا۔ سرداروں کو بھی قتل کر دیا۔ بطور حکومت کے ایک حصے کے، انہوں نے نئے سردار کے طور پر کسی اور کو چن لیا، ابھی بھی وہ کہہ رہے تھے کہ وہ ہمیں اے پی سی سے آزاد کرانے کے لئے آئے ہیں، ایک مرحلے کے بعد وہ قتل کرنے کے لئے لوگوں کو چن نہیں رہے تھے، بلکہ وہ صرف لوگوں کو گولیوں سے اڑا رہے تھے۔

حملے کے پہلے سال میں کوئی بھی دانشوارانہ بنیادیں، جو ہوسکتا ہے آر وُ ایف کی ہوں، مکمل طور پر ختم ہوگئی تھیں، سانکوہ ان لوگوں کو پھانسیاں دے رہا تھا جو زیادتیوں کے بڑھتے ہوئے دھارے پر تنقید کرتے تھے۔ جلد ہی آر یو ایف میں رضامندی سے شمولیت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کی بجائے وہ جبری بھرتی کی طرف متوجہ ہوئے، خاص طور پر بچوں کی۔ بلاشبہ تمام اطراف سے یہی ہو رہا تھا، بشمول فوج کے۔ اگر سیرالیون کی خانہ جنگی ایک بہتر معاشرہ قائم کرنے کے لئے ایک جہاد تھا۔ تو آخری سطح پر یہ بچوں کا جہاد تھا۔ یہ کشمکش اجتماعی قتلوں اور بڑے پیمانے پر انسانی حقوق کی پامالیوں، بشمول اجتماعی جنسی زیادتیوں اور ہاتھوں اور کانوں کی قطع و برید کے، اور شدید ہو تی گئی۔ جب آر یو ایف نے علاقوں پر قبضہ کر لیا تو وہ معاشی استحصال میں بھی مصروف ہوگئے۔ یہ چیز ہیرے کی کانوں کے علاقوں میں بہت واضح تھی، جہاں وہ لوگوں کو ہیروں کی کان کنی کے لئے جبری بھرتی کرتے تھے، لیکن ویسے یہ باقی جگہوں پر بھی بہت پھیلی ہوئی تھی۔

زیادتیوں، اجتماعی قتلوں، اور منظّم جبری مشقت کا ارتکاب کرنے میں آر یو ایف اکیلی نہ تھی۔ حکومت بھی ایسا ہی کرتی تھی۔ امن وامان کی اتنی بری صورت حال تھی کہ لوگوں کے لئے یہ امتیاز کرنا مشکل ہوگیا کہ کون سپاہی ہے اور کون باغی ہے۔ فوجی نظم وضبط مکمل طور پر ختم ہوگیا، اس وقت تک جب تک جنگ ختم ہوئی، یعنی 2001 میں، غالبًا اسی ہزار لوگ مر چکے تھے اور پورا ملک تباہ ہو چکا تھا، سڑکیں، مکانات اور عمارات مکمل طور پر تباہ ہو چکے تھے۔ آج اگر آپ کوئیڈو جائیں، جو کہ مشرق میں ایک بڑا ہیرے پیدا کرنے والا علاقہ ہے، تو آپ کو اب بھی جلے ہوئے مکانات نظر آئیں گے جن پر گولیوں کے نشانات پڑے ہوئے ہیں۔

1919 تک سیرالیون میں ریاست بالکل ناکام ہو چکی تھی۔ ذرا سوچئے کہ بادشاہ شیام نے بشانگ کے ساتھ کیا شروع کیا تھا: اس نے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے اور وہ سب کچھ ہتھیانے کے لئے جو باقی ماندہ معاشرہ پیدا کرتا تھا، اس نے استحصالی ادارے قائم کئے، لیکن استحصالی ادارے بھی، اس کے ہاتھوں میں مرکوز مرکزی حاکمیت کے ساتھ، اس صورت حال سے بہتر تھے، جو بغیر امن وامان، مرکزی حاکمیت یا حقوق ملکیت کے دریائے کسائی کے دوسری جانب لیل کے معاشرے کی خصوصیات تھیں۔ مرکزی ہیئت حاکمہ کی کمی کی ایسی صورت حال، حالیہ دہائیوں میں بہت سی افریقی اقوام کا مقدر رہی ہے۔ اس کی وجہ جزوی طور پر یہ ہے کہ سیاسی مرکز گیری کا عمل بہت سے زیریں صحارائی افریقہ کے ممالک میں تاریخی طور پر موخر کیا گیا، لیکن اس وجہ سے بھی کہ استحصالی اداروں کے بدی کے دائرے نے کسی بھی قسم کے ریاست کے مرکز گیری کے عمل کے پسپا کر دیا جو پہلے سے موجود تھا، اور اس طرح ریاست کی ناکامی کا راستہ ہموار کر دیا۔

سیرالیون، 1991 سے 2001 تک اپنی خونی خانہ جنگی کے دس سالوں کے دوران، ناکام ریاست کی ایک مخصوص مثال تھی۔ اس کے بعد اس نے بالکل ایک اور ملک کے طور پر آغاز کیا، جو استحصالی اداروں کی وجہ سے مسخ شدہ تھا، اگرچہ خصوصی طور پر خراب اور نااہل قسم کا۔ ملک ناکام ریاستیں اپنے جغرافیے یا ثقافت کی وجہ سے نہیں بنتے۔ بلکہ اپنے استحصالی اداروں کی وراثت کی وجہ سے، جو دولت اور طاقت کو ان لوگوں کے ہاتھوں میں مرتکز کر دیتے ہیں جو ریاست کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اور اس طرح بے چینی، جنگ وجدل اور خانہ جنگی کے لئے راستہ کھول دیتے ہیں۔ استحصالی ادارے، ریاست کے بتدریج ناکام ہونے میں بھی براہ راست حصہ لیتے ہیں، اس طرح کہ وہ بنیادی عوامی خدمات میں سرمایہ کاری کرنے کو نظرانداز کرتے ہیں، ٹھیک اس طرح جیسا کہ سیرالیون میں واقع ہوا۔

ایسے استحصالی ادارے، جو لوگوں کا استحصال کرتے اور انہیں غریب بناتے ہیں اور معاشی ترقی کو روکتے ہیں، افریقہ، ایشیا اور جنوبی امریکہ میں بہت عام ہیں۔ چارلس ٹیلر نے سیرالیون میں خانہ جنگی شروع کرنے میں مدد دی، جبکہ بہ یک وقت لائبیریا میں ایک وحشیانہ تصادم شروع کیا، جو وہاں بھی ریاست کی ناکامی پر منتج ہوا۔ استحصالی اداروں کے ناکام ہو کر خانہ جنگی اور ریاست کی ناکامی میں ہونے کا طرز افریقہ میں دوسری جگہوں پر بھی واقع ہوا ہے؛ مثال کے طور پر

MashalBooks.org

انگولا، کوسٹ ڈی آئیوری، عوامی جمہوریہ کانگو، موزمبیق، جمہوریہ کانگو، صومالیہ، سوڈان، اور یوگنڈا میں، استحصال تصادم کے لئے راہ ہموار کرتا ہے، جو اس تصادم سے مختلف نہیں ہوتی، جو مایا کی شہری ریاستوں کے انتہائی استحصالی اداروں نے، تقریباً ایک ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ تصادم ریاست کی ناکامی کو جلدی قریب لے آتا ہے۔ لہٰذا ایک، اور وجہ کہ آج کل قومیں کیوں ناکام ہوتی ہیں، یہ ہے کہ ان کی ریاستیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ جوابی طور پر یہ چیز نتیجہ ہوتی ہے، استحصالی معاشی اور سیاسی اداروں کے تحت دہائیوں کی حکمرانیوں کا۔

ریاست کون ہے؟

زمبابوے، صومالیہ اور سیرالیون کی مثالیں، اگرچہ افریقہ اور غالباً بعض ایشیا میں بھی، غریب ممالک کی مخصوص مثالیں ہیں، لیکن یہ قدرے انتہائی محسوس ہوتی ہیں۔ یقیناً کیا لاطینی امریکی ممالک میں ناکام ریاستیں نہیں ہیں؟ یقیناً کیا ان کے صدور اتنے ڈھیٹ نہیں ہیں کہ وہ لاٹریاں جیتیں؟

کولمبیا میں، اینڈین سلسلہ کوہ، بتدریج شمال میں ضم ہو جاتے ہیں، اس طرح کہ ایک بڑا ساحلی میدان بحیرہ کیریبین کی سرحد بناتا ہے۔ کولمبیا کے لوگ اسے (Tierra Calierte) ٹیرا کیلیر ائٹ ''گرم علاقہ'' کہتے ہیں جو کہ اینڈین دنیا کے (Tierra fria) (ٹیرا فریا) یا سرد علاقے سے ممتاز ہے۔ پچھلے پچاس سالوں سے کولمبیا کو سیاسی سائنسدان اور حکومتوں کی طرف سے ایک جمہوریت سمجھا جاتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ اس ملک کے ساتھ ایک امکانی، آزادانہ تجارت کا معاہدہ کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے اور، ہر قسم کی امداد، خاص کا فوجی امداد اس میں انڈیل دیتا ہے۔ ایک مختصر مدت کی فوجی حکومت کے بعد، جو 1958 میں ختم ہو گئی، انتخابات باقاعدگی سے منعقد ہوتے رہے ہیں، اگر 1974 تک ایک معاہدے کے ذریعے سیاسی اقتدار اور صدارت، دو روایتی سیاسی جماعتوں، کنزرویٹو اور لبرل کے درمیان باری باری سے گردش کرتا رہا ہے۔ پھر بھی، اس معاہدے میں دانیشنل فرنٹ، (قومی محاذ) کولمبیا کے لوگوں کی طرف سے استصواب رائے کے ذریعے اصلاح کر لی گئی، اور یہ سب کچھ خاصا جمہوری لگتا ہے۔

تاہم، اگرچہ کولمبیا کی انتخابات کی ایک لمبی تاریخ ہے، لیکن اس کے ہاں اشتمالی ادارے

نہیں ہیں۔ اس کی بجائے اس کی تاریخ سشہری آزادیوں کی پامالیوں، ماورائے عدالت سزاؤں، شہریوں کے خلاف تشدد اور خانہ جنگی سے مسخ شدہ ہے۔ یہ اس قسم کے نتائج نہیں ہیں جن کی توقع ہم جمہوریت سے رکھتے ہیں، کولمبیا میں خانہ جنگی سیرالیون کی خانہ جنگی سے مختلف ہے، جہاں ریاست اور معاشرے ڈھے گئے اور انتشار کا غلبہ ہو گیا۔ لیکن بہرحال یہ خانہ جنگی ہی ہے۔ اور ایک ایسی خانہ جنگی ہے جو کہیں زیادہ اموات کا سبب بنی ہے۔ 1950 کی دہائی کی فوجی حکومت بذات خود ایک خانہ جنگی کے جواب میں تھی، جسے ہسپانوی زبان میں (La violencia) لا وائیلنشیا یا ''تشدد'' کہا جاتا ہے۔ اس وقت سے لے کر باغی گروہوں کا ایک خاصا حلقہ، جن میں زیادہ تر کمیونسٹ انقلابی ہیں، نے دیہات میں تباہی مچا رکھی ہے، اغوا اور قتل کرتے ہوئے۔ دیہاتی کولمبیا میں ان ناخوشگوار انتخابات میں سے کسی ایک سے بچنے کے لئے آپ کو ویکیونا (vacuna) جس کے لفظی معنی ''حفاظتی ٹیکے'' کے ہوتے ہیں، ادا کرنا پڑتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اپنے آپ کو قتل ہونے یا اغوا ہونے سے حفاظت طلب کرنے کیلئے مسلح ٹھگوں کے ایک گروہ کو ہر ماہ کچھ رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ کولمبیا میں تمام مسلح گروپ کمیونسٹ ہیں۔ 1981 میں کولمبیا میں بڑے کمیونسٹ گوریلا گروپ، (ایف اے آر سی) (The Revolutionary Armed Forces of Colombia) ''کولمبیا کی انقلابی مسلح افواج'' کے ارکان نے ایک ڈیری فارم کے مالک، جیسس کیسٹینو (Jesus Castano) کو اغوا کر لیا۔ جو ایک چھوٹے سے قصبے ایمیلفی میں رہتا تھا۔ جو اینٹیو کیا کے شمال مشرقی حصے کے گرم علاقے میں رہتا تھا۔ ایف اے آر سی نے 7500 ڈالر کا زرتلافی طلب کیا، جو کہ دیہاتی کولمبیا میں ایک بڑی رقم ہے۔ اہل خاندان نے اپنا فارم گروی رکھ کر یہ رقم اکٹھی کی، لیکن، بہرحال، ان کے والد کی لاش ایک درخت کے ساتھ بندھی ہوئی پائی گئی۔ کیسٹینو کے تینوں بیٹوں، کارلوس، فانیڈل اور ویسنٹ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ انہوں نے فارک (FARC) کے ارکان کا پیچھا کرنے اور اقدام کا بدلہ لینے کے لئے ایک نیم عسکری گروپ لوس ٹینگیوراس (Los Tangueros) کی بنیاد رکھی۔ یہ بھائی تنظیم کے معاملے میں اچھے تھے اور جلد ہی ان کا گروپ بڑھ گیا اور اس نے دوسرے اپنے جیسے وجوہات کی بنا پر وجود میں آئے تھے۔ بہت سارے علاقوں میں کولمبیا کے لوگ بائیں بازو کے گوریلوں اور دائیں بازو کے، اس کی مخالفت

MashalBooks.org

میں بنے ہوئے نیم عسکری گروپوں کے ہاتھوں تکلیف اٹھا رہے تھے۔ زمینداروں نے گوریلوں کے خلاف اپنا دفاع کرنے کے لئے نیم عسکری لوگوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا، لیکن یہ لوگ منشیات کی سمگلنگ سلب ونہب، شہریوں کو اغوا اور قتل میں بھی ملوث تھے۔

1997 تک، نیم عسکری گروپ، کیٹینو بھائیوں کی قیادت میں، نیم عسکری گروہوں کی ایک قومی تنظیم بنانے میں کامیاب ہو گئے جس کا نام آٹو ڈیفنساس یونیڈاس ڈی کولمبیا (AUC) (کولمبیا کی ذاتی دفاع کی متحدہ جمعیتیں) رکھا گیا۔ اے یو سی ملک کے بڑے حصوں میں پھیل گئی، خاص طور پر گرم علاقے میں، کارڈوبا سوکر، میگڈیلنا، اور سیزر کے اضلاع میں، 2001 تک اے یو سی کے غالباً تیس ہزار مسلح جوان ہوں گے، اور یہ مختلف حصوں میں منظم تھی۔ کارڈوبا میں نیم عسکری بلاک کیٹا تمبو کی قیادت سیلوٹیور مینکوسو کے پاس تھی۔ جب اس کی طاقت بڑھتی رہی، تو اے یو سی نے سیاست میں حصہ لینے کا حکمت عملی کا فیصلہ کیا۔ نیم عسکری گروہوں اور سیاستدانوں نے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھائیں۔ اے یو سی کے متعدد رہنماؤں نے ممتاز سیاستدانوں کے ساتھ سانتافی ڈی رالیٹو کے قصبے میں کورڈوبا میں ایک اجلاس کا اہتمام کیا۔ اے یو سی کے ایسے سرکردہ ارکان کی طرف سے ایک مشترکہ دستاویز، "ملک کی دوبارہ بنیاد رکھنے کا" ایک معاہدہ، جاری کیا گیا اور اس پر دستخط کئے گئے، جیسا کہ "جورگ 40" (روڈ ریگوٹو ور پوپو کا عرف تھا) ایڈولفو پاز (جو کہ ڈیگو فرنینڈ "ڈان برنا" موریلو کا عرف تھا) اور ڈیگو ویکینو (اصلی نام، ایڈوارکوبو قومی سینیٹر، ولیم مونٹز (William Montez) اور میگول ڈی لا اسپریلا (Miguel de la Espriella) شامل تھے۔ اس وقت تک اے یو سی کولمبیا کے بڑے بڑے علاقوں کو چلا رہی تھی، اور ان کے لئے اس بات کا تعین کرنا آسان تھا کہ 2002 کے انتخابات میں کون منتخب ہوا کانگریس اور سینٹ کے لئے، مثال کے طور پر، سان اونوفر کی میونسپلٹی میں سوکر میں، انتخابات کا اہتمام نیم عسکری رہنما کیٹرینا ("زنجیر") کی طرف سے کیا گیا۔ جو کچھ واقع ہوا اس کو ایک عینی شاہد نے یوں بیان کیا:

"کیدینا کی طرف سے بھیجے ہوئے ٹرک آس پاس کے علاقوں میں گئے کورجیمینٹوز (انتظامی تحصیلوں میں) اور سان اونوفر کے دیہاتی علاقوں میں، لوگوں کو اٹھاتے ہوئے۔ بعض رہائشی لوگوں کے مطابق ۔۔۔ سینکڑوں کسانوں کو لے جایا گیا، تاکہ وہ ان

امیدواروں کے چہرے دیکھ سکیں جن کو انہوں نے پارلیمانی انتخابات میں ووٹ ڈالنے تھے؛ جائرہ مرلانو (Jairo Merlano) سینیٹ کے لئے اور موریل بینٹو ریبولو (Muriel Benito Rebollo) کانگریس کے لئے۔

کیڈینا نے، میونسپل کونسل کے ارکان کے نام ایک تھیلے میں ڈالے، ان میں سے دو نکالے اور کہا کہ وہ انہیں مار ڈالے گا اور ان دوسرے لوگوں کو بھی جو سرسری طور پر منتخب ہوئے، اگر موریل کامیاب نہ ہوا تو۔

یوں لگتا ہے کہ یہ دھمکی کام کر گئی؛ پورے سوکر میں ہر امیدوار نے چالیس ہزار ووٹ حاصل کئے۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ سان اونوفر کے میئر نے سانٹا فی دی رالیٹو کے معاہدے پر دستخط کئے۔ 2002 میں، غالباً کانگریس کے ارکان اور سینیٹروں کے ایک تہائی ارکان اپنے انتخاب کے لئے نیم عسکری تنظیم کی حمایت کے رہین منت ہیں، اور نقشہ 20 جو کولمبیا کے نیم عسکری تنظیم کے تحت علاقوں کی تصویر پیش کرتا ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کا غلبہ کتنا وسیع تھا۔ سیلو یٹور مینکوسو نے خود ایک انٹرویو میں یوں بیان کیا:

"کانگریس کا پینتیس فیصد حصہ ان علاقوں سے منتخب ہوا، جہاں ذاتی دفاع کے گروپوں کی ریاستیں تھیں۔ ان ریاستوں میں ہم ہی لوگ تھے، جو ٹیکس اکٹھا کرتے تھے، ہم انصاف مہیا کرتے تھے، اور ہمارے پاس ہی علاقے کا فوجی اور زمینی کنٹرول تھا، اور ان تمام لوگوں کو جو سیاست میں جانا چاہتے تھے، آ کر ہمارے ان سیاسی نمائندوں سے گفت وشنید کرنا پڑتی تھی جو وہاں موجود ہوتے تھے۔"

نیم عسکری گروپوں کے سیاست اور معاشرے پر اس حد تک اثر کے بارے میں اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں تھے۔ اے یو سی کی توسیع کوئی پرامن معاملہ نہیں تھا۔

اس گروپ نے نہ صرف فارک (FARC) کے ساتھ لڑائی کی، بلکہ معصوم شہریوں کو قتل کیا اور سینکڑوں ہزاروں لوگوں کو خوفزدہ کیا اور ان کے گھروں سے بیدخل کیا۔ انٹرنل ڈسپلیسمنٹ مانیٹرنگ سنٹر (IMDC) آف دانا رو یحیین ریفیو جی کونسل، کے مطابق، 2010 کی ابتدا میں کولمبیا کی 10 فیصد آبادی، تقریباً ساڑھے چار ملین لوگ، اندرونی طور پر بے دخل ہوئے۔ جیسا کہ مینکوسو نے

MashalBooks.org



Map 20: Paramilitary presence across Colombia, 1997–2005

اشارہ کیا، نیم عسکری گروپوں نے بھی حکومت اور اس کے تمام وظائف سنبھال لئے، سوائے اس کے وہ ٹیکس جو وہ وصول کرتے تھے، ان کی اپنی جیبوں کے لئے ایک تحفہ ہوتا تھا۔ ایک غیر معمولی معاہدہ جو پارلیمانی رہنما مارٹن لیوناس (Martin Llanos) (حقیقی نام ہیکٹر جرمان بوئٹریگو (Hector German Buitrago) اور درج ذیل میونسپلٹیوں کے میئروں کے درمیان کیسانیئر کے ضلع میں مشرقی کولمبیا میں ہوا؛ ٹاورامینا، ایگوز وئی، مانی، ولینیوا، مونیٹر لے اور سبانا لارگا، درج ذیل ضوابط کی ایک فہرست دیتا ہے، جس کی پابندی میئروں نے ''کیسانیئر کے نیم عسکری کسانوں'' کے حکم

سے کرنی تھی:

9) میونسپلٹی کا پچاس فیصد بجٹ کیسانیئر کے نیم عسکری کسانوں کے انتظام میں دیا جائے۔

10) میونسپلٹی کے ہر ٹھیکے کا 10 فیصد [کیسانیئر کے نیم عسکری کسانوں کو دیا جائے]

11) کیسانیئر کے نیم عسکری کسانوں کی طرف سے بلائے گئے تمام اجلاسوں میں واجب التعمیل مدد بہم پہنچائی جائے۔

12) کیسانیئر کے نیم عسکری کسانوں کی بنیادی ڈھانچے کے منصوبے میں شمولیت کو یقینی بنایا جائے۔

13) کیسانیئر کے نیم عسکری کسانوں کی تشکیل شدہ نئی سیاسی جماعت کے ساتھ الحاق [کیا جائے]

14) اس مذکریامونٹ کے حکمرانی کے پروگرام کی تکمیل (کو یقینی بنایا جائے)

کیسانیئر کوئی غریب ضلع نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس کے ہاں فی کس آمدنی کا معیار کسی بھی کولمبیا کے ضلع کی نسبت بلند ترین ہے، کیونکہ اس کے ہاں خاصے تیل کے ذخائر ہیں، جو بالکل اس طرح کے وسائل ہیں جو نیم عسکری گروہوں کو اپنی طرف کشش کرتے ہیں۔ درحقیقت ایک دفعہ اقتدار میں آنے کے بعد، نیم عسکری اداروں نے جائیدادوں کے اپنے استحصال میں اور شدت پیدا کردی، خود مینکوسو نے ایک مشہور روایت کے مطابق 25 ملین ڈالر کی شہری اور دیہاتی جائیداد اکٹھی کی۔ کولمبیا میں نیم عسکری گروپوں کی طرف سے ہتھیائی گئی زمین کا اندازہ کل دیہاتی زمین کے 10 فیصد کے برابر ہے۔

کولمبیا کسی ناکام ریاست کی مثال نہیں ہے جو گرنے کے قریب ہو۔ البتہ یہ ایک ایسی ریاست ہے جہاں کافی مرکزگیری نہیں ہے، اور جہاں اس کی تمام سرزمین پر نامکمل حاکمیت ہے۔ اگرچہ یہ ریاست بڑے شہری علاقوں میں تحفظ اور عوامی خدمات مہیا کرنے کے قابل ہے، جیسا کہ بگوٹا اور بیرنکویلا میں، لیکن ملک کے خاصے حصے ایسے ہیں جہاں یہ بہت کم عوامی خدمات اور مہیا کرتی ہے لیکن کوئی امن وامان مہیا نہیں کرتی۔ اس کی بجائے متبادل گروپ اور لوگ جیسا کہ مینکو سو، سیاست اور وسائل پر کنٹرول کرتے ہیں، اور وہاں انسانی سرمائے اور مہم جویانہ کاروباری مہارت موجود ہے؛ لیکن دوسرے حصوں میں ادارے انتہائی استحصالی ہیں، یہاں تک کہ کم از کم سطح

MashalBooks

کی ریاستی حاکمیت مہیا کرنے میں بھی ناکام ہیں۔

یہ بات سمجھنا مشکل ہوگی کہ ایسی صورت حال کئی دہائیوں بلکہ صدیوں تک کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس صورت حال کی اپنی ایک منطق ہے، بدی کے دائرے کی ایک قسم کے طور پر۔ تشدد اور اس طرح کے مرکز گیر ریاستی اداروں کی عدم موجودگی، ان سیاستدانوں کے ساتھ جو معاشرے کے کام کرنے والے حصوں کو چلاتے ہیں، ایک ساتھ زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں۔ ہم زیستی کا یہ تعلق اس وجہ سے ابھرتا ہے کیونکہ قومی سیاستدان ملک کے مضافاتی علاقوں میں بے امنی کی صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جبکہ نیم عسکری گروپوں کو قومی حکومت کی طرف سے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

یہ نمونہ 2000 کی دہائی میں خاص طور پر ظاہر ہوا۔ 2002 میں صدارتی انتخاب الوارو یورائب (Alvaro Uribe) نے جیتا۔ یورائب کا کچھ معاملہ کیٹینو برداران کے ساتھ مشترک تھا؛ اس کا باپ ایف اے آر سی کے ہاتھوں قتل ہوا تھا، یورائب نے سابقہ انتظامیہ کی فارک کے ساتھ صلح کرنے کی کوششوں کو ترک کرنے کی ایک مہم چلائی۔ 2002 میں اس کے ووٹ کا حصہ نیم عسکری گروپوں کی عدم موجودگی والے علاقوں کی نسبت تین فیصد زیادہ تھا۔ 2006 میں، جب وہ دوبارہ منتخب ہوا، تو اس کا ووٹ کا حصہ ایسے علاقوں میں 11 فیصد زیادہ تھا۔ اگر مینکوسو اور اس کے شرکائے کار کانگریس اور سینیٹ کے لئے ڈلوا سکتے تھے، تو وہ صدارتی انتخابات میں بھی ایسا کر سکتے تھے، خصوصاً ایسے صدر کے لئے جو ان کے عالمی نقطہ نظر کے کے ساتھ ہم آہنگی رکھتا تھا، اور ان کے ساتھ زیادہ نرم ہونے کا رجحان رکھتا تھا۔ جیسا کہ جائروانگاریٹا (Jairo Angarita) جو کہ سیلویٹور مینکوسو کا ڈپٹی اور اے یوسی کے سائنو اور سان جارگو کے گروپوں کے اتحاد کا سابقہ رہنما تھا، نے ستمبر 2005 میں یہ اعلان کیا کہ اسے فخر تھا کہ اس نے ''اس بہترین صدر کے دوبارہ انتخاب کے لئے (کام کیا) جو آج تک ہمیں ملا''۔

ایک دفعہ منتخب ہو جانے کے بعد نیم عسکری سینیٹروں اور کانگریس کے ارکان ہر اس چیز کے لئے ووٹ دیئے جو یورائب چاہتا تھا، خاص طور پر آئین کو تبدیل کرنے کے لئے تاکہ وہ 2006 میں دوبارہ منتخب ہو سکے، جس چیز کی اجازت 2002 میں پہلے انتخاب پر نہیں دی گئی تھی۔ اس کے بدلے میں صدر یورائب نے ایک انتہائی نرم قانون وضع کیا، جس نے نیم عسکری گروپوں کو لام

بندی توڑنے کی اجازت دے دی۔ لام بندی توڑنے کا مطلب نیم عسکریت کا خاتمہ نہیں تھا، بلکہ کولمبیا کے بڑے حصوں اور کولمبیا کی ریاست میں جسے نیم عسکری اداروں نے سنبھال لیا تھا اور انہیں ان کے رکھنے کی اجازت مل گئی تھی محض اس کی ادارہ سازی تھا۔

کولمبیا میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ معاشی اور سیاسی اداروں کے بہت سے پہلو زیادہ اشتمالی ہو گئے ہیں۔ لیکن بعض بڑے استحصالی عناصر ابھی باقی ہیں۔ لاقانونیت اور غیر محفوظ حقوق ملکیت ملک کے بڑے حصوں میں ان علاقوں کے ساتھ مخصوص ہیں، اور یہ چیز نتیجہ ہے ملک کے بہت سے حصوں میں قومی حکومت کے کنٹرول کی کمی کا، اور کولمبیا میں ریاستی مرکزیت کی ایک مخصوص شکل کی کمی کا۔ لیکن یہ صورتحال کوئی ناگزیر نتیجہ نہیں ہے۔ یہ بذات خود نتیجہ ہے بدی کے چکر کی عکاسی کرنے والی حرکیات کا؛ کولمبیا میں سیاسی ادارے، ملک کے بہت سے حصے میں عوامی خدمات اور امن وامان مہیا کرنے کیلئے سیاستدانوں کے لئے محرکات پیدا نہیں کرتے اور ان پر اتنی پابندیاں نہیں لگاتے کہ انہیں نیم عسکری گروہوں اور ٹھگوں کے ساتھ کھلے یا خفیہ معاملے میں شامل ہونے سے روک سکیں۔

چھوٹا سا باڑہ

ارجنٹینا 2001 کے اواخر میں معاشی بحران کے شکنجے میں تھا۔ تین سال تک آمدنی گر رہی تھی، بے روزگاری بڑھ رہی تھی، اور ملک نے بتدریج ایک بھاری بین الاقوامی قرض جمع کر لیا تھا۔ اس صورت حال تک پہنچانے والی پالیسیاں 1989 کے بعد کارلوس مینم کی حکومت کی طرف سے اختیار کی گئی تھیں، بلند افراط زر کو روکنے اور معیشت کو مستحکم کرنے کیلئے۔ کچھ وقت کے لئے یہ کامیاب رہیں۔

1991 میں مینم نے ارجنٹائن کے پیسو کو یو ایس ڈالر کے ساتھ منسلک کر دیا۔ ایک پیسو، قانون کے مطابق ایک ڈالر کے برابر تھا۔ شرح تبادلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی تھی۔ قصہ ختم ہو گیا۔ تقریباً بہتر۔ لوگوں کو اس بات کا قائل کرنے کے لئے کہ حکومت واقعی قانون کی پابندی کرنے کا ارادہ رکھتی تھی، اس نے لوگوں کو اپنے اکاونٹ یو ایس ڈالر میں کھلوانے کی ترغیب دی۔ ڈالر بیونس آئرس کے دارالحکومتی شہر میں دکانوں پر استعمال کئے جا سکتے تھے، اور پورے شہر میں رقم

MashalBooks.org

والی مشینوں سے نکلوائے جاسکتے تھے۔ ہوسکتا ہے اس پالیسی نے معیشت کو مستحکم کرنے میں مدددی ہو، لیکن اس کے اندر ایک بڑی خامی تھی۔ اس نے ارجنٹائن کی برآمدات کو بہت مہنگا اور غیر ملکی درآمدات کو بہت سستا کر دیا۔ برآمدات کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہوگئیں: درآمدات زورشور سے آنے لگیں۔ ان کی ادائیگی کرنے کا واحد طریقہ ادھار لینا تھا۔ یہ ایک ناقابل برداشت صورت حال تھی۔ جوں جوں زیادہ سے زیادہ لوگ پیسو کی بقا کے بارے میں فکرمند ہوتے گئے اپنی دولت زیادہ سے زیادہ بینکوں میں ڈالر اکاونٹ میں رکھنے لگے۔ آخر کار اگر حکومت نے قانون کو پھاڑ ڈالا اور پیسو کی قیمت گھٹادی، تو ان کے ڈالر اکاونٹ محفوظ ہوں گے، ٹھیک؟ وہ پیسو کے بارے میں پریشان ہونے کے بارے میں ٹھیک تھے۔ لیکن وہ اپنے ڈالروں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ پرامید تھے۔

یکم دسمبر 2001 کو، حکومت نے تمام بینک اکاونٹ، ابتدائی طور پر 90 دن کے لئے منجمند کر دیئے۔ رقم کی صرف تھوڑی مقدار کو ہفتہ وار بنیادوں پر نکلوانے کی اجازت تھی۔ پہلے یہ 250 پیسو تھی، ابھی تک 250 ڈالر کے برابر، اور پھر تین سو پیسو ہوگئی، لیکن اس کو صرف پیسو کے اکاونٹ سے نکلوانے کی اجازت تھی۔ کسی شخص کو اپنے ڈالر اکاونٹ سے رقم نکلوانے کی اجازت نہ تھی۔ تاآنکہ وہ اپنے ڈالروں کو پیسو میں منتقل کرنے پر رضامند ہوں، کوئی بھی شخص ایسا کرنے پر رضامند نہیں تھا۔ ارجنٹائن کے لوگوں نے اس صورت حال کو ایل کورالیٹو (El Corralito) ''چھوٹا سا باڑا'' کا نام دیا۔ رقم جمع کرانے والوں کو گایوں کی طرح باڑے میں بند کر دیا جاتا تھا، اس طرح کہ وہ کہیں جا نہیں سکتے تھے۔ جنوری میں قدر کی کمی کو حتمی طور پر قانونی شکل دے دی گئی، اور ایک ڈالر کے مقابلے میں ایک پیسو کی بجائے جلد ہی ایک ڈالر کے مقابلے میں 4 پیسو ہوگئے۔ یہ ان لوگوں کی برائت ہونی چاہئے تھی، جن کا خیال تھا، کیونکہ اس وقت حکومت نے تمام ڈالر کے بینک اکاونٹس کو زبردستی پیسو میں منتقل کر دیا۔ لیکن پرانے ایک کے مقابلے میں ایک کی شرح پر۔ کسی شخص نے، جس نے ایک ہزار ڈالر بچائے ہوئے تھے، اچانک اپنے پاس صرف 250 ڈالر پائے۔ حکومت نے لوگوں کی بچت کے تین چوتھائی پیسو غصب کر لئے تھے۔

معیشت دانوں کے لئے، ارجنٹائن ایک پریشان کن ملک ہے، اس کی وضاحت کرنے کے لئے ارجنٹائن کو سمجھنا کتنا مشکل ہے، نوبیل پرائز کے حامل معیشت دان سائمن

MashalBooks.org

کزنیٹس (Simon Kuznets) نے ایک مرتبہ بہت شہرت یافتہ رائے دی کہ ممالک کی چار اقسام ہیں؛ ترقی یافتہ پسماندہ، جاپان اور ارجنٹائن۔ کزنٹس ایسا اس لئے سمجھتا تھا کیونکہ، پہلی جنگ عظیم کے لگ بھگ ارجنٹائن دنیا کے امیرترین ملکوں میں سے ایک تھا۔ پھر اس میں مغربی یورپ کے دوسرے امیر ممالک اور شمالی امریکا کی نسبت ایک مستقل انحطاط شروع ہوگیا، جو 1970 اور 1980 کی دہائیوں میں ایک مکمل انحطط میں تبدیل ہوگیا۔ سطحی طور پر، ارجنٹائن کی معاشی کارکردگی پریشان کن ہے، لیکن اس کی وجوہات اس وقت واضح تر ہو جاتی ہیں، جب ان پر اشتمالی اور استحصالی اداروں کے شیشوں میں سے نگاہ ڈالی جائے۔

یہ ٹھیک ہے کہ 1914 سے پہلے، ارجنٹائن نے معاشی ترقی کے 50 کے قریب سال دیکھے، لیکن یہ استحصالی اداروں کے تحت ترقی کی ایک اعلیٰ مثال تھی۔ اس کے بعد ارجنٹائن پر ایک محدود اشرافیہ نے حکومت کی، جس نے زرعی برآمدات کی معیشت میں بھاری سرمایہ کاری کی۔ یہ معیشت بڑا گوشت، کھالیں اور غلہ، ان اجناس کی عالمی قیمتوں کے جوبن کے عین درمیان میں برآمد کرنے سے بڑھی پھولی۔ جیسا کہ استحصالی اداروں کے تحت ترقی کے اس طرح کے تمام تجربات میں ہوتا ہے، اس میں کوئی تخلیقی تباہی اور کوئی ایجاد شامل نہیں تھی۔ لہذا یہ پائیدار نہیں تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے آس پاس بڑھتے ہوئے سیاسی عدم استحکام اور مسلح بغاوتوں نے ارجنٹائن کے اشراف کو سیاسی نظام کو وسیع تر کرنے کی کوششوں پر مائل کیا، لیکن یہ چیز ایسی قوتوں کو متحرک کرنے پر منتج ہوئی جن پر ان کا کوئی کنٹرول نہیں تھا، اور 1930 میں پہلا فوجی انقلاب آگیا۔ اس وقت اور 1983 کے درمیان، ارجنٹائن جمہوریت اور آمریت اور استحصالی اداروں کے درمیان آگے پیچھے جھولتا رہا۔ فوجی اقتدار کے تحت وسیع پیمانے پر جبر ہوا، جو 1970 کی دہائی میں عروج پر پہنچ گیا، اس طرح کہ کم ازکم نوہزار اور غالباً اس سے کہیں زیادہ لوگوں کو غیر قانونی طور پر پھانسیاں دی گئیں، سینکڑوں اور ہزاروں کو قید میں ڈالا گیا اور ان پر تشدد کیا گیا۔

شہری حکومتوں کے عرصوں کے دوران انتخابات ہوجاتے تھے۔ ایک طرح کی جمہوریت۔ لیکن سیاسی نظام اشتمالی ہونے سے بہت دور تھا۔ 1940 کی دہائی میں پیرون کے عروج کے بعد جمہوری ارجنٹائن پر اسکی تخلیق شدہ جماعت کا غلبہ رہا، پارٹیڈو جسٹیشیالیسٹا (Partido Justieidlista) کا، جسے عام طور پر صرف پیرونسٹ پارٹی کہا جاتا تھا۔ پیرونسٹ، ایک بڑے سیاسی

میکانئے کی وجہ سے انتخابات جیت جاتے تھے، جو ووٹوں کو خرید کر، سرپرستی کو تقسیم کر کے، اور بدعنوانی میں ملوث ہو کر، جس میں سیاسی حمایت کے بدلے حکومتی ٹھیکے اور ملازمتیں بھی شامل تھیں کامیاب ہو جاتا تھا۔ ایک مفہوم میں یہ جمہوریت تھی لیکن یہ تکثیری نہیں تھی۔ اقتدار بہت سخت طریقے سے پیرونسٹ پارٹی میں مرکوز تھا، جسے اس کے اعمال پر بہت کم قدغنوں کا سامنا تھا، کم از کم اس دوران میں جب فوج نے اسے اقتدار سے گرانے سے احتراز کیا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا، اگر سپریم کورٹ کسی پالیسی کو چیلنج کرتی تھی، یہ سپریم کورٹ کے حق میں بہت برا ہوتا تھا۔

1940 کی دہائی میں، پیرون نے محنت کی تحریک کو بطور سیاسی بنیاد کے رواج دیا۔ جب اسے 1970 اور 1980 کی دہائیوں میں فوجی جبر کے ذریعے کمزور کر دیا گیا، تو اس کی جماعت نے اس کی بجائے دوسروں سے ووٹ خریدنے کی طرف رجحان بدل لیا، معاشی پالیسیاں اور ادارے ان کے حامیوں کی آمدنیاں بڑھانے کے لئے تشکیل دی گئیں، نا کہ ایک ہموار میدان عمل تخلیق کرنے کے لئے۔ جب صدر مینم کو ایک مدت کی حد کا سامنا کرنا پڑا، جس نے اسے 1990 کی دہائی میں دوبارہ منتخب ہونے سے روک دیا، تو اسنے اسی رویے کا بڑھ کر مظاہر کیا؛ وہ بڑے سادہ طریقے سے آئین کو دوبارہ تحریر کر سکتا تھا اور مدت کی حد سے نجات پا سکتا تھا۔ جیسا کہ ایل کورالیٹو ظاہر کرتا ہے، کہ خواہ ارجنٹائن میں انتخابات بھی ہوتے ہیں، اور مقبول عام منتخب حکومتیں بھی ہوتی ہیں، پھر بھی حکومت حقوق ملکیت سے تجاوز کرنے کے بالکل اہل ہوتی ہے اور اپنے ہی شہریوں کا بغیر سزا کے خوف کے استحصال کرنے کی بھی، ارجنٹائن کے صدور اور سیاسی اشراف پر نہ ہونے کے برابر پابندی ہے، اور یقیناً کوئی تکثیریت نہیں ہے۔

جس چیز نے کزنیٹس کو حیرت زدہ کیا اور جو بلاشبہ بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی، جو بیونس آئرس میں آتے ہیں حیرت زدہ کرتی ہے، یہ ہے کہ یہ شہر لیما، گوئٹے مالا شہر، یا یہاں تک کہ میکسیکو شہر سے بھی بہت مختلف نظر آتا ہے۔ آپ کو مقامی لوگ بھی نظر نہیں آتے اور آپ کو سابقہ غلاموں کے اخلاف بھی نظر نہیں آتے۔ زیادہ تر آپ کو وہ شاندار فن تعمیر اور عمارات نظر آتی ہیں، جو بیل کے دوران تعمیر کی گئیں، جو کہ استحصالی اداروں کے تحت ترقی کا دور تھا، مثال کے طور پر مینم بیونس آئرس سے نہیں تھا۔ وہ انی لاکوس میں پیدا ہوا، جو کہ لاریوجا کے صوبے میں ہے، بیونس آئرس سے دور شمال مغرب کے پہاڑوں میں، اور اس نے تین مدتیں صوبے کے گورنر کے طور پر خدمات بھی

انجام دیں، ہسپانویوں کی طرف سے امریکاؤں کی فتح کے وقت ارجنٹائن کا یہ علاقہ انکا سلطنت کا دور دراز کا علاقہ تھا، اور اس میں مقامی لوگوں کی گنجان آبادی تھی۔ ہسپانویوں نے یہاں اینکو مینڈاز (جبری مشقت کے اجازت نامے) پیدا کئے، اور ایک زبردست استحصالی معیشت پروان چڑھی۔ جس نے، شمال میں پٹوسی میں کان کنوں کے لئے خوراک پیدا کرنے اور خچروں کی افزائش نسل کو پروان چڑھایا۔ درحقیقت لاریوجا پیرو اور بولیویا میں پوٹوسی کے علاقے کی مانند تھا، نا کہ بیونس آئرس کی مانند۔ انیسویں صدی میں لاریوجا نے ایک مشہور جنگی سردار فیکنڈو کو یروگا (Facundo Quiroga) پیدا کیا، جس نے اس علاقے پر غیر قانونی طور پر حکومت کی اور اپنی فوج کو بیونس آئرس پر چڑھایا۔ ارجنٹائن کے سیاسی اداروں کے ارتقا کی کہانی، اس بات کی کہانی ہے کہ کس طرح اندرونی صوبے، جیسا کہ لاریوجا، بیونس آئرس کے ساتھ معاہدوں پر پہنچے۔ یہ معاہدے عارضی جنگی بندی کے معاہدے تھے۔ لاریوجا کے جنگی سرداروں نے بیونس آئرس کو اکیلا چھوڑ دینے پر رضامندی ظاہر کر دی تا کہ یہ دولت پیدا کر سکے۔ اس کے بدلے میں بیونس آئرس کے اشراف نے ''اندرون'' کے اداروں کی اصلاح کا خیال چھوڑ دیا۔ لہٰذا، ارجنٹائن پہلے پہل پیرو اور بولیویا سے کوسوں دور نظر آتا ہے، لیکن جب آپ ایک دفعہ بیونس آئرس کی شاندار سڑکوں کو چھوڑ دیتے ہیں تو یہ درحقیقت ان سے اتنا مختلف نہیں ہے۔ یہ بات کہ اندروں کی ترجیحات اور پالیسیاں، ارجنٹائن کے اداروں میں جاگزین ہو گئی ہیں، وہ وجہ ہے کہ اس ملک نے کیونکہ اسی یکساں ادارہ جاتی راستہ اختیار کیا ہے، جو لاطینی امریکا کے دوسرے استحصالی ممالک کے راستے کے ساتھ مماثل ہے۔

یہ بات کہ انتخابات نہ تو اشتمالی سیاسی ادارے لائے ہیں نہ معاشی، لاطینی امریکا میں ایک مخصوص مثال ہے، کولمبیا میں نیم عسکری گروہ قومی انتخابات کو ناکام کر سکتے ہیں۔ آج وینزویلا میں، جیسا کہ ارجنٹائن میں، ہیوگو شاویز کی جمہوری طور پر منتخب حکومت اپنے مخالفین پر حملے کرتی ہے، انہیں سرکاری شعبے کی ملازمتوں سے نکالتی ہے، ان اختیارات کو، جن کے ادارے یہ پسند نہیں کرتی، بند کر دیتی ہے، اور جائیداد کو غصب کرتی ہے۔ شاویز جو کچھ بھی کرتا ہے، وہ اس میں والپول کی نسبت جیسا کہ 1720 کی دہائی میں برطانیہ میں تھا، جب وہ بلیک ایکٹ کے تحت جان ہنٹرج کی مذمت کرنے کے قابل نہ تھا، زیادہ طاقتور اور کم مقید ہے۔ ہنٹرج موجودہ دور کے وینزویلا یا

MashalBooks.org

ارجنٹائن کی نسبت بہت کم کارکردگی کا اظہار کرسکتا۔

اگر چہ لاطینی امریکہ میں ابھرنے والی جمہوریت اصولی طور پر اشرافیہ کی حکومت کے انتہائی خلاف ہے، اور بیان اور عمل میں یہ حقوق اور مواقع کو کم از کم اشراف کے ایک حصے سے ہٹ کر دوبارہ تقسیم کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن اس کی جڑیں دو حوالوں سے استحصالی حکومتوں میں مضبوطی سے جڑی ہوئی ہیں، اول استحصالی حکومتوں کے تحت صدیوں سے قائم ناانصافیاں، نئی ابھرنے والی جمہوریتوں میں ووٹروں کو ان سیاستدانوں کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور کرتی ہیں جن کی پالیسیاں انتہاپسندانہ ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ارجنٹائنی محض سادہ ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جوان پیروں یا زیادہ حال میں پرونسٹ سیاستدان، جیسا کہ مینم یا کرچنز، بےلوث ہیں اور ان کے مفادات کی تلاش میں ہیں، یا یہ کہ وینزویلائی اپنی نجات شاویز میں دیکھتے ہیں۔ اس کی بجائے بہت سے ارجنٹائنی یا وینزویلائی یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے تمام سیاستدان اور پارٹیاں اتنے طویل عرصے سے انہیں ان کی آواز دینے میں، انہیں ان کی بنیادی عوامی خدمات، جیسا کہ سڑکیں اور تعلیم دینے میں اور انہیں مقامی اشراف کے استحصال سے بچانے میں ناکام رہے ہیں۔ لہذا بہت سے وینزویلائی آج شاویز کی پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں جو وہ اختیار کر رہا ہے، اگر چہ یہ پالیسیاں بدعنوانی اور ضیاع کو ساتھ لئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح سے جس طرح بہت سے ارجنٹائنی 1940 اور 1970 کی دہائیوں میں پیرون کی پالیسیوں کی حمایت کرتے تھے۔ دوم، ایک دفعہ پھر یہ اس کی تہہ میں استحصالی ادارے ہیں، جو سیاست کو پیرون اور شاویز جیسے مردان آہن کے لے اس قدر دلکش اور ان کے حق میں اس قدر جانبدارانہ بنا دیتے ہیں، بجائے ایک موثر پارٹی نظام کے جو سماجی طور پر مطلوب متبادلات پیدا کرے۔ پیرون، شاویز اور لاطینی امریکا میں درجنوں دوسرے مردان آہن، امراشاہی کے آہنی قانون کا ایک اور رخ ہیں، اور جیسا کہ یہ نام اشارہ کرتا ہے، اس آہنی قانون کی جڑیں، اشرافیہ کنٹرول کے تحت حکومتوں کی تہہ میں موجود ہیں۔

نئی مطلق العنانیت

نومبر 2009 میں، شمالی کوریا کی حکومت نے وہ چیز لاگو کی جسے معیشت دان سکہ رائج کی اصلاح کہتے ہیں۔ افراط زر کے شدید دور اکثر ایسی اصلاحات کی وجوہات ہوتے ہیں۔ فرانس

میں جنوری 1960 میں، سکہ رائج کی ایک اصلاح نے ایک نیا فرانک متعارف کروایا، جو موجودہ فرانک کے 100 کے برابر تھا۔ پرانے فرانک بھی گردش میں رہے اور یہاں تک کہ لوگ قیمتوں کا حوالہ انہیں میں دیتے تھے، کیونکہ نئے فرانک میں تبدیلی آہستہ آہستہ ہوئی۔ بالآخر جنوری 2002 میں پرانے فرانک زر قانونی نہ رہے جب فرانس نے یورو متعارف کروایا۔ شمالی کوریا کی اصلاح بھی بظاہر ایسی ہی نظر آتی تھی۔ جیسا کہ فرانس نے 1960 میں کیا، شمالی کوریا کی حکومت نے بھی اپنے سکہ رائج سے دو صفر ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ ایک سو پرانے وان، جو کہ شمالی کوریا کا سکہ ہے، نئے وان کے ایک کے برابر ہو گیا۔ افراد کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنے پرانے سکہ ہائے رائج لے کر آئیں اور نئے چھپے ہوئے نوٹوں سے تبادلہ کروائیں، اگر چہ یہ کام بیالیس سال کی بجائے، جیسا کہ فرانس کے معاملے میں تھا۔ صرف ایک ہفتے میں ہونا تھا۔ پھر وہ چھپی ہوئی چال سامنے آئی؛ حکومت نے اعلان کیا کہ کوئی بھی شخص ایک لاکھ وان سے زیادہ تبدیل نہیں کروا سکتا، اگر چہ بعد میں اس میں نرمی کر کے اسے 500,000 کر دیا گیا۔ ایک لاکھ وان چور مارکیٹ کے شرح تبادلہ کے مطابق 40 ڈالر کے قریب تھے۔ ایک ہی ہلے میں، حکومت نے شمالی کوریائی شہریوں کی نجی دولت کے ایک بڑے حصے کو صاف کر دیا تھا، ہم ٹھیک طور پر نہیں جانتے کہ کتنا، لیکن غالباً 2002 میں ارجنٹائن کی حکومت کی طرف سے غصب شدہ رقم سے زیادہ تھا۔

شمالی کوریا کی حکومت ایک کمیونسٹ آمریت ہے، جو نجی ملکیت اور منڈیوں کے خلاف ہے۔ لیکن چور مارکیٹوں کو کنٹرول کرنا مشکل ہے اور چور مارکیٹیں سودے نقد رقم میں کرتی ہیں۔ بلاشبہ تھوڑا سا زر مبادلہ بھی شامل ہوتا ہے، خاص طور پر چینی سکہ رائج، لیکن بہت سے سودوں میں وان استعمال ہوتا ہے، سکہ رائج کی اصلاح کا مقصد ان لوگوں کو سزا دینا تھا، جو ان مارکیٹوں کو استعمال کرتے ہیں اور زیادہ خصوصی طور پر اس بات کو یقینی بنانا تھا کہ وہ اتنے زیادہ مالدار اور طاقتور نہ ہو جائیں کہ حکومت کے لئے خطرہ بن جائیں۔ انہیں غریب رکھنا آسان تر تھا چور مارکیٹیں مکمل کہانی نہیں ہیں۔ شمالی کوریا میں بہت تھوڑے بینک ہیں، اور وہ سب حکومت کی ملکیت میں ہیں، درحقیقت، حکومت نے سکہ رائج کی اصلاح کو لوگوں کی بچتوں کو غصب کرنے کے لئے استعمال کیا۔

اگر چہ حکومت یہ کہتی ہے کہ مارکیٹوں کو برا سمجھتی ہے، لیکن شمالی کوریا کی اشرافیہ ان چیزوں کو پسند کرتی ہے جو وہ پیدا کر سکتی ہیں یہاں کے رہنما کم جونگ ال (Kim Jong il) کے پاس سات

MashalBooks.org

منزلہ پرتعیش محل ہے، جس میں ایک شراف خانہ، ایک کروٹیک مشین (ایک موسیقی پیدا کرنے والی مشین)، اور ایک چھوٹا فلمی تھیٹر بھی ہے۔ سب سے نچلی منزل پر ایک بہت بڑا نہانے کا تالاب ہے، جس میں ایک موج مشین (نہانے کے تالاب میں موجیں پیدا کرنے والی مشین) ہے، جہاں کم ایک تیراکی کا تختہ استعمال کرنا پسند کرتا ہے جو ایک چھوٹی موٹر کے ساتھ فٹ کیا ہوا ہے۔ جب 2006 میں ریاستہائے متحدہ نے شمالی کوریا پر پابندیاں لگائیں، تو وہ جانتا تھا کہ اس کی دکھتی رگ پر کیسے ہاتھ رکھنا ہے۔ اس نے شمالی کوریا کو 60 سے زیادہ اشیائے تعیش درآمد کرنے کو غیر قانونی قرار دے دیا، جس میں شامل تھیں، چھوٹی کشتیاں، پانی میں چلنے والے سکوٹر، دوڑ لگانے والی کاریں، موٹر سائیکلیں، ڈی وی ڈی پلیئر، اور 29 انچ سے بڑے ٹیلیویژن۔ اب مزید ریشمی رومال، اعلیٰ فاؤنٹین پین، سموریں، یا چمڑے کا سامان نہیں ہوں گے۔ یہ ٹھیک وہی اشیا تھیں، جو کم اور کمیونسٹ پارٹی کے اشراف کی طرف سے اکٹھی کی جاتی تھیں۔ ایک دانش ور نے فرانسیسی کمپنی ہنسی کے بیکر کے اعداد و شمار کو استعمال کیا یہ اندازہ لگانے کیلئے کہ کم کا پابندیاں لگنے سے پہلے کا اعلیٰ برانڈی کا سالانہ بجٹ 800,000 ڈالر سالانہ تک بلند تھا۔

بیسویں صدی کے اختتام پر دنیا کے بہت سے غریب ترین علاقوں کو سمجھنا، بیسویں صدی کی نئی مطلق العنانیت، کمیونزم، کو سمجھے بغیر ناممکن ہے۔ مارکس کا تصور یہ نظام تھا کہ جو زیادہ انسانی ہمدردی کے حالات کے تحت اور بغیر عدم مساوات کے خوشحالی پیدا کرے گا۔ لینن اور اس کی کمیونسٹ پارٹی مارکس سے متاثر تھے، لیکن عمل نظریے سے زیادہ مختلف نہیں ہو سکتا تھا۔ 1917 کا بولشویک انقلاب ایک خونی واقعہ تھا، اور اس میں کوئی انسانی ہمدردی کا پہلو نہیں تھا۔ برابری اس مساوات کا حصہ ہی نہیں تھی، کیونکہ پہلا کام جو لینن اور اس کے مصاحبین نے کیا، وہ بولشویک پارٹی کے سر پر ایک نئی اشرافیہ کی تخلیق تھی جو کہ وہ خود تھے۔ ایسا کرتے ہوئے، انہوں نے نہ صرف غیر کمیونسٹ عناصر کی تطہیر اور قتل و غارت کی، بلکہ دوسرے ایسے کمیونسٹوں کی بھی، جو ان کی طاقت کیلئے خطرہ بن سکتے تھے۔ لیکن حقیقی المیئے ابھی وجود میں آنے تھے؛ پہلے خانہ جنگی کے ساتھ، اور پھر سٹالن کی اشتمال سازی کے تحت اور اس کے اس قدر زیادہ تسلسل کے ساتھ ہونے والی تطہیرات کے ساتھ، جنہوں نے چالیس ملین لوگوں تک کو قتل کر دیا ہوگا۔ روسی کمیونزم وحشیانہ، جابرانہ اور خونیں تھا۔ لیکن یہ منفرد نہ تھا۔ معاشی نتائج اور انسانی مصائب بالکل اسی طرح کے تھے جو دوسری

جگہوں پر واقع ہوئے۔ مثال کے طور پر کمبوڈیا میں 1970 کی دہائی میں کھمیر روج کے تحت، چین اور شمالی کوریا میں، تمام صورتوں میں کمیونزم بری آمریتیں، اور وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی انسانی حقوق کی پامالیاں لایا، انسانی مصائب اور انسانی جانوں کے اتلاف سے آگے تمام کمیونسٹ حکومتوں نے مختلف قسم کے استحصالی ادارے پیدا کیے۔ معاشی ادارے، مارکیٹوں کے ساتھ یا مارکیٹوں کے بغیر، لوگوں کے وسائل کا استحصال کرنے کے لئے قائم کیے گئے، اور حقوق ملکیت سے کلی طور پر نفرت کرتے ہوئے، انہوں نے اکثر اوقات خوشحالی کی بجائے غربت پیدا کی۔ سوویٹ کے معاملے میں، جیسا کہ ہم نے باب پنجم میں دیکھا، کمیونسٹ نظام نے پہلے پہل تیز ترقی کو جنم دیا، لیکن بعد میں یہ لڑکھڑانے لگا اور جمود کی طرف لے گیا۔ چین میں ماؤ کے تحت، کمبوڈیا میں کھمیر روج کے تحت، اور شمالی کوریا میں نتائج اور بھی زیادہ تباہ کن تھے، جہاں کمیونسٹ معاشی ادارے معاشی تباہی اور قحط پر منتج ہوئے۔

کمیونسٹ معاشی اداروں کو، جوابی طور پر استحصالی سیاسی اداروں کی حمایت حاصل تھی، جنہوں نے تمام اقتدار کمیونسٹ پارٹیوں کے ہاتھوں میں مرتکز کر دیا، اور اس اقتدار کو استعمال کرنے پر کسی قسم کی کوئی پابندیاں متعارف نہیں کروائیں۔ اگرچہ یہ شکل کے لحاظ سے مختلف استحصالی ادارے تھے، لیکن زمبابوے اور سرالیون کے استحصالی اداروں کی طرح، لوگوں کے روز گار پر ان کے اثرات ایک جیسے تھے۔

بادشاہ کپاس

کپاس کا ازبکستان کی برآمدات میں تقریباً 45 فیصد حصہ ہے، جو اسے ایک اہم ترین فصل بناتا ہے، جب سے 1991 میں سوویٹ یونین کے ٹوٹنے کے بعد ملک نے آزادی قائم کی۔ سوویٹ کمیونزم کے تحت ازبکستان میں تمام کاشت شدہ زمین 2048 ریاستی ملکیت کے فارموں کے تحت تھی۔ یہ توڑ دیئے گئے اور زمین 1991 کے بعد تقسیم کر دی گئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ کسان آزادانہ طور پر کام کر سکتے تھے۔ کپاس، حکومت ازبکستان کے پہلے اور اب تک واحد صدر اسماعیل کریموف کے نزدیک انتہائی قیمتی تھی۔ اس کی بجائے ایسے قوانین متعارف کروائے گئے جنہوں نے یہ تعین کیا کہ کسان کیا کاشت کر سکتے ہیں اور وہ اسے ٹھیک کس قیمت پر بیچ سکتے ہیں۔

MashalBooks.org

کپاس ایک قیمتی برآمدات تھی، اور کسانوں کو فصل کی عالمی منڈی کی قیمتوں کا ایک بہت چھوٹا حصہ ادا کیا جاتا تھا۔ جبکہ باقی ماندہ حکومت لے جاتی تھی۔ ادا کی جانے والی قیمتوں پر کوئی بھی شخص کپاس نہ اگاتا، لہذا حکومت انہیں مجبور کرتی تھی۔ اب ہر کسان کو زمین کا 35 فیصد حصہ کپاس کے لئے مختص کرنا پڑتا تھا۔ اس سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے تھے؛ جن میں سے ایک مشینری کی مشکلات ہوتی تھی، آزادی کے وقت تقریباً چالیس فیصد فصل کمبائن ہاویسٹروں کی مدد سے اٹھائی جاتی تھی۔ 1991 کے بعد، بلا حیرت، ان محرکات کے پیش نظر جو کریموف کی حکومت نے کسانوں کے پیدا کئے، وہ انہیں خریدنے یا ان کی دیکھ بھال کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ مسئلے کا ادراک کرتے ہوئے، کریموف ایک حل لائے، درحقیقت کمبائن ہاویسٹروں سے بھی زیادہ سستا؛

اسکول کے بچے

روئی کی پھٹی پکنا شروع ہوتی ہے، اور ستمبر کے اوائل میں چنائی کے لئے تیار ہو جاتی ہے، تقریباً اسی وقت جب بچے اسکول سے واپس آتے ہیں۔ کریموف نے مقامی گورنروں کو احکامات بھیجے کہ وہ اسکولوں میں کپاس کی چنائی کا کوٹہ بھیجیں۔ ستمبر کی ابتدا میں اسکول 2.7 ملین بچوں (2006 کے اعداد و شمار) سے خالی ہو جاتے تھے۔ اساتذہ بجائے تعلیم دہندگان کے مزدوروں کے بھرتی کنندگان بن جاتے تھے۔ گلناز جو کہ ان بچوں میں سے دو کی ماں ہے، وضاحت کرتی ہے کیا واقع ہوتا ہے۔

اسکول کے ہر سال کے آغاز میں، لگ بھگ ستمبر کے آغاز میں، اسکول میں کلاسیں معطل کر دی جاتی ہیں، اور بجائے کلاسوں کے بچوں کو کپاس کی فصل کی کٹائی کے لئے بھیج دیا جاتا ہے۔ کوئی بھی والدین کی رضامندی کے لئے نہیں پوچھتا۔ انہیں اختتام ہفتہ کی چھٹی نہیں ہوتی (فصل کی کٹائی کے موسم کے دوران)۔ اگر کوئی بچہ کسی وجہ سے گھر پر رہ جاتا ہے تو اس کا استاد یا کلاس کا محافظ پہنچ جاتا ہے اور والدین کی مذمت کرتا ہے وہ ہر بچے کو اس کا طریق کار ذمے لگا دیتے ہیں، 20 سے لے کر 60 کلوگرام روزانہ، بچے کی عمر کے حساب سے۔ اگر کوئی بچہ یہ کام پورا نہیں کرتا تو اگلے دن پوری کلاس کے سامنے اس کی مرمت کی جاتی ہے۔

فصلوں کی کٹائی دو ماہ تک جاری رہتی ہے۔ وہ بچے جو دیہات سے تعلق رکھتے اور اتنے

خوش نصیب ہیں کہ ان کے ذمے گھر کے قریب کے فارم لگائے جاتے ہیں، اپنے کام پر پیدل چل کر یا بسوں کے ذریعے جا سکتے ہیں۔ لیکن جو بچے زیادہ دور سے ہوں یا شہری علاقوں سے تعلق رکھتے ہوں انہیں مویشی خانوں یا گوداموں میں مشینری اور جانوروں کے ساتھ سونا پڑتا ہے۔ وہاں کوئی بہت الخلا یا باورچی خانے نہیں ہیں۔ بچوں کو خوراک یا دوپہر کے کھانے اپنے ساتھ لانے پڑتے ہیں۔

اس تمام جبری مشقت کے بڑے نفع یاب سیاسی اشراف ہیں، جن کی قیادت تمام ازبکی کپاس کے بالفعل بادشاہ صدر کریموف کرتے ہیں۔ اسکول کے بچوں کو مفروضہ طور پر ان کی محنت کا معاوضہ دیا جاتا ہے، لیکن محض مفروضہ طور پر۔ 2006 میں جب کپاس کی عالمی قیمت 1.40 (یو ایس ڈالر) فی کلو تھی، بچوں کو تقریباً 0.03 ڈالر۔ ان کے 20 سے 60 کلو تک کے روزانہ کے کوٹے کا معاوضہ دیا جاتا تھا۔ تقریباً 75 فیصد کپاس اب بچوں سے چنوائی جاتی ہے۔ موسم بہار میں اسکول کو لازمی، گوڈی، گھاس پھونس کی صفائی اور پودوں کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگانے کے لئے بند کر دیا جاتا ہے۔

یہ سب اس حال کو کیسے پہنچا؟ ازبکستان کے بارے میں بھی، دوسری سوویٹ سوشلسٹ جمہوریاؤں کی طرح، یہ سمجھا گیا کہ سوویٹ یونین کے ٹوٹنے کے بعد یہ اپنی آزادی حاصل کرے گا، اور منڈی کی معیشت اور جمہوریت کو فروغ دے گا۔ تاہم، جیسا کہ دوسری سوویٹ جمہوریاؤں کے ساتھ ہوا، ازبکستان میں بھی ایسا واقع نہ ہوا۔ صدر کریموف، جس نے اپنا سیاسی مستقبل سوویٹ یونین کی کمیونسٹ پارٹی میں شروع کیا، اور 1989 کے کسی سازگار لمحے میں ازبکستان کے فرسٹ سیکریٹری کے عہدے تک ترقی کر گیا، عین اس وقت جب برلن کی دیوار گر رہی تھی، اپنے آپ کو دوبارہ ایک قوم پرست کے طور پر منوانے میں کامیاب ہو گیا۔ دسمبر 9191 میں دفاعی افواج کی اہم حمایت کے ساتھ، اس نے ازبکستان کے سب سے پہلے صدر کا انتخاب جیت لیا۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس نے آزاد سیاسی حزب اختلاف پر ہلہ بول دیا۔ اب اس کے مخالفین یا قید میں ہیں یا جلاوطنی میں، ازبکستان میں ذرائع ابلاغ آزاد نہیں ہیں، اور کسی قسم کی غیر سرکاری تنظیموں کی اجازت نہیں ہے۔ اس شدید ہوتے ہوئے جبر کا نقطہ عروج 2005 میں اس وقت آیا، جب ممکنہ طور پر 750، یا ہو سکتا ہے اس سے بھی زیادہ مظاہرین، اینڈی جان میں پولیس اور فوج

MashalBooks.org

کے ہاتھوں مارے گئے۔

مسلح افواج کی اس کمان اور ذرائع ابلاغ پر مکمل کنٹرول کو استعمال کرتے ہوئے، کریموف نے پہلے اپنی مدت کو پانچ سال تک ایک ریفرینڈم کے ذریعے توسیع دی، جس میں اس نے 2007 کے دوبارہ انتخاب میں کریموف کو ووٹ ڈالا تھا، جسے وسیع طور پر دھوکے پر مبنی سمجھا جاتا ہے، اس نے کل ووٹوں کا 88 فیصد حاصل کیا۔ ازبکستان میں انتخابات ان انتخابات سے مماثل ہیں، جو جوزف سٹالن سوویٹ یونین کے عروج کے زمانے میں منعقد کروالیا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک ایسے انتخاب کی روائیداد مشہور طریقے سے نیویارک ٹائمز کے نامہ نگار ہیرلڈ ڈینی نے بیان کی، جس نے پراودا (Pravda) میں سے ترجمہ کو دوبارہ بیان کی، جو کہ کمیونسٹ پارٹی کا اخبار ہے، جس کے مقصد سوویٹ انتخابات کی کشیدگی اور جوش کو آگے پہنچاتا تھا:

"آدھی رات ہو چکی ہے، بارہ دسمبر سپریم سوویٹ کے پہلے عام، مساوی اور براہ راست انتخابات کا دن ختم ہو گیا ہے، ووٹنگ کے نتیجہ کا اعلان ہونے والا ہے۔

چیئرمین اپنے کمرے میں اکیلا ہے، یہ خاموش ہے اور چراغ باوقار طریقے سے چمک رہے ہیں۔ عمومی طور پر متوجہ، اور گہری توقع کے ساتھ چیئرمین ووٹ کی پرچیاں گننے سے پہلے تمام ضروری رسمی کارروائیاں انجام دے رہا ہے۔ فہرست سے یہ پڑتال کرتے ہوئے کہ اس میں کتنے ووٹ تھے اور کتنوں نے ووٹ ڈالا ہے۔ اور نتیجہ 100 فیصد ہے۔ 100 فیصد! کون سے ملک میں کون سے انتخاب نے کون سے امیدوار کیلئے 100 فیصد ووٹ ڈالے ہیں؟

اصل کام اب شروع ہوتا ہے۔ پرجوش طریقے سے چیئرمین ڈبوں پر لاکھی مہروں کی پڑتال کرتا ہے۔ پھر کمشن کے ارکان ان کا معائنہ کرتے ہیں۔ لاکھی مہریں صحیح سالم ہیں اور کاٹ دی گئی ہیں۔ ڈبے کھولے جاتے ہیں۔

بالکل خاموشی ہے، وہ متوجہ ہو کر اور سنجیدگی سے بیٹھے ہوئے ہیں، یہ انتخاب کے معائنہ کار اور منتظمین۔

اب یہ لفافوں کو کھولنے کا وقت ہے۔ کمشن کے تین ارکان قینچیاں لے لیتے ہیں۔ چیئرمین کھڑا ہو جاتا ہے۔ شمار کنندگان اپنی نمونے کی کتابوں کو تیار کر لیتے ہیں۔ پہلا لفافہ کھولا جاتا ہے۔ تمام نگاہیں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ چیئرمین دو پرچیاں نکالتا ہے۔ سفید [سوویٹ آف

دی یونین کے امیدوار کیلئے] اور نیلی [سوویٹ آف نیشنیلیٹیز کے امیدوار کے لئے]۔ اور اونچی آواز سے اور واضح طور پر بولتا ہے، "کامریڈ سٹالن"

اچانک سنجیدگی ٹوٹ جاتی ہے، کمرے میں موجود ہر شخص اوپر کو اچھلتا ہے، اوسٹالن کے آئین کے تحت پہلے عام خفیہ انتخاب کے لئے پہلی رائے دہندگی کی پرمسرت اور پرجوش طریقے سے تعریف کرتا ہے۔ آئین کے خالق کے نام پر رائے دہندگی کی۔

کریموف کے دوبارہ انتخاب کے اردگرد بھی اسی کیفیت جذبی نے، انتظاری کیفیت کو اپنی گرفت میں لیا ہوگا، کیونکہ کریموف، جب جبر کی اور سیاسی کنٹرول کی بات ہو، تو سٹالن کا سچا شاگرد ہوتا ہے، اور انتخابات کی تنظیم ایسے کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے، جو اپنے نرالے پن میں سٹالن کے انتخابات کا مقابلہ کرتے ہیں۔

کریموف کے تحت ازبکستان ایک ایسا ملک ہے، جس میں بہت زیادہ استحصالی سیاسی اور معاشی ادارے ہیں۔ غالباً لوگوں کا ایک تہائی غربت میں زندگی بسر کرتا ہے، اور اوسط سالانہ آمدنی 1000 ڈالر ہے۔ ترقی کے تمام اشارے خراب نہیں ہیں۔ عالمی بینک کے اعداد و شمار کے مطابق اسکولوں میں داخلہ 100 فیصد ہے ہاں، سوائے غالباً کپاس کی چنائی کے موسم کے دوران کے۔ خواندگی بھی بہت بلند ہے، اگرچہ تمام ذرائع ابلاغ پر کنٹرول کرنے کے علاوہ، حکومت کتابوں پر بھی پابندی لگاتی ہے اور انٹرنیٹ کی چھان بین بھی کرتی ہے۔ جہاں زیادہ تر لوگوں کو کپاس کی چنائی کے صرف چند سینیٹ یومیہ ادا کئے جاتے ہیں، وہیں کریموف کا خاندان اور سابقہ کیمونسٹ جتھے جنہوں نے اپنے آپ کو 1989 کے بعد ازبکستان کے نئے معاشی اور سیاسی اشراف کے طور پر دوبارہ قائم کیا، افسانوی طور پر مالدار ہو گئے ہیں۔

خاندانی معاشی مفادات کا خیال کریموف کی صاحبزادی گلنورا (Gulnora) رکھتی ہیں، جن کے بارے میں یہ توقع ہے کہ بطور صدر اپنے والد کی جگہ لیں گی۔ ایک ایسے غیر شفاف اور پراسرار ملک میں، کوئی بھی ٹھیک طرح سے نہیں جانتا کہ کریموف کا خاندان کن چیزوں پر کنٹرول کرتا ہے اور کتنی دولت وہ کماتے ہیں" لیکن یو ایس کی کمپنی انٹرسپین کا تجربہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے ازبک معیشت میں پچھلی دو دہائیوں میں کیا واقع ہوا ہے۔ کپاس واحد زرعی فصل نہیں ہے؛ ملک کے بعض حصے چائے پیدا کرنے کے لئے مثالی ہیں اور انٹرسپین نے اس میں سرمایہ کاری کرنے کا

MashalBooks.org

فیصلہ کیا۔ 2005 تک اس نے مقامی مارکیٹ کے 30 فیصد کو تحویل میں لے لیا تھا، لیکن پھر یہ ایک مصیبت میں پھنس گئی، گلنورا نے یہ فیصلہ کیا کہ چائے کی صنعت معاشی طور پر ابھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ جلد ہی انٹر سپین کے معاشی عملے کو گرفتار کرنا، مارنا پیٹنا اور اس پر تشدد کرنا شروع کر دیا گیا۔ کام کرنا ناممکن ہو گیا اور اگست 2006 تک کمپنی باہر نکل گئی۔ اس کے اثاثوں پر کریموف خاندان کے تیزی سے پھیلتے ہوئے چائے کے مفادات نے قبضہ کر لیا، جواب مارکیٹ کے 67 فیصد کی نمائندگی کرتے ہیں، جو دو سال پہلے صرف دو فیصد تھے۔

بہت سے حوالوں سے ازبکستان ماضی کی ایک یادگار محسوس ہوتا ہے، ایک فراموش شدہ دور کا۔ یہ ایک ایسا ملک ہے جو ایک خاندان اور اس کے حواریوں کی مطلق العنانیت کے تحت سسک رہا ہے، ایک ایسی معیشت کے ساتھ جو جبری مشقت پر مبنی ہے۔ درحقیقت بچوں کی جبری مشقت پر۔ اس کے علاوہ یہ کچھ نہیں ہے۔ یہ موجودہ دور کے معاشروں کی پچی کاری کا ایک حصہ ہے جو استحصالی اداروں کے تحت ناکام ہو رہے ہیں، اور بدقسمتی سے اس کے دوسرے سابقہ سوشلسٹ جمہوریاؤں کے ساتھ بہت سے مشترکات ہیں، آرمینیا اور آذربائیجان سے لے کر کرغیزستان، تاجکستان اور ترکمانستان تک، اور یہ ہمیں اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ اکیسویں صدی میں بھی، استحصالی سیاسی اور معاشی ادارے ایک بے شرمی والی ظالمانہ استحصالی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔

میدان عمل کو ایک زاویے پر رکھنا

1990 کی دہائی مصر میں اصلاح کا ایک دور تھا۔ اس فوجی انقلاب سے پہلے جس نے 1954 میں بادشاہت کو ہٹایا، مصر کو ایک نیم سوشلسٹ معاشرے کے طور پر چلایا جا رہا تھا، جس میں حکومت معیشت میں ایک مرکزی کردار ادا کر رہی تھی۔ معیشت کے بہت سے شعبوں پر ریاست کے ملکیتی کاروباروں کا غلبہ تھا۔ سال گزرنے کے ساتھ ساتھ سوشلزم کا بیانیہ کمزور پڑ گیا، مارکیٹیں کھل گئیں اور نجی شعبہ ترقی کر گیا۔ لیکن یہ اشتمالی مارکیٹیں نہیں تھی۔ بلکہ ایسی مارکیٹیں تھیں جن پر ریاست کا کنٹرول تھا، اور جوان مٹھی بھر کاروباری لوگوں کے قبضے میں تھا، جو نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے ساتھ وابستہ تھے، جو 1978 میں صدر انور سادات کی طرف سے قائم کی گئی تھی۔ صدر حسنی مبارک کی حکومت کے تحت، کاروباری لوگ پارٹی میں زیادہ ملوث ہو گئے اور پارٹی ان میں زیادہ

سے زیادہ ملوث ہو گئی مبارک جو 1981 میں انور سادات کے قتل کے بعد صدر بنا، نے این ڈی پی (نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی) کے ساتھ اس وقت تک حکومت کی، جب تک کہ اسے 2011 میں عوامی احتجاجوں اور فوج کی طرف سے اقتدار سے علیحدہ کر دیا گیا، جیسا کہ ہم نے پیش لفظ میں بیان کیا ہے۔

بڑے بڑے کاروباری لوگوں کو ایسے سرکاری عہدوں پر تعینات کیا گیا، جو ان کے معاشی مفادات سے قریبی طور پر متعلق تھے، رشید محمد رشید، یونی لیور (AMET) (افریقہ، مڈل ایسٹ اور ترکی) غیر ملکی تجارت اور صنعت کے وزیر بن گئے؛ محمد زوہیر واحد جرانا، جو کہ جرانا سفری کمپنی، جو کہ مصر میں سب سے بڑی کمپنی تھی، کے مالک اور مینیجنگ ڈائریکٹر تھے، سیر و سیاحت کے وزیر بن گئے؛ امین احمد محمد عثمان ابازا، جو کہ نیل کاٹن ٹریڈ کمپنی کے بانی تھے، جو کہ مصر میں سب سے بڑی کپاس برآمد کرنے والی کمپنی تھی۔ وزیر زراعت بن گئے۔

معیشت کے بہت سے شعبوں میں، کاروباری لوگوں نے، ریاست کے قانون کے ذریعے داخلے کو بند کرنے کے لئے حکومت کو ترغیب دی۔ ان شعبوں میں شامل تھے، ذرائع ابلاغ، لوہا اور فولاد، موٹر گاڑیوں کی صنعت، الکوحل کے مشروبات، اور سیمنٹ۔ ہر شعبہ بیرونی داخلے پر انتہائی پابندیوں سے مرتکز کر دیا گیا تھا۔ اور سیاسی طور پر وابستہ کاروباری لوگوں اور فرموں کو تحفظ دیا گیا تھا۔ حکومت سے قریبی بڑے کاروباری لوگوں، جیسا احمد عز (لوہا اور فولاد) ساویری خاندان (کثیر ذرائع ابلاغ مشروبات اور ٹیلی کمیونیکیشن) اور محمد نفیر (مشروبات اور ٹیلی کمیونیکیشن) نے نہ صرف ریاست سے تحفظ حاصل کیا، بلکہ حکومتی ٹھیکے اور بغیر ضمانت دیئے بڑے بڑے بینک کے قرضہ جات بھی حاصل کئے۔ احمد عز، عزِ سٹیل کا چیئرمین، جو کہ ملک کی سب سے بڑی سٹیل کی کمپنی تھی، جو مصر کی سٹیل کا 70 فیصد پیدا کرتی تھی، اور این ڈی پی کا بہت اعلیٰ سطح کا رکن، پیپلز اسمبلی بجٹ اینڈ پلاننگ کمیٹی کا چیئرمین، اور جمال مبارک جو کہ صدر مبارک کے بیٹوں میں سے ایک تھا، کا قریبی ساتھی تھا۔

1990 کی دہائی کی، بین الاقوامی مالی اداروں اور معیشت دانوں کی پروان چڑھائی ہوئی معاشی اصلاحات کا مقصد مارکیٹوں کو آزاد کرنا اور ملکی معیشت میں ریاست کے کردار کو کم کرنا تھا، ہر جگہ ایسی اصلاحات کا بنیادی ستون، ریاست کے ملکیتی اثاثوں کو نجی ملکیت میں دینا تھا۔ میکسیکو

MashalBooks.org

کی نجکاری نے، مقابلے کو بڑھانے کی بجائے، محض ریاست کے ملکیتی اجارہ داریوں کو نجی ملکیتی اجارہ داریوں میں تبدیل کر دیا، اور اس عمل میں سیاسی طور پر وابستہ کاروباری لوگوں جیسا کہ کارلوس سلم کو مالا مال کر دیا۔ بالکل یہی چیز مصر میں واقع ہوئی۔ حکومت کے ساتھ وابستہ کاروباری لوگ مصر نجکاری کے پروگرام کے نفاذ پر بھاری طور پر اثرانداز ہونے میں کامیاب ہو گئے، تا کہ دولتمند کاروباری اشراف کو یا، جیسا کہ مقامی طور پر انہیں پکارا جاتا ہے ''وہیلوں'' کو فائدہ پہنچائے۔ اس وقت جب نجکاری شروع ہوئی تو معیشت پر ان وہیلوں کے 32 لوگوں کا غلبہ تھا۔

ایک احمد زیات تھے، جو کہ اسکر گروپ کے کرتا دھرتا تھے۔ 1996 میں حکومت نے الاہرام بیوریجز (اے بی سی) کو نجی ملکیت میں دینے کا فیصلہ کیا جو کہ مصر میں بیر کا اجارہ دار تھا۔ ایک لوبی انجیشن فنانس کمپنی کے ایک کنسورشیم کی طرف سے آئی، جس کی قیادت جائیداد منقولہ کے تکمیل کار فرید سعد کرتے تھے، جن کے ساتھ ساتھ پہلی سٹے کے کاروبار کی کمپنی جو 1995 میں مصر میں تشکیل دی گئی، شامل تھی۔ کنسورشیم میں شامل تھے، فواد سلطان، جو کہ سیاحت کے سابقہ وزیر تھے، محمد نصیر، اور محمد رجب، جو کہ ایک اور کاروباری اشرافیہ تھی۔ یہ گروپ مربوط تھا، لیکن کافی مربوط نہیں تھا۔ اس کی 400 ملین مصری پاؤنڈ کی بولی کو بہت کم سمجھ کر مسترد کر دیا گیا۔ زیات زیادہ مربوط تھا۔ اس کے پاس اے بی سی کے حصص کو پہلی مرتبہ لندن سٹاک ایکسچینج میں اور لکسر گروپ نے ان حصص کے 74.9 فیصد کو 68.5 مصری پاؤنڈ فی حصص دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، اور لکسر گروپ ان سب کو 52.5 پاؤنڈ فی حصہ کے حساب سے دونوں کو بیچنے اور اس طرح 36 فیصد خالص منافع کے طور پر کمانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس سے زیات، اگلے ماہ، اے بی سی کو خریدنے کے لئے 231 ملین پاؤنڈ کی رقم مہیا کرنے کے قابل ہو گیا۔ اس وقت اے بی سی لگ بھگ 41.3 مصری پاؤنڈ کا سالانہ منافع کما رہا تھا، اور اس کے پاس 93 ملین مصری پاؤنڈ کا نقد سرمایہ موجود تھا۔ یہ ایک اچھا سودا تھا۔ 1999 میں، نئے نئے نجی ملکیت میں آئے ہوئے اے بی سی نے اپنی اجارہ داری کو ایک نجکاری شدہ قومی شراب کی اجارہ داری گیان کلس (Giancalis) کو خرید کر بیئر سے شراب میں توسیع دے دی۔ گیان کلس ایک بہت ہی منافع بخش کمپنی تھی، جس نے درآمد شدہ شراب پر عائد شدہ، 3,000 فیصد محصول کے پیچھے پناہ لی ہوئی تھی، اور جو کچھ یہ بیچتی تھی، اس پر اس کا منافع 70 فیصد ہوتا تھا۔ 2002 میں اس اجارہ داری کے مالکان پھر تبدیل ہو گئے جب زیات نے اے بی سی کو 1.3 بلین

کے عوض ہینکن (Heineken) کے ہاتھ بیچ دیا۔ پانچ سال میں 563 فیصد منافع۔

محمد نصیر ہمیشہ گھاٹے میں نہیں رہتا تھا۔ 1993 میں اس نے نجی ملکیت میں آئی ہوئی النصر کی بوتلیں بنانے والی کمپنی خرید لی، جس کے پاس مصر میں کوکا کولا کو بوتلیں مہیا کرنے اور اسے بیچنے کے اجارہ داری کے حقوق تھے۔ نصیر کے، اس وقت کے عوامی کاروباری شعبے کے وزیر کے ساتھ عاطف عبید کے ساتھ تعلقات نے اس کے لئے تھوڑے سے مقابلے کے ساتھ یہ خریداری کرنے کی گنجائش پیدا کر دی، پھر نصیر نے دو سال بعد یہ کمپنی، قیمت خرید سے تین گنا سے بھی زائد قیمت پر بیچ ڈالی۔ ایک اور مثال 1990 کی دہائی میں نجی شعبے کو ریاست کی سینما کی صنعت میں شامل کرنے کے لئے تحرک تھا۔ ایک دفعہ پھر سیاسی تعلقات کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف دو خاندانوں کو سینما چلانے کے لئے بولی دینے کی اجازت تھی۔ ان میں سے ایک ساویرز خاندان تھا۔

آج مصر ایک غریب قوم ہے۔ اگرچہ اتنا غریب نہیں ہے، جتنا کہ جنوب میں، زیریں صحارائی افریقہ کے زیادہ تر ممالک ہیں، لیکن پھر بھی ایک ایسا ملک ہے جہاں تقریباً 40 فیصد آبادی بہت غریب ہے، اور صرف دو ڈالر روزانہ سے بھی کم پر گزارا کرتی ہے، حالات کی ستم ظریفی دیکھئے، جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے دیکھا، انیسویں صدی میں محمد علی کے زیر نگیں، مصر معاشی جدیدیت اور ادارہ جاتی تبدیلی کی ایک ابتدائی کامیاب کوشش کی جائے وقوع تھی۔ جس نے اس کے سلطنت برطانیہ میں موثر طور پر ضم کئے جانے سے پہلے، استحصالی معاشی ترقی کا ایک دور پیدا کیا۔ برطانوی سامراجی دور سے، استحصالی اداروں کا ایک سیٹ ظہور پذیر ہوا اور 1954 کے بعد فوج کی طرف سے جاری رکھا گیا۔ کچھ معاشی ترقی ہوئی اور تعلیم میں کچھ سرمایہ کاری ہوئی، لیکن آبادی کی اکثریت کے پاس نہ ہونے کے برابر معاشی مواقع تھے، جبکہ نئی اشرافیہ حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات کی وجہ سے فائدہ اٹھا سکتی تھی۔

ان استحصالی معاشی اداروں کی مدد ایک مرتبہ پھر استحصالی سیاسی اداروں کی طرف سے کی جاتی تھی۔ صدر مبارک نے ایک سیاسی حکمران خاندان کی بنیاد رکھنے کا منصوبہ بنایا، جس کے لئے اس نے اپنے بیٹے جمال کو اپنی جگہ لینے کے لئے تیار کیا عرب بہار کے نام کی وسیع پیمانے کی بے چینی اور مظاہروں کی وجہ سے اس کے استحصالی اداروں کی شکست کی وجہ سے ادھورا رہ گیا۔ اس عرصے کے دوران جب ناصر صدر تھا، وہاں اشتمالی اداروں کے کچھ پہلو تھے، اور ریاست نے

MashalBooks.org

تعلیمی نظام کو کچھ آزاد کر دیا تھا۔ اور کچھ ایسے مواقع مہیا کیئے تھے جو شاہ فاروق کی سابقہ حکومت نے نہیں کیے تھے۔ لیکن یہ استحصالی اداروں کے ساتھ، معاشی اداروں کی کچھ اشتمالیت کے غیر مستحکم ملاپ کی ایک مثال تھی۔

وہ ناگزیر نتیجہ، جو مبارک کے عہد حکومت کے دوران سامنے آیا، وہ یہ تھا کہ معاشی ادارے زیادہ استحصالی ہو گئے، جو معاشرے میں سیاسی طاقت کی تقسیم کی عکاسی کرتے تھے۔ ایک مفہوم میں عرب بہار اس کا ایک ردعمل تھا۔ یہ بات نہ صرف مصر میں بلکہ تیونس میں بھی صحیح تھی۔ تیونس کی استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی کی تین دہائیاں اس وقت پیچھے کی طرف جانے لگیں، جب صدر بن علی اور اس کے خاندان نے معیشت پر زیادہ سے زیادہ حملہ کرنا شروع کیا۔

قومیں کیوں ناکام ہوتی ہیں

قومیں معاشی طور پر استحصالی اداروں کی وجہ سے ناکام ہوتی ہیں۔ یہ ادارے غریب قوموں کو غریب رکھتے ہیں اور انہیں معاشی ترقی کے راستے پر گامزن ہونے سے روکتے ہیں۔ یہ بات آج افریقہ میں، زمبابوے اور سیرالیون جیسی جگہوں پر سچ ہے؛ جنوبی امریکہ میں کولمبیا اور ارجنٹائن جیسے ممالک میں؛ ایشیا میں شمالی کوریا اور ازبکستان جیسے ممالک میں؛ اور شرق اوسط میں، مصر جیسے ملک میں ان ممالک کے درمیان قابل ذکر اختلافات ہیں۔ کچھ برطانیہ کی نوآبادیات تھیں؛ دوسرے جاپان، سپین اور روس کی۔ ان کی بہت مختلف تاریخیں، زبانیں اور ثقافتیں ہیں۔ جو چیز ان سب میں مشترک ہے وہ ان کے استحصالی ادارے ہیں، ان تمام صورتوں میں ان اداروں کی بنیاد ایک اشرافیہ ہے۔ جو معاشی اداروں کو اس طرح تشکیل دیتی ہے، کہ وہ خود انہیں مالا مال کریں اور ان کے اقتدار کو، معاشرے میں لوگوں کی ایک بہت بڑی اکثریت کی قیمت پر، اشراف کی نوعیت اور استحصالی اداروں کی تفصیلات میں اختلافات پر منتج ہوتے ہیں۔ لیکن اس بات کی وجہ کہ یہ استحصالی ادارے کیوں قائم رہتے ہیں ہمیشہ بدی کے دائرے سے منسلک ہوتی ہے، اور ان اداروں کے ان کے شہریوں کو غریب بنانے کے مفہوم میں نتائج یکساں ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کی شدت میں فرق ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر زمبابوے میں اشرافیہ رابرٹ موگابے اور زینو پی ایف کے مرکز پر مشتمل

MashalBooks.org

ہے، جس نے 1970 کی دہائی میں سامراج مخالف جنگ میں پیش روی کی۔ شمالی کوریا میں وہ کم جانگ ال کے اردگرد کا ٹولا اور کمیونسٹ پارٹی ہے۔ ازبکستان میں یہ صدر اسلام کریموف، اس کا خاندان، اور سوویٹ یونین کے دور کے دوبارہ تشکیل پانے والے حواری ہیں۔ یہ گروپ واضح طور پر بہت مختلف ہیں، اور ان اختلافات کا اس ممالک اور معیشتوں کے ساتھ ساتھ جن پر ان کی حکومت ہے، یہ مطلب ہے کہ استحصالی ادارے جو مخصوص شکلیں اختیار کرتے ہیں وہ مختلف ہوتی ہیں، مثال کے طور پر، کیونکہ شمالی کوریا کمیونسٹ انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ یہ کمیونسٹ پارٹی یک جماعتی حکومت کو بطور نمونے کے اختیار کرتا ہے۔ اگرچہ موگابے نے 1980 کی دہائی میں کوریائی فوج کو زمبابوے میں مٹالی لینڈ میں اپنے مخالفین کا قتل عام کرنے کیلئے دعوت دی، لیکن استحصالی سیاسی اداروں کا یہ نمونہ زمبابوے میں قابل اطلاق نہیں ہے۔ اس کی بجائے، کیونکہ موگابے جس طریقے سے سامراج مخالف جدوجہد میں اقتدار میں آیا، لہذا اسے اپنے اقتدار کو انتخاب کا لباس پہنانا پڑا، اگرچہ کچھ دیر کے لئے، اس نے درحقیقت ایک آئینی طور پر تصدیق شدہ یک جماعتی نظام تشکیل دینے کا اہتمام کر لیا تھا۔

اس کے مقابلے میں کولمبیا کے ہاں انتخابات کی ایک طویل تاریخ ہے، جو ہسپانیہ سے آزادی کے نتیجے میں، لبرل اور کنزرویٹو پارٹیوں کے درمیان اقتدار کو تقسیم کرنے کے ایک طریقے کے طور پر تاریخی طور پر ابھرا۔ نہ صرف اشراف کی نوعیت مختلف ہے، بلکہ ان کی تعداد بھی۔ ازبکستان میں، کریموف سوویٹ ریاست کے باقیات کو لے اڑنے کے قابل ہوا، جس نے اسے متبادل اشراف کو دبانے اور قتل کرنے کے لئے ایک مضبوط ذریعہ مہیا کر دیا۔ کولمبیا میں ملک کے مختلف حصوں میں مرکزی حکومت کی حاکمیت کی کمی نے فطری طور پر زیادہ پارہ پارہ اشراف کو جنم دیا ہے۔ درحقیقت اس حد تک کہ بعض اوقات وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگتے ہیں۔ تاہم ان مختلف النوع اشراف اور سیاسی اداروں کے باوجود بھی یہ ادارے اکثر اوقات اس اشرافیہ کی طاقت کو مضبوط بنانے اور اس کی افزائش کرنے کا اہتمام کرتے رہتے ہیں جس نے انہیں پیدا کیا۔ لیکن بعض اوقات ان کی پیدا کردہ خانہ جنگی ریاست کی شکست پر منتج ہوتی ہے، جیسا کہ سیرالیون میں ہوا۔

بالکل ایسے جیسے اشراف کی مختلف تواریخ اور ان کے مختلف ڈھانچوں کا مطلب ہے کہ اشراف کی شناخت اور استحصالی سیاسی اداروں کی تفاصیل مختلف ہیں، اس طرح ان استحصالی معاشی

اداروں کی تفاصیل بھی، جو یہ اشراف قائم کرتے ہیں، مختلف ہیں، شمالی کوریا میں استحصال کے اوزار، ایک مرتبہ پھر، کمیونسٹ اوزاروں کے سیٹ سے وراثت میں حاصل کئے گئے تھے: نجی ملکیت کا خاتمہ، ریاست کے ملکیتی فارم، اور صنعت۔

مصر میں، 1952 کے بعد کرنل ناصر کی اقبالی طور پر تخلیق شدہ سوشلسٹ فوجی حکومت کے تحت بھی صورت حال بالکل یکساں تھی۔ ناصر نے سرد جنگ میں سوویٹ یونین کا ساتھ دیتے ہوئے، غیر ملکی سرمایہ کاری، جیسا کہ برطانیہ کی ملکیتی نہر سویز، کو غصب کرلیا، اور زیادہ تر معیشت کو عوامی ملکیت میں لے لیا۔ تاہم مصر میں، 1950 اور 60 کی دہائیوں میں صورت حال، 1940 کی دہائی میں کوریا کی صورت حال سے بہت مختلف تھی۔ شمالی کوریا والوں کے لئے ایک زیادہ انقلابی طرز کی کمیونسٹ معیشت تشکیل دینا زیادہ آسان تھا، کیونکہ وہ سابقہ جاپانی اثاثوں کو غصب کرنے اور چینی انقلاب کے نمونے پر تعمیر کرنے کے قابل تھے۔

اس کے مقابلے میں، مصری انقلاب، زیادہ تر فوجی افسروں کے ایک گروپ کی طرف سے ایک حملہ تھا۔ جب مصر نے سرد جنگ میں رخ تبدیل کیا اور مغرب کا حامی بن گیا، تو لہٰذا مصری فوج کیلئے استحصال کے ایک طریق کار کے طور پر، مرکزی کمان سے حواریوں کی سرمایہ داری کی طرف تبدیلی کرنا، نسبتاً آسان تر اور مصلحت پسندانہ ہو گیا۔ اس صورت میں بھی، شمالی کوریا کے مقابلے میں مصر کی بہتر معاشی کارکردگی، مصری اداروں کی زیادہ محدود استحصالی نوعیت کا نتیجہ تھی۔ ایک چیز یہ ہے کہ، مصری حکومت کو، شمالی کوریا کی کمیونسٹ پارٹی کے گلا گھونٹنے والے کنٹرول کے نہ ہونے کی وجہ سے اپنے عوام کو خوش کرنا پڑتا تھا، جبکہ کہ شمالی کوریا کی حکومت ایسا نہیں کرتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ، حواریوں کی سرمایہ داری بھی سرمایہ کاری کے لئے کچھ جذبہ محرکہ پیدا کرتی ہے۔ کم از کم ان لوگوں میں جو حکومت کے چہیتے ہوتے ہیں، جو کہ شمالی کوریا میں بالکل ناپیدا ہے۔

اگر یہ ساری تفاصیل بہت اہم اور دلچسپ ہیں، لیکن زیادہ اہم اسباق اس بڑی تصویر میں ہیں، جو اس بات کا انکشاف کرتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک مثال میں استحصالی سیاسی اداروں نے استحصالی معاشی اداروں کو تخلیق کیا ہے، اور دولت اور طاقت کو اشرافیہ کی طرف منتقل کیا ہے۔

ان مختلف ممالک میں استحصال کی شدت واضح طور پر مختلف ہے، اور اس کے خوشحالی کیلئے اہم نتائج ہیں، مثلاً ارجنٹائنا میں آئین اور جمہوری انتخابات تکثیریت کو پروان چڑھانے میں کوئی

بہتر کردار ادا نہیں کرتے، لیکن وہ اس سے بہتر کردار ادا کرتے ہیں جتنا کولمبیا میں یہ چیزیں کرتی ہیں۔ کم از کم ارجنٹائنا میں ریاست تشدد کی اجارہ داری کا دعویٰ کرسکتی ہے۔ جزوی طور پر اس کے نتیجے میں ارجنٹائنا میں فی کس آمدنی کولمبیائی نسبت دوگنا ہے۔ ان دونوں ممالک کے سیاسی ادارے، زمبابوے اور سیرالیون کے اداروں کی نسبت اشرافیہ پر پابندی لگانے کا کام بہتر طور پر کرتے ہیں، اور نتیجے کے طور پر زمبابوے اور سیرالیون ارجنٹائنا اور کولمبیا کی نسبت بہت زیادہ غریب ہیں۔

بدی کا دائرہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ جب استحصالی ادارے ریاست کی شکست پر بھی منتج ہوں، جیسا کہ سیرالیون اور زمبابوے میں ہوا، تو بھی چیز ان اداروں کے راج کے حتمی اختتام کا سبب نہیں بنتی۔ ہم یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ خانہ جنگیاں اور انقلاب، اگرچہ فیصلہ کن موڑوں کے دوران بھی واقع ہوں تو لازمی طور پر ادارہ جاتی تبدیلی کی طرف نہیں لے جاتے۔ 2002 میں سیرالیون میں خانہ جنگی کے خاتمے کے بعد ہونے والے واقعات اس امکان کی بہت واضح تصویر کشی کرتے ہیں۔

2007 میں ایک جمہوری انتخاب میں، سیاکا سٹیونز کی پرانی پارٹی اے پی سی اقتدار میں واپس آ گئی۔ اگرچہ اس شخص کے جس نے صدارتی انتخابات جیتا، ارنسٹ بائی کوروما (Eenest-Bai Koromoy) کے پرانی اے پی سی کی حکومتوں کے ساتھ کوئی تعلقات نہ تھے، لیکن کابینہ کے دوسرے بہت سے ارکان کے تھے، سٹیونز کے دو بیٹوں بوکاری (Bockarie) اور جینگو (Jengo) کو تو ریاستہائے متحدہ اور جرمنی میں سفیر بھی بنا دیا گیا۔ ایک مفہوم میں یہ اس چیز کا ایک زیادہ پر تلون متن ہے، جو کچھ ہم نے کولمبیا میں ہوتے دیکھا۔ وہاں ملک کے کئی حصوں میں ریاست کے حاکمیت کا فقدان وقت کے ساتھ ساتھ قائم ہے، کیونکہ یہ قومی سیاسی اشرافیہ کے ایک حصے کے مفادات میں ہے کہ وہ ایسا ہونے دے، لیکن بنیادی ریاستی ادارے اتنے مضبوط ہیں کہ وہ اس بد نظمی کو انتشار میں تبدیل نہ ہونے دیں سیرالیون میں جزوی طور پر معاشی اداروں کی استحصالی نوعیت کی بدولت، اور جزوی طور پر ملک کی انتہائی استحصالی سیاسی اداروں کی تاریخ کی وجہ سے، معاشرے کو نہ صرف معاشی طور نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے، بلکہ یہ مکمل بدنظمی اور کچھ نہ کچھ نظم وضبط کے درمیان لٹک رہا ہے، پھر بھی، طویل المدتی اثر وہی ہے: ریاست تقریباً غیر موجود ہے، اور ادارے

MashalBooks.org

استحصالی ہیں۔

ان تمام صورتوں میں، استحصالی اداروں کی ایک طویل تاریخ رہی ہے، کم از کم انیسویں صدی سے۔ ہر ملک بدی کے دائرے کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ کولمبیا اور ارجنٹائنا میں، یہ ہسپانوی سامراجی حکومت کے داروں میں جڑیں رکھتے ہیں۔ زمبابوے اور سیرالیون کا آغاز برطانوی نوآبادیاتی حکومتوں میں ہوا جو انیسویں صدی کے اواخر میں قائم ہوئیں۔ سیرالیون میں سفید فام آبادکاروں کی غیر موجودگی میں، ان حکومتوں نے وسیع پیمانے پر قبل از سامراج سیاسی طاقت کے استحصالی ڈھانچوں کو وسعت دی اور ان کو پختہ کیا۔ بذات خود یہ ڈھانچے، ایک طویل بدی کے چکر کا نتیجہ تھے، جس کی خصوصیت سیاسی مرکز گیری کا فقدان اور غلاموں کی تجارت کے تباہ کن اثرات تھے۔ زمبابوے میں، استحصالی اداروں کی نئی شکل بہت زیادہ تھی، کیونکہ برطانوی ساؤتھ افریقہ کمپنی نے ایک دوغلی معیشت کو جنم دیا تھا۔ ازبکستان سوویٹ یونین کے استحصالی اداروں پر قبضہ کرسکتا تھا اور مصر کی طرح خود سوویٹ یونین کے استحصالی ادارے، بہت حوالوں سے زار کی حکومت کے اداروں کا ہی ایک تسلسل تھے، ایک دفعہ پھر، اسی نمونے پر جو امراشاہی کے آہنی قانون پر محمول کیا جاتا ہے، جیسا کہ یہ بدی کے دائرے پچھلے 250 سالوں میں دنیا کے مختلف حصوں میں موجود رہے ہیں، لہذا عالمی عدم مساوات ظہور پذیر ہوئی، اور اب تک قائم ہے۔

آج قوموں کی معاشی اور سیاسی ناکامی کا حل، ان کے استحصالی اداروں کو اشتمالی اداروں میں تبدیل کرنا ہے، بدی کے دائرے کا مطلب ہے کہ یہ کام آسان نہیں ہے۔ لیکن یہ ناممکن نہیں ہے اور امراشاہی کا آئینی قانون ناگزیر نہیں ہے۔ یا تو اداروں میں پہلے سے موجود کوئی اشتمالی عنصر، یا موجودہ حکومت کے خلاف جنگ کی قیادت کرنے والے وسیع اتحادوں کی موجودگی، یا محض تاریخ کی حادثاتی نوعیت، بدی کے چکروں کو توڑ سکتے ہیں۔ سیرالیون میں خانہ جنگی کی طرح، 1688 میں شاندار انقلاب بھی اقتدار کے لئے ایک جنگ تھی۔ لیکن یہ سیرالیونکی خانہ جنگی سے بہت مختلف قسم کی جنگ تھی۔ قابل تصور طریقے سے، شاندار انقلاب کے بعد جیمز دوم کو ہٹانے کے لئے پارلیمان کے کچھ برسرپیکار لوگوں نے، اپنے آپ ایک نئی مطلق العنانیت کا کردار ادا کرتے ہوئے تصور کیا، جیسا کہ آلیور کرمویل نے انگریزی خانہ جنگی کے بعد کیا۔ لیکن اس حقیقت نے، کہ پارلیمان پہلے ہی مضبوط تھی اور مختلف معاشی مفادات اور مختلف نقطہ ہائے نظر رکھنے والے

MashalBooks.org

ایک وسیع تر اتحاد پر مشتمل تھی، 1688 میں امراشاہی کے آہنی قانون کے اطلاق کے امکان کو کم کردیا۔ اور اس کی مدد اس حقیقت سے ہوگئی کہ قسمت جیمز دور کے مقابلے میں پارلیمان کی جانب تھی۔ اگلے باب میں ہم دوسرے ملکوں کی مثالوں کو دیکھیں گے، جنہوں نے سانچے کو توڑنے کی ہمت کی ہے اور اپنے اداروں کو بہتر بنانے کیلئے تبدیل کیا ہے، استحصالی اداروں کی طویل تاریخ کے بعد بھی۔

14

سانچے کو توڑنا

تین افریقی سردار

6 ستمبر 1895 کو بحری مسافر بردار جہاز ٹینٹیلون کیسل (Tantallon Castle) انگلستان کے جنوبی ساحل پر پلائی ماؤتھ کی بندرگاہ میں آ کر داخل ہوا۔ تین افریقی سردار، نگویٹو کے خاما، نگویکیسی کے باتھوئین، اور کوینا کے سیبیل جہاز سے نیچے اترے، اور انہوں نے لندن کے پیڈنگٹن سٹیشن جانے کے لئے 8;10 والی ایکسپریس ٹرین پکڑی یہ تینوں سردار لندن ایک مشن پر آئے تھے: اپنی ریاستوں اور پانچ ٹسوانا ریاستوں کو سیسل رہوڈز سے بچانے کے لئے۔ نگویٹو، نگویٹسکی، اور کوینا، آٹھ ٹسوانا ریاستوں میں سے تین تھیں، جن پر اس وقت بچوانا لینڈ کہلانے والا ملک مشتمل تھا، جو 1966 میں آزادی کے بعد بوٹسوانا بن گیا۔

قبائل، انیسویں صدی کے بہت سے سالوں سے یورپیوں کے ساتھ تجارت کر رہے تھے۔ 1840 کی دہائی، مشہور سکاٹش مبلغ ڈیوڈ یونگ سٹون (David Livingstone) نے بچوانا لینڈ میں بہت طویل سفر کیا تھا، اور کوینا کے بادشاہ سچیل کو مشرف بہ عیسائیت کر لیا تھا۔ کسی افریقی زبان میں بائبل کا۔ پہلا ترجمہ سیٹسوانا میں ہوا جو کہ ٹسوانا کی زبان تھی۔ 1885 میں برطانیہ نے بچوانا لینڈ کو ایک پروٹیکٹوریٹ (زیر تحفظ ملک) قرار دے دیا۔ ٹسوانا اس انتظام سے مطمئن تھے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ انہیں مزید یورپی حملوں سے محفوظ کر دے گا، خاص طور پر بوئرز سے جن کے ساتھ وہ 1835 کے گریٹ ٹریک (Great Trek) سے نبرد آزما تھے۔ گریٹ ٹریک برطانوی سامراج سے

بچنے کے لئے، ہزاروں بوئرز کی اندرون ملک میں ہجرت تھی۔ دوسری طرف برطانوی اس علاقے کا کنٹرول چاہتے تھے، تا کہ وہ ایک تو بوئرز کی مزید توسیع کو روک سکیں اور دوسرے جرمنوں کی طرف سے ممکنہ توسیع کو روک سکیں، جنھوں نے جنوب مغربی افریقہ کے اس علاقے کو جواب نمیبیا کے مماثل ہے، اپنے اندر شامل کر لیا تھا، برطانوی ایک مکمل نوآبادیات سازی کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ ہائی کمشنر رے (Ray) نے 1885 میں برطانوی حکومت کے رویوں کا خلاصہ بڑے واضح انداز میں کھینچا ہے: ''ہمیں مولوپ (بچوانا لینڈ کا زیر تحفظ علاقہ) کے شمال کے علاقے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، سوائے اندرون کے لئے ایک راستے کے طور پر کے۔ لہذا اس وقت ہمیں پروٹیکٹوریٹ کے اس علاقے کو یا جنگجوؤں یا غیر ملکی طاقتوں کے قبضے سے بچانے تک اپنے آپ کو محدود رکھنا چاہئے۔ انتظام یا آبادکاری کے سلسلے میں بہت کم ہی کچھ کرتے ہوئے''۔

لیکن 1889 میں معاملات ٹسوانا کے لئے تبدیل ہوئے، جب سیسل رہوڈز کی برطانوی ساؤتھ افریقہ کمپنی نے جنوبی افریقہ کے باہر شمال کی طرف بڑھنا شروع کیا، زمین کے ایسے بڑے بڑے قطعات غصب کرتے ہوئے، جو بعد میں شمالی اور جنوبی رہوڈیشیا بن گئے۔ جواب زیمبیا اور زمبابوے ہیں۔ 1895 تک، وہ سال جب تین سرداروں نے لندن کا دورہ کیا، رہوڈز کی آنکھ رہوڈیشیا کے جنوب مغرب میں، بچوانا لینڈ کے علاقوں پر تھی۔ سردار یہ جانتے تھے کہ ان علاقوں کیلئے صرف تباہی اور استحصال ہی ان کے آگے ہوگا، اگر وہ رہوڈز کے زیر انتظام آ گئے۔ اگرچہ ان کے لئے رہوڈز کے ساتھ فوجی طریقے سے لڑنا ناممکن تھا، لیکن وہ اس کے ساتھ ہر ممکن طریقے سے لڑنے کے لئے پرعزم تھے جس طریقے سے بھی وہ لڑ سکتے تھے۔ انہوں نے دو برائیوں میں کم تر برائی کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا، برطانویوں کا زیادہ کنٹرول بجائے رہوڈز کے ساتھ اطاق کے۔ لنڈن مشنری سوسائٹی کی مدد سے، انہوں نے ملکہ وکٹوریہ اور جوزف چیمبرلین (Joseph Chamberlain) کو، جو اس وقت سامراجی سیکرٹری تھے، بچوانا لینڈ کا زیادہ کنٹرول حاصل کرنے اور اسے رہوڈز سے بچانے پر آمادہ کرنے کے لئے لندن کا سفر کیا۔

11 ستمبر 1895 کو ان کی چیمبرلین سے پہلی ملاقات ہوئی۔ پہلے پہل سیبیل،، پھر بیتھون اور اخیر میں خاما بولے۔ چیمبرلین نے اعلان کیا کہ وہ قبائل کو رہوڈز سے بچانے کے لئے برطانیہ کے اس پر اپنا کنٹرول عائد کرنے کے بارے میں غور کر لے گا۔ اسی دوران میں سردار تیزی سے،

MashalBooks.org

اپنی درخواست کی عوامی حمایت کرڈھنڈورا پیٹنے کے لئے عوامی سطح پر تقاریر کرنے کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ انہوں نے ونڈسر اور ریڈنگ کا سفر کیا اور وہاں تقاریر کیں۔ جو کہ لندن کے قریب تھے؛ ساؤتھمپٹن میں جو نبی ساحل پر؛ اور لائسٹر اور برمنگھم میں چیمبرلین کی سیاسی حمایت کی بنیاد، مڈلینڈ میں۔ وہ شمال میں صنعتی پارک شائر گئے، شیفیلڈ لیڈز، ہیلی فیکس اور بریڈفورڈ گئے؛ وہ مغرب میں برسٹل بھی گئے اور پھر مانچسٹر اور لیورپول تک گئے۔

اسی دوران میں، پیچھے جنوبی افریقہ میں، سیسل رہوڈز اس حملے کی تیاری کرر ہا تھا جو تباہ کن جیمسن ریڈ (Jameson Raid) بننے والا تھا، جو کہ بوئر کی جمہوریہ ٹرانسوال پر ایک مسلح حملہ تھا۔ باوجود چیمبرلین کے شدید اعتراضات کے۔ ان واقعات نے چیمبرلین کو سرداروں کی حالت زار سے کہیں زیادہ ہمدرد بنا دیا، جتنا کہ وہ بصورت دیگر ہوتا۔ 6 نومبر کو وہ ایک مرتبہ پھر اس سے لندن میں ملے۔ سرداروں نے ایک ترجمان کے ذریعے سے بات کی:

چیمبرلین: میں سرداروں کی زمینوں کے بارے میں گفتگو کروں گا، اور ریلوے کے بارے میں، اور اس قانون کے بارے میں جس کی پابندی سرداروں کی سرزمین پر کی جائے گی۔۔۔ آیئے اب ہم نقشے کو دیکھیں۔۔۔ ہم صرف وہ زمین لیں گے جس کی ہمیں ریلوے کے لئے ضرورت ہوگی، اور مزید نہیں۔۔۔

خاما: میں یہ کہتا ہوں کہ اگر مسٹر چیمبرلین خود زمین لیں گے تو میں مطمئن ہوں گا۔

چیمبرلین: پھر اسے بتا دو کہ میں ریلوے خود بناؤں گا ایک ایسے شخص کی نگرانی میں، جسے میں بھیجوں گا، اور میں صرف اتنا ہی لوں گا جتنی ضرورت ہوگی، اور اگر وہ چیز جو میں لوں گا قدر و قیمت والی ہوگی تو میں اس کا معاوضہ بھی دوں گا۔

خاما: میں یہ جاننا چاہوں گا کہ ریلوے کیسے [یعنی کہاں] جائے گی۔

چیمبرلین: یہ اس کی سرزمین سے جائے، لیکن یہ باڑ کے اندر ہوگی، اور ہم کوئی زمین نہیں لیں گے۔

خاما: میں آپ پر اعتماد کرتا ہوں، کہ آپ یہ کام میری خاطر ہی کریں گے، اور اس معاملے میں میرے ساتھ منصفانہ سلوک کریں گے۔

چیمبرلین: میں آپ کے مفادات کی حفاظت کروں گا۔

اگلے روز، ایڈورفیئر فیڈ نے نوآبادیاتی دفتر میں، چیمبرلین کے فیصلے کی زیادہ تفصیل سے

وضاحت کی:

تینوں سرداروں میں سے ہر ایک، خاما، سیبیل اور بیتھوئین، ایک ملک حاصل کریں گے، جس کے اندر وہ ویسے ہی زندگی بسر کریں گے جیسی اب تک کرتے آئے ہیں، ملکہ کی حفاظت میں۔ ملکہ ان کے ساتھ رہنے کے لئے ایک افسر تعینات کریں گی۔ سردار اپنے لوگوں پر ویسے ہی حکومت کریں گے بالکل اسی طرح جس طرح یہ اب کر رہے ہیں۔

رہوڈز، کا تین افریقی سرداروں کے ہوشیاری سے سبقت لے جانے پر، ردعمل قابل پیش بینی تھا۔ اس نے اپنے ملازمین میں سے ایک کو تار بھیجا یہ کہتے ہوئے ''میں تین ریاکار مقامی لوگوں سے پہلے جانے پر شدید احتجاج کرتا ہوں''

درحقیقت سرداروں کے پاس کوئی قیمتی چیز تھی، جسے انہوں نے رہوڈز سے بچا لیا تھا اور بعد میں برطانیہ کے بالواسطہ حکومت سے بچانے والے تھے۔ انیسویں صدی تک، ٹسوانہ کی ریاستوں نے سیاسی اداروں کا ایک بنیادی سیٹ تیار کر لیا تھا۔ ان میں شامل تھیں، دونوں چیزیں زیریں صحارائی افریقی معیارات کے مطابق ایک غیر معمولی درجے کی سیاسی مرکزیت اور اجتماعی فیصلہ سازی کے طریقہ ہائے کار جنہیں تکثیریت کی نوزائیدہ قدیم شکل کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے میگنا کارٹا نے امرائے سلطنت کو سیاسی فیصلہ سازی کے عمل میں شرکت اور انگریز بادشاہ کے اقدامات پر کچھ پابندیاں لگانے کے قابل بنا دیا، ٹسوانا کے سیاسی اداروں نے بھی، خاص طور پر لگوٹلا (Kgotla) نے سیاسی شرکت کی حوصلہ افزائی کی اور سرداروں کو محدود کیا۔ جنوبی افریقہ کے ماہر انسانیات از ایک شاپیرا (Isaac Schapera) بیان کرتا ہے کہ لگوٹلا نے کس طرح کام کیا، درج ذیل طریقے سے۔

قبائلی پالیسی کے تمام معاملات کے ساتھ، بالغ مردوں کی ایک اسمبلی کے سامنے سردار کے لگوٹلا (کونسل کا مقام) میں نمٹائے جاتے ہیں۔ ایسے اجلاس اکثر اوقات منعقد ہوتے ہیں۔ بحث کئے جانے والے موضوعات میں۔۔۔ قبائلی جھگڑے سردار اور اس کے رشتہ داروں کے درمیان جھگڑے، نئے ٹیکسوں کا نفاذ، نئے عوامی کاموں کی ذمہ داری، سردار کی طرف سے نئے احکامات کا اعلان۔۔۔ قبائلی اسمبلی کے لئے سردار کی خواہشات کو رد کرنا نا معلوم نہیں ہے۔ کیونکہ کسی بھی شخص کو بولنے کی اجازت ہوتی ہے، لہذا یہ اجلاس اسے عمومی طور پر لوگوں کے جذبات

MashalBooks.org

واحسات سے آگاہ ہونے کے قابل بناتے ہیں، اور موخرالذکر کو اپنی شکایات بیان کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ اگر موقع کے مطابق اس بات کی ضرورت ہو تو، اس کی سخت سرزنش کی جاسکتی ہے، کیونکہ لوگ آزادانہ اور بےتکلف طور پر بولنے سے شاذونادر ہی خوف کھاتے ہیں۔

کگوٹلا، سے آگے، ٹسوانا کی سرداری سخت طور پر موروثی نہ تھی، بلکہ کسی بھی ایسے شخص کے لئے کھلی ہوتی تھی جو مناسب صلاحیت اور قابلیت کا مظاہرہ کرے۔ ماہر بشریات جان کوماروف (John Comaroff) نے ٹسوانا کی ایک اور ریاست رولونگ (Rolong) کی سیاسی تاریخ کا تفصیل سے مطالعہ کیا۔ اس نے یہ واضح کیا کہ اگرچہ بظاہر ٹسوانا لوگوں کے ہاں اس بات کے واضح اصول موجود تھے جو اسبات کی شرائط پیش کرتے تھے کہ سرداری کی وراثت کس طرح ہوگی، لیکن عملی طور پر، برے حکمرانوں کو ہٹانے اور باصلاحیت امیدواروں کے سردار بننے کے لئے ان اصولوں کی تاویل کی جاتی تھی، اس نے یہ واضح کیا کہ سرداری کو جتنا اگرچہ ایک کامیابی تھی۔ لیکن بعد میں اسے دلیل سے درست ثابت کیا جاتا تھا تاکہ کامیاب مقابلہ کار اس کا جائز وارث معلوم ہو۔ ٹسوانا نے اس خیال ایک ضرب المثل کے ذریعے اپنایا تھا، جس میں آئینی بادشاہت کی ایک جھلک پائی جاتی ہے: (Kgosi ke Kgosi Ka Morafe) ''بادشاہ لوگوں کی مہربانی کی وجہ سے بادشاہ ہے''۔

ٹسوانا سرداروں نے لندن کے سفر سے واپسی کے بعد برطانیہ سے اپنی آزادی کے برقرار رکھنے اور اپنے مقامی اداروں کو محفوظ رکھنے کی اپنی کوشش جاری رکھیں۔ انہوں نے بچوانا لینڈ میں ریلوے کی تعمیر پر رضامندی دے دی، لیکن سیاسی اور معاشی زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں برطانویوں کی مداخلت کو محدود کر دیا۔ وہ ریلوے کی تعمیر کے خلاف نہیں تھے، یقیناً انہی وجوہات کی بنا پر نہیں جن کی بنا پر آسٹروہنگرین اور روسی بادشاہوں نے ریلویز کو روکا۔ صرف اتنا ہے کہ انہوں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ برطانیہ کی باقی ماندہ پالیسیوں کی طرح، ریلوے بھی بچوانا لینڈ میں ترقی نہیں لائے گی، جب تک کہ یہ سامراجی قبضے سے آزاد نہیں ہوتا۔ آزاد بوٹسوانا کے 1980 سے لے کر 1998 تک صدر کوئیٹ میسائر (Quet Masire) کا ابتدائی تجربہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ایسا کیوں تھا۔ میسائر 1950 کی دہائی میں ایک مہم جو کسان تھا؛ اس نے جوار کے لئے کاشتکاری کی نئی ترکیبیں پیدا کیں، اور روائی برگ ملنگ کمپنی کی شکل میں ایک امکانی گاہک پالیا۔ ایک ایسی کمپنی جو جنوبی افریقا میں سرحد کے ساتھ ساتھ واقع تھی۔ وہ لوبائسے، بچوانا لینڈ میں

ریلوے سٹیشن ماسٹر کے پاس گیا اور اس سے اس کی فصل کو ورائی برگ لیجانے کے لئے دو ریل کے ٹرک کرا سے پر دینے کی درخواست کی۔ سٹیشن ماسٹر نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے مداخلت کرنے کے لئے ایک سفید فام دوست کی خدمات حاصل کیں۔ سٹیشن ماسٹر ہچکچاتے ہوئے مان گیا لیکن میسائر کو سفید فاموں کے لئے چار گنا نرخ بتایا، میسائر نے کوشش ترک کر دی اور نتیجہ نکالا'' یہ سفید فاموں کا معمول تھا کہ محض قوانین، جو افریقیوں کو مطلق ملکیت والی زمینوں کا مالک بننے یا تجارتی لائسنس رکھنے سے ممانعت کرتا تھا، جو سیاہ فاموں کو بچوانا لینڈ میں کاروبار پروان چڑھانے سے روکے رکھتی تھی۔

قصہ مختصر، سردار اور ٹسوانا لوگ خوش قسمت تھے۔ غالباً تمام مشکلات کے باوجود، وہ رہوڈز کے قبضے کو روکنے میں کامیاب رہے، کیونکہ بچوانالینڈ برطانویوں کے لئے ابھی تک بہت کم اہمیت کا حامل تھا، لہٰذا بالواسطہ حکومت کی انتظامیہ نے وہاں ویسا بدی کا دائرہ تخلیق نہیں کیا، جو سیرالیون میں جاری تھا۔ انہوں نے اس طرح کی سامراجی توسیع سے بھی احتراز کیا، جو جنوبی افریقہ کے اندرون میں جاری تھی، جو ان زمینوں کو سفید فام کسانوں اور کان کنوں کے لئے سستی مزدوری کے ذخائر میں بدل دیتی۔ نوآبادیات سازی کے عمل کے ابتدائی مراحل، بہت سے معاشروں کے لئے فیصلہ کن موڑ ہوتے ہیں، جو کہ ایک ایسا اہم دور ہوتا ہے، جس میں ان کی معاشی اور سیاسی ترقی کے اہم طویل المدتی نتائج ظاہر ہوتے ہیں، جیسا کہ ہم نے باب نہم میں دیکھا زیریں صحارائی افریقہ میں زیادہ تر معاشروں نے، جیسا کہ جنوبی امریکہ اور جنوبی ایشیا میں بہت سے معاشروں نے استحصالی۔ اداروں کے قیام اور ان کی بھرپوریت کا مشاہد نوآبادیات سازی کے دوران کیا۔ اس کی بجائے ٹسوانا نے شدید بالواسطہ حکومت اور اس بدترین انجام دونوں سے احتراز کیا، جو ان پر نازل ہوتا اگر رہوڈز ان کی زمینوں کو ضم کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ تاہم یہ محض ایک اندھی قسمت نہیں تھی۔ ایک مرتبہ پھر یہ موجودہ اداروں، جن کی صورت گری، ٹسوانا لوگوں کی ادارہ جاتی تبدیلی اور سامراجیت سے پیدا شدہ فیصلہ کن موڑ، دونوں کے باہمی تعامل نتیجہ تھا۔ تین سرداروں نے ایک اجرآت مندرانہ قدم اٹھا کر اور لندن کا سفر کر کے اپنی قسمت بنائی تھی۔ وہ ایسا کرنے کے قابل اس وجہ سے ہوئے تھے، کیونکہ زیریں صحارائی افریقہ کے دوسرے قبائلی رہنماؤں کے مقابلے میں ان کے پاس غیر معمولی درجے کی حاکمیت تھی، اس سیاسی مرکزیت کی وجہ سے جو ٹسوانا قبائل نے حاصل

MashalBooks.org

کرلی تھی۔ غالبًا انہوں نے غیر معمولی درجے کی جائزیت بھی حاصل کرلی تھی، تکثیریت کے اس شمہ کی وجہ سے جوان کے قبائلی اداروں میں مضبوطی سے جما ہوا تھا۔

سامراجی دور کے اختتام پر ایک اور فیصلہ کن موڑ بوٹسوانا کی کامیابی کے لئے زیادہ مرکزی ثابت ہوا، جس نے اسے اشتمالی اداروں کو پروان چڑھانے کے قابل بنایا۔ اس وقت تک جب 1966 میں بچوانا لینڈ بوٹسوانا کے نام کے تحت آزاد ہوا، سیبیل، بیتھون، اور خاما جیسے سرداروں کی کامیابی تاریخ میں بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ درمیان کے سالوں میں برطانویوں نے بچوانا لینڈ میں کوئی سرمایہ کاری نہ کی۔ آزادی کے وقت، بوٹسوانا دنیا کے غریب ترین ممالک میں سے ایک تھا؛ اس کے پاس کل بارہ کلومیٹر پختہ سڑک تھی، بائیس ایسے طلبا تھے جنہوں نے یونیورسٹی سے گریجوایشن کیا تھا، اور ایک سو طلبہ جنہوں نے ثانوی اسکولوں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس سب سے بڑھ کر، یہ تقریباً مکمل طور پر سفید فام حکومتوں، جنوبی افریقہ، نمیبیا، اور رہوڈیشیا سے گھرا ہوا تھا، جو سب کے سب سیاہ فاموں کی طرف سے چلائی جانے والی آزادانہ ممالک کی حکومتوں کے مخالف تھے۔ یہ بہت کم لوگوں کی فہرست میں ان ممالک میں شامل ہوگا جن کے کامیاب ہونے کا امکان تھا۔ لیکن اگلے پینتالیس سالوں میں، بوٹسوانا دنیا کے تیز ترین ترقی کرنے والے ممالک میں سے ایک بننے والا تھا۔ آج بوٹسوانا می زیریں صحارائی افریقی ممالک میں سب سے زیادہ فی کس آمدنی ہے، اور یہ اسی درجے پر ہے جس پر کامیاب مشرقی یورپی ممالک جیسا کہ اسٹونیا اور ہنگری اور کامیاب ترین لاطینی امریکی ممالک مثلاً کوسٹاریکا ہیں۔

بوٹسوانا نے سانچے کو کیسے توڑا؟ آزادی کے بعد تیزی سے اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں کو ترقی دے کر۔ اس وقت سے لے کر یہ جمہوری ہے، باقاعدہ اور مقابلاتی انتخابات کرواتا ہے، اس نے کبھی خانہ جنگی اور فوجی مداخلت کا تجربہ نہیں کیا۔ حکومت نے ایسے معاشی ادارے قائم کئے، جنہوں نے حقوق ملکیت کو نافذ کیا، انہیں یقینی بنایا اور اشتمالی منڈی کی معیشت کی ترقی کی حوصلہ افزائی کی۔ لیکن بلاشبہ سب سے زیادہ چیلنج کرنے والا سوال یہ ہے بوٹسوانا ایک مستحکم جمہوریت کو قائم کرنے، اور تکثیری اداروں کو قائم کرنے، اور اشتمالی معاشی اداروں کا انتخاب کرنے کے قابل کیسے ہوا، جبکہ دوسرے بہت سے افریقی ممالک نے اس کے برعکس کیا؟ اس کا جواب دینے کے لئے، ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ ایک فیصلہ کن موڑنے، جو کہ اس دفعہ سامراجی حکومت

کا خاتمہ تھا، نے بوٹسوانا کے موجودہ اداروں کے ساتھ کس طرح باہمی تعامل کیا۔

زیریں صحارائی افریقہ کے زیادہ تر ملکوں میں۔ مثال کے طور پر سیرالیون اور زمبابوے کے لئے۔ آزادی ایک ضائع کردہ موقع تھا، جس کے ہمراہ اسی طرح کے استحصالی اداروں کی دوبارہ تخلیق تھی، جو سامراجی دور کے دوران موجود تھے۔ بوٹسوانا میں آزادی کے ابتدائی مراحل مختلف انداز سے جاری رہے، ایک مرتبہ پھر اس پس منظر کی وجہ سے جو ٹسوانا کے تاریخی اداروں نے پیدا کیا۔ اس طرح، بوٹسوانا نے انگلستان کے ساتھ، جب وہ شاندار انقلاب کے کنارے پر تھا۔ بہت سی مماثلتوں کا مظاہرہ کیا۔ انگلستان نے ٹیوڈروں کے تحت تیز سیاسی مرکزیت حاصل کرلی تھی۔ اور اس کے پاس میگنا کارٹ اور پارلیمان کی روایت تھی، جو کم ازکم بادشاہوں پر قدغن لگانے کی خواہش کرسکتی تھی، اور کسی حد تک تکثیریت کو یقینی بنا سکتی تھی۔ بوٹسوانا کے ہاں بھی ریاستی مرکزیت کی تھوڑی سی مقدار تھی، اور نسبتاً تکثیری قبائلی ادارے تھے جو سامراجیت کے بعد قائم رہے تھے۔ انگلستان کے ہاں نیا تشکیل شدہ وسیع اتحاد تھا، جو بحراوقیانوس کے تاجروں صنعتکاروں، اور تاجرانہ ذہن رکھنے والے اشراف تھے، جو کہ خوب نافذ شدہ حقوق ملکیت کے حق میں تھے۔ بوٹسوانا میں بھی اس کا اتحاد محفوظ طریق عمل کے حقوق کی حمایت میں تھا، ٹسوانا سردار تھے۔ اور ایسے اشراف تھے جو ملک کے بڑے اثاثوں، مویشیوں، کے مالک تھے۔ اگرچہ زمین کی ملکیت برادریوں کے حساب تھی۔ لیکن ٹسوانا کی ریاستوں میں مویشی نجی ملکیت تھے، اور اشراف بھی اسی طرح خوب نافذ شدہ حقوق ملکیت کی حمایت میں تھے۔ بلاشبہ یہ سب کچھ تاریخ کے حادثاتی راستے کی نفی نہیں ہے۔ انگلستان میں معاملات بالکل مختلف موڑ لے لیتے اگر پارلیمانی رہنماؤں اور نئے بادشاہ نے شاندار انقلاب کو طاقت کو غصب کرنے کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی ہوتی۔ اسی طرح بوٹسوانا میں بھی حالات مختلف ہوتے اگر خاص طور پر اگر یہ اتنا خوش قسمت نہ ہوتا کہ اس کو سیرٹسے خاما، یا کوئیٹ میسائر جیسے رہنما نہ ملتے۔ جنہوں نے انتخابات میں اپنی طاقت آزمانے کا فیصلہ کیا بجائے انتخابی نظام کو تباہ کرنے کے، جیسا کہ زیریں صحارائی افریقہ میں بہت سے بعد از آزادی کے رہنماؤں نے کیا۔

آزادی حاصل ہونے پر ٹسوانا اداروں کی ایک ایسی تاریخ کے ساتھ ابھرا جس نے محدود سرداری کا احاطہ کیا اور سرداروں کے لئے عوام کے سامنے ایک حد تک جوابدہی کا بھی احاطہ کیا۔

MashalBooks.org

یقیناً افریقہ میں ٹسوانا اس قسم کے ادارے رکھنے کے لئے منفرد نہیں تھے، لیکن وہ اس حد تک منفرد تھے جس حد تک یہ ادارے سامراجی دور سے بغیر کوئی آنچ آئے باقی بچ گئے تھے۔ برطانوی حکومت قدرے غیر موجود تھی۔ بچوانا لینڈ کا انتظام میفکنگ (Mafeking) کی طرف سے جنوبی افریقہ سے چلایا جاتا تھا، اور یہ 1960 کی دہائی میں آزادی کی طرف منتقلی کے دوران تھا کہ دارالخلافہ گیبرون کے لئے منصوبے تشکیل دیئے گئے۔ دارالخلافہ اور وہاں موجود دوسری ساختوں کا کا مقصد مقامی اداروں کو مٹانا نہیں تھا، بلکہ ان کو فروغ دینا تھا؛ جب گیبرون تعمیر کیا گیا تو اس کے ساتھ ہی نئے لگولتا بھی تجویز کئے گئے۔

آزادی بھی نسبتاً ایک منظّم معاملہ تھا۔ آزادی کی تحریک 1960 میں قائم کی جانے والی بوٹسوانا ڈیموکریٹک پارٹی (بی ڈی پی)، کی زیرِ قیادت کوئیٹ میسائر اور سیرٹسے خاما کی طرف سے چلائی گئی۔ خاما، بادشاہ خاما سوم کا پوتا تھا؛ اس کے دیئے ہوئے نام ''سیرٹسے'' کا مطلب ہے ''وہ مٹی جو اکٹھے جوڑتی ہے''۔ یہ غیر معمولی طور پر موزوں نام ثابت ہوا۔ خاما نگویٹو کا موروثی سردار تھا، اور بہت سے ٹسوانا کے سرداروں اور اشراف نے بوٹسوانا ڈیموکریٹک پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔ بوٹسوانا میں کوئی مارکیٹنگ بورڈ نہیں تھا، کیونکہ برطانوی اس نو آبادی میں بہت سی دلچسپی کھو چکے تھے۔ بی ڈی پی نے جلدی ہی 1967 میں ایک بورڈ قائم کر دیا، یعنی بوٹسوانا میٹ کمشن (بوٹسوانا گوشت کا کمشن)۔ لیکن مویشی پال رقبے کے مالکوں اور مویشیوں کے مالکوں کا استحصال کرنے کی بجائے، میٹ کمشن نے مویشیوں کی ایک کمپنی کو پروان چڑھانے میں مرکزی کردار ادا کیا؛ اس نے منہ کھر کی بیماری کو کنٹرول کرنے کے لئے باڑے باڑیں لگا دیں، اور برآمدات کو پروان چڑھایا، جس نے معاشی ترقی میں بھی حصہ ڈالا اور ساتھ ہی ساتھ اشتمالی معاشی اداروں کی حمایت میں بھی اضافہ کیا۔

اگرچہ بوٹسوانا میں ابتدائی ترقی گوشت کی برآمدات پر انحصار کرتی تھی، لیکن جب ہیرے دریافت ہوئے تو حالات ڈرامائی طور پر تبدیل ہو گئے۔ بوٹسوانا میں قدرتی وسائل کی انتظامیہ بھی دوسری افریقی اقوام کی اس طرح کی انتظامیہ سے واضح طور پر مختلف تھی۔ سامراجی دور میں ٹسوانا سرداروں نے بچوانا لینڈ میں دھاتوں کے کھوج لگانے کو روکنے کی کوشش کی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر یورپیوں نے قیمتی دھاتیں یا پتھر دریافت کیے تو پھر ان کی خودمختاری ختم ہو جائے گی۔

ہیروں کی پہلی بڑی دریافت نگویٹو سرزمین کے زیرِ زمین تھی، جو کہ سیرٹسے خاما کا روایتی آبائی علاقہ تھا۔ اس دریافت کے مشتہر کئے جانے سے پہلے، خاما نے قانون میں ایک تبدیلی کی تحریک کی، تاکہ زیرِ زمین دھاتوں کے تمام حقوق قوم کے نام ہوں نا کہ قبیلے کے نام، اس چیز نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ہیروں کی دولت بوٹسوانا میں کوئی بڑی ناانصافیاں پیدا نہیں کرے گی۔ اس نے ریاست کی مرکز گیری کے عمل کو بھی اور مہمیز دی، کیونکہ اب ہیروں کے محصولات کو ریاستی افسر شاہی اور بنیادی ڈھانچہ تعمیر کرنے اور تعلیم میں سرمایہ کاری کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔ سیرالیون اور دوسری بہت سی زیریں صحارائی افریقی اقوام میں، ہیروں نے مختلف گروہوں کے درمیان کشمکش کو ہوا دی، اور خانہ جنگیوں کے برقرار رہنے میں مدد دی، اور اس قتلِ عام کی وجہ سے جو ان لڑائیوں کی وجہ سے پیدا ہوا جو ان کے کنٹرول کی بنا پر لڑی گئیں ان کے لئے خونی ہیروں کا لیبل بھی حاصل کیا۔ بوٹسوانا میں ہیروں کی محصولات کو قوم کی بہتری کے لئے استعمال کیا گیا۔

زیرِ زمین معدنیات کے حقوق میں تبدیلی ہی وہ واحد پالیسی نہیں تھی جو سیرٹسے خاما کی حکومت نے نافذ کی۔ آخر کار، 1965 کے سرداری ایکٹ جو آزادی سے پہلے مقنّنہ نے منظور کیا تھا، اور 1970 کے سرداری ترمیمی ایکٹ نے سیاسی مرکز گیری کو جاری رکھا، اور سرداروں کو زمین تقسیم کرنے کے حق سے ہٹا کر اور صدر کو ضرورت کے تحت سردار کو محفوظ بنا دیا۔ سیاسی مرکز گیری کا ایک اور رخ، ملک کو مزید متحد کرنے کی کوشش تھی۔ مثال کے طور پر اس قانون سے جو یہ ضمانت دیتا تھا کہ صرف سیٹسوانا اور انگریزی اسکول میں پڑھائی جائیں گی۔ آج بوٹسوانا ایک یک جنسی ملک کی طرح نظر آتا ہے، بغیر کسی نسلی یا لسانی فریق کے، جو بہت سی افریقی اقوام کے ساتھ وابستہ ہے۔ لیکن یہ اس پالیسی کا نتیجہ تھا کہ صرف انگلش اور واحد قومی زبان سیٹسوانا اسکولوں میں پڑھائی جائے گی۔ تاکہ معاشرے کے مختلف گروہوں اور قبیلوں میں کشمکش کو کم سے کم کیا جا سکے۔ وہ آخری مردم شماری جس میں نسلیت کے بارے میں سوال پوچھے گئے، وہ تھی جو 1946 میں حاصل کی گئی، جس نے بوٹسوانا میں خاصے نوعی اختلاف کو آشکار کیا۔ مثال کے طور پر، نگویٹو کے مخصوص علاقے میں صرف 20 فیصد آبادی نے اپنی شناخت خالص نگویٹو بتائی؛ اگرچہ دوسرے ٹسوانا گروپ موجود تھے۔ لیکن بہت سے غیر ٹسوانا گروپ بھی تھے جن کی مادری زبان سیٹسوانا نہیں تھی۔ تہہ میں موجود اس مختلف النوعی کو، بعد از آزادی کی حکومتیں پالیسیوں اور ٹسوانا قبائل کے نسبتاً اشتمالی اداروں،

MashalBooks.org

دونوں کی طرف سے معتدل بنایا گیا ہے، اسی طریقے سے جس طریقے سے برطانیہ میں مختلف النوعی کو، مثال کے طور پر انگریزوں اور ویلش کے درمیان مختلف النوعی کو برطانوی ریاست کی طرف سے معتدل بنایا گیا ہے۔ بوٹسوانا کی ریاست نے بھی بالکل یہی کیا۔ آزادی سے لے کر، بوٹسوانا میں مردم شماری نے کبھی نسلی مختلف النوعی کے سوالات کبھی نہیں پوچھے گئے، کیونکہ بوٹسوانا میں ہر شخص ٹسوانا ہے۔

بوٹسوانا نے، آزادی کے بعد نمایاں ترقی کی شرح حاصل کی ہے، کیونکہ، سیرٹسے خاما، کوئیٹ میسائر اور بوٹسوانا ڈیموکریٹک پارٹی، بوٹسوانا کو اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں کے راستے پر لے گئے۔ جب 1970 کی دہائی میں ہیرے نکلنا شروع ہوگئے تو وہ خانہ جنگی پر منتج نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے حکومت کے لئے ایک مضبوط مالی بنیاد فراہم کی، جو محصولات کو عوامی خدمات کے لئے سرمایہ کاری میں صرف کرے گی۔ وہاں حکومت کو چیلنج کرنے یا اس کا تختہ الٹنے اور ریاست پر کنٹرول کرنے کا جذبہ محرکہ بھی بہت کم تھا۔ اشتمالی سیاسی اداروں نے سیاسی استحکام کا جنم دیا اور اشتمالی معاشی اداروں کی تائید کی۔ ایک نیکی کے دائرے سے مانوس طرز پر جو باب 11 میں بیان کیا گیا ہے، اشتمالی معاشی اداروں نے، اشتمالی سیاسی اداروں کی نمو پذیری اور ان کے استحکام کو جلا بخشی۔

بوٹسوانا سانچے کو توڑنے میں اس وجہ سے کامیاب ہوا، کیونکہ وہ فیصلہ کن موڑ، یعنی بعد از سامراجیت آزادی کو گرفت میں لینے، اور اشتمالی ادارے قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ بوٹسوانا ڈیموکریٹک پارٹی اور روایتی اشراف نے، بشمول خود خامہ کے، کوئی آمرانہ حکومت قائم کرنے یا استحصالی ادارے، قائم کرنے کی کوشش نہ کی، جو ان کو معاشرے کی قیمت پر مالا مال کر دیتے۔ ایک مرتبہ پھر یہ فیصلہ کن موڑ اور موجودہ اداروں کے درمیان باہمی تعامل کا نتیجہ تھا، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ زیریں صحارائی افریقہ میں کسی بھی اور جگہ سے مختلف انداز سے، بوٹسوانا میں پہلے ہی ایسے قبائلی ادارے تھے۔ جنہوں نے کسی حد تک مرکز گیر حاکمیت حاصل کر لی تھی، اور جو اپنے اندر اہم تکثیری خواص رکھتے تھے۔ مزید برآں اس ملک میں ایسے معاشی اشراف تھے جنہیں محفوظ حقوق ملکیت سے خود بھی بہت کچھ حاصل کرنا تھا۔

یہ بات بھی کم اہم نہیں ہے کہ، تاریخ کے حادثاتی راستے نے بوٹسوانا کی حمایت کی۔ یہ خاص طور پر اس وجہ سے خوش نصیب تھا کہ سیرٹسے خاما اور کوئیٹ میسائر، سیا کاسٹیونز اور رابرٹ

موگابے نہیں تھے۔ اول الذکر نے ٹسوانا کے قبائلی اداروں کی بنیادوں پر اشتمالی ادارے تعمیر کرنے کے لئے سخت محنت اور دیانتداری سے کام کیا۔ اس سب نے اس بات کو زیادہ ممکن بنایا کہ بوٹسوانا اشتمالی اداروں کی طرف سے راستہ اختیار کرنے میں کامیاب ہوا، جبکہ باقیماندہ زیریں صحارائی افریقہ کے بہت سے ملکوں نے کوشش تک بھی نہ کی، یا بالکل ہی ناکام ہوگئے۔

جنوبی استحصال کا خاتمہ

یہ یکم دسمبر 1955 تھی۔ الاباما میں منٹگمری کا شہر، وارنٹ گرفتاری جرم کے وقوع پذیر ہونے کا وقت 6.06 لکھتا ہے۔ ایک بس ڈرائیور، جیمز بلیک (James Blake) کو مسئلہ پیش آرہا تھا، اس نے پولیس کو بلایا اور ڈے (Day) اور مکسن (Mixon) نامی افسران موقع پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی رپورٹ میں تحریر کیا:

ہم نے ایک کال موصول کی۔ ہمارے پہنچنے پر بس چلانے والے نے کہا کہ وہاں ایک رنگدار خاتون تھی جو بس کے سفید فاموں والے حصے میں بیٹھی تھی، اور پیچھے نہیں ہٹ رہی تھی۔ ہم نے۔۔۔ بھی اسے دیکھا۔ بس ڈرائیور نے اس کے لئے ایک وارنٹ پر دستخط کئے۔ روزا پارکس (سی ایف) پر منٹگمری سٹی کوڈ کے باب 6 دفعہ 11 کے تحت الزام عائد کیا گیا۔

روزا پارکس کا جرم کلیولینڈ ایونیو کی بس کے سفید فاموں کے لئے مخصوص حصے میں بیٹھنا تھا، جو کہ الاباما کے نسلی تفریق والے قوانین کے تحت ایک جرم تھا۔ پارکس کو دس ڈالر جرمانہ کیا گیا۔ جس پر 4 ڈالر کی عدالتی فیس مستزاد تھی، روزا پارکس کوئی عام خاتون نہیں تھی۔ وہ نیشنل ایسوسی ایشن فار دا ایڈوانسمنٹ آف کلرڈ پیپل (این اے اے سی پی) کے منٹگمری کے باب کی سیکرٹری تھی۔ جو کافی عرصے سے ریاستہائے متحدہ کے جنوب کے اداروں کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اس کی گرفتاری نے ایک عوامی تحریک کو ابھار دیا، منٹگمری بس کے بائیکاٹ کو، جس کا بڑا منصوبہ مارٹن لوتھر کنگ جونیئر نے تیار کیا تھا۔ تین دسمبر تک کنگ اور دوسرے سیاہ فام لوگوں نے باہمی تعاون سے ایک بس بائیکاٹ منظم کیا، جس میں تمام سیاہ فام لوگوں کو اس بات کا قائل کیا کہ وہ منٹگمری میں کسی بس میں سفر نہیں کریں گے۔ یہ بائیکاٹ کامیاب تھا اور یہ 20 دسمبر 1956 تک جاری رہا۔ اس نے ایک ایسے عمل کو تحرک دیا جو یو ایس سپریم کورٹ کے ایک فیصلے پر منتج ہوا، کہ وہ قوانین جو منٹگمری

MashalBooks.org

اورالاباما میں بسوں کو علیحدہ علیحدہ کرتے ہیں غیر آئینی ہیں۔منٹگمری بس بائیکاٹ ریاستہائے متحدہ میں شہری حقوق کی مہم میں ایک اہم لمحہ تھا۔ یہ تحریک واقعات اور تبدیلیوں کے ایک سلسلے کا حصہ تھی۔ جنہوں نے جنوب میں سانچے کو توڑا، اور اداروں کی ایک بنیادی تبدیلی پر منتج ہوئے۔ جیسا کہ ہم نے باب 12 میں دیکھا، کہ خانہ جنگی کے بعد، جنوب کے اشراف نے ان استحصالی معاشی اور سیاسی اداروں کو دوبارہ تخلیق کرنے کا بندوبست کرلیا تھا، جنہوں نے خانہ جنگی سے پہلے جنوب پر اپنا غلبہ کیا ہوا تھا۔ اگرچہ ان اداروں کی تفاصیل تبدیل ہوگئیں۔مثال کے طور پر غلامی اب ممکن نہیں تھی۔ لیکن جنوب میں معاشی محرکات اور خوشحالی پر اس کے منفی اثرات وہی تھے۔ جنوب باقی ماندہ ریاست ہائے متحدہ کے مقابلے میں یقینی طور پر غریب تر تھا۔

1950 کی دہائی میں آغاز کرتے ہوئے، جنوبی اداروں نے علاقے کو ایک زیادہ تیز ترقی کی قوس پر گامزن کرنے کا آغاز کیا، اس قسم کے استحصالی ادارے جو بالآخر ریاستہائے متحدہ کے جنوب میں مٹا دیئے گئے، قبل از آزادی کے بوٹسوانا کے سامراجی اداروں سے مختلف تھے۔ فیصلہ کن کی وہ قسم جس نے ان کے انحطاط کے عمل کو شروع کیا بھی مختلف تھی، لیکن ان میں متعدد مماثلتیں مشترکہ تھیں۔ 1940 کی دہائی میں آغاز کرتے ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جنوب میں امتیاز اور استحصالی اداروں کی سختی کو جھیلا، روزا پارکس جیسے لوگوں نے، ان کے خلاف اپنی جنگ میں بہتر طور پر منظّم ہونا شروع کردیا۔ ساتھ ہی ساتھ سپریم کورٹ اور وفاقی حکومت نے بالآخر جنوب میں استحصالی اداروں کی اصلاح کرنے کے لئے منظم طور پر مداخلت کرنا شروع کردیا۔ لہذا جنوب میں تبدیلی کے لئے فیصلہ کن موڑ کو تخلیق کرنے والا عامل سیاہ فام امریکیوں کو طاقت مہیا کرنا اور جنوبی اشراف کے چیلنج نہ کئے جاسکنے والے غلبے کو خاتمہ تھا۔

جنوبی سیاسی اداروں کی، خانہ جنگی سے پہلے اور بعد میں ایک واضح منطق تھی، جو کہ جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت کی منطق سے مختلف نہ تھی: شجر کاری کے لئے سستی مزدوری حاصل کرنا، لیکن 1950 کی دہائی تک یہ منطق کم متاثر کن ہوگئی۔ ایک بات یہ تھی کہ جنوب سے اہم اجتماعی باہر کی طرف ہجرت پہلی ہی لے جا رہی تھی۔ جو کہ بڑی کساد بازاری اور دوسری عالمی جنگ کا ایک ورثہ تھی۔ 1940 اور 1950 کی دہائیوں میں یہ اوسطاً ایک لاکھ لوگ سالانہ ہوگئی۔ اس دوران میں، زراعت میں ٹیکنولوجیاتی جدت کاری، اگر دیر سے اپنائی گئی، شجر کاری کے مالکان

کے سستی مزدوری پر انحصار کو کم کررہی تھی۔ شجر کاریوں میں استعمال ہونے والے مزدور کپاس کی چنائی کیلئے استعمال ہو رہے تھے۔ 1950 میں تقریباً ساری جنوبی کپاس ہاتھوں سے چنی جاتی تھی۔ لیکن کاٹن چننے کے مشینی طریقے اس قسم کے کام کی طلب کو بھی کم کررہے تھے۔ 1960 تک، الاباما، لوزیانا اور مسی سپی جیسی اہم ریاستوں میں تقریباً نصف پیداوار مشینی ہو چکی تھی۔ جوں جوں سیاہ فام، جنوب میں پھانسنے مشکل ہوتے جارہے تھے، وہ شجر کاری کے مالکان کیلئے اب ناگزیر بھی نہ رہے۔ لہذا اب اشراف کیلئے قدیم استحصالی اداروں کو قائم رکھنے کے لئے زیادہ شدت سے لڑنے کی کم وجہ باقی رہ گئی تھی۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ اداروں میں تبدیلیوں ہنسی خوشی قبول کرلیں گے۔ اس کی بجائے ایک طویل کشمکش شروع ہوگئی۔ ایک غیر معمولی اتحاد، جنوب کے سیاہ فاموں اور ریاستہائے متحدہ کے اشتمالی وفاقی اداروں کے درمیان، ایک غیر معمولی اتحاد نے، جنوبی استحصال سے ہٹ کر اور جنوب کے سیاہ فاموں کے لئے مساوی سیاسی اور شہری حقوق کی طرف ایک مضبوط قوت تخلیق کی، جس نے بالآخر ریاستہائے متحدہ کے میں معاشی ترقی کے راستے کی اہم رکاوٹوں کو ہٹانا تھا۔

تبدیلی کے لئے اہم ترین محرک شہری حقوق کی تحریک سے آیا۔ یہ جنوب کے سیاہ فاموں کی قوت بخشی جس نے قیادت کی، جیسا کہ منٹگمری، اپنے اردگرد کے استحصالی اداروں کو چیلنج کرکے، اپنے حقوق کا مطالبہ کرکے، اور انہیں حاصل کرنے کے لئے احتجاج کرکے اور متحرک ہوکر۔ لیکن وہ اس میں اکیلے نہیں تھے، کیونکہ یو ایس کا جنوب کوئی علیحدہ ملک نہیں تھا، اور جنوب کے اشراف کو کھلی چھٹی نہیں تھی۔ جیسا کہ گوئٹے مالا کے اشراف کو تھی، مثال کے طور پر۔ ریاستہائے متحدہ امریکا کے ایک حصے کے طور پر جنوب ریاستہائے متحدہ کے آئین اور وفاقی قانون سازی کے تابع تھا۔ جنوب میں بنیادی حقوق کے نے آخرکار یو ایس کی انتظامیہ، مقنّنہ اور سپریم کورٹ کی حمایت حاصل کرلی، جزوی طور پر اس وجہ سے کہ شہری حقوق کی تحریک اپنی آواز کو جنوب سے باہر پہنچانے میں کامیاب ہوگئی، اس طرح وفاقی حکومت کو متحرک کرتے ہوئے۔

جنوب میں اداروں کو تبدیل کرنے کے لئے وفاقی مداخلت، 1944 میں سپریم کورٹ کے اس فیصلے سے شروع ہوئی، کہ وہ ابتدائی انتخابات جن میں صرف سفید فام حصہ لے سکتے تھے، غیر آئینی تھے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ، سیاہ فام 1890 کی دہائی میں، تمام بالغان پر ٹیکس اور

MashalBooks.org

خواندگی کے امتحانات کے ساتھ حق رائے دہی سے محروم ہو چکے تھے۔ یہ امتحانات معمول کے ساتھ حق رائے دہی سے محروم ہو چکے تھے۔ یہ امتحانات معمول کے مطابق سیاہ فام لوگوں کے ساتھ امتیاز برتنے کے لئے منعقد کیے جاتے تھے، جبکہ اب بھی غریب اور ان پڑھ سفید فاموں کو ووٹ دینے کی اجازت تھی۔ 1960 کی دہائی کے آغاز میں ایک مشہور مثال میں، لوزیانا میں ایک سفید فام درخواست کو، ریاست کے آئین کے بارے میں ایک سوال پوچھے جانے پر، فرڈم فوف سپٹیگ (FRDUM FOOF SPETGH) جواب دینے پر پڑھا لکھا قرار دے دیا گیا۔ 1944 میں سپریم کورٹ کا فیصلہ، سیاہ فاموں کے لئے سیاسی نظام کا راستہ کھولنے کی طویل جنگ میں ایک افتتاحی سلامی تھی، اور عدالت سیاسی جماعتوں پر سفید فاموں کے کنٹرول کو ڈھیلا کرنے کی اہمیت کو سمجھتی تھی۔

اس فیصلے کی پیروی 1954 میں براؤن بنام بورڈ آف ایجوکیشن کے مقدمے میں کی گئی، جس میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ اسکولوں اور دوسری عوامی مقامات کی ریاستی منظوری کے ساتھ علیحدگی غیر آئینی تھی۔ 1962 میں عدالت نے سفید فام اشراف کے سیاسی غلبے کے ایک اور ستون کو گرادیا؛ قانون سازی کی غلط تقسیم کو۔ جب ایک مقنّنہ کی غلط تقسیم کی جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے اصلاحاتی ایکٹ سے پہلے انگلستان میں "گلے سڑے براتھے"۔ کچھ علاقے اس زیادہ سیاسی نمائندگی حاصل کرتے تھے جتنی انہیں حاصل کرنی چاہئے، ان کے متعلقہ آبادی کے حصے کی بنیاد پر۔ جنوب میں غلط تقسیم کا مطلب تھا کہ جنوب کے شجر کار اشراف کے مرکزی حصے میں، دیہاتی علاقوں کی نمائندگی شہری علاقوں کی نسبت ضرورت سے بہت زیادہ تھی۔ سپریم کورٹ نے 1962 میں اس کا خاتمہ کر دیا، بیکر کے مقدمے کے اپنے فیصلے میں، جس نے ایک شخص ایک ووٹ، کا معیار متعارف کروایا۔

لیکن سپریم کورٹ کے تمام فیصلے صفر کے برابر ہوتے، اگر ان کا نفاذ نہ ہوتا تو، 1890 کی دہائی میں درحقیقت، جنوب کے سیاہ فاموں کو رائے دہندگی کا حق دینے کے بارے میں وفاقی قانون سازی، نافذ نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ مقامی قانون کا نفاذ، جنوبی اشرافیہ اور ڈیموکریٹک پارٹی کے کنٹرول میں تھا، اور وفاقی حکومت اس صورت حال کے ساتھ چلنے پر خوش تھی۔ لیکن جب جنوب کے سیاہ فاموں نے جنوب کی اشرافیہ کے خلاف کھڑا ہونا شروع کیا، تو نسلی تفریق کی حمایت

کا قلعہ دھڑام سے گر پڑا، اور، ڈیموکریٹک پارٹی، اپنے غیر جنوبی عناصر کی قیادت میں نسلی علیحدگی کے خلاف ہوگئی۔ جنوب کے باغی ڈیموکریٹ، سٹیٹ رائٹس ڈیموکریٹک پارٹی کے جھنڈے تلے دوبارہ اکٹھے ہو گئے اور 1948 کے صدارتی انتخاب کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ ان کے امیدوار سٹروم تھرمانڈ (Strom Thurmond) نے چار ریاستوں میں کامیابی حاصل کر لی، اور انتخابی حلقے میں انتالیس ووٹ حاصل کر لئے۔ لیکن یہ قومی سیاست میں متحدہ ڈیموکریٹک پارٹی کی طاقت سے، اور اس پارٹی پر جنوبی اشراف کی طرف سے قبضہ دور کی بات تھی۔ سٹروم تھرمانڈ کی مہم، جنوب کے اداروں میں وفاقی حکومت کی مداخلت کی صلاحیت کے چیلنج پر مرکوز تھی۔ اس نے اپنے موقف کو زوردار طریقے سے بیان کیا؛ خواتین وحضرات، میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ فوج میں اتنے دستے ہیں جو جنوب کے لوگوں کو مجبور کریں کہ وہ علیحدگی کو توڑیں، اور سیاہ فام لوگوں کو اپنے تھیٹروں، اپنے نہانے کے تالابوں، اپنے گھروں اور اپنے گرجاؤں میں آنے میں کی اجازت دے دیں۔

وہ غلط ثابت ہوا۔ سپریم کورٹ کے فیصلوں کا مطلب تھا کہ جنوب میں تعلیمی سہولیات کو بلاامتیاز ہونا پڑے گا، بشمول آکسفورڈ میں یونیورسٹی آف مسیسی پی کے۔ 1962 میں، ایک طویل قانونی جنگ کے بعد، وفاقی عدالتوں نے فیصلہ دیا کہ جیمز میریڈتھ (James Meredith)، ایک نوجوان، فضائیہ کے جنگجو کو، "اول مس" میں داخلہ دینا پڑے گا۔ اس فیصلہ کے نفاذ کی مخالفت سٹیزنز کونسلز نامی تنظیم کی طرف سے منظم کی گئی، جن میں سے پہلی کونسل انڈیانولا مسیسی پی میں 1954 میں جنوب میں امتیاز کے خاتمے کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے تشکیل دی گئی۔ ریاست کے گورنر روس بارنیٹ (Ross Barnett) نے کھلے بندوں ٹیلیویژن پر 13 ستمبر کو عدالت کے حکم شدہ امتیاز کے خاتمے کو مسترد کر دیا، یہ اعلان کرتے ہوئے کہ ریاست کی یونیورسٹیاں امتیاز کے خاتمے پر متفق ہونے سے پہلے بند کر دی جائیں گی۔ بالآخر بارنیٹ اور صدر جان کینیڈی، اور اٹارنی جنرل رابرٹ کینیڈی کے درمیان واشنگٹن میں بہت زیادہ گفت وشنید کے بعد، وفاقی حکومت نے اس فیصلہ پر عملدرآمد کرانے کے لئے زبردستی مداخلت کی۔ ایک دن مقرر کر دیا گیا جب امریکی پولیس افسران میریڈتھ کو آکسفرڈ لائیں گے۔ پیش بینی کے طور پر سفید فاموں کی برتری کے حامی منظم ہونا شروع ہو گئے۔ 30 ستمبر کو، جس دن میریڈتھ کو ظاہر ہونا تھا، اس سے ایک دن پہلے، امریکی پولیس

MashalBooks.org

افسران یونیورسٹی کے احاطے میں داخل ہو گئے اور انتظامیہ کی بڑی عمارت کو گھیرے میں لے لیا۔ تقریباً 2,500 کا ہجوم احتجاج کرنے کے لئے جمع ہو گیا اور جلد ہی ایک فساد برپا ہو گیا۔ مارشلوں نے فسادیوں کو منتشر کرنے کے لئے آنسو گیس استعمال کی لیکن وہ جلد ہی گولیوں کی زد میں آ گئے۔ اس رات 10:00 بجے تک، وفاقی فوج دستے نظم وضبط قائم کرنے کیلئے شہر منتقل ہو گئے، جلد ہی، آکسفورڈ میں 20,000 فوجی جوان اور 11,000 نیشنل گارڈ کے جوان موجود تھے۔ مجموعی طور پر، 300 لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ میریڈتھ نے کیمپس میں رہنے کا رفیصلہ کیا، جہاں یوایس مارشلوں اور 300 سپاہیوں کے ذریعے موت کے خطرے سے محفوظ ہو کر، بالآخر اس نے گریجوایشن کر لی۔

جنوب میں ادارہ جاتی اصلاح کے عمل میں وفاقی قانون سازی کا کردار مرکزی تھا۔ 1957 میں پہلے شہری حقوق کے قانون کی منظوری کے دوران، سٹروم تھرمانڈ، جو کہ اس وقت سینیٹر تھا، نے اس ایکٹ کی منظوری کو روکنے یا کم از کم موخر کرنے کے لئے، چوبیس گھنٹے اور اٹھارہ منٹ مسلسل بلامعاوضہ تقریر کی۔ اپنی تقریر کے دوران اس نے اعلان آزادی میں سے سب کچھ پڑھنے سے لے کر مختلف فون کی کتابیں بھی پڑھ ڈالیں۔ لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ 1957 کا ایکٹ 1964 کے شہری حقوق کے ایکٹ پر منتج ہوا، جس نے امتیاز پسندوں کی ریاستی قانون سازی اور معمولات کے پورے سلسلے کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ 1965 کے ووٹ ڈالنے کے حقوق کے ایکٹ نے، خواندگی کے امتحانات، بالغ ٹیکسوں، اور جنوب کے سیاہ فاموں کو حق رائے دہی سے محروم کرنے کے لئے استعمال ہونے والے دوسرے طریقوں کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ اس نے ریاستی انتخابات میں وفاقی نگرانی کو بھی بڑی حد تک توسیع دے دی۔

ان تمام واقعات کا اثر، جنوب میں معاشی اور قانونی اداروں میں ایک اہم تبدیلی کی صورت میں نکلا۔ مثال کے طور پر مسی سپی میں، 1960 میں، اہل سیاہ فام لوگوں میں صرف پانچ فیصد ووٹ ڈال رہے تھے۔ 1970 تک یہ عدد 50 فیصد تک بڑھ چکا تھا۔ الاباما میں پچاس فیصد تک چلا گیا۔ ان نمونوں نے انتخابات کی نوعیت کو، مقامی اور قومی نشستوں دونوں کے لئے، تبدیل کر دیا۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ غالب ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف سے سیاہ فاموں کے خلاف امتیاز برتنے والے استحصالی اداروں کے لئے، حمایت کم ہو گئی۔ ان وقت معاشی اداروں کے ایک حلقے میں تبدیلیوں کے لئے راستہ کھلا تھا۔ 1960 کی دہائی کی ادارہ جاتی اصلاحات سے پہلے، سیاہ

فاموں کو ٹیکسٹائل ملوں میں ملازمتوں سے تقریباً کلی طور پر خارج کر دیا گیا تھا۔ 1960 میں جنوبی ٹیکسٹائل ملوں میں صرف پانچ فیصد ملازمین سیاہ فام تھے۔ شہری حقوق کی قانون سازی نے اس امتیاز کو روکا۔ 1970 تک یہ تناسب 15 فیصد ہو چکا تھا۔ 1990 تک یہ 25 فیصد تھا۔ سیاہ فاموں کے خلاف معاشی امتیاز کم ہونا شروع ہو گیا، سیاہ فاموں کے لئے تعلیمی مواقع واضح طور پر بہتر ہو گئے، اور جنوب کی مزدوروں کی مارکیٹ زیادہ مقابلہ جاتی ہو گئی۔ اشتمالی اداروں کے ساتھ ساتھ جنوب میں زیادہ تیز معاشی بہتریاں بھی آئیں۔ 1940 میں جنوبی ریاستوں میں ریاستہائے متحدہ کی فی کس آمدنی کا تقریباً 50 فیصد تھا۔ یہ 1940 اور 1950 کی دہائیوں کے اواخر میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔ 1990 تک فرق بنیادی طور پر ختم ہو گیا تھا۔

جیسا کہ بوٹسوانا میں تھا، ریاست متحدہ کے جنوب میں بھی کنجی، اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں کی ترقی تھی۔ یہ چیز جنوبی استحصالی اداروں کے تحت تکلیف زدہ سیاہ فاموں کے اندر بڑھتی ہوئی بے اطمینانی، اور جنوب میں ڈیموکریٹک پارٹی کے یک جماعتی راج کے ڈھینے کے ساتھ ساتھ واقع ہونے سے ہوئی۔ ایک مرتبہ پھر، وقت کے موجودہ اداروں نے تبدیلی کے راستے کی صورت گری کی۔ اس صورت میں، یہ بات مرکزی تھی کہ جنوبی علاقے واقع تھے۔ اور اس چیز نے آخر کار جنوب کے سیاہ فاموں کیلئے وفاقی حکومت اور اداروں کو اپنے مقصد کے لئے متحرک کرنے کی گنجائش پیدا کی۔ اس سارے عمل کو اس حقیقت نے سہل بنایا، کہ سیاہ فاموں کی جنوب سے اجتماعی بیرون ملک ہجرت، اور کپاس کی پیداوار کے مشینی ہونے کے ساتھ معاشی حالات تبدیل ہو گئے تھے، اس طرح کہ جنوب کے اشراف اب زیادہ لڑائی کرنے پر کمر آمادہ تھے۔

چین کی نشاۃ ثانیہ

کمیونسٹ پارٹی نے ماوزے تنگ کی قیادت میں آخر کار، نیشنلسٹوں کا جن کی قیادت چیانگ کائی شیک کر رہا تھا، 1949 میں تختہ الٹ دیا۔ یکم اکتوبر کو عوامی جمہوریہ چین کا اعلان کیا گیا۔ 1949 کے بعد قائم ہونے والے سیاسی اور معاشی ادارے انتہا درجے کے استحصالی تھے۔ سیاسی طور پر ان کی خصوصیت، چینی کمیونسٹ پارٹی کی آمریت تھی۔ اس وقت سے لے کر چین میں کسی اور سیاسی جماعت کو کام کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ 1976 میں اپنی وفات تک، ماوزے تنگ کمیونسٹ

MashalBooks.org

پارٹی اور حکومت پر حاوی رہا۔ ان آمرانہ استحصالی سیاسی اداروں کے ہمراہ استحصالی معاشی ادارے تھے۔ ماؤ نے فوری طور پر زمین کو قومی ملکیت میں لے لیا اور ایک ہی ہلے میں ہر قسم کے حقوق ملکیت کو ختم کر دیا، اس نے مالکان زمین اور ساتھ ہی ساتھ معاشرے کے دوسرے ایسے حصوں کو جنہیں وہ حکومت کے خلاف سمجھتا تھا، پھانسی پر لٹکا دیا۔ منڈی کی معیشت کو لازمی طور پر ختم کر دیا گیا۔ دیہات میں رہنے والے لوگوں کو بتدریج علاقائی فارموں پر منظّم کر دیا گیا۔ رقم اور معاوضے کی بجائے ''کام کے نمبر'' لائے گئے جن کے ساتھ اشیا کی تجارت کی جا سکتی تھی۔ 1956 میں داخلی پاسپورٹ متعارف کروائے گئے، بغیر مناسب اجازت کے سفر کی ممانعت کرتے ہوئے، تاکہ سیاسی اور معاشی کنٹرول میں اضافہ کیا جا سکے۔ اسی طرح تمام صنعت کو بھی قومیا لیا گیا، اور ماؤ نے ایک، پنجسالہ منصوبوں کے ذریعے، جو سوویٹ یونین کے منصوبوں کی طرز پر تشکیل دیئے گئے تھے، ایک تیز صنعتی ترقی کی پرعزم کوشش کی۔

جیسا کہ تمام استحصالی اداروں کے ساتھ ہوتا ہے، ماؤ کی حکومت بھی اس وسیع مملکت سے جس پر اس کا کنٹرول تھا، وسائل کا استحصال کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جیسا کہ سیرالیون کی حکومت کے سلسلے۔ اس کے مارکیٹنگ بورڈ کا معاملہ تھا، چینی کمیونسٹ پارٹی کی بھی اس کی پیداوار، جیسا کہ چاول اور غلہ، کی فروخت پر اجارہ داری تھی، جسے کسانوں پر بھاری ٹیکس عائد کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ صنعت کاری کے لئے کوششیں، دوسرے پنجسالہ منصوبے کے گزارنے کے ساتھ ہی 1958 میں بدنام زمانہ ''آگے کی طرف عظیم زقند'' (Great Leap Forward) میں تبدیل ہو گئیں۔ ماؤ نے اعلان کیا کہ سٹیل کی پیداوار ایک سال میں، چھوٹے پیمانے کی، ''گھر کے عقبی صحن'' کی دھونکنی سے دہکائی جانے والی بھٹیوں کی بنیاد پر، دگنی ہو جائے گی، اس نے یہ دعویٰ کیا کہ پندرہ سالوں میں چین سٹیل کی پیداوار میں برطانیہ کے برابر ہو جائے گا، واحد مسئلہ یہ تھا کہ ان اہداف کو پورا کرنے کے لئے کوئی قابل عمل طریقہ نہیں تھا۔ اس منصوبے کے اہداف کو پورا کرنے کے لئے دھات کا کچرا تلاش کیا جاتا تھا، اور لوگوں کو اپنے برتن، کھلے برتن، اور یہاں تک کہ زرعی آلات جیسا کہ کھرپے اور ہل بھی پگھلانے پڑے وہ مزدور جنہیں اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال کرنا تھی سٹیل بنا رہے تھے، اپنے ہلوں کو تباہ کر کے، اور اس طرح اپنے آپ کو اور ملک کو خوراک مہیا کرنے کی اپنی مستقبل کی صلاحیت کو بھی، اس کا نتیجہ چین کے دیہات میں تباہ کن قحط تھا۔ اگرچہ دانش ور

MashalBooks.org

ماؤ کی پالیسی بمقابلہ بیک وقت خشک سالیوں کے کردار پر بحث کرتے ہیں لیکن کوئی شخص ''آگے کی طرف عظیم زقند'' کے بیس اور چالیس ملین کے درمیان لوگوں کی اموات میں ادا کئے گئے کردار پر شک نہیں کرتا۔ ہم صحیح تعداد نہیں جانتے کیونکہ، ماؤ کے تحت چین نے کبھی اس تعداد کو اکٹھا نہیں کیا، جو زیادتیوں کا ریکارڈ رکھتی۔ فی کس آمدنی تقریباً ایک چوتھائی کے حساب سے گر گئی۔

''آگے کو عظیم زقند'' کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ کمیونسٹ پارٹی کے ایک رکن، ڈینگ زیاؤ پنگ، جو کہ انقلاب کے دوران ایک بہت کامیاب جرنیل تھا، جس نے ایک ''دائیں بازو کے خلاف'' ایک مہم کی قیادت کی، خیالات تبدیل ہو گئے۔ 1961 میں چین کے جنوب میں گوانگ زاؤ کے مقام پر کانفرنس میں، ڈینگ نے استدلال کیا: ''قطع نظر اس کے کہ بلی سفید ہو یا سیاہ، اگر یہ چوہوں کو پکڑتی ہے تو یہ ایک اچھی بلی ہے''۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ پالیسیاں بظاہر کمیونسٹ ہیں یا نہیں؛ چین کو ایسی پالیسیوں کی ضرورت تھی جو پیداوار کو بڑھائیں، تاکہ یہ اپنے لوگوں کو خوراک مہیا کر سکے۔

لیکن ڈینگ کو اپنی نو دریافت شدہ عملیت پسندی کی سزا بھگتنا پڑی۔ 16 مئی 1966 کو، ماؤ نے یہ اعلان کیا کہ انقلاب کو ''بورژوا'' لوگوں کے مفادات سے خطرہ تھا جو چین کے کمیونسٹ معاشرے کو کھوکھلا کر رہے تھے، اور سرمایہ داری کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے جواب میں اس نے عظیم پرولتاری ثقافتی انقلاب کا اعلان کیا، جس کا حوالہ عام طور پر ثقافتی انقلاب کے طور پر دیا جاتا ہے۔ ثقافتی انقلاب سولہ نکات پر مبنی تھا۔ پہلا نکتہ یوں شروع ہوتا تھا:

> اگرچہ بورژوازی کو شکست دے دی گئی ہے، لیکن یہ ابھی تک، عوام کو بدعنوان بنانے کے لئے طبقات کا استحصال کرنے کے پرانے خیالات، ثقافت، اور رواجوں اور عادات کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان خیالات پر قبضہ کرنے کی اور واپسی کا ڈرامہ رچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پرولتاریوں کو اس کے بالکل الٹ کرنا چاہئے؛ انہیں نظریاتی میدان میں بورژوازی کے ہر چیلنج کا مقابلہ آمنے سامنے کرنا چاہئے، اور پرولتاریوں کے نئے خیالات، ثقافت، رواجات، اور عادات کو، پورے معاشرے کے ذہنی نقطہ نظر کو تبدیل کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ اس وقت ہمارا نصب العین ان صاحبان اختیار لوگوں کے خلاف جدوجہد کرنا اور انہیں کچلنا ہے، جو سرمایہ دارانہ راستہ اختیار کر رہے ہیں، رجعت پسند بورژوازی نظریاتی اسناد اور

بورژوازی کے نظریے اور تمام دوسرے استحصالی طبقات کے نظریے پر تنقید کرنا اور انہیں رد کرنا ہے، اور تعلیم، ادب، فن اور بالائی نظریے کے تمام دوسرے اجزا کو جو سوشلسٹ معاشی بنیاد کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے کو اس طرح تبدیل کرنا ہے کہ وہ سوشلسٹ نظام کے استحکام اور ارتقا کو سہل بنائیں۔

جلد ہی، آگے کی طرف عظیم زقند کی طرح، ثقافتی انقلاب نے بھی معیشت اور بہت سی انسانی جانوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا، سرخ محافظوں (Red Guards) کے یونٹ پورے ملک میں تشکیل دے گئے؛ کمیونسٹ پارٹی کے نوجوان پر جوش ارکان، جنہیں حکومت کے مخالفین کی تطہیر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ بہت سے لوگ قتل کر دیئے گئے، گرفتار کر لئے گئے، یا داخلی جلاوطنی میں بھیج دیئے گئے۔ اس حد تک تشدد کے بارے میں تشویشوں کا جواب ماؤ نے خود یہ کہہ کر دیا ''یہ شخص، ہٹلر سے بھی زیادہ خونخوار تھا۔ جتنا زیادہ خونخوار ہوا اتنا ہی اچھا ہوتا ہے، کیا آپ نہیں سمجھتے؟ جتنے زیادہ لوگوں کو آپ قتل کریں گے، آپ اتنے زیادہ انقلابی ہوں گے''۔

ڈینگ نے اپنے آپ پر دوسرے نمبر کے سرمایہ داری کے حامی روایتی چینی کا لیبل لگا ہوا پایا، 1967 میں جیل میں ڈالا گیا، اور پھر 1969 میں یانگ سی صوبے میں جلاوطن کر دیا گیا، ایک دیہاتی ٹریکٹروں کے کارخانے میں کام کرنے کیلئے۔ اسے 1974 میں بحال کر دیا گیا، اور ماؤ کو وزیر اعظم چواین لائی کی طرف سے، اسے اول نائب وزیر اعظم بنانے پر آمادہ کیا گیا۔ 1975 میں پہلے ہی ڈینگ نے تین جماعتی دستاویزات کی تیاری کی نگرانی کی تھی، جنہوں نے، اگر انہیں اختیار کیا جاتا، تو ایک نئی سمت کا نقشہ پیش کرنا تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم کی حیات نو، صنعت اور زراعت میں مادی محرکات کی طرف واپسی اور پارٹی میں سے ''بائیں بازو کے عناصر'' کے اخراج کا تقاضا کرتی تھیں۔ اس وقت ماؤ کی صحت زوال پذیر تھی اور اختیارات روز بروز انہیں بائیں بازو کے عناصر کے ہاتھوں میں مرتکز ہوتے جا رہے تھے، جنہیں ڈینگ زیاؤ پنگ اقتدار سے نکالنا چاہتا تھا۔ ماؤ کی بیگم، زیانگ چنگ اور اس کے تین قریبی ساتھی، جنہیں مجموعی طور پر چار کا ٹولہ کہا جاتا تھا، ثقافتی انقلاب کے اور اس سے پیدا ہونے والے جبر کے بہت بڑے حامی تھے۔ ان کا ارادہ اسی خاکے کو استعمال کرتے ہوئے ملک کو کمیونسٹ پارٹی کی آمریت کے تحت چلانے کا تھا۔ 5 اپریل کو چواین لائی کی زندگی کی ایک غیر ارادی تقریب، تیانامن چوک میں، حکومت کے خلاف ایک احتجاج میں

تبدیل ہو گئی۔ چار کے ٹولے نے ڈینگ کو مظاہروں کو ذمہ دار قرار دیا۔ اور وہ ایک دفعہ پھر تمام مناصب سے محروم اور معزول کر دیا گیا، بجائے بائیں بازو کے لوگوں کو نکالنے کے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے ڈینگ نے دیکھا کہ بائیں بازو کے لوگوں نے اسے نکال دیا ہے۔ چواین لائی کی وفات کے بعد ماؤ نے ڈینگ کی بجائے ہوا گوافینگ کو قائم مقام وزیر اعظم مقرر کیا۔ 1976 کے طاقت کے اضافی خلا میں بتدریج بہت زیادہ ذاتی طاقت جمع کرنے کے قابل ہو گیا۔

ستمبر میں ایک فیصلہ کن موڑ آ گیا: ماؤ فوت ہو گیا چین کی کمیونسٹ پارٹی ماؤ کے غلبے میں تھی اور آگے کو عظیم زقند اور ثقافتی انقلاب بڑی حد تک اس کی اختراعات تھیں، ماو کے چلے جانے سے طاقت کا ایک حقیقی خلا پیدا ہو گیا، جس کا نتیجہ، تبدیلی کے نتائج کے بارے میں مختلف ادراکات اور مختلف خیالات رکھنے والے لوگوں کے درمیان کشمکش کی شکل میں نکلا۔ چار کے ٹولے نے، اپنی اور کمیونسٹ پارٹی کی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے ثقافتی انقلاب کی پالیسیوں کو جاری رکھنے کا ارادہ کیا۔ ہوا گوافینگ ثقافتی انقلاب کو خیر باد کہنا چاہتا تھا، لیکن وہ اس سے بہت زیادہ فاصلہ نہیں رکھنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ پارٹی میں اپنے عروج کے لئے اسی کے اثرات کا مرہون منت تھا۔ اس کی بجائے اس نے ماؤ کے تصور کے زیادہ متوازن متن کی طرف واپسی کی وکالت کی، جس کا خلاصہ اس نے (Whatevers) (جو کچھ بھی ہو) میں بیان کیا، جیسا کہ پیپلز ڈیلی، جو کہ چینی کمیونسٹ پارٹی کا اخبار تھا نے اسے 1977 میں بیان کیا۔ ہوا نے استدلال کیا ''ہم پر عزم طریقے سے ان پالیسی فیصلوں کو بلند رکھیں گے جو بھی (Whatever) چیئر مین ماؤ نے کئے، اور ان ہدایات پر بغیر لچک عمل کریں گے جو بھی (Whatever) چیئر مین ماؤ نے دیں''

ڈینگ زیاؤ پنگ، کمیونسٹ حکومت کو ختم کرتا اور اس کی جگہ پر اشتمالی منڈیاں لاتا ہوا سے کچھ زیادہ نہیں چاہتا تھا۔ وہ بھی انہی لوگوں کے گروپ کا حصہ تھا جو کمیونسٹ انقلاب کے ہاتھوں اقتدار میں لائے گئے تھے۔ لیکن وہ اور اس کے حامی یہ سمجھتے تھے کہ ان کے سیاسی کنٹرول کو خطرے میں ڈالے بغیر بھی اہم معاشی ترقی حاصل کی جا سکتی ہے؛ ان کے پاس استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی کا ایک نمونہ تھا، جو ان کے اقتدار کے لئے خطرہ نہ بنتا، کیونکہ چینی لوگ بہتر معیار زندگی کے سخت ضرورت مند تھے، اور کیونکہ کمیونسٹ پارٹی کی تمام بامعنی مخالفت ماؤ کے دور حکومت اور ثقافتی انقلاب کے دوران محو ہو چکی تھی۔ یہ چیز حاصل کرنے کیلئے وہ نہ صرف ثقافتی انقلاب کو مسترد

MashalBooks.org

کرنا چاہتے تھے، بلکہ ماؤ کی زیادہ تر ادارہ جاتی وراثت کو بھی۔ انہوں نے اس بات کا ادراک کر لیا تھا کہ معاشی ترقی صرف اشتمالی معاشی اداروں کی طرف بامعنی تحریکات سے ہی ممکن ہوگی لہٰذا وہ معیشت کی اصلاح کرنا اور مارکیٹ کی قوتوں اور محرکات کے کردار کو سہارا دینا چاہتے تھے۔ وہ نجی ملکیت کے دائرہ کو وسیع کرنا اور معاشرے اور انتظامیہ میں کمیونسٹ پارٹی کے کردار کو کم کرنا چاہتے تھے طبقاتی جدوجہد جیسے تصورات سے چھٹکارا پاتے ہوئے۔ ڈینگ کا گروپ غیر ملکی سرمایہ کاری اور بین الاقوامی تجارت کے لئے بھی کھلا تھا، اور وہ بین الاقوامی معیشت کے ساتھ منسلک ہونے کی بہت زیادہ جارحانہ پالیسی اختیار کرنے کا خواہشمند تھا۔ پھر بھی، کچھ حدود تھیں، اور صحیح معنوں میں اشتمالی معاشی اداروں کو تعمیر کرنا اور معیشت پر کمیونسٹ پارٹی کی گرفت کو کم کرنا، کوئی متبادل انتخابات بھی نہ تھے۔

چین کے لئے فیصلہ کن موڑ ہوا گوافینگ کا اقتدار اور اسے چار کے ٹولے کے خلاف اس کو استعمال کرنے پر اس کی رضامندی تھے۔ ماؤ کی وفات کے ایک ماہ کے اندر، ہوا نے چار کے ٹولے کے خلاف انقلاب برپا کر دیا اور ان سب کو گرفتار کر لیا۔ پھر اس نے 1977 میں ڈینگ کو بحال کر دیا، واقعات کے اس راستے یا اگلے اہم اقدامات، جو ہوا کے، ڈینگ زیاؤ پینگ کی طرف سے سیاسی طور پر ہوشیاری سے بازی لے جانے پر منتج ہوئے، کوئی بھی چیز ناگزیر نہ تھی۔ ڈینگ نے ثقافتی انقلاب پر لوگوں کی تنقید کی حوصلہ افزائی کی اور کمیونسٹ پارٹی میں تمام سطحوں پر اہم مناصب ایسے لوگوں سے پر کرنے شروع کر دیئے۔ جو اسی کی طرح اس عرصے کے دوران مصائب کا شکار رہے تھے۔ ہوا ثقافتی انقلاب کو ترک نہ کر سکا اور اس چیز نے اسے کمزور کیا۔ وہ طاقت کے مرکز میں نسبتاً نو وارد تھا، اور وہ تعلقات کے اس جال اور غیر رسمی تعلقات سے بھی محروم تھا، جو ڈینگ نے کئی سالوں کے دوران بنائے تھے۔ تقریروں کے ایک سلسلے میں ڈینگ نے ہوا کی پالیسیوں پر تنقید کرنا شروع کر دی۔ ستمبر 1978 میں، واضح طور پر وہ 'جو بھی' (Whatevers) پر حملے کرنے لگا، اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہ ''جو بھی ماؤ نے کہا تھا وہی پالیسی کا تعین کرے'' کی بجائے صحیح نقطہ نظر یہ تھا ''حقائق سے سچائی تلاش کرو''۔

ڈینگ نے بڑی متانت سے، ہُوا پر عوامی دباؤ ڈلوانا بھی شروع کر دیا، جو 1978 میں دیوار جمہوریت کی تحریک میں انتہائی زوردار طریقے سے ظاہر ہوا، جس میں لوگ ملک کے بارے میں

اپنی شکایات بیجنگ میں ایک دیوار پر لکھ دیتے تھے۔ جولائی 1978 میں، ڈینگ کے حامیوں میں سے ایک، ہُو کیاؤ مو، نے معاشی اصلاح کے بارے میں چند بنیادی اصول پیش کئے۔ ان میں یہ نظریات بھی شامل تھے کہ فرموں کو اپنی پیداواروں کے بارے میں فیصلے کرنے کے لیے زیادہ جرأت اور اختیار دیئے جائیں، قیمتوں کو طلب اور رسد کو اکٹھا کرنے کی اجازت دی جائے؛ بجائے محض حکومت کی طرف سے مقرر کئے جانے کے، اور معیشت پر ریاست کے ضابطے کو عمومی طور پر کم کیا جائے۔ یہ انقلابی تجاویز تھیں، لیکن ڈینگ اثر و رسوخ حاصل کر رہا تھا۔ نومبر اور دسمبر 1978 میں گیارھویں سنٹرل پارٹی کمیٹی کے تیسرے پلینم (کامل اجتماع) نے ایک پیشرفت پیدا کی۔ ہوا کے اعتراضات کو نظر انداز کرتے ہوئے، یہ فیصلہ کیا گیا کہ، اس وقت سے بعد، پارٹی کا مرکزِ توجہ طبقاتی جنگ نہیں ہوگا'' بلکہ معاشی جدیدیت ہوگی، اس اجتماع نے کچھ صوبوں میں ''گھریلو ذمہ واری کے نظام'' کے ساتھ کچھ تجربات کا بھی اعلان کیا، جو کہ اجتماعی زراعت کو واپس کرنے اور کاشتکاری میں معاشی محرکات کو متعارف کروانے کی ایک کوشش تھی۔ اگلے سال تک سنٹرل کمیٹی ''حقائق سے سچائی'' کے تصور کی مرکزیت کو تسلیم اور ثقافتی انقلاب کو چینی عوام کے لئے ایک بڑا عذاب قرار دینے والی تھی۔ اس سارے عرصے کے دوران، ڈینگ اپنے حامیوں کے لئے پارٹی، فوج اور حکومت میں عہدوں پر تعیناتیاں حاصل کر رہا تھا۔ اگرچہ اسے سینٹرل کمیٹی میں ہُوا کے حامیوں کے خلاف آہستہ سے چلنا تھا۔ لیکن اس نے طاقت کی متوازی بنیادیں بنا دی تھیں۔ 1980 تک ہُوا کو وزارت عظمیٰ سے نیچے آنے پر مجبور کر دیا گیا اور اس کی جگہ زاؤ زیانگ نے لے لی۔ 1982 ہُوا کو سنٹرل کمیٹی سے خارج کر دیا گیا، لیکن ڈینگ نے اسی پر بس نہ کی۔ 1982 میں بارھویں پارٹی کانگریس میں، اور پھر ستمبر 1985 میں نیشنل پارٹی کانفرنس میں، اس نے پارٹی قیادت اور سینئر پارٹی کارکنوں کی تقریباً مکمل تنظیم نو کا ہدف حاصل کر لیا۔ زیادہ نوجوان، اصلاحی ذہن رکھنے والے لوگ شامل ہو گئے۔ اگر آدمی 1980 کا 1985 کے ساتھ موازنہ کرے تو 21، ارکان، کمیونسٹ پارٹی سیکریٹریٹ کے گیارہ ارکان میں سے آٹھ ارکان، اور اٹھارہ نائب وزیراعظم میں سے دس تبدیل کئے جا چکے تھے۔

اب جبکہ ڈینگ اور اصلاح کاروں نے اپنے سیاسی انقلاب کو تکمیل تک پہنچا دیا تھا، اور ریاست پر ان کا کنٹرول تھا، تو انہوں نے معاشی اداروں میں مزید تبدیلیوں کا ایک سلسلہ شروع

MashalBooks.org

کیا، انہوں نے آغاز زراعت سے کیا؛ 1983 تک، ہُوا کیاؤ مو کے خیالات کی پیروی کرتے ہوئے، گھریلو ذمہ واری کے نظام کو، جس نے کسانوں کو معاشی محرکات مہیا کرنے تھے، ہمہ گیر طور پر اختیار کرلیا گیا، 1985 میں، ریاستی حکم نامے کے تحت غلے کی خریداری کو ترک کردیا گیا، اوراس کی جگہ زیادہ رضا کارانہ ٹھیکوں کا ایک نظام لایا گیا، زرعی قیمتوں کے انتظامی کنٹرول کو 1985 میں بڑی حد تک نرم کردیا گیا، شہری معیشت میں، ریاستی کاروباروں کو زیادہ خودمختاری دی گئی، اور چودہ ’’کھلے شہر‘‘ مقرر کئے گئے اور انہیں غیر ملکی سرمایہ کاری کو کھینچنے کی صلاحیت دی گئی۔

یہ دیہی معیشت تھی جو سب سے پہلے ابھری۔ محرکات کا تعارف زرعی پیداواریت میں ایک ڈرامائی اضافے پر منتج ہوا۔ 1984 میں غلہ کی پیداوار 1978 کے مقابلے میں ایک تہائی زیادہ تھی، اگرچہ زراعت میں کم تر لوگ مصروف تھے۔ بہت سے لوگ چھوٹے قصبوں اور گاؤں کے کاروبار کے نام سے پکاری جانے والی نئی دیہی صنعتوں میں ملازمت کے لئے چلے گئے تھے۔ انہیں 1979 کے بعد ریاستی صنعتی منصوبہ بندی کے نظام سے باہر پھلنے پھولنے کی اجازت دے دی گئی تھی، جب یہ تسلیم کرلیا گیا تھا، کہ نئی فرمیں ریاست کی ملکیتی فرموں کے ساتھ مقابلے میں شریک ہوسکتی تھیں۔ آہستہ آہستہ معاشی محرکات کو صنعتی محاذ پر بھی متعارف کروایا گیا، خاص طور پر ریاست سے چلائے جانے والے کاروباروں کو چلانے میں، اگرچہ اس مرحلے پر نجکاری کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں تھا، جسے 1990 کی دہائی تک انتظار کرنا تھا۔

چین کی نشاۃ ثانیہ، معاشی اداروں کے سب سے زیادہ استحصالی سیٹ سے پرے ایک اہم اور زیادہ اشتمالی اداروں کی طرف تحرک سے پیدا ہوئی۔ زراعت اور صنعت میں مارکیٹ کے محرکات، جن کے پیچھے غیر ملکی سرمایہ کاری اور ٹیکنولوجی آئے، نے چین کو تیز اقتصادی ترقی کی راہ پر ڈال دیا۔ جیسا کہ دوسرے باب میں مزید بحث کریں گے، یہ ترقی استحصالی سیاسی اداروں کے تحت تھی۔ اگرچہ وہ اتنے جبر والے نہیں تھے جتنے کہ وہ ثقافتی انقلاب کے تحت رہے تھے، اور اگرچہ معاشی ادارے ابھی جزوی طور پر اشتمالی ہورہے تھے۔ اس سب کو چین میں معاشی اداروں میں انقلابی تبدیلیوں کے درجے کو کم کرکے بیان نہیں کرنا چاہیئے۔ چین نے سانچے کو توڑ دیا اگرچہ اس نے سیاسی اداروں کی کایا کلپ نہیں کی۔ جیسا کہ بوٹسوانا اور یوایس کے جنوب میں ہوا، اہم تبدیلیاں فیصلہ کن موڑ کے دوران آئیں۔ چین کی صورت میں ماؤ کی وفات کے بعد۔ یہ بھی

اتفاقی تھیں، درحقیقت انتہائی اتفاقی، کیونکہ چار کے ٹولے کے طاقت کی لڑائی میں ہارنے کے بارے میں کوئی بات ناگزیر نہیں تھی؛ اور اگر وہ نہ ہارتے، تو چین وہ مستحکم معاشی ترقی نہ دیکھ پاتا، جو اس نے پچھلے تین سالوں میں دیکھی ہے۔ لیکن اس تباہی اور انسانی مصائب نے، جو آگے کی طرف عظیم زقند اور ثقافتی انقلاب نے پیدا کئے، تبدیلی کے لئے خاصی طلب پیدا کی، جس سے ڈینگ زیاؤپنگ اور اس کے اتحادی سیاسی جنگ کے جیتنے کے قابل ہوئے۔

بوٹسوانا، چین، اور یوایس کا جنوب، انگلستان میں شاندار انقلاب، انقلاب فرانس، جاپان میں میجی کی بحالی، کی طرح۔ اس بات کی واضح مثالیں ہیں کہ تاریخ مقدر نہیں ہے۔ بدی کے چکر کے باوجود، استحصالی اداروں کو اشتمالی اداروں کے ساتھ بدلا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ نہ تو ازخود ہوتا ہے اور نہ ہی آسان۔ عموماً کسی قوم کے لئے، عوامل کا اتحاد عمل، خاص طور پر ایک فیصلہ کن موڑ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں کا وسیع تر اتحاد جو اصلاحات کے لئے زور لگا رہے ہوں۔ یا دوسرے سازگار ادارے، زیادہ اشتمالی اداروں کی طرف لمبے قدم اٹھانے کے لئے اکثر اوقات ضروری ہوتے ہیں۔ مزید برآں قسمت بھی بنیادی چیز ہے۔ کیونکہ تاریخ ہمیشہ اپنا نقاب حادثاتی طریقے سے کھولتی ہے۔

MashalBooks.org

15

خوشحالی اور غربت کو سمجھنا

تاریخی بنیادیں

پوری دنیامیں معیارات زندگی میں بہت زیادہ اختلافات ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کے غریب ترین شہریوں کو بھی جو آمدنیاں اور صحت کی سہولیات تک رسائی، تعلیم، عوامی خدمات اور معاشی اور سماجی مواقع حاصل ہیں، وہ ان مواقع سے جو زیریں صحارائی افریقہ، جنوبی ایشیا اور وسطی امریکہ کے وسیع عوام کو حاصل ہیں سے کہیں برتر ہیں۔ شمالی اور جنوبی کوریا، دونوں ملکوں اور ریاستہائے متحدہ اور میکسیکو کا تقابل ہمیں یہ یاددہانی کرواتا ہے کہ یہ نسبتاً حال کے مظاہر ہیں، پانچ سو سال پہلے، میکسیکو جو کہ ایزٹک ریاست کا مرکز تھا، یقیناً شمال کی ریاستوں کی نسبت امیر تر تھا، اور ریاستہائے متحدہ انیسویں صدی تک میکسیکو سے آگے نہیں نکلا۔ دونوں علاقوں کے درمیان تفاوت اور ابھی حال کی بات ہے۔ جنوبی اور شمالی کوریا، معاشی ساتھ ہی ساتھ سماجی اور ثقافتی اعتبار سے بھی ناقابل امتیاز تھے، اس سے پہلے کہ ملک دوسری جنگ عظیم کے بعد اڑتالیسویں متوازی پر تقسیم ہوا۔ اسی طرح وہ بڑے بڑے معاشی اختلافات جو آج ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں پچھلے دو سال میں ابھرے ہیں۔

کیا یہ سب کچھ ایسا ہونا ضروری تھا؟ کیا یہ تاریخی طور پر۔ یا جغرافیائی، یا ثقافتی اور نسلی طور پر۔ پہلے سے متعین تھا کہ مغربی یورپ، ریاستہائے متحدہ، اور جاپان زیریں صحارائی افریقہ لاطینی امریکہ، اور چین سے، پچھلے دو سال یا اس کے لگ بھگ میں اتنے زیادہ امیر ہو جائیں گے؟ کیا یہ

ناگزیر تھا کہ صنعتی انقلاب اٹھارویں صدی میں برطانیہ میں شروع ہوگا۔ اور پھر مغربی یورپ، اور یورپ کی شاخوں شمالی امریکہ اور آسٹریلیا میں پھیل جائے گا؟ کیا ایک حقائق مخالف دنیا، جہاں شاندار انقلاب اور صنعتی انقلاب پیرو میں واقع ہوں۔ جو پھر یورپ کو نوآبادیات بنائے اور سفید فاموں کو غلام بنائے، ممکن ہے، یا یہ تاریخی سائنسی افسانے کی ایک شکل ہے؟ ان سوالات کا جواب دینے ۔۔۔ درحقیقت اس کی توجیہہ کرنے کے لئے ہمیں ایک ایسے نظریے کی ضرورت ہے۔ کہ بعض قومیں خوشحال اور دوسری غریب کیوں ہیں، اس نظریے کو ان دونوں عوام کی تصویر کشی کرنی چاہیئے، جو خوشحالی کو پیدا کرتے اور اسے پیچھے کی طرف دھکیلتے ہیں، اور ان کی تاریخی بنیادوں کی بھی، کوئی بھی مرکب سماجی مظہر، جیسا کہ دنیا میں سنکڑوں ریاستوں کی مختلف معاشی اور سیاسی قوسوں کی بنیادوں کا ممکنہ طور پر بہت سے اسباب رکھتا ہے، جو بہت سے عمرانی سائنسدانوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ یک سببی، سادہ اور وسیع طور پر قابل اطلاق نظریوں کو دھتکار دیں اور اس کی بجائے، مختلف اوقات اور مختلف علاقوں میں ابھرنے والے بظاہر ایک جیسے نتائج کیلئے مختلف توجیہات تلاش کریں۔ اس کی بجائے ہم نے ایک سادہ نظریہ پیش کیا ہے۔ اور اسے نوحجری انقلاب سے لے کر اب تک پوری دنیا میں معاشی اور سیاسی ارتقا کے بنیادی خدوخال کی توجیہہ کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ ہمارے اس انتخاب کا جذبہ محرکہ یہ سادہ یقین نہیں تھا کہ ایسا نظریہ ہر چیز کی توجیہہ پیش کرسکتا ہے، بلکہ یہ یقین تھا کہ ایسا نظریہ متوازی چیزوں پر توجہ مرکوز کرے، اگرچہ بعض اوقات ایسا دلچسپ تفاصیل کو نفی کرنے کی قیمت پر بھی ہو۔ لہذا ایک کامیاب نظریہ تفاصیل کو صحیح صحیح بیان کرنے پر توجہ مرکوز نہیں کرتا، بلکہ طریق ہائے عمل کے ایک دائرے کی مفید اور تجربی طور پر مضبوط بنیادوں پر مبنی توجیہہ پیش کرتا ہے، جبکہ یہ بیک وقت روبہ عمل بنیادی قوتوں کی وضاحت بھی کرتا ہے۔

ہمارے نظریے نے، دو سطحوں پر کام کرتے ہوئے، اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلی سطح استحصالی اور اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں اور خوشحالی کے درمیان امتیاز ہے۔ دوسری، ہماری اس بات کی توجیہہ ہے کہ اشتمالی ادارے دنیا کے کچھ حصوں میں کیوں ظہور پذیر ہوئے اور دوسروں میں کیوں نہیں، جہاں ہمارے نظریے کی پہلی سطح دنیا کی تاریخ کی ادارہ جاتی توجیہہ ہے، دوسری سطح اس بارے میں ہے کہ تاریخ نے کس طرح دنیا کی ادارہ جاتی قوسوں کی

MashalBooks.org

تصویر گری کی ہے۔

ہمارے نظریے میں مرکزی چیز اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں اور خوشحالی کے درمیان تعلق ہے۔ اشتمالی معاشی ادارے جو حقوق ملکیت کا نفاذ کرتے ہیں۔ ایک ہموار میدان عمل پیدا کرتے ہیں۔ اور نئی ٹیکنولوجیوں اور مہارتوں میں کرتے ہیں وہ معاشی ترقی کیلئے زیادہ سودمند ہوتے ہیں بہ نسبت استحصالی اداروں کے، جن کی تشکیل چند لوگوں کی طرف سے بہت سارے لوگوں کے وسائل کا استحصال کرنے کے لئے کی جاتی ہے اور حقوق ملکیت کا تحفظ کرنے اور معاشی سرگرمیوں کے لئے محرکات مہیا کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ جوابی طور پر اشتمالی معاشی اداروں کی معاونت اشتمالی سیاسی اداروں کی طرف سے کی جاتی ہے، اور وہ پھر وہ اشتمالی سیاسی اداروں کی معاونت کرتے ہیں، یعنی ان اداروں کی جو سیاسی اختیارات کو وسیع پیمانے پر تکثیری انداز سے تقسیم کرتے ہیں تاکہ وہ نظم و ضبط، محفوظ حقوق ملکیت، اور ایک اشتمالی منڈی کی معیشت قائم کریں۔ اسی طرح، استحصالی معاشی ادارے اتحاد عمل کے حوالے سے استحصالی سیاسی اداروں کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں۔ جو اختیارات کو چند لوگوں کے ہاتھوں میں مرکوز کر دیتے ہیں، جو، پھر، استحصالی معاشی اداروں کو اپنے مفادات کے لئے قائم رکھنے اور انہیں پروان چڑھانے کے محرکات رکھتے ہیں، اور حاصل شدہ وسائل کو سیاسی اقتدار پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

یہ رجحانات اس بات پر دلالت نہیں کرتے، کہ استحصالی سیاسی اور معاشی ادارے معاشی ترقی کے ساتھ ناموافق ہیں۔ اس کے برعکس، ہر اشراف باقی تمام چیزیں یکساں ہوں تو، اتنی ترقی کی حوصلہ افزائی کرنا پسند کریں گے جتنی ممکن ہو، تاکہ ان کے استحصال کے لئے اور زیادہ مہیا ہو۔ ایسے استحصالی ادارے جنہوں نے ایک حد تک سیاسی مرکزیت حال کر لی ہو، اگر اوقات کسی حد تک ترقی پیدا کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ تاہم، جو چیز اہم ہے، وہ یہ ہے کہ استحصالی اداروں کے تحت ترقی دو بنیادی اسباب کی وجہ سے پائیدار نہیں ہوگی۔ اول پائیدار معاشی ترقی کے لئے جدت طرازی کی ضرورت ہوتی ہے، اور جدت طرازی کو تخلیقی تباہی سے جدا نہیں کیا جا سکتا، جو معاشی میدان میں پرانی چیزوں کی نئی چیزوں سے بدلتی ہے، اور سیاسی اداروں میں قائم شدہ طاقت کے تعلقات تخلیقی تباہی سے خوفزدہ ہوتے یں، لہذا وہ ان کی مزاحمت کریں گے۔ اور کوئی بھی ترقی جو

استحصالی اداروں کے تحت پیدا ہوگی، آخر کار کم عمر ہوگی، دوم ان لوگوں کو، جو استحصالی اداروں پر غالب ہیں، باقی ماندہ معاشرے کی قیمت پر مفاد حاصل کرنے کی صلاحیت، اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ استحصالی اداروں کے تحت سیاسی طاقت کی بہت سے لوگوں کو بہت زیادہ خواہش ہوتی ہے، جو بہت سے گروپوں اور افراد کو اس کے لئے جنگ کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ نتیجے کے طور پر، طاقتور طاقتیں استحصالی اداروں کے تحت معاشروں کو سیاسی عدم استحکام کی طرف دھکیلیں گی۔

استحصالی سیاسی اور معاشی اداروں کے درمیان اتحاد عمل ایک بدی کا دائرہ تخلیق کرتا ہے، جہاں استحصالی ادارے، جب وہ ایک مرتبہ اپنی جگہ سنبھال لیتے ہیں، تو قائم رہنے کا رجحان پیدا کر لیتے ہیں، اسی طرح، ایک نیکی کا دائرہ ہوتا ہے، جو اشتمالی معاشی اور سیاسی اداروں کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ تو بدی کا نہ نیکی کا دائرہ مطلق ہوتے ہیں۔ درحقیقت، آج کچھ اقوام اشتمالی اداروں کے تحت زندگی بسر کر رہی ہیں۔ کیونکہ اگرچہ، تاریخ میں استحصالی ادارے ہی ان کا معمول تھا، لیکن کچھ معاشروں نے سانچے کو توڑنے کی اور اشتمالی اداروں کی طرف تبدیلی کی صلاحیت پیدا کر لی، ان تبدیلیوں کے لئے ہماری توجیہہ تاریخی ضرور ہے لیکن تاریخی طور پر پہلے سے متعین نہیں ہے۔ بڑی اداراتی تبدیلی، جو کہ بڑی تاریخی تبدیلی کا ایک بنیادی تقاضا ہوتی ہے، وقت کے موجود اداروں اور فیصلہ کن موڑوں کے درمیان باہمی تعامل کا نتیجہ ہوتی ہے، فیصلہ کن موڑ، وہ بڑے واقعات ہوتے ہیں، جو موجودہ سیاسی اور معاشی توازن کو بگاڑ دیتے ہیں، ایک یا زیادہ معاشروں، جیسا کہ کالی موت تھی، جس نے چودھویں صدی کے دوران یورپ کے زیادہ تر حصوں میں تقریباً نصف آبادی کا خاتمہ کر دیا؛ اوقیانوسی تجارتی راستوں کا کھلنا، جس نے مغربی یورپ میں بہت سے ملکوں کے لئے بہت زیادہ منافع کے مواقع پیدا کئے؛ اور صنعتی انقلاب، جس نے دنیا بھر کی معیشتوں کے ڈھانچے میں تیز لیکن تباہ کن تبدیلیوں کی امکانی صلاحیت پیدا کی۔

معاشروں کے اندر موجودہ ادارہ جاتی اختلافات بذات خود ماضی کی ادارہ جاتی تبدیلیوں کا نتیجہ ہیں۔ مختلف معاشروں کے اندر ادارہ جاتی تبدیلیوں کا راستہ مختلف کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب ادارہ جاتی بتدریج تبدیلیوں میں مضمر ہے۔ بالکل اسی طریقے سے جس طرح اجسام کی دو علیحدہ آبادیوں کے جین، ارتقائی نامیاتی بتدریج کہلانے والے عمل میں، بے قاعدہ تبدیلی ہیئت کی وجہ سے آہستہ آہستہ ایک دوسرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طریقے سے دو بصورت دیگر یکساں

MashalBooks.org

معاشرے بھی ادارہ جاتی لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ، ایک مرتبہ پھر، آہستہ سے، آمدنی اور طاقت پر اور بالواسطہ طور پر اداروں پر کشمکش، تمام معاشروں میں مستقل ہوتی ہے۔ یہ کشمکش اکثر اوقات ایک اتفاقی نتیجہ رکھتی ہے، خواہ وہ میدان عمل جد پر یہ وقوع پذیر ہو، ہموار نہ بھی ہو۔ اس کشمکش کا نتیجہ ادارہ جاتی تبدیلی پر منتج ہوتا ہے۔ لیکن یہ لازمی طور پر رفتہ رفتہ ہونے والا عمل نہیں ہوتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی موقع پر ابھرنے والے چھوٹے اختلافات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑے ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس، جیسا کہ باب 6 میں ہماری رومی برطانیہ کی بحث ظاہر کرتی ہے، چھوٹے اختلافات ظاہر ہوتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں، اور پھر دوبارہ نمودار ہو جاتے ہیں۔ تاہم جب فیصلہ کن موڑ آتا ہے، تو یہ چھوٹے اختلافات جو ادارہ جاتی تبدیلی کی وجہ سے ابھرے تھے، ہو سکتا ہے وہی چھوٹے اختلافات ہوں جو بصورت دیگر یکساں معاشروں کو اساسی طور پر علیحدہ ہونے کی طرف لے جانے میں اہم کردار ادا کریں۔ ہم نے ابواب 7، اور 8 میں دیکھا کہ انگلستان، فرانس، اور سپین، کے مابین بہت سی مشابہتوں کے باوجود، اوقیانوسی تجارت کے فیصلہ کن موڑ کا انگلستان پر ایسے چھوٹے اختلافات کی وجہ سے سب سے زیادہ تبدیل کن اثر ہوا۔ اس حقیقت کی وجہ سے کہ پندرھویں اور سولھویں صدیوں کے دوران ہونے والی پیشرفتوں کی وجہ سے، انگریزی بادشاہ تمام غیر ملکی تجارت پر کنٹرول نہ کر سکا، کیونکہ یہ تجارت فرانس اور سپین میں تاج کی اجارہ داری میں تھی۔ نتیجے کے طور پر، فرانس اور سپین میں، بادشاہت اور اس سے ملحقہ گروپ ہی وہ تھے جو اوقیانوسی تجارت اور نوآبادیاتی توسیع سے پیدا ہونے والے بڑے بڑے منافع جات کے بنیادی فیض یاب تھے، جبکہ انگلستان میں، یہ بادشاہ کے شدید مخالف گروہ تھے، جنہوں نے اس فیصلہ کن موڑ کی وجہ سے کھولے گئے معاشی مواقع سے فائدہ اٹھایا۔ اگرچہ ادارہ جاتی تبدیلی چھوٹے اختلافات پر منتج ہوتی ہے، لیکن فیصلہ کن موڑ کے ساتھ اس کا باہمی تعامل ادارہ جاتی علیحدگی پر منتج ہوتا ہے، اور اس طرح یہ علیحدگی اب زیادہ بڑے ادارہ جاتی اختلافات پیدا کرتی ہے، جن پر اگلا فیصلہ کن موڑ اثر کرے گا۔

تاریخ کنجی ہے، کیونکہ یہ تاریخی طریقے ہائے کار ہی ہیں، جو ادارہ جاتی تبدیلی کے ذریعے وہ اختلافات پیدا کرتے ہیں، جو فیصلہ کن موڑوں کے دوران نتیجہ خیز ہو جاتے ہیں۔ فیصلہ کن موڑ بذات خود تاریخی تبدیلی کے مراحل ہوتے ہیں، اور نیکی اور بدی کے دائرے اس بات پر دلالت

کرتے ہیں کہ ہمیں ان ادارہ جاتی اختلافات کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے جن کی تاریخی طور پر تشکیل ہوئی ہے، تاریخ کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ لیکن ہمارا نظریہ تاریخی جبریت پر دلالت نہیں کرتا۔ یا کسی اور طرح کی جبریت پر، اسی وجہ سے اس سوال کا جواب جو ہم نے اس باب کے آغاز میں اٹھایا تھا، 'نہیں' میں ہے؛ ایسا کوئی تاریخی وجود نہیں تھا کہ پیرو کا انجام مغربی یورپ یا ریاستہائے متحدہ کی نسبت اس قدر زیادہ غربت میں ہو۔

آغاز کرتے ہوئے، جغرافیہ اور ثقافت کے مفروضوں کے مقابلے میں 'پیرو' پر غربت کی ذلت جغرافیے یا ثقافت کی وجہ سے نہیں منڈھی گئی۔ ہمارے نظریے میں، پیرو مغربی یورپ اور ریاستہائے متحدہ کی نسبت اور قدر زیادہ غریب اپنے اداروں کو وجہ سے ہے، اور اس کے اسباب کو سمجھنے کے لئے، ہمیں پیرو میں ادارہ جاتی ترقی کے تاریخی عمل کو سمجھنا ہو گا۔ جیسا کہ ہم نے دوسرے باب میں دیکھا، پانچ سو سال پہلے، انکا سلطنت، جس کا ہم عصر پیرو پر قبضہ تھا، شمالی امریکا پر قابض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی نسبت زیادہ امیر، ٹیکنولوجیاتی لحاظ سے زیادہ جدید، اور سیاسی اعتبار سے زیادہ مرکز گیر تھی۔ فیصلہ کن مرحلہ وہ طریق کار تھا جس میں یہ علاقہ نوآبادی بنایا گیا، اور یہ کہ اس کا شمالی امریکا کی نوآبادیات سازی سے کیا تقابل تھا۔ یہ چیز تاریخی طور پر پہلے سے متعین عمل کے نتیجے میں وجود میں نہیں آئی، بلکہ یہ فیصلہ کن موڑوں کے دوران متعدد اہم ادارہ جاتی پیشرفتوں کے حادثاتی نتیجے کے طور پر وجود میں آئی، کم از کم تین عوامل نے اس قوس کو تبدیل کیا ہو گا اور بہت مختلف طویل المدت نمونوں کی طرف رہنمائی کی ہو گی۔

اوّل، پندرھویں صدی میں امریکاؤں کے اندر ادارہ جاتی اختلافات نے ان علاقوں کے نوآبادیات بننے کی صورت گری کی۔ شمالی امریکا نے پیرو سے مختلف ادارہ جاتی قوس کی پیروی کی، کیونکہ ان میں نوآبادکاری سے پہلے آبادیاں دور دور واقع تھیں، اور انہوں نے یورپی آبادکاروں کیلئے کشش پیدا کی، جو بعد میں ان اشراف کے خلاف کامیابی سے اٹھ کھڑے ہوئے، جنہیں ورجینیا کمپنی اور انگریزی تاج جیسے اداروں نے پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے مقابلے میں ہسپانوی فاتحین کو پیرو میں ایک مرکزی استحصالی ریاست مل گئی جس پر انہوں نے قبضہ کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ اس بڑی آبادی پر بھی جسے وہ کانوں اور شجر کاریوں میں استعمال کر سکتے تھے۔ اس وقت جب یورپی آئے، تو امریکاؤں کے اندر زمین کے خدوخال کی ترتیب سے متعلق کوئی بھی چیز

MashalBooks.org

پہلے سے متعین نہیں تھی۔ بالکل اسی طریقے سے جس سے، بشانگ میں بادشاہ شیام کے زیر قیادت ایک مرکز گیر ریاست کا ظہور ایک بڑی ادارہ جاتی جدت کاری کا نتیجہ تھا، یا بلکہ غالباً سیاسی انقلاب کا، جیسا کہ ہم نے باب 5 میں دیکھا، اسی طرح پیرو میں انکا تہذیب اور اس علاقے میں بڑی آبادیاں بڑی ادارہ جاتی جدت کاریوں کا نتیجہ تھیں۔ اس کی بجائے یہ شمالی امریکا، میں مسی سی پی وادی یا شمال مشرقی ریاستہائے متحدہ میں بھی واقع ہوسکتی تھیں۔ اگر یہ صورت حال ہوتی، تو ہوسکتا ہے کہ یورپیوں کو اینڈیز میں خالی زمینوں اور شمالی امریکہ میں مرکز گیر ریاستوں کا سامنا کرنا پڑتا، اور پیرو اور ریاستہائے متحدہ کے کردار ایک دوسرے کے الٹ ہوجاتے۔ پھر ہوسکتا ہے یورپی پیرو کے آس پاس کے علاقوں میں آباد ہوجاتے، اور آبادکاروں کی اکثریت اور اشراف کے درمیان کشاکش، شمالی امریکہ کی بجائے وہاں اشتمالی اداروں کی تخلیق پر منتج ہوتی۔ معاشی ترقی کے بعد والے راستے پھر ممکنہ طور پر مختلف ہوتے۔

دوم، ہوسکتا ہے انکا سلطنت نے یورپی سامراجیت کے خلاف مزاحمت کی ہوتی، جیسا کہ جاپانیوں نے اس وقت کی، جب کموڈور پیری کے جہاز ایڈو خلیج میں وارد ہوئے۔ اگرچہ ٹوکوگاوا، جاپان کے مقابلے میں، انکا سلطنت کے برتر استحصال نے یقیناً میجی بحالی کے مماثل انقلاب کو پیرو میں کم ممکن بنا دیا، لیکن کوئی تاریخی وجہ ایسا نہیں تھا کہ انکا مکمل طور پر یورپی غلبے کے آگے ہتھیار ڈال دیتے۔ اگر وہ مزاحمت کرتے اور، خطرات کے مقابلے میں ادارہ جاتی طور پر جدت کاری کرنے کے بھی قابل ہوتے، تو نئی دنیا کی تاریخ کا مکمل راستہ، اور اس کے ساتھ پوری دنیا کی تاریخ مختلف ہوسکتی تھی۔

تیسرا اور زیادہ اساسی عامل یہ ہے کہ یہ جغرافیائی طور پر، تاریخی طور پر یا ثقافتی طور پر پہلے سے طے شدہ نہیں تھا کہ یورپی ہی وہ لوگ ہوتے جو دنیا کو نوآبادیات بناتے۔ ہوسکتا ہے کہ چینی یا انکا ہوتے۔ بلاشبہ ایسا نتیجہ اس وقت ناممکن ہے، جب ہم دنیا پر پندرھویں صدی کے بلند مقام سے نگاہ ڈالیں، جس وقت تک مغربی یورپ امریکاؤں سے آگے نکل چکا تھا، اور چین پہلے ہی دروں بین ہوگیا تھا۔ لیکن پندرھویں صدی کا مغربی یورپ بذات خود ادارہ جاتی تبدیلی کے درمیان وقفے وقفے سے فیصلہ کن موڑوں کے ارتقائی عمل کا نتیجہ تھا، اور اس کے بارے میں کچھ ناگزیر نہیں تھا۔ مغربی یورپی طاقتیں اوپر ابھر کر دنیا کو فتح نہ کرسکتیں بغیر متعدد تاریخی اہم موڑوں

MashalBooks.org

کے۔ ان میں شامل تھے وہ خصوصی راستہ جو جاگیرداری نے اختیار کیا، غلامی کی جگہ لیتے ہوئے اور راستے میں بادشاہوں کی طاقت کو کمزور کرتے ہوئے؛ یہ حقیقت کہ یورپ میں پہلی ہزاری کے کروٹ بدلنے کے بعد کی صدیوں نے آزاد اور تجارتی طور پر خودمختار شہروں کے ارتقا کا مشاہدہ کیا؛ یہ حقیقت کہ یورپی بادشاہ سمندر پار تجارت سے اتنے زیادہ خطرے میں نہیں تھے نہ ہی انہوں نے سمندر پار تجارت کی حوصلہ شکنی کی کوشش کی، جیسا کہ منگ خاندان کے دورانیے میں چینی شہنشاہوں نے کی: اور کالی موت کی آمد جس نے جاگیردارانہ نظام کی بنیادیں ہلا دیں۔ اگر یہ واقعات مختلف انداز سے واقع ہوئے ہوتے، تو ہم آج ایک بالکل دنیا میں رہ رہے ہوتے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں پیرو مغربی یورپ اور ریاستہائے متحدہ سے زیادہ امیر ہوتا۔

فطری طور پر، کسی نظریے کی پیش بینی کی طاقت، جہاں چھوٹے اختلافات اور اتفاقات دونوں بنیادی کردار ادا کرتے ہوں، بہت محدود ہوگی۔ پندرھویں بلکہ سولھویں صدی میں بھی، قطع نظر سلطنت روما کے زوال کے بعد کی بہت سی صدیوں کے، بہت ہی کم لوگ اس بات کی پیش بینی کرسکتے تھے کہ اشتمالی اداروں کی طرف بڑی پیشرفت برطانیہ میں واقع ہوگی۔ یہ ادارہ جاتی تبدیلی کا خصوصی عمل، اور اوقیانوسی تجارت کے افتتاح سے پیدا شدہ فیصلہ کن موڑ کی نوعیت تھے، جنہوں نے اسے ممکن بنایا۔ 1970 کی دہائی میں ثقافتی انقلاب کے دوران کوئی بھی شخص یہ یقین نہیں کرسکتا تھا کہ چین جلد ہی اپنے معاشی اداروں میں اساسی تبدیلیوں کے راستے پر اور بعد میں زبردست ترقی کی قوس پر ہوگا۔ اس طرح کسی بھی یقین کے ساتھ اس بات کی پیش بینی کرنا کہ پانچ سو سال میں زمین کے خدوخال کیسے ہوں گے، ناممکن ہے۔ لیکن یہ ہمارے نظریے کی کمزوریاں نہیں ہیں۔ وہ تاریخی احوال جو ہم نے اب تک پیش کیا ہے، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تاریخی جبریت کی بنیاد پر پیش کیا گیا کوئی بھی نقطہ نظر۔ وہ جغرافیے، ثقافت یا دوسرے تاریخی عوامل پر بھی مبنی کیوں نہ ہو۔ ناموزوں ہے۔ چھوٹے اختلافات اور شکل کا حصہ ہیں۔

اگرچہ اس بارے میں صحیح پیش بینی کرنا بہت مشکل ہے کہ کون سے معاشرے دوسرے معاشروں کی نسبت خوشحال ہوں گے، لیکن ہم نے پوری کتاب میں دیکھا ہے کہ ہمارا نظریہ، دنیا بھر میں قوموں کی خوشحالی اور غربت کی بہت اچھی طرح توجیہہ کرتا ہے۔ اس باب کے باقی ماندہ حصے میں ہم دیکھیں گے کہ یہ اس بارے میں بھی اصولی ہدایات مہیا کرتا ہے کہ کس قسم کے

معاشروں کے چند دہائیوں میں معاشی ترقی حاصل کرنے کے زیادہ امکانات ہیں۔

اول، نیکی اور بدی کے چکر خاصی ہٹ دھرمی اور سست روی کو جنم دیتے ہیں۔اس بارے میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیئے کہ پچاس یا بلکہ سو سالوں میں بھی، ریاستہائے متحدہ اور مغربی یورپ، اپنے اشتمالی معاشی اور سیاسی اداروں کی بنیاد پر، امیر تر ہوں گے، زیادہ امکان یہ ہے کہ زیریں صحارائی افریقہ، شرق اوسط، وسطیٰ امریکہ، یا جنوب مشرقی ایشیا کی نسبت خاصے امیر ہوں گے، تاہم ان وسیع ترنمونوں میں، اگلی صدی میں بڑی ادارہ جاتی تبدیلیاں ہوں گی، جس میں کچھ مما لک سانچے کو توڑتے ہوئے، غریب سے امیر ہونے کی طرف پلٹا کھائیں گے۔

وہ اقوام جنہوں نے تقریباً کوئی سیاسی مرکزیت حاسل نہیں کی، جیسا کہ صومالیہ اور افغانستان، یا وہ جو ریاست کی شکست کے عمل سے گزر رہے ہیں، جیسا کہ ہیٹی پچھلی چند دہائیوں کے دوران گزرا ہے۔2010 میں وہاں بہت بڑے زلزلے سے پہلے، جو ملک کے بنیادی ڈھانچے کی تباہی پر منتج ہوا، یا تو ممکنہ طور پر استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی حاصل کریں گے یا اشتمالی اداروں کی طرف بڑی تبدیلیاں پیدا کریں گے۔اس کی بجائے وہ اقوام جن کا اگلی چند دہائیوں میں ترقی کرنے کا امکان ہے۔اگرچہ غالبًا استحصالی اداروں کے تحت ہی۔ وہ اقوام ہیں جنہوں نے ایک درجے تک سیاسی مرکزیت حاصل کرلی ہے۔ زیریں صحارائی افریقہ میں ان میں شامل ہیں، برونڈی، ایتھوپیا، روانڈا، وہ اقوام جن کی مرکز گیری کے کچھ بنیادی تقاضوں کو اپنی جگہ پر رکھ دیا ہے۔ لاطینی امریکا میں، اس میں شامل ہیں برازیل، چلی، اور میکسیکو، جنہوں نے نہ صرف سیاسی مرکز گیری حاصل کرلی ہے، بلکہ نوخیز تکثیریت کی طرف کچھ اہم قدم بھی اٹھائے ہیں۔ ہمارا نظریہ یہ اشارہ کرے گا کہ پائیدار معاشی ترقی کولمبیا میں بہت غیر ممکن ہے۔

ہمارا نظریہ اس طرح بھی اشارہ کرتا ہے کہ استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی، جیسا کہ چین میں، پائیدار ترقی ثابت نہیں ہوگی اور ممکن ہے کہ اس کے غبارے سے ہوا نکل جائے۔ان مثالوں سے آگے، بہت غیر یقینی ہے۔مثال کے طور پر کیوبا، ہوسکتا ہے اشتمالی اداروں کی طرف کوئی پلٹا کھائے، اور کسی بڑی معاشی تبدیلی کا تجربہ کرے، یا ہوسکتا ہے کہ وہ استحصالی معاشی اور سیاسی اداروں کے تحت ہی رینگتا رہے۔یہی بات ایشیا میں شمالی کوریا اور برما (میانمار) کی ہے۔ لہذا، جہاں ہمارا نظریہ، یہ سوچنے کے لئے کہ ادارے کیسے تبدیل ہوتے ہیں۔ایسی تبدیلیوں کے

نتائج کیا ہوتے ہیں، لیکن اس تبدیلی کی نوعیت چھوٹے اختلافات کا کردار اور اتفاقیت۔ زیادہ صحیح پیش بینی کو مشکل بنا دیتی ہے۔

خوشحالی اور غربت کی بنیادوں کے اس وسیع احوال سے پالیسی کی سفارشات اخذ کرنے میں اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔جس طرح فیصلہ کن موڑوں کے اثر کا دارومدار وقت کے موجود اداروں پر ہے، اسی طرح اس بات کا دارومدار کہ کوئی معاشرہ، ایک ہی پالیسی کی مداخلت کا ردعمل کس طرح ظاہر کرے گا ان اداروں پر ہے، جو اپنی جگہ پر موجود ہیں، بلاشبہ، ہمارا نظریہ سارا اس بارے میں ہے کہ قومیں خوشحالی کی طرف کیسے قدم اٹھا سکتی ہیں۔یعنی اپنے اداروں کو استحصالی سے اشتمالی اداروں کی طرف تبدیلی پیدا کرکے۔لیکن یہ شروع سے ہی اس بات کو واضح کرتا ہے۔کہ اس طرح کی تبدیلی کو حاصل کرنے کے لئے کوئی آسان ٹوٹکے نہیں ہیں۔اول، بدی کا دائرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اداروں کو تبدیل کرنا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے جتنا یہ پہلے پہل ظاہر ہوتا ہے۔خاص طور پر استحصالی ادارے، اپنے آپ کو مختلف بھیسوں میں دوبارہ زندہ کرسکتے ہیں۔جیسا کہ ہم نے باب 12 میں امراشاہی کے آہنی قانون میں دیکھا۔لہذا یہ حقیقت کہ صدر مبارک کی استحصالی حکومت، کا تختہ 2011 میں عوامی احتجاج کے ذریعے الٹا گیا، اس بات کی ضمانت نہیں کہ مصر زیادہ اشتمالی اداروں کی طرف پیش قدمی کرے گا۔اس کی بجائے، ہوسکتا ہے کہ استحصالی ادارے، متحرک اور پرامید جمہوری تحریک کے باوجود استحصالی ادارے اپنے آپ کو دوبارہ زندہ کرلیں۔ دو، کیونکہ تاریخ کا حادثاتی راستہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ آیا، فیصلہ کن موڑوں اور وقت کے موجود ادارہ جاتی اختلافات کا باہمی تعامل، اشتمالی اداوں کی طرف لے جائے گا، یا استحصالی اداروں کی طرف، لہذا عمومی پالیسی سفارشات کو اشتمالی اداروں کی طرف تبدیلی کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے تشکیل دیا جائے تو یہ بہت جرأت مندانہ بات ہوگی۔اس کے باوجود ہمارا نظریہ پالیسی کے تجزیئے کے لئے مفید ہے، کیونکہ یہ ہمیں خراب پالیسی کے مشورے کو پہنچاننے کے قابل بناتا ہے، جو یا تو غلط مفروضے پر مبنی ہو، یا اس چیز کے ناکافی مہم پر مبنی ہو کہ ادارے کس طرح تبدیل ہوسکتے ہیں۔ اس میں، جیسا کہ دوسری بہت سی چیزوں میں، بدترین غلطیوں سے بچنا اتنا ہی اہم ہے۔ جتنا کہ اور اس سے بھی زیادہ حقیقت پسندانہ انداز سے۔سادہ حل تجویز کرنے کی کوشش کرنا۔ غالبًا یہ چیز اس وقت زیادہ واضح ہوکر نظر آجاتی

MashalBooks.org

ہے، جب ہم پچھلی چند دہائیوں میں چین کے کامیاب ترقی کے تجربے کی بنیاد پر، موجودہ پالیسی کی سفارشات پر ''تحکمانہ ترقی'' کی حوصلہ افزائی کے لئے غور کرتے ہیں۔ بعد میں ہم اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ پالیسی سفارشات کیوں گمراہ کن ہیں، اور کیوں چینی ترقی، جس طرح کہ اب تک منکشف ہوتی ہے، استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی کی محض ایک اور شکل ہے، جس کا پائیدار معاشی ترقی میں منتقل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

آمرانہ ترقی کی ناقابلِ مزاحمت کشش

ڈائی گوفنگ (Dai Guofang) نے جلد ہی چین میں آنے والے شہری جوبن کو پہچان لیا تھا۔ 1990 کی دہائی میں چین میں ہر طرف، نئی شاہراہات، کاروباری مراکز رہائشیں اور بلند و بالا عمارات پھیل رہی تھیں، اور ڈائی کا خیال تھا کہ یہ ترقی اگلی دہائی میں مزید تیز ہوگی۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ اس کی کمپنی جنگ سوٹائیٹبن آئرن اینڈ سٹیل، ایک کم قیمت والے پیداکار کے طور پر بڑی مارکیٹ پر قبضہ کرسکتی ہے، خاص طور پر ریاستی تحویل کے نااہل سٹیل کے کارخانوں کے مقابلے میں۔ ڈائی کا منصوبہ ایک صحیح سٹیل کے دیو کے تعمیر کرنے کا تھا، اور چنگ زاؤ میں مقامی پارٹی کے بڑوں کے کی امداد سے اس نے، اسے تعمیر کرنا شروع کر دیا۔ تاہم مارچ 2004 تک، بیجنگ میں کمیونسٹ پارٹی کے حکم سے اس منصوبے کو روک دیا گیا، اور ڈائی کو کبھی ظاہر نہ ہونے والی وجوہات کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا، حکام نے یہ فرض کیا ہوگا کہ وہ ڈائی کے کھاتوں میں، جرم ثابت کرنے والی کوئی شہادت تلاش کرلیں گے۔ اس واقعے میں اسے پانچ سال جیل اور گھریلو نظر بندی میں گزارنے پڑے، اور اسے 2009 میں ایک معمولی سے الزام کا مرتکب پایا گیا، اس کا اصل جرم ایک ایسا بڑا منصوبہ شروع کرنا تھا جو ریاستی ملکیتی کمپنیوں کے ساتھ مقابلہ کرے گا اور ایسا کمیونسٹ پارٹی میں اعلیٰ حکام کی منظوری کے بغیر کرے گا۔ یہ یقیناً وہ سبق تھا جو دوسروں نے اس مثال سے سیکھا۔

ڈائی کے جیسے کاروباری مہم جوؤں کے خلاف کمیونسٹ پارٹی کا ردعمل کوئی حیرت کی بات نہیں ہونی چاہئے۔ ڈینگ زیاؤ پنگ کے قریب ترین ساتھیوں میں سے ایک، اور بلاشبہ ابتدائی منڈی کی اصلاحات کے پیچھے تخلیق کار، چین ین، نے زیادہ تر پارٹی کے بڑے جتھوں کے خیالات کا خلاصہ، معیشت کے لئے ''پنجرے میں پرندہ کی تشبیہ'' کے ذریعے پیش کیا:، چین کی معیشت

ایک پرندہ تھا؛ پارٹی کے کنٹرول ''پنجرے'' کو بڑا بنانا تھا تاکہ پرندے کو زیادہ صحتمند اور زیادہ متحرک بنایا جا سکے، لیکن اسے تالے سے باہر نہیں نکالا جا سکتا تھا، نہ ہی وہاں سے ہٹایا جا سکتا تھا، کہ کہیں پرندہ اڑ ہی نہ جائے۔ جیانگ زیمن، جو کچھ عرصے بعد 1989 میں کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکریٹری بننے والا تھا، جو کہ چین میں طاقتور ترین منصب ہے، اس سے بھی آگے چلا گیا اور اس نے کاروباری مہم جوؤں کے بارے میں پارٹی کے شک وشبہ کا خلاصہ انہیں ''خود ساختہ تاجر اور گشتی فروخت کار [جو] دھوکہ دیتے ہیں، گھپلے کرتے ہیں، رشوتیں دیتے ہیں، اور ٹیکسوں سے بچتے ہیں'' قرار دے کر کیا۔ 1990 کی پوری دہائی میں، اس وقت بھی جب غیر ملکی سرمایہ کاری چین میں اُمڈی چلی آتی تھی، اور ریاستی ملکیتی کاروباروں کی توسیع کی حوصلہ افزائی کی جا رہی تھی۔ نجی کاروباروں کا استقبال شک وشبہ سے کیا جا رہا تھا۔ اور بہت سے کاروباری مہم جوؤں کا یا تو استحصال کیا گیا یا انہیں جیل میں ڈالا گیا۔ کاروباری مہم جوؤں کے بارے میں جیانگ زیمن کا نقطہ نظر اگرچہ نسبتاً زوال پذیر ہے لیکن ابھی تک چین میں وسیع طور پر پھیلا ہوا ہے۔ ایک چینی ماہر معیشت کے الفاظ میں، ''بڑی بڑی ریاستی کمپنیاں بڑے بڑے منصوبوں میں شامل ہوسکتی ہیں۔ لیکن جب نجی کمپنیاں ایسا کریں، خاص طور پر ریاست کے ساتھ مقابلے میں، تو پھر ہر کونے سے مصیبت آ جاتی ہے''۔ [کذا]

اگرچہ بیسیوں نجی کمپنیاں اب چین میں نفع بخش طریقے سے کام کر رہی ہیں، لیکن معیشت کے بہت سے عناصر ابھی تک پارٹی کی کمان میں اور ان کے تحفظ میں ہیں۔ صحافی رچرڈ مک گریگور (Richard Mc Gregor) رپورٹ کرتا ہے کہ چین میں سب سے بڑی ریاست کمپنیوں میں ہر ایک کے سربراہ کی ڈیسک پر ایک لال فون پڑا ہے۔ جب یہ بجتا ہے تو یہ پارٹی بات کر رہی ہوتی ہے، ان احکامات کے ساتھ کہ کمپنی کو کیا کرنا چاہئے، اسے کہاں سرمایہ کاری کرنی چاہیئے'' اور یہ کہ اس کے اہداف کیا ہوں گے۔ یہ بہت بڑی کمپنیاں ابھی تک پارٹی کی کمان میں ہیں، جو کہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی یاددہانی ہمیں اس وقت کرائی جاتی ہے، جب پارٹی انتظامیہ کے سرداروں کی ادلا بدلی کرتی ہے، انہیں ملازمت سے نکالتی ہے، یا انہیں ترقی دیتی ہے، جس کی وہ کوئی وضاحت پیش نہیں کرتی۔

تاہم، یہ کہانیاں اس چیز کو نہیں جھٹلاتیں کہ چین نے اشتمالی اداروں کی طرف بڑے بڑے

MashalBooks.org

قدم اٹھائے ہیں، ایسے قدم جو پچھلے تیس سال میں اس کی ترقی کی شاندار شرحوں کو سہارا دیتے ہیں، زیادہ تر کاروباری مہم جوؤں کو کچھ تحفظ حاصل ہے، جو کم اہم نہیں ہے، کیونکہ وہ مقامی پارٹی کے پر جوش جتھوں کی اور بیجنگ میں کمیونسٹ پارٹی کے اشراف کی حمایت حاصل کرتے ہیں۔ ریاستی ملکیتی بہت سے کاروبار منافع تلاش کرتے ہیں اور بین الاقوامی مارکیٹوں میں مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ ماؤ کے چین سے ایک انقلابی تبدیلی ہے، جیسا کہ ہم نے پچھلے باب میں دیکھا، چین پہلے پہل ترقی کرنے کے قابل اس وجہ سے ہوا کہ ڈینگ زیاؤ پنگ کے تحت، استحصالی معاشی اداروں سے ہٹتے ہوئے اور اشتمالی معاشی اداروں کے قریب ہوتے ہوئے بہت سی انقلابی اصلاحات ہوئیں، یہ ترقی جاری ہے کیونکہ چینی معاشی ادارے زیادہ اشتمالیت کے راستے پر گامزن ہیں، اگرچہ ذرا سست رفتار سے۔ چین سستی مزدوری کی اپنی بڑی رسد سے اور غیر ملکی مارکیٹوں، سرمایے اور ٹیکنولوجیوں تک رسائی سے بہت زیادہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔

اگرچہ چین کے معاشی ادارے، آج، تین دہائیاں پیشتر کی نسبت غیر تقابلی انداز سے زیادہ اشتمالی ہیں، لیکن چینی ترقی استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی کی ایک مثال ہیں۔ چین کے حال ہی کے جدت کاری اور ٹیکنولوجیوں اور تیز سرمایہ کاری کو اپنانے پر مبنی ہے، نہ کہ تخلیقی تباہی پر۔ اس کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ چین میں نجی ملکیت کے حقوق مکمل طور پر محفوظ نہیں ہیں۔ بار بار، بالکل ڈائی کی طرح، کچھ کاروباری مہم جوؤں کا مال غصب کر لیا جاتا ہے۔ مزدوروں کی نقل و حرکت پر سختی سے کنٹرول کیا جاتا ہے'' اور ملکیتی حقوق کی سب سے بنیادی چیز، آدمی کا اپنی مزدوری کو اپنی مرضی سے بیچنے کا حق ابھی تک انتہائی ناقص ہے۔ یہ بات کہ معاشی ادارے ابھی تک حقیقی معنوں میں اشتمالی ہونے سے کس حد تک دور ہیں اس حقیقت سے عیاں ہے، کہ مقامی پارٹی کے جتھوں، یا زیادہ اہم، بیجنگ کے جتھوں کی حمایت کے بغیر صرف چند کاروباری حضرات یا خواتین کے علاوہ کوئی بھی کسی سرگرمی میں شامل ہونے کی کوشش بھی نہیں کر سکتا۔ پارٹی کے حمایت یافتہ کاروباری لوگ رعایتی شرائط پر ٹھیکے حاصل کر سکتے ہیں، عام لوگوں کو بیدخل کر کے ان کی زمینیں غصب کر سکتے ہیں، اور قوانین اور ضوابط کو بغیر کسی سزا کے پامال کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو اس کاروباری منصوبے کی راہ میں حائل ہوں کچل دیئے جائیں گے یا جیل بھی بھیجے جاسکتے اور قتل بھی کئے جاسکتے ہیں۔

چین میں کمیونسٹ پارٹی کا بہت زیادہ موجوگی کا ون اور استحصالی اداروں کا وجود ہمیں

1950 اور 1960 کی دہائیوں کے درمیان سوویت ترقی اور چین کی آج کی ترقی کے درمیان بہت سی مشابہتوں کی یاد دلاتا ہے، اگرچہ یقیناً بہت سے قابل ذکر اختلافات بھی ہیں، سوویٹ یونین نے استحصالی معاشی اور استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی حاصل کی، کیونکہ اس نے صنعت کو ایک مرکزی کمان کے ڈھانچے کے تحت وسائل کی تقسیم کی، خاص طور پر اسلحہ کی اور بھاری صنعت کو۔ ایسی ترقی جزوی طور پر اس وجہ سے قابل عمل تھی کیونکہ بہت سی پچھلی کسر بھی نکالنی تھی۔ استحصالی اداروں کے تحت ترقی اس وقت آسان تر ہوتی ہے جب تخلیقی تباہی ضروری نہ ہو۔ چین کے معاشی ادارے یقیناً سوویٹ یونین کے معاشی اداروں کی نسبت زیادہ اشتمالی ہیں، لیکن اس کے سیاسی ادارے ابھی تک استحصالی ہیں۔ چین میں کمیونسٹ پارٹی کلی طور پر با اختیار ہے اور تمام ریاستی افسر شاہی، مسلح افواج، ذرائع ابلاغ اور معیشت کے بڑے حصوں کو کنٹرول کرتی ہے۔ چین کے لوگوں کو نہ ہونے کے برابر سیاسی آزادیاں ہیں، اور سیاسی عمل میں بہت کم شراکت ہے۔

بہت سے لوگ کافی عرصے تک یہ یقین کرتے رہے ہیں کہ چین میں ترقی جمہوریت اور زیادہ تکثیریت لائے گی۔ 1989 میں ایک حقیقی احساس تھا کہ تیانامن چوک کے مظاہرے زیادہ کھلے پن پر اور شاید کمیونسٹ حکومت کے خاتمے پر منتج ہوں۔ لیکن مظاہرین پر ٹینک چھوڑ دیئے گئے، اور تاریخ کی کتابیں اب اسے ایک پرامن انقلاب کی بجائے تیانامن چوک کا قتل عام لکھتی ہیں، بہت سے حوالوں سے چین کے سیاسی ادارے تیانامن کے نتیجے میں زیادہ استحصالی ہو گئے؛ زیاو زانگ جیسے مصلحین کو، جس نے کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری کے طور پر، تیانامن چوک میں طلبا کو اپنی حمایت پہنچائی، پاک کر دیا گیا، اور پارٹی زیادہ جوش کے ساتھ شہری آزادیوں اور ذرائع ابلاغ کی آزادی پر پل پڑی۔ زاؤ زیانگ کو 15 سال سے زیادہ عرصے کیلئے نظر بند کر دیا، اور اس کے عوامی ریکارڈ کو بتدریج مٹا دیا گیا، تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے جو سیاسی تبدیلی کی حمایت کرتے تھے ایک علامت بھی نہ بن سکے۔

آج ذرائع ابلاغ، خصوصاً انٹرنیٹ پر پارٹی کا کنٹرول بے مثال ہے۔ اس کا بہت سا حصہ ذاتی سنسر شپ کے ذریعے حاصل کیا گیا ہے، ذرائع ابلاغ کے گماشتے جانتے ہیں کہ انہیں زاؤ زیانگ یا لیوزیاؤبو (Liu Xiaobo) کا ذکر نہیں کرنا ہے، زیاؤبو حکومت کا وہ ناقد ہے، جو زیادہ جمہوریت کا تقاضا کر رہا ہے، جو ابھی تک قید میں پڑا سڑ رہا ہے، اس کے بعد بھی جب کہ اسے

MashalBooks.org

نوبیل انعام سے بھی نوازا گیا تھا۔ ذاتی سنسر شپ کی مدد ایک آمرانہ تنظیم سے کی جاتی ہے، جو گفتگوؤں، رابطوں، کی نگرانی کرسکتی ہے، ویب سائٹس اور اخبارات کو بند کرسکتی ہے اور یہاں تک کہ انٹرنیٹ پر انفرادی خبروں کی کہانیوں تک رسائی کو منتخب طریقے سے بند کرسکتی ہے۔ یہ سب کچھ اس وقت ظاہر ہوا، جب 2002 سے پارٹی کے جنرل سیکریٹری کے بیٹے، ہو جن تاؤ، کے خلاف بدعنوانی کے الزامات کے بارے میں 2009 میں خبریں باہر آئیں۔ پارٹی کی تنظیم فوری طور پر متحرک ہوگئی اور نہ صرف چینی ذرائع ابلاغ کو اس معاملے کی خبر دینے سے روکنے کے قابل ہوگئی، بلکہ اس نے اس معاملے کے بارے میں نیویارک ٹائمز اور فنانشل ٹائمز کی ویب سائٹوں پر کہانیوں کو منتخب طور پر روکنے کا بھی اہتمام کرلیا۔

معاشی اداروں پر پارٹی کے کنٹرول کی وجہ سے، تخلیقی تباہی کی وسعت بہت زیادہ کم ہوگئی ہے، اور جب تک سیاسی اداروں میں اساسی تبدیلیاں نہ ہوں یہ ایسی ہی رہے گی۔ جیسا کہ سوویٹ یونین میں تھا، استحصالی اداروں کے تحت چینی ترقی بھی کافی سہل ہوگئی ہے کیونکہ قبضہ کرنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ چین میں آمدنی ریاستہائے متحدہ اور مغربی یورپ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ بلاشبہ چینی ترقی، سوویٹ کی ترقی کی نسبت خاصی متنوع ہے؛ یہ محض اسلحہ اور بھاری صنعت پر منحصر نہیں ہے، اور چینی کاروباری لوگ بہت زیادہ ذہانت کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ اس کے باجود اس ترقی کے غبارے میں ہوا نکل جائے گی جب تک کہ استحصالی سیاسی ادارے اشتمالی اداروں کیلئے جگہ خالی نہیں کرتے۔ جب تک سیاسی ادارے استحصالی رہیں گے، تو ترقی فطری طور پر محدود رہے گی، جیسا کہ یہ باقی تمام اس طرح کی مثالوں میں رہی ہے۔

چین کا تجربہ، چینی ترقی کے مستقبل کے بارے میں، اور زیادہ اہم طور پر، تحکمانہ ترقی کی ضرورت اور پنپنے کی صلاحیت کے بارے میں متعدد دلچسپ سوال ہیں۔ ایسی ترقی ''واشنگٹن اتفاق رائے'' کا ایک مقبول عام متبادل بن چکا ہے، جو دنیا کے بہت سے کم ترقی یافتہ حصوں میں معاشی ترقی کو چالو کرنے کیلئے، مارکیٹ اور تجارت کی آزادی، اور ادارہ جاتی اصلاح کی بعض شکلوں کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ جبکہ تحکمانہ ترقی کی کشش کا ایک حصہ واشنگٹن اتفاق رائے کے ردعمل کے طور پیدا ہوتا ہے، وہیں پر اس کی زیادہ کشش۔ یقیناً ان حکمرانوں کیلئے جو استحصالی اداروں پر حاوی ہیں۔ یہ ہے کہ یہ انہیں طاقت پر اپنی گرفت قائم رکھنے اور اسے مضبوط کرنے کے

لئے انہیں کھلی چھوٹ دیتی ہے، اور ان کے استحصال کو جواز بخشتی ہے۔

جیسا کہ ہمارا نظریہ اس بات کو نمایاں کرتا ہے، خاص طور پر ان معاشروں میں جہاں مرکز گیری کسی حد تک پیدا ہوچکی ہے۔ استحصالی اداروں کے تحت اس طرح کی ترقی ممکن ہے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ بہت سی اقوام کا مستقبل کا ممکنہ منظرنامہ ہو، جن کا دائرہ کمبوڈیا اور ویت نام سے لے کر برونڈی، ایتھوپیا اور روانڈا تک وسیع ہوگا۔ لیکن اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی کی تمام مثالوں کی طرح۔ یہ پائیدار ترقی نہیں ہوگی۔

چین کے معاملے میں، غیرملکی ٹیکنولوجی کی، ان کے معیار کے برابر ہونے کیلئے درآمد، اور کم قیمت اشیا کی پیداوار کی برآمد پر مبنی ترقی کے عمل کے کچھ عرصے تک جاری رہنے کا امکان ہے، اس کے باوجود، چینی ترقی کے انجام کو پہنچنے کا بھی امکان ہے، خاص طور پر اس وقت، جب ایک دفعہ چین جیسے درمیانہ آمدنی والے ملک کے معیارات زندگی تک پہنچ جاتا ہے۔ چینی کمیونسٹ پارٹی اور دن بدن طاقتور ہوتی ہوئی چینی معاشی اشرافیہ کیلئے ممکنہ طور پر پیدا ہونے والا منظرنامہ یہ ہوگا کہ وہ چند دہائیوں میں اقتدار پر اپنی بہت مضبوط گرفت قائم رکھیں گے۔ اس صورت میں تاریخ اور ہمارا نظریہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ تخلیقی تباہی اور حقیقی جدت کاری کے ساتھ ترقی نہیں آئے گی، اور چین میں شاندار ترقی کی شرحیں آہستہ آہستہ غائب ہوجائیں گی۔ لیکن یہ نتیجہ کوئی پہلے سے متعین چیز نہیں ہے۔ اس سے بچا جاسکتا ہے، اگر چین، اس سے پہلے کہ استحصالی اداروں کے تحت اس کی ترقی اپنی حد کو پہنچ جائے، اشتمالی سیاسی اداروں کی طرف پلٹا کھا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود، جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے، اس بات کی توقع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ، اشتمالی سیاسی اداروں کی طرف چین کے پلٹنے کا کوئی امکان ہے۔ یا یہ کہ یہ چیز خودبخود یا بغیر کسی تکلیف کے ہوجائے گی۔

چین کی کمیونسٹ پارٹی کے اندر بھی کچھ آوازیں آگے کے راستے پر خطرات کا ادراک کررہی ہیں، اور اس تصور کو آس پاس میں پھیلا رہی ہیں کہ سیاسی اصلاح۔ یا ہماری اصطلاح میں، اشتمالی اداروں کی طرف تبدیلی۔ ضروری ہے، طاقتور وزیراعظم، وین جیاباؤ نے حال ہی میں اس خطرے سے آگاہ کیا ہے جب تک سیاسی اصلاح روبہ عمل نہ ہو تو معاشی ترقی میں رکاوٹ پڑ جائیگی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وین کا تجزیہ ایک پیش بینی ہے، اگرچہ بعض لوگ اس کے خلوص پر شک

MashalBooks.org

کرتے ہیں، لیکن مغرب میں بہت سے لوگ وین کے بیانات سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک، چین پائیدار ترقی کی جانب ایک متبادل راستے کا انکشاف کر رہا ہے، ایک ایسی ترقی جو اشتمالی سیاسی اور معاشی اداروں کے تحت ہونے کی بجائے تحکم پسندی کے تحت ہوگی۔ لیکن وہ لوگ غلطی پر ہیں۔ ہم نے چین کی ترقی کی اہم بنیادوں کو پہلے ہی دیکھ لیا: جامد کمیونسٹ اداروں سے ورے، معاشی اداروں میں ایک اساسی تبدیلی اور ایسے اداروں کی سمت جو پیداواریت اور تجارت میں اضافہ کرنے کے لئے محرکات مہیا کرتے ہیں۔ اس تناظر سے دیکھا جائے تو چین کے تجربے میں، ان ممالک کے تجربے کی نسبت سے کوئی چیز بنیادی طور پر مختلف نہیں ہے، جنہوں نے استحصالی اداروں سے ورے اور اشتمالی معاشی اداروں کی سمت اقدام اٹھانے کا اہتمام کر لیا ہے، خواہ یہ استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ چین کے معاملے میں ہے۔ لہذا چین نے معاشی ترقی اپنے استحصالی سیاسی اداروں کی وجہ سے حاصل نہیں کی، بلکہ ان کے باوجود کی ہے: اس کی پچھلی تین دہائیوں میں کامیاب ترقی، استحصالی معاشی اداروں سے ہٹ کر اور اہم اور زیادہ اشتمالی اداروں کی سمت اساسی تبدیلی کی وجہ سے ہوئی ہے، جو انتہائی تحکمانہ استحصالی سیاسی اداروں کی موجودگی سے زیادہ مشکل ہوتی ہے نہ کہ آسان۔

تحکمانہ ترقی کی توثیق کرنے والا ایک مختلف طبقہ اس کی غیر پسندیدہ نوعیت کو تسلیم کرتا ہے، لیکن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تحکم پسندی محض ایک گزراں مرحلہ ہے، یہ تصور، ماضی کے سیاسی سماجیات کے کلاسیکی نظریات میں سے ایک نظریے سے متعلق ہے، یعنی جدیدیت کے نظریے سے، جس کو سیمور مارٹن لپسیٹ (Seymour Martin Lipset) نے وضع کیا۔ جدیدیت کا نظریہ یہ قرار دیتا ہے کہ تمام معاشروں کا رخ جب وہ ترقی کرتے ہیں، ایک زیادہ جدید، ترقی یافتہ، اور مہذب زندگی کی طرف ہوتا ہے، اور خاص طور پر جمہوریت کی طرف۔ جدیدیت کے نظریے کے بہت سے پیروکار یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ، جمہوریت کی طرح، ترقی کے عمل کے ذیلی نتیجے کے طور پر اشتمالی ادارے بھی ابھریں گے۔ مزید برآں، اگرچہ جمہوریت بالکل وہی چیز نہیں ہے۔ جو کہ اشتمالی سیاسی ادارے ہیں، پھر بھی باقاعدہ انتخابات اور نسبتاً آزاد سیاسی بنتے ہیں۔ جدیدیت کے نظریے کے مختلف متن یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ تعلیم یافتہ کام کرنے والی جمعیت فطری طور پر جمہوریت اور بہتر اداروں کی طرف لے جائے گی۔ جدیدیت کے نظریے کے قدرے پس جدیدیت متن میں

میں، نیویارک کے کالم نویس تھامس فرائیڈ مین (Thomas Friedman) یہ اشارہ کرنے کی حد تک چلے گئے کہ جب ایک مرتبہ کوئی ملک مکڈونلڈ ریستورانوں کی کافی تعداد حاصل کر لے گا، تو اس کے پیچھے جمہوریت اور ادارے لازماً آئیں گے۔ یہ سب کچھ ایک رجائیت پسندانہ تصویر پیش کرتا ہے۔ گزشتہ 60 سال میں، زیادہ تر ممالک نے، بشمول ایسے بہت سے ملکوں کے جہاں استحصالی ادارے ہیں، کچھ ترقی کا تجربہ کیا ہے، اور بہت سوں نے اپنی کام کرنے والی جمعیت کی تعلیمی استعداد میں قابل ذکر اضافے کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ لہذا جوں جوں ان کی آمدنیاں اور تعلیمی معیار بڑھنا جاری رکھتے ہیں، ایک یا دوسرے طریقے سے، تو تمام دوسری اچھی چیزیں، جیسا کہ ملکیت، کو ان کے پیچھے پیچھے آنا چاہئے۔

پڑھے لکھے طبقے کے اندر اور باہر جدیدیت کے نظریے کے پیروکار وسیع پیمانے پر پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ریاستہائے متحدہ کے چین کے ساتھ رویے اسی نظریے سے تشکیل دیئے گئے ہیں، جارج ایچ ڈبلیو بش (George H. W. Bush) نے چینی جمہوریت کے بارے میں ریاستہائے متحدہ کی پالیسی کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے: "چین کے ساتھ آزادانہ تجارت کرو اور وقت ہمارے ساتھ ہے"۔ اس کا تصور یہ تھا کہ جب چین مغرب کے ساتھ آزادانہ تجارت کر لے گا، تو یہ ترقی کرے گا، اور وہ ترقی چین میں جمہوریت اور بہتر ادارے لائے گی، جیسا کہ جدیدیت کے نظریے نے پیش گوئی کی۔ لیکن 1980 کی دہائی کے وسط لے کر یو ایس چین تجارت میں تیز رفتار اضافے نے چینی جمہوریت کے لئے کچھ نہیں کیا، اور اس سے بھی زیادہ قربت جو اگلی دہائی میں ممکنہ طور پر ہونے والی ہے، ایسے ہی کچھ نہیں کر پائے گی۔

بہت سے لوگوں کے عراقی معاشرے اور جمہوریت کے بارے میں یو ایس کی قیادت میں حملے کے نتیجے کے بارے میں، نقطہ ہائے نظر بھی، جدیدیت کے نظریے کی وجہ سے ایسے ہی رجائیت پسندانہ تھے۔ صدام حسین کی حکومت کے تحت اس کی تباہ کن معاشی کارکردگی کے باوجود، عراق 2002 میں اتنا غریب نہیں تھا جتنی بہت سی دوسری زیریں صحارائی اقوام تھیں، اور اس کی آبادی نسبتاً بہتر تعلیم یافتہ تھی، لہذا اس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ جمہوریت اور شہری آزادیوں کے ارتقا کے لئے ایک تیار میدان ہے، اور غالباً جیسا کہ ہم بیان کریں گے، تکثیریت کیلئے بھی، یہ امیدیں تیزی سے زمین بوس ہو گئیں، جب انتشار اور خانہ جنگی عراقی معاشرے پر

MashalBooks.org

نازل ہوگئے۔

جدیدیت کا نظریہ، اس بات پو غور کرنے کے لئے کہ ناکام ہونے والی اقوام میں استحصالی اداروں کے بڑے مسائل کے ساتھ کیسے نمٹا جائے۔ غلط بھی ہے اور غیر معاون بھی، جدیدیت کے نظریے کے حق میں مضبوط ترین شہادت یہ ہے کہ امیر اقوام ہی وہ اقوام ہیں کہ جن کے ہاں جمہوری حکومتیں، شہری اور انسانی حقوق کا احترام، موجود ہے اور وہ کام کرتی ہوئی مارکیٹوں اور عمومی طور پر اشتمالی معاشی اداروں سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ لیکن اس تعلق کی توجیہہ، جدیدیت کے نظریے کی حمایت کے طور پر کرنا، معاشی ترقی پر اشتمالی معاشی اور سیاسی اداروں کے بڑے اثر کو نظر انداز کر دینا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس پوری کتاب میں یہ استدلال کیا ہے، کہ یہ اشتمالی اداروں کے حامل معاشرے ہی ہیں، جنہوں نے پچھلے تین سو سال میں ترقی کی ہے، اور آج نسبتاً امیر ہو گئے ہیں۔ یہ بات کہ یہ چیز اس کی توجیہہ بیان کرتی ہے جو ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں، واضح طور پر نظر آ جاتی ہے، اگر ہم حقائق پر قدرے مختلف انداز سے نگاہ ڈالیں: جبکہ ان اقوام نے جنہوں نے پچھلی چند صدیوں میں اشتمالی معاشی اور سیاسی ادارے قائم کر لئے ہیں، پائیدار معاشی ترقی حاصل کر لی ہے، لیکن وہ آمرانہ حکومتیں، جو پچھلے ساٹھ یا ایک سو سال میں زیادہ تیزی سے پھلی پھولی ہیں، اس کے برعکس جو لیپیٹ کا نظریہ دعویٰ کرتا ہے، زیادہ جمہوری نہیں ہوئی ہیں۔ یہ چیز درحقیقت حیران کن نہیں ہے۔ استحصال اداروں کے تحت ترقی ٹھیک اس وجہ سے ممکن ہے، کیونکہ یہ لازمی طور پر یا خود کارانہ طور پر انہی اداروں کی موت پر منتج نہیں ہوتی۔ درحقیقت یہ ترقی، عموماً پیدا ہی اسی لئے ہوتی ہے کیونکہ لوگ جو استحصالی اداروں کو کنٹرول کرتے ہیں اس ترقی کو اپنی حکومت کے لئے ایک خطرہ نہیں بلکہ ایک مدد تصور کرتے ہیں جیسا کہ چینی کمیونسٹ پارٹی نے 1980 کی دہائی سے سمجھا ہوا ہے۔ یہ چیز بھی حیران کن نہیں ہے کہ اس ترقی سے جو کسی قوم کے قدرتی وسائل میں قیمتوں کے اضافے سے پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ گیبون، سعودی عرب، روس اور وینز ویلا میں، ان آمرانہ حکومتوں کی اشتمالی اداروں کی سمت بنیادی تبدیلی پر منتج ہونے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔

تاریخی ریکارڈ بھی جدیدیت کے نظریے کے بارے میں زیادہ فیاض نہیں ہے۔ بہت سی نسبتاً خوشحال قوموں نے آمرانہ جابرانہ حکومتوں اور استحصالی اداروں کے آگے ہتھیار ڈالے اور ان کی حمایت کی ہے۔ جرمنی اور جاپان دونوں بیسویں صدی کے پہلے نصف میں دنیا کی امیر ترین اور

انتہائی صنعتی اقوام تھیں، اور ان کے ہاں نسبتاً تعلیم یافتہ شہری تھے۔ اس چیز نے نہ جرمنی میں نیشنل سوشلسٹ پارٹی، نہ ہی جاپان میں عسکریت پسند حکومت، جو کہ جنگ کے ذریعے علاقائی توسیع پر مائل تھی، کے عروج کو روکا۔ جس نے دونوں سیاسی اور معاشی اداروں کو استحصالی اداروں کی طرف رخ موڑنے پر مجبور کر دیا، ارجنٹینا بھی انیسویں صدی میں دنیا کی امیر ترین قوموں میں سے ایک تھا۔ اتنا ہی امیری اس سے بھی زیادہ جتنا کہ برطانیہ تھا۔ کیونکہ یہ وسائل کی عالمی زبردست ترقی کے فیضیاب ملکوں میں سے ایک تھا؛ اس کی آبادی بھی لاطینی امریکہ میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ تھی۔ لیکن یہاں جمہوریت اور تکثیریت کامیاب نہ ہوئے۔ بلکہ ارجنٹائنا میں یہ قابل بحث طریقے سے باقی ماندہ لاطینی امریکہ کی نسبت کم کامیاب تھے۔ ایک کے بعد دوسری بغاوت ہوتی رہی، اور جیسا کہ ہم نے باب 11 میں دیکھا کہ جمہوری طور پر منتخب رہنماؤں نے بھی غاصب آمروں کی طرح طرز عمل اختیار کیا۔ زیادہ حال تک بھی وہاں اشتمالی معاشی اداروں کی طرف کوئی پیشرفت نہیں ہوئی، اور جیسا کہ ہم نے باب 13 میں دیکھا اکیسویں صدی کی ارجنٹائنی حکومت اب بھی اپنے شہریوں کی دولت کو بغیر کسی سزا کے خوف کے غصب کر سکتی ہے۔

یہ سب کچھ متعدد اہم خیالات پر روشنی ڈالتا ہے۔ اول، چین میں آمرانہ، استحصالی سیاسی اداروں کے تحت ترقی، اگرچہ ابھی کچھ عرصے تک جاری رہنے کا امکان رکھتی ہے، لیکن یہ پائیدار ترقی میں، جسے حقیقی اشتمالی، معاشی اداروں اور تخلیقی تباہی کی حمایت حاصل ہو، منتقل نہیں ہو سکے گی۔ دوم، جدیدیت کے نظریے کے دعاوی کے برعکس، ہمیں تحکمانہ ترقی سے یہ امید نہیں لگانی چاہئے کہ وہ جمہوریت کی طرف یا اشتمالی سیاسی اداروں کی طرف رہنمائی کرے گی۔ چین، روس اور دوسری متعدد آمرانہ حکومتیں، جو فی الوقت کچھ ترقی کا تجربہ کر رہی ہیں، امکانی طور پر اپنے سیاسی اداروں کو زیادہ اشتمالی اداروں میں تبدیل کرنے سے پہلے استحصالی ترقی کی آخری حدوں کو پہنچنے والی ہیں۔ اور درحقیقت، غالباً اس سے پہلے کہ وہاں ایسی تبدیلیوں کیلئے اشراف میں کوئی خواہش ہو یا کوئی مضبوط حزب اختلاف انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے۔ سوم تحکمانہ ترقی طویل عرصے تک نہ تو پسندیدہ ہے نہ ہی زندہ رہنے کے قابل، اور لہٰذا اسے بین الاقوامی برادری کی طرف سے، لاطینی امریکہ، ایشیا اور زیریں صحارائی افریقہ کے ملکوں کو ڈھالنے کے لئے ایک سانچے کے طور پر، توثیق نہیں ملنی چاہئے، اگرچہ یہ ایک ایسا راستہ ہے جسے بہت سی اقوام اختیار کریں گی، کیونکہ بعض

MashalBooks.org

اوقات یہ ان اقوام پر غالب معاشی اور سیاسی اشراف کے مفادات سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

آپ خوشحالی کو اختراع نہیں کر سکتے

اس نظریے کے برخلاف جو ہم نے اس کتاب میں قائم کیا ہے، لاعلمی کا مفروضہ فوری طور پر، اس بارے میں کہ غربت کے مسئلے کو کیسے ''حل'' کیا جائے۔ ایک تجویز لے کر آیا ہے:۔ اگر لاعلمی ہمیں یہاں لے آتی ہے، تو روشن خیال اور باخبر حکمران اور پالیسی ساز ہمیں اس سے باہر نکال سکتے ہیں، اور ہمیں صحیح مشورہ دے کر اور سیاستدانوں کو اس بات کا قائل کر کے کہ اچھی معاشیات کیا ہے، پوری دنیا میں خوشحالی کو ''اختراع'' کرنے کے قابل ہونا چاہیے۔ باب 2 میں جب ہم نے اس مفروضے پر بحث کی تھی، تو ہم نے یہ دکھایا تھا کہ 1970 کی دہائی کے اوائل میں گھانا کے وزیراعظم کوفی بوسیا کے تجربے نے اس حقیقت کی اہمیت پر زور دیا کہ، ایسی پالیسیوں کو اختیار کرنے میں جو مارکیٹ کی ناکامیوں کو کم کریں اور معاشی ترقی کی حوصلہ افزائی کریں۔ بنیادی رکاوٹ سیاستدانوں کی لاعلمی نہیں ہے، بلکہ وہ محرکات اور پابندیاں ہیں جو انہیں سیاسی اور معاشی اداروں کی طرف سے اپنے معاشروں میں پیش آتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود، مغربی پالیسی ساز حلقوں میں لاعلمی کے مفروضے کا ابھی تک راج ہے'' جو تقریباً باقی ہر چیز کو نفی کر کے، اس بات پر توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ خوشحالی کو کیسے اختراع کیا جائے۔

یہ اختراعی کوششیں دو اقسام میں سامنے آتی ہیں۔ پہلی، جس کی وکالت اکثر اوقات بین الاقوامی مالیاتی فنڈ جیسی بین الاقوامی تنظیمیں کرتی ہیں، اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ خراب ترقی کی وجہ خراب معاشی پالیسیاں اور ادارے ہوتے ہیں، اور پھر ان بہتریوں کی ایک فہرست پیش کرتی ہیں، جس کے اختیار کرنے کے لئے یہ بین الاقوامی تنظیمیں غریب ملکوں کو آمادہ کرتی ہیں (واشنگٹن اتفاق رائے سے ایک ایسی فہرست تیار کرتا ہے) یہ بہتریاں معقول چیزوں پر توجہ مرکوز کرتی ہیں جیسا کہ کلاں معاشیاتی استحکام اور بظاہر پرکشش کلاں معاشیاتی اہداف پر، جیسا کہ حکومتی شعبے کے حجم کی تخفیف، لچکدار مبادلاتی شرحیں' اور سرمایے کے کھاتوں کی آزادی۔ وہ مزید خورد معاشیاتی اہداف پر بھی توجہ دیتی ہیں، جیسا کہ نجکاری عوامی خدمات کی مہیا کاری کی استعداد میں بہتریاں، اور غالباً یہ تجاویز کہ خود ریاست کی کارکردگی کو کیسے بہتر بنایا جا سکتا ہے، بدعنوانی کے خلاف

اقدامات پر وزور دے کر۔ اگرچہ ان اصلاحات میں سے بہت سی بذاتہ معقول ہوں گی، لیکن واشنگٹن، لندن، پیرس اور باقی جگہوں پر بین الاقوامی اداروں کا نقطہ نظر ابھی تک ایک غیر تناظر میں ٹکا ہوا ہے۔ جو سیاسی اداروں کے کردار اور ان پابندیوں کا ادراک کرنے میں ناکام رہتا ہے، جو یہ پالیسی ساز لگاتے ہیں۔ بین الاقوامی اداروں کی، غریب ممالک کو ڈرا دھمکا کر بہتر پالیسیوں اور اداروں کو اپنانے پر مجبور کر کے معاشی ترقی کو اختراع کرنے کی کوششیں اس وجہ سے ناکام رہتی ہیں کیونکہ وہ اس بات کی وضاحت کے تناظر میں واقع نہیں ہوتیں کہ پہلے وہاں بری پالیسیاں اور ادارے موجود ہی کیوں ہیں، سوائے اس کے کہ غریب ممالک کے رہنما لاعلم ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ پالیسیاں اختیار ہی نہیں کی جاتیں، یا نافذ نہیں کی جاتیں، یا صرف نام کی حد تک فافذ کی جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر، پوری دنیا میں بہت سی معیشتیں، جنہوں نے بظاہر ایسی اصلاحات کو نافذ کیا، زیادہ قابل ذکر طور پر لاطینی امریکا میں، 1980 اور 1990 کی دہائیوں میں جامد رہیں۔ درحقیقت یہ پالیسیاں، ایسے تناظرات میں جہاں سیاست معمول کے مطابق چلتی رہی، ان ممالک کے سر منڈھ دی گئیں۔ اسی وجہ سے، اس وقت بھی جب یہ اصلاحات اختیار بھی کر لی گئیں، تو ان کے مقصد کو ناکام بنا دیا گیا، یا سیاستدانوں نے ان کو اثر کو کند کرنے کے لئے اور طریقے استعمال کئے۔ اس سب کی وضاحت، کلاں معاشیاتی استحکام حاصل کرنے کے مقصد سے بین الاقوامی اداروں کی بنیادی سفارشات میں سے ایک کے ''نفاذ'' سے ہوتی ہے یعنی سینٹرل بینک کی آزادی سے۔ یہ سفارش یا تو صرف نظریے میں نافذ کی گئی نہ کہ عملی طور پر، یا اسے دوسرے پالیسی کے اوزاروں سے تباہ کر دیا گیا۔ یہ اصولی طور پر بالکل معقول تھی۔ پوری دنیا میں بہت سے سیاستدان، اس سے زیادہ خرچ کر رہے تھے جتنا کہ وہ ٹیکس کے محصولات سے اکٹھا کر رہے تھے۔ اور پھر وہ اپنے مرکزی بینکوں کو اس فرق کو پورا کرنے کے لئے نوٹ چھاپنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا افراط زر عدم استحکام اور غیر یقینی پیدا کر رہا تھا۔ نظریہ یہ تھا کہ جرمنی میں بنڈس بینک کی طرح آزاد مرکزی بینک سیاسی دباؤ کی مزاحمت کریں گے اور افراط زر پر ڈھکنا دیں گے۔ زمبابوے کے صدر موگابے نے اس بین الاقوامی مشورے پر کام دھرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے 1955 میں زمبابوے کے مرکزی بینک کو آزاد قرار دے دیا۔ اس سے پہلے زمبابوے میں افراط زر کی شرح 20 فیصد کے ارد گرد منڈلا رہی تھی۔ 2002 تک یہ 140 فیصد تک پہنچ گئی؛

MashalBooks.org

2003 تک تقریباً 600 فیصد؛ 2007 تک 66,000 فیصد؛ اور 2008 تک 203 ملین فیصد! بلاشبہ، ایک ایسے ملک میں جہاں صدر لاٹری جیت جاتا ہے، کسی شخص کو اس بات پر حیران نہیں ہونا چاہئے کہ سنٹرل بینک کو آزاد کرنے کے لئے قانون بنانے کا مطلب کچھ نہیں ہے۔ غالباً زمبابوے کے مرکزی بینک کا گورنر، جانتا تھا کہ کس طرح سیرالیون میں اس کا ہم منصب مرکزی بینک کی عمارت کی سب سے اوپر والی منزل سے ''گرا تھا'' جب اس نے سیا کا سٹیونز سے اختلاف کیا تھا۔ بینک خواہ آزاد ہو یا نہ ہو، صدر کے مطالبے کے ساتھ کی تعمیل کرنا ہی ایک عقلمندانہ انتخاب تھا۔ کم از کم اس کی ذاتی صحت کے لئے اگر معیشت کی صحت کیلئے نہ بھی سہی۔ تمام ممالک زمبابوے کی طرح نہیں ہین۔ ارجنٹائنا اور کولمبیا میں بھی 1990 کی دہائی میں مرکزی بینک آزاد کر دیئے گئے، اور انہوں نے افراط زر کو کم کرنے کے لئے حقیقی کام کیا۔ لیکن کیونکہ کسی بھی ملک میں سیاست تبدیل نہیں ہوئی تھی، لہذا سیاسی اشراف نے، ووٹوں کو خریدنے، اپنے مفادات کو قائم رکھنے، اور اپنے آپ کو اور اپنے پیروکاروں کو نوازنے کے لئے اور طریقے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ کیونکہ وہ ایسا مزید نوٹ چھاپ کر نہیں کر سکتے تھے، لہذا انہیں ایک مختلف طریقہ استعمال کرنا پڑا۔ دونوں ممالک میں، مرکزی بینکوں کی آزادی کے ساتھ بیک وقت حکومت کے اخراجات میں ایک بہت بڑی توسیع ہو گئی، جس کیلئے رقم مہیا کرنے کیلئے بڑی حد تک ادھار لینا پڑا۔

خوشحالی کی اختراع کرنے کے لئے دوسرا طریقہ کار آج کل بہت زیادہ رواج پذیر ہے۔ یہ اس بات کا ادراک کرتا ہے کہ کسی قوم کو غربت سے اٹھا کر ایک ہی رات میں یا چند دہائیوں کے عرصہ میں خوشحالی میں لانے کے لئے کوئی آسان طریقے نہیں ہیں۔ اس کی بجائے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ بہت سی ''خورد منڈی کی ناکامیاں'' ہیں، جن کی تلافی اچھے مشورے سے کی جا سکتی ہے، اور اگر پالیسی ساز ان مواقع سے فائدہ اٹھائیں تو اس کے نتیجے میں خوشحالی آئے گی۔ جو، پھر، معاشیات دانوں اور دوسروں کی بصیرت کی مدد سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ نقطہ نظر دعویٰ کرتا ہے کہ ''خورد منڈی کی ناکامیاں'' غریب ممالک میں ہر جگہ ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر، ان کے نظام تعلیم میں، صحت کی دیکھ بھال بہم پہنچانے میں، اور اس طریقے میں جس میں ان کی منڈیوں کی تنظیم کی جاتی ہے۔ یہ بات بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ چھوٹی منڈی کی ناکامیاں، برف کے تودے کا ایک سرا ہو سکتی ہیں، ایک ایسے معاشرے میں گہری جڑوں والے مسائل کی ایک

علامت، جو استحصالی اداروں کے تحت کام کر رہا ہو۔ جس طرح یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ غریب ممالک کے ہاں خراب خورد معاشی پالیسیاں ہوتی ہیں۔ اس طرح یہ بھی اتفاق نہیں ہے کہ ان کے تعلیمی نظام ٹھیک سے کام نہیں کرتے۔ یہ منڈی کی ناکامیاں محض لاعلمی کی وجہ سے نہیں ہو سکتیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پالیسی ساز اور سرکاری ملازمین جن سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اچھی نیت والے مشوروں پر عمل کریں، خود ہی مسئلے کا حصہ ہوں، اور ہو سکتا ہے کہ ان نااہلیوں کو ٹھیک کرنے کی کوششیں ٹھیک اس وجہ سے الٹا اثر دکھائیں کہ جو صاحب اختیار ہیں وہ پہلے مرحلے پر ہی غربت کی ادارہ جاتی وجوہات سے نہ نمٹ رہے ہوں۔

ان مسائل کی توضیح اس مداخلت سے ہوتی ہے جو ہندوستان کی ریاست رجستھان میں، ایک غیر سرکاری تنظیم (این جی او) سیوا مندر کی طرف سے صحت کی سہولتوں کی ترسیل کو بہتر بنانے کے لئے اختراع کی گئی۔ ہندوستان میں صحت کی سہولتوں کی ترسیل کی کہانی، ایک گہری نااہلیت اور ناکامی کی کہانی ہے حکومت کی مہیا کردہ صحت کی سہولتیں، کم از کم نظریاتی حد تک، وسیع طور پر مہیا اور سستی ہیں، اور عملی عمومی طور پر سند یافتہ ہے۔ لیکن یہاں تک کہ غریب ترین لوگ بھی حکومت کی مہیا کردہ صحت کی سہولیات سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اور اس کی بجائے کہیں زیادہ مہنگے، بے ضابطہ، اور بعض اوقات ناقص نجی مہیا کاروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ایسا کسی نامعقولیت کی وجہ سے نہیں ہے؛ لوگ سرکاری صحت کی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہی نہیں ہیں، جو غیر حاضری کے معمول کی لعنت میں گرفتار ہیں۔ اگر کوئی ہندوستانی حکومت کی طرف سے چلائی جانے والی، صحت کی سہولت کی طرف رجوع کرے تو نہ صرف یہ کہ وہاں کوئی نرسیں موجود نہیں ہوں گی، بلکہ وہ شاید عمارت میں داخل ہی نہ ہو سکے گا کیونکہ صحت کی یہ سہولیات زیادہ تر بڑے لوگوں کے لئے بند ہوتی ہیں۔

2006 میں، سیوا مندر نے معیشت دانوں کے ایک گروپ کے ساتھ ایک محرک تجویز کیا راجستھان کے ضلع اودھے پور میں کہ نرسوں کو ٹھیک وقت پر کام پر آنے کی ترغیب دی جائے۔ یہ خیال بڑا سادہ تھا: سیوا مندر نے وقت بتانے والے گھڑیال متعارف کروائے جو اس وقت اور تاریخ پر ٹھپہ لگانے تھے جب نرسیں کام پر ہوتی تھیں۔ نرسوں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے وقت کے کارڈوں پر دن میں تین مرتبہ مہریں لگائیں گی، یہ تصدیق کرنے کیلئے کہ وہ وقت پر

MashalBooks.org

آئیں، وہاں ٹھہریں، اور وقت پر وہاں سے گئیں۔ اگر یہ سکیم کامیاب ہوتی، اور صحت کی مقدار اور معیار میں بہتری لاتی، تو یہ اس نظریے کی مضبوط وضاحت ہوتی کہ ترقی کے راستے میں بنیادی مسائل کا آسان حل موجود ہے۔

اس واقعے میں، مداخلت نے ایک مختلف چیز کا انکشاف کیا۔ پروگرام کے نفاذ کے تھوڑے عرصے بعد نرسوں کی حاضری میں واضح اضافہ ہوگیا۔ لیکن یہ بہت تھوڑے وقت کیلئے تھا۔ ایک سال سے کچھ زیادہ عرصے میں، اس ضلع کی مقامی صحت کی انتظامیہ نے سیوا مندر کی متعارف کروائی گئی اس اسکیم کو جان بوجھ کر ختم کرنے کی کوشش کی۔ غیر حاضری کا معمول دوبارہ اپنی سطح پر واپس آ گیا، البتہ ''مستثنیٰ دنوں'' میں واضح اضافہ ہوگیا، جس کا مطلب تھا کہ نرسیں حقیقی طور پر وہاں موجود نہیں ہوتی تھیں۔ لیکن یہ چیز صحت کی انتظامیہ کی طرف سے سرکاری طور پر منظور شدہ تھی۔ ''مشین کے مسئلوں'' میں بھی تیزی سے اضافہ ہوگیا، کیونکہ وقت والے کلاک ٹوٹ گئے تھے لیکن سیوا مندر انہیں دوبارہ لگانے کے قابل نہیں تھی کیونکہ مقامی صحت کے وزرا تعاون نہیں کرتے تھے۔

نرسوں کو وقت کے کلاک کو دن میں تین دفعہ دبانے پر مجبور کرنا کوئی اتنا جدت کارانہ خیال نہیں لگتا۔ بلاشبہ یہ ایک ایسا معمول ہے جو ہر جگہ صنعت میں استعمال ہوتا ہے، بلکہ خود ہندوستانی صنعت میں بھی، اور یہ چیز لازماً صحت کے منتظمین کے ذہن میں بھی، اپنے مسائل کے ایک موثر حل کے طور پر آئی ہوگی۔ لہذا یہ بات غیر امکانی ہے کہ ایسی محرک کی اسکیم سے لاعلمی وہ چیز ہو جس نے پہلے مرحلے پر اس کے استعمال کو روکا ہو، پروگرام کے دوران جو کچھ واقع ہوا وہ واقعی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ صحت کے منتظمین نے اس پروگرام کو ناکام بنایا کیونکہ ان کی نرسوں کے ساتھ ملی بھگت تھی، اور وہ وہاں کے مخصوص غیر حاضری کے معمول کے مسائل میں شریک سازش تھے۔ وہ ایسی کسی محرکانہ سکیم کو نہیں چاہتے تھے، جو نرسوں کو وقت پر آنے پر مجبور کرے یا اگر وہ ایسا نہیں کرتیں تو ان کی تنخواہ میں کمی کرے۔

جو کچھ یہ واقعہ اجاگر کرتا ہے، وہ بامعنی تبدیلیوں کو نافذ کرنے کی مشکل کا ایک ایسا چھوٹا واقعہ ہے، جب پہلے مرحلے پر ادارے مسائل کی وجہ ہوں۔ اس معاملے میں، یہ نہ تو بدعنوان سیاستدان تھے نہ ہی طاقتور کاروباری لوگ جو ادارہ جاتی اصلاح کو ناکام بنا رہے تھے، بلکہ مقامی صحت کی انتظامیہ اور نرسیں تھیں، جو سیوا مندر اور ترقیاتی معاشی ماہرین کی بنائی ہوئی محرکاتی سکیم کو

MashalBooks.org

ناکام بنا رہی تھیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بہت سی ایسی خورد مارکیٹ کی ناکامیاں ایسی ہیں جو کہ بظاہر ختم کرنی آسان نظر آتی ہیں لیکن وہ پرفریب ہوتی ہیں؛ وہ ادارہ جاتی ڈھانچہ جو مارکیٹ کی ناکامیوں کو پیدا کرتا ہے، وہ ایسی مداخلتوں کے نفاذ کا راستہ بھی روکے گا، جو چھوٹی سطح پر محرکات کو بہتر کرتے ہوں۔ بغیر مسائل کی بنیادی وجہ کا سامنا کیئے۔ ان استحصالی اداروں اور سیاست کا جو نہیں اپنی جگہ پر قائم رکھتی ہے۔ خوشحالی کو اختراع کرنے کی کوشش کا نتائج پیدا کرنے کا امکان نہیں ہوتا۔

بیرونی امداد کی ناکامی

11 ستمبر 2001 کے القاعدہ کے حملوں کے بعد، یو ایس کی قیادت میں فوجوں نے تیزی سے افغانستان میں طالبان کی جابرانہ حکومت کو الٹ دیا، جو القاعدہ کے اہم ارکان کو پناہ دیئے ہوئے تھی اور انہیں حوالے کرنے سے انکاری تھی۔ دسمبر 2001 کے بون معاہدے نے، جو سابقہ افغان مجاہدین جنہوں نے امریکی فوجوں کے ساتھ تعاون کیا تھا اور افغان قوم کے بکھرے ہوئے لوگوں، جن میں حامد کرزئی بھی شامل تھا، کے درمیان تھا، جمہوری حکومت کے قیام کے لئے ایک منصوبہ تخلیق کیا۔ ایک پہلا قدم قومی سطح کی بڑی اسمبلی، پالویہ جرگہ تھا۔ جس نے عبوری حکومت بنانے کے لئے کرزئی کو منتخب کیا۔ حالات افغانستان کے لئے بہتر ہوتے جا رہے تھے۔ افغان لوگوں کی اکثریت طالبان کو پیچھے چھوڑنے کی خواہش رکھتی تھی۔ بین الاقوامی برادری نے سوچا کہ اب افغانستان کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ بیرونی امداد کا ایک بڑا ٹیکہ ہے۔ اقوام متحدہ کے نمائندے اور متعدد بڑی بڑی غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) دارالحکومت کابل میں وارد ہوگئیں۔

جو کچھ بعد میں واقع ہوا، اسے حیرت کا سبب نہیں ہونا چاہیئے۔ خاص طور پر پچھلی پانچ دہائیوں کے دوران غریب ممالک اور ناکام ریاستوں کو دی جانے والی بیرونی امداد کی ناکامی کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ اس میں حیرت ہو یا نہ ہو لیکن معمول کی رسم دہرائی گئی، بیسیوں کارکن اور ان کے حواری شہر میں وارد ہو گئے اپنے نجی جہازوں کے ساتھ۔ ہر طرح کی این جی اوز اپنے اپنے ایجنڈوں کی تکمیل کے لئے شہر میں اُمڈ آئیں، اور حکومتوں اور بین الاقوامی برادری کی طرف سے وفود کے درمیان اعلیٰ سطح کی بات چیت شروع ہوگئی۔ اب اربوں ڈالر افغانستان میں آرہے تھے۔

لیکن اس کا بہت کم حصہ بنیادی ڈھانچے کی تعمیر، سکول، یا اشتمالی اداروں کی ترقی کے لئے لازمی عوامی خدمات کے ضمن میں، یا محض امن وامان کو بحال کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا، رقم کا پہلا چھوٹا حصہ یو این اور دوسرے بین الاقوامی عہدیداروں کے درمیان آنے جانے کے لئے ایک ایرلائن کے لئے استعمال کیا گیا۔ دوسری چیز جس کی انہیں ضرورت تھی وہ ڈرائیور اور ترجمان تھے۔ لہذا انہوں نے چند انگریزی بولنے والے افسران کی خدمات حاصل کیں، اور باقی ماندہ افغان سکولوں کے اساتذہ کو انہیں گاڑیوں پر گھمانے اور ان کی نگہبانی کرنے پر، انہیں موجودہ افغان تنخواہوں سے کئی گنا، پر ملازم رکھ لیا۔ جب چند تربیت یافتہ ملازمین کو، غیر ملکی امداد والے طبقے کی خدمت انجام دینے کیلئے ملازمتوں میں رکھ لیا گیا، تو امداد کا بہاؤ، بجائے افغانستان میں بنیادی ڈھانچہ تعمیر کرنے کے، اسی افغان ریاست کو تباہ کرنے پر استعمال ہونا شروع ہو گیا، جس کی تعمیر اور مضبوطی ان کا مقصد تھا۔

افغانستان کی مرکزی وادی میں ایک دور دراز ضلعے میں دیہاتیوں نے ریڈیو پر، علاقے کی پناہ کو بحال کرنے کے کئی لاکھ ڈالر کے نئے پروگرام کے بارے میں ایک اعلان سنا۔ بہت دیر بعد، چند لکڑی کے شہتیر، جو ایک مشہور سابقہ جنگی سردار اور افغان حکومت کے رکن، اسماعیل خان کے ٹرکوں کے کاروباری گروپ کی طرف سے اٹھائے جا کر وہاں پہنچائے گئے۔ لیکن وہ اتنے بڑے تھے کہ انہیں اس ضلع میں کسی مقصد کے لئے بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا، اور دیہاتیوں نے انہیں ایک ممکنہ استعمال میں لگا دیا؛ جلانے کی لکڑی کے طور پر۔ پس دیہاتیوں کے ساتھ کئے گئے لاکھوں ڈالروں کے وعدے کا کیا ہوا؟ وعدہ کی ہوئی رقم میں سے، 20 فیصد جنیوا میں اقوام متحدہ کے صدر دفتر کے اخراجات کے لئے دیئے گئے۔ باقی ماندہ ایک این جی او کو ذیلی ٹھیکے پر دے گئے، جس نے برسلز میں اپنے صدر دفتر کے اخراجات کیلئے مزید 20 فیصد لے لئے، اور علیٰ ہذا القیاس، باقی کی تین پرتیں تھیں، جن میں سے ہر ایک نے باقی ماندہ کا تقریباً 20، 20 فیصد لے لیا، وہ تھوڑی بہت رقم جو افغانستان تک پہنچی وہ مغربی ایران سے لکڑی خریدنے میں استعمال ہو گئی، اور اس میں سے بہت سی اسماعیل خان کے ٹرکوں کے گروپ کو، بڑھتی ہوئی نقل وحمل کی قیمتیں ادا کرنے کیلئے ادا کی گئی۔ یہ بھی ایک حد تک ایک معجزہ تھا کہ اتنے بڑے حجم کے یہ لکڑی کے شہتیر گاؤں میں کسی طرح پہنچ گئے۔

جو کچھ افغانستان میں واقع ہوا، وہ کوئی الگ تھلگ واقعہ نہیں ہے۔ بہت سے مطالعہ جات

MashalBooks.org

کا اندازہ یہ ہے کہ صرف دس فیصد یا زیادہ سے زیادہ بیس فیصد امداد اپنے ہدف تک پہنچتی ہے۔ امدادی رقم کو یو این اور مقامی عہدیداروں کی طرف سے الگ کر لینے کے الزامات میں درجنوں تحقیقات چل رہی ہیں۔ لیکن غیر ملکی امداد سے ہونے والا بہت سا ضیاع فراڈ نہیں ہے، بلکہ محض نااہلی یا اس سے بھی بدتر ہے؛ امدادی تنظیموں کے لئے محض معمول کے مطابق کاروبار۔

درحقیقت امداد کا افغان تجربہ، دوسروں کے مقابلے میں غالباً ایک مستند کامیابی تھی، پچھلی پانچ دہائیوں کے دوران، پوری دنیا کی حکومتوں کو ''ترقیاتی امداد'' کے نام پر سینکڑوں ارب اخراجات اور بدعنوانی میں ضائع ہو گیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ بری بات یہ کہ اس کا بہت سا حصہ موبوتو جیسے آمروں کے پاس چلا گیا، جو اپنی حکومت کو سہارا دینے کے لئے اپنے قبیلے کی طرف سے حمایت خریدنے اور اپنے آپ کو مالا مال کرنے کیلئے، اپنے مغربی سرپرستوں کی بیرونی امداد پر بھروسہ کرتے تھے۔ باقی ماندہ زیریں صحارائی افریقہ کے بہت سے ممالک میں بھی تصویر یکساں ہی تھی۔ بحران کے وقتوں میں انسانی ہمدردی کی بنیاد وقتی تلافی کے لئے دی جانے والی امداد، مثال کے طور پر حال ہی میں، ہیٹی اور پاکستان کو دی جانے والی امداد، یقیناً زیادہ مفید رہی ہے، اگرچہ اس کی ترسیل میں بھی اسی طرح کے مسائل کی وجہ سے گڑبڑ ہوئی ہے۔

''ترقیاتی امداد'' کے اس غیر تسلی بخش ریکارڈ کے باوجود بیرونی امداد ان مقبول عام پالیسیوں میں سے ایک ہے جن کی سفارش مغربی حکومتیں، بین الاقوامی تنظیمیں، جیسا کہ اقوام متحدہ اور مختلف قسم کی این جی اوز دنیا بھر میں غربت کا مقابلہ کرنے کے ایک طریقے کے طور پر کرتی ہیں۔ اور بلاشبہ بیرونی امداد کی ناکامی کا چکر اپنے آپ کو بار بار دہراتا ہے۔ یہ تصور کہ زیریں صحارائی افریقہ، کریبین، وسطیٰ امریکا اور جنوبی ایشیا میں غربت کے مسئلے کو حل کرنے کیلئے مغربی ممالک کو ''ترقیاتی امداد'' کیلئے بڑی بڑی رقمیں دینی چاہئیں، غربت کے سبب کی غلط تفہیم کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔ افغانستان جیسے ملک اپنے استحصالی اداروں کی وجہ سے غریب ہیں۔ جن کا نتیجہ حقوق ملکیت امن وامان ایک عمدہ کام کرنے والے قانونی نظام کا فقدان، اور قومی اور اکثر اوقات مقامی اشراف کا سیاسی اور معاشی زندگی پر گلا گھونٹنے والا غلبہ ہوتا ہے۔ ان ادارہ جاتی مسائل کا مطلب ہے کہ بیرونی امداد غیر موثر ہوگی، کیونکہ یہ لوٹ مار کا شکار ہو جائے گی، اور ممکنہ طور پر ان جگہوں پر نہیں پہنچے کی جہاں اس کا پہنچنا مقصود ہے۔ بدترین معاملے کے منظرنامے میں، یہ ان حکومتوں کو سہارا دے

گی۔ جوان معاشروں کے مسائل کی جڑیں ہیں۔ اگر پائیدار ترقی کا دارومدار اشتمالی اداروں پر ہے، تو غالب استحصالی حکومتوں کو امداد دینا کوئی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، انسانی بنیادوں پر امداد سے بھی آگے، ان خصوصی پروگراموں سے خاصی بہتری برآمد ہوتی ہے، جو کہ ان علاقوں میں اسکول تعمیر کرتی ہے، جہاں پہلے اسکول نہیں تھے۔ اور جوان اساتذہ کو تنخواہیں ادا کرتی ہے، جو بصورت دیگر بغیر تنخواہ کے رہیں گے۔ جہاں امداد برادری کے بہت سے حصے نے جو افغانستان میں اُمڈ آئی تھی، عام افغانوں کی زندگی میں بہتری لانے کیلئے کچھ نہیں کیا، وہیں پر اسکولوں کی تعمیر میں قابل ذکر کامیابیاں ہوئی ہیں، خاص طور پر لڑکیوں کے لئے، جو طالبان کے تحت اور اس سے پہلے بھی، تعلیم سے بالکل محروم تھیں۔

ایک حل، جو حال ہی میں زیادہ مقبول عام ہو گیا ہے۔ جزوی طور پر اس ادراک پر مبنی کہ اداروں، کا خوشحالی، بلکہ امداد کی ترسیل سے بھی، کچھ تعلق ہے۔ امداد کو مشروط بنانا ہے۔ اس تصور کے مطابق مسلسل بیرونی امداد کو، وصول کنندہ حکومتوں کی طرف سے بعض شرائط کو پورا کرنے پر منحصر ہونا چاہئے۔ مثال کے طور پر، مارکیٹوں کو آزاد کرنے یا جمہوریت کی طرف پیش قدمی کرنے پر، جارج ڈبلیو بش کی انتظامیہ نے، اس قسم کی مشروط امداد کی طرف سب سے بڑا اقدام اٹھایا، ملینیم چیلنج اکاؤنٹس (Millennium Challenge Accounts) کا آغاز کر کے، جس نے مستقبل کی امداد کی ادائیگیوں کو، معاشی اور سیاسی ارتقا کی سمتوں میں متعدد مقداری بہتریوں پر منحصر کر دیا۔ لیکن مشروط امداد کا موثر پن بھی غیر مشروط امداد سے کچھ زیادہ بہتر نظر نہیں آتا۔ وہ ممالک جو ان شرائط کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں بھی، مخصوص طور پر اتنی ہی امداد وصول کرتے ہیں جتنی کہ وہ ممالک جو ان شرائط کو پورا کرتے ہیں۔ اس کی وجہ بڑی سادہ ہے؛ انہیں ترقیاتی یا انسانی ہمدردی کی، کسی بھی قسم کی، امداد کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور بڑی قابل پیش بینی بات ہے کہ، مشروط امداد کا کسی قوم کے اداروں پر بہت کم اثر ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ بہر حال، یہ بات کسی بھی شخص، جیسا کہ سیرالیون میں سیاکا سٹیونز اور کانگو میں موبوتو کیلئے بہت حیرت کی بات ہوگی، کہ وہ اچانک ان استحصالی اداروں کو جن پر ان کا انحصار ہے، محض تھوڑی سے مزید بیرونی امداد کی خاطر زمین بوس کر دیں گے۔ زیریں صحارائی افریقہ میں بھی، جہاں بیرونی امداد بہت سی حکومتوں کے کل بجٹ کی ایک اہم کسر ہوتی ہے، اور ملینیم چیلنج اکاؤنٹس کے بعد بھی، جس نے شرائط کی حدود وسیع کر دی ہیں،

بیرونی زائد امداد کی وہ رقم جو کوئی آمر اپنی طاقت کو ختم کرنے سے حاصل کر سکتا ہے، بہت کم بھی ہے، اور اس قابل نہیں ہے کہ اس کی خاطر ملک پر اس کے مسلسل اقتدار اور خود اس کی زندگی کے لئے خطرہ مول لیا جا سکے۔

لیکن اس سب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیرونی امداد، ماسوائے انسانی قسم کی کی امداد کے، بند کر دی جانی چاہئے۔ بیرونی امداد کو ختم کرنا ناممکن العمل ہے، اور ممکنہ طور پر مزید انسانی مصائب پر منتج ہو سکتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کیونکہ بہت سی مغربی اقوام کے شہری، دنیا بھر میں معاشی اور انسانی تباہیوں کے بارے میں بے چینی اور جرم کا احساس رکھتے ہیں، اور غیر ملکی امداد انہیں یہ محسوس کراتی ہے کہ مسائل کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کیا جا رہا ہے۔ خواہ یہ کچھ، زیادہ موثر نہ بھی ہو تو، بھی اسے کرنے کے لئے ان کی خواہش برقرار رہے گی، ، لہذا بیرونی امداد بھی برقرار رہے گی۔ بین الاقوامی تنظیموں اور این جی اوز کا بھاری بھرکم مربوط سلسلہ بھی، موجودہ صورت حال کو برقرار رکھنے کے لئے اور وسائل کو متحرک کرنے کا غیر مختتم مطالبہ جاری رکھے گا۔ نیز غریب ترین قوموں کو دی جانے والی امداد کو ختم کر دینا بے رحمانہ ہوگا۔ ٹھیک ہے کہ اس کا بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ہر ڈالر میں سے 10 سینٹ بھی دنیا میں غریب ترین لوگوں تک پہنچ جاتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ غربت کو کم کرنے کے لئے ان کے پاس پہلے جو کچھ آتا، یہ اس کا دس سینٹ زائد ہے، اور یہ پھر بھی کچھ نہ ہونے سے بہتر ہوگا۔

یہاں دو اہم اسباق ہیں۔ اول، بیرونی امداد، آج دنیا بھر میں قوموں کی ناکامی سے نمٹنے کا کوئی بہت موثر طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس سے بہت دور ہے۔ ملکوں کو غربت کے چکر سے نکلنے کیلئے اشتمالی اداروں کی ضرورت ہے۔ بیرونی امداد اس سلسلے میں مخصوص طور پر کچھ نہیں کر سکتی، اور اس طریقے سے تو یقیناً نہیں جس طریقے سے اسے اب منتظم کیا جاتا ہے۔ دنیا کی خوشحالی اور غربت کی جڑوں کا ادراک کرنا اہم ہے، ٹھیک اس وجہ سے کہ ہم اپنی امیدوں کو غلط وعدوں پر موکوز نہ کر لیں۔ کیونکہ یہ جڑیں اداروں کے اندر ہیں، لہذا، بیرونی امداد جو وصول کنندہ قوموں میں اس وقت کے اداروں کے ڈھانچے میں، پائیدار ترقی کو متحرک کرنے کے لئے بہت ہی کم کچھ کر سکے گی۔ دوم، چونکہ اشتمالی معاشی اور سیاسی اداروں کی ترقی ہی اس کی کنجی ہے۔ لہذا بیرونی امداد کے موجودہ بہاؤ کو، ایسی ترقی کو سہل بنانے کے لئے کم از کم جزوی طور پر استعمال کرنا مفید ہوگا۔

MashalBooks.org

جیسا کہ ہم نے دیکھا، یہاں شرائط عائد کرنا اتنا اس کا حل نہیں ہے، جتنا کہ موجودہ حکمرانوں کا رعایات دینا ضروری ہے۔ غالباً اس کی بجائے۔ بیرونی امداد کو اس طرح تشکیل دینا کہ، ایسے گروپوں اور رہنماؤں کو فیصلہ سازی کے عمل میں لانا، جو اقتدار سے باہر ہیں، اور ایک وسیع آبادی کے حصے کو بااختیار بنانا ایک بہتر امکان ہوگا۔

عطائے اختیار

12 مئی 1978 کو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ، برازیل کی ریاست ساؤ پاولو میں ساؤ برنارڈو کے شہر میں سکانیا ٹرک کے کارخانے میں یہ ایک معمول کا دن ہوگا۔ لیکن کارکن بے چین تھے، برازیل میں 1964 سے لے کر جب فوج نے صدر جاؤ گولارٹ کی جمہوری حکومت کا تختہ الٹا، ہڑتالوں پر پابندی لگادی گئی تھی۔ لیکن یہ خبریں باہر آ گئی تھیں کہ حکومت قومی افراط زر کے اعداد وشمار میں گڑبڑ کررہی تھی، تاکہ اخراجات زندگی کا تخمینہ کم لگایا جاسکے۔ جونہی صبح کے سات بجے کی شفت شروع ہوئی، کارکنوں نے اپنے اوزار رکھ دیئے۔ صبح کے آٹھ بجے، گلسن مینیزز(Gilson Menezes) نے جو کہ کارخانے میں کام کرنے والا، یونین کا منتظم تھا، یونین کو بلالیا، ساؤ برنارڈو کے دھات کے کارکنوں کا صدر لوئز اناشیو لولا ڈا سلیوا(Luiz Inacio, Lula da Silva)(لولا) نامی ایک تنتیس سالہ فعال کارکن تھا۔ دوپہر تک لولا کارخانے میں تھا، جب کمپنی نے اسے کہا کہ وہ ملازمین کو کام پر واپس جانے کی ترغیب دے، تو اس نے انکار کردیا۔

سکانیا کی ہڑتال، ہڑتالوں کی اس لہر کی پہلی ہڑتال تھی، جو پورے برازیل میں پھیل گئیں، بظاہر یہ اجرتوں کے معاملے پر تھیں، لیکن جیسا کہ لولا نے بعد میں تحریر کیا۔

میرا خیال ہے کہ ہم معاشی اور سیاسی عوامل کو علیحدہ علیحدہ نہیں کرسکتے۔۔۔ یہ جدوجہد اجرتوں پر تھی، لیکن اجرتوں کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے کارکن طبقے نے ایک سیاسی فتح حاصل کرلی۔

برازیل کی مزدوروں کی تحریک کا احیا، ڈیڑھ دہائی کے فوجی راج کے خلاف ایک وسیع تر سماجی ردعمل کا محض ایک حصہ تھا۔ بائیں بازو کے دانش ور فرنانڈو ہنریک کاردوسو (Fernando Henrique Cardoso) جس کے مقدر میں، لولا کی طرح برازیل میں جمہوریت کی تخلیق نو کے بعد صدر بننا لکھا تھا، نے 1973 میں یہ استدلال کیا، کہ برازیل میں جمہوریت کی تخلیق ان بہت سے

سماجی گروپوں کے ہاتھوں ہوگی، جو اکٹھے ہو کر فوج کی مخالف کریں گے۔ اس نے کہا کہ جس چیز کی ضرورت تھی وہ "عام معاشرے کا دوبارہ احیا تھا۔۔۔ پیشہ ورانہ انجمنوں کا، ٹریڈ یونینوں کا، گرجاؤں کا، طلبہ تنظیموں کا، مطالعاتی گروپوں کا، اور مباحثاتی حلقوں کا، سماجی تحریکوں کا، دوسرے لفظوں میں، جمہوریت کے احیا، اور برازیلین معاشرے کو تبدیل کرنے کے مقصد سے، ایک وسیع اتحاد کا۔

سکانیا فیکٹری اس اتحاد کی تشکیل کی نقیب ثابت ہوئی۔ 1978 کے اواخر میں، لولا، ایک نئی سیاسی جماعت، ورکرز پارٹی کی تخلیق کا تصور پیش کررہا تھا۔ تاہم یہ محض ٹریڈ یونین والوں کی پارٹی نہیں ہونی تھی۔ لولا نے اس بات پر زور دیا کہ یہ تمام اجرتی لوگوں اور عام غریب آدمیوں کی جماعت ہونی چاہئے۔ اب یونین کے رہنماؤں کی ایک سیاسی کو تشکیل دینے کی کوششوں نے ان بہت سی سماجی تحریکوں کے ساتھ اتحاد کرنا شروع کردیا جو اس وقت ابھر رہے تھے۔ 18 اگست 1979 کو، ساو پاولو میں ورکرز پارٹی کی تشکیل کیلئے ایک اجلاس منعقد ہوا، جس نے سابقہ حزب اختلاف کے رہنما سیاستدانوں، یونین کے رہنماؤں، طلبہ، دانش وروں اور ان ایک سو متنوع سماجی تحریکوں کی نمائندگی کرنے والے لوگوں جو، 1970 کی دہائی میں پورے برازیل میں منظم ہونا شروع ہوگئی تھیں، کو ایک ساتھ جمع کیا۔ ورکرز پارٹی جس کا آغاز، ساؤ برنارڈو کے ساؤ جوڈ اس ٹاڈیو میں 1979 کے اکتوبر میں ہوا، ان تمام گروپوں کی نمائندگی کرنے والی تھی۔

اس پارٹی نے تیزی سے، اس سیاسی افتتاح سے فائدہ اٹھانا شروع کردیا، جسے منظم کرنے میں فوج ہچکچا رہی تھی۔ 1982 کے مقامی انتخابات میں اس نے پہلی مرتبہ اپنے امیدوار میدان میں اتارے، اور دو میئروں کے انتخابات جیت لئے۔ 1980 کی پوری دہائی میں، جب جمہوریت برازیل میں بتدریج بحال ہورہی تھی، ورکرز پارٹی نے زیادہ سے زیادہ مقامی حکومتوں کو سنبھالنا شروع کردیا۔ 1988 میں اس نے چھتیس میونسپل کمیٹیوں میں حکومتیں حاصل کرلیں، بشمول بڑے شہروں جیسا کہ ساؤ پاؤلو اور پورٹو ایلیگرے کے۔ 1989 میں، فوجی انقلاب سے لے کر اب تک ہونے والے پہلے صدارتی انتخاب میں لولا نے پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے پہلے راونڈ میں 16 فیصد ووٹ حاصل کیے۔ فرنانڈ کولر کے ساتھ فیصلہ کن مقابلے میں اس نے 44 فیصد حاصل کئے۔

بہت سی مقامی حکومتوں کا اقتدار سنبھالنے میں، ایک ایسی چیز جو 1980 کی دہائی میں بہت تیز ہوگی، ورکرز پارٹی نے، بہت سی مقامی سماجی تحریکوں کے ساتھ ہم زیستی کا تعلق شروع کردیا۔

MashalBooks.org

پورٹو ایلگرے میں ورکرز پارٹی کی پہلی انتظامیہ نے 1988 کے بعد ''شراکتی میزانیہ سازی'' متعارف کروائی، جو شہر کی اخراجات کی ترجیحات کی قانون سازی میں عام شہریوں کو شامل کرنے کا ایک میکانیہ تھا۔ اس نے ایک ایسا نظام تخلیق کیا، جو مقامی حکومتوں کی ذمہ واری اور جوابدہی کے لئے ایک عالمی نمونہ بن گیا ہے، اور یہ شہر میں عوامی خدمات کی فراہمی اور زندگی کے معیار میں عظیم بہتریوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ مقامی سطح پر پارٹی کے حکمرانی کا میاب ڈھانچہ عظیم تر سیاسی تحرک اور قومی سطح پر کامیابی کا نقشہ بنا۔ اگرچہ لولا، 1994 اور 1998 کے صدارتی انتخابات میں فرنانڈو ہنریک کارڈوسو سے ہار گیا، لیکن وہ 2002 میں برازیل کا صدر منتخب ہوگیا۔ اس وقت سے لے کر اب تک ورکرز پارٹی اقتدار میں ہے۔

برازیل میں، متنوع سماجی تحریکوں اور منظم مزدوروں کے قریب آنے کے نتیجے میں ایک وسیع تر اتحاد کی تشکیل کا برازیل کی معیشت پر ایک نمایاں اثر ہوا۔ 1990 سے لے کر معاشی ترقی تیز ہوگئی ہے، اس طرح کہ غربت کا شکار آبادی کا تناسب 45 فیصد سے گر کر 2006 میں تیس فیصد تک آ گیا ہے۔ وہ ناہمواری جو فوج کے تحت تیزی سے بڑھی، بہت تیزی سے گر گئی ہے، خاص طور پر ورکرز پارٹی کے اقتدار سنبھالنے کے بعد، اور تعلیم میں بھی بہت زیادہ توسیع ہوئی ہے، اس طرح کہ آبادی کے اسکول کے اوسط سالوں کی مقدار، جو 1995 میں چھ تھی 2006 میں بڑھ کر آٹھ ہوگئی ہے۔ اب برازیل برک (BRIC) قوموں (برازیل، روس، ہندوستان اور چین) کا ایک حصہ بن گیا ہے، درحقیقت ایک پہلا ایسا لاطینی ملک جس کا بین الاقوامی سفارتی حلقوں میں کچھ وزن ہے۔

1970 کی دہائی سے لے کر برازیل کا عروج بین الاقوامی اداروں کے ایسے ماہرین معاشیات کی اختراع نہیں تھا، جنہوں نے، بہتر پالیسیاں بنانے اور مارکیٹ کی ناکامیوں سے بچنے کے بارے میں، برازیل کے پالیسی سازوں کو ہدایات دی ہوں۔ یہ بیرونی امداد کے ٹیکوں سے حاصل نہیں کیا گیا۔ یہ جدت کاری کا فطری نتیجہ بھی نہیں تھا۔ بلکہ، یہ ایسے لوگوں کے متنوع گروپوں کا نتیجہ تھا۔ جنہوں نے جرأت مندانہ طور پر اشتمالی ادارے تعمیر کئے۔ بلکہ برازیل کی کایا کلپ، سترھویں صدی میں انگلستان کی کایا کلپ کی طرح، اشتمالی سیاسی اداروں کی تخلیق سے شروع ہوئی۔ لیکن معاشرہ اشتمالی سیاسی ادارے کیسے تعمیر کرسکتا ہے؟۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، تاریخ ایسی اصلاحی تحریکوں سے بھری پڑی ہے، جنہوں نے

امراشاہی کے آہنی قانون کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور استحصالی اداروں کے ایک سیٹ کی جگہ اس بھی زیادہ تباہ کن ادارے لا کھڑے کئے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ انگلستان نے 1688 میں، فرانس نے 1789 میں اور جاپان نے 1868 کے میجی بحالی کے دوران، ایک سیاسی انقلاب کے ساتھ اشتمالی سیاسی ادارے تشکیل دینے کا عمل شروع کیا، لیکن ایسے سیاسی انقلابات عموماً بہت زیادہ تباہی اور مشکلات پیدا کرتے ہیں، اور ان کی کامیابی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ بولشویک انقلاب نے اپنے ہدف کی مشہوری اس طرح سے کی کہ یہ زار کے روش کے استحصالی معاشی نظام کی جگہ ایک زیادہ منصفانہ اور اہل نظام لائے گا جو لاکھوں روسیوں کے لئے آزادی اور خوشحالی لائے گا۔ افسوس، نتیجہ اس کے الٹ تھا، اور ان اداروں کی جگہ جن کی حکومت کا تختہ بولشویک نے الٹا تھا، ان سے کہیں زیادہ جابرانہ اور استحصالی اداروں نے لے لی۔ چین کیوبا اور ویت نام میں بھی تجربات یکساں ہی تھے۔ بہت سی غیر کمیونسٹ، بلحاظ مراتب اصلاحات نے بھی کوئی بہتر کارکردگی نہیں دکھائی۔ ناصر نے مصر میں ایک جدید مساوات بردار معاشرہ تعمیر کرنے کا وعدہ کیا، لیکن یہ محض حسنی مبارک کی بدعنوان حکومت پر منتج ہوا، جیسا کہ ہم نے باب 13 میں دیکھا۔ رابرٹ موگابے بہت سے لوگوں کی نظر میں ایک ایسا آزادی کا جنگجو تھا، جس نے ایان سمتھ کونسل پرست اور انتہائی استحصالی روڈیشیائی حکومت کو نکال باہر کیا۔ لیکن اس زمبابوے کے ادارے اس سے قطعاً کم استحصالی نہ ہوتے، اور اس کی معاشی کارکردگی آزادی سے پہلے کی نسبت بھی مزید خراب رہی۔

جو چیز ان سیاسی انقلابات میں جنہوں نے، کامیابی سے شمالی امریکہ، انگلستان میں انیسویں صدی میں اور بوٹسوانا میں آزادی کے بعد۔ کہ اس نے بھی اشتمالی سیاسی اداروں کی قابل ذکر پختگی کی راہ دکھائی۔ زیادہ اشتمالی اداروں کی راہ ہموار کی، جو چیز مشترک تھی، وہ یہ ہے کہ وہ معاشرے کے ایک خاصے وسیع نمائندہ نمونے کو با اختیار بنانے میں کامیاب ہوئے۔ تکثیریت، جو کہ اشتمالی سیاسی اداروں کا بنیادی پتھر ہے۔ یہ تقاضا کرتا ہے کہ سیاسی اختیار معاشرے میں وسیع پیمانے پر موجود ہو، اور ان استحصالی اداروں سے آغاز کر کے جو اقتدار کو ایک مختصر اشرافیہ میں مرکوز کر دیتے ہیں، یہ با اختیار بنانے کے عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے باب 7 میں زور دیا، یہ وہ چیز ہے جو شاندار انقلاب کو، ایک اشرافیہ کے دوسری اشرافیہ کے تختہ الٹنے سے، ممتاز کرتی ہے۔ شاندار انقلاب کے معاملے میں، تکثیریت کی جڑیں، جیمز دوم کے تختہ الٹنے کے اس انقلاب میں تھیں،

MashalBooks.org

جس کی قیادت تاجروں، صنعتکاروں، شرفا، اور انگریزی اشرافیہ کے ان بہت سے ارکان جو تاج سے وابستہ نہیں تھے۔ پر مشتمل ایک وسیع تر اتحاد کے ہاتھوں میں تھی۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، شاندار انقلاب کو ایک وسیع تر اتحاد کو پہلے سے متحرک کرنے اور بااختیار بنانے کی سہولت کاری حاصل تھی۔ اور زیادہ اہم بات کہ، یہ چیز پہلے کی نسبت ایک مزید وسیع تر معاشرے کے حصے کو بااختیار بنانے پر منتج ہوئی۔ اگرچہ واضح طور پر معاشرے کا یہ حصہ پورے معاشرے کی نسبت بہت ہی کم وسیع تھا، اور انگلستان کو ابھی مزید دوسو سال تک حقیقی سے بہت دور رہنا تھا۔ شمالی امریکہ کی نوآبادیات میں بھی، اشتمالی اداروں کے ظہور کی طرف رہنمائی کرنے والے عوامل ایسے ہی تھے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے باب میں دیکھا، ایک مرتبہ پھر، راستہ ورجینیا سے شروع ہوا؛ کیرولینا، میساچوسٹس اور اعلان آزادی کی طرف جاتے ہوئے، ریاستہائے متحدہ امریکا میں اشتمالی اداروں کے استحکام کی طرف، اور پھر معاشرے کے وسیع تر حصے کو زیادہ سے زیادہ بااختیار بنانے پر منتج ہوا۔

فرانسیسی انقلاب بھی، معاشرے کے ایک وسیع تر حصے کو بااختیار بنانے کی ایک مثال ہے، جو فرانس میں آن شاں رجیم (Ancien regime) (قدیم حکومت) کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، اور اس نے زیادہ تکثیری سیاسی نظام کیلئے راستہ ہموار کرنے کا اہتمام کیا۔ لیکن انقلاب فرانس خاص طور پر روبز پیئر (Robespierre) کے تحت دہشت کا وقفہ، جو کہ ایک جابر اور قاتل حکومت تھی، اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ بااختیار بنانے کا عمل بھی بغیر اس کے پوشیدہ خطرات کے نہیں ہے۔ تاہم، بالآخر روبز پیئر اور اس کے جیکو بن جتھوں کو ایک طرف الگ کر دیا گیا، اور انقلاب فرانس کی اہم ترین وراثت گلا کاٹ مشین نہیں، بلکہ وہ دوراس اصلاحات نہیں، جنہیں انقلاب نے فرانس اور یورپ کے دوسرے حصوں میں نافذ کیا۔

بااختیار بنانے کے ان تاریخی مظاہر، اور اس کے درمیان جو کچھ برازیل میں 1970 کی دہائی میں ہوا، بہت سی مماثلتیں ہیں، اگرچہ ورکرز پارٹی کا ایک راستہ ٹریڈ یونین کی تحریک ہے، ٹھیک اس کے ابتدائی ایام سے لے کر، لولا کی طرح کے رہنماؤں نے، بہت سے دانشوروں اور ان حزب اختلاف کے سیاستدانوں کے ہمراہ جنہوں نے پارٹی کو اپنی حمایت مہیا کر۔ اسے ایک وسیع تر اتحاد بنانے کی کوشش کی یہ لہریں، پورے ملک میں مقامی سماجی تحریکوں کے ساتھ گھلنے ملنے لگیں، جب پارٹی نے مقامی حکومتوں کا اختیار سنبھالا، شہری شراکت کی جو حوصلہ افزائی کرتے

ہوئے، اور پورے ملک میں ایک طرح کے حکمرانی کے انقلاب کی طرح ڈالتے ہوئے۔ برازیل میں۔ سترھویں صدی کے انگلستان یا اٹھارویں صدی کے آغاز کے فرانس کے مقابلے میں، کوئی ایسا اساسی انقلاب نہیں تھا جو ایک ہی ہلے میں سیاسی اداروں کے کایا کلپ کے عمل کا آغاز کر دیتا۔ لیکن بااختیار بنانے کا عمل جو ساؤ برنارڈو کے کارخانوں میں شروع ہوا۔ جزوی طور پر اس وجہ سے کامیاب ہوا، کیونکہ یہ قومی سطح پر بنیادی سیاسی تبدیلی میں منتقل ہو گیا۔ مثال کے طور پر فوجی راج سے تبدیل ہو کر جمہوریت میں۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ، برازیل میں ابتدائی سطح پر بااختیار بنانے کے عمل نے اس بات کو یقینی بنا دیا کہ جمہوریت کی طرف تبدیلی، اشتمالی سیاسی اداروں کی طرف تبدیلی کے ساتھ ہم آہنگ ہو گئی، اور اس طرح یہ ایک ایسی حکومت کے ظہور میں ایک بنیادی عامل تھی، جو عوامی خدمات، تعلیمی توسیع اور ایک حقیقی طور پر ہموار میدان عمل کے مہیا کرنے کیلئے پر عزم تھی۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ جمہوریت اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہاں تکثیریت بھی ہوگی۔ برازیل میں تکثیری اداروں کے ارتقا کا، وینزویلا کے تجربے سے موازنہ اس سلسلے میں فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ وینزویلا نے بھی 1958 کے بعد جمہوریت کی طرف پڑی بدلی، لیکن یہ چیز ابتدائی، سطح پر اختیارات کی منتقلی کے بغیر واقع ہوئی، اور اس نے سیاسی اختیارات کی تکثیری تقسیم کو جنم نہ دیا، اس کی بجائے، بدعنوان سیاست، سرپرستی کے مربوط نظام، اور کشمکش وینزویلا میں برقرار رہے، اور جزوی طور پر اس کے نتیجے میں، جب ووٹر، ووٹ ڈالنے گئے، تو وہ ہیوگو شاویز جیسے طاقتور آمروں کی حمایت کرنے پر بھی تیار تھے، ممکنہ طور پر اس وجہ سے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اکیلا وہی ہے جو وینزویلا کے مضبوط اشراف کے سامنے کھڑا ہو سکتا تھا۔ اس کے نتیجے میں وینزویلا ابھی تک استحصالی اداروں کے تحت رینگ رہا ہے، جبکہ برازیل نے سانچے کو توڑ دیا ہے۔

بااختیار بنانے کے عمل کو چالو کرنے یا محض اس میں سہولت کاری پیدا کرنے، اور اس طرح اشتمالی سیاسی اداروں کو پروان چڑھانے کیلئے کیا جا سکتا ہے؟ یقیناً اس کا دیانت دارانہ جواب یہ ہے کہ ایسے اداروں کو تعمیر کرنے کا کوئی نسخہ نہیں ہے۔ فطری طور پر کچھ واضح عوامل ایسے ہیں جو بااختیار بنانے کے عمل کیلئے کامیاب ابتدا کرنے کو زیادہ ممکن بنا دیں گے۔ ان میں کسی حد تک مرکزی نظم وضبط کی موجودگی شامل ہے، تاکہ وہ سماجی تحریکیں جو موجودہ حکومتوں کو چیلنج کریں گی، فوری طور پر لاقانونیت پر نہ اتر آئیں؛ کچھ پہلے سے موجود سیاسی اداروں کی موجودگی، جو کچھ نہ کچھ

MashalBooks.org

تکثیریت کو متعارف کروائیں، جیسا کہ بوٹسوانا میں روایتی سیاسی ادارے تھے۔ تاکہ وسیع اتحاد تشکیل پاسکے اور برقرار رہ سکے۔ اور شہری معاشرے کے اداروں کی موجودگی جو آبادی کے مطالبات کو مربوط کرسکیں تاکہ اختلافی تحریکوں کو نہ تو آسانی سے موجودہ اشراف کی طرف سے کچھ لایا جاسکے، نہ ہی ناگیزیر طور پر کسی دوسرے گروپ کے ایک سہارے کے طور پر استعمال کیا جاسکے، جو موجودہ استحصالی اداروں کا کنٹرول سنبھال لے۔ لیکن ان میں سے بہت سے عوامل تاریخی طور پر پہلے سے متعین ہوتے ہیں اور بہت آہستہ سے تبدیل ہوتے ہیں۔ برازیل کی مثال اس بات کی وضاحت کرتی ہے، کہ شہری معاشرے کے ادارے اور ان سے متعلق پارٹی کی تنظیمیں کس طرح زمین سے اوپر اٹھائے جاسکتے ہیں، لیکن یہ عمل سست ہوتا ہے، اور مختلف حالات میں یہ کس طرح کامیاب ہوسکتا ہے اچھی طرح نہیں سمجھا سکتا۔

ایک اور عامل یا عاملین کا ایک سیٹ، بااختیار بنانے کے عمل میں تبدیل کنندہ کا کردار ادا کر سکتا ہے: ذرائع ابلاغ معاشرے کو بڑے پیمانے پر بااختیار بنانے کو بغیر اس چیز کے وسیع پیمانے پر علم کے کہ آیا صاحبان اقتدار کی طرف سے معاشی اور سیاسی خرابیاں موجود ہیں، مربوط کرنا اور قائم رکھنا مشکل ہے۔ ہم نے باب 11 میں ریاستہائے متحدہ میں ان قوتوں کے خلاف جو اشتمالی اداروں کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں عوام کو باخبر رکھنے اور ان کے مطالبات کو مربوط کرنے میں ذرائع ابلاغ کے کردار کا جائزہ لیا تھا۔ ذرائع ابلاغ معاشرے کے وسیع حصے کے بااختیار ہونے کو، پائیدار سیاسی اصلاح کے رخ پر لگانے میں ایک اہم کردار ادا کرسکتے ہیں، ایک دفعہ پھر جیسا کہ باب 11 میں ہماری بحث میں وضاحت کی گئی، خاص طور پر برطانوی جمہوریت سازی کے تناظر میں۔

انگلستان میں شاندار انقلاب، انقلابِ فرانس ، اور انیسویں صدی کے برطانیہ میں جمہوریت کی طرف پیشرفت کے دوران، لوگوں کو باخبر کرنے اور متحرک کرنے والے پمفلٹوں اور کتابوں نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح ذرائع ابلاغ، خاص طور پر معلومات اور رسل ورسائل کی ٹیکنالوجی میں پیشرفتوں میں نئی شکلوں، جیسا کہ ویب بلاگ، گمنام گپ شپ، فیس بک، اور ٹوئیٹر، نے 2009 میں احمدی نژاد کے جعلسازی والے انتخاب اور اس کے بعد کے جبر کے خلاف ایرانیوں کی مزاحمت میں اہم کردار ادا کیا، اور اسی طرح یہ عرب بہار کے احتجاجیوں میں بھی

مرکزی کردار ادا کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، جو اس وقت جب یہ مسودہ مکمل کیا جارہا ہے، جاری ہیں۔

آمرانہ حکومتیں عام طور پر آزاد ذرائع ابلاغ کی اہمیت سے آگاہ ہوتی ہیں، اور اس کے خلاف مزاحمت کرنے کی اپنی بھرپور کوشش کرتی ہیں اس کی ایک غایت درجے کی مثال پیرو میں البرٹو فیوجی موری(Alberto FujiMori) کی حکومت کی ہے۔ اگرچہ وہ بنیادی طور پر جمہوری طریقے سے منتخب ہوا، لیکن جلد ہی اس نے پیرو میں ایک آمرانہ نظام قائم کردیا، اور جب کہ ابھی وہ اقتدار میں ہی تھا، اس نے 1992 میں ایک انقلاب کو دعوت دے دی۔ لہٰذا اگرچہ، انتخابات جاری رہے، لیکن فیوجی موری نے ایک بدعنوان حکومت قائم کی، اور جبر اور رشوت کے ذریعے حکومت کرنے لگا۔ اس میں اس نے اپنے قریبی قابل اعتبار ساتھی والڈیمیرو مونٹے سی نوز (Vladimiro Montesinos) پر بہت زیادہ انحصار کیا، پیرو کی طاقتور قومی انٹیلی جنس سروس کا سربراہ تھا۔ مونٹے سی نوز ایک بہت منظّم شخص تھا۔ لہٰذا وہ اس چیز کا اچھا ریکارڈ رکھتا تھا کہ مختلف افراد کی وفاداریاں خریدنے کیلئے انتظامیہ کتنے پیسے ادا کرتی تھی یہاں تک کہ وہ بہت سے رشوت کے حقیقی اقدامات کی وڈیو ٹیپس بھی رکھتا تھا۔ اس کی ایک منطق تھی۔ محض ریکارڈ رکھنے سے زیادہ یہ شہادت یہ یقین دہانی کراتی تھی کہ شرکائے سازش اب ریکارڈ پر تھے، اور وہ بھی اتنے ہی مجرم سمجھے جائیں گے جتنے کہ فیوجی موری اور مونٹے سی نوز۔ حکومت کے گرنے کے بعد یہ ریکارڈ صحافیوں اور حکام کے ہاتھ آگئے۔ یہ رقمیں، آمریت کے نزدیک ذرائع ابلاغ کی قدرو قیمت کا انکشاف کرتے ہیں۔ ایک سپریم کورٹ کا جج 5000 اور 10,000 ڈالر ماہانہ کے قابل تھا، اور اس پارٹی یا مختلف پارٹیوں کے سیاستدانوں کو بھی تقریباً اتنی ہی رقم ادا کی جاتی تھی۔ لیکن جب اخبارات اور ٹی وی سٹیشنوں کی بات آتی تو رقمیں ملینز میں ہوتیں۔ فیوجی موری اور مونٹے سی نوز نے ایک موقع پر 9 ملین ڈالر اور ایک دوسرے موقع پر 10 ملین ڈالر ٹی وی سٹیشنوں کو کنٹرول کرنے کے لئے دیئے۔ انہوں نے ایک اخبار کو ایک ملین سے زیادہ اور دوسرے اخبارات کو 3000 ڈالر سے لے کے آٹھ ہزار ڈالر تک فی سرخی ادا کرتے تھے۔ فیوجی موری اور مونٹے سی نوز یہ سمجھتے تھے کہ ذرائع ابلاغ کر کنٹرول کرنا، سیاستدانوں اور ججوں کو کنٹرول کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ مونٹے سی نوز کے ایک قریبی بااعتماد ساتھی، جنرل بیلو (General Billo) نے اس کا خلاصہ اپنی ایک وڈیو میں یوں بیان کیا ”اگر ہم

MashalBooks.org

ٹیلیویژن پر کنٹرول نہیں کرتے تو ہم کچھ بھی نہیں کرتے''۔

چین میں موجودہ استحصالی ادارے بنیادی طور پر چینی حکام کے ذرائع ابلاغ پر کنٹرول پر منحصر ہیں، جو جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، خوفناک حد تک ترقی یافتہ ہو گئے ہیں، جیسا کہ ایک چینی مبصر نے خلاصہ پیش کیا، ''سیاسی اصلاحات میں پارٹی کی قیادت کی پشت پناہی کرنے کے لئے، تین اصولوں کو اپنایا جانا چاہئے؛ یہ کہ پارٹی مسلح افواج کو کنٹرول کرے۔''

لیکن یقیناً آزاد ذرائع ابلاغ اور رسل رسائل کی نئی ٹیکنولوجیاں، صرف تھوڑی بہت مدد ہی کر سکتی ہیں، معلومات بہم پہنچاتے ہوئے اور ان لوگوں کے مطالبات اور اقدامات کو مربوط کرتے ہوئے، جو زیادہ اشتمالی اداروں کے لئے مسابقت کر رہے ہیں۔ ان کی مدد ایک بامعنی تبدیلی میں صرف اس وقت منتقل ہوگی، جب معاشرے کے وسیع طبقات سیاسی تبدیلی کو موثر کرنے کے لئے متحرک اور منظّم ہوں گے، اور ایسا محض فرقہ ورانہ وجوہات کی بنا پر نہیں کریں گے، نہ ہی استحصالی اداروں کا کنٹرول سنبھالنے کیلئے، بلکہ استحصالی اداروں کو زیادہ اشتمالی اداروں میں تبدیل کرنے کے لئے۔ آیا ایسا عمل جاری ہوگا اور مزید عطائے اختیار کے لئے اور بالآخر استوار سیاسی اصلاح کے لئے دروازہ کھولے گا، جیسا کہ ہم نے مختلف مثالوں میں دیکھا، معاشی اور سیاسی اداروں کی تاریخ پر، ان چھوٹے اختلافات پر جو اہم ہیں، اور تاریخ کے حادثاتی راستے پر منحصر ہوگا۔

اظہارِ تشکّر

یہ کتاب پندرہ سال کی باہمی تعاون کی تحقیق کا نتیجہ ہے، اور اس دوران میں ہم نے بہت سارے علمی اور ذہنی قرض جمع کئے ہیں۔ ہم پر سب سے بڑا قرض ہمارے طویل المدتی معاون سائمن جانسن (Simon Johnson) کا ہے، جنہوں نے بہت سے اہم سائنسی مقالہ جات میں اشتراک کیا، جنہوں نے تقابلی معاشی ترقی کی ہماری تفہیم کی صورت گری کی۔

ہمارے دوسرے مشترک مصنفین نے، جن کے ساتھ ہم نے متعلقہ تحقیقی منصوبوں پر کام کیا ہے، ہمارے خیالات کے ارتقا میں اہم کردار ادا کیا، اور اس حیثیت میں ہم خصوصی طور پر درج ذیل کا شکریہ ادا کرتے ہیں، فلپ آگیون، ژاں ماری بالاند، ماریا اینجلیکا باؤسٹا، ڈیوڈ کینٹونی، اسائیاس شاویز، جوناتھن کوننگ، میلیسا ڈیل، جیارجی ایگوروف، لیو پولڈو فرگوسن، کیمیلو گارشیا۔ جمینو، طارق حسن، سباسچین مازوگا، جیفری نوجنٹ، نیل پارسنز، سٹیو پنکس، پبلو کوئیروبین، رفائیل سانتوز، کونسٹائین سورن، ڈیوڈ ٹکی، رنگار ٹاروک، جوان فرنانڈو وارگاس، تھیری ورڈئیر، اینڈری ونڈگنی، ایلیکس وولٹنز کی، پیئر یارڈ اور فبیر یزیوٹو زلبوٹی۔

بہت سے دوسرے لوگوں نے، کئی سالوں کے دوران، ہماری حوصلہ افزائی کرتے، ہمیں چیلنج کرنے اور ہم پر تنقید کرنے میں اہم کردار ادا کئے۔ ہم خاص طور پر ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنا پسند کریں گے؛ لی آلسٹن، ابھی جیت بینرجی، رابرٹ بیٹیس، ٹموتھی بیسلے، جان کولٹس ورتھ، جیرڈ ڈائیمنڈ، رچرڈ ایسٹرلین، سٹینلے اینگرمین، پیئر ایونز، جیب فرائیڈن، پیئر کاروے وچ، سٹیفن ہیبر، مارک ہیبر یسن، الحنان ہیلپ مین، پیئر لنڈرٹ، کارل اووموئین، ڈانی راڈرک اور بیری

MashalBooks.org

وائن گاسٹ۔

دولوگوں نے، ہمارے خیالات کی صورت گری کرنے اور ہماری تخلیق کی حوصلہ افزائی کرنے کے سلسلے میں خصوصی طور پر اہم کردار ادا کیا، اوراس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے بارے میں ہمارے ذہنی قرض، اور مخلصانہ شکریہ کا اظہار کرنا پسند کریں گے۔ جوئیل موکائز اور کین سکولوف، جو بدقسمتی تے اس کتاب کے لکھے جانے سے پہلے وفات پا گئے کا شکریہ ادا کرنا چاہیں گے، ہم دونوں کین کی شدید کمی محسوس کرتے ہیں۔

ہم ان دانشوروں کے بھی بہت ممنوں ہیں، جنہوں نے اس کانفرنس میں شرکت کی، جو ہم نے ہارورڈ میں انسٹیٹیوٹ فار کوانٹی ٹیٹوسوشل سائنس (Institute for Quantitative Social Science) میں فروری 2010 میں، اپنی کتاب کے مسودے کے ابتدائی متن پر منعقد کی۔ ہم خاص طور پر شریک منتظمین، جم الیٹ اور کین شیپسل، کا اور کانفرنس میں بحث کے شرکا کا شکریہ ادا کریں گے: رابرٹ ایلین، ابھی جیت بینرجی، رابرٹ بیٹس، سٹینلے اینگرمین، کلاڈ گولڈن، الحنان ہیلپ مین، جوئیل موکائر، ایان موریس، سوویٹ پامک، سئیوپنکس، اور پیٹر ٹیمن کا۔ ہم ان لوگوں کے بھی شکرگزار ہیں، میلیسا ڈیل، جیس فرنانڈیز ولاورڈ، سانڈورلیزلو، سریش نائڈو، راجراوون، ڈان ٹریفلر، مائیکل والٹن، نوآم لئیٹمن کے، جنہوں نے ہمیں کانفرنس کے موقع پر اور دوسرے بہت سے مواقع پر مفصل تبصرے دیئے۔

ہم چارلس مان، لسیانڈرو پراڈوس، لے الیسکو سورا، اور ڈیوڈ ویبسٹر کے، ان کے ماہرانہ مشوروں کے لئے شکرگزار ہیں۔

اس کتاب کی تحقیق کرنے اور اسے لکھنے کے عمل کے دوران کافی عرصے تک، ہم دونوں Canadian Institute for Advanced Research)(CIFAR) کینیڈین انسٹیٹیوٹ فار ایڈوانسڈ ریسرچز (کفار) کے، اداروں، تنظیموں اور ترقی کے پروگرام کے رکن تھے۔ ہم نے بہت مرتبہ اس کتاب سے متعلقہ تحقیق کو کفار کے اجلاسوں میں پیش کیا، اور ہم نے اس حیرت انگیز تنظیم اوران دانشوروں، جنہیں یہ تنظیم باہم ملاتی ہے کی حمایت سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔

ہم نے، اس کتاب میں پیش کئے گئے مواد پر، مختلف سیمناروں، اور کانفرنسوں میں حقیقتاً سینکڑوں لوگوں کی طرف سے تبصرے وصول کئے، اور ہم اس بات پر معذرت خواہ ہیں

کہ ہم، ان اور بحثوں سے حاصل شدہ کسی تجویز، تصور یا بصیرت کو موزوں طور پر منسوب کرنے میں ناکام رہے۔

ہم اس تحقیقی منصوبے میں، میریا اینجلیکا باوٹسٹا، میلسا ڈیل، اور لیسانڈر، ہیلڈرنگ کی اعلیٰ قسم کی تحقیقی معاونت کے لئے ان کے انتہائی ممنون ہیں۔

آخری، لیکن بلاشبہ کمترین نہیں، یہ کہ ہماری انتہائی خوش نصیبی تھی کہ ہمیں ایک حیرت انگیز، صاحب بصیرت اور انتہائی معاون مدیر، جان مہانی، ملے۔ جان کے تبصروں اور تجاویز نے ہماری کتاب کو بہت زیادہ بہتر بنایا ہے، اور اس منصوبے کے لئے اس کی حمایت اور جوش وجذبے نے پچھلے ڈیڑھ سال کو بہت زیادہ خوشگوار اور بہت کم بوجھل بنایا ہے۔ جتنا کہ یہ بصورت دیگر ہوتا۔

MashalBooks.org

کتابیاتی مضمون اور ذرائع

پیش لفظ

محمد البرادی کے خیالات ذیل پر دیکھے جاسکتے ہیں

https://twitter.com/ElBaradei

مصعب الشامی اور نوحہ حامد کے حوالہ جات

Yahoo! News 2/6/2011, at news.yahoo.com/&/y blog-exclusive/20110206/ts-yblog-exclusive/egyptian-voices-from-tahrir-square. سے لئے گئے ہیں۔

وائل خلیل کے بلاگ پر چسپاں کئے گئے بارہ فوری مطالبات پر، دیکھئے۔

alethonews.wordpress.com/2011/02/27/egypl-reviewing-the-demands/.

ردا متوالے کا حوالہ الجزیرہ 2/1/2011 پر ذیل پر دیا گیا ہے۔

english.aljazeera.net/news/middleeast/2011/02/2011212597913527.html

باب اول: اس قدر قریب اور پھر بھی اس قدر مختلف

ریوڈی لا پلاٹا کی ہسپانوی کھوج کی اچھی بحث Rock(1992).ch.1 ہے۔ گوورانی کی دریافت اور نوآبادیات سازی پر دیکھئے Ganson(2003)۔ ڈی ساہاگون میں سے اقتباسات ڈی ساہاگون (1975) صفحات 49-47 سے لئے گئے ہیں، ہسپانیہ کی میکسیکو کی فتح اور ان اداروں پر جو انہوں نے تعمیر کئے (1963)Gibson بنیادی دستاویز ہے۔ ڈی لاس کساس سے اقتباسات بالترتیب ڈی لاس کساس (1992)، صفحات 118-117,39 اور 107 سے لئے گئے ہیں۔

پیرو میں پیزارو پر دیکھئے (1983)Hemming ابواب 1 تا 6، کا جامارا کے اجلاس، جنوب کی طرف پیشرفت اور انکا کے دارالحکومت، کزکو، کا احاطہ کرتے ہیں۔

دیکھئے Hemming(1983), chap. 2 on De Toledo۔ بیک ویل (1984) پوٹوسی میٹا

کے کام کرنے کا ایک جائزہ پیش کرتا ہے، اور ڈیل (2010) ایک شماریاتی شہادت پیش کرتا ہے، جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس کے وقت کے ساتھ ساتھ کیسے پائیدار اثرات تھے۔

آرتھرینگ کا اقتباس شہریڈان (1973) صفحہ 8۔ میں سے کو دوبارہ پیش کیا گیا ہے۔ ایسی بہت سی اچھی کتابیں ہیں جو، جیمز ٹاؤن کی ابتدائی تاریخ کو بیان کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، Price (2003) and Kupperman(2007) ہمارا اس کو برتنے کا انداز Morgan(1975) اور Galenson(1996) سے بھاری طور پر متاثر ہوا ہے۔ انس ٹاڈکل کا اقتباس Tod Kill(1885) کے صفحہ 38 سے لیا گیا ہے۔ جان سمتھ کے اقتباسات

Price (2003), P. 77(victuals...."), P. 93 (If Your King..."), and P.96 ("...when you send) سے لئے گئے ہیں۔

دا چارٹر آف میریلینڈ، دافنڈامینٹل کانسٹی ٹیوشنز آف کیرولیان اور دوسرے کانسٹی ٹیوشنز کو انٹرنیٹ پر ییل یونیورسٹی کے ایویلان پراجیکٹ کی طرف سے درج ذیل ویب سائٹ پر ڈالا گیا ہے۔

avalon.law.yale.edu/17th-Century.

بیک ویل (2009) باب 14، میکسیکو کی آزادی اور آئین پر بحث کرتا ہے۔ بعد از آزادی سیاسی عدم استحکام اور صدور پر دیکھئے سٹیونز (1911) اور نائٹ (2011)۔ کوٹس ورتھ (1978) آزادی کے بعد میکسیکو میں معاشی انحطاط پر ایک شہادت پر ایک جرمنی مقالہ ہے۔ ہیبر (2010) میکسیکو اور ریاستہائے متحدہ میں بینکاری کی ترقی کی تقابل پیش کرتا ہے۔ سوکولاف (1988) اور سوکولاف اینڈ جان (1990)، ریاست ہائے متحدہ میں ان موجدوں کے پس منظر کی شہادت پیش کرتے ہیں، جنہوں نے وہاں اپنی ایجادات پیش کیں۔ تھامس ایڈسن کی سوانح حیات کیلئے دیکھئے اسرائیل (2000)۔ ہیبر، ماورر، اوررزو، پورفائر وڈیاز کی سیاسی معیشت کی تعبیر، بہت حد تک ہماری بحث کی روح کے مطابق پیش کرتا ہے۔ ہیبر، کلائن ماورر اور مڈبروک (2008) میکسیکو کی اس سیاسی معیشت کے بیان کو بیسویں صدی کے اندر تک توسیع دیتے ہیں، شمالی اور لاطینی امریکا میں سرحدی زمینوں کی اختلافی تقسیم کے لئے دیکھئے نوجنٹ اینڈ رابنسن (2010) اور گریشیا۔ جیمینو اور رابنس (2011)۔ ہو۔ ڈی ہارٹ (1984) یا کولی لوگوں کی ملک بدری کا بیان باب 6 میں کرتے ہیں۔ کارلوس سلیم کے

MashalBooks.org

مقدر اور اس پر کہ کیسے بنا، دیکھیے ایلیا (2007) اور مارٹینیز (2002)۔

امریکاؤں کی تقابلی معاشی ترقی کی ہماری تعبیر کی بنیاد: سائمن جانسن، خاص طور پر ایسی موگلو، جانسن اور رابنس (2001,2) کے ساتھ ہماری اپنی سابقہ تحقیق پر ہے، اور یہ کوئسس ورتھ (1978-2008) اور اینگرمین اور سوکولوف (1997) سے بہت زیادہ متاثر ہے۔

باب 2: وہ نظریات جو کام نہیں کرتے

جیرڈ ڈائمنڈ کے عالمی ناہمواری پر خیالات اس کی کتاب Guns, Germs and Steel(1997) میں پیش کئے گئے ہیں۔ سیکس (2006) جغرافیائی جبریت کا اپنا متن پیش کرتا ہے۔ ثقافت کے بارے میں نظریات پورے علمی مطبوعہ مواد میں پھیلے ہوئے ہیں، لیکن انہیں کبھی اکیلی جلد میں اکٹھا نہیں کیا گیا، ویبر نے (2002) یہ استدلال کیا کہ یہ پروٹسٹنٹ ریفرمیشن تھی جس نے بات کی وضاحت کی کہ یہ یورپ ہی کیوں تھا جس نے صنعتی انقلاب آیا، لینڈیز (1999) نے یہ تصور پیش کیا کہ شمالی یورپیوں نے ثقافتی رویوں کا ایک منفرد ایسا سیٹ پروان چڑھایا، جو ان کے محنت اور بچت کرنے اور جدت کار بننے پر منتج ہوا۔ ہیریسن اور ہنٹنگٹن، ایڈیشنز (2000) تقابلی معاشی ترقی کے لئے ثقافت یا برطانوی اداروں کا کوئی برتر قسم کا سیٹ ہے، وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا ہے اور اسے یو ایس کی استثنائیت (فشر 1989) اور ترقی کے تقابلی نمونوں کی زیادہ عمومی طور پر ترقی کی توجیہہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے (لاپورٹا، لوپز ڈی۔ سائلنیز اور شیلسفر 2008)۔ بین فیلڈ، (1958) اور پٹنم، لیونارڈی اور نانیٹی (1994) کی تصانیف کا ایک پہلو یا جسے وہ "سماجی سرمایہ" کہتے ہیں، اٹلی کے جنوب کو غریب بنانا ہے۔ اس بات کے جائزے کے لئے کہ ماہرین معاشیات کس طرح ثقافت کے تصور کو استعمال کرتے ہیں، دیکھئے گائزو، سیپنزا، اور زنگالیز (2006)۔ تیبلینی (2010) مغربی یورپ میں لوگوں کے ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کی سطح اور سالانہ فی کس آمدنی کی سطوح کے مابین باہمی تعلق کا جائزہ لیتا ہے۔ نن اور وینچیکمون (2010)، یہ ثابت کرتے ہیں کہ کس طرح افریقہ میں اعتماد کا اور سماجی سرمایے کا فقدان، غلاموں کی تجارت کی تاریخی شدت کے سات باہم مربوط ہیں۔

کانگو کی برمحل تاریخ ہلٹن (1985) اور تھارنٹن (1983) میں پیش کی گئی ہے۔ افریقی ٹیکنولوجی

کی تاریخی پسماندگی پر دیکھئے گوڈی، (1971)، اور (1980) اور آسٹن ہیڈرک (1983) کی تصانیف۔

رابینز کی طرف سے پیش کردہ معاشیات کی تعریف رابنز (1935) صفحہ 16 سے لی گئی ہے۔

ابّا لرنر کا اقتباس، لرنر (1972) صفحہ 259 پر ہے یہ تصور کہ لاعلمی، تقابلی ترقی کی توجیہہ کرتی ہے، معاشی ترقی کے زیادہ تر معاشی تجزیوں اور پالیسی کی اصلاح مضمر ہے: مثال کے طور پر ولیم سن (1990)؛ پرکنز، راڈیلیٹ، اور لنڈائر (2006)؛ اور آغیون اور ہووٹ (2009) میں، اس تصور کا ایک حالیہ زوردار متن بینرجی اور ڈفلو (2011) میں پیش کیا گیا ہے۔

اسے سی موگلو، جانس اور رابنسن (2001-2002) اداروں، جغرافیے اور ثقافت کے تقابلی کردار کا شماریاتی تجزیہ پیش کرتے ہیں، اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ آج کل فی کس آمدنی میں اختلافات کی توجیہہ کرنے میں، ادارے دوسری دو اقسام پر غالب ہیں۔

باب 3: خوشحالی اور غربت کی ساخت

ہوانگ پیانگ وان اور اس کے بھائی کے درمیان ملاقات کی بحالی، ہوانگ کے جیمز اے فولے کی طرف سے لئے گئے انٹرویو، جسے فولے نے تحریر میں منتقل کیا، سے لی گئی ہے (2003) صفحات 203-197۔

استحصالی اداروں کا تصور، اسے سی موگلو، جانسن اور رابنسن (2001) سے جنم لیتا ہے۔ اشتمالی اداروں کی اصطلاح ہمیں ٹم بیسلے کی طرف سے سمجھائی گئی۔ معاشی خاسرین اور ان کے درمیان اور سیاسی خاسرین کے درمیان امتیاز، اے سی موگلو اور رابنسن (2000 b) کی اختراع ہے۔ بارباڈوس کے اعداد و شمار ڈن (1969) سے لئے گئے ہیں، سوویٹ معیشت کو ہمارا برتنے کا انداز نووے (1992) اور ڈیویس (1998) پر منحصر ہے، ایلن (2003) سوویٹ معاشی تاریخ کی ایک متبادل اور زیادہ مثبت تعبیر پیش کرتا ہے۔

سماجی سائنس کے مطبوعہ مواد میں، ہماری دلیل اور نظریے سے متعلقہ خاص تحقیق موجود ہے۔ اس مطبوعہ مواد اور اس میں ہماری خدمات پر ایک جائزے کے لئے دیکھئے ایسی موگلو، جانسن اور رابنسن (2005 b)۔ تقابلی ترقی کا ادارہ جاتی نقطہ نظر متعدد اہم تصانیف پر مبنی ہے۔ خاص طور پر

MashalBooks.org

قابل ذکر ہے، نارتھ اینڈ وین گاسٹ (1984) اور نارتھ، والیس اور وین گاسٹ (1989)۔ اولسن (1984) نے بھی معاشی ترقی کی سیاسی معیشت کا ایک بہت موثر احوال مہیا کیا ہے۔ موکاتر (1990) ایک بنیادی کتاب ہے، جو دنیا کی تاریخ میں معاشی خاسرین کا تعلق تقابلی ٹیکنولوجیاتی تبدیلی کے ساتھ جوڑتی ہے۔ معاشی خاسرین کا تصور اس بات کی توجیہہ کے لئے کہ ادارہ جاتی اور پالیسی نتائج موثر کیوں واقع نہیں ہوتے۔ سماجی سائنس میں بہت عام ہے۔

ہماری تعبیر، جو رابنسن (1998) اور اے سی موگلو اور رابنسن (2000 b, 2006 b) پر مبنی ہے۔ اس سے اختلاف کرتی ہے اور اس تصور پر زور دیتی ہے، کہ اشتمالی اداروں کے ظہور میں اہم ترین رکاوٹ اشراف کا یہ خوف ہے کہ وہ اپنا سیاسی اختیار کھو دیں گے۔ جونز (2003) ایک بھرپور تقابلی تاریخ مہیا کرتا ہے، اسی طرح کے نقطہ ہائے نظر پرزور دیتی ہے، اور سوکولوف (1997) امریکاؤں پر کام بھی انہی تصورات پر زور دیتا ہے۔ افریقہ کی پسماندگی کی سیاسی معیشت کی جرمی تعبیر بیٹس (1981, 1983, 1989) کی طرف سے کی گئی، جس کے کام نے ہمارے کام کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ ڈالٹن (1965) اور کلک (1978)، افریقی ترقی میں سیاست کے کردار پر زور دیتے ہیں، اور خاص طور پر اس بات پر کہ کس طرح سیاسی اختیار کھونے کا خوف معاشی پالیسی کو متاثر کرتا ہے۔ سیاسی خاسرین کا تصور اس سے قبل سیاسی معیشت پر دوسرے نظریاتی کاموں میں مضمر تھا، مثال کے طور پر بیسلے اور کوٹ (1998) اور بورگوگنن اور ورڈیر (2000) میں۔ ترقی میں سیاسی مرکزیت اور ریاستی اداروں کے کردار پر، میکس ویبر کے کام کا تتبع کرنے والے تاریخی ماہرین عمرانیات کی طرف سے بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ قابل ذکر کام مان (1986-1993) مگڈل (1988) اور ایونز (1995) کا ہے۔ افریقہ میں، ریاست اور ترقی کے درمیان تعلق پر ہربسٹ (2000) اور بیٹس (2001) کی طرف سے زور دیا گیا ہے۔ ماہرین معاشیات نے حال ہی میں اس مطبوعہ مواد میں اپنا حصہ ڈالنا شروع کیا ہے؛ مثال کے طور پر اے سی موگلو (2005) اور بیسلے اور پرسن (2011) نے۔ اخیر میں، جانسن (1982) ہیگرڈ (1990)، ویڈ (1990) اور یمسڈن (1992) نے اس بات زور دیا کہ کس طرح یہ مشرقی ایشیائی قوموں کی خصوصی سیاسی معیشت تھی، جس نے اس نے کے لئے معاشی طور پر اس قدر کامیاب ہونے کی گنجائش پیدا کی، فنلے (1965) نے یہ جرمی استدلال پیش کیا، کہ کلاسیکی دنیا میں غلامی ٹیکنولوجیاتی

حرکیت کے فقدان کی ذمہ دار تھی۔

اس تصور پر کہ استحصالی اداروں کے تحت ترقی ممکن ہے لیکن اس کے ناکام ہونے کا بھی امکان ہے، اے سی موگلو (2008) کی طرف سے زور دیا گیا۔

باب 4: چھوٹے اختلافات اور فیصلہ کن موڑ

بینیڈکٹو (2004) کالی موت کا ایک متعین جائزہ مہیا کرتا ہے، اگرچہ اس کے بارے میں تخمینے کہ اس مصیبت نے کتنے لوگوں کی جان لی متنازعہ ہیں۔ شریوبیری کے بوکچیو اور رالف کے اقتباسات کو ہوروکس (1994) کی طرف سے دوبارہ بیان کیا گیا۔ ہیچر (2008) انگلستان میں اس مصیبت کی پیش بنی اور آمد کا بہت موثر احوال مہیا کرتا ہے۔ مزدوروں کے قوانین (دا سٹیچوٹ آف لیبررز) کا متن، ایولان منصوبے کی طرف سے درج ذیل ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔ avalon.law.yale.edu/medieval/stllab.asp

کالی موت کے مشرقی اور مغربی یورپ کی علیحدگی پر اثر پر تصانیف نارتھ اور تھامس (1973) اور خاص طور پر بریز (1976) ہیں، جن کے اس امر کے تجزیے نے کہ سیاسی طاقت کی ابتدائی تقسیم نے، کالی موت کے نتائج کو کس طرح متاثر کیا، ہماری سوچ کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ دیکھیئے ڈوپلیسس (1997) مشرقی یورپ میں کسانوں کی دوسری غلامی پر۔ کوننگ (2010) اور اے دوگلو اور وولٹر کی (2011) بریز کے پیش کردہ قضیے کے ضابطوں کو مزید ترقی دیتے ہیں۔ جیمز وات کے اقتباسات کو رابنسن (1964) صفحات 24-223 سے دوبارہ تحریر میں لایا گیا ہے۔

اے سی موگلو، جانس، اور رابنسن (2005 a) میں ہم نے پہلے پہل یہ استدلال پیش کیا، کہ یہ اوقیانوسی تجارت اور ابتدائی ادارہ جاتی اختلافات میں باہمی تعامل تھا، جو انگریزی اداروں کے راستہ بدلنے پر اور آخرکار صنعتی انقلاب پر منتج ہوا۔ امراشاہی کے آہنی قانون کا تصور مائکلز (1962) کا مرہون منت ہے۔ فیصلہ کن موڑ کا تصور، سب سے پہلے لپسیٹ اور روکن (1967) کی طرف سے پروان چڑھایا گیا۔

سلطنت عثمانیہ کی طویل المدتی ترقی میں اداروں کے کردار پر، اوون (1981) اوون اور پامک (1999) اور پامک (2006) بنیادی ذرائع ہیں۔

MashalBooks.org

باب5: ’’میں نے مستقبل کو دیکھا ہے، اور یہ کامیاب ہے‘‘

سٹیفن کے روس کے مشن اور بارخ کو کہے ہوئے اس کے الفاظ پر، دیکھئے سٹیفیز (1931) باب۔18 صفحات 802-790۔ان لوگوں کی تعداد کیلئے جو 1930 کی دہائی میں فاقوں سے مر گئے، ہم ڈیویس اور وہیٹ کرافٹ (2004) کے اعداد وشمار استعمال کرتے ہیں، 1937 کی مردم شماری کی تعداد پر دیکھئے وہیٹ کرافٹ اور ڈیویس (1994 a, 1994 b)۔ سوویٹ معیشت میں جدت طرازی کی نوعیت کا مطالعہ برلائنر (1996) میں کیا گیا۔اس امر پر ہماری بحث، کہ سٹالینزم اور خاص طور پر معاشی منصوبہ بندی نے کس طرح حقیقتاً کام کیا، گریگوری اور ہیریسن (2005) پر مبنی ہے۔اس بات پر ترقی کو مسلسل غلط لیا، دیکھئے لیوی اور پرٹ (2009) لیبل اور بشانگ کا ہمارا برتاؤ اور اس کی تعبیر، ڈگلس (63-1962) اور وینینیا (1978) پر مبنی ہے۔

طویل موسم گرما کے تصور پر، دیکھئے فیگن (2003)۔نطوفیان اور ان آثاریاتی مقامات، جن کا ہم ذکر کرتے ہیں، کا قابل رسائی تعارف متھن (2006) میں پایا جا سکتا ہے۔ابو ہریرہ پر جرمی کا مور، ہلمین اور لیگ (2000) کا ہے، جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ کس طرح مقیمی زندگی اور ادارہ جاتی جدت کاری کھیتی باڑی سے پہلے ظہور میں آئیں۔اس بات کی شہادت کے عمومی جائزے کیلئے کہ مقیمی زندگی کھیتی باڑی سے پہلے آئی، دیکھئے سمتھ (1998) اور نطوفیانوں کے معاملے کیلئے دیکھئے بار۔یوسف اور بیلفر کوہن (1992)۔نوحجری انقلاب تک ہماری رسائی سہالینز (1972) سے اثر پذیر ہوئی، جس میں پیر یورونٹ کے بارے میں ایک واقع بھی ہے۔

مایا تاریخ کا ہمارا بیان مارٹن اور گروب (2000) اور ویبسٹر (2002) کی پیروی کرتا ہے۔کوپان کی آبادی کی تاریخ کی دوبارہ ساخت ویبسٹر فریئز، اور گونلن (2000) سے لی گئی ہے۔تاریخ زدہ یادگاروں کی تعداد سڈریز اور برجر (1979) سے لی گئی ہے۔

باب6: کھسک کر علیحدہ ہونا

وینس کے معاملے کی بحث پوگا اور ٹریفلر (2010) اور لین (1973) کے باب 8 اور نو کی پیروی کرتی ہے۔

روم پر مواد کسی بھی معیاری تاریخ میں موجود ہوتا ہے، روم کے معاشی اداروں کی ہماری

تعبیر فنلے (1999) اور بینگ (2008) کی پیروی کرتا ہے۔روم کے زوال کا ہمارا احوال وارڈ۔پرکنز (2006) اور گولڈز وردی (2009) کی پیروی کرتا ہے۔سابقہ سلطنت روما میں ادارہ جاتی تبدیلیوں پر دیکھئے، جونز (1964)۔ٹائبیریس اور ہیڈرین کے بارے میں واقعات فنلے (1999) سے لئے گئے ہیں۔

جہاز کی تباہیوں کی شہادت پہلے پہل ہاپکنز (1980) کی طرف سے استعمال کی گئی۔اس اور گرین لینڈ آئس کور پراجیکٹ کے ایک جائزے کے لئے دیکھئے ڈی کیلائے (2005) اور جانگ مین (2007) ایواج ونڈ ولینڈا آن لائن پر اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

Vindolanda.csad.ox.ae.uk/.

جو اقتباس ہم استعمال کرتے ہیں وہ Tv ii Pub.no:343. سے لیا گیا ہے۔

ان عوامل کا بیان، جو رومی برطانیہ کے زوال پر منتج ہوئے، کلیری (1989)، باب 4؛ فالکنر (2000) باب 7؛ ڈارک (1994) باب 2 کی پیروی کرتا ہے۔

ایکسم پر دیکھئے مٹرو (1991)۔یورپی جاگیرداری اور اس کی ابتدا پر جرمی کام بلوک (1961) کا ہے؛ ایتھوپیائی جاگیرداری پر دیکھئے کرمی (2000)۔فلپسن 1998 ایکسم کی تباہی اور سلطنت روما کی تباہی کے درمیان تقابل پیش کرتا ہے۔

باب7: فیصلہ کن تبدیلی

لی کی مشین اور ملکہ الزبتھ اول سے ملاقات کی کہانی درج ذیل ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔

claverton.homestead.com/willlee.html.

ایلن (2009 b)، حقیقی اجرتوں پر اعداد وشمار پیش کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ قیمتوں پر ڈائیوکلیشنز ایڈکٹ (Diocletians Edict) کو استعمال کرتے ہوئے۔

صنعتی انقلاب کے اسباب کے بارے میں ہمارا استدلال، نارتھ اور تھامس (1973) اور نارتھ اور وائن گاسٹ (1989!) بریز (1993) پنکس (2009) اور پنکس اور رابنسن (2010) کی طرف سے پیش کردہ دلائل سے بہت زیادہ متاثر ہے۔یہ دانش وراپنی جگہ پر، برطانوی ادارہ جاتی تبدیلی اور سرمایہ دار کے ظہور کی ابتدائی مارکسی تعبیرات سے متاثر تھے؛ دیکھئے ڈوب (1963) اور ہل (1980-1961)۔تانی کی (1941) کے مقدمے کو بھی دیکھئے، اس بارے میں کہ

MashalBooks.org

ہنری ہشتم کے ریاست کی تعمیر کے منصوبے نے کس طرح انگلستان کے سماجی ڈھانچے کو تبدیل کیا۔

میگنا کارٹا کا متن ایویلان پراجیکٹ پر ذیل کی ویب سائٹ پر آن لائن دستیاب ہے۔

avalon.law.yale.edu/medieval/magframe.asp.

ایلٹن (1953)، ہنری ہشتم کے تحت ریاستی اداروں کی ترقی پر جرمی کا کام ہے اور نیل (1971) انہیں پارلیمان کے ارتقا کے ساتھ جوڑتا ہے۔

کسانوں کی بغاوت پر، دیکھئے ہلٹن (2003)۔ اجارہ داریوں پر ہل کا اقتباس، ہل (1961)، صفحہ 25 سے لیا گیا ہے۔ چارلس اول کے ''ذاتی اقتدار'' کے دور پر ہم شارپ (1992) کی پیروی کرتے ہیں۔ اس امر پر ہماری شہادت کہ مختلف گروپوں اور علاقوں نے کس طرح پارلیمان کی حمایت، یا مخالفت کی، برٹن اور پینگٹن (1954)، ہل (1961) اور سٹون (2001) سے لی گئی ہے، پنکس (2009) کا حوالہ شاندار انقلاب پر بنیادی ہے اور وہ پالیسیوں اور معاشی اداروں میں بہت سی خصوصی تبدیلیوں پر بحث کرتا ہے؛ مثال کے طور پر ہرتھ ٹیکس (چولہا ٹیکس) کی واپسی اور بینک آف انگلینڈ کی تخلیق پر۔ نیز دیکھئے پنکس اور رابنسن (2010)۔ پیٹیگریو (2009-2007) اجارہ داریوں پر، بشمول افریقی کمپنی، تنقید، پر بحث کرتا ہے، اور درخواست بازی پر ہمارے اعداد و شمار اس کی دستاویزات میں سے لئے گئے ہیں، نائٹس (2010) درخواست بازی کی سیاسی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ ہورز بینک پر ہماری معلومات ٹیمن اور واتھ (2008) سے لی گئی ہیں۔

سپروائزر کو پرتھویٹ اور ایکسائز ٹیکس کی نوکر شاہی کے بارے میں ہماری معلومات بریور (1988) سے لی گئی ہیں۔

صنعتی انقلاب کی معاشی تاریخ کا ہمارا جائزہ مینٹوز (1961)، ڈانٹن (1995)، ایلن (2009a) اور موکائر (1990, 2009) پر مبنی ہے، جو ان مشہور موجدین اور ایجادات کی تفصیل مہیا کرتے ہیں جن پر ہم نے بحث کی ہے۔ بالڈون خاندان کے بارے میں کہانی بوگارٹ اور رچرڈوسن (2009, 2011) سے لی گئی ہے، جو شاندار انقلاب، حقوق ملکیت کی تنظیم نو، اور سڑکوں اور نہروں کی تعمیر کے درمیان تعلق پر زور دیتے ہیں کیلیکو ایکٹس (لٹھے کے قوانین) اور مانچسٹر ایکٹس پر دیکھئے اور برائین، گرفتھس اور ہنٹ (1991) جو قانون سازی میں سے اقتباسات کا ذریعہ ہے۔ صنعت میں نئے لوگوں کے غلبے پر دیکھئے، ڈانٹن (1995)، باب 7، اور کراوزیٹ (1985)۔

اس بارے میں ہمارا احول کہ بری صنعتی تبدیلیاں پہلے انگلستان میں کیوں واقع ہوئیں۔ اے سی موگلو، جانسن، اور رابنسن (2005 a) اور بریر (1976) پر مبنی ہیں۔ آزاد تاجروں کی تعداد اور ان کی سیاسی ترجیحات کے بارے میں اعداد و شمار زاہدیہ (2010) سے لی گئی ہیں۔

باب 8: ہمارے میدان پر نہیں

سلطنت عثمانیہ میں چھاپے خانے کی مخالفت پر، دیکھئے، سیورتیج سیمتھ (2003) صفحات 656-659۔ تقابلی تاریخی خواندگی، ایسٹرلین (1981) سے لی گئی ہے۔ سپین کے سیاسی اداروں پر ہماری بحث تھامپسن (1994a-1994b) کی پیروی کرتی ہے، اس عرصے کے دوران سپین کے معاشی زوال کی شہادت کے لئے، دیکھئے نوگل اور پریڈاس ڈی لا الیسکوسورا (2007)۔

آسٹریا ہنگری میں معاشی ترقی میں رکاوٹوں کی ہماری بحث، بلم (1943)، فرائیڈن برگر (1967) اور گراس کی پیروی کرتی ہے۔ ماریا تھیریسیا کا اقتباس فرائیڈن برگر صفحہ 495 سے لیا گیا ہے۔ کاونٹ ہارٹگ اور فرانسس اول کے باقی تمام قتباسات بلم سے لئے گئے ہیں۔ ٹائرول سے آنے والے وفود کو فرانسس کا جواب کا حوالہ چاس زی (1929) صفحات 81-80 سے لیا گیا ہے۔ آسٹریا میں راتھسچائلڈز کے تجربے پر کورٹی (1998) کے باب 2 میں بحث کی گئی ہے۔

روس کا ہمارا تجزیہ گرس چینکر ان (1970) کی پیروی کرتا ہے۔ کروپوٹکن سے اقتباس اس کی کتاب کے 2009 کے ایڈیشن کے صفحہ 60 سے لیا گیا ہے۔ نکولاس اور میخائیل کے درمیان بات چیت سانڈرز (1992) صفحہ 117 سے لی گئی ہے، ریلویز پر کینکرین کا اقتباس اوون (1991) صفحات 15,16 سے ہے۔

پیدا کاروں کے سامنے نکولس کی تقریر کو پنٹز (1967) صفحہ 100 سے دوبارہ تحریر کیا گیا ہے۔

اے۔ اے۔ زکریفسکی کا اقتباس پنٹز (1967) صفحہ 235 سے لیا گیا ہے۔

ایڈمرل زینگ پر دیکھئے ڈریئر (2007) ابتدائی جدید چین کی معاشی تاریخ مائیرز اور وینگ (2002) کی طرف سے احاطہ کی گئی ہے۔ ٹانگ چن کا اقتباس مائیرز اور وینگ صفحات 564-65 سے لیا گیا ہے۔

ایتھوپیا کی متعلقہ تاریخ کے ایک جائزے کے لئے دیکھئے زیوڈے (2002) اس امر کے اعداد و شمار کہ استحصالی ایتھوپیا تاریخی طور پر کیسا رہا ہے، پینک ہرسٹ (1961) سے لیا گیا ہے، جیسا

MashalBooks.org

کہ باقی تمام حوالے لئے گئے ہیں جن کو ہم یہاں دوبارہ تحریر کر رہے ہیں۔

صومالی اداروں اور تاریخ کا ہمارا بیان، لیوس (1961)، (2002) کی پیروی کرتا ہے۔ جن اگاس کی ہیر لیوس (1961) کے باب پر دوبارہ تحریر کی گئی ہے، جہاں وہ دوسری بہت سی مثالوں کو بھی رپورٹ کرتا ہے، تقالی اور تحریر کی بادشاہت پر دیکھئے ایوالڈ (1988)۔

باب9؛ ترقی کو پیچھے لوٹانا

امبان اور بانڈا کو ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے تحویل میں لینے اور کمپنی کے جنوب مشرقی ایشیا پر منفی اثرات کی ہماری بحث، حتّا (1978) خاص طور پر ریڈ (1993) باب 5 کی پیروی کرتی ہے، ٹومی پائرز پر ریڈ کے اقتباسات صفحہ 271 سے لئے گئے ہیں؛ مینگوئن ڈاناؤ میں ڈچ عنصر، صفحہ 299 سے؛ مینگوئن ڈاناؤ کے سلطان پر صفحات 300-299 سے۔ مسالوں کی قیمت پر ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اثر کے بارے میں معلومات اورور کے اور ولیمسن (2002) سے لئے گئے ہیں۔

افریقی معاشرے میں غلامی کے اور غلاموں کی تجارت کا حتمی جائزہ لوجوائے (2002) کا ہے۔ لوجوائے، صفحہ 47 جدول 31 غلاموں کی تجارت کی حد کے متفقہ تخمینوں کی خبر دیتا ہے۔ نن (2008) نے، افریقی معاشی اداروں اور افریقی ترقی پر غلاموں کی تجارت کے اثر کے اولین مقدار تخمینے مہیا کئے ہیں۔ آتشیں اسلحہ اور بارود کی درآمدات کے بارے میں معلومات انی کوری (1977) سے لی گئی ہیں۔ فرانسس مور کی شہادت کا حوالہ لوجوائے (2000) صفحات 90-89 سے لیا گیا ہے۔ لا (1977) اویو ریاست کی توسیع کا ایک جرمی مطالعہ ہے۔ افریقہ میں غلاموں کی تجارت کے آبادی پر اثرات کے تخمینے مینگ (1990) سے لئے گئے ہیں لوجوائے (2000)، باب 8، لا میں دیئے گئے مضامین (1995)، اور آسٹن (2005) کی اہم کتاب ''جائز تجارت'' کے دور کے تجربے کی ہماری بحث کی بنیاد ہے۔ ان افریقیوں کے تناسب کے بارے میں معلومات جو افریقہ میں غلام تھے، لوجوائے (2000) بطور مثال صفحہ 192، جدول 9.2 سے لی گئی ہیں۔ لائبیریا میں مزدوری کے بارے میں معلومات کلوور، ڈالٹن، ہارویز اور والٹرز (1966) سے لی گئی ہیں۔

دوغلی معیشت کا تصور لیوس (1954) کی پروان چڑھایا گیا۔ فرگوسن (2010) دوغلی معیشت کا

ایک ریاضیاتی نمونہ پیش کرتا ہے۔ یہ تصور کہ یہ سامراجیت کی ایک تخلیق تھی، پہلے پہل پالمر اور پارسنز (1977) کی طرف سے مدون کئے گئے مضامین کے جرمی مجموعے میں پیش کیا گیا۔ جنوبی افریقہ کا ہمارا احوال بنڈی (1979) اور فائن سٹائن (2005) پر مبنی ہے۔

موراوین مبلغ کا حوالہ بنڈی (1979) صفحہ 46 پر دیا گیا ہے، اور جان ہیمنگ کا حوالہ بنڈی صفحہ 72 پر دیا گیا ہے۔ مشرقی گریکوالینڈ میں زمین کی ملکیت کا پھیلاؤ بنڈی صفحہ 89 سے؛ سٹیفن سونجیکا کا استحصال بنڈی صفحہ 94 سے؛ میتھیو بلتھ کا اقتباس صفحہ 97 سے؛ اور فنگو لینڈ 1884 میں ایک یورپی مبصر کا اقتباس بنڈی صفحات 100-101 سے لئے گئے ہیں۔ جارج ایلبو کا حوالہ فائن سٹائن (2005) صفحہ 63 سے لیا گیا ہے؛ مقامی معاملات کے سیکرٹری کا حوالہ فائن سٹائن صفحہ 45 سے؛ افریقی سونے کے کان کنوں کی حقیقی اجرتوں کی معلومات ولسن کے (1972) کے صفحہ 66 سے لی گئی ہیں۔ جی فنڈلے کا حوالہ بنڈی (1979) صفحہ 242 سے لیا گیا ہے۔

یہ تصور کہ مغرب کے امیر ملکوں کی ترقی، باقی ماندہ دنیا کی پسماندگی کی آئینہ کی تصویر ہے، ابتدائی طور پر والرسٹائن (1974-2011) کی طرف سے پیش کیا گیا، اگرچہ وہ ان میکانیوں سے بہت مختلف میکانیوں پر زور دیتا ہے، جن پر ہم زور دیتے ہیں۔

باب10: خوشحالی کا پھیلاؤ

یہ باب، سائمن جانسن اور ڈیوڈ کیٹونی کے ساتھ ہماری سابقہ تحقیق پر مبنی ہے: اے سی موگلو، جانسن، اور رابنسن (2002) اور اے سی موگلو، جانسن، کیٹونی اور رابنسن (2010-2011) پر۔

آسٹریلیا میں ابتدائی اداروں کی ترقی کی ہماری بحث ہرسٹ کے جرمی کام (1983, 1988, 2003) اور نیل (1991) کی پیروی کرتی ہے۔ جج کالنز کو جاری کی جانی والی رٹ کا اصل مسودہ (آسٹریلیا میں میکواری یونیورسٹی لاسکول کی مہربانی سے) ذیل پر دستیاب ہے۔

www.law.mq.edu.au/scnsw/html/cable%20v%20sinclair,%201788.htm

وینٹورتھ کے حامیوں کی میکارتھر کی کردار نگاری کا حوالہ میلبورن (1963) صفحات 131-132 سے لیا گیا ہے۔ راتھس چائلڈز کی اصل کی ہماری بحث فرگوسن (1998) کی پیروی کرتی ہے؛ مائر راتھس چائلڈ کا اپنے بیٹے پر تبصرہ فرگوسن صفحہ 76 سے دوبارہ تحریر کیا گیا ہے۔

MashalBooks.org

فرانسیسیوں کے یورپی اداروں پر اثر کے بارے میں ہماری بحث اے سی موگلو، کینٹونی، جانسن، اور رابنسن (2010-2011) سے ان کے اندر کے حوالہ جات سے لی گئی ہے۔ فرانسیسی انقلاب کے معیاری جائزے کے لئے دیکھئے ڈویل (2002)۔ وفاقی واجبات پر معلومات لینگر (2004) صفحہ 96 سے ہے، اوگلیوی (2011) یورپی ترقی پر گلڈوں کے تاریخی اثر کا جائزہ لیتا ہے۔

اوکولو کی زندگی کے بیان کے لئے دیکھئے ایواٹا (1964)۔ ساکا موٹو ریوما کا آٹھ نکاتی منصوبہ جانسن (2000) صفحہ 310 سے دوبارہ تحریر کیا گیا ہے۔

باب 11: دائرۃ الخیر

بلیک ایکٹ کی ہماری بحث تھامپسن (1975) کی پیروی کرتی ہے۔ بپٹسٹ نن کی 27 جون کی رپورٹ تھامپسن (1975) صفحات 65-66 سے لی گئی ہے۔ دوسرے اقتباس تھامپسن کے قانون کی حکمرانی کے حصے صفحات 258-69 سے لئے گئے ہیں، جو مکمل طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔

انگلستان میں جمہوریت سازی کا ہمارا نقطہ نظر، ایسی موگلو اور رابنسن (2000,2001,2006) پر مبنی ہے۔ ارل گرے کی تقریر کا حوالہ ایونز (1996) صفحہ 223 سے ہے۔ جمہوریت کے بارے میں سٹیفن کے تبصرے کا حوالہ برگز (1959) صفحہ 34 سے لیا گیا ہے۔ تھامپسن کا حوالہ تھامپسن (1975) صفحہ 269 سے ہے۔

پیپلز چارٹر (عوام کے منشور) کا مکمل متن، کول اور فلسن (1951) پر اور ذیل پر پایا جاسکتا ہے۔

web.bham.ac.uk/1848/document/peoplech.html

برک کا اقتباس برک (1790/1969)، صفحہ 152 سے لیا گیا ہے

لنڈرٹ (2004-2009) گزشتہ دوسو سال کے دوران جمہوریت اور عوامی پالیسی کے ایک ساتھ ارتقا کا جرمی برتاؤ ہے۔ کیسر 2009، ریاستہائے متحدہ میں سیاسی حقوق کے ارتقا کا جرمی تعارف ہے۔ وینڈربلٹ کا حوالہ جوزف سن (1934) صفحہ 15 سے ہے۔ روز ویلٹ کے خطاب کا متن ذیل پر ہے۔

www.Theodore.roosevelt.com/sotu1.html.

ووڈرو ولسن کا قتباس ولسن (1913) صفحہ 286 سے لیا گیا ہے، صدر روز ویلٹ کی انگیٹھی

کے پاس کی گپ شپ کا متن ذیل پر ہے۔

millercenter.org/seripps/archive/speeches/detail/3309.

ارجنٹینا اور ریاستہائے متحدہ میں سپریم کورٹ کے جسٹسوں کی تقابلی مدت کے بارے میں معلومات ایاری کز وور، سپلر، اور ٹوماسی (2002) میں پیش کی گئی ہیں۔

ہیلمکے (2004) ارجنٹینا میں عدالت کو ختم کرنے کی تاریخ پر بحث کرتا ہے، اور جسٹس کارلوس فائیٹ کا حوالہ دیتا ہے۔

باب 12: بدی کا چکّر

یہ باب، ادارہ جاتی تسلسل پر ہماری نظریاتی اور تجرباتی تحقیق پر بہت بھاری طور پر انحصار کرتا ہے، خاص طور پر اے سی موگلو، جانسن اور رابنسن (2005 b) اور اے سی موگلو اور رابنسن (2008a) پر۔ ہیتھ (1972) اور کیلی اور کلائن (1980) نے امراشالی کے آہنی قانون کا 1952 کے بولیویا کے انقلاب پر جرمی اطلاق کیا۔

برطانوی پارلیمان کی دستاویزات سے اقتباس کو ایوان نمائندگان (ہاؤس آف کامنزم) کے (1904) کے صفحہ 15 سے دوبارہ تحریر کیا ہے۔ بعد از آزادی سیرالیون کی ابتدائی سیاسی تاریخ کارٹ رائٹ (1970) میں اچھے طریقے سے بیان کی گئی ہے اگرچہ اس بارے میں کہ سیاکا سٹیونز نے ریلوے لائن کو کیوں اکھاڑا، تعبیرات میں اختلاف ہے، لیکن نمایاں ترین تعبیر یہ ہے کہ اس نے ایسا مینڈی لینڈ کو الگ کرنے کے لئے کیا۔ اس سلسلے میں ہم ابراہم اور سیسے (1993) صفحہ 120؛ رچرڈ ز (1996) صفحات 42,43؛ اور ڈیویلیس (2007) صفحات (684-85) کی پیروی کرتے ہیں۔ رینو (1995,2003) سٹیونز کی حکومت کے بہترین نبھاؤ ہیں۔ زرعی مارکیٹنگ بورڈوں پر معلومات ڈیویلیس (2007) سے لی گئی ہیں۔ سام بینگورا کے کھڑکی سے باہر پھینک کر قتل پر دیکھئے، رینو (1965) صفحات (137-41)۔

بیٹس (1981) اس امر پر کہ کس طرح مارکیٹنگ بورڈوں نے، بعد از آزادی کے افریقہ میں زرعی پیداواریت کو تباہ کیا، ایک جرمی تجزیہ ہے، اس امر پر کہ کس طرح سرداروں کے ساتھ سیاسی تعلقات، گھانا میں، زمین کے حقوق ملکیت کا تعین کرتے ہیں، دیکھئے گولڈسٹائین اور

MashalBooks.org

اڈری (2009)۔

1993 میں سیاستدانوں اور ہسپانوی فاتحین کے مابین تعلق پر دیکھئے ڈوسل (1995) باب 1۔ اور کیساؤس آرزو (2007)۔ کانسولیڈو ڈی کامرشیو کے بارے میں ہماری بحث ووڈ ورڈ (1966) کی پیروی کرتی ہے۔ صدر باریوس کا اقتباس مک کریری (1994) صفحات 88-187 سے لیا گیا ہے۔ جارج ابیکو کی حکومت کی ہماری بحث گریب (1979) کی پیروی کرتی ہے۔

ریاستہائے متحدہ کے جنوب کی پسماندگی کی ہماری بحث اے سی موگلو اور رابنسن (2008b) کی پیروی کرتی ہے۔ خانہ جنگی سے پہلے کی غلاموں کی معیشت کے ارتقا پر دیکھئے رائٹ (1978) اور بیٹ مین اور وائس کو صنعت کی کمی پر، موگل اور اینگرمین (1974) ایک مختلف اور متنازعہ تعبیر دیتے ہیں۔ رائٹ (1986) اور رینسم اور سچ (2001) یہ جائزہ پیش کرتے ہیں کہ کس حدتک جنوبی معیشت 1865 کے بعد حقیقتاً تبدیل ہوئی۔ کانگریس میں جارج واشنگٹن جولیان کا حوالہ وائنر (1978) صفحہ 6 پر دیا گیا ہے۔ یہی کتاب خانہ جنگی کے بعد جنوبی زمیندار اشرافیہ کے تسلسل کا تجزیہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ نائیڈو (2009)، جنوبی ریاستوں میں 1980 کی دہائی میں بالغ ٹیکسوں اور خواندگی کی آزمائشوں کے متعارف کروانے کے اثرات کا جائزہ لیتا ہے۔ ڈبلیو ای بی ڈوبوئس کا اقتباس اس کی کتاب ڈوبوئس (1903)، صفحہ 88 سے لیا گیا ہے، الاباما آئین کی شق 256 ذیل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

www.legislature.state.al.us/CodeofAlabama/Constitution/1901/CA-245806.htm

آسٹن اور میزی (1999) اس امر پر بحث کرتے ہیں کہ کس طرح جنوبی سیاستدانوں نے اس وفاقی قانون سازی کو روک دیا، جو وہ سمجھتے تھے کہ جنوب کی معیشت کو منتشر کردے گی۔ ووڈ ورڈ (1955) جم کرو کی تخلیق کا ایک جرمی جائزہ پیش کرتا ہے۔

ایتھوپیائی انقلاب کے جائزے، ہالیڈے اور مولی نیکس (1981) میں مہیا کئے گئے ہیں۔ شہنشاہ کے گدوں پر دیکھئے کیپوشنسکی (1983) ڈاووٹ وولڈ جارجس کے اقتباسات ڈاووٹ جارجس (1989) صفحات 49 اور 48 سے بالترتیب لئے گئے ہیں۔

باب 13: آج قومیں کیوں ناکام ہوتی ہیں

موگابے کی لاٹری کی کامیابی بشمول زمبینک کے عوامی اعلان پر بی بی سی کی رپورٹ کے

لئے دیکھئے: news.bbc.co.uk/2/hi/africa/621895.stm

روڈیشیا میں سفید فام راج کی تخلیق کا ہمارا برتاؤ پالمر (1977) اور ایلگزینڈر (2006) کی پیروی کرتا ہے، میریڈتھ (2007) تازہ ترین زمبابوین سیاست کا ایک اچھا جائزہ مہیا کرتا ہے۔

سیرالیون میں خانہ جنگی کا ہمارا احوال رچرڈز (1996)، ٹروتھ اینڈ ری کانسلیشین کمشن (2004) اور کین (2005) کی پیروی کرتا ہے۔ 1995 میں فری ٹاؤن کے دارالحکومتی شہر میں ایک اخبار میں شائع ہونے والے تجزیہ کا حوالہ کین (2005) صفحہ 34 سے لیا گیا ہے۔ آر یو ایف کے ''جمہوریت کی طرف جانے والی روشیں'' (فٹ پاتھس ٹو ڈیموکریسی) کا متن ذیل پر دکھایا جاسکتا ہے: www.sierra-leone.org/AFRC-RUF/footpaths.html.

جیوما کے بالغ کا اقتباس کین (2005) صفحہ 42 سے لیا گیا ہے۔ کولمبیا کے نیم عسکری اداروں کی ہماری بحث اے سی موگلو، رابنسن اور سانٹوز (2010) اور شاویز اور رابنسن (2010) کی پیروی کرتی ہے، جو اپنی جگہ پر کولمبیا کے دانشوروں، خاص طور پر رومیرو (2003) رومیرو کے مضامین (2007) اور لوپز (2010) پر بھرپور طور پر انحصار کرتے ہیں۔ لیون (2009)۔ کولمبیا میں ہم عصر کشاکشوں کی نوعیت کا ایک قابل رسائی اور متوازن بیان ہے۔ نیز، ہفتہ وار اخبار سیمانا کی طرف سے چلائی جانے والی ویب سائٹ. www.verdadabierta.com/ بھی بنیادی ہے۔ تمام اقتباسات اے سی موگلو، رابنسن، اور سانٹوز (2010) سے لئے گئے ہیں۔ مارٹن لانوس اور کیسانیر کے میئرں کے مابین معاہدہ ہسپانوی زبان میں ذیل پر دستیاب ہے:

www.verdadabierta.com/victimarios/los-jefes/714-perfil-hector-german-buitrago-alias-martin-llanos

ایل کورالیٹو کی بنیادوں اور نتائج کو دی اکانومسٹ میگزین میں مضامین کے ایک سلسلے میں اچھی طرح پیش کیا گیا ہے، جو ذیل پر دستیاب ہے:

www.economist.com/search/apachesolr_search/corralito.

ارجنٹائن کی ترقی میں اندرون کے کردار پر دیکھئے ساورز (1996)۔ ہاسگ اور اوہ (2009) شمالی کوریا میں زندگی کا ایک شاندار قابل قدر احوال مہیا کرتے ہیں۔ باب 2 قیادت کے پرتعیش انداز زندگی کا احاطہ کرتا ہے، اور ابواب 3 اور 4 ان معاشی حقیقتوں جن کا زیادہ تر لوگوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کرنسی کی اصلاحات کا بی بی سی ذیل پر دیکھا جاسکتا ہے۔

MashalBooks.org

news.bbc.co.uk/2/hi/8500017.stm.

مسرت محل اور برانڈی کے استعمال پر دیکھئے پوسٹ (2004) کا باب 12۔

بچوں کی مشقت اور اُزبکستان میں کپاس کی چنائی کے لئے اس کے استعمال پر ہماری بحث کانڈیوتی (2008) کی پیروی کرتی ہے جو ذیل پر دستیاب ہے:

www.soas.ac.uk/cccae/events/cotton-sector-in-central-asia-2005/file49842.pdf.

گلناز کا اقتباس کانڈیوٹی کے صفحہ 20 پر سے لیا گیا ہے، اینڈی جان کی شورش کے لئے دیکھئے انٹرنیشنل کرائسس گروپ کا بیان ڈینی (1937) سے دوبارہ تحریر میں لایا گیا ہے۔

مصر میں ''لنگوٹیوں کی سرمایہ داری'' کا ہمارا تجزیہ سافا کیاناکس (2004) کی پیروی کرتا ہے۔

باب 14: سانچے کو توڑنا

بوٹسوانا کا ہمارا بیان، اے سی موگلو، جانسن اور رابنسن (2003) کی پیروی کرتا ہے؛ رابنسن اور پارسنز (2006) کی؛ اور لیتھ (2005) کی۔ شاپیرا (1970) اور پارسنز، ہینڈرسن، اور ٹلاؤ (1995) بنیادی کام ہیں۔ ہائی کمشنز دے کا حوالہ اے سی موگلو، جانسن ، اور رابنسن (2003) صفحہ 96 سے لیا گیا ہے۔ تین سرداروں کی انگلستان یاترا کی بحث پارسنز (1998) کی پیروی کرتی ہے، اور اس سے متعلقہ تمام حوالہ جات اس کی کتاب؛ چیمبرلین، صفحہ 206,7 سے لئے گئے ہیں؛ فیئر فیلڈ صفحہ 209 سے؛ اور رہوڈز صفحہ 223 سے۔ شاپیرا کا حوالہ شاپیرا (1940) صفحہ 72 سے لیا گیا ہے۔ کویٹ میسائر کا حوالہ میسائر (2006) صفحہ 43 لے لیا گیا ہے، ٹسوانا قبائل کی ترکیت پر دیکھئے شاپیرا (1952)۔

ریاستہائے متحدہ کے جنوب میں تبدیلی کا ہمارا بیان، اے سی موگلو اور رابنسن (2008b) کی پیروی کرتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے جنوب سے آبادی کے نقل مکانی پر دیکھئے رائٹ (1999)؛ کپاس کی چنائی کے مشینی طریقے پر ہائی نیک (1994)۔ "FRDUM FOOF SPETGH" کا حوالہ مکی (2008) صفحہ 50 سے لیا گیا ہے۔ تھرمانڈ کی 1948 کی تقریر

www.slate.com/id/2075151/

سے لی گئی ہے، جہاں آپ بھی آڈیو ریکارڈنگ سن سکتے ہیں۔ جیمز میریڈتھ اور آکسفرڈ، مس سس سی پی پر دیکھئے ڈویل (2001)۔ جنوب میں سیاہ فاموں کی ووٹنگ پر شہری حقوق کی قانون

سازی کے اثر پر، دیکھئے رائٹ (1999)۔

ماؤ کی وفات کے بعد، چین کی سیاسی تبدیلی کی نوعیت اور سیاست پر دیکھئے ہارڈنگ، (1987) اور میک فارکہار اور شوئن ہالز 2008)۔ ڈینگ کا بلی کے بارے میں اقتباس ہارڈنگ صفحہ 51 سے لیا گیا ہے۔ ثقافتی انقلاب کا پہلا نکتہ شوئن ہالز (1996) صفحہ 33 سے ہے؛ ہٹلر پر ماؤ کی بیان میک فارکہا، اور شوئن ہالز صفحہ 102 سے؛ ''ٹو وہٹایورز'' (Two whatevers) پر ہوا کا بیان ہارڈنگ صفحہ 56 سے لیا گیا ہے۔

باب 15: خوشحالی اور غربت کی تفہیم

ڈائی گوفینگ کی کہانی کے لئے دیکھئے مک گریگور (2010) صفحات 26-219۔ سرخ ٹیلیفونوں کی کہانی بھی مک گریگور باب 1 سے لی گئی ہے۔ ذرائع ابلاغ پر پارٹی کے کنٹرول پر دیکھئے پین (2008) باب 9، اور مک گریگور (2010) صفحات 69-64 اور 62-235۔ پارٹی کے کاروباری مہم جوؤں کے بارے میں رویوں کے بارے میں اقتباسات مک گریگور (2010) صفحات 201-200 اور 223 سے ہیں۔ چین میں سیاسی اصلاحات پر وین جیاباؤ کے تبصروں کے لئے دیکھئے

www.guardian.co.uk/world/2010/aug/29/wenjiabao-china-reform.

جدیدیت کے مفروضے کا واضح طور پر اظہار لپسیٹ (1959) میں کیا گیا ہے۔ اس کے خلاف شہادت پر تفصیل سے بحث اے سی موگلو، جانسن، رابنسن، اور یارڈ (2008,2009) میں کی گئی ہے۔

جارج ایچ ڈبلیو بش کا اقتباس news.bbc.co.uk/2/hi/business/752224.stm سے لیا گیا ہے۔

دسمبر 2001 کے بعد افغانستان میں این جی او کی سرگرمی اور غیر ملکی امداد کی ہماری بحث غنی اور لاک ہارٹ (2008) سے حاصل کی گئی ہے۔ غیر ملکی امداد کے مسائل رنیز دیکھئے ریڈیکا اور سکونسن (2004) اور ایسرلی (2006)۔ زمبابوے میں کلاس معاشی اصلاح اور افراط زر کے مسائل کی ہماری بحث، اسے موگلو، جانسن، رابنسن اور کوئروبین (2008) سے لی گئی ہے، سیوا مندر کی بحث بینرجی، ڈفلو، اور گلینر سٹر (2008) سے لی گئی ہے۔

برازیل میں ورکرز پارٹی کی تشکیل کی روداد کیک (1992) کی طرف سے پیش کی گئی ہے۔ فیو جی موری اور مونٹے سی نوز کی ذرائع ابلاغ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی بحث میک ملن اور زوئیڈو (2001) سے، اور چینی کمیونسٹ پارٹی کے کنٹرول کا اقتباس مک گریگور (2010) صفحہ 69 سے لئے گئے ہیں۔

MashalBooks.org

نقشہ جات کے ذرائع

نقشہ 1:

سلطنت انکا اور سڑکوں کا نظام، جان وی مترا (1984) سے ڈھالے گئے ہیں، ''1532 سے پہلی اینڈین معاشرے''، لیسلی بیتھل، مدون شدہ دا کیمبرج ہسٹری آف لیٹن امریکا'' جلد اول (نیو یارک کیمبرج یونیورسٹی پریس)۔ میٹا کے اثر کی حدود کا نقشہ میلسا ڈیل (2010) سے لیا گیا ہے، "The Persistent Effects of Perus mining *Mita*" (پیرو کے کان کنی کے میٹا کے مستقل اثرات) اکانومیٹریکا: 78، 1863-1903۔

نقشہ 2:

میرم بروہن اور فرانسسکو گلیلیگو (2010) سے حاصل کردہ معلومات کو استعمال کرتے ہوئے کھینچا گیا۔ ''اچھا، برا اور بدصورت: کیا وہ معاشی ترقی میں اہمیت رکھتے ہیں، (Review of Economics and statistics میں سامنے آنے والا۔

نقشہ 3:

عالمی بینک کے عالمی ترقی کے اشاریئے (2008) سے حاصل کردہ معلومات کو استعمال کر کے کھینچا گیا۔

نقشہ 4:

جنگلی سوروں کا نقشہ ذیل سے موزوں کر کے بنایا گیا ڈبلیو ایل آر آلیور؛ آئی ایل برسبن، جونیئر اور ایس تا کا ہاشی (1993)، ''یوریشیائی جنگلی سور ("Sus scrofa")، ڈبلیو آر آلیور میں مدون کیا گیا، Pigs, Pecaries and Hippos: Status survey and Action Plan (گلینڈ، سوئٹزر لینڈ، IUCN، صفحات 112-121۔ جنگلی مویشیوں کو ذیل سے ترقی دے کر بنایا گیا: آوروکس کے نقشے سے جو سیس وین وور (2005)، Retracing the Aurochs (Sofia: Pensoft Publishers صفحہ 41 سے لیا گیا۔

نقشہ 5:

ڈینیل زوہرے اور میرا ہوپف (2001)، The Domestication of Plants in the

Old World, 3rd edition(New York, Oxford University Press) سے موزوں کر کے بنایا گیا۔ گندم کا نقشہ 4، صفحہ 56 سے؛ جو کا نقشہ 5، صفحہ 55 سے۔ چاول کی تقسیم کا نقشہ ٹے۔زو چنگ (1976)،

[" The Origin, Evolution, Cultivation, Dissemination, and Diversification of Asian and African Rices" *Euphtiea* 25 425-41,]

شکل نمبر 2 صفحہ 433 سے موزوں کیا گیا۔

نقشہ 6:

کوبا بادشاہت مبنی ہے، درج ذیل پر جان وینسینا (1978)

The Children of Woot (Madison: University of Wisconsin Press), map2, P.8.

کانگو مبنی ہے درج ذیل پر جان وینسینا (1995)،

(Equatorial Africa before Nineteenth Century) in Philip curtin, Stefen Feierman, Leonard Thompson, and Jan Vansina, *African History:From Earliest Times to Independence* (New york: Longman), map.8.4, P.228.

نقشہ 7:

Defense Meteorological Satellite Programs Operational Linescan System(DMSP_OLS)

سے حاصل کردہ معلومات کو استعمال کرتے ہوئے بنایا گیا، جو کہ رات کو 20.00-21.30 مقامی وقت کے مطابق 830 کلومیٹر خط عمودی کی بلندی سے زمین کی تصاویر کو رپورٹ کرتا ہے۔

(http://www.ngdc.noaa.gov/dmsp/sensors/ols.html).

نقشہ 8:

جیروم بلم (1998)،

The End of the Old Order in Rural Europe(Princeton:Princeton University Press).

سے حاصل کردہ معلومات کی بنیاد پر بنایا گیا۔

نقشہ 9:

Colin Martin and Geoffrey Parker(1988), *The Spanish Armada* (London:

MashalBooks.org

Hamilton) pp.i-ii, 243.

میں شامل نقشوں سے موزوں کیا گیا۔

نقشہ 10:

Simon Martin and Nikolai Gribe(2000), *Chronicle of the Maya Kings and Queens: Deciphering the Dynasties of the Ancient Maya* (London: Thomas Hudson) P.21.

سے موزوں کیا گیا۔

نقشہ 11:

Mark A. Kishlansky, Patrick Geary and Patricia O Brien (1991), *Civilization in the west* (NewYork: Harper Collins Publishers), P.151.

سے موزوں کیا گیا۔

نقشہ 12:

صومالی قبائل درج ذیل سے موزوں کئے گئے،

Ioan M. Lewis(2002), *A Modern History of Somalia*(Oxford: James Currey), map of "Somali ethnic and elan-family distribution (2002)";

ایکسم کا نقشہ درج ذیل سے موزوں کیا گیا۔

Kevin Shillington (1995), *History of Africa*, 2nd edition (New York: St Martins Press) map 5.4, p.69.

نقشہ 13:

J.R. Walton (1998), "Changing Patterns of Trade and Interaction since 1500", in R. A. Butlin and R. A. Dodgshon, eds., *An Historical Geography of Europe* (Oxford: Oxford University Press), figure 15.2,P.326

نقشہ 14:

درج ذیل سے موزوں کیا گیا۔

Anthony Reid (1988) *Southeast-Asia in the Age of Commerce, 1450-1680: Volume 1, The Land Below the Winds* (New Haven: Yale University Press) Map2, P.9.

نقشہ 15:

ذیل میں دی گئی معلومات سے اخذ کیا گیا:

Nathan Nunn (2008), "The Long Term Effects of Africa's Slave Trades" *Quartety Journal of Economics* 123, no.1, 139-76

نقشہ 16:

یہ نقشے درج ذیل نقشوں پر مبنی ہیں؛ جنوبی افریقہ کے لئے:

A. J. Christopher (2001), *The Atlas of Changing South Africa*(London: Routledge) Figure 1.19 P.31,

زمبابوے کے لئے:

Robin Palmer (1977) *Land and Racial Domination in Rhodesia* (Berkley: University of California Press), map 5, P.245.

نقشہ 17:

درج ذیل سے موزوں کیا گیا:

Alexander Grab (2003), *Napolean and the Transformation of Europe*(London: Palgrave Macmillan), map 1, P.17, map 2, p. 91.

نقشہ 18:

1840 کی ریاستہائے متحدہ کی مردم شماری سے حاصل کردہ معلومات کو استعمال کرتے ہوئے بنایا گیا، جو ذیل پر سے ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے:

National Historical Geographic Information System: http://www.nhgis.org/.

نقشہ 19:

ریاستہائے متحدہ کی 1880 کی مردم شماری سے حاصل کردہ معلومات کو استعمال کرتے ہوئے بنایا گیا، جو ذیل پر سے ڈاؤن لوڈ کی جا سکتی ہیں۔

National Historical Geographic Information System: http://www.nhgis.org/.

نقشہ 20:

Daron Acemoglu, James A Robinson, and Rafael J. Santos(2010), "The Monopoly of Violence:Evidence from Columbia at http://scholar.harvard.edu/jrobinson/files/jr_formation of state.pdf

MashalBooks.org